# ترجمان السنة

عربی اردو

2

دورِ حاضر کی ضرورتوں کے مطابق اہم تشریحات
اور قدیم و جدید مباحث کے ہمراہ مستند کتابوں سے
احادیثِ نبویہ کا جامع انتخاب



تالیف
زبدۃ المحدثین حضرت مولانا بدر عالم میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہٗ
استاذ الحدیث دار العلوم دیوبند و رفیق ندوۃ المصنفین دہلی

إدارۂ إسلامیات
۱۹۰ انار کلی لاہور
۲۴۳۹۹۱، —— ۳۲۴۴۱۲، —— ۳۵۳۲۵۵،
فیکس: ۸۵، ۳۲۴، ـ ۰۴۲ ـ ۰۹۲

# ترجمان السنۃ

مطول
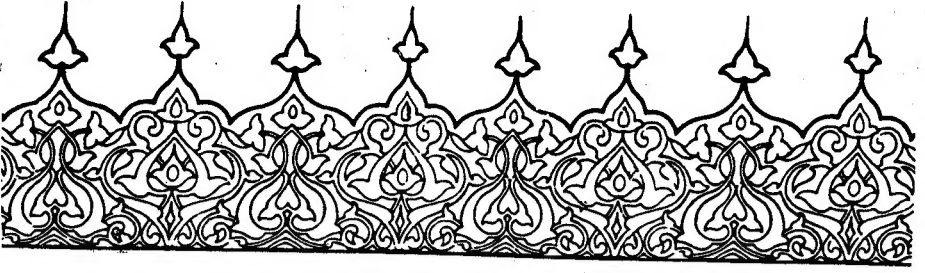
عربی - اردو

**جلد دوم**

دورِ حاضر کی ضرورتوں کے مطابق جدید عنوانات اور قدیم مباحث کے ہمراہ

احادیثِ طیبہ کا جامع و مستند عظیم الشان مجموعہ

تالیف

زبدۃ المحدثین حضرت مولانا بدرِ عالم صاحب میرٹھی مہاجر مدنی قدس سرہٗ

استاذ الحدیث دار العلوم دیوبند و رفیق ندوۃ المصنفین دہلی


ادارہ اسلامیات

پبلشرز، بک سیلرز، ایکسپورٹرز

★ دیناناتھ مینشن، مال روڈ، لاہور
فون ۷۲۴۳۴۱۲، ۷۲۳۳۴۱۳، فیکس ۷۳۲۴۷۸۵-۴۲-۹۲

★ ۔۔۔۔۔ ۱۹۰، انارکلی، لاہور، پاکستان
فون ۔۔۔۔۔ ۷۲۳۲۹۹۱ - ۷۳۵۳۲۵۵

★ ۔۔۔۔۔ موہن روڈ
چوک اردو بازار، کراچی فون ۷۷۲۲۴۰۱

# انتساب

شیخ الاسلام حضرت علامہ سید محمد انور شاہ قدس
سرہٗ کی عشقِ نبوی اور خدمتِ حدیث میں ڈوبی ہوئی رُوح کے
نام جن کے فیضِ صحبت سے رفقائے ندوۃ المصنفین اس خدمت
گرامی کے لائق ہوئے۔

ندوۃ المصنفین

# فہرست مضامین ترجمان السنہ جلد دوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

الحمد للہ کہ "ترجمان السنہ" جلد اول طبع ہو کر شائقین تک پہنچ گئی اور اب جلد ثانی پیش کی جا رہی ہے۔ جلد اول طباعت کے جن دشوار گذار مراحل سے گذری حق یہ ہے کہ ان میں ہر مرحلہ ناقابل عبور تھا، لیکن اسے قدرت کا ایک کرشمہ ہی کہنا چاہیے کہ بالآخر وہ تمام مرحلے طے ہو گئے اور ارشاداتِ نبوت کا یہ عظیم الشان ذخیرہ عالمِ خیال سے نکل کر منصۂ شہود پر آگیا۔ والحمد للہ حمدًا کثیرًا طیبًا مبارکًا فیہ۔

مؤلف کو جلد اول کی تالیف کے وقت یہ شکایت تھی کہ اس اچھوتے اور اہم موضوع پر قلم اٹھانے کے لیے اس کو سالوں کی بجائے چند مہینے اور چند مہینوں کی بجائے چند ہفتے اور چند ہفتوں کی بجائے چند پرسکون ساعات بھی میسر نہ آسکیں یعنی مسودہ ابھی ذہنی مراحل بھی طے کرنے نہیں پاتا تھا کہ زبان قلم پر آجانے کا تقاضا ہو جاتا تھا اور کاتب کے ہاتھ ادھر سے اچک لیجاتے تھے مگر جب دوسری جلد کی تالیف کی نوبت آئی تو اُن گذشتہ ایام ہی پر حسرت ہوتی تھی کاش گذشتہ ایام کے سکون و طمانیت کی وہ ساعتیں پھر عود کر آئیں، وہ حوادث و انقلابات کے اس مہیب سمندر میں بہا جا رہا تھا۔ جس کی طوفان خیز موجوں میں اطمینان و سکون کا تو ذکر ہی کیا موت و حیات کا پتہ لگنا بھی مشکل تھا۔ لیکن اس سراسیمگی و فراموشی کے عالم میں بھی اگر کوئی شئے فراموش نہیں ہو سکی تو وہ جلد ثانی کی تالیف کا خیال تھا، اب مؤلف کے پاس ندوۃ المصنفین کی لائبریری کے علمی ذخائر تو کجا نام کے لیے ایک کتاب بھی نہیں تھی، مشورہ کے لیے علماء کی محفلیں تو کہاں میسر ہوتیں کسی عالم کی ایک صحبت بھی عنقا ہو گئی تھی اور دماغی سکون اور جمعیتِ خاطر کا تو کہیں دور دور بھی پتہ نہیں تھا۔ ایک ایک حدیث کے لیے اس کو قرن اول کی طرح میلوں مارا مارا پھرنا پڑتا تھا پھر جب بہزار مشکل کوئی حدیث کبھی اس کے ہاتھ لگ جاتی تو طبیعت کی درماندگی آگے بڑھنے سے جواب دے بیٹھتی تھی اور اگر کسی وقت طبیعت ذرا بیدار ہوتی تو جن ماخذ کا وہ سہارا تکتی وہ یکسر معدوم نظر آتے تھے۔ ان سب مشکلات سے بڑھ کر یہ مشکل تھی کہ جلد ثانی کے تشریحی نوٹ اگر علمی لحاظ سے جلد اول کے ہموزن نہ رہتے تو دونوں جلدوں کا توازن فوت ہوتا تھا۔ بہرحال ۴۷ء، ۴۸ء کے ان ہی تاریخی ہنگاموں، سراسیمگیوں اور معذوریوں میں یہ جلد بھی تالیف ہو گئی۔ اور یہ خیال کر کے کہ اگر تحسینِ صورت و سیرت کی خاطر کسی دوسری فرصت کا انتظار کیا گیا تو معلوم نہیں آئندہ حالات اور کدھر لیجائیں، اس جلد کو

اِسی حالت میں یہ کہ کر قارئین کرام کے سامنے پیش کیا جارہا ہے۔

علی اَنّی راضٍ بِاَنْ اَحمِلَ الھَوٰی وَاَخْلصَ مِنْہُ لَا عَلَیَّ وَلَا لِیَا

"ترجمان السنہ" کے عنوانات اور جمع احادیث میں جو اسلوب جدید اختیار کیا گیا ہے چونکہ وہ اس خدمت کا ایک بڑا اہم حصہ ہے اس لیے اس کے متعلق کچھ گذارش کردینی ضروری ہے۔ عام ناظرین کے پیش نظر جو چیز رہیگی وہ صرف اس کے تشریحی نوٹ یا زیادہ سے زیادہ اس کے تراجم کی سطح ہوگی لیکن اس کے عنوانوں کی گہرائی، ان کا باہم ربط، اس کے تراجم کی خصوصیات اور خالی الذہن انسان کو ان سے جو اسلامی تربیت حاصل ہوسکتی ہے اس کا احساس خال خال ہی کسی کو ہوگا۔ رہی وہ کاوش جو احادیث کی جمع و ترتیب کے سلسلہ میں اُٹھائی گئی ہے اس کا اندازہ بجز ان چند علماء کے جو کتب حدیث کے دفتر الٹنے میں اپنی راتوں کی نیند تلف کرنے کے عادی بن چکے ہیں اور کس کو ہوسکتا ہے۔ اس حقیقت کے اظہار میں کوئی مبالغہ نہیں ہے کہ ترجمان السنہ کی کتاب الایمان کی تسوید میں کسی ایک یا چند کتب کی صرف کتاب الایمان کا مطالعہ قطعًا کافی نہیں ہوسکا بلکہ اس کے ایک ایک عنوان کے لیے احادیث کے مختلف ابواب کے دفاتر اُلٹے گئے ہیں۔ پھر اس وسیع سمندر کی تہ میں جو جو موتی غیر مرتب بکھرے نظر آئے ان کو چن چن کر بہتر سے بہتر موقعہ پر رکھنے کی کوشش کی گئی ہے۔ مثال کے طور پر حدیث نمبر ۳ دیگر کتب احادیث میں صرف وسوسہ کے عام عنوان کے نیچے ملتی ہے لیکن ترجمان السنہ جلد اول میں اس کو آپ کی ضرورت کے ایک اہم عنوان کے تحت رکھ دیا گیا ہے، اسی طرح صفحہ ۳۳۲ تک جتنی حدیثیں ذکر کی گئی ہیں پہلے آپ ان کو ایک بار دیگر کتب حدیث میں دیکھ جائیے کہ کن ابواب اور عنوانات کے تحت ہیں پھر ترجمان السنہ میں ان کے عنوانات ملاحظہ فرمائیے مولف کی کاوش کا اندازہ ہو جائیگا۔ کتاب التوحید کے بعد رسالت و نبوت کا اہم باب سامنے آتا ہے اس سلسلہ میں حدیث (۹۳) کا مضمون پہلے بغور ملاحظہ کیجیے، آپ کو یقین ہو جائیگا کہ رسولوں کی ذات سے والہانہ عقیدت رکھنے والوں کے لیے مال و دولت میں کوئی حصہ نہیں ہے، یہ تصور حقیقت کے لحاظ سے خواہ کتنا ہی درست ہو لیکن موجودہ دماغوں کے لیے جتنا وحشتناک ہوسکتا ہے ظاہر ہے۔ مولف نے اس موقع پر سوال کی جوابدہی سے قبل پورا وقت اس پر صرف کیا ہے کہ سب سے پہلے صاحب شریعت کے منشا کا پتہ لگایا جائے اس کے بعد اصل مسئلہ کی جانب توجہ کی جائے۔ اس مرحلے پر نہ معلوم کتنی دردسری اور کاوش کے بعد نسیم الریاض میں چند کلمات نظر پڑ گئے جن سے حدیث کا اصل مفہوم روشن ہوگیا۔ پھر دیکھا تو شبہ کا کوئی محل ہی باقی نہ رہا تھا۔ اس تمام مضمون کو پہلے ایک مختصر عنوان میں سمیٹ دیا گیا ہے پھر تشریحی نوٹ میں اس کی وضاحت

کردی گئی ہے۔

اسی ضمن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیغمبرانہ تعارف کا ذکر آگیا ہے۔ ہمارے نزدیک اس سلسلہ کا سب سے اہم تعارف آپ کا خاتم النبیین ہونا ہے۔ صرف رسالت ونبوت کا تصور گو انبیاء سابقین پر ایمان لانے کے لیے کافی ہو لیکن آپ کے حق میں یہ تصور یقیناً ایک ناقص تصور ہے آپ کا کامل تصور اس وقت تک نہیں ہو سکتا جب تک رسالت کے ساتھ آپ کے خاتم النبیین ہونے کا تصور بھی نہ کیا جائے۔ اسی لیے قرآن کریم نے سورۂ احزاب کی آیۃ "وَلٰكِنْ رَّسُوْلَ اللّٰهِ وَخَاتَمَ النَّبِيّٖنَ" میں حضورؐ کے تعارف کے لیے رسول اللہ کے ساتھ خاتم النبیین ہونا بھی نمایاں طور پر ذکر کیا ہے۔ گویا مردوں میں سے کسی کا نسبی والد ہونا اگرچہ عام شانِ رسالت کے منافی نہ ہو لیکن خاص آپ کی شان کے منافی ہے کیونکہ آپ صرف اللہ تعالیٰ کے رسول نہیں بلکہ خاتم النبیین بھی ہیں۔ یہ باب دیگر کتب احادیث میں آپ کو جتنا مختصر ملیگا ترجمان السنہ میں وقتی تقاضوں کے لحاظ سے اسی قدر مفصل نظر آئیگا۔ صرف اس ایک باب میں بائیس جدید عنوانات قائم کیے گئے ہیں پہلے اس مضمون کی جتنی حدیثیں کتب تفاسیر واحادیث میں مختلف مقامات پر پھیلی ہوئی تھیں ان کو ایک جگہ جمع کر دیا گیا ہے پھر مضامین کے لحاظ سے ان کو جدا جدا عنوانات کے تحت تقسیم کر دیا گیا ہے اور کوشش صرف اس باب کو پھیلانے کی نہیں کی گئی بلکہ ان تمام نقوش وعنوانات کو ابھارنے کی گئی ہے جو گذشتہ دور میں غیر ضروری ہونے کی وجہ سے دبے ہوئے تھے اور درحقیقت اس مسئلہ کے لیے بنیادی حیثیت رکھتے تھے۔ پھر تشریحی نوٹوں میں اس کی ضروری وضاحت بھی کر دی گئی ہے' خاتمہ پر جو مقالہ سپرد قلم کیا گیا ہے وہ خواہ اس موضوع کی خوش کن تعبیرات سے لبریز نہ ہو لیکن اس راہ میں شکوک وشبہات کا جو کانٹا بھی کسی کے قلب میں چبھ سکتا تھا اس کے نکالنے کے لیے ان شاء اللہ تعالیٰ کافی ہوگا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات بابرکات کے غائبانہ تعارف کے سلسلہ میں ان صفات کا ذکر بھی آگیا ہے جو تورات وانجیل میں مذکور تھیں اور خوش قسمتی سے ان کا تذکرہ حدیثوں میں بھی آگیا تھا۔ چونکہ "ترجمان السنہ" کا موضوع مستند احادیث کا مجموعہ پیش کرنا ہے اس لیے ان احادیث کا جمع کرنا بھی ناگزیر طور پر اس کے موضوع میں داخل ہوگیا ہے۔ یہاں اصل مقصد یہود ونصاریٰ کو خطاب کرنا نہیں کہ جو رسول پر ایمان ہی سے بے بہرہ ہوں وہ اس کے کلام سے کیا مستفید ہو سکتے ہیں ہمارے مخاطب وہ اصحاب ہیں جو احادیث کے مطالعہ کا شغف تو رکھتے ہیں لیکن سوء اتفاق سے ان کے پاس ان کے حسب مذاق اردو زبان میں کوئی کتاب نہیں۔ "ترجمان السنہ" کے صفحہ ۴۰۰ پر اس کے متعلق پوری وضاحت

کردی گئی ہے۔
اسی سلسلہ میں علم النبی کے عنوان کے تحت آپ کو دو حدیثیں ملینگی پہلی حدیث "انا اعلمکم باللہ" اور دوسری حدیث "انتم اعلم بامور دنیاکم" آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد فرمودہ کلمات کی روشنی میں عنوان بالا کا فیصلہ پورے اعتدال کے ساتھ کرسکتے ہیں۔ یہ دو حدیثیں کتب حدیث میں جن جن عنوانات کے تحت ہیں ان کے بالمقابل ہماری ضرورت کے لحاظ سے عنوان مذکور کہیں زیادہ اہم ہے پھر یہ دو حدیثیں دیگر کتب میں سیکڑوں صفحات کے فاصلہ پر رکھی ہوئی ہیں اور ترجمان السنہ میں پہلو بہ پہلو رکھی ہوئی نظر آئینگی اس طریق کار کے موسس اول امام بخاری ہیں۔ ان کے بعد حدیثی صنائع میں تو ان کی نقالی بھلا کون کرسکتا تھا ہاں ان کی کتاب کے صرف خارجی نقش و نگار کی نقالی کی ہم نے بھی کوشش کی ہے اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ اپنے مقبولان بارگاہ کی اس نقالی میں برکت و اخلاص مرحمت فرمائے۔ آمین۔

حق تعالیٰ اور اس کے مقدس رسول کے مختصر تعارف کے بعد ان پر ایمان لانے کے ابواب شروع کیے گئے ہیں۔ ان میں سب سے پہلے فضائل ایمان کا ذکر کیا گیا ہے۔ اس باب کے اکثر عنوانات گو خود احادیث ہی کے مختصر ٹکڑے ہیں مگر ترجمان السنہ میں ان کو ایک خاص ترتیب کے ساتھ ایک جگہ جمع کر کے بشکل عنوانات روشن کردیا گیا ہے تاکہ ان کے مطالعہ کرنے والوں میں ایمان کی ایک نئی روح پیدا ہو جائے۔
حدیث نمبر ۲۰۸ پر جو عنوان قائم کیا گیا ہے وہ علم کا ایک جدید اور مستقل باب ہے یعنی ایک نیکی پر دس گونہ ثواب ملنا تو اسلام میں ایک مشہور ضابطہ ہے لیکن اس کے بعد سات سو گونہ تک ثواب ملنے کا ذکر بھی حدیثوں میں آتا ہے۔ ہمیشہ خیال یہی رہا کہ سات سو گونہ اور اس سے زیادہ ثواب ملنے کا شاید کوئی ضابطہ نہ ہوگا یہ صرف ارحم الراحمین کی رحمت بے پایاں کے تحت ہے وہ جسے جتنا چاہے عطا فرمادے، لیکن جب حافظ ابن رجب حنبلی کی کتاب نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ سات سو گونہ اور اس سے زیادہ ... تضاعیف کا ثواب بھی شریعت میں ایک بہت معقول ضابطہ کے تحت ہے۔ ترجمان السنہ میں اس کی طرف پہلے ایک مختصر عنوان میں اشارہ کیا گیا ہے۔ اس کے بعد نوٹ میں اس کی وضاحت کردی گئی ہے۔ اس کی قدر ایسے ہی اشخاص فرماسکتے ہیں جن کے قلوب میں خوش اعتقادی کی دنیا سے نکل کر علمی میدان میں قدم رکھنے کا جذبہ ہو یا جن کے دماغ میں علمی لحاظ سے اس بارے میں کبھی کوئی الجھن پیش آئی ہو۔
اسی طرح ارکان اسلام میں باہم ربط کا عنوان بھی ایک اہم عنوان ہے جس پر ترجمان السنہ جلد اول کے آخر میں اور اس جلد میں بھی ایک موقعہ پر تنبیہ کی گئی ہے مضمون کی اہمیت ان مقامات کے مطالعہ کے

بعد ہی واضح ہوگی۔

ابواب الایمان کی تکمیل کے بعد کتبِ احادیث کی ترتیب کے بالکل برخلاف اشراک باللہ اور نفاق کے ابواب ذکر کیے گئے ہیں۔ ہمارے زمانہ میں ان ابواب کی پوری وضاحت کیے بغیر کتاب الایمان کی ستنی بھی تفصیل کی جائے ناقص رہتی ہے۔ اس کے شروع میں بھی ایک متوسط مقالہ لکھ دیا گیا ہے، اس ترتیب سے مؤلف کا مقصد یہ ہے کہ جب تک پہلے خدائے وحدہ لاشریک لہ اور اس کے رسول پاک کا اس طرح تعارف اور ایمان کے یہ مراحل طے نہ کیے جائیں اور شرک و نفاق کی ہر آلودگی سے اس کو یکسر پاک وصاف نہ کر لیا جائے ایمانِ کامل نصیب نہیں ہو سکتا۔ دامنِ ایمان پر جب کبھی معصیت کا داغ لگ جاتا ہے تو دماغی لحاظ سے ایک بڑی کشمکش پیدا ہو جاتی ہے وہ کبھی تو اس کو اعتزال کی طرف لیجاتی ہے اور کبھی اِرجار کی طرف کھینچتی ہے۔ حدیثیں بھی اس بارے میں دونوں طرح کی ملتی ہیں، کہیں ادنیٰ فروگذاشت سے ایمان کی نفی معلوم ہوتی ہے اور کہیں شراب نوشی جیسی معصیت کے بعد بھی مغفرت کی بشارت سے محرومی معلوم نہیں ہوتی۔ مؤلف نے ان دونوں قسموں کا توازن قائم رکھنے کے لیے مختلف عنوانات قائم کر دیے ہیں۔ جن کا خلاصہ یہ ہے کہ ایمانِ کامل ہے تو وہی بلند مقام جو معمولی معصیت کی ٹھیس بھی برداشت نہیں کرتا شراب نوشی تو کجا۔ لیکن اس کے یہ معنے بھی نہیں کہ اسلام میں انسان کی فطری کمزوری کے لیے کوئی پناہ نہیں ہے۔ وہ ہر وقت اس کو پناہ دینے کے لیے تیار ہے بشرطیکہ اس کا قلب جذباتِ وفاداری اور معصیت پر ندامت سے معمور رہے۔ اسی کے ساتھ وہ برابر اس کی ترغیب دیتا ہے کہ انسان صرف اغماض و تساہل کی زندگی بسر کرنے کا عادی نہ بنے بلکہ اس مقامِ رفیع تک رسائی کی سعی کرتا رہے جہاں پہنچ کر ادنیٰ سی فروگذاشت بھی اس کو بصورتِ نفاق نظر آنے لگے۔ اس کے بعد تقدیر کا اہم مسئلہ شروع ہوتا ہے۔ یہ مسئلہ ہر دور میں معرکۃ الآرا مسائل میں سب سے زیادہ لاینحل سمجھا گیا ہے اور حقیقت بھی یہی ہے، اس کے باوجود ہر زمانے میں اس پر علما و فضلا نے خامہ فرسائی کی ہے۔ احقر نے بھی کبھی فرصتوں کے دنوں میں اس پر دو مقالے لکھے تھے اور خیال

---

لہ اکتوبر ۱۹۴۹ء کے معارف میں "ترجمان السنہ" پر ریویو کرتے ہوئے ایک حدیث کے عنوان پر مؤلف کے ساتھ اختلاف رائے ظاہر کیا گیا ہے۔ اختلاف رائے ہر عالم کا حق ہے، لیکن اس کا بھی محل ہونا چاہیے۔ حدیث ۹۴ پر احقر نے ایک شخص کی شراب نوشی پر معصیت کا لفظ اطلاق کر دیا ہے۔ فاضل معاصر نے معصیت کے بجائے اس کو لمم میں داخل فرمایا ہے۔ حیرت ہوتی ہے کہ جس امر پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے دو مرتبہ حد شرعی قائم ہو چکی ہو کیا اس کو بھی معصیت کی تعریف سے خارج کیا جا سکتا ہے اور پھر کیا وہ ترجمہ جو اس حدیث پر امام بخاری کی جانب سے ترجمان السنہ میں نقل کیا گیا ہے ارتکاب لمم پر قائم کیا جا سکتا ہے؟

یہ تھا کہ علماء کے گزشتہ مضامین کے ساتھ اُن کی حیثیت پیوند کی ضرور ہوگی مگر افسوس اور صد افسوس کہ اس فتنہ میں وہ بھی ضائع ہوگئے۔ اس متاعِ علمی کے ضیاع کا جتنا صدمہ ہوسکتا ہے وہ ہوا اور زیادہ افسوس اس کا ہے کہ اب اس مکمل تصویر کا ایک نقش بھی ذہن میں نہیں رہا کہ کسی ناقص صورت ہی میں اُس کو ناظرین کے سامنے پیش کر دیا جاتا۔ اب نہ وہ فرصت ہے، نہ وہ طبیعت کی تازگی، نہ وہ علمی ذخائر بلکہ وہ ہمت شکن درماندگی محیط ہے جو کسی علمی سرمایہ گم کرنیوالے کو ہوا کرتی ہے۔ بااین ہمہ کتاب کی تکمیل کے تقاضے مہمیز کا کام کرتے رہے اور اس لیے ایک شکستہ طبیعت میں جتنی سکت باقی تھی اس کو پھر اٹھانا پڑا اور بڑی جانفشانی کے بعد اس مضمون کی احادیث جمع کرنے کی جو خدمت رہ گئی تھی اس کو مکمل کرکے وقتی استعضار کے لحاظ سے ایک مقالہ یہاں پھر ہدیۂ ناظرین کر دیا گیا ہے۔ اس باب کی حدیثیں بھی احادیث کے تمام متفرق ابواب سے جمع کی گئی ہیں۔ حتیٰ کہ کتاب النکاح اور کتاب العتاق سے۔ آپ کو تعجب ہوگا کہ ان ابواب میں تقدیر کے مسئلہ کی حدیثیں کہاں ملینگی مگر ملیں اور بہت بیش بہا ملیں[1]۔ خوش نصیبی سے اس وقت ہمارے پاس مصطفیٰ صبری کا رسالہ موقف البشر موجود تھا۔ اس باب میں یہ رسالہ جملہ گذشتہ تصانیف سے زیادہ قیمتی ہے۔ اس کو بار بار مطالعہ کرکے خاص طور پر پیش نظر رکھا گیا ہے۔ ان مباحث کے بعد ارادہ تھا کہ عالم ارواح برزخ اور آخرت پر بحث کی جائے جس کے ضمن میں ملائکہ اور شیاطین اور دوزخ وجنت وغیرہا کے مباحث بھی آجاتے ہیں۔ اور اس طرح کتاب الایمان میں آمنتُ باللہ کی مشہور ترتیب محفوظ رہے لیکن بعض وقتی مسائل کے لحاظ سے شاید یہ ترتیب ترک کرنی پڑے اس لیے ابھی نہیں کہا جاسکتا کہ آئندہ جلد کس ترتیب سے سامنے آئے گی۔

یہ ظاہر کر دینا بھی ضروری ہے کہ تیسری جلد میں تشریحی نوٹوں کا یہ اسلوب غالبًا باقی نہ رہ سکے، وقت کی نزاکت کتاب کے جلد از جلد مکمل کر دینے کی متقاضی ہے اور تفصیلات میں جانا فرصت چاہتا ہے اس لیے ہوسکتا ہے کہ پہلے جدید عنوانات کے تحت حدیثوں، ان کے ترجموں اور صرف مختصر نوٹوں پر اکتفا کی جائے۔ اس کے بعد پھر قدرت جس کو منتخب فرمائے وہ اس مواد کو پھیلا کر پوری تفصیلات کے ساتھ پیش کر دے ؎ این کار دولت است۔ کنوں تا کرا رسد۔ وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العلمین۔

بندہ محمد بدر عالم عفا اللہ عنہ

[1] یہ ابواب جلد ثالث میں آئیں گے

# الایمان کلما ازدادت علاقتہ بالغیب کان افضل

## ایمان کا تعلق غیب کے ساتھ جتنا گہرا ہو اتنا ہی فضیلت کا موجب ہے

امام راغبؒ غیب کی تفسیر کرتے ہوئے لکھتے ہیں والغیب فی قولہ تعالیٰ یؤمنون بالغیب مالا یقع تحت الحواس ولا تقتضیہ بداھۃ العقل وانما یعلم بخبر الانبیاء علیھم السلام۔

غیب کا لفظ مختلف معنوں میں مستعمل ہوتا ہے۔ آیۃ یؤمنون بالغیب میں غیب کا اطلاق اُن چیزوں پر کیا گیا ہے جو انسانی حواس کے ادراک سے بالاتر ہیں۔ اور عقل بھی بدیہی طور پر ان کا تقاضہ نہیں کرتی وہ صرف انبیاء علیہم السلام کے بتانے سے معلوم ہوتی ہیں۔ ذیل کی آیتوں میں غیب کے یہی معنی مراد ہیں۔

| | |
|---|---|
| (۱) وللہ غیب السمٰوات والارض۔ | آسمانوں اور زمین کی غیب کی باتوں کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہے۔ |
| (۲) اطلع الغیب | کیا اسے غیب کی باتوں کی خبر لگ گئی ہے۔ |
| (۳) لا یظھر علی غیبہ احدا | اللہ تعالیٰ اپنی غیب کی باتوں پر کسی کو قابو نہیں دیتا۔ |
| (۴) لا یعلم الغیب الا اللہ | غیب کی باتوں کو اللہ تعالیٰ کے سوا اور کوئی نہیں جانتا۔ |
| (۵) وما کان اللہ لیطلعکم علی الغیب۔ | بھلا تم اس قابل کب ہو کہ اللہ تعالیٰ تم کو اپنی غیب کی باتوں کی بلاواسطہ خبر دے |
| (۶) علام الغیوب | اللہ تعالیٰ کو غیب کی تمام باتوں کا پورا پورا علم ہے۔ |
| (۷) وعندہ مفاتح الغیب لا یعلمھا الا ھو۔ | غیب کے خزانوں کی کنجیاں اللہ تعالیٰ کے قبضہ میں ہیں اس لئے غیب کا علم بھی صرف اسی کو ہے۔ |

(۸) ولوکنت اعلم الغیب لاستکثرت من الخیر وما مسنی السوء۔ اگر میں غیب کی سب باتیں جانتا تو ساری بھلائیاں اپنے لئے جمع کر لیتا اور کوئی برائی مجھے چھو بھی نہ سکتی۔

(حالانکہ میری زندگی شاہد ہے کہ نہ خیر کے تمام خزانے میرے ہاتھ میں ہیں اور نہ میں حوادث عالم سے مستثنیٰ ہوں)۔

یاد رکھنا چاہئے کہ دنیا میں انسانوں کی دو قسمیں ہیں۔ خدا پرست اور مادہ پرست۔ مادہ پرست تمام عالم کو صرف اپنے دائرہ محسوسات میں محدود تصور کرتا ہے اس کے نزدیک کسی اور عالم بالا کا تصور صرف ایک وہم پرستی یا مذہبی خوش اعتقادی سے زیادہ نہیں ہوتا اس لئے وہ دعوت انبیا علیہم السلام میں جب کسی ماورار محسوسات عالم کا تذکرہ سنتا ہے تو بیساختہ اس کا تمسخر اڑانے کو تیار ہو جاتا ہے اس کے نزدیک جب عالم غیب کی کوئی حقیقت ہی نہیں تو اس پر ایمان لانا بھی بے معنی ہے وہ اس ایمان کی حقیقت صرف ایک جہل یا جبری انقیاد سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک ایسے ایمان سے نہ تو نفس انسانی میں کوئی ارتقائی تحریک ابھر سکتی ہے اور نہ اس میں اعمال صالحہ اور ملکات حسنہ کا کوئی ذوق پیدا ہو سکتا ہے۔

دوسری قسم خدا پرستوں کی ہے ان کے نزدیک موجودات کو دائرہ محسوسات میں محدود سمجھنا ہی ایک بنیادی غلطی ہے جب عالم محسوسات میں بھی بہت سی چیزوں کا یقین ہمیں صرف مؤرخین اور جغرافیین کے بیانات ہی پر کرنا پڑتا ہے اور صرف اس بنا پر ان سے انکار کر دینا صحیح نہیں ہوتا کہ ہم نے بچشم خود ان کو نہیں دیکھا تو پھر ان ماورار محسوسات عالم کا انکار کیونکر صحیح ہو سکتا ہے جن کو اگرچہ ہم نے نہیں دیکھا لیکن انبیار علیہم السلام کی آنکھوں نے ہم سے زیادہ تحقیق کے ساتھ ان کو دیکھا اور ان کا مشاہدہ کیا ہے۔ اس سے یہ واضح ہو گیا کہ عالم غیب کے غیر محسوس ہونے کے معنی یہ ہیں کہ وہ صرف ہمارے ضعیف حواس کے دسترس سے باہر ہوتا ہے نہ یہ کہ تحت الحس آنے کی صلاحیت نہیں رکھتا اس لئے خدا پرست جماعت انبیار علیہم السلام کی فہم و فراست اور ان کی صداقت و امانت کے اعتماد پر عالم غیب پر ایمان لے آنا عین تقاضائے عقل سمجھتی ہے اور یہی تصدیق و اذعان ان کے ایمان کی ساری قیمت ہوتی ہے۔ اگر غیب پر یہ اذعان و اطمینان حاصل نہ ہو تو ان کا ایمان بے قیمت ہو۔

### غیر معقول اور غیر مدرک کا فرق

مادہ پرستوں کو یہاں ایک بڑا مغالطہ یہ لگ گیا ہے کہ وہ غیر معقول اور غیر مدرک میں فرق نہیں کرتے۔ عالم غیب غیر مدرک تو ہے مگر غیر معقول نہیں۔ غیر معقول ہونے کا مطلب یہ ہے کہ عقلِ انسانی اس کو محال سمجھتی ہو یا اس کی تکذیب کرتی ہو۔ اب آپ غور کیجئے کہ ایمان کے اجزار کیا ہیں اور ان میں کون سا جزایسا ہے جس کو محال اور خلاف عقل کہا جا سکتا ہے؟

کیا ایک خالق کا وجود، کیا رسول کی رسالت، کیا خدا کی کتابیں، اس کے فرشتے، اس کی تقدیر اور ثواب و عذاب کے لئے دائمی مستقر۔ فرمائیے کہ غیب کے اجزاء ان کے سوا اور کیا ہیں۔ پھر ان باتوں میں کون سی بات ایسی ہے جو عقل کے نزدیک محال ہے۔ ہاں یہ حقائق ان حواس خمسہ کے احساس سے بالاتر ضرور ہیں مگر کیا یہ بات کوئی اصول موضوعہ میں داخل ہے کہ جو بات ہمارے ادراک یا مشاہدہ سے بالاتر ہو اس کو تسلیم نہ کیا جائے۔ درآں حالیکہ ہمارے آلات ادراک سے زیادہ قابل وثوق آلات اس کا ادراک کر رہے ہوں۔ حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں۔ فان الانبیاء علیہم السلام یخبرون الناس بما تقصر عقولہم عن معرفتہ لا بما یعرفون انہ ممتنع فیخبرونہم بمحاورات العقول لا بمحالات العقول۔ (الجواب الصحیح ۴ ص ۳۴۷)

اب رہا یہ سوال کہ اس بے دلیل انقیاد کا اثر نفسِ انسانی پر کچھ ہوتا ہے یا نہیں تو اس کا فیصلہ صحابہ کے وہ انقلابی کارنامے کریں گے جن کو تاریخ نے ارتقاءِ انسانی کی اساس و بنیاد قرار دیدیا ہے۔ ارتقائی زندگی کی جو مسافت مادہ پرستوں نے کبھی سالوں میں طے کی تھی وہ ان خدا پرستوں نے چند لمحات میں طے کر ڈالی ہے اسی لئے قرآن کریم نے صحابہ کرام کے ایمان بالغیب کا تذکرہ کرتے ہوئے ان کی عملی زندگی کا نقشہ بھی کھینچنا ضروری سمجھا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کا ایمان بالغیب ایسا ایمان نہیں تھا جس کی سطح پر عمل صالح کا کوئی بلبلہ بھی اٹھتا نظر نہ آتا۔ بلکہ وہ ایک ایسا طوفان خیز سمندر تھا جس میں اقامت صلوٰۃ، ایتاء زکوٰۃ اور انفاق فی سبیل اللہ کی موجوں کا ہنگامہ مچا ہوا تھا۔

| | |
|---|---|
| الذین یؤمنون بالغیب ویقیمون الصلوٰۃ ومما رزقنٰہم ینفقون۔ | جو لوگ یقین رکھتے ہیں بے دیکھی باتوں پر اور نماز قائم کرتے ہیں اور جو کچھ ہم نے ان کو دیدیا ہے اس میں سے کچھ اللہ تعالیٰ کی راہ میں بھی خرچ کرتے ہیں۔ |

اقامت صلوٰۃ سے ان کی بدنی عبادت کے کمال کی طرف اشارہ تھا اور انفاق فی سبیل اللہ سے ان کی مالی قربانی کی طرف جس ایمان کے نتیجہ میں نفس انسانی میں جانی و مالی قربانی کی یہ اسپرٹ پیدا ہو جائے اس کو بے اثر اور خشک ایمان کیسے کہا جا سکتا ہے۔

اصل یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام جب دنیا میں تشریف لاتے ہیں تو دو قسم کے علوم لیکر تشریف لاتے ہیں ایک وہ جو صرف ان کی ضمانت و صداقت کے اعتماد پر بے چون و چرا تسلیم کر لئے جائیں وہ سرتاسر معقول ہی معقول ہوتے ہیں اگرچہ عقلِ انسانی بدیہی طور پر ان کا ادراک نہ کر سکے دوسرے علوم وہ ہوتے ہیں جو ہمارے ادراک و احاطۂ عقل میں بھی داخل ہیں۔ ان میں اجتہاد و استنباط کی بڑی حد تک اجازت دیجاتی ہے بلکہ اس پر زور دیا جاتا ہے کہ وہ کتاب و سنت کی روشنی میں اپنی زندگی کا لائحہ عمل حسب ضرورت خود پھیلالیں۔ قرآن کریم نے

گذشتہ اقوام کے تذکرے اور تاریخ کے عبرت آموز واقعات اسی لئے بار بار دہرائے ہیں تاکہ انھیں پڑھ کر آئندہ زندگی میں پوری بصیرت کے ساتھ چلنے کا سلیقہ آجائے. دین کے اس حصہ پر غور و خوض کا ایک اہم فائدہ یہ بھی ہے کہ اس حصہ کی معقولیت اور گہرائی کا اندازہ لگانے کے بعد اس کے دوسرے حصہ کی معقولیت کا یقین خود بخود حاصل ہو جاتا ہے۔ قرآن کریم نے محکمات و متشابہات کی تقسیم بھی اسی اصول پر قائم کی ہے اور راسخین فی العلم کی یہی علامت مقرر کی ہے کہ جب وہ آیاتِ متشابہات پر گذریں تو (ان کی مرادیں معلوم کرنے کی بجائے) ان کے سامنے عجز و اعتراف کا سر جھکا دیں اور اس کا نام جہل اور جمود نہیں رکھا بلکہ رسوخ فی العلم رکھا ہے اس کے برخلاف ان کی مرادوں کے درپے ہونے کا نام علم اور تحقیق نہیں رکھا بلکہ زیغ اور فطرت کی کجی قرار دیا ہے۔ اسی اصول کے ماتحت آپ احادیث نبویہ پڑھتے جائیے اور عالم غیب کے مباحث کو انبیاء علیہم السلام کے اعتماد و وثوق پر تسلیم کرتے چلے جائیے۔ ھذا صراط مستقیم فاتبعوہ۔

یہ بات قابل یادداشت ہے کہ ایمان کی تمام روح صفت یقین ہے اور یقین اسی وقت قابل تعریف ہو سکتا ہے جبکہ عالم غیب پر ہو ورنہ اپنے مشاہدہ پر یقین کرنا بدیہی بات ہے۔ اسی لئے فرمایا ولیعلم اللہ من ینصرہ ورسلہ بالغیب۔ یعنی دیکھنا تو یہ ہے کہ خدا اور رسول کے دین کی تائید بن دیکھے کون کون کرتا ہے۔ خدا کے مقدس فرشتے عالم غیب کا مشاہدہ کرتے ہیں اگر وہ خدا تعالیٰ کے حکم سے سرتابی نہیں کرتے تو ان کا کمال کیا ہے۔ کمال یہ ہے کہ عالم غیب کا ذرہ ذرہ تحت الحجاب ہو اس پر اس کی تائید و نصرت میں وہ سرگرمی ہو جو عین مشاہدہ میں ہوتی ہے۔ وہ ایمان جو ملائکۃ اللہ کے لئے بھی قابل رشک ہے ان کا ایمان ایمان بالغیب نہیں یہ ایمان ہمارا نصیب ہے۔ یہی وجہ ہے کہ تکلیفات شرعیہ کا بار ڈالنے کے لئے قدرت نے اپنے اور انسان کے درمیان ایک حجاب غیب ڈال دیا ہے جس کے بعد جنت و دوزخ اور خدا کے فرشتے تو درکنار خود خالق کا بدیہی وجود بھی عالم غیب میں شامل ہو کر رہ گیا ہے۔ قیامت میں یہ حجاب غیب اٹھا دیا جائے گا اور اسی لئے تکلیفات شرعیہ کا دائرہ بھی ختم ہو جائے گا نہ عالم کے وجود سے قبل انسان مکلف تھا نہ عالم کی فنا کے بعد مکلف رہے گا۔ دائرۂ تکلیف صرف غیب کی تاریکی تک محدود ہے۔ اسی عارضی حجاب نے عالم غیب کو نظری بنا رکھا ہے ورنہ جو آج نظری ہے وہ کل یقینی تھا اور قیامت کے بعد پھر یقینی بن جائے گا موجودہ تردد و انکار جو کچھ بھی ہے وہ صرف اس حجاب غیب کا ثمرہ ہے۔ انبیاء علیہم السلام صرف اس لئے آتے ہیں کہ جو کچھ اس حجاب غیب کے ماوراء ہے اس کو بتا دیں۔ اسی لئے ان کی حیثیت صرف ایک مبلغ اور مذکر کی ہوتی ہے۔ نہ غیب کے علوم حاصل کرنے میں وہ خود دماغ سوزی کرتے ہیں اور نہ دوسروں کو اس کی ترغیب دیتے ہیں پھر جو علوم از خود قدرت ان پر فائض کر دیتی ہے ان کو وہ کسی بخل کے بغیر سب کو

سکھا دیتے ہیں وما ھو علی الغیب بضنین۔ جو دلائل کی پرخار وادی میں گرفتار رہے وہ بحث زیادہ کرتا ہے اور عمل کم گویا مشقت سفر زیادہ اٹھاتا ہے اور منزل کم طے کرتا ہے۔ پھر یہ بھی ٹھیک معلوم نہیں ہوتا کہ اس کا رُخ صحیح مقصد کی طرف بھی ہوتا ہے یا نہیں اسلام نے مختصر عمر میں آخرت کی طویل منزل طے کرنے کے لئے یہ تعلیم دی ہے کہ وہ انبیاء علیہم السلام کے اعتماد پر وقت کی تمام فرصت عمل میں صرف کر ڈالے۔

یہ بھی زیر نظر رہنا چاہیئے کہ اس عنوان کے تحت احادیث کا منشا جن میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھے ہوئے بغیر ایمان لانے والوں کی بہت بڑی فضیلت مذکور ہے یہی ہے کہ اس جماعت کے لئے رسول کی ذات اقدس بھی گویا عالم غیب ہی میں شامل ہوگئی ہے۔ اور اس حیثیت سے ان کا ایمان اور غیب در غیب بن گیا ہے اس کو جزئی فضیلت کا صرف ایک اسلوب بیان سمجھنا چاہیئے۔ ورنہ در اصل رسول کی ذات کسی حال میں بھی عالم غیب میں شمار نہیں ہوتی وہ قطعی طور پر عالم محسوسات میں داخل ہوتی ہے۔ البتہ اس کی رسالت ہر حالت میں عالم غیب کا ایک آبدار گوہر ہوتی ہے جس پر ایمان لانے میں رسول کی شخصیت بلاشبہ بڑی حد تک معین ہوتی ہے چونکہ اس کی وفات کے بعد یہ ساعدت باقی نہیں رہتی اور صرف عالم غیب کا حصہ یعنی اس کی رسالت باقی رہ جاتی ہے اس لئے اس پر ایمان لانا اس جزئی فضیلت کا موجب بن جاتا ہے اور اسی معنی سے رسول پر ایمان کو ایمان بالغیب کہدیا جاتا ہے۔

---

(٢٥٢) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طُوْبٰى لِمَنْ اٰمَنَ بِيْ وَرَاٰنِيْ مَرَّةً وَطُوْبٰى لِمَنْ اٰمَنَ بِيْ وَلَمْ يَرَنِيْ سَبْعَ مَرَّاتٍ (رواه احمد وذكره السيوطي في الجامع الصغير ورمز له بالصحة ونقل العزيزي عن شيخه تصحيحه۔ واورد الحافظ السيوطي جميع طرقه في الجامع الصغير ورمز لها بالحسن

(٢٥٣) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ يَزِيْدَ قَالَ كُنَّا عِنْدَ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ جُلُوْسًا فَذُكِرَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا سَبَقُوْنَا بِهٖ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ اِنَّ اَمْرَ مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

(٢٥٢) انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے مجھے دیکھا اور مجھ پر ایمان لایا اس کو تو ایک بار مبارکباد اور جس نے مجھے نہیں دیکھا اور پھر ایمان لایا اس کو بار بار مبارکباد۔ احمد

(٢٥٣) عبدالرحمٰن بن یزیدؒ کہتے ہیں کہ ہم عبداللہ بن مسعودؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ اور ان کے فضائل کا تذکرہ چھڑ گیا اس پر عبداللہ بن مسعودؓ نے فرمایا آنحضرتؐ کی

---

ع۔۵ ترجمان السنہ: اول ص٣٦٢ و ص٣٦٣ پر دو حدیثوں کا ایک ہی نمبر لکھا ہوا ہے اس لئے جلد ثانی کے شروع میں حدیثوں کے نمبروں میں ایک عدد بڑھا دیا گیا ہے اور بجائے ٢٥١ کے اس کو ٢٥٢ سے شروع کیا گیا ہے۔

(٢٥٢) مسند ابوداؤد طیالسی میں یہ حدیث حضرت ابن عمرؓ سے بھی منقول ہے اس کی ابتداء میں اتنا قصہ اور مذکور ہے کہ ایک شخص ان کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے بڑی حسرت کے انداز میں عرض کیا کہ آپ لوگوں نے تو اپنی ان آنکھوں سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے روئے انور کی زیارت کی ہے۔ انھوں نے فرمایا جی ہاں۔ اس پر اس شخص نے کہا مبارک ہو اس پر حضرت ابن عمرؓ نے فرمایا تو لیجئے آپ بھی مجھ سے ایک ایسی حدیث سن لیجئے جو میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہے اس کے بعد حضرت انسؓ کی اسی حدیث کا مضمون ذکر کیا صرف اتنا فرق ہے کہ اس کے آخر میں سبع مرات کی بجائے ثلاث مرات کا لفظ ہے۔ (دیکھو در منثور ج ۱ ص ۲۷)

(٢٥٣) اس میں کیا شبہ ہے کہ صحابہ کرام اپنی سابقیت، دین کی بروقت نصرت اور مشاہدہ و مغازی میں صبر و استقامت کی وہ مثال دنیا میں قائم کر گئے ہیں کہ اب ان کے مقابلہ میں تمام امت میں سے کسی کا کوئی عمل بھی قابل ذکر نہیں ہو سکتا اس لئے ان سے فضائل کا تذکرہ بالکل برمحل اور بجا تھا لیکن حضرت ابن مسعودؓ چونکہ اس مقدس جماعت کے خود بھی ایک ممتاز فرد تھے ان کی شانِ تواضع نے اپنے منہ پر اپنی تعریف سننی گوارا نہ کی اور آئندہ امت کے لئے بھی ایک ایسی امتیازی فضیلت ذکر کر دی جس سے یہ شبہ ہونے لگا کہ میدان فضیلت میں اگر وہ صحابہ سے پیش پیش نہیں تو ان سے بہت پیچھے بھی نہیں۔ ایمان بالغیب کی جو صفت یہاں ذکر کی گئی ہے صحابہ کرام اس میں بھی بقیہ امت سے پیشگام تھے لیکن رسول کی پر از صدق و صفا شخصیت چونکہ ان صغارِ امت کے سامنے نہ ہوگی اس لئے اس بزرگ ... ہی کو ان کے دل

كَانَ بَيِّنًا لِمَنْ رَآهُ وَالَّذِي لَآ إِلٰهَ غَيْرُهُ مَا آمَنَ أَحَدٌ قَطُّ إِيْمَانًا أَفْضَلَ مِنْ إِيْمَانٍ بِغَيْبٍ ثُمَّ قَرَأَ (الٓمٓ ذٰلِكَ الْكِتَابُ لَا رَيْبَ فِيهِ هُدًى لِّلْمُتَّقِيْنَ الَّذِيْنَ يُؤْمِنُوْنَ بِالْغَيْبِ الی قولہ المفلحون) هكذا رواه ابن ابی حاتم وابن مردویہ والحاکم فی مستدرکہ من طرق عن الاعمش بہ فی التفسیر وقال صحیح علی شرط الشیخین۔

(۲۵۴) عَنْ أَبِيْ مُحَيْرِيْزٍ قَالَ قُلْتُ لِأَبِيْ جُمُعَةَ رَجُلٍ مِنَ الصَّحَابَةِ حَدِّثْنَا حَدِيْثًا سَمِعْتَهُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ أُحَدِّثُكُمْ حَدِيْثًا جَيِّدًا اِتَّغَدَّيْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا أَبُوْ عُبَيْدَةَ بْنُ الْجَرَّاحِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ أَحَدٌ خَيْرٌ مِنَّا؟ أَسْلَمْنَا مَعَكَ وَجَاهَدْنَا مَعَكَ قَالَ نَعَمْ قَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِي يُؤْمِنُوْنَ بِيْ وَلَمْ يَرَوْنِيْ۔ رواه احمد واخرجه طرقہا الحافظ ابن کثیر واخرجه الحاکم وصححه وسلم

صداقت ہر اس شخص کے سامنے جس نے آپ کو دیکھا تھا بالکل صاف اور عیاں تھی۔ اس ذات کی قسم جس کے سوا خدا کوئی نہیں۔ کوئی شخص ایمان نہیں لایا جس کا ایمان بن دیکھے ایمان سے افضل ہو، پھر اس کے ثبوت میں انھوں نے یہ آیت پڑھی (الٓمٓ یہ کتاب ہے اس میں کوئی شک وشبہ نہیں، متقیوں کے لئے ہدایت ہے جو غیب پر ایمان رکھتے ہیں) (حاکم ابن کثیر)

(۲۵۴) ابو محیریز بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی ابوجمعہؓ سے کہا آپ ہمیں کوئی ایسی حدیث سنائیے جو آپ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنی ہو۔ انھوں نے فرمایا بہت اچھا لو میں تم سے ایک بہت عمدہ حدیث بیان کرتا ہوں۔ ایک مرتبہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ صبح کا کھانا کھایا اس وقت ابو عبیدہ بن الجراح بھی ہمارے ہمراہ تھے۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ کیا ہم سے بھی کوئی اور قوم بہتر ہو سکتی ہے۔ ہم آپ پر ایمان لائے ہم نے آپ کے ساتھ جہاد کئے۔ آپ نے فرمایا ہاں ایک قوم ہوگی جو تمہارے بعد میں آئے گی وہ بغیر دیکھے مجھ پر ایمان لے آئے گی۔ احمد۔ حاکم۔ ابن کثیر۔

بڑھانے کا ایک موقعہ ہاتھ آگیا تھا۔

در منثور میں بعینہٖ یہ مکالمہ حارث بن قیسؓ اور ابن مسعودؓ کے درمیان ذکر کیا ہے۔ دیکھو ج ا ص ۲۶۔

(۲۵۵) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَدِدْتُ اَنِّيْ لَقِيْتُ اِخْوَانِيْ قَالَ فَقَالَ اَصْحَابُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَحْنُ اِخْوَانُكَ قَالَ اَنْتُمْ اَصْحَابِيْ وَ لٰكِنْ اِخْوَانِيَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِيْ وَلَمْ يَرَوْنِيْ۔ (رواہ احمد ورمز لہ السیوطی بالصحۃ وقال العزیزی فی شرحہ واسنادہ حسن۔

(۲۵۶) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَشَدِّ اُمَّتِيْ لِيْ حُبًّا نَاسٌ يَكُوْنُوْنَ بَعْدِيْ يَوَدُّ اَحَدُهُمْ لَوْ رَاٰنِيْ بِاَهْلِهٖ وَمَالِهٖ (رواہ مسلم)

(۲۵۷) عَنْ اَبِيْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ الْجُهَنِيِّ قَالَ بَيْنَا نَحْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۲۵۵) انس بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے تمنا ہے کہ میں اپنے بھائیوں سے ملتا۔ صحابہؓ نے عرض کیا ہم بھی تو آپ کے (خادم اور) اسلامی بھائی ہیں آپ نے فرمایا تم تو میرے صحابہ ہو اور بھائی وہ لوگ ہیں جو دیکھے بغیر مجھ پر ایمان لائیں گے۔ (احمد)

(۲۵۶) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری امت میں مجھ سے زیادہ محبت رکھنے والے افراد تو وہ ہیں جو میرے بعد آئیں گے اور یہ تمنا کریں گے کہ اپنا گھر بار، اور مال سب قربان کر کے کسی طرح مجھ کو دیکھ پاتے۔ (مسلم)

(۲۵۷) ابوعبدالرحمٰن جہنی روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بیٹھے تھے

(۲۵۵) یعنی تمہیں تو اخوت کے ساتھ میری صحبت کا شرف بھی حاصل ہے اور اس وقت بھائی سے میری مراد وہ لوگ ہیں جو مجھ پر آئندہ ایمان لائیں گے انھیں رشتۂ ایمانی کی وجہ سے صرف اخوت تو حاصل ہوگی مگر شرف صحبت نصیب نہ ہوگا۔

(۲۵۶) رحمۃ للعالمین کی یہ صرف ایک قدردانی اور ہمت افزائی کی بات تھی کہ آپ نے آنے والی امت کے لئے بھی ایک سامان تسلی چھوڑ دیا ہے اور وہ یہ کہ اگر وہ آپ کے شرف دیدار سے محروم رہ گئی تو غم نہ کھائے اصل شرافت سے وہ بھی محروم نہیں ہے شرافت کا اصل رشتہ محبت و ایمان ہے۔ شرافت دیدار بھی اسی وقت شرافت شمار ہوتی ہے جبکہ اسی رشتۂ ایمانی کے ساتھ ہو۔ اسی رشتہ سے صحابہ نے میدان فضائل جیتے اور اسی رشتہ سے آئندہ امت بھی فضائل و کمالات کے بڑے بڑے میدان جیت سکتی ہے۔ یہ رشتہ صحابہ کو تو دیکھ کر حاصل ہوا اور بیشک ان کا ایک بڑا کمال تھا لیکن ایک حیثیت سے یہ کمال بھی کچھ کم نہیں کہ دیکھے بغیر ہی جذبۂ جاں نثاری، اسی نوعہ کے ایثار و قربانی کا ذوق ان کو حاصل ہو جائے جو دیکھنے والوں کو حاصل تھا۔ اگر اس قسم کی ہمت افزائی کے کلمات احادیث میں نہ آتے تو آئندہ امت کے لئے یہ بڑے اضطراب و بے چینی کا موجب بن جاتا۔

طلع الركبان فلما راٰهما قال كنديان مذحجيان حتّٰى اتياه فاذا رجال من مذحج قال فدنا اليه احدهما ليبايعه قال فلما اخذ بيده قال يا رسول الله ارأيت من راٰك فاٰمن بك وصدقك واتبعك ماذا له قال طوبٰى له قال فمسح على يده فانصرف ثم اقبل الاٰخر حتّٰى اخذ بيده ليبايعه قال يا رسول الله ارأيت من اٰمن بك وصدقك واتبعك ولم يرك قال طوبٰى له ثم طوبٰى له ثم طوبٰى له قال فمسح على يده فانصرف۔ (رواہ احمد والدولابی والبغوی ورجالہ من رجال الصحیح)

(۲۵۸) عن عمرو بن شعيب عن ابيه عن جده قال قال رسول الله صلّى الله عليه وسلّم اىّ الخلق اعجب اليكم ايمانا قالوا الملٰٓئكة قال وما لهم لا يؤمنون وهم عند ربهم قالوا

---

کہ دو سوار (سامنے سے آتے) نظر آئے۔ جب آپ نے ان کو دیکھا تو فرمایا یہ دونوں کندہ کے باشندے اور مذحج قبیلہ کے لوگ معلوم ہوتے ہیں جب وہ آگئے تو اس قبیلہ کے کئی آدمی اور تھے۔ راوی کہتا ہے کہ ان میں ایک شخص بیعت کے لئے آپ کے قریب آیا جب اس نے آپ کا دست مبارک ہاتھ میں لیا تو بولا یا رسول اللہ جس نے آپ کی زیارت کی آپ پر ایمان لے آیا اور آپ کا اتباع بھی کیا فرمایئے اس کو کیا ملے گا۔ آپ نے فرمایا اس کے لئے مبارک ہو۔ یہ سن کر تبرکاً اس نے آپ کے دست مبارک پر ہاتھ پھیرا اور بیعت کر کے چلا گیا پھر دوسرا آگے بڑھا اس نے بھی بیعت کے لئے آپ کا ہاتھ میں ہاتھ لیا اور عرض کیا یا رسول اللہ جس نے آپ کو نہیں دیکھا اور آپ پر ایمان لے آیا، آپ کی تصدیق کی اور آپ کا اتباع بھی کیا فرمایئے اس کو کیا ملیگا آپ نے فرمایا اس کو مبارک ہو، مبارک ہو، مبارک ہو (تین بار مبارک باد دی) اس نے بھی آپ کے دست مبارک پر ہاتھ پھیرا اور بیعت کر کے چلا گیا۔ (احمد)

(۲۵۸) عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمہارے نزدیک ایمان کے لحاظ سے کس کا ایمان زیادہ قابل تعجب ہے انھوں نے عرض کیا فرشتوں کا آپ نے فرمایا کیوں انھیں کیا ہوا کہ وہ ایمان نہ لائیں جبکہ وہ اپنے پروردگار کے حضور ہی میں ہمہ وقت

---

(۲۵۸) یہاں آئندہ امت کے ایمان کو قابل تعجب کہا گیا ہے افضل نہیں کہا گیا اور جہاں افضل کہدیا گیا ہے وہاں بھی اسی تعجب کا اظہار منظور ہے۔ اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ فرشتے اور تم لوگ اگر ایمان رکھتے ہو تو اس کے اسباب بھی ان کے اور تمہارے سامنے موجود ہیں فرشتے تو براہ راست بارگاہ احدیت کا مشاہدہ کرتے ہیں ان کا ایمان تو ایمان بالغیب ہی نہیں انبیاء علیہم السلام کا ایمان اگرچہ ایمان بالغیب ہے مگر ان کی متکفل و مربی خود قدرت ہوتی ہے

فَالنَّبِيُّوْنَ قَالَ وَمَا لَهُمْ لَا يُؤْمِنُوْنَ وَالْوَحْيُ يَنْزِلُ عَلَيْهِمْ قَالُوْا فَنَحْنُ قَالَ وَمَا لَكُمْ لَا تُؤْمِنُوْنَ وَاَنَا بَيْنَ اَظْهُرِكُمْ قَالَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اِنَّ اَعْجَبَ الْخَلْقِ اِلَيَّ اِيْمَانًا لَقَوْمٌ يَكُوْنُوْنَ مِنْ بَعْدِكُمْ يَجِدُوْنَ صُحُفًا فِيْهَا كِتَابٌ يُؤْمِنُوْنَ بِمَا فِيْهَا۔ قال ابو حاتم الرازی فیہ المغیرۃ بن قیس البصری وھو منکر الحدیث قال الحافظ ابن کثیر ولکن قد روی ابو یعلی فی مسندہ وابن مردویہ فی تفسیرہ والحاکم فی مستدرکہ من حدیث محمد بن ابی حمید وفیہ ضعف عن زید بن اسلم عن ابیہ عن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم وقال الحاکم صحیح الاسناد ولم یخرجاہ وقد روی نحوہ عن انس بن مالک مرفوعاً واللہ تعالیٰ اعلم ۔ قلت الذہبی محمد بن ابی حمید ضعفوہ۔

حاضر ہیں۔ صحابہ نے عرض کیا تو پھر خدا کے نبیوں کا۔ آپ نے فرمایا وہ کیوں ایمان نہ لائیں جبکہ خدا کی وحی ان پر اترتی ہے۔ صحابہ نے عرض کیا اچھا تو پھر ہمارا۔ آپ نے فرمایا تم کیوں ایمان نہ لاؤ جبکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں۔ اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سن لو میرے نزدیک تو سب سے زیادہ قابلِ تعجب ایمان ان لوگوں کا ہے جو تمہارے بعد آئیں گے ان کو صرف چند اوراق ملیں گے اس میں ایک مقدس کتاب ہوگی وہ جو کچھ اس میں لکھا ہوا پائیں گے اس پر ایمان لے آئیں گے۔ (ابن کثیر)

ان کا تعلق عالمِ غیب سے اگرچہ بس پردہ ہو مگر پھر براہِ راست ہوتا ہے تمہارا معاملہ بھی صاف ہے یعنی عالمِ غیب اگرچہ بلاواسطہ تمہاری آنکھوں کے سامنے نہ ہو مگر میں عالمِ غیب کا بلاواسطہ ترجمان تو تمہاری آنکھوں کے سامنے موجود ہوں۔ مجھے دیکھکر عالمِ غیب کا یقین اپنے عینی مشاہدات سے بڑھ کر حاصل کر سکتے ہو۔ اب رہ گئی صرف وہ امت جس کو نہ عالمِ غیب کا مشاہدہ حاصل ہوگا اور نہ ان کی آنکھوں کے سامنے میری البصیرت افروز ہستی ہوگی۔ ایک خدا تعالیٰ کی مقدس کتاب ہوگی اور اس کے رسول کے کچھ محفوظ اقوال و آثار ہوں گے وہ ان ہی کو دیکھکر ایمان لے آئیگی ان کا ایمان اگرچہ ناساعدت اسباب کی وجہ سے اس درجہ پر نہ ہو لیکن قابلِ تعجب ضرور ہوگا فضیلت کلی گو نہیں حاصل ہو لیکن ۔۔۔ جہت سے فضیلت جزئیہ کے حقدار وہ بھی رہیں گے اور اس پیرایہ سے رحمۃ للعالمین کی ساری کی ساری امت قابلِ غبطہ بن جائے گی۔ کوئی کسی جہت سے اور کوئی کسی جہت سے اسی لئے حدیث میں ارشاد ہے، میری امت کی مثال بارش کی سی ہے جس کے متعلق یہ کہنا مشکل ہوتا ہے کہ اس کا پہلا حصہ بہتر تھا یا آخر۔

یہ حدیث طبرانی نے حضرت ابن عباسؓ سے بھی روایت کی ہے اس کے فروع میں یہ قصہ بھی منقول ہے کہ ایک بار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا پانی ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں پھر آپ نے پوچھا اچھا کوئی مشک ہے لوگ مشک لے آئے اور آپ کے سامنے رکھدی۔ آپ نے اس پر اپنا دستِ مبارک رکھا اور اپنی انگلیاں پھیلادیں۔ ان کے درمیان سے پانی اس طرح پھوٹ کر بہنے لگا جیسا حضرت موسیٰ علیہ السلام کے عصا کے ذریعہ سے بہ گیا تھا۔ آپ نے فرمایا بلال آواز دیدو کہ لوگ وضو کرلیں۔ اور لوگ تو وضو کرنے میں مصروف ہوگئے مگر حضرت ابن مسعودؓ تھے کہ ان کو اس پانی سے پینے کی فکر لگ رہی تھی جب سب لوگ وضو سے فارغ ہوگئے تو آپ نے ان کو صبح کی نماز پڑھائی اور اس کے بعد اپنے صحابہؓ سے وہ سوال کیا جو یہاں مذکور ہے۔ (در منثور ج۱ ص ۲۶)

(۲۵۹) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ جُبَيْرِ بْنِ نُفَيْرٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ جَلَسْنَا إِلَى الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ يَوْمًا فَمَرَّ بِهِ رَجُلٌ فَقَالَ طُوبٰى لِهَاتَيْنِ الْعَيْنَيْنِ اللَّتَانِ رَأَتَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَوَدِدْنَا أَنَّا رَأَيْنَا مَا رَأَيْتَ وَشَهِدْنَا مَا شَهِدْتَ فَاسْتُغْضِبَ فَجَعَلْتُ أَعْجَبُ، مَا قَالَ إِلَّا خَيْرًا، ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ مَا يَحْمِلُ الرَّجُلَ عَلٰى أَنْ يَتَمَنّٰى مَحْضَرًا غَيَّبَهُ اللّٰهُ عَنْهُ لَا يَدْرِي لَوْ شَهِدَهٗ كَيْفَ يَكُونُ فِيهِ وَاللّٰهِ لَقَدْ حَضَرَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَقْوَامٌ أَكَبَّهُمُ اللّٰهُ عَلٰى مَنَاخِرِهِمْ فِي جَهَنَّمَ لَمْ يُجِيبُوهُ وَلَمْ يُصَدِّقُوهُ أَوَلَا تَحْمَدُونَ اللّٰهَ إِذْ أَخْرَجَكُمْ لَا تَعْرِفُونَ إِلَّا رَبَّكُمْ مُصَدِّقِينَ لِمَا جَاءَ بِهٖ نَبِيُّكُمْ قَدْ كُفِيتُمُ الْبَلَاءَ بِغَيْرِكُمْ وَاللّٰهِ لَقَدْ بَعَثَ اللّٰهُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَشَدِّ حَالٍ بَعَثَ عَلَيْهَا نَبِيًّا مِنَ الْأَنْبِيَاءِ فِي فَتْرَةٍ وَجَاهِلِيَّةٍ مَا يَرَوْنَ أَنَّ دِينًا أَفْضَلَ مِنْ عِبَادَةِ الْأَوْثَانِ فَجَاءَ بِفُرْقَانٍ فَرَقَ بِهٖ بَيْنَ الْحَقِّ وَالْبَاطِلِ وَفَرَّقَ بَيْنَ الْوَالِدِ وَوَلَدِهٖ حَتّٰى إِنْ كَانَ

(۲۵۹) عبد الرحمٰن بن جبیر روایت کرتے ہیں کہ میرے والد نے بیان کیا ایک دن ہم مقداد بن الاسودؓ کے پاس بیٹھے ہوئے تھے ایک شخص ان کے پاس سے گذرا اور (انھیں دیکھکر) بولا یہ دو آنکھیں مبارک ہوں جنھوں نے خدا کے رسول کی زیارت کی ہے۔ خدا کی قسم ہمیں تمنا ہوتی ہے کہ جو نظارہ آپ نے دیکھا ہم بھی اپنی آنکھوں سے دیکھتے اور جن مقامات میں آپ نے شرکت کی ہم بھی شرکت کرتے (یہ سن کر) مقداد غصہ میں بھر گئے مجھے بڑا تعجب ہوا کہ اس بیچارے نے کوئی بری بات تو کہی نہ تھی اچھی ہی بات کہی تھی (پھر انھیں غصہ کیوں آیا) اس کے بعد اس کی طرف متوجہ ہو کر بولے اس شخص کو کیا داعیہ پیش آیا کہ یہ ایسے زمانہ میں موجود ہونے کی تمنا کرتا ہے جس میں اللہ تعالیٰ نے اس کو پیدا نہیں کیا۔ کیا خبر اگر وہ اس زمانہ میں ہوتا تو اس کے صبر و استقلال کا حال کیا ہوتا۔ خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں ایسے لوگ بھی موجود تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے منہ کے بل دوزخ میں گرا دیا ہے اس لئے کہ انھوں نے آپ کی دعوت کو قبول نہیں کیا اور آپ کی تصدیق نہیں کی تم ایسے زمانہ میں اپنے ہونے کی تمنائیں تو کرتے ہو اور اس پر خدا کا شکر ادا نہیں کرتے کہ اس نے تمہیں ایسے زمانہ میں پیدا کیا ہے جبکہ ہوش سنبھالتے ہی تم نے اپنے پروردگار کو پہچان لیا اور جو دین تمہارا نبی لے کر آیا اس کی تصدیق کی (یعنی اسلام پر ہی پیدا ہوئے) اس راہ کی مصیبتیں دوسروں نے اٹھائیں اور تم ان سے محفوظ رہے۔ خدا کی قسم اللہ تعالیٰ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو زمانۂ فترت و کفر کے ان سخت سے

(۲۵۹) حدیث کا حاصل یہ ہے کہ ہر شخص کو صحابیت کی تمنا کرنا آداب دعا سے تجاوز کرنا ہے بلاشبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں فضائل و کمالات کے بڑے سے بڑے خزانے لٹائے جا رہے تھے مگر ان کے لئے اتنی ہی بڑی قربانیاں بھی درکار

الرَّجُلُ لَيَرَى وَالِدَهُ وَوَلَدَهُ وَاَخَاهُ كَافِرًا وَقَدْ فَتَحَ اللّٰهُ قُفْلَ قَلْبِهٖ لِلْاِيْمَانِ يَعْلَمُ اَنَّهُ اِنْ هَلَكَ دَخَلَ النَّارَ فَلَا تَقَرُّ عَيْنُهٗ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّ حَبِيْبَهٗ فِي النَّارِ وَاَنَّهَا الَّتِيْ قَالَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ وَالَّذِيْنَ يَقُوْلُوْنَ رَبَّنَا هَبْ لَنَا مِنْ اَزْوَاجِنَا وَذُرِّيَّاتِنَا قُرَّةَ اَعْيُنٍ (رواه احمد ذکرہ الحافظ ابن کثیر فی تفسیرہ قال اسنادہ صحیح)

(۱۶۰) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ يَسُوْقُ بَقَرَةً اِذْ اَعْيٰى فَرَكِبَهَا فَقَالَتْ اِنَّا لَمْ نُخْلَقْ لِهٰذَا اِنَّمَا خُلِقْنَا بِحِرَاثَةِ الْاَرْضِ فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ بَقَرَةٌ تَكَلَّمُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

---

سخت حالات میں بھیجا ہے جن میں آپ سے پیشتر اپنے نبیوں میں کسی نبی کو نہیں بھیجا وہ ایسا زمانہ تھا جبکہ لوگوں کے نزدیک بت پرستی سے بہتر کوئی دین نہ تھا اس وقت آپ ایک ایسی کتاب لیکر آئے جس نے حق و باطل کو بھی جدا کر دیا مگر بیٹا اور اس کے باپ کے درمیان بھی جدائی کا باعث بھی وہی کتاب بنی۔ یہانتک کہ ایک شخص جس کے دل کا قفل اللہ تعالیٰ نے ایمان لانے کے لئے کھولدیا تھا اپنی آنکھوں سے دیکھا کرتا تھا کہ (وہ خود تو مسلمان ہے اور) اس کا باپ بیٹا اور بھائی کافر ہیں۔ اسے یقین تھا کہ اگر وہ اسی حالت پر مر گئے تو دوزخ میں جائیں گے پھر اس یقین کے بعد کہ اس کے یہ پیارے پیارے عزیز دوزخ میں جائیں گے اس کی آنکھیں بھلا کیسے ٹھنڈی رہ سکتی تھیں۔ یہی بات ہے جو اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل میں ارشاد فرمائی ہے۔ (جو لوگ یہ دعا مانگتے ہیں۔ اے ہمارے پروردگار ہماری بیبیوں اور اولاد کی طرف سے ہماری آنکھیں ٹھنڈی فرما دے (احمد)

(۲۶۰) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص بیل لئے جارہا تھا جب تھک گیا تو بیل پر سوار ہو گیا (قدرت نے اس بیل کو گویائی عطا کر دی) اور وہ بولا سواری کے لئے تو ہم پیدا نہیں کئے گئے ہم تو صرف زمین میں کھیتی کے کام کے لئے پیدا کئے گئے ہیں لوگوں نے یہ قصہ سن کر از راہ تعجب کہا سبحان اللہ بیل باتیں کرتا ہے

---

تھیں۔ العطایا علیٰ متن البلایا۔ اگر وہ فضائل و کمالات ان کے حصہ میں آئے تو وہ ایثار و قربانیاں بھی ان ہی کو دینی پڑیں۔ اب بعد کی امت کے دلوں میں ان کمالات کی ہوس تو اٹھتی ہے مگر ان قربانیوں کے لئے آمادگی بھی ہے؟ وہ دور ایک ایسا نازک دور تھا کہ ایک شخص صحابیت کا فخر بھی حاصل کر سکتا تھا اور ذرا سی لغزش سے رسول کے دشمنوں کی فہرست میں بھی شمار ہو سکتا تھا۔ قرآن کریم کا دور نزول اپنی آنکھوں سے دیکھنا بیشک بڑی نعمت تھی لیکن دوسری طرف یہ بھی دیکھنا پڑتا تھا کہ اس کے نزول کے بعد آپس کے رشتے ناطے ٹوٹ رہے ہیں باپ بیٹے سے خاوند بی بی سے جدا ہو رہا ہے اس نازک دور کی بجائے جس کو آسانی کے ساتھ ایمان نصیب ہو گیا اس کو شکر کرنا چاہئے اور اس دور کی تمنا نہ کرنی چاہئے جس میں فضائل کے ساتھ بہت سے خطرات بھی تھے۔ یہ رضا بقضا کی منزل ہے جو پہنچ جائے وہی ان رموز کو جان سکتا ہے۔ ابتدا عشق کے سوز و گداز رکھنے والے بھلا اسے کب آشنا ہو سکتے ہیں۔

(۲۶۰) حیوانات کا اپنی زبان میں کلام کرنا تو معروف و مشہور بات ہے لیکن ایسی زبان میں کلام کرنا جو انسانوں کے

صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِنِّي أُؤْمِنُ بِهِ أَنَا وَأَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَمَا هُمَا ثَمَّ وَقَالَ بَيْنَمَا رَجُلٌ فِي غَنَمٍ لَهُ إِذْ عَدَا الذِّئْبُ عَلَى شَاةٍ مِنْهَا فَأَخَذَهَا فَأَدْرَكَهَا صَاحِبُهَا فَاسْتَنْقَذَهَا فَقَالَ لَهُ الذِّئْبُ فَمَنْ لَهَا يَوْمَ السَّبُعِ يَوْمَ لَا رَاعِيَ لَهَا غَيْرِي فَقَالَ النَّاسُ سُبْحَانَ اللّٰهِ ذِئْبٌ يَتَكَلَّمُ فَقَالَ أُؤْمِنُ بِهِ أَنَا وَأَبُوْ بَكْرٍ وَعُمَرُ وَمَا هُمَا ثَمَّ۔ (متفق علیہ)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں بھی اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی حالانکہ وہ اس وقت وہاں موجود بھی نہ تھے اس کے بعد ایک اور شخص کا قصہ بیان کیا جو اپنی بکریوں میں تھا کہ ان میں سے ایک بکری پر بھیڑیے نے حملہ کیا اور اس کو دبا لیا۔ مالک نے اس کا پیچھا کیا اور اپنی بکری کو اس سے چھڑا لیا۔ بھیڑیا بولا، اچھا دیکھوں گا بھلا اس دن اسے کون چھڑانے آتا ہے جس دن صرف درندوں ہی کا راج ہوگا اور سوائے میرے کوئی اور اس کا چرانے والا نہ ہوگا (یہ عالم کی ویرانی کے زمانہ کا قصہ ہے) اس پر لوگوں نے بڑے تعجب سے کہا سبحان اللہ، بھیڑیا اور باتیں کرے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں اس کی تصدیق کرتا ہوں اور ابوبکرؓ و عمرؓ بھی حالانکہ اس وقت وہ مجلس میں موجود نہ تھے۔ (متفق علیہ)

درمیان مستعمل ہو۔ سردست ہمارے حواس کے ادراک سے باہر ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں خود بھی اس کی تصدیق فرمائی اور ابوبکرؓ و عمرؓ کی غیبت میں ان کی جانب سے بھی اس کی تصدیق فرمادی۔ گویا آپ کو ان پر اتنا اعتماد تھا کہ جس امر کی تصدیق آپ فرمالیں پھر وہ خواہ کتنا ہی بعید از عقل کیوں نہ ہو اس کی تصدیق میں یہ جاں نثار بھی کوئی چون و چرا نہیں کریں گے ایک بیل کا کلام کرلینا عقل کے نزدیک کوئی محال امر نہیں صرف عام عادت کے خلاف بات ضرور ہے۔ قیامت کے قبل عالم غیب سے پردہ اٹھنے کا زمانہ جتنا قریب آتا جائے گا اسی قسم کی بہت سی اور خلاف عادت باتیں ظاہر ہوتی چلی جائیں گی حتی کہ حدیثوں میں موجود ہے کہ آدمی کے کوڑے کا پھندنا اس سے باتیں کرے گا اس نطق کی حقیقت کیا ہوگی ابھی اس پر بحث کرنا قبل از وقت ہے۔ ہو سکتا ہے کہ قدرت ان میں وقتی اور جزئی شعور پیدا کردے اور ہو سکتا ہے کہ کسی شعور کے بغیر ان میں تکوینی طور پر نطق عطا فرمادے اور یہ بھی ممکن ہے کہ خود انسان اتنی ترقی کرجائے کہ بہائم کی جس گفتگو کو آج وہ بے معنی سمجھتا ہے کل ان کے معانی سمجھنے پر قادر ہو جائے۔ نباتات بہت دنوں تک غیر ذی روح سمجھے گئے لیکن اب ان کا شمار ذی روح میں ہو گیا ہے۔ ان کی غذا اور صحت و مرض کے مفصل حالات بھی دریافت ہو چکے ہیں تم اپنی بہت محدود معلومات کی بناء پر حیوانات کے کلام سے ابھی سے انکار کرنے میں جلدی نہ کرو، شاید وہ زمانہ آجائے کہ اس کا بھی تم کو اقرار کرلینا پڑے۔

سبحان اللہ شیخین کا ایمان اور عالم غیب پر ان کا یقین کتنا مستحکم و مضبوط تھا کہ جو باتیں ہم ماننے کیلئے تیار نہیں ہیں خاتم الانبیاء علیہم الصلوۃ والسلام ان کی طرف سے اس کے ماننے کی ضمانت کر لیتے ہیں۔ اندازہ کرو کہ جب ان معمولی غیوب پر ان کا ایمان یہ ہو تو اور عالم غیب پر ایمان کس درجہ قوی ہوگا۔

ایمان کی حقیقت اور اس کی قیمت یہی ہے کہ نبی کی زبان سے جو کلمہ بھی نکلے ابھی وہ پورا نہ ہو کہ ایک امتی کا قلب اور اس کی زبان دونوں اس کی تصدیق کرنے کے لئے مضطر ہو جائیں۔

(۲۶۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ لَمَّا أُسْرِيَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمَسْجِدِ الْأَقْصٰى أَصْبَحَ يَتَحَدَّثُ النَّاسُ بِذَٰلِكَ فَارْتَدَّ نَاسٌ مِمَّنْ كَانُوْا آمَنُوْا بِهٖ وَصَدَّقُوْهُ وَسَعَوْا بِذَٰلِكَ إِلَى أَبِي بَكْرٍ فَقَالُوْا هَلْ لَكَ إِلَى صَاحِبِكَ يَزْعُمُ أَنَّهٗ أُسْرِيَ بِهِ اللَّيْلَةَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ قَالَ لَوْ قَالَ ذٰلِكَ لَقَدْ صَدَقَ قَالُوْا أَوَتُصَدِّقُهٗ أَنَّهٗ ذَهَبَ اللَّيْلَةَ إِلَى بَيْتِ الْمَقْدِسِ وَجَاءَ قَبْلَ أَنْ يُّصْبِحَ قَالَ إِنِّيْ أُصَدِّقُهٗ فِيْمَا هُوَ أَبْعَدُ مِنْ ذٰلِكَ أُصَدِّقُهٗ فِيْ خَبَرِ السَّمَاءِ فِيْ غَدْوَةٍ أَوْ رَوْحَةٍ فَلِذٰلِكَ سُمِّيَ أَبُوْبَكْرٍ الصِّدِّيْقَ۔ (رواہ الحاکم)

## اليقين الايمان كله

(۲۶۲) عَنْ أَبِيْ بَكْرٍ الصِّدِّيْقِ قَالَ قَامَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْنَا عَامَ أَوَّلَ

---

(۲۶۱) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ جب شب میں آپ کے مسجد اقصیٰ تک سفر کا واقعہ پیش آیا (یعنی قصہ معراج) تو اس پر صبح کو لوگوں کے درمیان بڑی چہ میگوئیاں شروع ہوگئیں اور بعض ایمان کے کمزور لوگ جو پہلے آپ کی تصدیق کر چکے تھے مرتد بھی ہوگئے اور یہ قصہ لیکر حضرت ابوبکر صدیقؓ کے پاس پہنچے اور کہنے لگے کہ آپ نے اپنے نبی کی بات بھی سنی ان کا گمان ہے کہ وہ آج کی شب بیت المقدس کی سیر کر آئے ہیں۔ ابوبکرؓ نے جواب دیا اگر وہ یہ کہتے ہیں تو بلا شبہ ٹھیک کہتے ہیں۔ لوگوں نے کہا کیا ان کی اس بات کی بھی آپ تصدیق کرلیں گے کہ وہ ایک ہی شب میں بیت مقدس جاکر صبح سے پہلے پہلے واپس بھی آگئے۔ ابوبکرؓ نے فرمایا میں تو اس سے بھی کہیں بڑھ کر بعید باتوں میں ان کی تصدیق کر چکا ہوں۔ میں آسمان کی خبروں کی بابت ان کی تصدیق کرتا ہوں کہ وہ صبح و شام ان کے پاس آتی ہیں (حالانکہ آسمانوں کی مسافت تو بیت مقدس کی مسافت سے کہیں زیادہ ہے) اسی بات پر ان کا لقب صدیق پڑ گیا تھا۔ (حاکم)

## یقین اور اعتقاد جازم ایمان کی روح ہے۔

(۲۶۲) حضرت ابوبکر صدیقؓ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات سے ایک سال بعد ایک تقریر

---

(۲۶۱) قرآن کریم میں منعم علیہم کے چار گروہ قرار دیئے گئے ہیں سب سے پہلے نبیین پھر صدیقین اس کے بعد شہداء اور صالحین۔ صدیق کی فطرت کو نبی کی فطرت سے اتنی مناسبت ہوتی ہے کہ اس کو نبی کی خبروں کی تصدیق میں ایک لمحہ کے لئے بھی کبھی تردد نہیں گذرتا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے آفتاب نبوت کی چمک اٹھنے کے بعد تو سب ہی نے آپ کی تصدیق کی لیکن ابوبکر وہ تھے جن کو اس کی صداقت میں بوقت طلوع بھی کوئی ادنیٰ تردد نہ تھا۔ حضرت مجدد صاحبؒ نے تحریر فرمایا ہے کہ صدیق اکبرؓ کی وجہ فضیلت ان کے کثرت مناقب نہیں بلکہ سبقیت ایمان (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

عَلَى الْمِنْبَرِ ثُمَّ بَكٰى وَقَالَ سَلُوا الْعَفْوَ وَالْعَافِيَةَ فَإِنَّ اَحَدًا لَمْ يُعْطَ بَعْدَ الْيَقِيْنِ خَيْرًا مِنَ الْعَافِيَةِ۔ (رواہ احمد والترمذی قال المنذری من روایۃ عبداللہ بن محمد بن عقیل وقال حسن غریب ورواہ النسائی واحمد من طرق واحد اسانیدہ صحیح وقد رمز السیوطی لحسنہ۔

(۲۶۳) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَوَّلُ

---

فرماتے ہوئے کہا کہ اس سے پہلے سال آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ کے لئے ہمارے سامنے کھڑے ہوئے تھے یہ کہہ کر ابوبکرؓ زار وقطار رو پڑے (پھر کہا کہ) آپ نے ارشاد فرمایا تھا اللہ تعالیٰ سے اپنی خطاؤں کی معافی اور اپنے لئے عافیت طلب کیا کرو کیونکہ ایمان ویقین کے بعد عافیت سے بڑھ کر کسی کو کوئی نعمت نصیب نہیں ہوئی۔ (احمد۔ نسائی۔ ترمذی)

(۲۶۳) عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

(بقیہ حاشیہ صفحہ گذشتہ) اور دین کے لئے اقدمیت انفاق اموال اور اولیت بذل نفس بہر حال قدر تحقیق ہے۔ (مکتوبات جلد سوم مکتوب ۱۷)

(۲۶۲) یقین اور اعتقاد جازم ایمان کی روح ہے خدا تعالیٰ کی جتنی نعمتیں ہیں وہ سب اس دولت یقین سے کم تر ہیں۔ صحیح بخاری میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کا مقولہ مروی ہے "الیقین الایمان کلہ" یقین ہی ایمان کی روح ہے۔ بیہقی نے کتاب الزہد میں ان الفاظ کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے مگر حافظ ابن حجرؒ نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے۔ مسند امام احمدؒ میں حضرت حضرت ابن مسعودؓ کی یہ دعا منقول ہے اللھم زدنا ایمانا ویقینا وفقہا۔ اے اللہ ہمارے دل میں ایمان، یقین، اور ہم میں دین کی سمجھ بڑھا دے۔ جامع ترمذی میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات میں مذکور ہے۔ واقسم لنا من الیقین ما تھون بہ علینا مصائب الدنیا۔ اے اللہ ہمارے حصہ میں اتنا یقین لگا دے کہ اس کی وجہ سے ہمیں دنیا کی مصیبتیں جھیلنا آسان ہو جائے یہاں یقین جیسی نعمت کو کیسی مقید کرنے کی حقیقت سفیان ثوری کے اس مقولہ سے ظاہر ہوتی۔ وہ فرماتے ہیں لوان الیقین وقع فی القلب کما ینبغی لطار اشتیاقا الی الجنۃ وھربا من النار (فتح الباری ۱ص ۴۱) اگر یقین پوری حقیقت کے ساتھ دل میں سما جائے تو جنت کے اشتیاق اور دوزخ کے خوف کے مارے دل اڑنے لگے اسی کی طرف حضرت حنظلہؓ کی حدیث میں اشارہ کیا گیا ہے۔ مستدرک حاکم میں سورہ المدثر کی تفسیر میں نقل کیا ہے کہ زرارہ بن ابی اوفی نے ایک بار یہ آیت پڑھی فاذا نقر فی الناقور (جب صور پھونکا جائے گا تو وہ دن کافروں کے اوپر بڑا سخت ہوگا الخ) اور بیہوش ہو کر گر گئے اور وفات پا گئے بڑا رتبہ پایا لیکن اگر جیتے اور خدا کی عبادت ادا کرتے تو اور مراتب طے کرتے آپ نے دیکھا کہ یقین جب حد سے بڑھنے لگتا ہے تو اس کا نتیجہ اس شکل میں بھی نکل سکتا ہے۔

(۲۶۳) حضرت شاہ ولی اللہؒ مراتب احسان پر بحث کرتے ہوئے عقل ونفس اور قلب کی فنا کی تحقیق یہ لکھتے ہیں کہ جب انسان کے یہ جواہر لطیفہ اپنے اصل خواص سے مجرد ہو کر عالم غیب کی سیر میں مستغرق ہو جاتے ہیں تو یہی ان کی فنا سمجھی جاتی ہے۔ (پس فنا ہونے والے درحقیقت یہ جواہر خود نہیں ہوتے بلکہ ان کے خصائل وخاص ہوتے ہیں۔ یہی معنی ان کے

صَلَاحُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الْيَقِيْنُ وَالزُّهْدُ وَاَوَّلُ فَسَادِهَا الْبُخْلُ وَالْاَمَلُ (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

فرمایا ہے اس امت کی سب سے پہلی اصلاح دولت یقین کی وجہ سے ہوئی ہے اور اس کی سب سے پہلی بربادی بخل اور دراز امیدوں کی بدولت ہوگی۔ (شعب الایمان)

نار کے سمجھنے چاہئیں اور بس۔ عقل کا اصل خاصہ تصدیق، شک، توہم، اسباب کی تلاش اور جلب منافع، دفع مضار پر غور و خوض کرنا ہے۔ جب انسانی قلب و جوارح آداب الٰہیہ کی زیر تربیت مہذب ہوتے جاتے ہیں تو ان میں آثار عبودیت اس طرح پھوٹنے لگتے ہیں جس طرح لو کے مارے درخت میں پتیاں اب اس کا رخ عالم مادیہ کی بجائے عالم قدس کی طرف بدل جاتا ہے، اسباب بے حقیقت بن جاتے ہیں، منفعت و مضرت کا سوال نظروں سے ساقط ہونے لگتا ہے اور حقائق شرعیہ اور عالم غیب کا یقین اپنی آنکھوں کے مشاہدات سے بڑھ کر نصیب ہونا شروع ہو جاتا ہے، ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زید بن حارثہ سے دریافت کیا ہر چیز کی ایک حقیقت ہوتی ہے تم بتاؤ تمہارے ایمان کی حقیقت کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا مجھے عرش رحمٰن کا ایسا یقین حاصل ہے جیسا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں۔ (خلاصہ حجۃ اللہ)

امام شعرانی لکھتے ہیں المومن الکامل من صار الغیب عندہ کالشہادۃ فی عدم الریب (الیواقیت ج ۲ ص ۲۵۷) مومن کامل وہ ہے جس کے نزدیک عالم غیب یقین میں عالم شہادت کی برابر ہو جائے۔ یہ دولت یقین جس کے ہاتھ آگئی اس کی عقل کامل ہوگئی اور جس کی عقل کامل ہوگئی اس کے لئے نفس و قلب کے تکمیل کی منزل بھی دور نہیں رہی، اس کے تمام مراتب احسان طے ہونے کا وقت بھی قریب آپہنچا وہ قریب ہے کہ اب انسان کامل کے لقب سے نوازدیا جائے۔ علامہ اقبال مرحوم نے اسی صفت یقین کو ذیل کے شعر میں کیا خوب ادا کیا ہے ؎

غلامی میں نہ کام آتی ہیں تدبیریں نہ شمشیریں
جو ہو ذوقِ یقیں پیدا تو کٹ جاتی ہیں زنجیریں

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ دلائل کی بنیاد پر یقین کی تعمیر کرنا ایمان کی صفت نہیں۔ ایمان کی صفت یہ ہے کہ یقین کی بنیاد پر دلائل کی تعمیر کی جائے۔ جب کسی حقیقت تک یقین کے ساتھ رسائی ہو جاتی ہے تو پھر دلائل کا راستہ خود بخود مختصر ہو جاتا ہے کیونکہ یہی دلائل کا مقصد تھا اور جب یہ مقصد بلا تعب حاصل ہوگیا تو اب دلائل کا مشغلہ مفت ایک سرگردانی ہے لیکن اگر یقین تک رسائی حاصل نہیں ہے تو اب دلائل کے واسطہ سے یقین حاصل کرنا ایک امید موہوم ہے۔ یہی وجہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کی جماعت میں نظریات کا کوئی اختلاف نظر نہیں آتا انھیں حقیقت کا پورا علم ہوتا ہے اور کسی شے کی حقیقت ہمیشہ ایک ہی ہوتی ہے اور اہل نظر کے نظریات میں کہیں اتفاق نظر نہیں آتا۔ متنبی کہتا ہے

تخالف الناس حتی لا اتفاق لهم الا علی شجب والخلف فی الشجب

حافظ شیرازی فرماتے ہیں۔

جنگ ہفتاد و دو ملت ہمہ را باز بنہ — چو نہ دیدند حقیقت رہ افسانہ زدند

شیخ عبدالوہاب شعرانی لکھتے ہیں کہ نور ایمان کی دو قسمیں ہیں۔

(القسم الاول) من آمن من نظر باستدلال و برہان — (پہلی قسم) اس شخص کا ایمان ہے جو دلیل و برہان کی بنیاد

فهذا لا یوثق بثبات ایمانہ لعدم انہ مع الدلیل — پر حاصل ہو۔ یہ ایمان قابل بھروسہ نہیں ہوتا کیونکہ وہ دلیل کے

# عین الیقین امر فوق علم الیقین

(٢٦٤) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَحْنُ أَحَقُّ بِالشَّكِّ

# عین الیقین کا مرتبہ علم الیقین کے مرتبہ سے اونچا ہے

(٢٦٤) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہم حضرت ابراہیم علیہ السلام

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) ومثل هذا لا يخالط بشاشة نور ايمانه القلوب لانه لا ينظر الا من خلف حجاب دليله وما من دليل من ادلة العماء النظر الا وهو معرض لحصول الدخل فيه والقدح ولو بعد حين فلهذا كان لا يمكن صاحب البرهان ان يخالط الايمان بشاشة قلبه للحجاب الذى بينه وبينه

(القسم الثانى) من كان برهانه حين حصول الايمان فى قلبه امر الضرورى وهذا هو الايمان الذى يخالط بشاشة القلوب ولا يتصور فى حق صاحبه شك لان الشك لا يجد محلا يعمره فان محله الدليل وما ثم دليل فما ثم ما يرد عليه الدخل ولا الشك۔

(الیواقیت والجواہر ج ٢ ص ٢٥٥۔)

ساتھ ساتھ گھومتا رہتا ہے (جس طرف کی دلیل واضح ہو جائے) اس قسم کے نور کی تر و تازگی دلوں میں اترا نہیں کرتی، کیونکہ اس کی بصیرت ہمیشہ دلیل ہی کے پس پردہ ہوتی ہے اور دلیل کوئی بھی ہو ایسی نہیں ہو سکتی جس میں شبہ پیدا ہونیکا خطرہ نہ ہو خواہ اب نہ سہی کچھ مدت کے بعد سہی یہی وجہ ہے کہ دلائل پرست کا ایمان کبھی خطرات سے بے خطر نہیں ہو سکتا۔

(دوسری قسم) کا ایمان اس شخص کا ہے جو صرف بداہت پر مبنی ہو یہی وہ ایمان ہے جس کی تر و تازگی دلوں میں سما جاتی ہے اس شخص کے حق میں شک و شبہ کا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا کیونکہ شک دلیل میں ہوا کرتا ہے جہاں دلیل ہی نہیں وہاں شک کا وجود بھی نہیں۔

(٢٦٤) محبت و خلوص کی داستانوں کو پڑھنے اور سننے کے لئے رموزِ محبت سے کچھ آشنائی بھی درکار ہے۔ لذتِ محبت سے یکسر بیگانہ انھیں کیا جانے اور کیا سمجھے۔ یہاں کوئی بدذوق جب "رب ارنی" کے ایک انداز ناز کا سوال سنتا ہے تو اس کو اسرار خلت کی روشنی میں سمجھنے کی بجائے عام انسانوں کے سوالات کی سطح پر سمجھ لیتا ہے اور حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کی طرف شک و تردد کی نسبت کرنے کے لئے آمادہ ہو جاتا ہے اگر وہ اس پر خلت کی روشنی میں غور کرتا تو اس کو معلوم ہو جاتا کہ یہاں شک و تردد کا کوئی موقعہ و محل ہی نہ تھا بلکہ اذعان و ایقان کے اس جبلِ عظیم پر جب محبت و خلت کی کیف آور ہوائیں چلنی شروع ہوئیں تو اس فضا میں ناز و نیاز کا ایک سماں خود بخود پیدا ہو گیا اور اسی فضاءِ ناز میں حضرت خلیلؑ کی زبان اسرارِ احیاء کا مشاہدہ کرنے کیلئے بیساختہ متحرک ہو گئی قصہ بہت طویل ہو گیا مگر شاید یہ وہ کسی خلیل کو اپنی خلت کی گہرائی معلوم کرنے کے سوا اور کچھ منظور نہ تھا اِدھر قدر خلت پہچاننے والے نے یہ قدر شناسی فرمائی کہ صرف ان کے اطمینانِ خاطر کے لئے اپنی صفتِ احیاء کا رازِ نہاں ان کے سامنے کھول کر رکھدیا۔ ان ہی نزاکتوں اور کج فہمیوں کے پیشِ نظر قرآن کریم نے ازخود "اولم تومن" کا سوال اٹھا دیا تھا اور خود حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام ہی کی زبانی یہ بات صاف کردی تھی کہ ان کے سوال کا منشاء

مِنْ اِبْرَاهِیْمَ اِذْ قَالَ رَبِّ اَرِنِیْ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتٰی قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ قَالَ بَلٰی وَلٰکِنْ لِیَطْمَئِنَّ قَلْبِیْ الحدیث (رواہ مسلم)

سے زیادہ شک کرنے کے مستحق ہیں (اگر یہ سوال وہ از راہ شک کرتے) اے میرے پروردگار مجھے دکھلا دے کہ تو مردوں کو کیسے زندہ کرتا ہے ارشاد ہوا اچھا تو کیا تمہیں اس پر یقین نہیں، عرض کیا کیوں نہیں (یقین نہ ہوتا تو تجھ سے یہ سوال ہی کیوں کرتا) لیکن مقصد یہ ہے کہ (کیفیات احیاء کا مشاہدہ کرکے) میرا دل اور مطمئن ہو جائے۔

صنعتِ یقینی نہ تھا بلکہ ربط خلت تھا جس کے بعد ایسے ایسے نازک سوالات کرنے کی گنجائش بھی نکل آتی ہے۔

خدا کے اس مقدس رسول کے دامن یقین کو شک و تردد سے پاک و صاف کرنے کا ایک طریقہ تو یہ تھا۔ دوسرا طریقہ وہ ہے جو حدیث بالا میں اختیار کیا گیا ہے یعنی یہ کہ یہ فیصلہ خود ان صحابہ کی فہم پر چھوڑ دیا جائے جو آپ کی فیض صحبت سے یقین و ایمان کی موجیں اٹھتی ہوئی اپنے سینوں میں مشاہدہ کر رہے تھے وہ سوچیں کہ جب ان کے قلب میں یقین و ایمان کا عالم یہ ہے تو اس شمع فروزاں کے قلب میں ایمان و ایقان کا عالم کیا ہونا چاہئے جس کو اللہ تعالیٰ نے اپنی خلت کے رتبہ بلند سے نوازدیا تھا۔ اور اپنے نفس کی کیفیات یقین کے اس عینی مشاہدہ کے بعد انہیں یہ سمجھنا بالکل بدیہی ہو جائے کہ حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام کے سوال کو شک و تردد سے دور کا بھی کوئی علاقہ نہیں ہو سکتا۔ یہ دونوں طریقے اپنے اپنے انداز میں ان کی طرف سے صفائی پیش کرنے کے لئے بہت کافی ہیں۔ مگر آپ کی نسبت ابنیت اور شان تواضع کے مناسب یہی طریقہ تھا جو انبیاء و ادب آپ نے یہاں اختیار فرمایا یعنی یہ کہ ہم ان کی ذریت اور ان کے تبع ہیں۔ اگر بالفرض ان سے یہ سوال کسی شک کی بناء پر سرزد ہوتا تو ہم اس شک کے ان سے زیادہ حقدار ہوتے لیکن جب ہمیں کوئی شک و تردد نہیں تو بھلا اس موحد اعظم کو کیا شک و تردد ہو سکتا ہے۔ علماء نے لکھا ہے کہ سوال مذکور کو ایمانیات سے کوئی تعلق ہی نہیں خدا تعالیٰ کی صفت احیاء پر ایمان لانا بیشک ضروری ہے مگر اس کی کیفیات پر ایمان لانا ہرگز ضروری نہیں۔ قیامت آئیگی اس پر ایمان لانا بے شک واجب ہے لیکن وہ کیسے آئے گی اس پر لانا کوئی ضروری امر نہیں۔ اس لحاظ سے جو سوال یہاں مذکور ہے وہ جواب و سوال کی دردسری کا محتاج ہی نہیں ہے۔ حیرت ہے کہ بعض علماء نے اس اہم واقعہ کو صرف چند طیور کو مانوس کرنے اور متفرق کر دینے پھر ان کو جمع کر لینے کی ایک سادی تمثیل قرار دیدیا ہے حالانکہ یہ کوئی ایسا عجیب کرشمہ نہیں ہو سکتا جسے دیکھنے کے لئے حضرت خلیل علیہ الصلوٰۃ والسلام درخواست کرتے یہ تو دنیا کے ان روزمرہ واقعات میں شامل ہے جنہیں دیکھنے کی نہ تو قلوب میں کوئی حرکت پیدا ہو سکتی ہے اور نہ ان سے صرف ایک طفل تسلی کے سوا کیفیات احیاء کا کوئی اطمینان بخش مشاہدہ نصیب ہو سکتا ہے اس لئے جمہور مفسرین کی یہی تفسیر صحیح ہے کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ چند مختلف پرندے لیکر پہلے ان کے ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالیں پھر ان کو باہم آمیز کر کے مختلف مقامات پر ڈالدیں اس کے بعد ایک مقام پر علیحدہ کھڑے ہو کر آواز دیں تو وہ ان کی آنکھوں کے سامنے اپنی اپنی شکل پر علیحدہ علیحدہ مرتب اور زندہ ہو کر چلے آئیں۔ تحلیل و ترکیب کا یہی وہ نقشہ ہو سکتا ہے جس کے دیکھنے کی درخواست کی جا سکتی ہے اور یہی وہ عبرتناک نظارہ ہو سکتا ہے جس کے بعد علم الیقین سے عین الیقین تک رسائی بآسانی ممکن ہے۔

(بقیہ حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

(۲۶۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْخَبَرُ کَالْمُعَایَنَۃِ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی اَخْبَرَ مُوسٰی بِمَا صَنَعَ قَوْمُہٗ فِی الْعِجْلِ فَلَمْ یُلْقِ الْاَلْوَاحَ فَلَمَّا عَایَنَ مَا صَنَعُوْا اَلْقَی الْاَلْوَاحَ (رواہ احمد کما فی المشکوٰۃ فی باب بدء الخلق واخرجہ الحاکم فی التفسیر ورمز لہ الذھبی (خ م)

(۲۶۵) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بات کا سننا اور آنکھوں سے مشاہدہ کرنا برابر نہیں ہوتا (مشہور ہے شنیدہ کے بود مانند دیدہ) اللہ تعالیٰ نے جب موسیٰ علیہ السلام کو ان کے قوم کی گوسالہ پرستی کی اطلاع دی تو انھوں نے تورات کی تختیاں (اپنے ہاتھوں سے) نہیں ڈالیں لیکن جب ان کی کرتوت بچشم خود دیکھ لی تو (صبر نہ کر سکے) اور (غصہ کے مارے) تختیاں (زمین پر) پٹخ دیں۔

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اس واقعہ سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایمان ویقین کی ساری منزلیں طے کرنے کے بعد بھی غیب کے ہر گوشہ میں اطمینان وسکون میسر آجانا ضروری امر نہیں ہو سکتا ہے کہ پورا پورا یقین حاصل ہونے کے بعد بھی غائبات کے کچھ گوشے ایسے تشنہ رہ جائیں جن کے بجھانے کی تلاش نفس انسانی میں باقی رہ جائے۔ چونکہ یہ گوشے ایمانیات کا جزو شمار نہیں ہوتے اس لئے ان کے مشاہدہ کی تمنا تردد نہیں بلکہ مزید تحقیق کی طلب پر مبنی ہوتی ہے۔

یہ بات فراموش نہ کرنی چاہیے کہ شوق کے سوال اور شک کے سوال میں زمین وآسمان کا فرق ہے ذوق وشوق عین تقاضائے یقین ہے اگر خدا تعالیٰ کے احیاء پر یقین نہ ہو تو کیفیت احیاء کے مشاہدہ کا شوق ہی کیسے پیدا ہو۔ اس کو ایک مثال سے یوں حل کر لیجئے کہ اس پر تو ہر شخص کو یقین حاصل ہے کہ ریڈیو کی جو آواز ہم سنتے ہیں یہ آواز ٹھیک وہی ہوتی ہے جو اس کے اصل مرکز پر نکل رہی ہے لیکن اس مکمل یقین کے باوجود اگر ہم یہ سوال کریں کہ یہ آواز اتنی سرعت کے ساتھ ایک جگہ سے دوسری جگہ کیونکر منتقل ہو جاتی ہے تو یہ ہرگز اس کی دلیل نہیں ہو سکتی کہ ہمیں ریڈیو کے اصل وجود ہی میں کوئی شبہ لاحق ہے بلکہ ہمارا یہ سوال ہی اس کی دلیل ہوگا کہ ہمیں اس کے وجود کا یقین حاصل ہے۔ اس لئے ہم چاہتے ہیں کہ اس کا ہر گوشہ ہمارے سامنے ایسا ہی یقینی ہو جائے جیسا خود ریڈیو کا وجود۔ یہ سوال تو صرف ایک احیاء موتیٰ کے متعلق تھا لیکن حضرت موسیٰ علیہ السلام کا سوال تو اس سے کہیں بڑھ کر خود بارگاہ جمال کے بے حجابانہ دیدار کے لئے تھا "رب ارنی انظر الیک" کون کہہ سکتا ہے کہ محبت وعشق کے اس مضطربانہ سوال میں شک وتردد کی بو بھی آ سکتی ہے بلکہ سرتاسر یقین ہی اس شوق کا محرک بن رہا تھا۔ ان واقعات سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جہاں تک ایمانیات کی حدود ہیں ان پر تو صرف خدا اور اس کے رسول کے بیان پر یقین لے آنا چاہیے ہاں جو گوشے ایمانیات سے متعلق نہیں ان میں اطمینان کیلئے مشاہدہ کے سوال کی گنجائش ہے۔ لیکن اگر آپ کو ایمانیات کا یقین بھی مشاہدہ کئے بغیر حاصل نہیں ہوتا تو اس کے معنی یہ ہیں کہ آپ کو رسول کے بیان پر کوئی اعتماد ہی نہیں۔ ظاہر ہے کہ اس رنگ کے یقین کو ایمان کی صفت نہیں کہا جا سکتا۔

(حاشیہ صفحہ ہذا) (۲۶۵) یہ ظاہر ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو اپنی قوم کے گوسالہ پرستی کا پورا پورا یقین تو وحی الٰہی کے ذریعہ پہلے ہی حاصل ہو چکا تھا لیکن وہ خاص تاثرات وکیفیات جو کسی واقعہ کے مشاہدہ سے متعلق ہوتی ہیں ابھی مشاہدہ سے قبل حاصل نہ تھیں۔ جب وہی خبر مشاہدہ میں آ گئی تو اب یہ کیفیات وتاثرات بھی یکلخت ابھر آئیں موسیٰ علیہ السلام غصہ میں بھر گئے اور غصہ کی حالت میں جو کچھ وہ کر سکتے تھے کر گزرے۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

(۲۶۶) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ ذَكَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النَّارَ فَأَعْرَضَ وَأَشَاحَ ثُمَّ قَالَ اِتَّقُوا النَّارَ ثُمَّ أَعْرَضَ وَأَشَاحَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ كَأَنَّمَا يَنْظُرُ إِلَيْهَا وفی رواية فَتَعَوَّذَ مِنْهَا وَأَشَاحَ بِوَجْهِهِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَالَ اِتَّقُوا النَّارَ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ وفی رواية مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمْ أَنْ يَسْتَتِرَ مِنَ النَّارِ وَلَوْ بِشِقِّ تَمْرَةٍ فَلْيَفْعَلْ. (رواه مسلم)

(۲۶۷) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ صَالِحٍ الْأَنْصَارِيِّ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ فَقَالَ كَيْفَ أَصْبَحْتَ يَا عَوْفَ بْنَ مَالِكٍ قَالَ أَصْبَحْتُ مُؤْمِنًا حَقًّا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ

(۲۶۶) عدی بن حاتم بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوزخ کا ذکر کیا اور یہ کہکر فوراً ادھرسے اپنا رخ انور پھیر لیا اس کے بعد فرمایا دوزخ سے بچو۔ پھر اپنا چہرۂ مبارک اس طرح پھیرا جس سے ہمیں یہ گمان ہوا کہ گویا آپ اُس وقت اپنی آنکھوں سے دوزخ کو دیکھ رہے ہیں۔ دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح مذکور ہے کہ (دوزخ کا ذکر کرکے) آپ نے اس سے پناہ مانگی اور اپنا چہرۂ مبارک ادھر سے پھیر لیا۔ تین مرتبہ ایسا ہی کیا اس کے بعد فرمایا دوزخ سے بچو اگرچہ کھجور کا ایک ٹکڑا دے کر ہو۔ دوسری روایت میں یہ مضمون یوں ہے کہ تم میں سے جو شخص بھی کھجور کا ایک ٹکڑا دیکر دوزخ سے بچ سکے وہ ضرور بچ جائے (مسلم)

(۲۶۷) محمد بن صالح انصاری بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عوف بن مالک سے ملاقات ہوئی، آپ نے فرمایا عوف بن مالک کہو کیا حال ہے؟ انھوں نے عرض کیا بفضلہ تعالیٰ سچا اور پکا

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) اسی پر حضرت ابراہیم علیہ السلام کے معاملہ کو قیاس کرنا چاہئے۔ انھیں بھی اللہ تعالیٰ کی صفت احیاء پر پورے یقین واذعان کے باوجود اس کی خصوصی کیفیات کے مشاہدہ کی استدعا کرنی بالکل برمحل تھی۔ یہاں شک و تردد کا دخل سمجھنا روزمرہ کے معمولی حالات سے بھی ناواقفی ہے۔ مشاہدہ اور خبر کا فرق فطری ہے اس سے کوئی شخص مستثنیٰ نہیں ہوسکتا۔ (دیکھو تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص۱۱۱)

(حاشیہ صفحہ ھذا) (۲۶۶) یہاں تو دوزخ کے ایک خاص نظارہ کا تذکرہ تھا لیکن انبیاء علیہم السلام کے عام حالات اور ان کے عام انداز بیان میں بھی جزم ویقین کی کیفیت اس درجہ نمایاں ہوتی ہے کہ ان کے مخاطبین بھی حسب استعداد اس سے متاثر ہوئے بغیر نہیں رہتے۔ وہ عالم غیب کی کسی حقیقت کا جب ذکر کرتے ہیں تو اسی جزم کے ساتھ کرتے ہیں جیسا اپنے مشاہدات کا بلکہ بعض اوقات کسی داعیہ کے ماتحت اس کیفیت میں اس درجہ منصبغ نظر آتے ہیں گویا وہ عالم شہود کی مخلوق ہوکر خود عالم غیب کا جزء بن گئے ہیں اس لئے اس جہان کا تذکرہ اس انداز سے کرتے ہیں گویا وہ اس وقت اس میں خود موجود ہیں پھر ان کی اس محفل میں جو داخل ہوجاتا ہے وہ بھی علیٰ قدر ما نصیب اس نعمت سے بہرہ ور ہوجاتا ہے ھم القوم لا یشقی جلیسھم امتیوں کے حق میں اس قسم کی کیفیات شاید احسان کی تعریف کے ذیل میں آجاتی ہوں اسی لئے ہم نے حدیث جبرئیل کی ذیل میں عرض کیا تھا کہ جس کو ایمان کا مرتبہ احسان نصیب ہوجاتا ہے اس کو حقائق غیبیہ کا یقین مثل مشاہدات کے حاصل ہوجاتا ہے۔

(۲۶۷ کا حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِکُلِّ قَوْلٍ حَقِیْقَۃً فَمَا حَقِیْقَۃُ ذٰلِکَ قَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَطْلَقْتُ نَفْسِیْ مِنَ الدُّنْیَا وَاَسْهَرْتُ لَیْلِیْ وَاَظْمَأْتُ هَوَاجِرِیْ کَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی عَرْشِ رَبِّیْ وَکَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی اَهْلِ الْجَنَّۃِ یَتَزَاوَرُوْنَ فِیْهَا وَکَاَنِّیْ اَنْظُرُ اِلٰی اَهْلِ النَّارِ یَتَضَاغَوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَرَفْتَ اَوْ اَیْقَنْتَ فَالْزَمْ (رواہ ابوبکر بن ابی شیبۃ کما فی کتاب الایمان من الرحمۃ المهداۃ وراجع معتصر الحاجۃ للسنۃ ۱)

## اذا نشأ قلق فی نفس المؤمن من شدۃ شعورہ بالقدرۃ الازلیۃ وغناء الرب تبارک وتعالٰی فانما هو اثر الیقین

(۲۶۸) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا عَصَفَتِ الرِّیْحُ قَالَ اَللّٰهُمَّ

مومن ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر قول کی کچھ حقیقت ہوا کرتی ہے تم اپنے اس قول کی حقیقت بتاؤ کیا ہے؟ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے اپنے نفس کو دنیا سے آزاد بنا لیا ہے۔ شب کو بیدار رہتا ہوں اور دوپہر کی گرمیوں میں پیاسا بسر کرتا ہوں (یعنی روزہ دار رہتا ہوں) مجھے یوں محسوس ہوتا ہے کہ میں اپنے پروردگار کا عرش اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں (جنت و دوزخ کا اس درجہ یقین ہے) گویا جنتی میری آنکھوں کے سامنے ایک دوسرے سے ملاقات کر رہے ہیں اور دوزخی (عذاب میں) چیختے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم ٹھیک بات پہچان گئے یا یہ فرمایا کہ تم کو صحیح بات بتادی گئی تو اسی کیفیت کو قائم رکھنا۔ (ابوبکر بن ابی شیبہ)

## رب العزۃ کی بے نیازی اور قدرت علی الاطلاق کی بنا پر جو اضطراب وقتی طور پیدا ہو جاتا ہے وہ یقین کے منافی نہیں۔

(۲۶۸) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ جب ہوا تیز چلتی تو آپ یہ دعا پڑھا کرتے تھے۔ اے اللہ میں تجھ کو

(۲۶۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایمان کی اصل حقیقت صرف جزم ویقین ہے۔ یہی یقین جب تک الفاظ کے قالب میں رہتا ہے ایمان کا وجود لفظی کہلاتا ہے اور جب ترقی کر کے قلب میں داخل ہو جاتا ہے تو اس کا وجود ذہنی کہلاتا ہے اور جب رسوخ کے بعد اس میں کیفیت شہود پیدا کر لیتا ہے تو اس کا وجود خارجی کہلاتا ہے۔ مرتبۂ احسان اسی کا نام ہے۔ ناواقفی اور کم ہمتی کی وجہ سے اس مرتبہ کو صرف صوفیاء کرام کا حصہ سمجھ لیا گیا ہے۔ گویا علماء اور عام مومنین کو اس کی طلب کرنا اپنی حدود سے تجاوز کرنا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک۔ جس کو تم نے صوفیاء کے حصہ میں لگا دیا ہے وہ عین ایمان ہے اور ہر مسلمان پر حق ہے کہ اس رنگ کے حاصل کرنے میں پوری جدوجہد کرے اگر وہ اس راہ میں قدم نہیں اٹھاتا تو وہ گویا اپنے ناقص ایمان پر راضی ہے۔

إِنِّي أَسْئَلُكَ خَيْرَهَا وَخَيْرَ مَا فِيهَا وَخَيْرَ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَأَعُوذُ بِكَ مِنْ شَرِّهَا وَشَرِّ مَا فِيهَا وَ
شَرِّ مَا أُرْسِلَتْ بِهِ وَإِذَا تَخَيَّلَتِ السَّمَاءُ تَغَيَّرَ لَوْنُهُ وَخَرَجَ وَدَخَلَ وَأَقْبَلَ وَأَدْبَرَ فَإِذَا أَمْطَرَتْ
سُرِّيَ عَنْهُ فَعَرَفَتْ ذَالِكَ عَائِشَةُ فَسَأَلَتْهُ فَقَالَ لَعَلَّهُ يَا عَائِشَةُ كَمَا قَالَ قَوْمُ عَادٍ فَلَمَّا
رَأَوْهُ عَارِضًا مُسْتَقْبِلَ أَوْدِيَتِهِمْ قَالُوا هٰذَا عَارِضٌ مُمْطِرُنَا وَفِي رِوَايَةٍ وَيَقُولُ إِذَا رَأَى الْمَطَرَ رَحْمَةً (متفق علیہ)
(۲۶۹) عَنْ أَبِي مُوسَىٰ قَالَ خَسَفَتِ الشَّمْسُ فَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَزِعًا
يَخْشَىٰ أَنْ تَكُونَ السَّاعَةُ فَأَتَى الْمَسْجِدَ فَصَلَّىٰ بِأَطْوَلِ قِيَامٍ وَرُكُوعٍ وَسُجُودٍ مَا رَأَيْتُهُ قَطُّ
يَفْعَلُهُ وَقَالَ هٰذِهِ الْآيَاتُ الَّتِي يُرْسِلُ اللّٰهُ لَا تَكُونُ لِمَوْتِ أَحَدٍ وَلَا لِحَيٰوتِهِ وَلٰكِنْ

اس ہوا کی بہتری اور جو بہتری اس میں ہو اور جس بہتری و برکت کے لئے وہ چلائی گئی ہو ان سب کا سوال
کرتا ہوں اور اس کے شر سے اور جو شر اس میں ہو اور جس کے لئے وہ چلائی گئی ہو ان سب سے تیری پناہ لیتا
ہوں۔ اور جب آسمان پر بادل نظر آتے تو آپ کا رنگ فق پڑ جاتا کبھی باہر تشریف لاتے کبھی اندر جاتے کبھی
اِس طرف جاتے کبھی اُس طرف جاتے جب بارش ہونے لگتی تب کہیں جا کر آپ سے یہ اضطراب کی کیفیت دور ہوتی
حضرت عائشہؓ آپ کے اس اضطراب کو پہچان گئیں اور آپ سے اس کا سبب پوچھا۔ آپ نے فرمایا اے
عائشہؓ ڈرتا ہوں کہیں یہ بادل ویسے نہ ہوں جیسے قوم عاد نے اپنی وادی کی طرف آتے دیکھے تھے اور کہا تھا
کہ یہ بادل ہمارے لئے بارش لائے ہیں (پھر اس میں عذاب آیا تھا) دوسری روایت میں ہے کہ جب بارش
برسنے لگتی تو فرماتے یہ خدا کی رحمت ہے۔ (متفق علیہ)
(۲۶۹) ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ سورج گہن پڑا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم گھبرا کر اُٹھ کھڑے
ہوئے ڈر رہے تھے کہیں قیامت نہ آگئی ہو، مسجد میں تشریف لائے اور اتنے لمبے لمبے قیام، رکوع اور
سجود کے ساتھ نماز ادا کی کہ میں نے تو اتنے لمبے قیام و رکوع کرتے کبھی آپ کو نہ دیکھا تھا، نماز سے فراغت
کے بعد آپ نے فرمایا یہ انقلابات اللہ تعالیٰ کسی کی موت یا حیوۃ کی وجہ سے پیدا نہیں کرتا بلکہ ان کی وجہ سے

(۲۶۹) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا وجود قدسی جس طرح قیامت کی آمد سے مانع تھا اسی طرح کسی شر کے
بغیر عذاب استیصال سے بھی مانع تھا۔ لیکن جب کبھی قدرت کی بے پناہ طاقت سے عالم کے کسی جزء میں آپ کو شکست و
ریخت کے آثار نظر آنے لگتے تو عالم غیب کے اس مشاہدہ کرنے والے کی نظروں کے سامنے قدرت علی الاطلاق کی
ہر آئین سے بالاتر ہونے کا یقین ایسا جلوہ گر ہو جاتا کہ جس کے بعد بشریت کی ضعیف فطرت کو ان دو متصادم یقینوں
میں سے کسی ایک کو ترجیح دینا ایک مشکل ترین مسئلہ بن جاتا تھا کہ جب بارش برس جاتی اور سورج صاف ہو جاتا تو ایسا
منکشف ہو جاتا کہ قدرت نے آپ کے وجود کے امن ہونے میں کسی قید و شرط کو ملحوظ نہیں رکھا تھا اور اس لئے امت کی

يُخَوِّفُ اللّٰهُ بِهَا عِبَادَهٗ فَإِذَا رَأَيْتُمْ شَيْئًا مِنْ ذٰلِكَ فَافْزَعُوْا إِلٰى ذِكْرِهٖ وَدُعَائِهٖ وَاسْتِغْفَارِهٖ (متفق علیه)

(۲۷۰) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمُ بَدْرٍ نَظَرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى الْمُشْرِكِيْنَ وَهُمْ أَلْفٌ وَأَصْحَابُهٗ ثَلٰثُمِائَةٍ وَتِسْعَ عَشَرَ رَجُلًا فَاسْتَقْبَلَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْقِبْلَةَ ثُمَّ مَدَّ يَدَيْهِ فَجَعَلَ يَهْتِفُ بِرَبِّهٖ فَادًّا يَدَيْهِ يَقُوْلُ اللّٰهُمَّ أَنْجِزْ لِيْ مَا وَعَدْتَنِيْ اللّٰهُمَّ إِنْ تُهْلِكْ هٰذِهِ الْعِصَابَةَ مِنْ أَهْلِ الْإِسْلَامِ لَا تُعْبَدْ فِي الْأَرْضِ فَمَا زَالَ يَهْتِفُ بِرَبِّهٖ مَادًّا يَدَيْهِ حَتّٰى سَقَطَ رِدَاؤُهٗ عَنْ مَنْكِبَيْهِ فَأَتَاهُ أَبُوْ بَكْرٍ فَأَخَذَ رِدَاءَهٗ فَأَلْقَاهُ عَلٰى مَنْكِبَيْهِ ثُمَّ

اللہ تعالیٰ اپنے بندوں کو ڈراتا ہے جب اس قسم کے کسی انقلاب کو دیکھا کرو تو اس کی یاد، اس کے سامنے عجز و نیاز اور اس سے استغفار کرنے کے لئے دوڑ پڑا کرو۔

(۲۷۰) حضرت عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ جنگِ بدر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دیکھا تو مشرکین کی تعداد ایک ہزار اور آپ کے صحابہ کی صرف تین سو انیس تھی یہ دیکھکر اسی وقت آپ روبقبلہ ہوگئے اور آپ نے دونوں ہاتھ پھیلا دیئے اور چیخ چیخ کر ہاتھ پھیلا پھیلا کر اپنے پروردگار سے یہ دعا مانگنی شروع کی اے اللہ تو نے جو وعدہ مجھ سے فرمایا تھا اب وہ پورا کر۔ اے اللہ اگر اسلام کی اس مختصر جماعت کو تو ہلاک کردے گا تو اس زمین پر تیری عبادت اور کون کرے گا۔ آپ برابر ہاتھ پھیلائے ہوئے اسی طرح چیخ چیخ کر دعا مانگتے رہے یہانتک کہ آپ کے شانوں سے آپ کی چادر نیچے گر پڑی۔ ادھر سے ابوبکرؓ تشریف لائے آپ کی چادر اٹھائی اور آپ کے شانوں پر ڈالدی اور پیچھے کی جانب سے آکر آپ کو چمٹ گئے اور عرض

تباہی کے خطرہ سے جو بے چینی آپ محسوس کرتے وہ بھی ساتھ ہی رفع ہوجاتی تھی یہ اضطراب کسی تردد کا ثمرہ نہیں تھا بلکہ ایک یقین کے دوسرے یقین کے ساتھ تصادم سے پیدا ہوتا تھا اور جب الصورت توفیق ظاہر ہوجاتی تھی تو یہ تردد بھی زائل ہوجاتا تھا۔

(۲۷۰) حضرت ابوبکر صدیقؓ تو امت کے غم میں آپ کی اس شفقت و بے چینی کو دیکھ دیکھ کر گھلے جا رہے تھے، انھیں اس بارکا بھلا کیا اندازہ ہوسکتا تھا جو ایک کمزور جماعت کی فتح و نصرت کے ذمہ دارانہ وعدہ سے آپ محسوس فرما رہے تھے ان کے سامنے صرف آپ کے اضطراب و سکون کا ایک مسئلہ تھا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیشِ نظر اپنی شفقت کے بعد اس مختصر جماعت کی فنا و بقار کا مسئلہ تھا۔ اس لئے یہ امت کا غم کھانے والے کی موجودگی میں یہ غم نظر آرہے تھے اور امت کا غم کھانے والا نقشہ جنگ دیکھکر مضطرب نظر آرہا تھا۔ حضرات انبیاء علیہم السلام کو حق تعالیٰ کی قدرت اور بے نیازی کا اس درجہ یقین ہوتا ہے کہ وہ اپنے ہر علم میں کسی نہ کسی کوتاہی کی تاویل کا تصور کرسکتے ہیں مگر قدرت علی الاطلاق کے متعلق کسی قید و عجز کا تصور نہیں کرسکتے۔ اس لئے ان کا تردد اسباب کی موافقت یا ناموافقت پر مبنی نہیں ہوتا بلکہ جو اضطراب و بے چینی ان کو لاحق ہوتی ہے وہ صرف حق تعالیٰ کی بے نیازی اور اس کے غیر متناہی شئون کے نظارہ سے لاحق ہوتی ہے۔

الْتَزَمَہٗ مِنْ وَّرَائِہٖ وَقَالَ یَا نَبِیَّ اللّٰہِ کَفَاکَ مُنَاشَدَتُکَ رَبَّکَ فَاِنَّہٗ سَیُنْجِزُ لَکَ مَا وَعَدَکَ فَاَنْزَلَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ فَاسْتَجَابَ لَکُمْ اَنِّیْ مُمِدُّکُمْ بِاَلْفٍ مِّنَ الْمَلٰٓئِکَۃِ مُرْدِفِیْنَ فَاَمَدَّہُ اللّٰہُ بِالْمَلٰٓئِکَۃِ۔ (رواہ مسلم)

کرنے لگے یارسول اللہ بس اب آپ اپنے رب سے بہت الحاح کے ساتھ دعا مانگ چکے یقین ہے کہ جو وعدہ اس نے آپ کے ساتھ کیا تھا وہ ضرور پورا کرے گا چنانچہ یہ آیت نازل ہوگئی۔ اِذْ تَسْتَغِیْثُوْنَ رَبَّکُمْ الخ

دیکھو جنگِ حنین شروع ہوگئی تو اسباب کی ناموافقت سے آپ ذرا متأثر نہ ہوئے بلکہ نقشۂ جنگ جتنا بدلتا گیا۔ رسولِ خدا کا عزم وثبات اور آپ کو اپنی فتح ونصرت کا یقین اتنا ہی اور بڑھتا گیا حتی کہ جب اسلامی فوج میں ایسا انتشار پڑگیا کہ آپ کے ساتھ قدم جما کر لڑنے والوں کی تعداد بہت ہی مختصر رہ گئی تو خدا کا رسولؐ اب سواری کے بجائے زمین پر اتر پڑا اور بڑے جزم ویقین کے ساتھ یہ اعلان کرنے لگا۔

انا النبی لا کذب ۔ انا ابن عبد المطلب۔

میں سچا نبی ہوں جھوٹا نہیں۔ میں وہی عبد المطلب کا بیٹا ہوں۔

پھر جنگِ بدر کے شروع ہونے سے قبل آپ کا اضطراب اس بنیاد پر نہ تھا کہ آپ کے صحابہ کی تعداد قلیل تھی بلکہ اس بنا پر تھا کہ اگر قدرت نے ان کی فتح ونصرت میں کہیں کوئی قید وشرط ملحوظ رکھ لی ہو اور اس لئے آج اسلامی فوج کو شکست ہو جائے تو بھی کوغم یہ ہے کہ اس کا مشن تو ختم ہو ہی جائے گا لیکن اس سے بڑھ کر یہ کہ پھر عالم کی غایت وغرض پورا ہونے کی اور صورت کیا ہوگی۔ علماء نے لکھا ہے کہ آپ کے ان دعائیہ فقروں میں ختم نبوت کی طرف بھی اشارہ نکلتا ہے کیونکہ پہلی امتیں اگر ہلاک ہوگئیں تو بعد میں دوسرے انبیاء علیہم السلام نے آکر خدا تعالیٰ کی عبادت کرنے والوں کی جماعت اور بنالی لیکن چونکہ اب وہ نبی آچکے تھے جن کے بعد کوئی اور نبی آنے والا نہیں اس لئے اگر اب کی بار پہلی امتوں کی طرح یہ امت بھی ختم کردی گئی تو پھر دوسری عبادت کرنے والی جماعت کا وجود کہاں سے ہوگا۔ اور چونکہ عالم کی غایت وغرض عبادت ہے اور اس کا پورا ہونا بلا شبہ ضروری ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عجز وزاری کے موقعہ پر الحاح کرنے کے جتنے پہلو ممکن تھے وہ سب کے سب سامنے رکھے یعنی یہ کہ اول تو فتح ونصرت کا تیرا وعدہ ہی ہے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ عالم کے غایت وغرض کی تکمیل بھی اس مختصر جماعت کی بقاء پر موقوف ہے۔ یہ ہر دو سبب تیری فتح ونصرت کے نزول کے لئے ایک سے ایک بڑھ کر ہیں۔ جب آپ دعا سے فارغ ہوگئے اور اجابت دعا کے آثار اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے تو پھر آپ ہی تھے جن پر مسرت وخوشی کے آثار بھی سب سے زیادہ نمایاں تھے۔ راوی بیان کرتا ہے کہ آپ اس درجہ مسرور تھے کہ آپ کی مسرت کے آثار آپ کی رفتار میں بھی نمایاں ہو رہے تھے۔

## المؤمن لا تصدر عنہ المعصیۃ وقلبہ ممتلیٔ بالایمان والیقین

(۲۷۱) عن ابی ھریرۃ ان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال لا یزنی الزانی حین یزنی وھو مؤمن ولا یسرق السارق حین یسرق وھو مؤمن ولا یشرب الخمر حین یشربھا وھو مؤمن قال ابن شہاب فاخبرنی عبد الملک بن ابی بکر بن عبد الرحمن ان ابابکر کان یحدثھم ھؤلاء عن ابی ھریرۃ ثم یقول وکان ابوھریرۃ یلحق معھن ولا ینتھب نھبۃ ذات شرف یرفع الناس الیہ فیھا ابصارھم حین ینتھبھا وھو مؤمن (رواہ البخاری ومسلم وفی طریق والتوبۃ معروضۃ بعد

## مومن کا قلب جب تک نور ایمان ویقین سے منور ہوتا ہے اس سے معصیت کا صدور نہیں ہوتا

(۲۷۱) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا. زنا کرنے والا شخص بحالت زنا مومن نہیں ہوتا اور چور بھی بحالت چوری مومن نہیں ہوتا اور اسی طرح جب کوئی شراب نوشی کرتا ہے تو اس حالت میں وہ مومن نہیں ہوتا۔ ایک روایت میں ابوہریرہؓ اتنا اور اضافہ کرتے ہیں اور نہ لٹیرا اس وقت مومن ہوتا ہے جبکہ وہ ایسی بڑی لوٹ میں مشغول ہوتا ہے کہ لوگ بے بس ہوکر اسے نظریں اٹھا اٹھا کر دیکھا کریں (اور اس کا کچھ نہ بگاڑ سکیں) ایک اور طریقے میں ہے مگر توبہ کا دروازہ اس کے بعد بھی کھلا رہتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

(۲۷۱) معصیت کی حالت میں ایمان کا نور باقی نہیں رہ سکتا. اگر یہ نور باقی رہتا تو وہ یہ معصیت ہی کیوں کرتا۔ یہ نور ایمان کا وجود عینی کہلاتا ہے اس کی تفصیل پہلے گذر چکی ہے یہاں غریب معتزلہ یہ سمجھے کہ اس حالت میں ایمان یعنی تصدیق ہی باقی نہیں رہتی اس لئے انھوں نے مرتکب کبیرہ کو دائرۂ اسلام سے خارج کرڈالا۔ پھر معلوم نہیں کہ ان بیسیوں حدیثوں کا ان کے پاس جواب کیا ہوگا جن میں امت کے عاصیوں کی بخشش تواتر کے ساتھ منقول ہے۔ انسان جب صرف الفاظ کی شوکت اور اسالیب بیان سے مسائل بنانا شروع کردیتا ہے تو غلط عقائد کا شکار بن کر رہتا ہے اسی لئے اصولیین نے لکھا ہے کہ جو الفاظ مدح وذم کے موقعہ پر مستعمل ہوں ان کو مسئلہ کا مدار نہ سمجھنا چاہئے۔ آیہ "انما المشرکون نجس" میں بھی مشرکین کے لئے نجاست کا لفظ بسلسلۂ مذمت مستعمل ہے۔ اس لئے فقہاء نے صرف اس لفظ کی وجہ سے ان پر نجاست کے تمام مسائل جاری نہیں کئے۔ (دیکھو بدایۃ المجتہد لابن رشد)

(۲۷۲) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَزْنِی الْعَبْدُ حِیْنَ یَزْنِیْ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَسْرِقُ السَّارِقُ حِیْنَ یَسْرِقُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَشْرَبُ حِیْنَ یَشْرَبُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ وَلَا یَقْتُلُ وَھُوَ مُؤْمِنٌ قَالَ عِکْرَمَۃُ قُلْتُ لِابْنِ عَبَّاسٍ کَیْفَ یُنْزَعُ الْاِیْمَانُ مِنْہُ قَالَ ھٰکَذَا وَشَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ ثُمَّ اَخْرَجَہَا فَاِنْ تَابَ عَادَ اِلَیْہِ ھٰکَذَا وَشَبَّکَ بَیْنَ اَصَابِعِہٖ وقال ابو عبداللہ لا یکون ھذا مؤمنا تاما ولا یکون لہ نور الایمان ھذا لفظ البخاری۔

(۲۷۲) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو اس حالت میں وہ مومن نہیں ہوتا اور چور جب چوری میں مشغول ہوتا ہے اور شرابی جب شراب پیتا ہے تو وہ بھی اس حالت میں مومن نہیں ہوتے اور جب کوئی کسی مسلمان کو ناحق قتل کرتا ہے تو اس وقت بھی وہ مومن نہیں ہوتا عکرمہ کہتے ہیں میں نے ابن عباسؓ سے پوچھا۔ اس بندہ سے اس کا ایمان کس طرح نکال لیا جاتا ہے انھوں نے اشارہ کر کے دکھایا کہ اس طرح پہلے اپنے دونوں ہاتھوں کی انگلیاں ایک دوسرے میں ڈالدیں پھر ان کو نکال کر علیحدہ کر لیا۔ اگر اس کے بعد توبہ کر لیتا ہے تو وہ پھر اس طرح واپس آجاتا ہے۔ (یہ کہکر) پھر انگلیاں ملالیں۔ امام بخاریؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ ارتکاب معصیت کی حالت میں بندہ مومن کامل نہیں رہتا اور اس کا نور ایمانی نکل جاتا ہے۔

(۲۷۲) امام بخاریؒ نے اپنی اس تحقیق کو باب الزنا و شرب الخمر میں خود ابن عباسؓ سے بھی نقل کیا ہے۔ وعن ابن عباسؓ ینزع منہ نور الایمان فی الدنیا۔ حافظ ابن تیمیہؒ نے ابن عباسؓ سے روایت کیا ہے کہ وہ اپنے لڑکوں سے فرمایا کرتے تھے جسے شادی کی ضرورت ہو ہم اس کی شادی کر دیں کیونکہ اگر تم میں کوئی زنا کا مرتکب ہوگا تو اللہ تعالیٰ اس کے ایمان کا نور اس سے چھین لیگا۔ پھر یہ اس کی مرضی ہے خواہ واپس کرے یا نہ کرے۔ حضرت حسنؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ان معاصی کی حالت میں ایمان اس سے علیحدہ کر دیا جاتا ہے اگر توبہ کرے تو واپس کر دیا جاتا ہے۔ طاؤسؒ کہتے ہیں کہ ان حالات میں مومن کا ایمان زائل ہو جاتا ہے۔ حضرت ابو جعفرؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص دائرہ ایمانی سے نکل کر دائرۂ اسلام میں داخل ہو جاتا ہے۔ گویا ان کے نزدیک ایمان کا رتبہ اسلام سے بلند تر ہے۔ امام احمدؒ سے بھی یہی منقول ہے اور امام ابو نصرؒ نے ایک بڑی جماعت کا یہی خیال نقل کیا ہے۔ امام ابن ابی شیبہؒ فرماتے ہیں کہ یہ شخص کامل مومن نہیں رہتا اس کا ایمان ناقص ہو جاتا ہے۔ ایک مرتبہ امام زہریؒ سے سوال کیا گیا کہ جب ان حالات میں یہ شخص مومن نہیں تو فرمایئے اسے اور کیا کہیں۔ امام کو یہ سوال ناگوار گذرا۔ اصل وجہ یہ تھی کہ اگر مومن کہتے اور حدیث کی کوئی تاویل کرتے تو مصلحت کے خلاف ہوتا اور اگر کافر کہتے تو مسئلہ کے خلاف ہوتا۔ سفیان ثوری سے منقول ہے کہ سلف اس قسم کی احادیث کی تاویل کرنا پسند نہ فرماتے تھے اور کہتے تھے کہ تاویل کرنے سے ان تعبیرات کا زور ختم ہو جاتا ہے اور ان معاصی کی اہمیت ذہن نشین کرنے کا جو اصل مقصد ہے وہ یکسر فوت ہو جاتا ہے۔ (کتاب الایمان والیواقیت ج ۲ ص ۳۶۰۔)

(۲۷۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا زَنَی الْعَبْدُ خَرَجَ مِنْہُ الْاِیْمَانُ وَکَانَ کَالظُّلَّۃِ فَاِذَا انْقَلَعَ مِنْھَا رَجَعَ اِلَیْہِ الْاِیْمَانُ۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک ۱/۲۲ قال الذھبی علی شرط الشیخین

(۲۷۴) عَنْہُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ زَنٰی وَشَرِبَ الْخَمْرَ نَزَعَ اللّٰہُ

---

(۲۷۳) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ جب بندہ زنا کرتا ہے تو ایمان نکل کر اس کے سر پر سائبان کی طرح معلق ہوجاتا ہے۔ جب وہ اس معصیت سے فارغ ہوجاتا ہے تو پھر لوٹ آتا ہے (مستدرک)

(۲۷۴) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس نے زنا کیا یا

---

(۲۷۳) حافظ ابن تیمیہؒ نے اس ٹکڑے کو مرفوعاً بھی نقل کیا ہے۔ ابوداؤدؒ نے حضرت ابوہریرہؓ سے یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں۔ انہ کان یقول انما الایمان کثوب احدکم یلبسہ مرۃ ویخلعہ اخری۔ ایمان کی مثال لباس کی سی ہے کبھی آدمی اسے اوڑھ لیتا ہے کبھی اتار دیتا ہے۔ (کتاب الایمان)

(۲۷۴) آپ نے دیکھا کہ حدیث مذکور جب تک صحابہ کے مابین دائر رہی انھوں نے اس کی تاویل میں بھی ایسا عنوان اختیار کیا جو الفاظ حدیث کے زیادہ سے زیادہ قریب رہے اور جب وہ ائمہ کے درمیان آگئی تو مسئلہ اگرچہ زیادہ صاف ہوگیا مگر الفاظ حدیث سے اتنا قرب باقی نہیں رہا۔ حضرت ابوہریرہؓ چاہتے ہیں کہ اس قسم کے عاصی سے ایمان ہی کی نفی کردیں اور اس لئے فرماتے ہیں کہ اس کا ایمان اس کے قلب سے نکل کر اس کے اوپر سائبان کی طرح معلق ہوجاتا ہے۔ حضرت ابن عباس جو ان سے افقہ تھے انھوں نے عنوان اگرچہ وہی رکھا مگر بات ذرا اور صاف کردی اور فرمایا کہ اس عاصی کے ارتکاب کے وقت مومن نہ ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اس کے قلب سے نور ایمان نکل جاتا ہے۔ جب آئمہ کا دور آیا تو انھوں نے اس تعبیر کو اور صاف کیا اور فرمایا کہ جس ایمان میں نورانیت نہ ہو وہ ایمان ایک ناقص ایمان ہے اس لئے حدیث میں نفی کمال مراد ہے اور مطلب یہ ہے کہ یہ عاصی مومن کامل نہیں رہتا اصل بات وہی تھی جو حضرت ابوہریرہؓ کی زبان سے نکلی مگر جتنا زمانہ نبوت کو بُعد ہوتا گیا اسی قدر حدیث کی مراد زیادہ صفائی کے ساتھ سمجھانے کی اہمیت بڑھتی گئی۔ اس بیان سے اصولی طور پر آپ کو یہ سمجھ لینا چاہئے کہ محدث اور فقیہ مزاج میں کیا فرق ہوتا ہے۔ محدث مزاج تا امکان تعبیر حدیث کے اندر گردش رہنا چاہتا ہے۔ فقیہ کے پیش نظر یہ رہتا ہے کہ غرض شریعت تا امکان زیادہ سے زیادہ واضح ہوجائے۔ الفاظ سے اگر کچھ بُعد ہوتا ہے تو ہوجائے مزاجوں کا یہ تفاوت صحابہ کے درمیان بھی ملتا ہے۔ اگر اتنی سی بات صاف ہوجاتی تو محدثین اور فقہاء کے درمیان جو اختلافات کی وسیع خلیج حائل ہوگئی ہرگز حائل نہ ہوتی۔ امام اعظمؒ سے محدثین کو زیادہ تر نارضائی اسی مزاجی فرق کی بنا پر پیش آئی ہے۔ امام صاحب نے مسئلہ کی چھان بین کے لئے بحثوں میں بڑی وسعت پیدا کردی اور یہ وسعت محدثین کے لئے ہر موقعہ پر ایک نئی ناگواری کا موجب بنتی رہی۔ نوبت بایں جا رسید کہ ان ہی نقلی اختلافات نے آئندہ چل کر مذہبی تحزب کی شکل اختیار کرلی اور آخر کار اسی پر ذاتیات کی تعمیر ہونے لگی۔ والی اللہ المشتکی۔

یہ حدیث جب ساتویں صدی میں پہنچی تو حافظ ابن تیمیہؒ نے سلف کے اسی مضمون کو اٹھا کر ذرا اور افادی شکل میں ادا کیا وہ لکھتے ہیں کہ ایک عاصی کی مثال ایسی ہے جیسی آنکھیں بند کرنے کے بعد ایک بینا کی۔ اگر ایک بینا شخص اپنی

مِنْهُ الْإِيمَانَ كَمَا يَخْلَعُ الْإِنْسَانُ الْقَمِيصَ مِنْ رَأْسِهِ۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک ج۱ ص۲۲)

## من لقى الله بالشهادتين غير شاك فيها دخل الجنة

(۲۷۵) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي مَسِيرٍ قَالَ فَنَفِدَتْ أَزْوَادُ الْقَوْمِ قَالَ حَتّٰى هَمَّ بِنَحْرِ بَعْضِ حَمَائِلِهِمْ قَالَ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ لَوْ جَمَعْتَ مَا بَقِيَ مِنْ أَزْوَادِ الْقَوْمِ فَدَعَوْتَ اللّٰهَ عَلَيْهِ قَالَ فَفَعَلَ قَالَ فَجَاءَ ذُو الْبُرِّ بِبُرِّهِ وَذُو التَّمْرِ بِتَمْرِهِ قَالَ وَقَالَ مُجَاهِدٌ وَذُو النَّوَاةِ بِنَوَاهُ قُلْتُ وَمَا كَانُوا يَصْنَعُونَ بِالنَّوٰى قَالَ كَانُوا

شراب پی، اللہ تعالیٰ اس کا ایمان اس طرح نکال لیتا ہے جیسا انسان اپنی قمیص سر کی طرف سے اتار لیتا ہے۔ (مستدرک)

## جس کی موت یقین پر آجائے وہ یقیناً جنتی ہوتا ہے

(۲۷۵) ابو ہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک سفر (غزوۂ تبوک) میں ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے، لوگوں کا زادِ راہ ختم ہو گیا تھا حتی کہ نوبت اس کی آگئی تھی کہ ان میں کسی نے تو اپنی اونٹنی ذبح کرنے کا بھی ارادہ کر لیا تھا حضرت عمرؓ بولے یا رسول اللہ کاش آپ لوگوں کا باقیماندہ زادِ راہ منگا کر ایک جگہ جمع کر لیتے پھر اس میں دعاءِ برکت فرما دیتے (تو بہتر ہوتا) آپ نے ایسا ہی کیا۔ راوی کہتا ہے جس کے پاس گیہوں تھے وہ گیہوں لے آیا اور جس کے پاس کھجوریں تھیں وہ کھجوریں لے آیا، مجاہدؒ کہتے ہیں جس کے پاس کھجوروں کی گٹھلیاں تھیں وہ اپنی گٹھلیاں ہی لے آیا۔ میں نے پوچھا بھلا

آنکھیں بند کرلے تو اسے بھی کچھ نظر نہیں آتا اور اس لحاظ سے یہ بینا اور ایک نابینا برابر ہو جاتا ہے کہ نہ یہ دیکھتا ہے نہ وہ۔ لیکن فرق یہ ہے کہ نابینا نورِ بصر ہی نہیں رکھتا اور بینا اگرچہ نور تو رکھتا ہے مگر غلافِ چشم کی وجہ سے وہ نور کام نہیں کرتا اس لئے نابینا کی برابر ہو جاتا ہے اسی طرح ایک مومن کے نورِ بصیرت پر جب بہیمیت کا حجاب پڑ جاتا ہے تو وہ بھی کافر کی طرح معصیت و طاعت کا فرق نہیں پہچانتا۔ اس لئے یہ کہنا بالکل بجا ہے کہ مومن جس حالت میں زنا کرتا ہے اس کا نورِ تصدیق جوشِ بہیمیت سے ایسا مدھم پڑ جاتا ہے کہ اسے بھی معصیت کرنے میں کوئی باک نہیں رہتا اور اس تہور و جرأت کے عالم میں اس پر مومن کا اطلاق بڑا مشکل ہو جاتا ہے۔ ہاں اگر توبہ کرلے تو یہ حجابِ بہیمیت پھر چاک ہو جاتا ہے اور نورِ ایمانی پھر جگمگانے لگتا ہے۔ (دیکھو کتاب الایمان ص۱۳۱ و ص۱۰۱ و ص۱۳۳ و ص۱۴۰ و ص۱۴۲ و ص۱۳۳ و ص۱۵۵۔) دراصل یہ وہی مختصر فقرے تھے جو عہدِ سلف سے شروع ہوئے اور حافظ ابن تیمیہؒ کے دور میں آکر اتنے پھیل گئے۔

يَمُصُّونَهُ وَيَشْرَبُونَ عَلَيْهِ الْمَاءَ قَالَ فَدَعَا عَلَيْهَا قَالَ حَتّٰى مَلَأَ الْقَوْمُ أَزْوِدَتَهُمْ قَالَ فَقَالَ عِنْدَ ذٰلِكَ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ لَا يَلْقَى اللّٰهَ بِهِمَا عَبْدٌ غَيْرَ شَاكٍّ فِيْهِمَا إِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (رواہ مسلم)

(۲۷۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَامَ بِلَالٌ يُنَادِي فَلَمَّا سَكَتَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم مَنْ قَالَ مِثْلَ هٰذَا يَقِيْنًا دَخَلَ الْجَنَّةَ (اخرجہ النسائی والحاکم وابن حبان)

(۲۷۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ حُبْشِيٍّ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ قَالَ إِيْمَانٌ لَا شَكَّ فِيْهِ وَجِهَادٌ لَا غُلُوْلَ فِيْهِ وَحَجَّةٌ مَبْرُوْرَةٌ قِيْلَ فَأَيُّ الصَّلٰوةِ أَفْضَلُ قَالَ طُوْلُ الْقُنُوْتِ (الحدیث رواہ النسائی)

(۲۷۸) عَنْ عُثْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَهُوَ

---

گٹھلیاں ان کے کس کام آتی تھیں۔ انھوں نے کہا کہ انھیں ہم چوس لیتے اور اس پر پانی پی لیا کرتے تھے، آپ نے ان میں دعا برکت فرمائی پھر اتنی برکت ہوئی کہ لوگوں نے اپنے اپنے ناشتہ دان بھر لئے اس کے بعد آپ نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی بھی کہ میں اس کا پیغمبر ہوں۔ جو شخص کسی شک و تردد کے بغیر ان دو باتوں کی گواہی دیتا ہو خدا تعالیٰ کے حضور میں حاضر ہوگا وہ ضرور جنت میں جائے گا۔ (مسلم)

(۲۷۶) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ بلال اذان دینے کھڑے ہوئے جب فارغ ہو گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یقین کے ساتھ یہ کلمات کہے وہ یقیناً جنت میں جائیگا (نسائی، حاکم، ابن حبان)

(۲۷۷) عبداللہ بن حبشی سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا عملوں میں کون کونسے عمل سب سے بہتر ہیں؟ آپ نے فرمایا ایسا ایمان جس میں ذرا شک نہ ہو، ایسا جہاد جس میں ذرہ برابر خیانت نہ ہو اور ایسا حج جس میں کوئی جنایت نہ کی جائے اس کے بعد اس نے پوچھا اور نماز کونسی افضل ہے فرمایا جس میں قیام لمبا ہو۔ (نسائی)

(۲۷۸) عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس یقین

---

(۲۷۸) یہاں علم کے معنی صرف دانستن نہیں۔ صرف دانستن نہ تو شرعی نظر میں کوئی اہمیت رکھتا ہے اور نہ اس پر دخول جنت کی بشارت مرتب ہے بلکہ معرفت و یقین کے معنی مراد ہیں جیسا کہ اس باب کی دوسری احادیث سے ظاہر ہے۔ اور خلاصہ یہ ہے کہ جو اس عقیدہ جازم اور یقین کامل کے ساتھ دنیا سے گذر جائے گا وہ

يَعْلَمُ اَنَّهٗ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ (رواه مسلم)

## ذکر ما وقر فی قلوب اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم من الیقین

(۲۷۹) عَنْ قَتَادَةَ قَالَ سُئِلَ ابْنُ عُمَرَ هَلْ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَضْحَكُوْنَ قَالَ نَعَمْ وَالْاِيْمَانُ فِيْ قُلُوْبِهِمْ اَعْظَمُ مِنَ الْجَبَلِ وَقَالَ بِلَالُ بْنُ سَعْدٍ اَدْرَكْتُهُمْ يَشْتَدُّوْنَ بَيْنَ الْاَغْرَاضِ وَيَضْحَكُ بَعْضُهُمْ اِلٰى بَعْضٍ فَاِذَا كَانَ اللَّيْلُ كَانُوْا رُهْبَانًا۔ (رواه فی شرح السنہ)

کے ساتھ مر جائے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ وہ یقیناً جنت میں جائے گا۔ (مسلم)

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے یقین کی چند مثالیں

(۲۷۹) قتادہ روایت کرتے ہیں کہ ابن عمرؓ سے دریافت کیا گیا کیا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہنسا کرتے تھے؟ انھوں نے فرمایا جی ہاں لیکن ان کے دلوں میں ایمان پہاڑوں سے زیادہ بھاری موجود ہوتا تھا۔ (یعنی ان کی ہنسی غفلت کی ہنسی نہ تھی، بلال بن سعد کہتے ہیں کہ میں نے ان کو (دن میں تو) نشانوں اور ہدفوں کے درمیان بھاگتے دوڑتے اور ایک دوسرے کے ساتھ مذاق بھی کرتے پایا ہے لیکن جب رات آتی تو وہ درویش صفت بن جاتے تھے (یعنی مصلوں پر کھڑے کھڑے راتیں کاٹ دیا کرتے تھے) (شرح السنہ)

ضرور جنت میں داخل ہو کر رہے گا کیونکہ جنت اور دوزخ کی تقسیم ایمان وکفر پر کی گئی ہے، اچھے برے اعمال پر نہیں۔

(۲۷۹) حافظ ابن کثیرؒ نے آیت ولوانا کتبنا علیھم ان اقتلوا انفسکم او اخرجوا من دیارکم ما فعلوہ الا قلیل منھم کی تفسیر کے ذیل میں اعمشؒ سے نقل کیا ہے کہ آیت مذکورہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بولے اگر ہمارا پروردگار ہمیں حکم دیتا تو ہم بسروچشم اس کا امتثال کرتے آپ کو اپنے صحابہؓ کے ان جاں نثارانہ کلمات کی جب اطلاع پہنچی تو آپ نے فرمایا للایمان اثبت فی قلوب اھلہ من الجبال الرواسی۔ ایمان والوں کے دلوں میں ایمان بڑے بڑے پہاڑوں سے بھی زیادہ راسخ ہوتا ہے۔ صاحب روح المعانی لکھتے ہیں کہ آیت مذکورہ سن کر حضرت صدیق اکبرؓ نے فرمایا یا رسول اللہ اگر آپ مجھے یہ حکم دیں تو میں ذرا اسی وقت اس کی تعمیل کروں۔ حضرت عمرؓ سے بھی اسی کے قریب الفاظ منقول ہیں۔ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے یہ کلمات مروی ہیں۔ ان من امتی لرجالا الایمان اثبت فی قلوبھم من الجبال الرواسی۔ میری امت میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کے دلوں میں ایمان بڑے بڑے پہاڑوں سے زیادہ مستحکم اور راسخ ہے۔

(۲۸۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَاوَرَ حِیْنَ بَلَغَنَا اِقْبَالُ اَبِیْ سُفْیَانَ وَقَامَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ وَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نُخِیْضَهَا الْبَحْرَ لَاَخَضْنَاهَا وَلَوْ اَمَرْتَنَا اَنْ نَضْرِبَ اَکْبَادَهَا اِلٰی بَرْکِ الْغِمَادِ لَفَعَلْنَا قَالَ فَنَدَبَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ النَّاسَ فَانْطَلَقُوْا حَتّٰی نَزَلُوْا بَدْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ هٰذَا مَصْرَعُ فُلَانٍ وَیَضَعُ یَدَهٗ عَلَی الْاَرْضِ هٰهُنَا قَالَ فَمَا مَاطَ اَحَدُهُمْ عَنْ مَوْضِعِ یَدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ۔ (رواہ مسلم)

(۲۸۱) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ شَهِدْتُ مِنَ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ مَشْهَدًا لَاَنْ اَکُوْنَ صَاحِبَهٗ اَحَبُّ اِلَیَّ مِمَّا عُدِلَ بِهٖ اَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَهُوَ یَدْعُوْ عَلَی الْمُشْرِکِیْنَ فَقَالَ لَا نَقُوْلُ کَمَا قَالَ قَوْمُ مُوْسٰی اِذْهَبْ اَنْتَ وَرَبُّکَ فَقَاتِلَا وَلٰکِنَّا نُقَاتِلُ عَنْ یَمِیْنِکَ وَعَنْ شِمَالِکَ وَبَیْنَ یَدَیْکَ وَخَلْفَکَ فَرَاَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَشْرَقَ وَجْهُهٗ وَسَرَّهٗ ۔ (رواہ البخاری)

(۲۸۰) انسؓ کہتے ہیں کہ جب ہمیں ابوسفیان کے لشکر کشی کی خبر ملی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے متعلق صحابہؓ سے مشورہ فرمایا۔ سعد بن عبادہؓ کھڑے ہو کر بولے یا رسول اللہ اس کی قسم جس کے دست قدرت میں میری جان ہے اگر آپ ہمیں یہ حکم دیں کہ ہم اپنے گھوڑے دریا میں ڈالدیں تو ہم ابھی ڈالدیں گے اور اگر آپ یہ فرمائیں کہ ہم برک الغماد تک اپنے گھوڑے دوڑا کر ان کے پتے پانی کر ڈالیں تو ہم یہ بھی کر گذریں گے اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے لوگوں کو چلنے کے لئے بلایا لوگ چل پڑے یہاں تک کہ بدر کے میدان میں آکر مقیم ہو گئے آپ یہاں زمین پر ہاتھ رکھ رکھ کر بتلاتے جاتے تھے کہ یہاں فلاں مشرک مقتول ہو کر گرے گا اور یہاں فلاں گرے گا۔ راوی بیان کرتا ہے کہ (سب اسی اسی جگہ مقتول ہوئے اور) ان میں کوئی ایسا نہ تھا جو آپ کی مقرر کردہ جگہ سے ذرا کہیں علیحدہ گرا ہو۔ (مسلم)

(۲۸۱) ابن مسعودؓ روایت فرماتے ہیں کہ میں نے مقداد بن اسودؓ کی ایک ایسی بات دیکھی کہ تمام فضائل و کمالات کے مقابلہ میں مجھے یہ تمنا ہوتی ہے کہ کاش وہ بات مجھے نصیب ہو جاتی (وہ بات یہ تھی) کہ ایک بار آپ لوگوں کو مشرکین کے مقابلہ کے لئے ترغیب دے رہے تھے اسوقت یہ بھی آپہنچے تو انھوں نے عرض کیا یا رسول ہم آپ کو وہ جواب نہیں دیں گے جو موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو دیا تھا کہ بس تو اور تیرا پروردگار جا کر لڑ آ (ہم تو یہاں بیٹھے ہوئے ہیں) بلکہ ہم آپ کے دائیں بائیں آپ کے سامنے اور آپ کے پیچھے رہ کر جنگ کریں گے۔ میں نے دیکھا کہ یہ بات سن کر آپ کا روئے انور (مارے خوشی کے چمک اٹھا اور مقداد کے اس جواب سنے آپ کو خوش کر دیا۔ (بخاری شریف)

(۲۸۱) ملجل سعدی ؎ آں نہ من باشم کہ روز جنگ بینی پشت من ؛ آں منم کاندر میان خاک و خوں بینی سرے

(۲۸۲) عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَبْوَابَ الْجَنَّۃِ تَحْتَ ظِلَالِ السُّیُوْفِ فَقَامَ رَجُلٌ رَثُّ الْھَیْئَۃِ فَقَالَ یَا اَبَا مُوْسٰی اَنْتَ سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم یَقُوْلُ ھٰذَا قَالَ نَعَمْ فَرَجَعَ اِلٰی اَصْحَابِہٖ فَقَالَ اَقْرَأُ عَلَیْکُمُ السَّلَامَ ثُمَّ کَسَرَ جَفْنَ سَیْفِہٖ فَاَلْقَاہُ ثُمَّ مَشٰی بِسَیْفِہٖ اِلَی الْعَدُوِّ فَضَرَبَ بِہٖ حَتّٰی قُتِلَ۔ (رواہ مسلم)

(۲۸۳) عَنْ اَنَسٍ قَالَ انْطَلَقَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَصْحَابُہٗ حَتّٰی سَبَقُوا الْمُشْرِکِیْنَ اِلٰی بَدْرٍ وَجَاءَ الْمُشْرِکُوْنَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قُوْمُوْا اِلٰی جَنَّۃٍ عَرْضُھَا السَّمٰوٰتُ وَالْاَرْضُ قَالَ عُمَیْرُ بْنُ الْحُمَامِ بَخٍ بَخٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یَحْمِلُکَ عَلٰی قَوْلِکَ بَخٍ بَخٍ قَالَ لَا وَاللّٰہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِلَّا رَجَاءَ اَنْ اَکُوْنَ مِنْ اَھْلِھَا قَالَ فَاِنَّکَ مِنْ اَھْلِھَا قَالَ فَاَخْرَجَ تَمَرَاتٍ مِنْ قَرَنِہٖ فَجَعَلَ یَاْکُلُ مِنْھُنَّ ثُمَّ قَالَ لَئِنْ اَنَا حَیِیْتُ حَتّٰی اٰکُلَ تَمَرَاتِیْ اِنَّھَا حَیٰوۃٌ طَوِیْلَۃٌ قَالَ فَرَمٰی بِمَا کَانَ مَعَہٗ مِنَ التَّمْرِ ثُمَّ قَاتَلَھُمْ حَتّٰی قُتِلَ۔ (مسلم)

(۲۸۲) ابوموسیٰؓ سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت تلواروں کے سایہ کے نیچے ہے یہ سن کر ایک شکستہ حال شخص کھڑا ہوا اور بولا اے ابوموسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ بات فرماتے کیا تم نے خود سنا ہے انھوں نے کہا ہاں۔ اس کے بعد وہ اپنے رفقاء کے پاس آیا اور ان سے کہا لو میرا سلام یہ کہکر اس نے اپنی تلوار کی میان توڑ کر ڈالدی اور ننگی تلوار لیکر دشمن پر حملہ آور ہوا اور لڑا یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ (مسلم)

(۲۸۳) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے صحابہ بدر کی جنگ کیلئے نکلے یہانتک کہ (میدان جنگ میں) مشرکین سے پہلے جا پہنچے جب مشرکین بھی آگئے تو آپ نے صحابہؓ سے مخاطب ہو کر فرمایا لو اب اس جنت کیلئے کھڑے ہو جاؤ جس کا عرض زمین اور آسمان کے برابر ہے یہ سن کر عمیر بن حمام بولے واہ واہ۔ آپ نے فرمایا تم نے اتنی خوشی کا اظہار کیوں کیا؟ انھوں نے جواب دیا خدا کی قسم صرف اس لئے کہ شاید جنت میرے نصیب میں آجائے آپ نے فرمایا (جاؤ) تم جنتی ہو یہ سن کر انھوں نے اپنے ترکش سے کچھ کھجوریں نکالیں اور ان کے کھانے میں مشغول ہوگئے پھر خود ہی بولے اگر میں اتنی دیر تک زندہ رہا..... کہ ان کھجوروں کو ختم کرلوں تو یہ زندگی تو بڑی لمبی زندگی ہوگی۔ راوی کہتا ہے یہ کہہ کر جو کھجوریں ان کے پاس تھیں پھینکدیں اور مشرکین سے جنگ شروع کردی یہاں تک کہ شہید ہوگئے۔

(مسلم)

(۲۸۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ اُحُدٍ اَرَئَيْتَ اِنْ قُتِلْتُ فَاَيْنَ اَنَا قَالَ فِي الْجَنَّةِ فَاَلْقٰى تَمَرَاتٍ فِي يَدِهٖ ثُمَّ قَاتَلَ حَتّٰى قُتِلَ۔ (متفق علیہ)

## المومنون فی اصل الایمان العقائد سواء وانما التفاضل بینہم فی مراتب التقوی والیقین

(۲۸۵) عَنْ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُؤْمِنُوْنَ فِي الدُّنْيَا عَلٰى ثَلٰثَةِ اَجْزَاءٍ اَلَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجَاهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِي سَبِيْلِ اللّٰهِ وَالَّذِيْ يَاْمَنُهُ النَّاسُ عَلٰى اَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ ثُمَّ الَّذِيْ اَشْرَفَ عَلٰى طَمَعٍ تَرَكَهٗ لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ۔ (رواہ احمد)

---

(۲۸۴) جابرؓ سے روایت ہے کہ احد کی جنگ میں ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا فرمائیے اگر میں مارا جاؤں تو کہاں جاؤں گا آپ نے فرمایا جنت میں۔ یہ سن کر اس نے اپنے ہاتھ کی کھجوریں پھینکدیں پھر لڑا یہاں تک کہ شہید ہوگیا۔ (متفق علیہ)

## تمام مسلمان اصل اعتقادات کے لحاظ سے برابر ہیں ان میں جو فرق ہے وہ صرف ان کے مراتب یقین میں تفاوت کی وجہ سے ہے

(۲۸۵) ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن دنیا میں تین قسم کے ہیں ایک وہ مومن جو اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لایا پھر اس میں اس نے ذرا شک و تردد نہ کیا اور اپنی جان و مال سے بے دریغ اس کی راہ میں جہاد کیا۔ دوسرا وہ جس کی طرف سے لوگ اپنی جان و مال کے بارے میں بے خطر رہے۔ تیسرا وہ (جو اتنی جاں بازی یا اتنی سلامت روی کا ثبوت تو نہ دے سکا لیکن کم از کم یہی کیا کہ جب اس کے سامنے کوئی لالچ کا موقعہ پیش آیا تو اس نے صرف اللہ کے نام پر اس کو چھوڑ دیا۔ (مسند احمد)

---

(۲۸۵) مومن میں سب سے بڑی صفت اس کا جزم ویقین ہے اور اسی صفت کے لحاظ سے مومنوں کے مراتب میں تفاوت ہے۔ یقین کا سب سے بڑا ثبوت یہ ہے کہ جانبازی کے موقعہ پر اپنا قدم پیچھے نہ ہٹائے جہاد میں کمزوری ایمانی ضعف کی علامت ہے اسی لئے لم یرتابو کے ساتھ جاھدوا باموالھم وانفسھم کا لفظ رکھا گیا ہے۔ گویا جس نے جان و مال میں سے کسی میں بھی دریغ کیا یہ اس کی علامت ہے کہ اس کے ایمان ویقین ہی میں پوری پختگی نہیں ہے۔ بقیہ دو مراتب بھی اگرچہ بظاہر عمل سے متعلق ہیں مگر درحقیقت ان کا تعلق بھی انسان کے قلبی یقین ہی کے ساتھ ہے۔

(٢٨٦) عَنْ اَبِیْ بَکْرَةَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاَیْتُ کَاَنَّ مِیْزَانًا نَزَلَ مِنَ السَّمَاءِ فَوُزِنْتَ اَنْتَ وَاَبُوْبَکْرٍ فَرَجَحْتَ اَنْتَ وَوُزِنَ اَبُوْبَکْرٍ وَعُمَرُ

(٢٨٦) ابوبکرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اپنا ایک خواب بیان کیا کہ میں نے دیکھا کہ ایک ترازو آسمان سے اتری اس میں آپ اور ابوبکرؓ تولے گئے تو آپ

(٢٨٦) صاحب مشکوٰۃ نے بحوالہ دارمی حضرت ابوذرؓ سے اسی قسم کا ایک خواب خود صاحب نبوۃ کا بھی نقل کیا ہے۔ آپ نے دیکھا کہ بطحاء مکہ میں دو فرشتے آپ کے پاس آئے ایک تو زمین پر اتر آیا اور دوسرا زمین و آسمان کے درمیان معلق کھڑا رہا پھر ان کے باہم یہ گفتگو شروع ہوگئی کیا یہ وہی نبی ہیں اور دوسرے نے جواب دیا ہاں وہی ہیں۔ اس نے کہا اچھا تو پھر ان کو ایک شخص کے مقابلہ میں تول کر دیکھو چنانچہ تولا تو میں بھاری اترا۔ پھر اس نے کہا اچھا ان کو دس شخصوں کے مقابلہ میں تولو تو بھی میں ہی بھاری اترا۔ پھر اس نے کہا اب سو آدمیوں کے مقابلہ میں تولو تو ان کے مقابلہ میں بھی میں ہی بھاری رہا ........ پھر اس نے کہا اچھا اب ہزار کے مقابلہ میں تولو۔ ان کے مقابلہ میں بھی میں ہی بھاری اترا (آپ نے فرمایا کہ) ان کے ہلکے ہونے کی وجہ سے ترازو کی ان کے بکھر بکھر جانے کا جو نقشہ اس وقت نظر آرہا تھا وہ اب تک میری نظروں کے سامنے ہے۔ اس پر ایک نے دوسرے سے کہا بس ان کے مقابلہ میں اگر ساری امت بھی تول ڈالو گے جب بھی یہی بھاری اتریں گے۔

عالم بالا کی اس میزان میں یہ وزن یقین و ایمان ہی کا وزن تھا۔ نبی اس میں سب سے بھاری اترا۔ اس کے بعد پھر درجہ بدرجہ صدیقؓ و عمرؓ و عثمانؓ بھاری اترتے رہے۔ اسی میزان کی تعبیر آپ نے خود بنفس نفیس یہ بیان فرمائی کہ خلفاء ثلاثہ کے بعد خلافت نبوۃ کا دور ختم ہو جائے گا اور صرف ملک گیری کا آغاز ہو جائے گا۔ حضرت علیؓ کا زمانہ اول تو تھا ہی کتنا پھر جتنا کچھ تھا وہ بھی جنگ و جدل کی نذر ہو گیا اور خلفاء ثلاثہ کے دور کا سا وہ امن و انصاف پھر نہ لوٹ سکا حضرت علیؓ کے بعد تو پھر کھلی ہوئی ملک گیری رہ گئی۔ صدق اللہ ورسولہ۔ ملا علی قاری نے شرح فقہ اکبر میں یہاں ایک مفید مضمون تحریر فرمایا۔ ہم اس کو مع ترجمہ ہدیہ ناظرین کرتے ہیں۔

(والمؤمنون مستوون) ای متساوون (فی الایمان) ای فی اصلہ (والتوحید) ای فی نفسہ وانما قیدنا بھما فان الکفر مع الایمان کالعمی والبصیر ولاشک ان البصراء یختلفون فی قوۃ البصر وضعفہ فمنہم الاخفش والاعشی ومن یری الخط الثخین دون الرقیق الا بزجاجۃ ونحوھا ومن یری عن قرب زائد علی العادۃ وآخر بضدہ ومن ھنا قال محمد علی ما تقدم

اہل ایمان اور اہل توحید میں تو تمام مسلمان برابر ہیں لیکن قوت و ضعف کے لحاظ سے ان میں مراتب کا بڑا تفاوت ہے۔ کیونکہ کفر و ایمان کی مثال ایسی ہے جیسی ایک بینا اور نابینا کی۔ دیکھئے دیکھنے والوں کی نظروں میں کتنا اختلاف ہوتا ہے۔ ایک شخص ہوتا ہے جو صرف رات ہی میں دیکھ سکتا ہے دن میں نہیں دیکھ سکتا، ایک وہ ہوتا ہے جو دن میں دیکھ تو لیتا ہے مگر بہ دقت، ایک شخص موٹا خط دیکھ سکتا ہے لیکن باریک خط چشمہ کی مدد کے بغیر نہیں دیکھ سکتا۔ کوئی ہوتا ہے کہ اسے عام عادت سے زیادہ نزدیک فاصلہ سے دیکھنا پڑتا ہے اور کسی کو عام عادت کے خلاف ذرا دور

فَرَجَحَ اَبُوْبَکْرٍ وَوُزِنَ عُمَرُ وَعُثْمَانُ فَرَجَحَ عُمَرُ ثُمَّ رُفِعَ الْمِیْزَانُ فَاسْتَاءَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

بھاری اترے اس کے بعد ابو بکرؓ و عمرؓ تولے گئے تو ابو بکرؓ بھاری اترے پھر عمرؓ و عثمانؓ تولے گئے تو عمرؓ بھاری اترے اس کے بعد وہ ترازو اٹھالی گئی۔ یہ سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کچھ آزردہ خاطر ہوئے

اکرہ ان یقول ایمانی کایمان جبرئیل علیہ السلام بل یقول اٰمنت بما اٰمن بہ جبرئیل علیہ السلام اھ

ولکن لا یجوز ان یقول احد ایمانی کایمان انبیاء علیہم السلام ولا ینبغی ان یقول ایمانی کایمان ابی بکرؓ وعمرؓ وامثالہما فان تفاوت نور کلمۃ التوحید فی قلوب اھلہا لا یحصیہ الا اللہ سبحانہ فمن الناس من نورہا فی قلبہ کالشمس ومنہم کالقمر ومنہم کالکوکب الدری ومنہم کالمشعل العظیم واٰخر کالسراج الضعیف لقولہ علیہ الصلوۃ والسلام "وذلک اضعف الایمان" وقولہ علیہ الصلوۃ والسلام المومن القوی احب الی اللہ من المؤمن الضعیف۔ والقوۃ تشمل القوۃ الظاہریۃ العملیۃ والقوۃ الباطنیۃ العلمیۃ وھو مثل منزل ھذہ الانوار فی الدنیا تظہر انوار علومہم واعمالہم واحوالہم فی العقبی وکلما اشتد نور ھذہ الکلمۃ وعظمت مرتبتہا احرق من الشبہات الشہوات بحسب قوتہا بحیث ربما وصل الی حال لا یصادف شبہۃ ولا شہوۃ ولا ذنبا ولا سیئۃ الا احرقہا ولہا تقول جُز یا مؤمن فان نورک اطفأ لہبی ومن عرف ھذا عرف معنی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ تعالیٰ حرم علی النار من قال لا الٰہ الا اللہ یبتغی بذلک وجہ اللہ وقولہ علیہ السلام لا یدخل النار من قال لا الٰہ الا اللہ وامثال ذلک مما اشکل علی کثیر من الناس حتی ظنہا

فاصلہ سے دیکھنا پڑتا ہے ان ہی اختلاف مراتب کی وجہ سے امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ میں یہ پسند نہیں کرتا کہ کوئی شخص اپنے ایمان کے متعلق یہ تعبیر اختیار کرے کہ میرا ایمان جبرئیل علیہ السلام کے ایمان کی طرح ہے بلکہ اس کو یوں کہنا چاہئے کہ جن چیزوں پر جبرئیل علیہ السلام کا ایمان ہے ان ہی پر میرا بھی ایمان ہے (گویا اتحاد مومن بہا و معتقدات میں ہے نہ کہ کیفیت ایمان میں)۔

اسی طرح یہ کہنا بھی درست نہیں کہ میرا ایمان انبیاء علیہم السلام ابو بکرؓ و عمرؓ اور صحابہ کرام جیسا ایمان ہے کیونکہ اہل توحید کے قلوب میں کلمہ توحید کی نورانیت کے لحاظ سے جتنا اختلاف ہے اس کا صحیح اندازہ بجز اللہ تعالیٰ کے کسی کو نہیں ہو سکتا۔ کسی کے قلب میں یہ نور آفتاب کی طرح درخشاں ہے۔ کسی کے قلب میں چاند کی طرح کسی کے قلب میں روشن ستارے کی طرح اور کسی کے بڑے مشعل کی طرح اور کسی کے ایک ٹمٹاتے چراغ کی طرح۔ ان اختلاف مراتب ہی کی وجہ سے آپ نے (اس شخص کے ایمان کے متعلق جو برائی کی اصلاح تو نہیں کرتا مگر اس پر قلبی ناگواری محسوس کرتا ہے) فرمایا ہے کہ یہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے اور دوسری حدیث میں ہے کہ مضبوط مومن اللہ کو کمزور مومن سے زیادہ پیارا ہے مومن کی یہ قوت صرف اس کی ظاہری قوت کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ اس کی ظاہری و باطنی یعنی جسمانی و ایمانی دونوں کو شامل ہے لوگوں کے اعمال و ایمان کے انوار میں جو تفاوت دنیا میں ہے یہی تفاوت ان کے انوار کے مابین آخرت میں رہیگا، یہ نور ایمانی جتنا تیز اور شدید ہوتا ہے اتنا ہی وساوس اور خواہشات نفسانیہ کو وہ زیادہ سوخت کرنیوالا ہوتا ہے یہاں تک کہ ایک ایسا وقت بھی آجاتا ہے جبکہ تمام وساوس اور ہر قسم کی خواہشات فنا ہو جاتی ہیں اور چھوٹا بڑا کوئی گناہ باقی نہیں رہتا جس کو جلا کر وہ خاکستر نہیں کر دیتا۔ بلکہ اس کے سامنے آتش جہنم بھی یہ چیخنے لگتی ہے کہ اے مومن ذرا جلدی سے گذر جا کیونکہ تیرے ایمان کا نور میری بھڑکتی ہوئی

يَعْنِيْ فَسَاءَهُ ذٰلِكَ فَقَالَ خِلَافَةُ نُبُوَّةٍ ثُمَّ يُؤْتِي اللّٰهُ الْمُلْكَ مَنْ يَّشَاءُ (رواه الترمذی وابوداؤد)

( ۲۸۷ ) عَنْ أُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ كُنْتُ فِي الْمَسْجِدِ فَدَخَلَ رَجُلٌ يُصَلِّيْ فَقَرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ ثُمَّ دَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَأَ قِرَاءَةً سِوٰى قِرَاءَةِ صَاحِبِهٖ فَلَمَّا قَضَيْنَا الصَّلٰوةَ دَخَلْنَا جَمِيْعًا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ إِنَّ هٰذَا قَرَأَ قِرَاءَةً أَنْكَرْتُهَا عَلَيْهِ وَ

اور فرمایا کہ یہ ترازو خلافت نبوة کی ترازو تھی اس کے بعد (خلافت نبوت تو ختم ہو جائیگی اور ملک گیری شروع ہو جائے گی اور خدا تعالیٰ جس کو چاہے گا اپنا ملک حوالہ کر دے گا۔ (ترمذی۔ ابوداؤد)

( ۲۸۷ ) ابی بن کعب بیان کرتے ہیں کہ میں مسجد میں بیٹھا ہوا تھا کہ ایک شخص نماز کے لئے آیا اور اس نے کچھ نئے طرز سے قرآن کریم پڑھنا شروع کیا۔ پھر دوسرا شخص آیا اس نے اس سے بھی علیحدہ طرز سے قرارت کی جب ہم نماز سے فارغ ہو گئے تو سب مل کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے میں نے عرض کیا

بعضهم منسوخة وظنها بعضهم قبل ورودها الاوامر والنواهي وحملها بعضهم على نار المشركين واول بعضهم الدخول بالخلود فان الشارع لم يجعل ذلك حاصلا بمجرد قول اللسان فقط وتأمل حديث البطاقة فان من المعلوم ان كل موحد له مثل هذه البطاقة وكثير منهم يدخل النار۔

(شرح فقہ اکبر ص۸۷)

پیشوں کو بجھائے دیتا ہے۔ جو شخص یہ مضمون سمجھ سکا ہے حسب ذیل حدیثوں کی مرادیں سمجھنا بھی آسان ہو جائیگا۔

ارشاد نبوی ہے۔ جو شخص کلمۂ لا الہ الا اللہ صرف اللہ تعالیٰ کی رضا جوئی کے لئے پڑھتا ہے اللہ تعالیٰ اس پر آتش دوزخ حرام کر دیتا ہے۔ —— ایک اور حدیث میں ارشاد ہے جو شخص لا الہ الا اللہ دل سے کہے وہ آتش دوزخ میں نہیں جائیگا۔ اسی کے ہم معنی اور بھی حدیثیں ہیں جن کا سمجھنا اکثر لوگوں کو دشوار ہو گیا ہے۔ ان حدیثوں کو بعضوں نے تو منسوخ ہی کہہ دیا ہے اور کسی نے یہ سمجھا ہے کہ یہ امر و نہی کی تفصیلات کے نزول سے قبل کے ارشادات ہیں۔ اور کسی نے آتش سے خاص وہ آتش مراد لی ہے جو صرف کفار کے لئے ہوگی اور کسی نے یہ تاویل کی ہے کہ ان حدیثوں میں ہمیشہ دوزخ میں رہنے کی نفی کی گئی ہے مطلقاً دخول کی نفی نہیں۔ واقعہ یہ ہے کہ ان تمام حدیثوں میں آتشِ دوزخ کے حرام ہونے کا حکم صرف کلمۂ توحید پڑھنے پر نہیں ہے بلکہ اسی نور ایمانی پر ہے جس کا بیان ابھی آپ پڑھ چکے ہیں (اس حدیث کے مضمون پر ذرا غور کیجیے جس میں آتا ہے کہ ایک شخص کا اعمالنامہ تولا جائیگا اور اس کے گناہوں کے ننانوے دفتروں کے مقابلہ میں اس کی نیکی کا صرف ایک پرچہ رکھا جائیگا اور وہ ایک ہی پرچہ ان سب دفتروں کے وزن پر غالب آجائیگا (اس پرچہ میں کلمۂ توحید لکھا ہوا ہوگا) یہ بات سب جانتے ہیں کہ یہ کلمہ ہر موحد کے نامۂ اعمال میں موجود ہے اس کے باوجود بہت سے لوگ ایسے ہیں جو دوزخ میں جائیں گے (اس سے معلوم ہوا کہ آتش دوزخ کی حرمت کا مدار صرف اس کلمہ کے تلفظ پر نہیں بلکہ اسی نور ایمانی پر ہے جو اعمال کی آبیاری کے بعد قلبِ مومن میں پھوٹنا شروع ہو جاتا ہے) (شرح فقہ اکبر)

( ۲۸۷ ) شبہات کی دنیا دلائل کے لشکروں سے کبھی شکست نہیں کھاتی اس لئے آپ نے اس کے شبہات کا علاج پہلے ہی

دَخَلَ اٰخَرُ فَقَرَأَ سِوٰى قِرَاءَةِ صَاحِبِهٖ فَأَمَرَهُمَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَا فَحَسَّنَ
شَأْنَهُمَا فَسُقِطَ فِيْ نَفْسِيْ مِنَ التَّكْذِيْبِ وَلَا إِذْ كُنْتُ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَلَمَّا رَأٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ
صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا قَدْ غَشِيَنِيْ ضَرَبَ فِيْ صَدْرِيْ فَفِضْتُ عَرَقًا وَكَأَنَّمَا أَنْظُرُ إِلَى اللّٰهِ
فَرَقًا فَقَالَ لِيْ يَا أُبَيُّ أُرْسِلَ إِلَيَّ أَنْ أَقْرَأَ الْقُرْاٰنَ عَلٰى حَرْفٍ فَرَدَدْتُ إِلَيْهِ أَنْ هَوِّنْ عَلٰى أُمَّتِيْ
فَرَدَّ إِلَيَّ الثَّالِثَةَ اقْرَأْهُ عَلٰى سَبْعَةِ أَحْرُفٍ وَلَكَ بِكُلِّ رَدَّةٍ رَدَدْتُكَهَا مَسْأَلَةٌ تَسْأَلُنِيْهَا
فَقُلْتُ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِيْ اللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِأُمَّتِيْ وَأَخَّرْتُ الثَّالِثَةَ لِيَوْمٍ يَرْغَبُ إِلَيَّ الْخَلْقُ

(یا رسول اللہ) اس شخص نے قرآن شریف کچھ اس انداز میں پڑھا ہے جو مجھے نیا نیا معلوم ہوتا ہے دوسرے شخص نے
اس سے بھی الگ طرز میں پڑھا ہے آپ نے ان دونوں کو پڑھنے کے لئے ارشاد فرمایا انھوں نے پھر اسی طرح پڑھ
پڑھ کر سنا دیا آپ نے دونوں کی تحسین فرمادی۔ یہ سن کر میرے قلب میں آپ کی ایسی تکذیب پیدا ہونے لگی کہ
کبھی کفر کے زمانہ میں بھی ایسی پیدا نہ ہوئی تھی۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جب میرے شک وتردد کی اس کیفیت
کو محسوس کیا جو اس وقت مجھ پر چھا گئی تھی تو اپنا دست مبارک میرے سینہ پر مارا اس کے اثر سے میں پسینہ پسینہ
ہوگیا اور میرے اذعان ویقین کا یہ عالم ہوگیا کہ مارے خوف کے گویا میں اللہ تعالیٰ کو اپنی آنکھوں سے دیکھ رہا ہوں
اس کے بعد آپ نے فرمایا اُبی! میرے پاس پہلے یہی وحی آئی تھی کہ قرآن کو صرف ایک ہی طرح پڑھے۔ میں نے
(امی امت کے خیال سے) درخواست کی کہ میری امت کے لئے کچھ اور سہولت کردی جائے۔ تیسری بار مجھے یہ
جواب ملا کہ آپ کو سات طریقے تک پڑھنے کی اجازت دیدی گئی اور اتنا ہی نہیں بلکہ آپ کی ہر درخواست کے
بدلہ میں آپ کو ایک ایک دعا کا حق اور دیا جاتا ہے جو چاہے مانگ لیجئے۔ آپ نے دو بار تو یہی دعا کی کہ اے
اللہ میری امت کو بخشدے اور تیسری دعا اس دن کے لئے اٹھا رکھی ہے جس میں تمام مخلوق کو شفاعت

دلائل سے نہیں کیا بلکہ اس کے سینہ پر ایک ایسی بصیرت افروز ضرب لگائی کہ اس کا قلب اذعان وایقان سے معمور ہوگیا
اور نسبت احسان نے اس شدت سے ظہور کیا کہ اس کا جسم پسینہ پسینہ ہوگیا شبہات سب برطرف ہوگئے اور خدا کی ذات
عظیم البرکات کا جلوہ آنکھوں کے سامنے آگیا۔ جب آپ نے دیکھ لیا کہ اب مریض تردد اچھی طرح شفایاب ہوگیا ہے اس کا ایمان
پھر تازہ ہوگیا ہے اور نور یقین پھر سر نو اس کے قلب میں بھڑک اٹھا ہے تو اب فہمائش کا موقعہ بھی نکل آیا آپ نے فرمایا کہ تمہارے
شبہ کی بنیاد کچھ نہیں صرف حقیقت سے لاعلمی اور بے خبری ہے۔ دونوں قراءتوں کی تحسین کی وجہ یہ نہیں کہ قرآن کی اپنی کوئی حقیقت
ہی نہیں ہے بلکہ بات یہ ہے کہ میں نے اپنی امی امت کی سہولت کے لئے خود یہ درخواست کی تھی کہ اس کے لئے قراءت میں کچھ
توسیع کردی جائے۔ میری یہ درخواست قبول ہوگئی اور قرآن کے مختلف صورتوں سے پڑھنے کی اجازت دیدی گئی۔ لہذا
یہ دونوں قراءتیں منزل من اللہ ہیں اور میری تعلیم کردہ ہیں۔

كُلُّهُمْ حَتّٰى اِبْرَاهِيْمُ عَلَيْهِ السَّلَامُ ۔ (رواه المسلم)

(۲۸۸) عَنْ حَنْظَلَةَ بْنِ الرَّبِيْعِ الْاُسَيْدِيِّ قَالَ لَقِيَنِيْ اَبُوْبَكْرٍ فَقَالَ كَيْفَ اَنْتَ يَا حَنْظَلَةُ قُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ قَالَ سُبْحَانَ اللّٰهِ مَا تَقُوْلُ قُلْتُ نَكُوْنُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَاَنَّا رَاْيُ عَيْنٍ فَاِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَافَسْنَا الْاَزْوَاجَ وَالْاَوْلَادَ وَالضَّيْعَاتِ نَسِيْنَا كَثِيْرًا قَالَ اَبُوْبَكْرٍ فَوَاللّٰهِ اِنَّا لَنَلْقٰى مِثْلَ هٰذَا فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَاَبُوْبَكْرٍ حَتّٰى دَخَلْنَا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ نَافَقَ حَنْظَلَةُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

---

کے لئے) میری ہی تلاش ہوگی یہاں تک کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو بھی ۔ (مسلم)

(۲۸۸) حنظلہ بن ربیعؓ سے روایت کرتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) حضرت ابوبکرؓ کی مجھ سے ملاقات ہوئی تو انھوں نے پوچھا حنظلہ! کہو کیا حال ہے میں نے عرض کیا (حال کیا ہے) میں تو نفاق کی علت میں گرفتار نظر آرہا ہوں، ابوبکرؓ نے تعجب سے فرمایا سبحان اللہ یہ کیا بات کہہ رہے ہو، میں نے عرض کیا (درست کہہ رہا ہوں کیونکہ) جب ہم آپ کی خدمت میں موجود ہوتے ہیں اور آپ ہمارے سامنے جنت ودوزخ کا تذکرہ فرماتے ہیں جب تو ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے گویا ہم انھیں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں لیکن جب ہم آپ کی خدمت سے علیحدہ ہو کر باہر آتے ہیں تو پھر وہی بیبیوں، بچوں اور زمینوں کے قصوں میں گرفتار ہو جاتے ہیں اور آپ کی تذکیر کا بڑا حصہ فراموش ہو جاتا ہے (اندرون وبیرون کا فرق یہی نفاق ہے) اس پر ابوبکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم یہ بات تو ہمیں بھی پیش آتی ہے اس کے بعد میں اور ابوبکرؓ دونوں آپ کی خدمت میں روانہ ہوئے یہاں تک کہ آپ کے پاس پہنچ گئے تو میں نے

---

(۲۸۸) حضرت حنظلہ جس قلبی کیفیت کو یہاں ذکر فرما رہے ہیں شریعت اس کو احسان سے تعبیر کرتی ہے دراصل یہ یقین ہی کی ایک منزل ہے جس کے بعد کوئی اور منزل نہیں۔ اس کے بعد جتنی ترقیات نصیب ہوتی ہیں اسی مرتبۂ احسان میں نصیب ہوتی ہیں۔ اسلام یعنی اعمال جوارح سے قلب میں ایمان وتصدیق ابھرتی ہے اور قلب میں جتنی تصدیق ابھرتی جاتی ہے اتنا ہی مرتبہ احسان نزدیک ہوتا جاتا ہے۔ یہ اختیاری عمل نہیں بلکہ کیفیات نفسیہ میں ایک کیفیت ہے اس کے مقدمات بیشک اختیاری ہو سکتے ہیں یہ نعمت صرف ایک موہبتِ الٰہی ہے جو یقین کہ عمل قلب ہے اور اختیاری ہے وہ صرف ایک اعتقاد جازم کا نام ہے جس میں کوئی تردد نہ ہو۔ پھر یہی اعتقاد جازم ترقی کر کے مقام احسان تک پہنچ جاتا ہے مگر یہ اختیاری امر نہیں صرف خدا کے دین کی بات ہے جسے چاہے مرحمت فرمائے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت میں یہ مقام پہلے ہی قدم پر میسر آجاتا تھا اسی کو حنظلہ صحابی نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے کہ جب ہم آپ کی صحبت میں آجاتے ہیں تو یوں معلوم ہوتا ہے گویا عالم آخرت تمام کا تمام آنکھوں کے سامنے رکھا ہوا ہے۔ اور جب آپ کی صحبت سے اٹھ آتے ہیں تو پھر قلب کی یہ کیفیت نہیں پاتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اگر تمہاری یہ کیفیت دائمی بن جائے تو تم اس کو برداشت نہیں کر سکتے نتیجہ یہ ہوگا کہ تمہاری بشریت کی قبا تار تار ہو جائے گی اور تم فرشتوں میں شامل ہو جاؤ گے۔ شریعت کا مقصد بشریت کی تکمیل ہے۔

قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَاذَاكَ قُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ نَكُوْنُ عِنْدَكَ تُذَكِّرُنَا بِالنَّارِ وَالْجَنَّةِ كَأَنَّا رَأْیَ عَیْنٍ فَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ عَافَسْنَا الْأَزْوَاجَ وَالْأَوْلَادَ وَالضَّیْعَاتِ نَسِیْنَا كَثِیْرًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِیَدِہٖ لَوْ تَدُوْمُوْنَ عَلٰی مَا تَكُوْنُوْنَ عِنْدِیْ وَفِی الذِّكْرِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ عَلٰی فُرُشِكُمْ وَفِیْ طُرُقِكُمْ وَلٰكِنْ یَا حَنْظَلَةُ سَاعَةً وَّسَاعَةً ثَلٰثَ مَرَّاتٍ (مسلم۔ مشکوۃ)

(۲۸۹) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ غَدَا أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْنَا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ قَالَ وَمَاذَاكَ قَالُوا النِّفَاقَ النِّفَاقَ قَالَ أَلَسْتُمْ تَشْهَدُوْنَ

---

عرض کیا۔ یارسول اللہ حنظلہ تو منافق ہوگیا۔ آپ نے تعجب سے پوچھا کیا بات پیش آئی؟ میں نے عرض کیا یارسول اللہ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر رہتے ہیں اور آپ ہمیں جنت و دوزخ کی یاد دلاتے ہیں تو ہمیں یوں معلوم ہوتا ہے جیسا اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اور جب آپ کے پاس سے باہر آجاتے ہیں تو پھر وہی بیویوں، بچوں اور زمینوں کے قصوں میں گرفتار ہوجاتے ہیں اور آپ کی تذکیر کا بڑا حصہ بھول جاتے ہیں۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اگر تم اسی کیفیت پر ہمیشہ قائم رہو جو میری محفل میں ہوتی ہے تو فرشتے تمہارے بچھونوں پر اور راستوں میں کھلم کھلا تم سے مصافحہ کیا کریں لیکن اے حنظلہؓ گاہ چنیں گاہ چناں۔ تین بار فرمایا۔ (مسلم)

(۲۸۹) انس بن مالکؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آپ کی خدمت میں صبح کے وقت حاضر ہوئے اور کہا رب کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہوگئے۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ انہوں نے عرض کیا دل میں نفاق ہی نفاق نظر آتا ہے۔ آپ نے فرمایا کیا تم کلمۂ توحید و رسالت کی دل سے گواہی نہیں دیتے؟ عرض کیا کیوں نہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر یہ نفاق نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ انہوں نے دوبارہ عرض کیا

---

قلب ماہیت نہیں۔ ہاں رفتہ رفتہ جب انسان کے جسم ناسوتی کے ضعیف تعمیر تجلیات ربانیہ کی عادی بن جاتی ہے تو پہلے جو شخص ایک گھونٹ کی تاب نہ لاسکتا تھا اب وہ خم کے خم چڑھا کر بھی مدہوش نہیں ہوتا۔ خواجہ حافظؒ نے ان ہی منازل کی طرف اشارہ فرمایا ہے ؎

در بزم دور یک دو قدح درکش و برو — یعنی طمع مدار وصالِ دوام را

انسانی ترقی کا راز غیبت و حضور کے اسی غوطہ زنی میں مضمر ہے۔ اگر مسلسل غیبت ہوجائے تو بحر محبت کے غواصوں کی ہمت شکستہ ہوجائے اور اگر حضور بے غیبت دائمی بن جائے تو بھی وصل دوام کی وجہ سے حرارتِ عشق سرد پڑ جائے۔ اسی کی طرف حدیث کے الفاظ میں اشارہ کیا گیا ہے۔ ولکن یا حنظلہ ساعۃ وساعۃ۔

أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ قَالُوْا بَلٰى قَالَ لَيْسَ ذَالِكَ النِّفَاقُ قَالَ ثُمَّ عَادُوا الثَّانِيَةَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْنَا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا النِّفَاقَ النِّفَاقَ قَالَ أَلَسْتُمْ تَشْهَدُوْنَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَأَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ قَالُوْا بَلٰى قَالَ لَيْسَ ذٰلِكَ النِّفَاقُ قَالَ ثُمَّ عَادُوا الثَّالِثَةَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلَكْنَا وَرَبِّ الْكَعْبَةِ قَالَ وَمَا ذَاكَ قَالُوا النِّفَاقَ قَالُوْا إِمَّا إِذَا كُنَّا عِنْدَكَ كُنَّا عَلٰى حَالٍ وَإِذَا خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِكَ هَمَّتْنَا الدُّنْيَا وَأَهْلُوْنَا قَالَ لَوْ أَنَّكُمْ إِذَا خَرَجْتُمْ مِنْ عِنْدِيْ تَكُوْنُوْنَ عَلٰى مَا أَنْتُمْ عَلَيْهِ لَصَافَحَتْكُمُ الْمَلَائِكَةُ بِطُرُقِ الْمَدِيْنَةِ (رواه ابو يعلى ورجاله رجال الصحيح غير غسان بن برزين وهو ثقة. مجمع الزوائد ص۳۱)

(۲۹۰) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْرَأُ فِي الْمَغْرِبِ بِالطُّوْرِ فَلَمَّا بَلَغَ هٰذِهِ الْآيَةَ أَمْ خُلِقُوْا مِنْ غَيْرِ شَيْءٍ أَمْ هُمُ الْخَالِقُوْنَ أَمْ خَلَقُوا السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ بَلْ لَا يُوْقِنُوْنَ أَمْ عِنْدَهُمْ خَزَائِنُ رَبِّكَ أَمْ هُمُ الْمُصَيْطِرُوْنَ كَادَ قَلْبِيْ أَنْ يَطِيْرَ (رواه البخاری ص۷۲۰)

---

یارسول اللہ رب کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہو گئے آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ انھوں نے عرض کیا دل میں نفاق ہی نفاق معلوم ہوتا ہے آپ نے فرمایا کیا تم توحید و رسالت کی دل سے گواہی نہیں دیتے۔ عرض کیا کیوں نہیں۔ فرمایا تو پھر یہ نفاق نہیں۔ راوی کہتا ہے کہ تیسری بار انھوں نے پھر یہی کہا۔ یارسول اللہ رب کعبہ کی قسم ہم تو ہلاک ہو گئے۔ آپ نے پوچھا کیا بات ہے؟ (اس مرتبہ انھوں نے زیادہ تفصیل سی کہا کہ جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں تو ہماری حالت کچھ اور ہی ہوتی ہے۔ اور جب آپ کے پاس سے باہر چلے آتے ہیں تو پھر دنیا اور گھر بار کی فکر ہیں گھیر لیتی ہے۔ آپ نے فرمایا اگر تم اسی حالت پر ہمیشہ رہتے جو میری صحبت میں ہوتی ہے تو مدینہ کی گلیوں میں فرشتے تم سے مصافحہ کرنے لگتے (ابو یعلی)

(۲۹۰) جبیر بن مطعمؓ کہتے ہیں کہ میں نے مغرب کی نماز میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو سورۂ والطور پڑھتے سنا جب آپ اس آیت پر پہنچے ام خلقوا الخ کیا یہ لوگ از خود پیدا ہو گئے ہیں یا یہ خود خالق ہیں کیا آسمان اور زمین کو انھیں لوگوں نے پیدا کیا ہے۔ بلکہ واقعہ یہ ہے کہ ان کو یقین نہیں۔ کیا ان کے پاس خدا کے خزانے ہیں کیا یہی لوگ داروغہ بنائے گئے ہیں تو مجھکو یوں معلوم ہوتا تھا کہ میرا دل اب اڑا اب اڑا۔ (بخاری شریف)

## الایمان ھو اعتقاد بتوحید اللہ تعالیٰ و تصدیق بالرسالۃ وان الرسل عباد اللہ وان الجنۃ حق والنار حق۔ ولا یدخل احد الجنۃ الا بہ

**خدا تعالیٰ کی توحید، رسولوں کی رسالت، ان کی بندگی کا اعتقاد اور جنت و دوزخ کے وجود کو تسلیم کرنا جزءِ ایمان ہے اس کے بغیر جنت میں کوئی داخل نہ ہو گا۔**

واضح رہے کہ حدیثوں میں ایمان کی تعریف کے بارے میں اجمال و تفصیل کا تھوڑا سا اختلاف نظر آتا ہے کہیں اس میں صرف کلمہ لا الہ الا اللہ کا ذکر ہے اور کہیں اس کے ساتھ رسالت کی تصدیق بھی شرط معلوم ہوتی ہے اور کہیں ان دونوں کے ساتھ بعض اور اعتقادیات بھی شامل نظر آتے ہیں اور کہیں اعتقادیات کے ساتھ اعمال کا بھی اضافہ ہو جاتا ہے۔ پھر کہیں صرف اعمال ہی کو ایمان کہدیا جاتا ہے لیکن ان تمام صورتوں میں جو صورت عام طور پر حدیثوں میں ذکر ہوتی ہے وہ توحید کے ساتھ رسالت کی بھی تصدیق ہے۔ اس عبارتی اختلاف کی وجہ سے اعمال کی جزئیت و عدم جزئیت میں تو محدثین و فقہاء کے مابین کچھ لفظی سا نزاع پیدا ہو گیا ہے مگر یہ مسئلہ کسی اختلاف کے بغیر ہمیشہ مسلم چلا آیا ہے کہ ایمان کے لئے خدا تعالیٰ کی توحید اور رسول کی رسالت کی تصدیق دونوں ہی اجزاء لاینفک ہیں۔ اس وقت یہاں ہماری غرض صرف اسی پر کلام کرنا ہے کہ شرائع سماویہ میں رسولوں پر ایمان لانا بھی ہمیشہ توحید الٰہی کے برابر کا جزء سمجھا گیا ہے۔ آسمانی مذاہب میں سے کسی ایک مذہب میں بھی صرف خدا تعالیٰ کی توحید کو مدار نجات نہیں سمجھا گیا یہ صورت بالکل جداگانہ ہے کہ اگر کوئی زمانہ ایسا گذرا ہو جس میں خدا تعالیٰ کا کوئی رسول ہی موجود نہ ہو، یا کوئی ایسا مقام ہو جہاں کسی رسول کی آواز ہی نہ پہنچ سکتی ہو تو گویا اس کے لئے بھی رسول پر ایمان لانا ضروری ہو گا۔ ان فرضی صورتوں سے گذر کر ہمیں اس وقت اس پر کلام کرنا منظور ہے کہ کسی رسول کی دعوت پہنچ جانے کے بعد بھی کیا کوئی شخص ایسا ہو سکتا ہے جو رسول پر ایمان لانے سے مستثنیٰ ہو سکے۔ پورے وثوق کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ قرآن و حدیث کے تواتر سے یہ ثابت ہے کہ رسولوں کی تصدیق نجات ابدی کے لئے ایسی ہی ضروری چیز ہے جیسی کہ خدا تعالیٰ کی توحید۔ اس میں کسی تفریق کی کوئی گنجائش نہیں۔ اس مضمون پر ایمان بالرسول کے عنوان کے تحت ترجمان السنہ جلد اول میں بھی کچھ روشنی ڈالی جا چکی ہے۔

اسی طرح اللہ تعالیٰ کے فرشتوں اور اس کی کتابوں اور قیامت کے انکار کو بھی یہی حیثیت حاصل ہے یعنی توحید کی طرح ان میں سے کسی ایک کا انکار بھی کفر ہے۔

وَمَنْ یَّکْفُرْ بِاللّٰہِ وَمَلٰٓئِکَتِہٖ وَکُتُبِہٖ وَرُسُلِہٖ وَالْیَوْمِ الْاٰخِرِ فَقَدْ ضَلَّ ضَلٰلًاۢ بَعِیْدًا۔ (نساء)

اور جو کوئی یقین نہ رکھے اللہ تعالیٰ پر، اس کے فرشتوں پر، اس کی کتابوں پر، اس کے رسولوں پر اور قیامت کے دن پر وہ یقیناً بہک کر دور جا پڑا۔

حضرت مجدد الف ثانیؒ ایک مکتوب میں تحریر فرماتے ہیں۔ انبیاء علیہم السلام عموماً اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خصوصاً، سب اللہ تعالیٰ کی ایک عظیم الشان رحمت ہیں ان ہی کے طفیل میں عالم کو نجات ابدی نصیب ہوئی اگر ان کا مبارک وجود نہ ہوتا تو حق تعالیٰ کی ذات اتنی بے نیاز تھی کہ کسی کو اپنی ذات وصفات کی اطلاع تک نہ دیتی اور نہ کوئی فرد بشر اس کی ذات کو پہچان سکتا۔ اگر یہ حضرات نہ ہوتے تو اللہ تعالیٰ کسی کو ان اوامر و نواہی کا مکلف نہ بناتا جن میں سراسر مخلوق ہی کا نفع مضمر تھا اور کسی کو حق تعالیٰ کی مرضیات و نامرضیات کا علم نہ ہوتا پس اس نعمتِ عظمیٰ کا شکر کس زبان سے ادا کیا جائے۔

انبیاء علیہم السلام اصول دین میں سب متفق ہیں اور ان میں ایک متفق علیہ عقیدہ یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک نہ کرنا چاہئے اور ایک مخلوق کو دوسری مخلوق کو اپنا معبود نہ بنانا چاہئے یہ سعادت صرف انبیاء علیہم السلام اور ان کے متبعین کے ساتھ مخصوص ہے۔ ان کے سوا اور کسی کو میسر نہیں ہوئی بلکہ یہ حقیقت بجز انبیاء علیہم السلام کے کسی اور کی زبان سے بھی کبھی ادا نہیں ہوئی۔ منکرین نبوت اگر خدا تعالیٰ کو ایک کہتے ہیں تو یا تو وہ صرف اہلِ اسلام کی تقلید میں کہتے ہیں اور یا پھر صرف صفتِ وجوب میں اس کو واحد کہتے ہیں استحقاق عبادت میں نہیں۔ اہل اسلام کے نزدیک حق تعالیٰ کی ذات جس طرح صفتِ وجوب میں یکتا و یگانہ ہے اس کا کوئی شریک نہیں اسی طرح استحقاقِ عبادت میں بھی اس کا کوئی شریک نہیں ہے۔ کلمہ لا الٰہ الا اللہ کے معنی بھی باطل معبودوں کی عبادت کی نفی اور معبود برحق کا اثبات ہے۔ دوسری بات جو انبیاء علیہم السلام کے ساتھ مخصوص ہے یہ ہے کہ وہ اپنے آپ کو دوسرے انسانوں کی طرح ایک بشر ہی تصور کرتے ہیں، صرف ایک اللہ ہی کی ذات کو معبود سمجھتے ہیں اسی کی عبادت کی مخلوق کو دعوت دیتے ہیں اور حق تعالیٰ کی ذات پاک کو حلول واتحاد سے منزہ تصور فرماتے ہیں۔ منکرین نبوت کی تعلیم یہ نہیں ان میں بعض تو یہاں تک تجاوز کر گئے ہیں کہ خود ہی مدعی الوہیت بن گئے ہیں اور اپنی ذات میں حق تعالیٰ کے حلول کے معتقد ہیں۔ لہٰذا اپنے نفس پر الوہیت کے اطلاق کرنے میں کوئی باک نہیں کرتے اور اس گمراہی کی بنا پر سمجھتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے حق میں کسی بات کی ممانعت ہی کیا لہٰذا جو وہ کہدیں وہ سب درست اور جو کر گذریں وہ سب مباح ہے، اس کا لازمی نتیجہ یہ ہوا کہ ان کا قدم بندگی کی حدود سے ہی باہر نکل گیا پھر وہ ہر قسم کے برے افعال میں مبتلا ہوئے اور ان کی وجہ سے دوسروں کے لئے بھی ان افعال کی اباحت کا دروازہ کھل گیا۔

تیسری بات جو انبیاء علیہم السلام کی تعلیم کے ساتھ خاص ہے یہ ہے کہ یہ حضرات ملائکہ معصوم کے نزول کے قائل ہیں ان میں کسی قسم کا لوث تسلیم نہیں کرتے اور ان کو امین اور خدا تعالیٰ کی وحی کا حامل سمجھتے ہیں خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام دین کی جو بات فرماتے ہیں وہ حق تعالیٰ کی طرف سے فرماتے ہیں اور ان کے اجتہادی احکام بھی وحی سے مؤید ہوتے ہیں۔ بالفرض اگر ان سے کوئی لغزش واقع ہو جاتی ہے تو فوراً وحی الٰہی اس کا تدارک کر دیتی ہے اس کے برعکس منکرین نبوت کے رؤسا جو کہتے ہیں اپنی جانب سے کہتے ہیں اور اپنی الوہیت کے گھمنڈ میں سب کو حق تصور کرتے ہیں انصاف کرنا چاہئے کہ بھلا ایسے بے عقلوں کی باتوں کا کیا اعتبار کرنا چاہئے اور ان کی اتباع کیسے کرنی چاہئے۔ (مکتوب ۲۳ جلد اول ۹۰ مکتوب سوم جلد سوم)

حضرت مجدد صاحبؒ کے اس مکتوب سے معلوم ہوا کہ جب یہ کلمہ نفی استحقاق عبادت کے معنی میں صرف انبیاء علیہم السلام کی زبان فیض ترجمان سے شروع ہوتا ہے تو اب اس معنی کے لحاظ سے جو شخص بھی اس کلمہ کو پڑھے گا وہ درحقیقت صرف ان کی اتباع اور ان کی تصدیق کے بعد ہی پڑھے گا اس لئے اس کلمہ کا پڑھنا ہی خود رسالت کی تصدیق کو متضمن ہوگا۔ اصل یہ ہے کہ کافروں کو براہ راست خدا تعالیٰ کی ذات سے تو عداوت کبھی نہیں ہوئی ان کو جو کچھ عداوت تھی وہ رسول کی ذات سے تھی یا اس خدا سے تھی جس کی طرف اس رسول نے ان کو دعوت دی۔ پس انبیاء علیہم السلام کی لائی ہوئی توحید کو تسلیم کر لینا یہ درحقیقت ان کی تصدیق ہی کا نتیجہ ہو سکتا ہے۔ یہ سوال محض فرضی ہے کہ اگر کسی کو اللہ تعالیٰ کی صحیح معرفت انبیاء علیہم السلام کے توسط کے بغیر حاصل ہو جائے تو اس کا حکم کیا ہوگا اور اگر تسلیم بھی کر لیا جائے جب بھی اس کا وجود اتنا نادر ہوگا کہ ایسی نادر جزئیات پر حدیث کو حمل نہیں کیا جا سکتا تاکہ اس میں تاویل کی ضرورت ہو

حضرت مجدد الف ثانیؒ نے اس کے علاوہ اور بہت سے مقامات پر اس کی تصریح فرمائی ہے کہ دنیا میں جہاں کہیں بھی حق کا کوئی وجود ہے وہ سب ان حضرات ہی کا طفیل اور ان ہی کے برکات کا بلا واسطہ، یا بالواسطہ اثر ہے۔ پس جن کے وجود سے صحیح عقائد دنیا کو پہنچے اگر ان ہی کو درمیان سے علیحدہ کر دیا جائے تو کسی آسمانی دین کی بنیاد ہی قائم نہیں رہتی۔ چہ جائے کہ اس سے اس طرح صرف نظر کر لی جائے کہ رسول کی پوری زندگی اور اس کی پوری تعلیمات کا منکر صرف اپنی مزعوم توحید کی بنا پر نجات پانے کا مستحق ہو۔ یہ خوب یاد رکھنا چاہئے کہ توحید کے معنی صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کو ایک سمجھنا نہیں ہے نہ صرف وحدانیت کوئی کمال ہے بلکہ اجمالاً ان تمام صفات کمالیہ کے ساتھ واحد جاننا بھی ضروری ہے جو حق تعالیٰ کی درحقیقت صفات ہیں پھر ان صفات کا اجمالی علم بھی اسی وقت کافی ہو سکتا ہے جبکہ عقیدہ میں شرک کا کوئی شائبہ موجود نہ ہو، اگر صفات کے اجمال بلکہ اس کی تفصیلات کے ساتھ کوئی ادنیٰ درجہ کا شرک بھی موجود ہے تو یہ توحید

توحید ہی نہیں کہلائے گی۔ ایمان کے لئے وہ توحید خالص درکار ہے جس میں شرک کا کوئی شائبہ نظر نہ آئے یہ توحید صرف انبیاء علیہم السلام کے توسط سے حاصل ہو سکتی ہے[1]۔ جس طرح خدا تعالیٰ کی توحید صرف زبان سے اس کو ایک کہنے کا نام نہیں اسی طرح رسول پر ایمان بھی صرف اس کو ایک سچا انسان مان لینے کا نام نہیں بلکہ اس کو ان تمام عظمتوں کے ساتھ ماننا ضروری ہے جو قرآن کریم نے اس کے لئے لازم قرار دیں۔ اسی طرح ان عقائد سے اپنی بیزاری کا اظہار بھی ضروری ہے جو اس کی حدود عظمت سے باہر ہوں اور اسی کے ساتھ یہ بھی لازم ہے کہ آپ کی شریعت کو اپنی معاش و معاد کا واحد دستور العمل بنا لے۔ ایک نصرانی حضرت مسیح علیہ السلام پر ایمان لا کر اس وقت تک مومن نہیں کہلا سکتا جب تک وہ ان کو خدائے تعالیٰ کا ایک بندہ تسلیم نہ کر لے اور آپ کے دین کو مکمل طور پر قبول نہ کر لے۔ پھر جب رسول کی ہستی اس طرح واجب التسلیم ہو جاتی ہے تو بقیہ تمام مغیبات کی تصدیق بھی اسی کی تصدیق کے ضمن میں خود بخود لپٹ جاتی ہے۔ جنت و دوزخ، فرشتے، تقدیر اور آخرت کے تمام احوال سب اسی ذیل میں آجاتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ عام طور پر حدیثوں میں صرف شہادتین کے ذکر پر کفایت کر لی گئی ہے اور کہیں ان کے ساتھ اور اعتقادیات کو بھی ذکر کر دیا گیا ہے۔ اب اگر ان کا پیغام رسول ہونا امت کو بذریعہ تواتر ثابت ہو گیا ہے تو امت نے ان کو بھی رسول ہی کے تصدیق کا جزء سمجھ لیا ہے۔ خلاصہ یہ کہ تمام مغیبات پر ایمان، رسول پر ایمان میں درج ہے اور رسول پر ایمان کلمہ لا الٰہ الا اللہ پر ایمان لانے میں درج ہے۔ اس لئے ان حدیثوں کے درمیان اصل مضمون کا کوئی اختلاف نہیں صرف اجمال و تفصیل یا محض ایک اسلوبِ بیان کا اختلاف ہے اس سے اجماعی عقائد کے خلاف کوئی موشگافی کرنی تحقیق نہیں بلکہ زندقہ ہے۔

اسی لئے حافظ ابن تیمیہؒ نے کلمہ طیبہ کی حقیقت کا خلاصہ حسب ذیل الفاظ میں بیان فرمایا ہے:۔

فدین الاسلام مبنی علی اصلین من خرج عن واحد منہما فلا عمل لہ ولا دین ان نعبد اللہ وحدہٗ

---

[1] حافظ ابن تیمیہؒ کی حسب ذیل تحقیق نہایت قابل قدر ہے وہ فرماتے ہیں۔

وقد بینا فی (الصارم المسلول) ان التوحید والایمان بالرسل متلازمان وکل امۃ لا تصدق الرسل فلا تکون الا مشرکۃ وکل مشرک فانہ مکذب للرسل فمن دخل فی نوع من الشرک الذی نہت عنہ الرسل فانہ مناقض لہم مخالف لموجب رسالتہم (کتاب الرد علی البکری ص ۲۶۶)

ہم نے اپنی کتاب (الصارم المسلول) میں یہ بات واضح طور پر ثابت کر دی ہے کہ توحید اور رسولوں پر ایمان لانا یہ دونوں باتیں باہم متلازم ہیں جو لوگ رسولوں کی تصدیق نہیں کرتے وہ یقیناً مشرک ہوتے ہیں اور جو مشرک ہیں وہ بلاشبہ رسولوں کی تکذیب کرتے ہیں اسلئے جو شخص شرک کی کسی نوع میں بھی مبتلا ہوگا وہ ان کا دشمن اور ان کی رسالت کے مقتضی کا مخالف کہلائیگا کیونکہ رسولوں نے شرک کی جملہ اقسام کی ممانعت کی ہے۔ (کتاب الرد علی البکری ص ۲۶۶)

ولا نشرکو بشیئًا وعلی ان نعبدہ بما شرع لا بالحوادث البدع وھو حقیقۃ قول لا الٰہ الا اللہ محمد رسول اللہ (الرد علی البکری)

یعنی دین اسلام کے دو اصول ہیں جو شخص ان میں سے کسی ایک کو ترک کردے نہ اس کا دین معتبر ہے نہ کوئی عمل۔ ایک یہ کہ ہم ایک اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ بنائیں۔ دوم یہ کہ ہم ان طریقوں سے اس کی عبادت کریں جو شریعت کے مقرر کردہ ہوں نو ایجاد طریقے نہ ہوں۔ یہی کلمہ طیبہ کی اصلی حقیقت ہے۔

عبارت بالا میں حافظ موصوف نے بڑی خوبی سے توحید و رسالت کی روح بتادی ہے یعنی دعوت انبیاء علیہم السلام کا اصل مرکز توحید فی العبادۃ ہے، لہٰذا صرف زبان سے خدائیتعالیٰ کو ایک کہہ کر کوئی شخص فرض توحید سے عہدہ برآ نہیں ہوسکتا۔ دوم رسالت کے تسلیم کرنے کا خلاصہ یہ ہے کہ خدائیتعالیٰ کی عبادت میں ان کے بتائے ہوئے طریقوں سے سرمو تجاوز نہ کرے۔ گویا اسلام یہ ہے کہ صرف ایک ہی کی عبادت کرے اور وہ بھی صرف اس طریقے سے کرے جس طرح کہ اس کے رسول نے بتائی ہو۔

یہاں حضرت استاد قدس سرہ نے ایک نہایت لطیف اور اہم نکتہ کی طرف توجہ دلائی ہے وہ فرماتے ہیں کہ جو حدیثیں اعلیٰ درجہ کی صحیح ہیں ان میں جہاں کہیں صرف کلمہ طیبہ لا الٰہ الا اللہ کا ذکر ہے وہاں رسالت کا دوسرا جزء محذوف ہے اور جہاں اس کے ساتھ شہادۃ کا لفظ بھی موجود ہے وہاں رسالت کی شہادت کا دوسرا جزء بھی ضرور موجود ہوتا ہے۔ ان کے سوا جن حدیثوں میں صرف توحید کی شہادت پر نجات کا وعدہ مذکور ہے اول تو وہ اس درجہ صحیح نہیں پھر وہ بھی بہت شاذ و نادر ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ شہادتین ایمان کے اجزاء ہیں اس کا ایک جزء دوسرے سے جدا ہو ہی نہیں سکتا اور کلمہ طیبہ تمام شریعت کا ایک سرنامہ اور اسلام کا گویا ایک کلی عنوان بن گیا ہے۔ لہٰذا اس سرخی میں وہ سارا مضمون اجمالاً سمایا ہوا ہوتا ہے جس کی یہ سرخی قرار دی گئی ہے۔ اس لئے لا الٰہ الا اللہ کے ساتھ دوسری شہادۃ کا ذکر کرنے کی ضرورت نہیں ہوتی اور ان حدیثوں کی مراد یہ ہوتی ہے کہ جو لوگ اس کلمہ کے قائل ہیں یعنی مسلمان، ان کے لئے جنت کی بشارت ہے۔ اور جہاں شہادت کا لفظ اضافہ ہوجاتا ہے وہاں خاص ایک عقیدہ کا بیان کرنا منظور ہوتا ہے جس کی شہادت ایمان کے لئے ضروری ہے اور ظاہر ہے کہ ایمان کے لئے چونکہ صرف توحید کی شہادت کافی نہیں اس لئے اس کے ساتھ محمد رسول اللہ کی شہادت کا دوسرا جزء بھی لازمی طور پر مذکور ہوتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ اگر یہ مضمون ادا کرنا مقصود ہوتا ہے کہ اس ایمان کی حقیقت کیا ہے جس کے بغیر جنت میں کوئی داخل نہیں ہوسکتا تو اس جگہ توحید و رسالت دونوں اجزاء کی شہادت لازمی طور پر ذکر ہوتی ہے اور جہاں یہ بتانا مقصود ہوتا ہے کہ وہ کونسی جماعت یا کونسا مذہب ہے جس کے لئے جنت کی بشارت ہے تو اس کو یوں ادا کردیا جاتا ہے کہ جو لا الٰہ الا اللہ کا قائل ہو اور جس کا انتساب اس کلمہ کی طرف ہو۔ (دیکھو ترجمان السنہ ص ۳۲۵)

(۲۹۱) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاَنَّ عِيْسٰى عَبْدُ اللّٰهِ وَرَسُوْلُهٗ وَكَلِمَتُهٗ اَلْقَاهَا اِلٰى مَرْيَمَ وَرُوْحٌ مِّنْهُ وَاَنَّ الْجَنَّةَ حَقٌّ وَالنَّارَ حَقٌّ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ الْجَنَّةَ عَلٰى مَا كَانَ مِنْ عَمَلٍ وفی روایۃ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى الْجَنَّةَ مِنْ اَبْوَابِهَا الثَّمَانِيَةِ مِنْ اَيِّهَا شَاءَ دَخَلَ۔ (متفق علیہ)

(۲۹۱) عبادہ بن صامت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں، جو شخص اس بات کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر اللہ جو تنہا ہے اور اس کا کوئی شریک نہیں اور اس کی کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم بلاشبہ اس کے بندہ اور رسول ہیں اور عیسیٰ علیہ السلام بھی اس کے بندہ، اس کے رسول، اور اس کا کلمہ ہیں جسے اس نے حضرت مریمؑ پر القا فرمایا تھا اور اس کی طرف سے بھیجی ہوئی ایک روح ہیں اور جنت حق ہے جہنم حق ہے تو (ان اصولی عقائد کے تسلیم کرنے کے بعد) اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں ضرور داخل کریگا خواہ اس کے اعمال کچھ بھی ہوں۔ دوسری روایت میں ہے اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل کریگا (اور اسے اختیار دے گا کہ) وہ جنت کے آٹھ دروازوں میں جس سے چاہے داخل ہو جائے۔ (متفق علیہ)

(۲۹۱) حضرت عیسیٰ علیہ السلام کو یہود ملعون قرار دیتے تھے (والعیاذ باللہ) اور نصاریٰ خدا کا بیٹا۔ اسلام کا فیصلہ یہ ہے کہ یہ دونوں عقیدے سراسر افراط و تفریط کی راہیں ہیں وہ عبدیت و رسالت کی صفت سے سرمو بھی متجاوز نہ تھے۔ روح اللہ ان کا صرف ایک لقب تھا۔ نصاریٰ کو یہاں یہ غلط فہمی پیدا ہوگئی کہ وہ درحقیقت اللہ تعالیٰ کی ذات اقدس سے جزئیت کی نسبت سمجھنے لگے۔ (والعیاذ باللہ) حالانکہ عرب میں اضافت کی بہت سی قسمیں ہیں، ان میں ایک قسم اضافت تشریف بھی ہے۔ جیسی بیت اللہ میں اس اضافت کا مطلب بھی یہ نہیں کہ اس بیت محترم کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی ذات مقدس کو تمکن کا حقیقۃً کوئی علاقہ ہے بلکہ صرف اس کی شرافت کا اظہار مقصود ہے روح اللہ اور کلمۃ اللہ کی اضافت کا مفہوم بھی تشریف سے زیادہ اور کچھ نہیں۔ یہاں شیخ اکبرؒ نے ایک اور لطیف تحقیق لکھی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یوم میثاق میں تمام ارواح سے عہد لیکر سب کو تو سپر اصلاب آباء میں واپس کر دیا گیا تھا ایک حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی روح تھی جو واپس نہیں کی گئی تھی اسکو حضرت جبرئیل علیہ السلام کے سپرد کر دیا گیا تھا تاکہ جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی ولادت کا زمانہ آئے تو وہ اس امانت الٰہیہ کو براہ راست حضرت مریمؑ کے حوالہ کر دیں۔ چنانچہ جب ان کی ولادت کا زمانہ آیا تو وہ ایک خوبصورت انسان کی شکل میں متشکل ہوئے اور یہ امانت ان کے حوالہ کر گئے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے روح اللہ اور روح منہ ہونے کی حقیقت یہ ہے (دیکھو الیواقیت والجواہر ص۱۱۱ ج۲) اس تحقیق کا ابتدائی حصہ مسند امام احمد میں بھی مذکور ہے اور صاحب مشکوٰۃ نے بھی تقدیر کے باب میں اس کو نقل کیا ہے۔

حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ نجات ابدی کا تمام دارومدار ایمان و عقائد کی اصلاح پر ہے۔ اس میں کوئی ادنیٰ فروگذاشت بھی قابل درگذر نہیں ہو سکتی۔ ہاں اعمال کی ہر کمزوری قابل درگذر ہو سکتی ہے۔ اسلامی تمام عقائد کی روح توحید و رسالت ہے

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

(الف ۲۹۱) عَنْ يُوسُفَ بْنِ عَبْدِ اللهِ بْنِ سَلَامٍ عَنْ أَبِيهِ قَالَ بَيْنَمَا نَحْنُ نَسِيرُ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذْ سَمِعَ الْقَوْمَ وَهُمْ يَقُولُونَ أَيُّ الْأَعْمَالِ أَفْضَلُ يَا رَسُولَ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِيمَانٌ بِاللهِ وَرَسُولِهِ وَجِهَادٌ فِي سَبِيلِ اللهِ وَحَجٌّ مَبْرُورٌ ثُمَّ سَمِعَ نِدَاءً فِي الْوَادِي يَقُولُ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صلى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَا أَشْهَدُ وَأَشْهَدُ أَنْ لَا يَشْهَدَ بِهَا أَحَدٌ إِلَّا بَرِئَ مِنَ الشِّرْكِ. رواه احمد والطبرانی فی الکبیر قال الهیثمی ورجال احمد موثقون۔

(ب ۲۹۱) يحيى عَنْ عُبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ أَنَّهُ قَالَ دَخَلْتُ عَلَيْهِ وَهُوَ فِي الْمَوْتِ فَبَكَيْتُ فَقَالَ مَهْلًا لِمَ تَبْكِي فَوَاللهِ لَئِنِ اسْتُشْهِدْتُ لَأَشْهَدَنَّ لَكَ وَلَئِنْ شُفِّعْتُ لَأَشْفَعَنَّ لَكَ وَلَئِنِ اسْتَطَعْتُ لَأَنْفَعَنَّكَ ثُمَّ قَالَ وَاللهِ مَا مِنْ حَدِيثٍ سَمِعْتُهُ مِنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ

(الف ۲۹۱) عبداللہ بن سلام بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر کر رہے تھے کہ دفعۃً صحابہ کو آپ سے یہ دریافت کرتے سنا، یا رسول اللہ کون سے عمل افضل ہیں آپ نے فرمایا اللہ پر اور اس کے رسول پر ایمان لانا، اللہ کے لئے جہاد کرنا اور جنایت کے بغیر حج کرنا اتنے میں وادی سے ایک آواز سنائی دی کوئی کہنے والا کہتا ہے اشہدان لا الہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ۔ یہ سن کر آپ نے فرمایا میں بھی اس کی گواہی دیتا ہوں اور اس کی بھی کہ جو شخص یہ گواہی دے اس نے شرک سے اپنی بیزاری کا اظہار کر دیا۔

(ب ۲۹۱) یحیٰی بیان کرتے ہیں کہ میں عبادۃ بن الصامت کی خدمت میں ایسے وقت پہنچا جبکہ وہ نزع کی حالت میں تھے۔ ان کو دیکھ کر مجھ پر گریہ طاری ہو گیا۔ انھوں نے فرمایا ٹھہرو کیوں روتے ہو، اگر تمہارے حق میں مجھ سے شہادت طلب کی گئی تو میں تمہارے لئے شہادت دونگا اور اگر میری سفارش منظور کی گئی تو تمہار

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) مگر وہ توحید نہیں جس کو عقیدۂ تثلیث کے ساتھ نبھایا جا سکے بلکہ وہ توحید جس میں مثال و نظیر کی شرکت کی گنجائش نہ ہو اس لئے نصاریٰ کو یہ اقرار کرنا ہوگا کہ حضرت عیسٰی علیہ السلام خدا کے بیٹے نہیں تھے بلکہ اس کے بندہ تھے اور یہود کو یہ ماننا پڑے گا کہ وہ ملعون (والعیاذ باللہ) نہیں تھے بلکہ خدا کے مقدس رسول تھے، کلمۃ اللہ بھی تھے اور روح اللہ بھی راہ اعتدال بس یہی ہے اس کے بغیر جنت میں داخلہ نہیں ہو سکتا۔

) اس روایت سے معلوم ہوا کہ توحید کا اصل رکن شرک سے بیزاری ہے۔ جن عقائد میں شرک کی آمیزش ہے وہ اسلامی توحید کے منافی ہیں۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ توحید و رسالت اسلام کے وہ بنیادی اصول ہیں جن کے ماننے سے انبیاء علیہم السلام خود بھی مستثنیٰ نہیں ہیں۔ ان کے لئے بھی یہ اسی طرح واجب التسلیم ہیں جس طرح ان کی امت کے لئے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ ایمان صرف ایک علم نہیں بلکہ قلب کا اختیاری عمل ہے جیسا جہاد اور حج جوارح کے عمل ہیں۔

فِيهِ خَيْرٌ إِلَّا حَدَّثْتُكُمُوهُ إِلَّا حَدِيثًا وَاحِدًا وَسَوْفَ أُحَدِّثُكُمُوهُ الْيَوْمَ وَقَدْ أُحِيطَ بِنَفْسِي سَمِعْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ عَلَيْهِ النَّارَ (اخرجہ مسلم)

(۲۹۲) عَنْ أَبِي بَكْرٍ الصِّدِّيقِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا نَجَاةُ هٰذَا الْأَمْرِ الَّذِي نَحْنُ فِيهِ فَقَالَ مَنْ شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَهُوَ لَهُ نَجَاةٌ (اخرجہ ابویعلی والعقیلی والدارقطنی فی الافراد)

---

لئے ضرور سفارش کروں گا اور اگر کوئی نفع رسانی میرے بس میں ہوگی تو میں ہرگز اس سے بھی دریغ نہیں کروں گا۔ اس کے بعد فرمایا بخدا کوئی حدیث ایسی نہیں جس میں تمہارے لئے کوئی بہتری کی بات ہو اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہو مگر اس کو میں نے تم سے بیان کر دیا ہے صرف ایک حدیث باقی ہے اور آج جبکہ میرا طائر روح قفس عنصری سے پرواز کرنے والا ہے اسے بھی تم سے بیان کئے دیتا ہوں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو شخص اس کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے پیغمبر ہیں تو اللہ تعالیٰ اس پر عذاب دوزخ حرام کر دیگا۔ (مسلم)

(۲۹۲) ابوبکر صدیق رضؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ہمارے دین میں مدار نجات کیا چیز ہے فرمایا جو اس بات کی گواہی دے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ بس یہی اس کے لئے باعث نجات ہے۔

---

(۲۹۲) مسند امام احمد میں اس حدیث کے شروع میں حضرت عثمانؓ کا ایک طویل واقعہ ذکر کیا ہے جس کو صاحب مشکوٰۃ نے باب الکبائر میں نقل کیا ہے۔ حضرت عثمانؓ روایت فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وفات ہوگئی تو صحابہ کے دلوں پر غم کے پہاڑ ٹوٹ پڑے اور ان کے دلوں میں طرح طرح کے وساوس گذرنے لگے میں بھی ان ہی میں کا ایک فرد تھا میں اسی غم واندوہ کے حال میں بیٹھا ہوا تھا کہ عمرؓ میرے پاس سے گذرے انھوں نے سلام کیا مگر مجھے کچھ خبر نہ ہوئی انھوں نے ابوبکرؓ سے اس بات کی شکایت کی وہ دونوں مل کر میرے پاس آئے اور سلام کیا ابوبکرؓ بولے آپ نے اپنے بھائی عمرؓ کے سلام کا جواب کیوں نہیں دیا۔ میں نے کہا میں نے تو ہرگز ایسا نہیں کیا عمرؓ نے فرمایا خدا کی قسم آپ نے ضرور یہ بے اعتنائی کی ہے۔ انھوں نے فرمایا بخدا مجھے تو اپنے غم میں یہ خبر تک نہ ہوئی کہ آپ یہاں سے گذرے تھے اور مجھے سلام کیا تھا۔ ابوبکرؓ نے فرمایا عثمانؓ نے سچ کہا انھیں ایک بڑے معاملہ کی فکر نے ادھر سے بے خبر بنا دیا تھا۔ میں نے کہا یہی بات تھی۔ انھوں نے فرمایا تو فرمائیے وہ فکر کیا ہے میں نے کہا فکر یہ ہے کہ آپ کی تو وفات ہوگئی اور ہم آپ سے یہ تحقیق نہ کر سکے کہ دین میں مدار نجات کیا چیز ہے۔ ابوبکرؓ بولے میں اس کی تحقیق کر چکا ہوں۔ یہ سن کر میں ان کی تعظیم کیلئے کھڑا ہوگیا اور میں نے کہا میرے والدین آپ پر قربان ہوں آپ ہی اس تحقیق کے سب سے زیادہ اہل تھے (تو بتلائیے وہ بات کیا ہے) انھوں نے فرمایا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا دین میں مدار نجات کیا چیز ہے؟ آپ نے فرمایا جو شخص وہی ایک کلمہ جسے میں نے اپنے چچا کے سامنے پیش کیا تھا اور انھوں نے نہ مانا تھا میری جانب سے قبول کر لے گا تو وہی اس کے لئے نجات کا موجب ہو جائیگا۔

(۲۹۳) زعم محمودٌ أنه عقل رسول الله صلى الله عليه وسلم مجة مجها من دلو كانت من دارهم قال سمعت عتبان بن مالك الانصاري ثم احد بني سالم قال غدا على رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال لن يوافي عبد يوم القيامة يقول لا اله الا الله يبتغي به وجه الله الا حرم الله عليه النار۔ (رواه البخاري)

(۲۹۴) عن عمر بن الخطاب قال كنا مع النبي صلى الله عليه وسلم في غزوة تبوك فاصابنا جوع شديد فقلنا يا رسول الله ان العدو قد حضر وهم شباع والناس جياع فقالت الانصار الا ننحر نواضحنا فنطعمها الناس فقال النبي صلى الله عليه وسلم لا بل يجئ كل رجل منكم بما في رحله وفي لفظ من كان معه فضل طعام فليجئ به وبسط نطعا فجعل الرجل يجئ بالمد والصاع واكثر واقل فكان جميع ما في الجيش بضعا وعشرين صاعا فجلس النبي صلى الله عليه وسلم الى جنبه ودعا بالبركة ثم دعا الناس فقال بسم الله خذوا

---

(۲۹۳) محمود بن ربیع کہتے ہیں کہ مجھے وہ کلی خوب یاد ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمارے گھر کے ڈول سے پانی پی کر میرے مُنہ پر ڈالی تھی۔ محمود بیان کرتے ہیں کہ میں نے عتبان بن مالک انصاری سے سنا ہے۔ وہ فرماتے تھے کہ ایک روز میرے پاس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور فرمایا جو بندہ ایسا ہوگا کہ اس نے لا الہ الا اللہ صرف اللہ کی رضامندی حاصل کرنے کے لئے کہا ہوگا اللہ تعالیٰ اس پر دوزخ کی آگ ضرور حرام کردے گا۔ (بخاری شریف)

(۲۹۴) عمر بن الخطابؓ کہتے ہیں کہ ہم غزوہ تبوک میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ تھے (زادراہ کے فقدان کی وجہ سے) ہمیں سخت بھوک کی نوبت آئی ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ دشمن سامنے موجود ہے وہ شکم سیر ہے اور ہم لوگ بھوکے۔ انصار نے کہا تو کیا ہم اپنی اونٹنیاں ذبح کرکے ان کا گوشت لوگوں کو نہ کھلادیں۔ آپ نے فرمایا ایسا نہ کرو بلکہ ہر ایک کے کجاوہ میں جو کچھ ہو، یا یہ فرمایا جس کے پاس کچھ بچا ہوا کھانا ہو وہ میرے پاس لے آئے اور (یہ کہہ کر) آپ نے چمڑے کا ایک دسترخوان بچھایا۔ کوئی ایک مد لایا، کوئی ایک صاع، کوئی اس سے زیادہ اور کوئی اس سے کم۔ اس وقت تمام لشکر میں کھانے کی جو مقدار جمع ہوسکی وہ بیس صاع سے کچھ زیادہ ہوگی آپ اس کے ایک طرف بیٹھ گئے اور اسمیں برکت کیلئے دعا فرمائی۔ اس کے بعد لوگوں کو آواز دی اور فرمایا لو بسم اللہ کہکر اب اسمیں سے اطمینان کے ساتھ لیتے جاؤ اور لوٹ نہ مچاؤ۔ لوگ لے لے کر اپنے اپنے توشہ دان اور گونوں اور برتنوں میں بھر بھر کر لیجانے لگے۔ یہاں تک کہ (کسی کو کچھ نہ ملا تو اس نے) اپنی آستین ہی کا منہ باندھ کر اسی کو بھر لیا۔ یہ تمام لشکر اپنا راشن

وَلَا تَتَّهِمُوا فَجَعَلَ الرَّجُلُ يَأْخُذُ فِي جِرَابِهِ وَفِي غِرَارَتِهِ وَأَخَذُوا فِي أَوْعِيَتِهِمْ حَتَّى إِنَّ الرَّجُلَ لَيَرْبِطُ كُمَّ قَمِيصِهِ فَيَمْلَأُهُ فَفَرَغُوا وَالطَّعَامُ كَمَا هُوَ ثُمَّ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ لَا يَأْتِي بِهِمَا عَبْدٌ مُحِقٌّ إِلَّا وَقَاهُ اللهُ حَرَّ النَّارِ۔ اخرجه ابن راهويه والعدنی وابو یعلی والحاکم وغیرهم۔

(۲۹۵) عَنْ رِفَاعَةَ الْجُهَنِيِّ قَالَ أَقْبَلْنَا مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتَّى إِذَا كُنَّا بِالْكَدِيدِ أَوْ قَالَ بِقُدَيْدٍ فَجَعَلَ رِجَالٌ يَسْتَأْذِنُونَ إِلَى أَهْلِيهِمْ فَيَأْذَنُ لَهُمْ فَقَامَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَحَمِدَ اللهَ وَأَثْنَى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ مَا بَالُ رِجَالٍ يَكُونُ شِقُّ الشَّجَرَةِ الَّتِي تَلِي رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَبْغَضَ إِلَيْهِمْ مِنَ الشِّقِّ الْآخَرِ فَلَمْ نَرَ عِنْدَ ذٰلِكَ مِنَ الْقَوْمِ إِلَّا بَاكِيًا فَقَالَ رَجُلٌ إِنَّ الَّذِي يَسْتَأْذِنُكَ بَعْدَ هٰذَا لَسَفِيهٌ فَحَمِدَ اللهَ وَقَالَ حِينَئِذٍ أَشْهَدُ عِنْدَ اللهِ لَا يَمُوتُ عَبْدٌ يَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنِّي رَسُولُ اللهِ صِدْقًا مِنْ قَلْبِهِ ثُمَّ يُسَدِّدُ إِلَّا سَلَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ وَقَدْ وَعَدَنِي رَبِّي أَنْ يَدْخُلَ مِنْ أُمَّتِي

لے کر فارغ ہوگیا اور وہ کھانا تھا کہ جوں کا توں ہی رکھا ہوا تھا۔ اس عظیم الشان برکت کے ظہور کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی بھی کہ میں اس کا رسول ہوں، جو بندہ سچے دل کے ساتھ یہ شہادت دے گا اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کی آنچ سے بچالے گا۔ (حاکم)

(۲۹۵) رفاعہ جہنی روایت کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے یہاں تک کہ جب مقام کدید یا قدید (شک راوی ہے) پہنچ گئے تو کچھ لوگ اپنے گھر جانے کے لئے آپ سے اجازت طلب کرنے لگے آپ ان کو اجازت دیتے رہے اس کے بعد آپ کھڑے ہوئے اور خدا کی حمد و ثنا کے بعد فرمایا لوگوں کا حال کیا ہوگیا ہے کہ ان کے نزدیک درخت کا وہ رخ جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف ہوتا ہے اس کی دوسری سمت سے زیادہ مبغوض ہوتا ہے آپ کا یہ فرمانا تھا کہ ہم نے لوگوں میں کسی کو نہ دیکھا جو رونہ رہا ہو۔ ایک شخص نے کہا یا رسول اللہ اس کے بعد اب جو شخص بھی آپ سے جانے کی اجازت مانگے وہ پرلے درجے کا بیوقوف ہوگا۔ یہ سن کر آپ نے خدا کا شکر ادا کیا اور فرمایا میں خدا تعالیٰ کے سامنے گواہی دیتا ہوں کہ جو بندہ بھی سچے دل کو گواہی دیتا ہوا مرے گا کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور اس بات کی کہ میں اس کا رسول ہوں اس کے بعد اس کو اس شہادت پر صحیح طور پر قائم رہنے کی توفیق ملیگی تو وہ سیدھا جنت میں چلا جائے گا اور آپ نے یہ بھی فرمایا کہ میرے پروردگار نے مجھ سے وعدہ کیا ہے کہ میری امت میں ستر ہزار افراد کسی حساب و عذاب کے بغیر جنت میں جائیں گے

سَبْعِيْنَ اَلْفًا لَاحِسَابَ عَلَيْهِمْ وَلَاعَذَابَ وَاِنِّيْ لَاَرْجُوْ اَنْ لَايَدْخُلُوْهَا حَتّٰى تَبَوَّؤُا اَنْتُمْ وَمَنْ صَلَحَ مِنْ اٰبَائِكُمْ وَاَزْوَاجِكُمْ وَذُرِّيَّاتِكُمْ مَسَاكِنَ فِي الْجَنَّةِ۔

(وعنہ من طریق ثانی) قَالَ صَدَرْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ مَكَّةَ فَجَعَلَ النَّاسُ يَسْتَاْذِنُوْنَهٗ فذکر الحدیث قَالَ وَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اِنَّ الَّذِيْ يَسْتَاْذِنُكَ بَعْدَ هٰذِهٖ لَسَفِيْهٌ فِيْ نَفْسِيْ ثُمَّ اِنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَمِدَ اللّٰهَ وَقَالَ خَيْرًا ثُمَّ قَالَ اَشْهَدُ عِنْدَ اللّٰهِ وَكَانَ اِذَا حَلَفَ قَالَ وَالَّذِيْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ مَامِنْ عَبْدٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ ثُمَّ يُسَدَّدُ اِلَّا سُلِكَ فِي الْجَنَّةِ فذکر الحدیث۔

(وعنہ من طریق ثالث) قَالَ اَقْبَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حَتّٰى اِذَا كُنَّا بِالْكَدِيْدِ اَوْ قَالَ بِعَرَفَةَ فذکر الحدیث۔ رواہ احمد والطبرانی والبغوی والباوردی وابن قانع وابن ماجہ بعضہ قال الھیثمی ورجالہ موثقون۔

(۲۹۶) عَنْ عُثْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ كَلِمَةً لَايَقُوْلُهَا عَبْدٌ حَقًّا مِنْ قَلْبِهٖ اِلَّا حُرِّمَ عَلَى النَّارِ فَقَالَ لَهٗ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَنَا اُحَدِّثُكَ مَاهِيَ

---

اور مجھے پوری امید ہے کہ جب تک تم، تمہارے باپ، تمہاری بیبیاں اور تمہارے بچے جو جو بھی ان میں نیک ہوں گے جنت میں اپنے اپنے ٹھکانے سے نہ بیٹھ جائیں گے کوئی امت اس میں داخل نہ ہوسکے گی۔

اس کے دوسرے طریقے میں یہ قصہ اس طرح مذکور ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے لوٹ رہے تھے واپسی میں لوگ آپ سے گھر جانے کی اجازت طلب کرنے لگے الحدیث اس میں یہ بھی ہے کہ ابوبکرؓ نے فرمایا میرے خیال میں تو اس کے بعد جو آپ سے جانے کی اجازت مانگے وہ بڑا ہی بیوقوف ہوگا اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ کی تعریف کی اور اچھے کلمات کہے۔ آخر میں فرمایا میں خدا کے سامنے گواہی دیتا ہوں (آپ کی عادت یہ تھی کہ جب آپ قسم کھاتے تو یوں قسم کھایا کرتے تھے، اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمدؐ کی جان ہے) اللہ کا جو بندہ بھی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لے آئے پھر اسے سلامتی کی توفیق نصیب ہوجائے تو وہ سیدھا جنت میں جائے گا۔ الحدیث

اس حدیث کے تیسرے طریقے میں ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ آئے تو جب کدید یا عرفہ کے پاس آگئے الحدیث

(۲۹۶) حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ میں ایک کلمہ ایسا جانتا ہوں جسے اللہ کا کوئی بندہ صدق دل سے نہ کہیگا مگر وہ دوزخ پر حرام کردیا

هِیَ کَلِمَۃُ الْاِخْلَاصِ الَّتِیْ اَعَزَّ اللّٰہُ تَبَارَکَ وَتَعَالٰی مُحَمَّدًا وَاَصْحَابَہٗ وَھِیَ کَلِمَۃُ التَّقْوٰی الَّتِیْ اَلَاصَ عَلَیْھَا نَبِیُّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَبَا طَالِبٍ عِنْدَ الْمَوْتِ شَھَادَۃُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (رواہ احمد ولہ شواھد فی الصحاح)

(۲۹۷) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَفَاتِیْحُ الْجَنَّۃِ شَھَادَۃُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ۔ (رواہ احمد قال الھیثمی ورواہ البزار وفیہ انقطاع قال صاحب التنقیح اخرجہ ایضا ابوداؤد والحاکم)

جائے گا۔ حضرت عمرؓ بولے آؤ میں تمہیں بتادوں وہ کلمہ کیا ہے۔ وہ کلمۂ اخلاص ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کی جماعت کو عزت بخشی ہے اور یہ کلمہ وہی کلمہ تقویٰ ہے جس کے قبول کرنے کے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے چچا ابوطالب کی وفات کے وقت منت کرتے رہے۔ وہ کلمہ اس بات کی گواہی ہے کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ۔ (مسند احمد)

(۲۹۷) معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا جنت کی کنجیاں کلمہ لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دینا ہے۔ (احمد)

(۲۹۷) یعنی جس طرح ہر مقفل مکان کی ایک خاص کنجی ہوتی ہے اور وہ اپنی اسی کنجی سے کھولا جاسکتا ہے اسی طرح خدا تعالیٰ کی جنت کی بھی ایک خاص کنجی ہے جس کے بغیر وہ کھولی نہیں جائے گی۔ وہ کنجی لا الٰہ الا اللہ یعنی عقیدہ توحید ہے۔

امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں وہب بن منبہ سے روایت کیا ہے کہ کسی نے ان سے پوچھا کیا کلمہ لا الٰہ الا اللہ جنت کی کنجی نہیں (یعنی پھر عمل کی کیا ضرورت ہے) تو انھوں نے فرمایا کیوں نہیں مگر کنجی کے لئے دندانے بھی ہوتے ہیں اگر تم ایسی کنجی لیکر آؤ گے جس کے دندانے سالم ہوں تو تمہارے لئے جنت کا دروازہ کھولدیا جائے گا ورنہ تو بکھولا جائیگا۔

یہاں وہب بن منبہ نے سائل کو اس کی دماغی ساخت کے مطابق جواب دیدینے کی کوشش کی ہے ورنہ ظاہر ہے کہ یہ محض ایک مؤثر اسلوب بیان تھا اس کو مسئلہ کی پوری حقیقت سمجھ لینی غلط ہے۔ لا الٰہ الا اللہ کے مفتاح ہونے سے آپ کا یہ مطلب تو تھا نہیں کہ اب نجات کے لئے اس کے علاوہ کسی اور امر کی ضرورت ہی باقی نہیں رہی بلکہ مطلب یہ تھا کہ اگر عمدہ سے عمدہ اعمال بھی موجود ہوں سخاوت کے دریا بہہ رہے ہوں۔ شجاعت کا ڈنکا پٹ رہا ہو اور عرب کے مایہ ناز عبادت حج بھی سالانہ ادا کی جارہی ہو، جب بھی جنت کا دروازہ نہیں کھل سکتا جب تک کہ اس کے ساتھ کلمہ لا الٰہ الا اللہ نہ ہو۔ اس لئے کہ ان اعمال میں سے کوئی عمل بھی اس کی اصل کنجی نہیں۔

خلاصہ یہ ہے کہ جنت کے کھلنے نہ کھلنے کا سوال اسی وقت سامنے آسکتا ہے جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا بتایا ہوا یہ کلمہ ساتھ ہو۔ اگر یہ نہیں تو سب کچھ بھی ہو جب بھی کچھ نہیں اب رہا یہ کہ اس کلمہ کی تاثیر کی تفصیلات کیا ہیں تو وہ اس جگہ زیر بحث نہیں اس کے بیان کا محل دوسری حدیثیں ہیں۔

(۲۹۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ سَيُخَلِّصُ رَجُلًا مِّنْ اُمَّتِيْ عَلٰى رُءُوْسِ الْخَلَائِقِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيَنْشُرُ عَلَيْهِ تِسْعَةً وَّتِسْعِيْنَ سِجِلًّا كُلُّ سِجِلٍّ مِثْلُ مَدِّ الْبَصَرِ ثُمَّ يَقُوْلُ اَتُنْكِرُ مِنْ هٰذَا شَيْئًا اَظَلَمَكَ كَتَبَتِي الْحَافِظُوْنَ فَيَقُوْلُ لَا يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ اَفَلَكَ عُذْرٌ قَالَ لَا يَا رَبِّ فَيَقُوْلُ بَلٰى اِنَّ لَكَ عِنْدَنَا حَسَنَةً وَّاِنَّهٗ لَا ظُلْمَ عَلَيْكَ الْيَوْمَ ثُمَّ تُخْرَجُ بِطَاقَةٌ فِيْهَا اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَيَقُوْلُ اُحْضُرْ وَزْنَكَ فَيَقُوْلُ يَا رَبِّ مَا هٰذِهِ الْبِطَاقَةُ مَعَ هٰذِهِ السِّجِلَّاتِ فَيَقُوْلُ

(۲۹۸) عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ میری امت میں سے ایک شخص کو تمام مخلوق کے سامنے نکال کر لائیگا (اس کی سیاہ کاری کا عالم یہ ہوگا کہ اس کے سامنے (اس کے اعمالنامے کے) ننانوے دفتر پھیلا دیئے جائیں گے ہر دفتر وسعت نظر کی بقدر لمبا ہوگا پھر اس سے ارشاد ہوگا ان میں سے کسی بات کا انکار کر سکتے ہو میرے اُن فرشتوں نے جو نیکی بدی لکھنے پر تعینات تھے تم پر کوئی زیادتی تو نہیں کی وہ کہے گا پروردگار نہ تو انکار کر سکتا ہوں اور نہ تیرے فرشتوں نے کوئی زیادتی کی ہے ارشاد ہوگا اچھا تو پھر تمہارے پاس ان گناہوں کا کوئی عذر ہے وہ کہے گا پروردگار کچھ نہیں۔ اس پر ارشاد ہوگا کیوں نہیں ہمارے یہاں تمہاری ایک بہت بھاری نیکی موجود ہے اور آج تم پر کوئی زیادتی نہیں ہوگی اس کے بعد ایک چھوٹا سا پرچہ نکالا جائے گا اس میں کلمۂ طیبہ لکھا ہوا ہوگا۔ اشھد ان لا الہ الا اللہ وان محمد اعبدہ ورسولہ ارشاد ہوگا جاؤ اس پرچہ کا وزن کرا کر دیکھو وہ عرض کرے گا میرے پروردگار بھلا ان لمبے چوڑے دفتروں کے بالمقابل اس پرچہ کا وزن ہی کیا ہوگا ارشاد ہوگا آج تم پر کوئی زیادتی نہیں کی جائے گی۔ آپ نے فرمایا

(۲۹۸) اس حدیث کی شرح میں علماء کے مختلف اقوال ہیں ملا علی قاری مرقاۃ شرح مشکوۃ میں فرماتے ہیں کہ بظاہر یہ وزن تنہا اسی کلمہ کا ہوگا اور یہ بھی ہو سکتا ہے کہ اس شخص کے پاس کچھ نیکیاں بھی ہوں لیکن اس کی نیکیوں کا پلہ اسی کلمہ کی برکت کی بدولت بھاری ہوا ہو اس لئے ذکر اسی کلمہ کا کیا گیا ہو۔ فقہ اکبر کی شرح میں ان کی جو رائے ہے وہ بھی آپ کے ملاحظہ سے گذر چکی ہے یعنی یہ وزن صرف اس کلمہ کے تلفظ کا نہیں بلکہ اس کی اس عمیق حقیقت کا ہے جس کو نور سے تعبیر کیا جاتا ہے اس بندہ کی زبان سے کسی وقت یہ کلمہ شاید اس اخلاص کے ساتھ نکل گیا ہوگا کہ جو اس کا پورا وزن ہے وہ سب کا سب اس کے حصہ میں آگیا ہوگا۔ لا الہ الا اللہ کبھی تو حلق سے اوپر بھی نہیں جاتا اور کبھی ساتوں آسمانوں کو پھاڑ کر عرش عظیم تک جا پہنچتا ہے۔ کوئی شبہ نہیں کہ اللہ کا نام اتنا وزنی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز تولی نہیں جا سکتی مگر اس کا وزن اس کی ادائیگی میں خلوص پر موقوف ہے۔

حضرت استاذؒ کی یہاں ایک عجیب تحقیق اور بھی تھی وہ فرماتے تھے کہ کلمہ طیبہ اذکار میں ایک ذکر بھی ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہ ثواب اس ذکر کا ہو جیسا کہ ملا علی قاری کی رائے ہے مگر یہی کلمہ ایمان حاصل کرنے کے لئے بھی ہوتا ہے۔

إِنَّكَ لَا تُظْلَمُ قَالَ فَتُوضَعُ السِّجِلَّاتُ فِي كِفَّةٍ وَالْبِطَاقَةُ فِي كِفَّةٍ فَطَاشَتِ السِّجِلَّاتُ وَثَقُلَتِ الْبِطَاقَةُ فَلَا يَثْقُلُ مَعَ اسْمِ اللّٰهِ شَيْءٌ (رواه الترمذی وابن ماجہ)

(۲۹۹) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ يَا رَبِّ عَلِّمْنِي شَيْئًا أَذْكُرُكَ بِهِ وَأَدْعُوكَ بِهِ فَقَالَ يَا مُوسَى قُلْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ يَا رَبِّ كُلُّ عِبَادِكَ يَقُولُ هٰذَا إِنَّمَا أُرِيدُ شَيْئًا تَخُصُّنِي بِهِ قَالَ يَا مُوسَى لَوْ أَنَّ السَّمٰوٰتِ السَّبْعَ وَعَامِرَهُنَّ غَيْرِي وَالْأَرَضِينَ السَّبْعَ وُضِعْنَ فِي كِفَّةٍ وَلَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فِي كِفَّةٍ لَمَالَتْ بِهِنَّ

کہ یہ تمام دفتر ایک پلہ میں رکھ دیئے جائیں گے اور یہ پرچہ دوسرے پلہ میں رکھا جائے گا تو دفتروں کا پلہ اٹھ جائے گا اور پرچہ والا پلہ بھاری ہو جائے گا اور اللہ کا نام پاک اتنا وزنی ہے کہ اس کے ساتھ کوئی چیز بھاری نہیں پڑ سکتی۔ (ترمذی - ابن ماجہ)

(۲۹۹) ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایکبار) موسیٰ علیہ السلام نے عرض کیا اے میرے پروردگار مجھے کوئی ایسا وظیفہ تعلیم فرما دے جس کے ذریعہ میں تجھے یاد کیا کروں اور تجھے پکارا کروں ارشاد ہوا موسیٰ لا الہ الا اللہ پڑھا کرو۔ انہوں نے عرض کیا پروردگار یہ کلمہ تو تیرے سارے ہی بندے پڑھتے ہیں میں تو ایسا کلمہ چاہتا ہوں جو خاص طور پر تو مجھے ہی تعلیم فرمائیے۔ ارشاد ہوا موسیٰ اگر ساتوں آسمان اور جو اس میں آباد ہیں میری ذات کے سوا اور ساتوں زمینیں ایک پلہ میں رکھے جائیں اور لا الہ الا اللہ

یعنی اس کلمہ کو پڑھنے سے ایک کافر مسلمان ہو جاتا ہے پس مومن کے قلب میں یہ کلمۂ ایمان ہوتا ہے اور جب وہ تبرک کے لئے اس کو پڑھتا ہے تو یہ اس کا ایک وظیفہ بھی بن جاتا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ یہاں یہ کلمہ اس شخص کا ایمان ہو اگرچہ بظاہر محشر میں وزن صرف اعمال کا ہوگا یعنی نیکی اور بدی کا۔ کفر و ایمان غالباً میزان آخرت میں اعمال کے ساتھ تولے نہیں جائیں گے کیونکہ ایمان اگر تولا جا سکتا ہے تو کفر کے مقابلہ میں ہی تولا جا سکتا ہے اور کفر و ایمان کے جمع ہونے کی کوئی صورت ہی نہیں۔ اس لئے جب اعمال کا وزن شروع ہوگا تو بدیوں کے مقابلہ میں صرف مومن کی نیکیاں ہی رکھی جائیں گی۔ اس کا ایمان میزان آخرت میں نہ رکھا جائے گا لیکن قیامت خدائے تعالیٰ کے نکتہ نوازی اور شان بے نیازی دونوں کے ظہور کا دن ہوگا اس لئے جب اس گنہگار کی بخشش منظور ہوگی تو محض اپنے لطف و کرم سے اس کا ایمان اس کی نیکیوں کے پلہ میں رکھ دیں گے بلا شبہ ایمان کا وزن لا متناہی ہے کہ اگر اسے میزان آخرت میں رکھ دیں تو پھر سیئات کا وزن اس کے مقابلہ میں ہیچ ہے۔ آخر جب کفر کی عمر بھر کی بدیاں اس کلمہ کی بدولت چشم زدن میں سب عفو ہو جاتی ہیں تو زمانۂ اسلام کی برائیاں اس کے سامنے بھلا کب ٹھہر سکتی ہیں یہ کلمۂ ایمانی سب کے پاس ہے اور سب کے ایمان کا وزن لا متناہی ہے لیکن یہاں آئین فضل نے اس کی بخشش کے لئے اسی کے ایمان کے وزن کا ایک بہانہ نکال لیا تھا۔

(۲۹۹) اہل فہم کے لئے یہ نکتہ قابل غور ہے کہ آسمانوں اور ان کی آبادیات کے ذکر کے ساتھ تو غیری یعنی اللہ کی

لَا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ۔ (رواہ فی شرح السنۃ)

(۳۰۰) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا قَالَ عَبْدٌ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ مُخْلِصًا قَطُّ اِلَّا فُتِحَتْ لَہٗ اَبْوَابُ السَّمَآءِ حَتّٰی یُفْضِیَ اِلَی الْعَرْشِ مَا اجْتُنِبَ الْکَبَآئِرُ وَفِیْ رِوَایَتِہٖ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللہُ لَیْسَ لَھَا دُوْنَ اللہِ حِجَابٌ حَتّٰی تَخْلُصَ اِلَیْہِ

رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب۔ وضعف اسنادالثانیہ

دوسرے پلہ میں تو ان سب کے مقابلہ میں لا الہ الا اللہ کا پلہ ہی بھاری پڑے گا۔ (شرح السنہ)

(۳۰۰) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ کا کوئی بندہ اخلاص کے ساتھ لا الہ الا اللہ نہیں کہتا مگر اس کے لئے آسمان کے دروازے فوراً کھولدیئے جاتے ہیں یہاں تک کہ یہ کلمہ عرش تک جا پہنچتا ہے۔ جب تک بندہ کبائر سے اجتناب کرتا ہے اس کلمہ کی پرواز کا عالم یہی رہتا ہے۔ ترمذی کی دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ اللہ کی ذات پاک اور اس کلمہ کے درمیان کوئی روک نہیں یہ کلمہ وہیں جا کر پہنچتا ہے۔ مگر اس کی اسناد کو ترمذی نے ضعیف کہا ہے۔

ذات پاک کا استثنار مذکور ہے مگر زمینوں کے ذکر کے ساتھ یہ استثنار مذکور نہیں اس کی وجہ یہ ہے کہ اللہ کی ذات پاک کا مجازی تصور اگر کیا جا سکتا ہے تو اس کے لئے جہت علو یعنی آسمانوں کی ہی جہت موزوں ہے سادہ فطرت انسان جب تلاش ربوبیت کے لئے سر اٹھاتا ہے تو اس کی نظریں بے اختیار آسمانوں ہی کی طرف اٹھ جاتی ہیں پھر اس مجاز میں اتنی حقیقت بھی ہے کہ تجلیات الٰہیہ کی جتنی حقیقت آسمانوں میں ہے زمینوں میں نہیں اس لئے اس فطرت کا لحاظ رکھتے ہوئے سموات کے ساتھ اللہ کی ذات پاک کا استثنار عین مقتضائے احتیاط ہے اور زمینوں کے تذکرہ کے ساتھ اس کا تذکرہ بے حاجت چیز ہے۔

(۳۰۰) یہ کلمہ نفی ماسوی اللہ کیلئے موضوع ہے اس لئے اس کی نفی کا دامن سارے عالم کو شامل ہونا چاہئے۔ اگر کہیں عرش پر رحمٰن کی تجلی نہ ہوتی تو یہ کلمہ عرش کو بھی یقیناً پار کر جاتا مگر چونکہ عرش پر الا اللہ کے اثبات کا کچھ اتہ پتہ ملتا ہے اس لئے اس سرحد تک جا کر اس کی پرواز ختم ہو جاتی ہے یہی مطلب لیس لہا دون اللہ الحجاب کا ہے علماء اس مضمون کو صرف سمجھ لیتے ہیں اور عرفاء اس کا مشاہدہ بھی کر لیتے ہیں ایسا مشاہدہ جس کے بعد ان کو قسم کھا کر یہ کہنا آسان ہو جاتا ہے ؎

بخدا غیر خدا در دو جہاں چیزے نیست
بے نشانیست کز و نام و نشاں چیزے نیست

یا خص الخواص کی توحید ہے رہ گئے توحید وجودی اور توحید شہودی کے جھگڑے تو ان کا یہ محل نہیں۔ توحید وجودی کے مذاق والوں کے لئے حضرت مولانا قاسم نانوتویؒ کا جملہ آب زر سے لکھنے کے قابل ہے وہ فرماتے ہیں وحدت موجود تو حال ہے اور وحدت وجود حقیقت حال ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

(۳۰۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الذِّكْرِ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَفْضَلُ الدُّعَاءِ اَلْحَمْدُ لِلّٰهِ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(۳۰۲) عَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ وَاَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهُ اَكْبَرُ صَدَّقَهٗ رَبُّهٗ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَاَنَا اَكْبَرُ وَاِذَا قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهٗ لَا شَرِيْكَ لَهٗ يَقُوْلُ اللّٰهُ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا وَحْدِیْ لَا شَرِيْكَ لِیْ وَاِذَا قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لِیَ الْمُلْكُ وَلِیَ الْحَمْدُ وَاِذَا قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ قَالَ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اَنَا لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِیْ وَكَانَ يَقُوْلُ مَنْ قَالَهَا فِیْ مَرَضِهٖ ثُمَّ مَاتَ لَمْ تَطْعَمْهُ النَّارُ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(۳۰۱) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے افضل ذکر لا الٰہ الا اللہ ہے اور خدا کو پکارنے کا سب سے افضل کلمہ الحمد للہ ہے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

(۳۰۲) ابو سعید خدریؓ اور ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ کلمہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ واللہ اکبر تو اس کا پروردگار اس کی تصدیق فرماتا ہے اور کہتا ہے بیشک خدا میرے سوا کوئی نہیں اور میں سب سے بزرگ ہوں اور جب بندہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے خدا کوئی نہیں مگر میں اکیلا میرا کوئی شریک نہیں۔ اور جب وہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ لہ الملک ولہ الحمد تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے خدا کوئی نہیں بجز میرے ملک اور تعریف سب میرے لئے ہے اور جب وہ کہتا ہے لا الٰہ الا اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ تو ارشاد فرماتا ہے کہ خدا کوئی نہیں میرے سوا، اور برائیاں دفع کرنے اور بھلائی حاصل کرنے کی طاقت کسی میں نہیں سوا میری مدد کے اور آپ فرماتے تھے کہ جو شخص اپنی بیماری میں یہ کلمات پڑھے اور اس کی وفات ہو جائے تو آتش دوزخ ہرگز اس کو نہیں کھا سکتی۔

(۳۰۱) کلمہ طیبہ کا افضل الذکر ہونا تو ظاہر ہے اور اسی لئے اس کی پرواز بھی سب اذکار سے بلند ہے۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ سبحان اللہ اور الحمد للہ کا دائرہ صرف زمین اور آسمانوں کے درمیان درمیان ہی محدود رہتا ہے اور آسمانوں کو نفوذ کر کے عرش تک پہنچ جانا یہ صرف اسی کلمہ طیبہ کا خاصہ ہے۔ رہا الحمد للہ کا افضل دعا ہونا تو اس کی وجہ یہ ہے کہ دعا کا لفظ عربی زبان میں اردو کے استعمال سے ذرا جداگانہ ہے۔ عربی میں دعا کسی کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے پکارنے کو کہتے ہیں اور اس ذات بے نیاز کو اپنی طرف متوجہ کرنے کیلئے اس کی تعریف سے بڑھ کر کوئی ذریعہ نہیں اسی لئے سورہ فاتحہ کو الحمد للہ سے شروع کیا گیا ہے۔

## الایمان ھو التصدیق بکل ما جاء بہ النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۳۰۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَشْھَدُوْا اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللہُ وَیُؤْمِنُوْا بِیْ وَبِمَا جِئْتُ بِہٖ فَاِذَا فَعَلُوْا ذٰلِکَ عَصَمُوْا مِنِّیْ دِمَائَھُمْ وَاَمْوَالَھُمْ اِلَّا بِحَقِّھَا وَحِسَابُھُمْ عَلَی اللہِ۔ (رواہ البخاری ومسلم واللفظ لمسلم)

## ایمان دین کی تمام باتوں کی تصدیق کرنے کا نام ہے

(۳۰۳) ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور مجھ پر اور اس تمام دین پر ایمان لائیں جو میں لیکر آیا ہوں، جب یہ عہد کرلیں تو اب انھوں نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچا لیا ہاں جو بازپرس اسلامی ضابطہ کے ماتحت ہوگی وہ اب بھی باقی رہے گی اس کے بعد ان کے باطن کا حساب خدا کے حوالہ ہے وہ جانے کہ ان کا اسلام نمائشی تھا یا حقیقی۔ (مسلم)

(۳۰۳) اس حدیث کے مختلف الفاظ ہیں اس کے سب سے پورے الفاظ یہ ہیں جو ہم نے یہاں نقل کئے۔ بعض الفاظ میں صرف توحید کا ذکر ہے، بعض میں توحید کے ساتھ رسالت کا بھی ذکر ہے اور بعض میں توحید و رسالت کے ساتھ نماز اور زکوٰۃ کا بھی تذکرہ موجود ہے یہ سب ایک ہی مقصد کی مختلف تعبیرات ہیں۔ اصل یہ ہے کہ جب تک آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے تمام دین کو تسلیم نہ کیا جائے ایمان حاصل نہیں ہوتا اب اس حقیقت کی طرف کہیں تو اسلام کے دو مشہور ارکان نماز اور زکوٰۃ ذکر کرکے اشارہ کردیا گیا ہے کہیں تمام دین کو شہادتین کے ضمن میں لپیٹ دیا گیا ہے اور کہیں یہ دیکھ کر کہ صحیح توحید رسول پر ایمان لائے بغیر میسر ہی نہیں آسکتی صرف کلمہ توحید پر کفایت کرلی گئی ہے اور مدعا ان سب کا وہی ایک بات ہے یعنی آپ کے تمام دین کی تصدیق و تسلیم۔

نسائی کے الفاظ میں یہاں الناس کی بجائے المشرکین کا لفظ ہے۔

یہ بات یاد رکھنے کے قابل ہے کہ اس حدیث میں جنگ کے ختم کرنے کی صورت صرف دین الٰہی کی صداقت کا اعتراف قرار دی گئی ہے لیکن اس کا مفہوم جبر و اکراہ نہیں۔ اسلام و کفر دو برابر کی طاقتیں ہیں جو دنیا میں ہمیشہ نبرد آزما رہی ہیں۔ ان کی باہمی جنگ کبھی اکراہ و جبر کی تعریف میں نہیں آسکتی۔ جبر یہ ہے کہ جب اسلام کو اقتدار حاصل ہوجائے تو وہ بے بس لوگوں کی گردنوں پر تلوار رکھ رکھ کر اسلام لانے کے لئے مجبور کرے۔ ہمارے علم میں اسلام کی تاریخ میں کبھی ایسا نہیں کیا گیا بلکہ عین جنگ کی حالت میں بھی چند صورتیں ایسی نکالدی گئی ہیں کہ اگر کفار اسلام قبول کرنا نہ چاہیں اور اپنے دین ہی پر رہنا چاہیں تو مصالحت کرکے یا جزیہ ادا کرکے اپنے دین پر قائم رہ سکتے ہیں لیکن یہ ظاہر ہے کہ مصالحت اور جزیہ عارضی باتیں ہیں ان کو مقاصد کے درجہ پر نہیں رکھا جاسکتا اسلئے اصل مقصد تو دین الٰہی کی اشاعت ہی رہے گا۔ اور اس کے ضمنی

(۳۰۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدِّيْنُ خَمْسٌ لَا يُقْبَلُ مِنْهُنَّ شَيْءٌ دُوْنَ شَيْءٍ شَهَادَةُ اَنْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَاِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَمَلَائِكَتِهٖ وَكُتُبِهٖ وَرُسُلِهٖ وَالْجَنَّةِ وَالنَّارِ وَالْحَيٰوةِ بَعْدَ الْمَوْتِ هٰذِهٖ وَاحِدَةٌ وَالصَّلَوٰاتُ الْخَمْسُ عَمُوْدُ الْاِسْلَامِ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ الْاِيْمَانَ اِلَّا بِالصَّلٰوةِ وَالزَّكٰوةُ طَهُوْرٌ مِنَ الذُّنُوْبِ لَا يَقْبَلُ اللّٰهُ الْاِيْمَانَ وَالصَّلٰوةَ اِلَّا بِالزَّكٰوةِ فَمَنْ فَعَلَ هٰؤُلَاءِ ثُمَّ جَاءَ رَمَضَانُ فَتَرَكَ صِيَامَهٗ مُتَعَمِّدًا لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ مِنْهُ الْاِيْمَانَ وَلَا الصَّلٰوةَ وَلَا الزَّكٰوةَ وَمَنْ فَعَلَ هٰؤُلَاءِ الْاَرْبَعَ وَتَيَسَّرَ لَهُ الْحَجُّ وَلَمْ يَحُجَّ وَلَمْ يُوْصِ بِحَجَّةٍ وَلَمْ يَحُجَّ عَنْهُ بَعْضُ اَهْلِهٖ لَا يُقْبَلُ مِنْهُ الْاِيْمَانُ وَلَا الصَّلٰوةُ وَلَا الزَّكٰوةُ وَلَا الصِّيَامُ۔ (رواه فی الحلیه۔ وقد مر نحوه فی المجلد الاول من ترجمان السنه ص۵۸۶)

(۳۰۴) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دین پانچ چیزوں کا مجموعہ ہے (جو سب کی سب ضروری ہیں) ان میں کوئی جز بھی دوسرے کے بغیر مقبول نہیں۔ اس بات کی شہادت دینا کہ اللہ تعالیٰ کے سوا معبود کوئی نہیں ہے اور حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم اس کے بندے اور رسول ہیں۔ اللہ تعالیٰ، اس کے فرشتے، اس کی کتابوں، اس کے رسولوں، جنت و دوزخ پر یقین رکھنا اور اس پر کہ مرنے کے بعد پھر (حساب وکتاب کے لئے) جی اٹھنا ہے۔ یہ ایک بات ہوئی۔ اور پانچ نمازیں اسلام کا ستون ہیں، اللہ تعالیٰ نماز کے بغیر ایمان بھی قبول نہیں کرے گا۔ زکوٰۃ گناہوں کا کفارہ ہے، زکوٰۃ کے بغیر اللہ تعالیٰ ایمان اور نماز بھی قبول نہیں کرے گا پھر جس نے یہ ارکان ادا کرلئے اور رمضان شریف کا مہینہ آگیا اور کسی عذر کے بغیر جان بوجھ کر اس میں روزہ نہ رکھے تو اللہ تعالیٰ نہ اس کا ایمان قبول کرے گا اور نہ نماز اور نہ زکوٰۃ۔ اور جس شخص نے یہ چار رکن ادا کرلئے اس کے بعد اسے حج کرنے کی بھی وسعت ہوئی پھر اس نے نہ خود حج کیا اور نہ اس کے بعد کسی دوسرے عزیز نے اس کی طرف سے حج کیا تو اس کا ایمان، نماز، زکوٰۃ اور روزے کچھ قبول نہیں۔ (الحلیہ)

(۳۰۴) یہ حدیث الرحمۃ المہداۃ سے نقل کی گئی تھی اس وقت اس کا اصل نسخہ میرے پاس موجود نہیں اس لئے ولم یؤمن بحجہ کا ترجمہ نہیں لکھا گیا ممکن ہے کہ اصل لفظ ولم یامر بحجہ ہو۔ موجودہ لفظ کا کوئی مفید مطلب اس وقت ذہن میں نہیں آیا علماء غور کرلیں۔

اس حدیث سے ہمارے عنوان کا مضمون بخوبی واضح ہے اور اس کی اصل روح وہ ہے جو ترجمان السنہ جلد اول ص۵۸۶ پر زیر عنوان ارکان اسلام کا باہم ربط بیان کی گئی ہے اس لئے اس کو دوبارہ دیکھ لینا چاہیے۔

# من اقام شعائر اللہ فلہ ذمۃ اللہ وذمۃ رسولہ

(۳۰۵) عَنْ اَنَسٍ اَنَّہٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰی صَلٰوتَنَا وَاسْتَقْبَلَ قِبْلَتَنَا وَاَکَلَ ذَبِیْحَتَنَا فَذٰلِکَ الْمُسْلِمُ الَّذِیْ لَہٗ ذِمَّۃُ اللّٰہِ وَذِمَّۃُ رَسُوْلِہٖ فَلَا تُخْفِرُوْا اللّٰہَ فِیْ ذِمَّتِہٖ (رواہ البخاری)

## جس نے شعائر اسلام ادا کرلئے اس کے ساتھ اللہ اور اس کے رسول کا عہد ہوگیا

(۳۰۵) انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو ہماری طرح نماز پڑھے ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرے اور ہمارا ذبیحہ کھالے تو یہ مسلمان وہ ہے کہ اب اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا عہد ہوچکا ہے اس لئے تم (بھی اس عہد کی رعایت کرو اور) اس کو مت توڑو (بخاری)

(۳۰۵) اسی حدیث کی وجہ سے علم کلام میں یہ عنوان مشہور ہوگیا ہے کہ سب اہل قبلہ مومن ہیں ان کی تکفیر نہیں کرنی چاہئے۔ اس کا مطلب یہ سمجھ لیا گیا ہے کہ عام مسلمانوں کے ساتھ قبلہ و نماز میں شرکت کے بعد پھر کسی شخص پر کسی قسم کے اختلاف سے بھی کفر عائد نہیں ہوسکتا۔ حالانکہ یہ مسئلہ بہت غور کے قابل تھا کہ نمازوں میں صرف قبلہ کی طرف منہ کرلینا ایسا کونسا مرکزی رکن ہے جس کے بعد عقائد کا خلل بھی مضرت رساں نہیں ہوتا اس کے ماسوا مسلمانوں کا ذبیحہ کھالینا تو کوئی خاص عبادت بھی نہیں پھر اس کو اسلامی ارکان میں اتنی اہمیت کیوں دی گئی ہے نیز اکل ذبیحہ مسلم، اقامتِ صلوۃ یا استقبال قبلہ کے درجہ کی چیز بھی نہیں پھر اسکو ان اہم اجزاء کے ساتھ ایک سیاق میں کیوں جمع کردیا گیا ہے۔

غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ آپ کے زمانہ میں اہل کتاب اور اہل اسلام کے مابین جو اعمال ما بہ الامتیاز اور حد فاصل تھے وہ یہی اعمال تھے کیونکہ تصدیق اگرچہ اصل ایمان ہے لیکن وہ ایک قلبی صفت ہے اور اقرار اگرچہ زبان کا متعلق ہے مگر وہ بھی وقتی چیز ہے دو دینوں میں کھلا ہوا امتیاز ان کے علیحدہ علیحدہ شعائر کے ذریعہ ہی سے ہوسکتا ہے۔ اسلامی شعائر میں نماز سب سے زیادہ امتیازی عمل ہے اور قبلہ کا معاملہ تو یہود و نصاریٰ کے نزدیک حقانیت مذہب کا معیار تھا حتی کہ ان کے مقابلہ میں قرآن کو یہ تعبیر اختیار کرنی پڑی۔ لیس البران تولوا وجوھکم قبل المشرق والمغرب ولکن البر من اٰمن باللہ والیوم الاٰخر۔ نیکی اور بھلائی صرف مشرق و مغرب کی جانب منہ کرنے کا نام نہیں اصل نیکی اللہ تعالیٰ اور آخرت کے دن پر ایمان لانے کا نام ہے۔ معاشرتی لحاظ سے جس امر میں وہ ہم سے کھلا ہوا احتراز کرتے تھے وہ ذبیحہ کا مسئلہ تھا پس اگر عبادات میں وہ ہماری ہی نماز اور ہمارے قبلہ کا اتباع کرلیتے ہیں اور معاشرتی لحاظ سے ہم سے اتنا ملنے کو تیار ہوجاتے ہیں کہ ہمارا ذبیحہ کھالیتے ہیں تو یہ اس بات کی کھلی شہادت ہوگی کہ اب وہ دل سے ہمارا دین قبول کرچکے ہیں اس لئے ان کے ساتھ خدا اور رسول کا عہد ہوجانا چاہئے اب ان کے ساتھ کوئی بدمعاملگی درحقیقت خدا اور رسول کے ساتھ بدمعاملگی کے مرادف ہوگی۔ لیکن فرض کرلو کہ اگر کسی دور میں کفر کسی اور مذہب کی شکل میں نمودار ہو اس کے مذہبی شعار ان شعاروں سے مختلف ہوں تو اسی حدیث کے مطابق کیا ان کے لئے ضروری ہوگا (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

(٣٠٦) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰى يَقُوْلُوْا لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللهُ فَاِذَا قَالُوْهَا وَصَلَّوْا صَلَاتَنَا وَاسْتَقْبَلُوْا قِبْلَتَنَا وَذَبَحُوْا ذَبِيْحَتَنَا فَقَدْ حَرُمَتْ عَلَيْنَا دِمَاؤُهُمْ وَاَمْوَالُهُمْ اِلَّا بِحَقِّهَا وَحِسَابُهُمْ عَلَى اللهِ (رواہ البخاری)

(٣٠٦) انس بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے یہ حکم ملا ہے کہ میں مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ اس کا اقرار کرلیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ، جب یہ اقرار کرلیں، ہماری طرح نمازیں پڑھیں، ہمارے قبلہ کی طرف منہ کریں اور ہماری طرح ذبح کریں (یعنی اللہ تعالیٰ کے نام پر) تو اب ہمارے لئے ان کی جان و مال بھی قابل احترام سمجھی جائے گی ہاں آئینِ اسلامی کے تحت میں جو مطالبات ہوں گے وہ اب بھی باقی رہیں گے۔ ان کے باطن کا معاملہ خدا کے سپرد۔ (بخاری)

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) کہ وہ اپنی صفائی کے لئے ان مخصوص شعاروں کو ترک کرکے ان کے بالمقابل اسلامی شعائر اختیار کریں۔ آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی عبدیت کا اقرار جتنا ایک نصرانی کیلئے ضروری ہے اتنا ایک یہودی یا دوسرے غیر مسلم کے لئے ضروری کیوں نہیں۔ اس کی وجہ یہی ہے کہ ابنیت مسیح علیہ السلام کا مسئلہ ان ہی کے مذہب کا رکن ہے اس لئے ان کے ایمان پر اس وقت تک اطمینان نہیں کیا جا سکتا جب تک کہ وہ ان کے بندہ اور رسول ہونے کا کھلا ہوا اعتراف نہ کریں۔ خلاصہ یہ ہے کہ ان احادیث کا تعلق ان اندرونی فرقوں کے ساتھ نہیں جو مدعی اسلام ہوں بلکہ ان کے ساتھ ہے جو اپنا دین ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ چھوڑ کر اسلام میں داخل ہونے کا ارادہ کریں۔ حدیث یہ کہتی ہے کہ اگر ان کی عملی زندگی پہلی زندگی سے بالکل علیحدہ ہو چکی ہے اور وہ اسلامی شعائر کی اقامت کرنے لگے ہیں تو ان کے اسلام میں شبہ کرنے کی اب کوئی گنجائش نہیں رہی۔ حدیث کا یہ منشا ہرگز نہیں ہے کہ جو مدعی اسلام یہ تین افعال ادا کرلے وہ پکا مسلمان ہی رہے گا۔ خواہ وہ ہزار قسم کے افعال کفر کرتا رہے۔ آئندہ نوٹ میں حافظ ابن حجرؒ کی عبارت مذکور ہے اس سے بھی ہمارے بیان کی تائید ہوتی ہے۔

(٣٠٦) حافظ ابن حجر ان تین افعال کے تخصیص کی حکمت یہ تحریر فرماتے ہیں۔

وحکمۃ الاقتصار علی ما ذکر من الافعال ان من یقر بالتوحید من اھل الکتاب وان صلوا واستقبلوا وذبحوا لکنھم لا یصلون مثل صلوتنا ولا یستقبلون قبلتنا ومنھم من یذبح لغیر اللہ ومنھم من لا یاکل ذبیحتنا ولھذا قال فی الروایۃ الاخری واکل ذبیحتنا۔ والاطلاع علی حال المرء فی صلوتہ واکلہ یمکن بسرعۃ فی اول یوم بخلاف غیر ذلک من امور الدین۔

صرف ان تین افعال کے ذکر کرنے کی حکمت یہ ہے کہ اہل کتاب جو توحید کے اقرار کے ساتھ نمازیں بھی پڑھتے ہیں، استقبال قبلہ بھی کرتے ہیں اور جانور ذبح کرکے ہی کھاتے ہیں مگر نہ ہماری طرح نماز پڑھتے ہیں نہ ہمارے قبلہ کی طرف منہ کرتے ہیں اور نہ ہمارا ذبیحہ کھاتے ہیں اور کوئی ان میں غیر اللہ کے نام پر بھی ذبح کرتا ہے۔ نماز اور ذبیحۂ مسلم کھالینا ایسے کھلے ہوئے افعال ہیں کہ ان کی اطلاع بسہولت اور بہت جلد ہو سکتی ہے۔ برخلاف دین کے اور افعال کے۔

(باقی حاشیہ صفحۂ آئندہ)

## من ابی قبول بعض الفرائض فقد ابی الاسلام کلہ

(٣٠٧) اِنَّ اَبَا ھُرَیْرَۃَ قَالَ لَمَّا تُوُفِّیَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاسْتُخْلِفَ اَبُوْبَکْرٍ وَکَفَرَ مَنْ کَفَرَ مِنَ الْعَرَبِ قَالَ عُمَرُ یَا اَبَا بَکْرٍ کَیْفَ تُقَاتِلُ النَّاسَ وَقَدْ قَالَ النَّبِیُّ صلی اللہ علیہ وسلم اُمِرْتُ اَنْ اُقَاتِلَ النَّاسَ حَتّٰی یَقُوْلُوْا لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَمَنْ قَالَ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ عَصَمَ مِنِّیْ مَالَہٗ وَنَفْسَہٗ اِلَّا بِحَقِّہٖ وَحِسَابُہٗ عَلَی اللّٰہِ قَالَ اَبُوْبَکْرٍ وَاللّٰہِ لَاُقَاتِلَنَّ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الصَّلٰوۃِ وَالزَّکٰوۃِ فَاِنَّ الزَّکٰوۃَ حَقُّ الْمَالِ وَاللّٰہِ لَوْ مَنَعُوْنِیْ عَنَاقًا کَانُوْا یُؤَدُّوْنَھَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

## اسلام کے کسی ایک قطعی فرض کا منکر اسلام کا ہی منکر شمار ہوتا ہے

(٣٠٧) ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا وصال ہوگیا اور ان کے بعد ابوبکرؓ خلیفہ ہوئے اور عرب میں جن جن قبائل کو کافر بننا تھا وہ کافر بن گئے (تو ابوبکرؓ نے اُن سے جنگ کرنے کا ارادہ فرمایا) حضرت عمرؓ نے کہا اے ابوبکرؓ آپ اُن سے کیسے جنگ کرسکتے ہیں حالانکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد یہ ہے کہ میں اس بات کا حکم دیا گیا ہوں کہ مشرکین سے جنگ جاری رکھوں یہاں تک کہ وہ یہ اقرار کرلیں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ جو شخص یہ اقرار کرلے تو اس نے اپنی جان و مال کو مجھ سے بچا لیا۔ ہاں جو باز پرس اسلامی ضابطہ کے ماتحت ہوگی وہ اب بھی باقی رہے گی۔ رہی یہ بات کہ اس کلمہ کا اقرار دل سے تھا یا زبانی اس کا حساب خدا کے سپرد۔ ابوبکرؓ نے فرمایا خدا کی قسم جو شخص نماز پڑھے گا اور زکوٰۃ کا انکار کرے گا میں اس کے ساتھ بھی ضرور جنگ کروں گا کیونکہ (جس طرح نماز بدنی عبادت ہے اسی طرح)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ)

وفیہ ان امور الناس محمولۃ علی الظاھر فمن اظھر شعار الدین اجریت علیہ احکام اھلہ مالم یظھر منہ خلاف ذلک۔

فتح الباری ج ١٢ ص ٢٩٥

عمدۃ القاری ج ٢ ص ٢٩٧ و ٢٩٨۔

اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی معلوم ہوگیا کہ لوگوں کے ساتھ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ معاملہ ظاہری حالات کے موافق کیا جاتا ہے جو شخص جس دین کے شعاروں کو علی الاعلان ادا کریگا اس کے ساتھ اسی دین و مذہب والوں کا سا معاملہ کیا جائے گا۔ بشرطیکہ اس سے اس کے خلاف کوئی امر سرزد نہ ہو۔

(٣٠٧) قطعیات اور متواترات دین میں تفریق کی کوئی گنجائش نہیں ان میں کسی ایک کے منکر کا حکم بھی وہی ہے جو تمام دین کے منکر کا۔ یہی وجہ تھی کہ حضرت ابوبکرؓ کو منکرین زکوٰۃ سے جنگ کرنے میں کوئی پس و پیش نہ تھا حضرت عمرؓ کو ابتداءً اس معاملہ میں جو تردد رہا اس کا مبنی حضرت استاذ قدس سرہ کے نزدیک صورت واقعہ کی تشخیص میں اختلاف تھا۔ وہ یہ سمجھ رہے تھے کہ منع زکوٰۃ صرف ایک بغاوت کا جرم ہے اور حالات کی نزاکت ابھی اس کی مقتضی نہیں ہے کہ

لَقَاتَلْتُهُمْ عَلٰى مَنْعِهَا قَالَ عُمَرُ فَوَاللّٰهِ مَا هُوَ اِلَّا اَنْ رَاَيْتُ اَنْ قَدْ شَرَحَ اللّٰهُ صَدْرَ اَبِيْ بَكْرٍ لِلْقِتَالِ فَعَرَفْتُ اَنَّهُ الْحَقُّ (رواہ البخاری)

(۳۰۸) عَنْ دَيْلَمِ الْحِمْيَرِيِّ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّا بِاَرْضٍ بَارِدَةٍ نُعَالِجُ فِيْهَا عَمَلًا شَدِيْدًا وَاِنَّا نَتَّخِذُ شَرَابًا

---

زکوٰۃ مالی عبادت ہے خدا کی قسم اگر یہ لوگ مجھے ایک بکری کا بچہ بھی دینے سے انکار کردیں گے جس کو وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دیا کرتے تھے تو میں اس پر ان سے بھی جنگ کروں گا۔ عمرؓ کہتے ہیں خدا کی قسم میں سمجھ گیا کہ ان سے جنگ کے معاملہ میں ان کو پورا پورا شرح صدر ہو گیا ہے بالآخر مجھے بھی یقین ہو گیا کہ حق بات یہی ہے۔ (بخاری شریف)

(۳۰۸) دیلم حمیری روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ ہم سرد ملک میں رہتے ہیں اور وہاں سخت سے سخت محنت و مشقت کے کام کاج کرتے ہیں اس لئے ہم گیہوں

---

حامیوں سے جنگ چھیڑ دی جائے۔ حضرت ابو بکرؓ کے نزدیک یہ ارتداد کی دفعہ میں آتا تھا اسی لئے انہوں نے فرمایا کہ منکر صلوٰۃ اور منکر زکوٰۃ میں آخر کیا فرق ہے۔ اگر منکر صلوٰۃ پر ارتداد کی دفعہ عائد ہوتی ہے تو منکر زکوٰۃ پر کیوں عائد نہیں ہوتی۔ وہ عبادت بدنیہ ہے یہ عبادت مالیہ۔ حافظ زیلعی تحریر فرماتے ہیں۔ وقد یقال ان حرلم یحقق ردتهم یدل علی ذلک فی القصتان ابابکر لما استشارفیهم قال له عمر! یا خلیفۃ رسول اللّٰہ انھم قوم مومنون وانما شحوا باموالھم الخ یعنی اس اختلاف کی توجیہ میں یہ بات بھی کہی گئی ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک ابھی تک ان کا مرتد ہونا ہی ثابت نہ ہوا تھا جیسا کہ اس قصہ میں ان کی گفتگو سے ظاہر ہوتا ہے کہ جب حضرت ابو بکرؓ نے ان لوگوں کے بارے میں مشورہ لیا تو حضرت عمرؓ نے فرمایا اے خدا کے رسول کے خلیفہ یہ تو مومن لوگ ہیں صرف اپنا مال دینے سے بخل کرتے ہیں۔

اس بیان سے ظاہر ہے کہ حضرت عمرؓ کے نزدیک یہ جماعت مومن تھی اور حضرت ابو بکرؓ کو حالات کی تحقیق سے یہ ثابت ہو چکا تھا کہ ان کا جرم ارتداد کی حد تک پہنچ چکا ہے جب بحث و تمحیص کے بعد یہ واقعات و حالات حضرت عمرؓ کے سامنے بھی اسی درجہ واضح ہو گئے تو انہیں بھی حضرت ابو بکرؓ کی رائے سے اتفاق کرنا پڑا۔ حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں فعمر وافق ابابکر علی قتال اھل الردۃ مانعی الزکوٰۃ وکذلک سائر الصحابۃ (منہاج السنہ ج ۳ ص ۲۳۲) آخر کار حضرت عمرؓ اور سب صحابہ نے ان مرتدین سے جنگ کے معاملہ میں حضرت ابو بکرؓ کی رائے سے اتفاق کیا۔ (منہاج السنہ) حضرت قبیصہؓ فرماتے ہیں ھم المرتدون الذین ارتدوا علی عھد ابو بکر فقاتلھم ابو بکر۔ یہ وہ لوگ تھے جو حضرت ابو بکرؓ کے زمانہ میں مرتد ہو گئے تھے اور اس لئے حضرت ابو بکرؓ نے ان سے جنگ کی تھی۔ (بخاری شریف ج ۱ ص ۴۹۰)

اس بحث سے یہ روشن ہو گیا کہ اسلام کے کسی ایک رکن کا منکر اسلام ہی کا منکر ہے تفصیل کے لئے دیکھئے رسالہ اکفار الملحدین مصنفہ حضرت استادؒ

(۳۰۸) پہلی حدیث میں حضرت ابو بکرؓ نے مانعین زکوٰۃ سے جنگ کی تھی اور اس حدیث میں براہ راست

مِنْ هٰذَا الْقَمْحِ نَتَقَوّٰى بِهٖ عَلٰى اَعْمَالِنَا وَعَلٰى بَرْدِ بِلَادِنَا قَالَ هَلْ يُسْكِرُ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ فَاجْتَنِبُوْهُ قَالَ قُلْتُ اِنَّ النَّاسَ غَيْرُ تَارِكِيْهِ قَالَ فَاِنْ لَّمْ يَتْرُكُوْهُ فَقَاتِلُوْهُمْ (رواہ ابوداؤد)

(۳۰۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا كَانَ يَوْمَ بَدْرٍ جِيْئَ بِالْاُسَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَقُوْلُوْنَ فِيْ هٰؤُلَاءِ الْاُسَارٰى فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا يَنْفَلِتَنَّ اَحَدٌ مِّنْهُمْ اِلَّا بِفِدَاءٍ اَوْ ضَرْبِ عُنُقٍ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِلَّا سُهَيْلَ بْنَ بَيْضَاءَ فَاِنَّهٗ سَمِعْتُهٗ يَذْكُرُ الْاِسْلَامَ قَالَ فَسَكَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَمَا رَاَيْتُنِيْ فِيْ يَوْمٍ اَخْوَفَ اَنْ تَقَعَ عَلَيَّ حِجَارَةٌ مِّنَ السَّمَاءِ مِنِّيْ فِيْ ذَالِكَ الْيَوْمِ حَتّٰى قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا سُهَيْلَ بْنَ بَيْضَاءَ قَالَ وَنَزَلَ الْقُرْاٰنُ بِقَوْلِ

کی شراب بناکر استعمال کر لیتے ہیں تاکہ اس کی مدد سے اپنے ملک کی سردی اور اپنے کاموں کی سختی کا مقابلہ کرسکیں، آپ نے پوچھا کیا یہ شراب نشہ آور ہے میں نے کہا نشہ آور تو ہے فرمایا تو پھر اس کے پاس بھی نہ پھٹکو میں نے عرض کیا لوگ تو اس کو چھوڑ نہیں سکتے۔ فرمایا نہ چھوڑیں تو ان سے جنگ کرنا۔ (ابوداؤد)

(۳۰۹) ابن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں جب جنگ بدر ہوچکی تو جو قیدی تھے آپ کے سامنے لائے گئے آپ نے فرمایا بولو ان کے بارے میں تم لوگوں کا کیا مشورہ ہے۔ آپ نے فرمایا ان میں فدیہ یا قتل کے بغیر کسی کو چھوڑنا مناسب نہیں۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے عرض کیا مگر ایک سہل بن بیضاء کا استثناء ضرور کر لیا جائے کیونکہ میں نے ان سے اسلام کی حقانیت کا ذکر سنا ہے۔ یہ کہتے ہیں کہ اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہو رہے۔ مجھے اس دن سے زیادہ کسی دن اس امر کا اتنا خطرہ محسوس نہیں ہوا کہ مجھ پر آسمان سے کوئی پتھر آپڑے جتنا اس وقت محسوس ہو رہا تھا یہاں تک کہ آپ نے اپنی زبان سے فرمادیا اچھا بجز سہل بن بیضاء کے۔ یہ کہتے ہی اس کے

ارشادِ نبوی یہ ہے کہ جو لوگ من حیث الجماعت شراب کے متعلق حکم شرعی کی خلاف ورزی کریں وہ بھی قابل جنگ ہیں اس سے معلوم ہوا کہ کچھ منع زکوۃ یا اقامت صلوۃ، استقبال قبلہ اور اکل ذبیحہ کے خلاف ہی پر موقوف نہیں بلکہ ان کے موجود ہوتے ہوئے بھی اگر اسلام کے کسی قطعی فرض کا انکار ہو تو اس کا حکم بھی وہی ہے جو ان میں سے کسی ایک کے انکار کا۔
یہ خیال بالکل بے بنیاد اور محض احمقانہ ہے کہ استقبال قبلہ کے بعد کوئی سبب کفر بھی موجب کفر نہیں رہتا۔ گویا کوئی شخص کھلے ہوئے اسباب کفر کے ارتکاب کے بعد بھی دائرۂ اسلام سے خارج نہیں ہوسکتا۔ حقیقت یہ ہے کہ جس طرح ان ہر سہ اشیاء میں سے کسی ایک میں اختلاف کرنا پورے اسلام سے اختلاف کرنا ہے اسی طرح اس کے کسی اور فرض قطعی سے اختلاف کرنا بھی اسلام ہی کے اختلاف کے ہم پایہ شمار ہوتا ہے۔ (الیواقیت والجواہر ج ۲ ص ۲۶۹)

عُمَرَ مَا كَانَ لِنَبِيٍّ اَنْ يَكُوْنَ لَهٗ اَسْرٰى حَتّٰى يُثْخِنَ فِى الْاَرْضِ اِلٰى اٰخِرِ الْاٰيَاتِ (رواہ الترمذی)

## ليس الايمان محض العلم وانما هو عقد القلب

(۳۱۰) عَنْ اَبِىْ هُرَيْرَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ اَيُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ فَقَالَ اِيْمَانٌ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ الْجِهَادُ فِىْ سَبِيْلِ اللّٰهِ قِيْلَ ثُمَّ مَاذَا قَالَ حَجٌّ مَبْرُوْرٌ (بخاری شریف)

---

بعد حضرت عمرؓ کی رائے کے موافق قرآن کریم نازل ہوگیا (اور وہ یہ آیت ہے) یہ بات نبی کی شایانِ شان نہیں کہ وہ قیدیوں کو قبول کرے یہاں تک کہ خدا تعالیٰ کی زمین کافروں کے خون سے رنگین نہ کرے (آخر آیت تک) (ترمذی)

## ایمان قلب کا ایک اختیاری عمل ہے صرف علم کا مرتبہ نہیں

(۳۱۰) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا گیا کونسا عمل افضل ہے آپ نے فرمایا اللہ اور اس کے رسول پر ایمان لانا پوچھا گیا کہ پھر کونسا فرمایا اللہ کی راہ میں جہاد کرنا، پوچھا گیا اس کے بعد فرمایا وہ حج جس میں جنابت نہ کی جائے۔ (بخاری)

---

(۳۱۰) حدیث مذکور میں سوال سب سے افضل عمل کی بابت ہے اس کے جواب میں آپ نے ایمان کو افضل اعمال فرمایا ہے معلوم ہوا کہ ایمان علم اور جاننے کا نام نہیں بلکہ عمل کا نام ہے وہ انسان کے باطن کے اختیاری انقیاد کا نام ہے اور احکام اسلامیہ کی پابندی اس انقیاد باطن کی دلیل ہوتی ہے پس ایمان کامل یہ ہے کہ بندہ اپنے ظاہر و باطن کے ساتھ اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کا مطیع بن جائے۔ یہ ایمان ابتداء میں فعل اختیاری ہوتا ہے لیکن جب اور ترقی کرتا ہے تو پھر اختیاری سے غیر اختیاری بن جاتا ہے۔ اس وقت اسے حال سے تعبیر کرتے ہیں اور رسوخ کے بعد بھی مقام کے نام سے موسوم ہو جاتا ہے۔ کیفیت احسان اسی کے ثمرات اور لوازم میں سے ہے اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدیث مذکور میں ایمان کو منجملہ دیگر اعمال کے ایک عمل ہی قرار دیا ہے۔ صرف علم کا مرتبہ کوئی کمال نہیں اس میں کفار بھی شریک ہو سکتے ہیں اسی لئے محدثین کہتے ہیں کہ ایمان قول و عمل کے مجموعہ کا نام ہے جس نے ایمان کو علم سمجھا ہے اس کی مراد بھی وہی علم ہے جس کے ساتھ اختیاری تسلیم بھی موجود ہو۔

## الایمان ھو العھد بالتزام طاعۃ الرسول والانقیاد للدین کلہ ولیس مجرد التصدیق والاقرار

(۳۱۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ رَجُلًا مِنَ النَّصَارٰى مُتَمَسِّكًا بِالْاِنْجِيْلِ وَرَجُلًا مِنَ الْيَهُوْدِ مُتَمَسِّكًا بِالتَّوْرَاةِ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَمِعَ بِيْ مِنْ يَهُوْدِيٍّ اَوْ نَصْرَانِيٍّ ثُمَّ لَمْ يَتَّبِعْنِيْ فَهُوَ فِي النَّارِ (اخرجہ الدار قطنی فی الافراد)

(۳۱۲) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَمِّهٖ قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ اَشْهَدُ لَكَ بِهَا يَوْمَ الْقِيَامَةِ قَالَ لَوْلَا اَنْ تُعَيِّرَنِيْ قُرَيْشٌ يَقُوْلُوْنَ اِنَّمَا حَمَلَهٗ

## ایمان صرف تصدیق و اقرار کا نام نہیں دین اسلام میں داخل ہو جانے اور اس کے تمام احکام کی بجا آوری کا نام ہے

(۳۱۱) عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ اگر ایک نصرانی شخص انجیل پر تو عمل کرتا ہے اور اسی طرح یہودی اپنی تورات پر تو عمل کرتا ہے اور اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول پر ایمان بھی رکھتا ہے مگر اس کے باوجود وہ آپ کے دین کی پیروی نہیں کرتا۔ تو فرمائیے اس کا کیا حکم ہوگا آپ نے فرمایا جو نصرانی اور یہودی میری خبر سن پائے پھر میرے دین کی پیروی نہ کرے تو وہ دوزخ میں جائے گا۔ (دار قطنی)

(۳۱۲) ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے چچا سے فرمایا آپ لا الٰہ الا اللہ کہہ لیجئے کہ قیامت کے دن میں آپ کے حق میں اس کی گواہی تو دے سکوں انھوں نے کہا کہ اگر قریش میرے سر پر بدنامی کا داغ نہ لگاتے کہ میں نے عذاب آخرت پر بے صبری کی وجہ سے

(۳۱۱) اس حدیث میں یہ تصریح موجود ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تشریف آوری کے بعد تمسک بالانجیل اور تمسک بالتورات بھی نجات کے لئے کافی نہیں۔ اگر ایک یہودی یا ایک نصرانی اللہ اور اپنے رسول پر ایمان رکھتا ہو بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صرف تصدیق بھی کر لیتا ہے مگر آپ کے دین کی اتباع کا عہد نہیں کرتا تو اس کا ایمان بھی غیر معتبر رہے گا۔ کسی رسول کی تصدیق کے معنی ہی اس کے اتباع کرنے کے ہیں، اسی لئے یہاں ایمان کو اتباع سے تعبیر کیا گیا ہے کہ تصدیق کی اصل حقیقت اتباع کرنی ہے یہ صرف علم کا مرتبہ نہیں۔

(۳۱۲) ابوطالب کی علمی تصدیق میں کسے شبہ ہو سکتا ہے اور ان کا اقرار بھی ان کے اشعار سے ظاہر ہے پھر وہ کس بات کا انکار کر رہے تھے ؟ صرف آپ کے دین اختیار کرنے کا اور آپ کی اطاعت کرنے کا اور اسی عمل کے فقدان کی وجہ سے جمہور امت نے ان کو مسلمان قرار نہیں دیا۔ قلب جب تک اپنے اختیار سے عہد وفاداری کیلئے تیار نہیں ہوتا اس کی اضطراری تصدیق کارآمد نہیں ہوتی۔

عَلٰی ذٰلِکَ الْجَزَعُ لَاَقْرَرْتُ بِهَا عَیْنَکَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی اِنَّکَ لَا تَهْدِیْ مَنْ اَحْبَبْتَ وَلٰکِنَّ اللّٰهَ یَهْدِیْ مَنْ یَّشَاءُ۔ (رواہ مسلم)

(۳۱۳) وَکَانَ ابْنُ النَّاطُوْرِ صَاحِبُ اِیْلِیَاءَ وَهِرَقْلَ سُقُفًّا عَلٰی نَصَارَی الشَّامِ یُحَدِّثُ اَنَّ هِرَقْلَ حِیْنَ قَدِمَ اِیْلِیَاءَ اَصْبَحَ یَوْمًا خَبِیْثَ النَّفْسِ فَقَالَ بَعْضُ بَطَارِقَتِهٖ قَدِ اسْتَنْکَرْنَا هَیْئَتَکَ قَالَ ابْنُ النَّاطُوْرِ وَکَانَ هِرَقْلُ حَزَّاءً یَنْظُرُ فِی النُّجُوْمِ فَقَالَ لَهُمْ حِیْنَ سَأَلُوْهُ اِنِّیْ رَأَیْتُ اللَّیْلَةَ حِیْنَ نَظَرْتُ فِی النُّجُوْمِ مَلِکُ الْخِتَانِ قَدْ ظَهَرَ فَمَنْ یَّخْتَتِنُ مِنْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَالُوْا لَیْسَ یَخْتَتِنُ اِلَّا الْیَهُوْدُ فَلَا یُهِمَّنَّکَ شَاْنُهُمْ وَاکْتُبْ اِلٰی مَدَائِنِ مُلْکِکَ فَلْیَقْتُلُوْا مَنْ فِیْهِمْ مِنَ الْیَهُوْدِ فَبَیْنَا هُمْ عَلٰی اَمْرِهِمْ اُتِیَ هِرَقْلُ بِرَجُلٍ اَرْسَلَ بِهٖ مَلِکُ غَسَّانَ یُخْبِرُ عَنْ خَبَرِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا اسْتَخْبَرَهٗ هِرَقْلُ قَالَ اذْهَبُوْا فَانْظُرُوْا اَمُخْتَتِنٌ هُوَ اَمْ لَا فَنَظَرُوْا اِلَیْهِ فَحَدَّثُوْا اَنَّهٗ مُخْتَتِنٌ وَسَأَلَهٗ عَنِ الْعَرَبِ فَقَالَ هُمْ یَخْتَتِنُوْنَ فَقَالَ هِرَقْلُ هٰذَا مَلِکُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ قَدْ ظَهَرَ ثُمَّ کَتَبَ هِرَقْلُ اِلٰی صَاحِبٍ لَهٗ

---

یہ کلمہ پڑھ لیا ہے تو میں ضرور (آپ کا حکم مان لیتا اور) آپ کی آنکھیں ٹھنڈی کر دیتا (یعنی آپ کے دین میں داخل ہو جاتا) اس پر یہ آیت نازل ہوگئی انک لا تھدی الخ آپ جسے چاہیں ہدایت نہیں دے سکتے یہ اللہ کا کام ہے وہی جسے چاہے ہدایت نصیب فرمادے۔ (مسلم شریف)

(۳۱۳) ابن الناطور ایلیاء کا حاکم تھا اور ہرقل مذہبی لحاظ سے شام کے نصرانیوں کا سردار تھا۔ بیان کیا جاتا ہے کہ ہرقل جب ایلیا میں آیا تو ایک دن صبح کو بہت پریشان خاطر اٹھا اس کے بعض خواص نے پوچھا ہم (آج) آپ کی حالت کچھ متغیر دیکھتے ہیں (خیر تو ہے) ابن الناطور کہتا ہے کہ ہرقل کاہن بھی تھا علم نجوم میں مہارت رکھتا تھا جب انھوں نے اس سے پوچھا تو اس نے کہا میں نے آج شب جب ستاروں میں غور کیا تو (حساب سے) مجھکو یہ معلوم ہوا کہ ختنہ کرنے والا بادشاہ پیدا ہو چکا ہے تو دیکھو اس زمانہ کے لوگوں میں ختنہ کون کرتا ہے لوگوں نے کہا سوا یہود کے ختنہ کوئی نہیں کرتا تو ان کی طرف سے آپ کوئی اندیشہ نہ کریں اور اپنے ملک کے بڑے بڑے شہروں میں یہ حکم لکھکر بھیجدیں کہ جتنے یہود وہاں ہیں سب قتل کر دیئے جائیں۔ ابھی وہ اسی مشورہ میں مشغول تھے کہ ہرقل کے سامنے ایک شخص حاضر کیا گیا جسے غسان کے بادشاہ نے بھیجا تھا وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کی خبر بیان کرتا تھا۔ ہرقل نے جب اُس سے آپ کے متعلق دریافت کیا تو کہا جاؤ تحقیق کرو کہ وہ ختنہ کئے ہوئے ہیں یا نہیں۔ لوگوں نے

بِرُومِيَةَ وَكَانَ نَظِيرَهُ فِي الْعِلْمِ وَسَارَ هِرَقْلُ إِلَى حِمْصَ فَلَمْ يَرِمْ حِمْصَ حَتَّى أَتَاهُ كِتَابٌ مِنْ صَاحِبِهِ يُوَافِقُ رَأْيَ هِرَقْلَ عَلَى خُرُوجِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَنَّهُ نَبِيٌّ فَأَذِنَ هِرَقْلُ لِعُظَمَاءِ الرُّومِ فِي دَسْكَرَةٍ لَهُ بِحِمْصَ ثُمَّ أَمَرَ بِأَبْوَابِهَا فَغُلِّقَتْ ثُمَّ اطَّلَعَ فَقَالَ يَا مَعْشَرَ الرُّومِ هَلْ لَكُمْ فِي الْفَلَاحِ وَالرُّشْدِ وَأَنْ يَثْبُتَ مُلْكُكُمْ فَتُبَايِعُوا هٰذَا النَّبِيَّ فَحَاصُوا حَيْصَةَ حُمُرِ الْوَحْشِ إِلَى الْأَبْوَابِ فَوَجَدُوهَا قَدْ غُلِّقَتْ فَلَمَّا رَأَى هِرَقْلُ نَفْرَتَهُمْ وَأَيِسَ مِنَ الْإِيمَانِ قَالَ رُدُّوهُمْ عَلَيَّ وَقَالَ إِنِّي قُلْتُ مَقَالَتِي آنِفًا أَخْتَبِرُ بِهَا شِدَّتَكُمْ عَلَى دِينِكُمْ فَقَدْ رَأَيْتُ فَسَجَدُوا لَهُ وَرَضُوا عَنْهُ فَكَانَ ذٰلِكَ آخِرَ شَأْنِ هِرَقْلَ۔ (بخاری شریف)

تحقیق کی تو کہا کہ وہ ختنہ کیے ہوئے ہیں۔ پھر ہرقل نے اس سے عرب کے متعلق پوچھا اس نے کہا وہ ختنہ کرتے ہیں۔ ہرقل نے کہا تو اس دور کے لوگوں کے بادشاہ یہی ہیں جو ظاہر ہو چکے ہیں۔ اس کے بعد ہرقل نے رومیہ میں اپنے ایک دوست کو یہ ماجرا لکھ بھیجا وہ بھی علم و فضل میں ہرقل ہی کے ہمسر کا تھا (یہ لکھکر) ہرقل حمص کی طرف چلا گیا ابھی حمص سے باہر نہیں جانے پایا تھا کہ اس کے دوست کا جواب آ گیا۔ اس نے بھی نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ظہور کے بارے میں ہرقل کی رائے کی موافقت کی اور اس کی بھی کہ آپ واقعی نبی ہیں۔ اس کے بعد ہرقل نے روم کے سرداروں کو اپنے محل میں جو حمص میں تھا (جمع ہونے کے لئے) طلب کیا اور حکم دیا کہ محل کے دروازے بند کر لئے جائیں وہ (حسب الحکم) بند کر دیئے گئے اس کے بعد ہرقل (محل سے) باہر آیا اور یہ تقریر کی اے روم کے باشندو! کیا ہدایت اور کامیابی میں تم بھی اپنا کچھ حصہ لگانا چاہتے ہو، کیا تمہیں یہ منظور ہے کہ تمہاری سلطنت قائم رہے اگر ہے تو اس نبی کی بیعت کر لو (یہ سنتے ہی) وہ لوگ وحشی گدھوں کی طرح دروازوں کی طرف بھاگ پڑے (دیکھا تو) دروازے بند تھے بالآخر ہرقل نے جب (اس درجہ) ان کی نفرت دیکھی اور ان کے ایمان لانے سے مایوس ہو گیا (تو مجبوراً اپنا رنگ بدلا) اور کہا کہ انھیں میرے پاس واپس بلاؤ۔ (جب وہ حاضر ہو گئے) تو کہا میں نے یہ بات جو ابھی کہی تھی صرف تمہارے عقیدہ کی مضبوطی کے امتحان کے لئے کہی تھی وہ مجھے ثابت ہو گئی اس پر لوگوں نے اسے سجدہ کیا اور اس پر خوش ہو گئے۔ ہرقل کا آخری عقیدہ یہی رہا۔

(۳۱۴) عَنْ صَفْوَانَ بْنِ عَسَّالٍ قَالَ قَالَ يَهُودِيٌّ لِصَاحِبِهٖ اِذْهَبْ بِنَا اِلٰى هٰذَا النَّبِيِّ فَقَالَ لَهٗ صَاحِبُهٗ لَا تَقُلْ نَبِيٌّ اِنَّهٗ لَوْ سَمِعَكَ لَكَانَ لَهٗ اَرْبَعُ اَعْيُنٍ فَاَتَيَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَاَلَاهُ عَنْ اٰيَاتٍ بَيِّنَاتٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُشْرِكُوْا بِاللّٰهِ شَيْئًا وَلَا تَسْرِقُوْا وَلَا تَزْنُوْا وَلَا تَقْتُلُوا النَّفْسَ الَّتِيْ حَرَّمَ اللّٰهُ اِلَّا بِالْحَقِّ وَلَا تَمْشُوْا بِبَرِيْءٍ اِلٰى ذِيْ سُلْطَانٍ لِيَقْتُلَهٗ وَلَا تَسْحَرُوْا وَلَا تَاْكُلُوا الرِّبٰوا وَلَا تَقْذِفُوا الْمُحْصَنَةَ وَلَا تَوَلَّوْا لِلْفِرَارِ يَوْمَ الزَّحْفِ وَعَلَيْكُمْ خَاصَّةً الْيَهُوْدَ لَا تَعْتَدُوْا فِي السَّبْتِ قَالَ فَقَبَّلَا يَدَيْهِ وَرِجْلَيْهِ وَقَالَا نَشْهَدُ اَنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ فَمَا يَمْنَعُكَ

(۳۱۴) صفوان بن عسال مرادی بیان کرتے ہیں کہ ایک یہودی نے اپنے رفیق سے کہا ہمیں اس نبی کے پاس لیچلو ہم اون سے اس آیت کی مراد دریافت کریں گے ولقد آتینا موسیٰ الخ وہ بولا ایسا غضب نہ کرنا انھیں نبی نہ کہنا اگر کہیں انھوں نے تمہاری زبان سے نبی کا لفظ سن لیا تو ان کی چار آنکھیں ہوجائیں گی۔ یہ مشورہ کرکے دونوں آپ کی خدمت میں آئے اور ان آیات کے متعلق آپ سے پوچھا، آپ نے فرمایا وہ احکام یہ ہیں کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھیراؤ، چوری نہ کرو، زنا نہ کرو، کسی محترم جان کو قتل نہ کرو مگر ضابطہ میں، جادو نہ چلاؤ، سود نہ کھاؤ، کسی بے گناہ کو کسی صاحب اقتدار کے پاس پکڑ کر نہ لیجاؤ تاکہ وہ اسے مار ڈالے، کسی پاکباز عورت پر تہمت نہ لگاؤ اور جہاد میں پشت نہ پھیرو، اور اے یہود خاص تمہارے لئے یہ حکم اور ہے کہ شنبہ کے دن شکار کھیلنے کے بارے میں اپنی شریعت سے تجاوز نہ کرو۔ یہ جوابات سنکر دونوں نے آپ کے ہاتھوں اور پیروں کو بوسہ دیا اور کہا ہم گواہی دیتے ہیں کہ آپ بلاشبہ خدا تعالیٰ کے

(۳۱۴) حافظ ابن کثیرؒ نے سورۂ بنی اسرائیل کی تفسیر میں یہ حدیث نقل کرکے لکھا ہے وھو حدیث مشکل وعبد اللہ بن سلمۃ فی حفظہ شیٔ وقد تکلموا فیہ۔ اس حدیث کے مضمون میں کچھ الجھاؤ ہے اور وہ یہ کہ قرآن کریم میں تو تسع آیات کے معجزات مراد ہیں۔ اور اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ ان کا مصداق احکام ہیں وہ بھی بجائے نو کے یہاں دس ذکر کئے گئے ہیں۔ حافظ موصوف نے اپنی جانب سے یہ فیصلہ فرمایا ہے کہ اس حدیث کے راوی عبد اللہ بن سلمہ ہیں ان کے حفظ میں کچھ خامی ہے اس لئے ہوسکتا ہے کہ ان کو صحیح الفاظ کے بیان کرنے میں کچھ التباس پڑ گیا ہو۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اصل تذکرہ تورات کے وصایا عشرہ کے متعلق فرمایا ہو اور اس کی بجائے انھیں تسع آیات کا مغالطہ لگ گیا ہو۔

حافظ ابن قیمؒ نے وفود کے آمد کا ذکر کرتے ہوئے لکھا ہے۔ ومن تامل ما فی السیر والاخبار الثابتۃ من شہادۃ کثیر من اھل الکتاب والمشرکین لہ صلی اللہ علیہ وسلم بالرسالۃ انہ صادق فلم تدخلھم ھذہ الشہادۃ فی الاسلام علم ان الاسلام امر وراء ذلک وانہ لیس ھو المعرفۃ فقط ولا المعرفۃ والاقرار فقط بل المعرفۃ والاقرار والانقیاد والتزام طاعتہ ودینہ ظاھرا وباطنا۔ (زاد المعاد ج ۳ ص ۵۵) یعنی جو شخص سیرت کے صحیح واقعات اور مشرکین اور اہل کتاب کی ان شہادتوں پر غور کرے گا جو انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کے متعلق دی ہیں اور اس کے باوجود ان کو مسلمان

اَنْ تَتْبَعُوْنِيْ قَالَا اِنَّ دَاوٗدَ عَلَيْهِ السَّلَامُ دَعَا رَبَّهٗ اَنْ لَا يَزَالَ مِنْ ذُرِّيَّتِهٖ نَبِيٌّ وَاِنَّا نَخَافُ اِنْ تَبِعْنَاكَ اَنْ يَقْتُلَنَا الْيَهُوْدُ۔ (رواہ احمد والترمذی وابوداؤد والنسائی)

(۳۱۵) عَنِ الْحَارِثِ بْنِ ضِرَارٍ الْخُزَاعِيِّ قَالَ قَدِمْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَعَانِيْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَدَخَلْتُ فِيْهِ وَاَقْرَرْتُ بِهٖ وَدَعَانِيْ اِلَى الزَّكٰوةِ فَاَقْرَرْتُ بِهَا وَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرْجِعُ اِلٰى قَوْمِيْ فَاَدْعُوْهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ وَاَدَاءِ الزَّكٰوةِ فَمَنِ اسْتَجَابَ لِيْ جَمَعْتُ زَكٰوتَهٗ فَتُرْسِلُ اِلَيَّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ رَسُوْلًا اِبَّانَ وَقْتِ كَذَا وَكَذَا لِيَاْتِيَكَ بِمَا جَمَعْتُ مِنَ الزَّكٰوةِ فَلَمَّا جَمَعَ الْحَارِثُ الزَّكٰوةَ مِمَّنِ اسْتَجَابَ لَهٗ وَبَلَغَ الْاِبَّانُ الَّذِيْ اَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَبْعَثَ اِلَيْهِ اِحْتَبَسَ الرَّسُوْلُ فَلَمْ يَاْتِ فَظَنَّ الْحَارِثُ اَنْ قَدْ حَدَثَ

---

نبی ہیں۔ آپ نے فرمایا تو پھر میری اتباع کیوں نہیں کرتے (اس کے جواب میں انھوں نے یہ جھوٹا بہانہ بنایا اور) کہا اس لئے کہ داؤد علیہ السلام نے یہ دعا کی تھی کہ ان کی نسل میں ہمیشہ کوئی نہ کوئی نبی ہوتا رہیگا اگر ہم آپ کی تابعداری قبول کرلیں تو اس کا خوف ہے کہ یہود کہیں ہمیں مار نہ ڈالیں۔ (احمد، ترمذی، نسائی، ابوداؤد)

(۳۱۵) حارث بن ضرار خزاعی بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے مجھے اسلام کی دعوت دی۔ میں نے آپ کی دعوت اسلام قبول کرلی اور اسلام میں داخل ہوگیا پھر آپ نے مجھے زکوٰۃ دینے کے لئے فرمایا میں نے اس کا بھی اقرار کرلیا اور عرض کیا یا رسول اللہ میں واپس جاکر اپنی قوم کو بھی اسلام کی دعوت دیتا ہوں اور ان سے زکوٰۃ دینے کے لئے کہتا ہوں پھر جو شخص ان میں میری دعوت قبول کرے گا میں اس کی زکوٰۃ جمع رکھوں گا آپ میرے پاس اپنا کوئی قاصد فلاں فلاں وقت پر بھیجدیں تاکہ جو زکوٰۃ میں جمع کروں وہ آپ کی خدمت میں پہنچادے۔ حارث جب ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کرکے جمع کرچکے جنھوں نے دعوتِ اسلام قبول کرلی تھی اور وہ مقرر کردہ وقت بھی آگیا جس میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا قاصد بھیجنے کا ارادہ فرمایا تھا تو اس وقتِ مقرر پر آپ کا قاصد نہ پہنچا۔ حارث کو یہ خطرہ ہوگیا کہ اللہ اور اس کے رسول کو ان سے کوئی ناگواری تو پیش نہ آگئی ہو (جس کی بنا پر آپ نے اپنا قاصد

---

نہیں سمجھا گیا وہ یہ بات بخوبی سمجھ جائے گا کہ اسلام تصدیق کے ساتھ اور بھی کسی چیز کا نام ہے۔ صرف رسول کی معرفت یا اس کی صداقت کے اقرار کرلینے کا نام نہیں بلکہ اصل ایمان یہ ہے کہ اپنے ظاہر و باطن سے آپ کے دین میں داخل ہونے کا عہد کرے۔ ورنہ بہت سے اہل کتاب نے آپ کی تصدیق کی ہے آپ کی رسالت کا اقرار بھی کیا ہے مگر آپ کا دین اسلام قبول نہیں کیا۔ اسی نکتہ کی بنا پر ان کو مسلمان نہیں کہا گیا۔ (زاد المعاد ج ۳ ص ۵۵)

فِيهِ سَخَطٌ مِنَ اللهِ وَرَسُوْلِهٖ فَدَعَا سَرَوَاتِ قَوْمِهٖ فَقَالَ لَهُمْ اِنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ وَقَّتَ لِي وَقْتًا يُرْسِلُ اِلَيَّ رَسُوْلَهٗ لِيَقْبِضَ مَا كَانَ عِنْدِي مِنَ الزَّكٰوةِ وَلَيْسَ مِنْ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْخُلْفُ وَلَا اَرٰى حَبْسَ رَسُوْلِهٖ اِلَّا مِنْ سُخْطَةٍ كَانَتْ فَانْطَلِقُوْا فَنَأْتِيْ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَبَعَثَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَلِيْدَ بْنَ عُقْبَةَ اِلَى الْحَارِثِ لِيَقْبِضَ مَا كَانَ عِنْدَهٗ مِمَّا جَمَعَ مِنَ الزَّكٰوةِ فَلَمَّا اَنْ سَارَ الْوَلِيْدُ حَتّٰى بَلَغَ بَعْضَ الطَّرِيْقِ فَرِقَ فَرَجَعَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ اِنَّ الْحَارِثَ مَنَعَنِيْ مِنَ الزَّكٰوةِ وَاَرَادَ قَتْلِيْ فَضَرَبَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْبَعْثَ اِلَى الْحَارِثِ وَاَقْبَلَ الْحَارِثُ بِاَصْحَابِهٖ حَتّٰى اِذَا اسْتَقْبَلَ الْبَعْثَ وَفَصَلَ مِنَ الْمَدِيْنَةِ لَقِيَهُمُ الْحَارِثُ فَقَالُوْا هٰذَا الْحَارِثُ فَلَمَّا غَشِيَهُمْ قَالَ لَهُمْ اِلٰى مَنْ بُعِثْتُمْ قَالُوْا اِلَيْكَ

نہ بھیجا ہو) اس لئے انھوں نے اپنی قوم کے چند سر برآوردہ اشخاص کو بلایا اور ان سے کہا کہ آپ نے میرے پاس اپنا قاصد بھیجنے کے لئے ایک وقت مقرر فرمایا تھا تاکہ زکوٰۃ کا جو مال میرے پاس جمع ہو جائے وہ وصول کرلے۔ (مگر قاصد وقتِ مقررہ پر نہیں آیا اور) وعدہ خلافی تو آپ کی ذات سے غیر ممکن ہے اس لئے ہو نہ ہو میرا خیال یہی ہے کہ آپ نے اپنا قاصد کسی ناگواری کی وجہ سے ارسال نہیں فرمایا ہے چلو ہم سب آپ کی خدمت میں چلیں۔ ادھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ولید بن عقبہ کو حارث کے پاس روانہ کردیا تھا تاکہ وہ ان کے پاس سے جمع شدہ زکوٰۃ وصول کرلیں جب ولید روانہ ہوگئے اور ایک راستہ پر پہنچے تو ان کو کچھ خطرہ محسوس ہوا اور ڈر کر وہ واپس لوٹ گئے اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر بولے یا رسولؐ حارثؓ نے مجھے زکوٰۃ دینے سے انکار کردیا اور میرے قتل کا بھی ارادہ کیا۔ آپ نے حارث سے انتقام کے لئے ایک لشکر روانہ فرمایا ادھر حارث اپنی جماعت کو لئے ہوئے مدینہ روانہ ہوچکے تھے جب اس لشکر سے ان کا آمنا سامنا ہوا تو انھوں نے پوچھا تم لوگ کن کے مقابلہ کے لئے بھیجے گئے ہو انھوں نے جواب دیا

(۳۱۵) اس حدیث میں "دخلت فی الاسلام" کے صاف الفاظ موجود ہیں جس سے ثابت ہوتا ہے کہ اسلام صرف تصدیق کرنے کا نام نہیں بلکہ در اصل دین میں داخل ہوجانے کا نام ہے اور کسی دین میں داخل ہونے کا مطلب یہی ہوتا ہے کہ اس کے احکام کی پابندی کا عہد بھی کیا جائے اس لئے اسلام میں داخلہ کا مطلب یہی ہوگا کہ اس کے جملہ احکام کی پابندی کا عہد کیا جائے جو شخص حقانیتِ اسلام کا اقرار تو کرتا ہے مگر اس کے احکام کی

قَالَ وَلِمَ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعَثَ إِلَیْكَ الْوَلِیْدَ بْنَ عُقْبَةَ فَزَعَمَ أَنَّكَ مَنَعْتَہُ الزَّکٰوةَ وَأَرَدْتَ قَتْلَہٗ قَالَ وَالَّذِیْ بَعَثَ مُحَمَّدًا صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِالْحَقِّ مَا رَأَیْتُہٗ بَتَّةً وَلَا أَتَانِیْ فَلَمَّا دَخَلَ الْحَارِثُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنَعْتَ الزَّکٰوةَ وَأَرَدْتَ قَتْلَ رَسُوْلِیْ قَالَ لَا وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ مَا رَأَیْتُہٗ وَلَا رَآنِیْ وَمَا أَقْبَلْتُ إِلَّا حِیْنَ احْتَبَسَ عَلَیَّ رَسُوْلُ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَشْیَةَ أَنْ تَکُوْنَ کَانَتْ سَخْطَةً مِنَ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ قَالَ فَنَزَلَتِ الْحُجُرَاتُ (یَا أَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا إِنْ جَاءَکُمْ فَاسِقٌ بِنَبَإٍ فَتَبَیَّنُوْا أَنْ تُصِیْبُوْا قَوْمًا بِجَھَالَةٍ) الی ھذا المکان فَضْلًا مِّنَ اللّٰہِ وَنِعْمَةً وَاللّٰہُ عَلِیْمٌ حَکِیْمٌ۔ (رواہ احمد)

آپ ہی کے لئے۔ یہ بولے آخر کیوں، انھوں نے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوۃ کی وصولیابی کیلئے ولید کو تمہارے پاس بھیجا تھا ان کا بیان یہ ہے کہ تم نے ان کو زکوۃ دینے سے انکار کر دیا ہے اور (الٹا) ان کے قتل کرنے کا بھی ارادہ کیا ہے، انھوں نے کہا اس ذات کی قسم جس نے محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے میں نے تو ان کو دیکھا بھی نہیں اور وہ تو میرے پاس تک نہیں آئے۔ جب حارثؓ آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے پوچھا، حارث کہو تم نے زکوۃ دینے سے کیوں انکار کیا اور میرے قاصد کے قتل کا بھی ارادہ کیا انھوں نے عرض کیا اس کی قسم جس نے آپ کو سچا رسول بنا کر بھیجا ہے، میں نے تو ان کو اور انھوں نے مجھکو دیکھا تک نہیں اور میں (انتظار کر کے) اس وقت چلا ہوں جب آپ کا قاصد میرے پاس نہیں آیا اور مجھے یہ ڈر ہوا کہ مجھ سے خدا اور اس کا رسول کہیں ناراض تو نہیں ہو گئے۔ اسی پر سورۂ حجرات نازل ہوگئی۔ یا ایھا الذین آمنوا الخ مسلمانو اگر کوئی فاسق آدمی تمہارے پاس کوئی خبر لائے تو اچھی طرح اس کی تحقیق کر لیا کرو ایسا نہ ہو کہ نادانی سے تم کسی قوم پر چڑھ جاؤ الخ ...... (مسند احمد)

بجا آوری کا عہد نہیں کرتا وہ اسلام کا حلقہ بگوش شمار نہیں ہو سکتا۔ اسی نکتہ کی بنا پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی تصدیق کرنے والے بہت سے اشخاص مسلمان شمار نہیں کئے گئے۔ حضرت ابوطالب کے حسب ذیل شعر کا مطلب بھی یہی تھا۔

لولا الملامة او حذار مسبة ۔۔۔ لوجدتنی سمحا بذاك مبینا

اگر مخالفین کی ملامت یا ان کے برا بھلا کہنے کا اندیشہ نہ ہوتا تو آپ مجھے دیکھ لیتے کہ میں آپ کے دین میں بڑی مسرت اور فراخدلی کے ساتھ داخل ہو جاتا۔

## الایمان ھو الرضاء بکل ما قضی به النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۳۱۶) عَنْ عُرْوَةَ بْنِ الزُّبَيْرِ اَنَّهُ حَدَّثَنَا اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَنْصَارِ خَاصَمَ الزُّبَيْرَ فِي شِرَاجٍ مِنَ الْحَرَّةِ يَسْقِي بِهَا النَّخْلَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْقِ يَا زُبَيْرُ فَاَمَرَهُ بِالْمَعْرُوْفِ ثُمَّ اَرْسِلْ اِلٰى جَارِكَ قَالَ الْاَنْصَارِيُّ اَنْ كَانَ ابْنُ عَمَّتِكَ فَتَلَوَّنَ وَجْهُ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ اِسْقِ ثُمَّ احْبِسْ حَتّٰى يَرْجِعَ الْمَاءُ اِلَى الْجَدْرِ وَاسْتَوْعٰى لَهُ حَقَّهُ فَقَالَ الزُّبَيْرُ وَاللّٰهِ اِنَّ هٰذِهِ الْاٰيَةَ اُنْزِلَتْ فِي ذٰلِكَ فَلَا وَرَبِّكَ لَا يُؤْمِنُوْنَ حَتّٰى يُحَكِّمُوْكَ فِيْمَا شَجَرَ بَيْنَهُمْ۔ (رواہ البخاری)

(۳۱۷) عَنْ ضَمْرَةَ اَنَّ رَجُلَيْنِ اِخْتَصَمَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضٰى لِلْمُحِقِّ عَلٰى

## ایمان آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہر فیصلہ پر رضا و تسلیم کے سر جھکا دینے کا نام ہے

(۳۱۶) عروہ بن زبیرؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک انصاری شخص نے ایک سنگستان کی نالی کے بارے میں زبیرؓ کے خلاف مقدمہ دائر کیا۔ اس نالی سے کھجوروں کے باغ کی آبپاشی کی جاتی تھی آپ نے یہ فیصلہ کیا کہ زبیرؓ پہلے تم آبپاشی کر لو پھر اپنے پڑوسی کی طرف پانی جانے دو۔ اس فیصلہ میں آپ نے دونوں کی بھلائی مدنظر رکھی تھی۔ اس پر انصاری بولا (جی ہاں) زبیرؓ آپ کے چچازاد بھائی لگتے ہیں اسی لئے آپ نے ان کے دل لگتا فیصلہ کیا ہے یہ سن کر آپ کا چہرۂ مبارک غصہ کی وجہ سے متغیر ہو گیا اور آپ نے فرمایا زبیرؓ تو اب تم اپنے باغ کو پانی دو اور جب تک پانی ڈولوں تک نہ پہنچ جائے مت چھوڑو۔ اس فیصلہ میں آپ نے زبیرؓ کا پورا پورا حق دلوایا (اور پچھلے فیصلہ میں آپ نے دونوں جانبوں کی رعایت فرمائی تھی) زبیرؓ کہتے ہیں یہ آیت اسی قصہ میں نازل ہوئی تھی فلا وربك الخ تیرے پروردگار کی قسم ہے یہ ایمان نہیں لائیں گے جب تک کہ آپس کے ہر معاملہ میں آپ ہی کو فیصل نہ بنائیں پھر اس پر فراخدلی کے ساتھ راضی بھی نہ ہو جائیں۔ (بخاری شریف)

(۳۱۷) ضمرہؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دو شخص اپنا جھگڑا لیکر

---

(۳۱۷) حافظ ابن کثیرؒ نے ابن ابی حاتم کے حوالہ سے اس واقعہ کو ایک دوسری سند کے ساتھ بھی روایت کیا ہے اس کی اسناد میں ابن لہیعہ ہے اور اس کو مرسل ضعیف قرار دیا ہے اس کے بعد حافظ ابو اسحٰق کی سند سے ایک دوسرا طریقہ پیش کیا جس میں ابن لہیعہ نہیں ہے۔

ان روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کامل جس طرح صرف ایک علم نہیں اسی طرح صرف التزام طاعت بھی نہیں بلکہ ایسی جان سپردگی کا نام ہے جس کے بعد اپنی خواہشات کا کوئی سوال ہی باقی نہ رہے۔ خدا تعالیٰ کو جاننا، اس کو ماننا، اس کے

الْمُبْطِلِ فَقَالَ الْمَقْضِيُّ عَلَيْهِ لَا اَرْضٰى فَقَالَ صَاحِبُهٗ فَمَا تُرِيْدُ قَالَ اَنْ نَّذْهَبَ اِلٰى اَبِيْ بَكْرِ الصِّدِّيْقِ فَذَهَبَا اِلَيْهِ فَقَالَ الَّذِيْ قَضٰى لَهٗ قَدِ اخْتَصَمْنَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضٰى لِيْ فَقَالَ اَبُوْبَكْرٍ اَنْتُمَا عَلٰى مَا قَضٰى بِهٖ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَبٰى صَاحِبُهٗ اَنْ يَّرْضٰى فَقَالَ نَاْتِيْ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ فَقَالَ الْمَقْضِيُّ لَهٗ قَدِ اخْتَصَمْنَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَضٰى لِيْ عَلَيْهِ فَاَبٰى اَنْ يَّرْضٰى فَسَاَلَهٗ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ فَقَالَ كَذٰلِكَ فَدَخَلَ عُمَرُ مَنْزِلَهٗ وَخَرَجَ وَالسَّيْفُ فِيْ يَدِهٖ وَقَدْ سَلَّهٗ فَضَرَبَ بِهٖ رَاْسَ الَّذِيْ اَبٰى اَنْ يَّرْضٰى فَقَتَلَهٗ. فانزل اللہ فلا وربك لا يومنون الآیہ۔ (تفسیر ابن کثیر)

(۳۱۸) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اَدُلُّكَ عَلٰى كَلِمَةٍ

گئے آپ نے جو سچا تھا اس کے حق میں فیصلہ صادر فرمادیا جس شخص کے خلاف فیصلہ ہوا تھا وہ بولا کہ میں تو اس فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا اس کے رفیق نے کہا تو اب اور کیا چاہتے ہو اس نے کہا آؤ ابوبکر صدیقؓ کے پاس چلیں دونوں روانہ ہوگئے اور جس شخص کے حق میں فیصلہ ہوا تھا اس نے روئداد مقدمہ بیان کی کہ ہم اپنا جھگڑا رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ فرمادیا ہے (یہ اس پر راضی نہیں ہوتا) ابوبکرؓ نے (روئداد مقدمہ سنے بغیر کہا) تمہارا فیصلہ وہی رہے گا جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرما چکے ہیں اس کے بعد بھی اس کے رفیق نے رضامندی سے انکار کیا اور کہا اچھا عمر بن الخطابؓ کے پاس چلیں جس شخص کے حق میں فیصلہ ہو چکا تھا اس نے کہا کہ ہم اپنا مقدمہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں لیکر حاضر ہوئے تھے آپ نے میرے حق میں فیصلہ صادر کردیا تھا مگر یہ اس پر راضی نہیں ہوتا۔ عمر بن الخطابؓ نے اس سے دریافت کیا، کیا واقعہ اسی طرح ہے اس نے کہا اسی طرح ہے۔ یہ سن کر وہ اندر تشریف لے گئے اور ہاتھ میں تلوار کھینچے ہوئے باہر تشریف لائے اور جو شخص آپ کے فیصلہ پر راضی نہیں ہوتا تھا اس کا سر اڑادیا۔ اس پر یہ آیت اتر آئی فلا وربك لا یومنون الخ (تفسیر ابن کثیر)

(۳۱۸) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تم کو ایسے کلمہ

ایک ایک حکم کو ماننا اور بالآخر اس کے تمام فیصلوں کے سامنے اس طرح اعتراف و تسلیم کا سر جھکادینا کہ روح کا کامل سرور اور نفس کی پوری مسرت اسی میں منحصر ہوجائے۔ یہ ہے ایمان کامل ؎

سر دو گلہ اختصار می باید کرد یک کار ازیں دو کار می باید کرد
یا تن برضائے دوست می باید داد یا قطع نظر زیار می باید کرد

(۳۱۸) اسلام کے ایک معنی تو عام ہیں اور دوسرے معنی خاص ہیں جس کا مخاطب آیت ذیل میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کو

مِنْ تَحْتِ الْعَرْشِ مِنْ كَنْزِ الْجَنَّةِ لَاحَوْلَ وَلَا قُوَّةَ اِلَّا بِاللّٰهِ يَقُوْلُ اللّٰهُ تَعَالٰى اَسْلَمَ عَبْدِىْ وَاسْتَسْلَمَ۔ (رواہ البیھقی فی الدعوات الکبیر ورواہ رزین عن ابن عمرؓ)

## ذکر ما جاء فی رضاء اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم بما قضاہم وعلیہم

۳۱۹ عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ تَقَاضٰى اِبْنَ اَبِىْ حَدْرَدٍ دَيْنًا كَانَ لَهٗ عَلَيْهِ فِى الْمَسْجِدِ

کی اطلاع نہ دوں جو اس خزانہ میں کا ہے جو عرش کے نیچے ہے وہ کلمہ لاحول ولاقوۃ الا باللہ ہے (برائیوں کے چھوڑنے کی طاقت اور بھلائیوں کے حاصل کرنے کی قوت صرف اللہ تعالیٰ ہی کی مدد سے وابستہ ہے۔ (بندہ جب یہ کلمہ کہتا ہے تو اللہ تعالیٰ فرماتا ہے) اب میرا بندہ مسلمان ہوگیا اور پورا پورا اسلمان ہوگیا۔

## اپنی مرضی کے خلاف فیصلوں پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی شان رضا کی چند مثالیں

(۳۱۹) کعب بن مالک سے روایت ہے کہ ابن ابی حدرد پر ان کا کچھ قرضہ چاہئے تھا انھوں نے

بنا گیا ہے۔ اِذْ قَالَ لَهٗ رَبُّهٗ اَسْلِمْ قَالَ اَسْلَمْتُ لِرَبِّ الْعٰلَمِيْنَ۔ جب اس کے پروردگار نے اس سے کہا کہ اپنے آپ کو (خدا تعالیٰ کے) حوالہ کر دے۔ اس نے جواب میں کہا کہ میں اپنے آپ کو اس اللہ کے حوالہ کر چکا جو تمام جہانوں کا پالنے والا ہے۔ یہ استسلام وہ نہیں ہے جس کی طرف امام بخاریؒ نے کتاب الایمان کے باب اذا لم یکن الاسلام علی الحقیقۃ وکان علی الاستسلام میں اشارہ فرمایا ہے بلکہ قدرت الٰہیہ کے قہر و غلبہ کے اس مشاہدہ کا نام ہے جس کے بعد انسان کو اپنی قدرت و طاقت کی سب داستان محض ایک افسانہ نظر آنے لگتی ہے یہ منزل صرف کلمہ طیبہ زبان سے ادا کر لینے سے حاصل نہیں ہوتی بلکہ اسلام کی اس عملی زندگی گذارنے سے حاصل ہوتی ہے جس میں قدم قدم پر یہ سبق ملتا رہتا ہے کہ اس کو درحقیقت کوئی اختیار نہیں نہ وہ اپنی جان کا مالک ہے نہ مال کا اور نہ سونے جاگنے کا حتی کہ نہ کسی نقل و حرکت کا اس کی ہر ہر حرکت و سکون اور اس کا ایک ایک نطق و سکوت سب ان ہدایات کے ماتحت ہے جو اسلام نے اس کو دی ہیں جب وہ شریعت کے امر و نہی کے سامنے اس طرح گردش کرنے کا عادی ہو جاتا ہے تو اب اس پر یہ راز آشکارا ہونے لگتا ہے کہ درحقیقت یہ اس پر کوئی جبر نہ تھا بلکہ بندگی کی حقیقت یہی تھی۔ جس طرح ایک غلام اپنے نفع و نقصان کی کوئی طاقت نہیں رکھتا اس کے تمام معاملات سب اس کے آقا کے ہاتھ میں ہوتے ہیں اسی طرح بندۂ مومن کا حال ہو جانا چاہئے اور اگر اس کو اس منزل تک رسائی میسر نہیں ہوئی تو کم از کم زبانی طور پر لاحول ولاقوۃ پڑھ کر اس زمرہ کے ساتھ ایک ظاہری مشابہت سے تو محروم نہ رہنا چاہئے۔ زمین و آسمان کے خزائن سب اللہ تعالیٰ کی ملک ہیں وللہ خزائن السموات والارض لیکن زمین کے خزانوں میں برائے گفتن کچھ تمہارا حصہ بھی لگا دیا گیا ہے لیکن وہ سرکاری خزانہ جس کی مخلوق کو ہوا بھی نہیں لگی وہ خالق کے عرش کے نیچے ہے جہاں جنت ہے اسی میں کا ایک در مکنون یہ کلمہ ہے فردائے قیامت میں روشن ہو جائے گا کہ اس کی قیمت خالق کے سوا کوئی نہیں لگا سکتا۔

(۳۱۹) آپ کا یہ حکم بطور کسی قضاء شرعی کے نہ تھا بلکہ صرف باہم مصالحت پر مبنی تھا۔ کعب کے لئے اتنی گنجائش تھی

فَارْتَفَعَتْ اَصْوَاتُهُمَا حَتّٰی سَمِعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِیْ بَيْتِهٖ فَخَرَجَ اِلَيْهِمَا حَتّٰی كَشَفَ سِجْفَ حُجْرَتِهٖ فَنَادٰی يَا كَعْبُ قَالَ لَبَّيْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ ضَعْ مِنْ دَيْنِكَ هٰذَا وَاَوْمَأَ اِلَيْهِ اَیِ الشَّطْرَ قَالَ لَقَدْ فَعَلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ قُمْ فَاقْضِهٖ۔

(۳۲۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ لَبِسَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا قَبَاءً مِنْ دِيْبَاجٍ اُهْدِیَ لَهٗ ثُمَّ اَوْشَكَ اَنْ نَزَعَهٗ فَاَرْسَلَ بِهٖ اِلٰی عُمَرَ فَقِيْلَ قَدْ اَوْشَكَ مَا انْتَزَعْتَهٗ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مسجد میں آکر اس کا تقاضہ کیا اس پر دونوں کی آوازیں اونچی ہوگئیں یہانتک کہ آپ نے گھر میں سن لیا۔ آپ ان کے پاس باہر تشریف لائے اور اپنے مکان کا پردہ اٹھا کر آواز دی کعب! وہ بولے یارسول اللہ حاضر ہوں، آپ نے فرمایا اتنا قرض معاف کردو اور نصف کا اشارہ کیا انھوں نے کہا یارسول اللہ میں نے معاف کیا۔ آپ نے فرمایا ابن ابی حدرد اٹھو اور اس کو ادا کردو (بخاری شریف)

(۳۲۰) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک دن ریشمی قبا زیب تن فرمایا جو آپ کے لئے بطور ہدیہ پیش کیا گیا تھا آپ نے اسے پہنا پھر بہت جلدی سے اتار ڈالا اور حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا لوگوں نے آپ سے دریافت کیا یارسول اللہ (کیا بات تھی کہ) آپ نے اس قبا کو

کہ وہ عذر و معذرت کرنا چاہتے تو کر دیتے لیکن صحابہ کی شان تسلیم و رضا کا یہ عالم تھا کہ ان کے نزدیک ضابطہ اور بے ضابطہ حکم کا فرق ہی باقی نہ رہا تھا ان کے نزدیک آپ کا قلبی میلان اور حکم ناطق دونوں برابر تھے اسی لئے دین ان کے نزدیک اپنی مجموعی شکل کا نام تھا جب اسلام کا دور اختلاط شروع ہوا تو اب یہ بحثیں قائم ہونی شروع ہوگئیں کہ اس کے اجزاء میں باہم توازن کیا ہے کون رکن کا مرتبہ رکھتا ہے اور کون شعبہ کا۔ شان رضا و تسلیم جو ایمان و اسلام کی آخری منزل ہے جب کسی کو میسر آجاتی ہے تو اس کے سامنے یہ سوالات ختم ہوجاتے ہیں اور صرف یہی ایک بات باقی رہ جاتی ہے ؎

زندہ کنی عطائے تو ــــ ور بکشی فدائے تو
دل شدہ مبتلائے تو ــــ ہرچہ کنی رضائے تو

اگر کلمہ لا الٰہ الا اللہ کا عقیدہ رکھنے اور اس کا ورد کرنے والے اتنی بات سمجھ لیتے تو ان کو معلوم ہوجاتا کہ اس نفی و اثبات میں راہ عشق کے کیسے کیسے دقیق رموز پنہاں ہیں اور اس کے بعد ان کو واضح ہوجاتا کہ ایمان صرف ایک علم کا مرتبہ نہیں صرف التزام طاعت اور انقیاد باطن بھی نہیں، بلکہ تسلیم و رضاء کے اس منزل کا نام ہے جس میں نفس اور مقتضیات نفس سب فنا ہوجاتے ہیں اور صرف ایک خدائے تعالیٰ کی ذات پاک مطلوب و مقصود بن کر رہ جاتی ہے اگر ایمان یہ ہے تو پھر اس کی قیمت میں خدا کی وسیع جنت بھی ارزاں ہے ؎

قیمت خود ہر دو عالم گفتہٖ ــــ نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

(۳۲۰) حضرت عمرؓ کی شان رضا و تسلیم نے یہاں محبوب و مکروہ کا فرق بھی اٹھا دیا تھا بس محبوب وہ تھا جو آپ کو محبوب ہوا اور مکروہ وہ تھا جو آپ کے نزدیک مکروہ ہو متنبی کہتا ہے۔

فَقَالَ نَھَانِی عَنْہُ جِبْرِیْلُ فَجَاءَ عُمَرُ یَبْکِیْ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَرِھْتَ اَمْرًا وَاَعْطَیْتَنِیْہِ فَمَالِی فَقَالَ اِنِّیْ لَمْ اُعْطِکَہٗ تَلْبَسُہٗ اِنَّمَا اَعْطَیْتُکَہٗ تَبِیْعُہٗ فَبَاعَہٗ بِاَلْفَیْ دِرْھَمٍ۔ (رواہ مسلم)

(۳۲۱) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ یَوْمًا وَنَحْنُ مَعَہٗ فَرَاٰی قُبَّۃً مُشْرِفَۃً فَقَالَ مَا ھٰذِہٖ قَالَ اَصْحَابُہٗ ھٰذِہٖ لِفُلَانٍ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَسَکَتَ وَحَمَلَھَا فِیْ نَفْسِہٖ حَتّٰی لَمَّا جَاءَ صَاحِبُھَا فَسَلَّمَ عَلَیْہِ فِی النَّاسِ فَاَعْرَضَ عَنْہُ صَنَعَ ذٰلِکَ مِرَارًا حَتّٰی عَرَفَ الرَّجُلُ الْغَضَبَ فِیْہِ وَالْاِعْرَاضَ عَنْہُ فَشَکَا ذٰلِکَ اِلٰی اَصْحَابِہٖ وَقَالَ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاُنْکِرُ

اتارنے میں بہت ہی جلدی کی آپ نے فرمایا کہ جبریل علیہ السلام نے اس کے پہننے سے مجھے منع فرمادیا تھا (جب یہ خبر حضرت عمرؓ کو پہنچی) تو روتے ہوئے آپ کی خدمت میں آئے اور عرض کیا یا رسول اللہ ایک چیز کو آپ نے خود تو برا سمجھا پھر اسے مجھے کیوں دیدیا۔ بھلا جب آپ اُسے برا سمجھتے ہیں تو میں اُسے برا کیوں نہ سمجھوں۔ آپ نے فرمایا میں نے تم کو اس لئے تو دیا نہیں تھا کہ تم اسے پہن لو، میں نے تو اس لئے دیا تھا کہ بیچ لینا حضرت عمرؓ نے اسے دو ہزار درہم میں بیچ ڈالا۔ (مسلم)

(۳۲۱) حضرت انس سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لے گئے ہم بھی آپ کے ساتھ ساتھ تھے آپ نے ایک اونچا سا قبہ دیکھا تو فرمایا یہ قبہ کس کا ہے صحابہؓ نے عرض کیا فلاں انصاری کا ہے آپ خاموش ہوگئے اور اس بات کو اپنے دل میں رکھا جب اس کا مالک آیا اور اس نے سب لوگوں کے درمیان آپ کو سلام کیا آپ نے اس کی طرف کوئی التفات نہ فرمایا چند بار اس نے ایسا ہی کیا یہاں تک کہ وہ شخص آپ کا غصہ اور اپنی جانب سے آپ کی بے التفاتی سمجھ گیا اس نے

مالخل الا من اود بقلبہ وادی بطرف لایری بسوائہ

فقہاء نے اس حدیث سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ بیع وشراء کے جواز کا مسئلہ استعمال کی اباحت و حرمت پر موقوف نہیں بلکہ ملکیت پر موقوف ہے دیکھئے ریشمی کپڑا مردوں کے لئے پہننا حرام ہے اس کے باوجود اس کی بیع درست ہے کیونکہ اس کی ملکیت میں کوئی نقصان نہیں۔ کلیات دین معلوم کرنے کے لئے صرف اتنی بات کافی نہیں ہے اس کے لئے دین کے تمام اصول و ضوابط کا پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے اس لئے اس ایک ہی مسئلے سے کلیات نہ بنائے جائیں۔

(۳۲۱) بلند قبہ بنانا بھی حرام نہ تھا اگر جس دور میں حب دنیا کا تخم قلوب سے مٹایا جارہا تھا اور حب آخرت کا تخم بکھیرا جارہا تھا یہ کیسے ممکن تھا کہ حب دنیا کے اسباب ترقی کو بخوشی گوارا کرلیا جاتا اس لئے اس مصلح اعظم نے اپنے چشم وابرو کے اشاروں سے اپنی بے التفاتی کا اظہار ضروری سمجھا۔ آپ پر قربان ہونے والے صحابی کے لئے یہ اتنی سی بے التفاتی ناقابل برداشت بن گئی۔ واضح رہے کہ اس قبہ کی اہمیت اس ماحول اور اس دور زندگی کے حالات کے اعتبار سے محسوس کی گئی تھی ہمارے دور ترقی میں اب اس قبہ کے حکم میں وہ عمارات داخل ہوسکتی ہیں جو اس زمانہ میں دوسری

رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ خَرَجَ فَرَأَی قُبَّتَكَ فَرَجَعَ الرَّجُلُ اِلٰی قُبَّتِہٖ فَھَدَمَھَا حَتّٰی سَوَّاھَا بِالْاَرْضِ فَخَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَلَمْ یَرَھَا قَالَ مَافَعَلَتِ الْقُبَّۃُ قَالُوْا شَکٰی اِلَیْنَا صَاحِبُھَا اِعْرَاضَكَ فَاَخْبَرْنَاہُ فَھَدَمَھَا فَقَالَ اَمَا اِنَّ کُلَّ بِنَاءٍ وَبَالٌ عَلٰی صَاحِبِہٖ اِلَّا مَالَا یَعْنِیْ اِلَّا مَالَابُدَّ مِنْہُ (رواہ ابوداؤد)

(۳۲۲) عَنْ اَبِیْ اُسَیْدِ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَھُوَ خَارِجٌ مِّنَ الْمَسْجِدِ فَاخْتَلَطَ الرِّجَالُ مَعَ النِّسَاءِ فِی الطَّرِیْقِ فَقَالَ لِلنِّسَاءِ اسْتَاْخِرْنَ فَاِنَّہٗ لَیْسَ لَکُنَّ اَنْ تَحْقُقْنَ الطَّرِیْقَ عَلَیْکُنَّ بِحَافَاتِ الطَّرِیْقِ فَکَانَتِ الْمَرْاَۃُ تَلْصَقُ بِالْجِدَارِ حَتّٰی اَنَّ ثَوْبَھَا لَیَتَعَلَّقُ بِالْجِدَارِ (رواہ ابوداؤد والبیہقی فی شعب الایمان)

اپنے رفقاء سے اس پر اظہار افسوس کیا اور کہا بخدا آپ کی یہ بات تو میں کچھ نئی سی دیکھتا ہوں انھوں نے کہا (ہمیں کچھ اور تو معلوم نہیں) بس اتنی بات ہوئی ہے کہ آپ باہر تشریف لے گئے تھے اور تمہارا قبہ دیکھا تھا وہ شخص فوراً اپنے قبہ کی طرف واپس آیا اور اس کو گرا کر زمین کے برابر کردیا۔ ایک دن کبھی پھر آپ (اس طرف) تشریف لے گئے تو اس قبہ کو نہ دیکھا پوچھا قبہ کیا ہوا عرض کیا اس کے مالک نے آپ کی بے التفاتی پر ہم سے افسوس ظاہر کیا تھا تو ہم نے جو واقعہ تھا وہ اس سے کہدیا تھا بس اس کے بعد ہی اس نے یہ قبہ گرادیا تھا آپ نے فرمایا۔ سن لو ہر تعمیر اپنے بنانے والے کے لئے وبال ہوگی مگر جو بقدر ضرورت ہو۔ (ابوداؤد)

(۳۲۲) ابواسید انصاری سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عورتوں کو یہ حکم دیتے ہوئے سُنا ہے اس وقت آپ مسجد سے باہر نکل رہے تھے دیکھا تو مرد اور عورتیں سب راستہ میں ایک دوسرے کے ساتھ خلط ملط ہوگئے تھے فرمایا تم مردوں کے پیچھے چلا کرو۔ راستہ کے بیچ میں چلنے کا تمہارا کوئی حق نہیں ہے تمہیں راستہ کے کنارے کنارے چلنا چاہئے اس کے بعد حالت یہ ہوگئی کہ ایک عورت دیوار سے اتنا ملکر چلا کرتی تھی کہ اس کا کپڑا دیوار سے رگڑا کرتا تھا۔ (ابوداؤد)

عمارتوں میں وہی نسبت رکھتی ہوں جو اس زمانہ کی عمارتوں میں قبہ کی نسبت تھی مسئلہ کبھی نہیں بدلتا مصلحت ہمیشہ بدلا کرتی ہے اس نے کسی مزید تحقیق کے بغیر قبہ کو گرادیا اور اتنی بڑی قربانی کو اس قابل بھی نہ سمجھا کہ آپ کی مجلس میں آکر اپنی سرخروئی کے لئے اس کا ذکر ہی کردیتا

فراق یار اگر اندک است اندک نیست — درون دیدہ اگر نیم موست بسیار است

(۳۲۲) عام راستہ کسی کی ملکیت نہیں ہوتا مگر آپ کا حکم سننے والی عورتوں نے اپنا حق مرف اتنے ہی حصہ میں سمجھ لیا تھا جتنے حصہ میں سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چلنے کیلئے حکم دیدیا تھا بقیہ حصہ وہ کسی بحث کے بغیر دستبردار ہوچکی تھیں اور اس حکم کی تعمیل جس مبالغہ سے کی جاتی تھی جس کا نقشہ حدیث میں موجود ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جب تک طبیعت رضا و تسلیم کی خوگر نہیں ہوجاتی شریعت پر پورا عمل بھی میسر نہیں آتا۔

(۲۲۲) قَالَ عَمْرٌو كَانَ هٰهُنَا رَجُلٌ اِسْمُهٗ نَوَّاسٌ وَكَانَتْ عِنْدَهٗ اِبِلٌ هِيْمٌ فَذَهَبَ ابْنُ عُمَرَ فَاشْتَرٰى تِلْكَ الْاِبِلَ مِنْ شَرِيْكٍ لَهٗ فَجَاءَ اِلَيْهِ شَرِيْكُهٗ فَقَالَ بِعْنَا تِلْكَ الْاِبِلَ فَقَالَ مِمَّنْ بِعْتَهَا فَقَالَ مِنْ شَيْخٍ كَذَا وَكَذَا فَقَالَ وَيْحَكَ ذَاكَ وَاللّٰهِ ابْنُ عُمَرَ فَجَاءَهٗ فَقَالَ اِنَّ شَرِيْكِيْ بَاعَكَ اِبِلًا هِيْمًا وَلَمْ يَعْرِفْكَ قَالَ فَاسْتَقْهَا فَلَمَّا ذَهَبَ يَسْتَاقُهَا قَالَ دَعْهَا رَضِيْنَا بِقَضَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوٰى (البخاری)

(۲۲۲) عمرو بن دینار رکھتے ہیں یہاں ایک شخص رہتا تھا اس کا نام نواس تھا اور اس کے پاس بیمار اونٹ تھے، ابن عمرؓ گئے اور اس کے شریک سے وہ اونٹ خرید لائے۔ جب اس کا دوسرا شریک آیا تو اس نے کہا آج ہم نے وہ بیمار اونٹ بیچ ڈالے۔ اس نے کہا بھلا کس کے ہاتھ بیچے اس نے کہا ایسی ایسی صورت کے ایک بڑے میاں تھے، اس نے کہا ارے تیرا ناس ہو، خدا کی قسم وہ تو ابن عمرؓ تھے اس کے بعد وہ آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا میرے شریک نے ناواقفی میں آپ کے ہاتھ بیمار اونٹ بیچ دیئے، انھوں نے فرمایا تو ان کو لیجاؤ جب وہ انھیں لیجانے لگا تو فرمایا اچھا رہنے دو ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ پر راضی ہیں۔ آپؐ نے فرما دیا ہے کوئی مرض اڑ کر نہیں لگا کرتا۔ (بخاری شریف)

(۲۲۲) نہایہ میں ہے اہیم اس اونٹ کو کہتے ہیں جسے پیاس کی بیماری ہو وہ پانی پئے اور سیراب نہ ہو۔ یہ بیماری عرب کے نزدیک متعدی امراض میں شمار ہوتی تھی۔ ابن عمرؓ چاہتے تو اس اونٹ کو بیع و شراء کے ضابطہ سے بائع کو واپس کر سکتے تھے مگر چونکہ اس کی تہ میں ایک فاسد عقیدہ کی تقویت ہوتی تھی اور اس کے برقرار رکھنے میں اس کا استیصال ہوتا تھا اس لئے انھوں نے بیع فسخ نہیں کی۔ اور اگرچہ اس خاص واقعہ میں ان کے پاس آپ کا کوئی صریح حکم بھی نہ تھا لیکن ان کی شان رضا و تسلیم نے دوسرے باب کی ایک عام حدیث ہی لیکر اسی کے تحت میں اپنے معاملہ کا فیصلہ کر دیا۔

(۳۲۴) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ كَانَ لِيْ ذُوَابَةٌ فَقَالَتْ اُمِّيْ لَا اَجُزُّهَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمُدُّهَا وَيَاْخُذُهَا (رواه ابوداود)

(۳۲۵) عَنْ اَبِيْ قَتَادَةَ اَنَّهٗ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِيْ جُمَّةً اَفَاُرَجِّلُهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَاَكْرِمْهَا۔ قَالَ فَكَانَ اَبُوْ قَتَادَةَ رُبَّمَا دَهَنَهَا فِي الْيَوْمِ مَرَّتَيْنِ مِنْ اَجْلِ قَوْلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَاَكْرِمْهَا۔ (رواه مالك)

---

(۳۲۴) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ میرے سر پر زلفیں تھیں میری والدہ ماجدہ نے فرمایا کہ میں ان کو (کبھی) نہ تراشوں گی کیونکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم (ازراہ محبت) ان کو کھینچا کرتے اور ان پر ہاتھ پھیرا کرتے تھے۔ (ابوداؤد)

(۳۲۵) ابوقتادہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا میرے سر پر زلفوں والے بال ہیں کیا میں ان میں شانہ کرلیا کروں، آپ نے فرمایا کیوں نہیں ان کا لحاظ بھی رکھا کرو۔ راوی کہتا ہے کہ آپ کے اس فرمان کی وجہ سے ابوقتادہؓ اپنے سر میں کبھی کبھی دو دو بار تیل ڈال لیا کرتے تھے۔ (مالک)

---

(۳۲۴) ظاہر ہے کہ بالوں کا بالکل نہ تراشنا کوئی مسئلہ شرعی نہ تھا بلکہ یہ ان کی والدہ کا صرف ایک جذبۂ محبت تھا کہ جن بالوں کو آپ کے دستِ مقدس نے مس کیا ہو ان کو یادگار کے طور پر ہمیشہ باقی رکھا جائے۔ اس قسم کی حدیثوں سے یہ نکتہ نکلتا ہے کہ بعض افعال اگرچہ فی نفسہٖ کوئی مقبولیت نہیں رکھتے لیکن کسی خارجی سبب کی بنا پر کسی حد تک مقبول بن جاتے ہیں۔ مگر یہ صرف ان اشیاء تک محدود ہوگا جو مباح ہوں۔ منکرات اور منہیات کسی وقت بھی قابل مدح نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح اس کو سب کے حق میں عام حکم بھی نہیں کہا جاسکتا۔ یہی وجہ ہے کہ حضرت انسؓ کو عام دستور کے خلاف اپنی والدہ کے اس فعل کی کچھ معذرت سی کرنی پڑی ہے اور اسی جنس کی وہ معذرت ہے جو آئندہ حدیث میں آرہی ہے۔

(۳۲۵) یعنی اگرچہ آپ کے ارشاد "واکرمھا" کا بالوں میں دو دو بار تیل ڈالنا اقتضاء لغوی نہ ہی لیکن ابوقتادہ کا یہ اقتضاء قلبی تھا کہ آپ کے ارشاد کا جو وسیع سے وسیع دائرہ ہو وہ سب کا سب اپنے عمل میں شامل کرلیا جائے اس کا نام جذباتِ محبت ہے ان کی تعریف تو کی جائے گی مگر ان کو مسئلہ کی حیثیت نہیں دی جاسکتی۔ اسی لئے سر میں دو بار تیل ڈالنا سنت نہیں کہا جاسکتا بلکہ بہت زیادہ زیبائش کی حدیثوں میں ممانعت آئی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ یہاں بھی راوی ابوقتادہؓ کے اس فعل کی کچھ معذرت پیش کررہا ہے۔

## مَنْ اتی بالشہادتین فقد رضی باللہ ربا وبالاسلام دینا وبمحمد نبیا ورسولا

(۳۲۶) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ رَضِیَ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَجَبَتْ لَہُ الْجَنَّۃُ فَعَجِبَ لَہَا اَبُوْسَعِیْدٍ فَقَالَ اَعِدْہَا عَلَیَّ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ فَاَعَادَہَا عَلَیْہِ ثُمَّ قَالَ وَاُخْرٰی یَرْفَعُ اللّٰہُ بِہَا الْعَبْدَ مِائَۃَ دَرَجَۃٍ فِی الْجَنَّۃِ مَابَیْنَ کُلِّ دَرَجَتَیْنِ کَمَا بَیْنَ السَّمَآءِ وَالْاَرْضِ قَالَ وَمَا ہِیَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ الْجِہَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الْجِہَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ الْجِہَادُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ (رواہ مسلم)

(۳۲۷) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَامِنْ عَبْدٍ مُّسْلِمٍ یَقُوْلُ اِذَا اَصْبَحَ وَاِذَا اَمْسٰی ثَلَاثًا رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا وَبِمُحَمَّدٍ نَبِیًّا اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یُّرْضِیَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ (رواہ احمد والترمذی)

## شہادتین کے معنی یہ ہیں کہ قلب میں اللہ کے سوا رب اور اسلام کے سوا دین اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سوا کسی اور رسول کی تلاش باقی نہ رہے

(۳۲۶) ابوسعید خدریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اللہ کو رب اور اسلام کو دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول مان کر راضی ہوگیا اس کے لئے جنت واجب ہوگئی۔ ابوسعید کو یہ خوشخبری بہت امید افزا معلوم ہوئی۔ انھوں نے عرض کیا یا رسولؐ اللہ مکرر فرمائیے آپ نے پھر وہی ارشاد فرمایا اس کے بعد آپ نے کہا کہ ایک بات اور بھی ہے جس کی وجہ سے اللہ تعالیٰ بندہ کے لئے جنت میں سو درجے بلند کرتا ہے۔ ہر دو درجوں کے درمیان اتنا فاصلہ ہے جتنا کہ زمین اور آسمان کے درمیان انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ بات کیا ہے آپ نے فرمایا اللہ کیلئے جہاد کرنا، اللہ کیلئے جہاد کرنا، اللہ کیلئے جہاد کرنا (مسلم)

(۳۲۷) ثوبانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان بندہ صبح و شام تین بار یہ کلمات پڑھ لیتا ہے رضیت باللہ ربا الخ (میں اللہ کی ربوبیۃ اور اسلام کے دین اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے نبی ہونے پر دل سے رضامند ہوگیا) تو اللہ تعالیٰ اپنے اوپر یہ لازم کر لیتا ہے کہ قیامت کے دن اس کو راضی کردے۔ (احمد ترمذی)

(۳۲۷) قرآن کریم کی مختصر سی آیت میں اس رضاء کا تذکرہ اس انداز پر کیا گیا ہے " رضی اللہ عنھم ورضوا عنہ ذلک لمن خشی ربہ " صحابہ میں یہ شانِ رضا اس درجہ غالب تھی کہ اب امت کے مابین رضی اللہ عنہم ان کا ایسا طغرۂ امتیاز بن چکا ہے کہ ان کے نام کے ساتھ رضی اللہ عنہ کا لفظ ایسا ہی جزو لاینفک بن گیا ہے جیسا انبیاء علیہم السلام کے نام کے ساتھ الفاظ درود کا۔

(۳۲۸) عَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ حِیْنَ یَسْمَعُ الْمُؤَذِّنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ رَضِیْتُ بِاللّٰہِ رَبًّا وَّبِمُحَمَّدٍ رَسُوْلًا وَّبِالْاِسْلَامِ دِیْنًا غُفِرَ لَہٗ ذَنْبُہٗ۔ (رواہ مسلم)

## السرور والحزن وما الی ذلک مما یتقاضاہ طبیعۃ البشر لیس فی شئ من مخالفۃ شان الرضی والتسلیم

(۳۲۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ دَخَلْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی اَبِیْ سَیْفِ الْقَیْنِ وَکَانَ ظِئْرًا لِاِبْرَاهِیْمَ فَاَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِبْرَاهِیْمَ فَقَبَّلَہٗ وَشَمَّہٗ

---

(۳۲۸) سعد بن ابی وقاصؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جس شخص نے مؤذن کو یہ کہتے سنا اشہد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لاشریک لہ وان محمد اعبدہ ورسولہ پھر اس کے جواب میں یہ کہا میں اللہ تعالیٰ کو اپنا رب اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو رسول اور اسلام کو اپنا دین مانکر دل سے راضی ہوچکا اس کے گناہ بخشدیئے جاتے ہیں۔ (مسلم)

## خوشی اور غم اور انسان کے دوسرے فطری تاثرات اس کی شان رضا و تسلیم کے منافی نہیں

(۳۲۹) انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ابو یوسف لوہار کے گھر گئے یہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی دودھ پلائی کے شوہر تھے آپ نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کو گود میں لیا

---

(۳۲۸) انسان میں دین کی تلاش اس کی فطرت ہے۔ پھر دین میں اللہ اور رسول کا تصور لازم ہے۔ شہادتین کے معنی یہ ہیں کہ دین اسلام کے بعد فطرت میں اب کسی اور دین کا تقاضا نہ رہنا چاہیئے وہ تقاضا اب دین اسلام سے پورا ہوجانا چاہیئے۔ پھر دین اسلام نے ربوبیت کا ایسا ٹھیک پتہ دیدیا ہے کہ اس کے بعد اب ربوبیت کی تلاش بھی ختم ہوجانی چاہیئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بنفس نفیس مقام رسالت کو ایسا پُر کردیا ہے کہ اب اس کے بعد رسول کی تلاش بھی نہ ہونی چاہیئے۔ اگر اسلام کے بعد بھی ان گوشوں میں کچھ تردد و تلاش کا سلسلہ باقی ہے تو یہ شہادتین صرف زبانی ہوں گی۔ جب ان تمام گوشوں میں سکون ہی سکون پیدا ہوجائے اور نظرِ دل میں دوسری جانب اٹھنے کی گنجائش ہی نہ رہے تو اب سمجھنا چاہیئے کہ شہادتیں دل میں اتر چکے ہیں ؎

انیکے گر وز ہمہ یکسوئے باش     یک دل و یک قبلہ و یک روئے باش

(۳۲۹) آپ کے یہ مختصر جملے اسرار شریعت وطریقت سے کتنے لبریز ہیں، ان میں آپ نے ہم کو یہ ہدایت کی کہ انسان جامع اس کو سمجھنا چاہیئے جس میں قدرت کی جامعیت کا جلوہ نظر آئے اس میں اپنے محل پر شدت و قہر بھی ہو اور رحمت و کرم بھی اگر اپنے لخت جگر کی موت پر بھی اس کا دل غمگین نہیں ہوتا اور اس کی آنکھیں آنسو نہیں بہاتیں

ثُمَّ دَخَلْنَا عَلَيْهِ بَعْدَ ذٰلِكَ وَاِبْرَاهِيْمُ يَجُوْدُ بِنَفْسِهٖ فَجَعَلَتْ عَيْنَا رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَذْرِفَانِ فَقَالَ لَهٗ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ بْنُ عَوْفٍ وَاَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ يَا ابْنَ عَوْفٍ اِنَّهَا رَحْمَةٌ ثُمَّ اَتْبَعَهَا بِاُخْرٰى فَقَالَ اِنَّ الْعَيْنَ تَدْمَعُ وَالْقَلْبَ يَحْزَنُ وَلَا نَقُوْلُ اِلَّا مَا يَرْضٰى رَبُّنَا وَاِنَّا بِفِرَاقِكَ يَا اِبْرَاهِيْمُ لَمَحْزُوْنُوْنَ۔ (متفق علیہ)

(۳۳۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَا اَيُّوْبُ يَغْتَسِلُ عُرْيَانًا فَخَرَّ عَلَيْهِ جَرَادٌ مِّنْ ذَهَبٍ فَجَعَلَ اَيُّوْبُ يَحْثِیْ فِیْ ثَوْبِهٖ فَنَادَاهُ رَبُّهٗ يَا اَيُّوْبُ اَلَمْ اَكُنْ

---

اور ان کو خوب پیار کیا دوبارہ اس کے بعد پھر ان کے گھر گئے تو دیکھا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام دنیا سے سفر کر رہے ہیں یہ دیکھکر آپ کی چشم مبارک بہنے لگیں۔ اس پر عبدالرحمٰن بن عوف بولے یا رسول اللہؐ آپ بھی روتے ہیں آپ نے فرمایا ابن عوف یہ خدا تعالیٰ کی رحمت کا اثر ہے۔ یہ کہکر آپ پھر آنکھوں میں آنسو بھر لائے اور فرمایا آنکھیں بیشک بہتی ہیں اور بے شبہ دل بھی غمگین ہے لیکن زبان سے صرف وہ نکلے گا جو اس حالت میں خدا کی خوشنودی کا موجب ہوگا۔ اے ابراہیم اس میں شبہ نہیں کہ ہم سب تمہاری جدائی سے دردمند ہیں۔ (متفق علیہ)

(۳۳۰) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ایوب علیہ السلام (کسی مقام پر تنہا) برہنہ غسل فرما رہے تھے کہ سونے کی ٹڈیاں ان پر آکر گریں فوراً وہ انھیں اپنے کپڑے میں جمع کرنے لگے۔ پروردگار کی طرف سے ندا آئی ایوب؟ کیا یہ مال و دولت دیگر جو تمہیں بھی نظر آرہی ہے

---

تو وہ پتھر ہیں، ان میں قدرت کی بے نہایت شفقت و رحمت کا ایک ذرہ بھی اثر نہیں اس کا نام رضا و تسلیم نہیں قساوت اور بے حسی ہے۔ اس میں فرشتوں کی سی صفت تو ہے مگر بشر کی سی کوئی صفت نہیں۔ درد کی بے چینی سے نہ وہ آشنا ہیں نہ یہ۔ بشر کی شان رضا یہ ہے کہ اس کے دل پر غموں کے پہاڑ ٹوٹیں اس کی آنکھیں بھی روتے روتے بے نور ہو جائیں۔ وابیضت عیناہ من الحزن فھو کظیم۔
مگر وہ ان صبر آزما حالات میں بھی حرف شکایت زبان پر نہ لاسکے اور اپنے عجز و ضعف کا اظہار برملا اس طرح کرکے خاموش ہوجائے اے ابراہیم تمہاری جدائی سے ہمارا گرو دل بے شبہ بہت دردمند ہے۔

جلادت و شجاعت او راستغنا و بے نیازی وہ بھی مالک الملک علی الاطلاق کے مقدرات کے سامنے یہ بندہ کے عجز و نیاز کے شایان شان نہیں۔ ما سوی اللہ سے اعراض کرکے خدا کی جنت سے بھی اغماض کر لینا شان اولیا ہے اور جنت کو خدا تعالیٰ کا ایک انعام سمجھکر اس کیلئے دست سوال پھیلا دینا یہ شان انبیا ہے (علیہم السلام) ان کے نزدیک اگر اللہ تعالیٰ کے سوا چشم زدن کے لئے بھی کسی غیر کی طرف نظر اٹھائی تو توحید مقصد فوت ہوگئی اور ان کے نزدیک اگر کسی حرکت سے بھی ذرا بے نیازی ٹپکی تو شان بندگی پر حرف آگیا۔ پہلی صورت تقاضائے محبت ہے اور دوسری مقتضائے عبدیت۔ کمال یہ ہے

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

أَغْنَيْتُكَ عَمَّا تَرٰى قَالَ بَلٰى وَعِزَّتِكَ وَلٰكِنْ لَا غِنٰى بِيْ عَنْ بَرَكَتِكَ ۔ (رواه البخاري)

(۳۳۱) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ مَلَكُ الْمَوْتِ إِلٰى مُوْسَى بْنِ عِمْرَانَ فَقَالَ لَهٗ أَجِبْ رَبَّكَ قَالَ فَلَطَمَ مُوْسٰى عَيْنَ مَلَكِ الْمَوْتِ فَفَقَأَهَا قَالَ

---

ہم نے تمہیں غنی نہیں بنا دیا تھا انھوں نے عرض کیا تیری عزت کی قسم کیوں نہیں لیکن میں تیری برکت سے بھلا کیسے بے نیاز بن سکتا ہوں۔ (بخاری شریف)

(۳۳۱) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ملک الموت نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس حاضر ہو کر عرض کیا آپ کے رب نے آپ کو بلایا ہے چلئے تشریف لے چلئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ان کے ایسا تھپڑ مارا کہ اس کی آنکھ جاتی رہی۔ ملک الموت نے

---

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) کہ محبت کے پورے جوش میں بھی عبدیت کا پورا ہوش رہے۔

(۳۳۰) خدائے وحدہ لاشریک لہ کے ہی وہ باکمال بندے ہیں کہ قدرت نے جب کبھی ان کو آزمایا ہے تو ان کی زبانوں سے ہمیشہ ایسے ہی صحیح اور خوبصورت جوابات نکلے ہیں جن پر اس نے خود ہی اپنی صناعی کی داد دی ہوگی یہاں ذرا سوال کی نکتہ ملاحظہ کیجئے اور اس برجستہ جواب کی داد دیجئے کتنا صحیح اور شانِ بندگی میں کتنا ڈوبا ہوا ہے یعنی اے پروردگار مجھے تو نے غنی تو ضرور بنا دیا ہے مگر اپنی برکتوں سے تو نہیں۔ میں ساری دنیا سے بے نیاز ہوں مگر تیرے سامنے تو نیاز ہی نیاز ہوں۔ اغنا تیری شان غنا رتی اور تیری برکتوں کا محتاج بنا رہنا میری شان بندگی ہے۔ یہ وہی ایوب ہیں (علیہم السلام) جن کی ایکبار دریا مصائب و آلام میں ڈالکر قدرت نے آزمائش کی تھی مگر وہاں بھی ان کو اپنی شانِ احتیاج برابر یاد رہی آخر یوں بول اٹھے رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین۔

یاد پڑتا ہے کہ حضرت مرزا شہید جان جاناں کی سوانح حیات میں کسی جگہ نظر سے گذرا ہے کہ کسی زمانہ میں کسی ولی نے اپنے مریدین کو جمع کر کے پوچھا دیکھو میرے جسم پر تمہیں کہیں کوئی جگہ ایسی نظر آتی ہے جہاں کوئی زخم نہ ہو انھوں نے عرض کیا نہیں اس کے بعد فرمایا مگر میں نے اب تک اپنی زبان سے یہ کلمات نہیں کہے رب انی مسنی الضر وانت ارحم الراحمین۔ بظاہر شبہ ہوسکتا ہے کہ اس ولی کا صبر اس مقدس رسول کے صبر پر شاید فوقیت رکھتا ہو مگر حضرت شاہ صاحب تحریر فرماتے ہیں کہ اس ولی نے تو جذبۂ محبت میں اپنی شان بے نیازی دکھلائی مگر اس نبیؑ نے بے نیاز حقیقی کے سامنے اپنے عجز و نیاز کا مظاہرہ قرینِ ادب سمجھا۔ جب تک مشیت الٰہیہ ابتلاء کی نظر آرہی اس وقت تک یہ بھی لبوں پر مہر خاموشی لگائے بیٹھے رہے۔ مگر جب کچھ کچھ علامات صحت نظر آنے لگیں تو جھٹ خود آگے بڑھ کر دستِ سوال پہلے پھیلا دیا کہ شان بندگی اسی میں نظر آتی تھی کہ صحت ملے تو مانگ کر لے۔ یہ اپنے مولیٰ کی بے نیازی اور قدم قدم پر اپنے احتیاج کی شان دکھلا رہے ہیں اور وہ اپنے عشق و محبت کی آن بان نباہ رہے ہیں ــــ رضا و تسلیم کا ایک مقام یہ ہے اور دوسرا وہ۔ دونوں قابلِ تعریف ہیں۔ مگر بھلا اس کو اس سے کیا نسبت۔ اس میں محبت کا مظاہرہ تو ہے مگر وہ شانِ عبدیت کہاں۔

(۳۳۱) مادہ پرست اور منکرینِ حدیث ہر دو کی نظروں میں یہ حدیث ہمیشہ سے قابلِ مضحکہ بنی ہوئی ہے اور خیر و شر ہی سے ائمہ حدیث بھی اس کی جوابدہی میں مشغول نظر آرہے ہیں چنانچہ ابن قتیبہ (۲۷۶) نے بھی اپنی تالیف مختلف الحدیث

تَرْجِعُ الْمَلَكُ اِلَى اللّٰهِ فَقَالَ اِنَّكَ اَرْسَلْتَنِيْ اِلٰى عَبْدٍ لَكَ لَا يُرِيْدُ الْمَوْتَ وَقَدْ فَقَأَ عَيْنِيْ قَالَ فَرَدَّ اللّٰهُ اِلَيْهِ عَيْنَهٗ وَقَالَ اِرْجِعْ اِلٰى عَبْدِيْ فَقُلْ الْحَيٰوةَ تُرِيْدُ فَاِنْ كُنْتَ تُرِيْدُ الْحَيٰوةَ فَضَعْ يَدَكَ عَلٰى مَتْنِ ثَوْرٍ فَمَا تَوَارَتْ يَدُكَ مِنْ شَعْرَةٍ فَاِنَّكَ تَعِيْشُ بِهَا سَنَةً قَالَ ثُمَّ مَهْ

واپس آکر بارگاہ ایزدی میں عرض کیا پرودگار تونے تو مجھے اپنے ایک ایسے بندہ کے پاس بھیجا ہے جو ابھی مرنا نہیں چاہتا اور اس نے میری ایک آنکھ بھی پھوڑ دی ہے اللہ تعالیٰ نے پھر اس کو آنکھ بخشدی اور فرمایا جا میرے بندہ کے پاس پھر واپس جا اور ان سے عرض کر کیا آپ کو زندگی زیادہ عزیز ہے۔ اگر عزیز ہو تو اپنا ہاتھ ایک بیل کی کمر پر رکھدیجئے جتنے بال آپ کے ہاتھ کے نیچے آجائیں گے اتنے ہی سال آپ اور جئیں گے

ہیں اس کی طرف تعرض کیا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ یہاں کوئی مضمون درحقیقت قابل مضحکہ ہے بھی یا نہیں مادہ پرستوں کے نزدیک تو طبیعیات کے سوا الٰہیات کا سارا باب ہی قابل مضحکہ ہے اور منکرین حدیث کے نزدیک صرف یہی ایک حدیث نہیں بلکہ وہ حدیثیں بھی جو معقول سے معقول مضامین پر مشتمل ہیں قابل اعتبار نہیں پس ان ہر دو فریق کے نزدیک قابل انکار خاص اس حدیث کا مضمون نہیں بلکہ ان کا ایک عام طبعی انحراف خود ان کا ایک اصولی انکار ہے اگر ان کے انکار کی بنیاد خاص طور پر اس حدیث کا بعید از عقل ہونا ہوتی تو ان کا دائرہ انکار بھی صرف اسی حدیث تک محدود رہتا مگر یہاں تو اس قسم کی حدیثوں کو دوسری اور معقول حدیثوں کے انکار کی بنیاد قرار دیا جا رہا ہے درحقیقت یہ ایک بڑا مغالطہ ہے اور اس کے معنی یہ ہیں کہ اگر ایک شخص کی ہزاروں باتوں میں سے دو چار باتیں بھی اپنی نارسائی عقل کی وجہ سے قابل فہم نہ ہوں تو اس کی بقیہ بے شمار معقول باتیں بھی قابل قبول نہ رہیں۔ میں سمجھتا ہوں کہ اس طریقہ کو کوئی انسان بھی معقول نہیں کہے گا۔

اس کے بعد میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کی تیزی طبع کا ظہور کچھ اسی ایک واقعہ میں منحصر نہیں بلکہ ان کی تمام سوانح زندگی میں یہی نقشہ نظر آتا ہے۔ قرآن کریم میں موجود ہے کہ انھوں نے ایک شخص کے گھونسا مارا اور اس کا دم نکل گیا۔ گوسالہ پرستی کے معاملہ میں اپنے بھائی کی ڈاڑھی پر ہاتھ ڈالا اور اسی سلسلہ کی وہ حدیث ہے جس میں جس میں ان کا ایک پتھر کی طرف بھاگنا ثابت ہے اور جس حدیث میں حضرت آدم علیہ السلام کے ساتھ ان کا مناظرہ منقول ہے وہ بھی اسی کی ایک کڑی ہے اصولاً کسی انسان کا فطرۃً نرم دل ہونا معیوب نہیں اور نہ کسی کا فطرۃً غصہ ناک ہونا قابل اعتراض ہے بشرطیکہ اس کا غصہ حدود شریعت سے متجاوز نہ ہو آخر حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا وہ واقعہ بھی حدیثوں میں موجود ہے جس میں آتا ہے کہ انھوں نے ایک چور کو اپنی آنکھوں سے چوری کرتے ہوئے دیکھا اور اس کے قسم کھا جانے پر فرما دیا کہ میں خدا تعالیٰ کے نام کی تصدیق کرتا ہوں اور اپنی آنکھوں کی تکذیب کرتا ہوں۔ پس رقت و شدت بھی حیاء وحرارت کی طرح غرائز طبعیہ میں سے ہیں یہ سب اگر اپنی حدود میں اور خدا کی راہ میں ہوں تو اپنی اپنی جگہ قابل ستائش ہی ہیں۔ اگر امت میں ابو بکرؓ کی رحمدلی ضرب المثل ہے تو اسی کے پہلو بہ پہلو عمرؓ کی شدت بھی مشہور رہی ہے۔

اور یہ دونوں ہی شانیں اپنی اپنی جگہ محبوب ہیں

عدم ہوکہ حیات بظاہر انسان کو محبوب ہوتی ہے۔ پھر انبیاء علیہم السلام کو محبوب کیوں نہ ہو جنھیں اپنی امت کو بندۂ خدا بنانے کی تمنا اپنی حیات سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ پس اگر خدا کا فرشتہ کسی لاعلمی کی حالت میں ان کے پاس اچانک

قَالَ ثُمَّ مَهْ قَالَ ثُمَّ الْمَوْتُ قَالَ فَالْآنَ مِنْ قَرِيبٍ رَبِّ أَدْنِنِي مِنَ الْأَرْضِ الْمُقَدَّسَةِ رَمْيَةً بِحَجَرٍ قَالَ

(فرشتہ آیا اور اس نے یہ بات ان کی خدمت میں عرض کردی) حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا اچھا اس کے بعد کیا ہوگا؟ اس نے عرض کیا پھر بھی موت ہے فرمایا تو پھر ابھی سہی اور دعا فرمائی خدایا مجھے بیت المقدس سے اتنا تو قریب کردے جتنی دور کہ پتھر پھینکا جاتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

آپہنچا ہے اور اس پر انہیں غصہ آجاتا ہے تو یہ غصہ نہ تو ان کی بشریت سے بعید ہے۔ نہ ان کی نبوت کے منافی ہے۔ ان کی شان رضا کے یہ معنی تو نہیں ہوتے کہ اگر ایک شخص ان کے پاس آکر کہے کہ بیجئے آپ ابھی اپنی موت کیلئے تیار ہوجایئے تو وہ انکشاف حقیقت سے قبل اس سے یہ کہدیں کہ لیجئے آپ ابھی میری روح قبض کر لیجئے۔ فرشتہ کو ہمیشہ پہچان لینا کوئی ضروری نہیں ہے۔ آخر حضرت ابراہیم علیہ السلام کی خدمت میں قوم لوط (علیہ السلام) کے عذاب کے سلسلہ میں ملائکۃ اللہ کا آنا اور ان کو آپ کا شناخت نہ کرنا قرآن کریم میں موجود ہے پس اگر خدا کا فرشتہ ایک انسان کی صورت میں ان کی لاعلمی میں آپ کے پاس آتا ہے اور ایسے ماحول میں آتا ہے جہاں مخالفین کی جماعت بھی موجود ہو تو کیا اس نبی اولوالعزم کا جس کی جلالی شان کتب سماویہ میں مشہور ہے ایک تھپڑ رسید کردینا کچھ قابل اعتراض ہوسکتا ہے یہ کسی بھی روایت سے ثابت نہیں ہوتا کہ حضرت موسیٰ علیہ السلام نے ان کو خدا تعالیٰ کا مامور فرشتہ سمجھ کر تھپڑ مارا تھا۔ حدیثوں میں موجود ہے کہ انبیاء علیہم السلام کو وفات سے قبل صرف ان کی تشریف و تکریم کے لئے اختیار دیا جاتا ہے اگر وہ چاہیں تو دنیا میں رہنا پسند کریں اور اگر چاہیں تو دار آخرت کو اختیار کرلیں۔ اسی آئین کے مطابق خود خاتم الانبیاء علیہم السلام کو بھی وفات سے قبل اختیار ملنا ثابت ہے آپ نے اپنے صحابہ کے سامنے ایک عام مجمع میں بیان بھی کردیا تھا پس اگر اس تخییر سے قبل خدا تعالیٰ کا فرشتہ کسی عمیق حکمت کے ماتحت ان کے پاس آپہنچا ہو اور اس لئے اس وقت ان کی جلالی شان ظاہر ہوگئی ہو اس میں استبعاد کیا ہے اور کونسی بات اس میں شان نبوت کے خلاف ہے۔ پوری حدیث کو پڑھ جایئے تو یہاں بھی آپ کو یہی نظر آئیگا کہ جب خدا تعالیٰ کے فرشتے نے دوبارہ آکر حسب دستور موت و حیوۃ میں آپ کو اختیار دیا تو آپ نے خود ہی اپنی موت کو اختیار کرلیا اور آخر کار اسی فرشتے نے اس خدمت کو انجام دیا۔ موت کوئی بہت مطلوب چیز تو نہیں حضرت آدم علیہ السلام نے اپنے بیٹے داؤد علیہ السلام کو شفقت پدری میں آکر اپنی عمر کے چالیس یا ساٹھ سال بخشدیئے تھے لیکن جب اس میعاد پر خدا تعالیٰ کا فرشتہ آیا تو آپ نے اس سے فرمایا کہ تم ابھی قبل از وقت آگئے ہو، میری عمر میں اتنے سال اور باقی ہیں اس نے کہا حضرت آپ کو یاد نہیں رہا آپ اپنی عمر میں اتنے سال اپنے ایک فرزند کو بخش چکے ہیں۔ حدیث میں آتا ہے کہ اسی بناء پر نسیان کی خصلت ان کی اولاد میں بھی چلی جاتی ہے۔

الغرض یہاں نہ تو زندگی کی محبت کوئی قابل اعتراض امر ہے نہ کسی انسان نما فرشتے کی بیجا جرارت پر تھپڑ مار دینا قابل اعتراض ہے۔ اب رہا یہ کہ فرشتہ کی آنکھ پھوٹنا قابل فہم امر نہیں تو سن لیجئے کہ فرشتے شریعت میں بالکل مجرد نہیں۔ عالم مادیات اور مجردات کے مابین ایک مخلوق ہیں اجنحہ اور پروں کا ہونا ان کے لئے قرآن کریم میں بھی ثابت ہے اسی طرح دیگر اور بعض اعضاء کی نسبت کا بھی ان کے عالم میں ثبوت ملتا ہے پس ان کی طرف کسی عضو کی مثلاً آنکھ وغیرہ کی نسبت ہو تو یہ کوئی غیر معقول امر نہیں ان کے لئے یہ اعضاء حقیقۃً ثابت ہیں۔ اگرچہ مادی نہ ہوں۔ پس فرشتے درحقیقت ایک صورت رکھتے ہیں لیکن چونکہ وہ مادہ سے پیدا نہیں ہوئے اس لئے ان میں تشکل اور تمثل کی قوت بھی

رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللهِ لَوْ اَنِّيْ عِنْدَهٗ لَاَرَيْتُكُمْ قَبْرَهٗ اِلٰى جَنْبِ الطَّرِيْقِ عِنْدَ الْكَثِيْبِ الْاَحْمَرِ۔ (متفق علیہ)

فرمایا خدا کی قسم اگر میں اس جگہ موجود ہوتا تو تم کو دکھلا دیتا کہ ان کی قبر راستہ کے قریب ایک سرخ ٹیلے کے پاس ہے۔ (متفق علیہ)

ہوتی ہے انسان اپنی مادیت کی وجہ سے یہ قدرت نہیں رکھتا عنصریات میں بھی جو عنصر زیادہ سخت ہے اسی قدر اس میں تشکل مشکل ہوتا ہے۔ پانی اور ہوا ہر قالب کے مطابق ایک شکل اختیار کر لیتے ہیں مگر مٹی میں یہ صفت نہیں، یہی حال مرکبات میں بھی ہے پس ملائکۃ اللہ اپنی لطافت کی وجہ سے اس پر قادر ہیں کہ مشیت ایزدی کے مطابق ہیکل انسانی میں جب چاہیں نمودار ہو جائیں۔ جبرئیل علیہ السلام کا تمثل خود قرآن کریم میں موجود ہے اور دحیہ کلبی کی صورت میں آپ کے پاس ان کی آمد حدیثوں میں بلانزاع ثابت ہے۔ ابن قتیبہ لکھتے ہیں کہ اس تمثل کی وجہ سے فرشتہ کی حقیقت نہیں بدلتی وہ اپنے تصرف سے ہم کو صرف ایک صورت میں نظر آنے لگتا ہے۔ آج مسمریزم کی طاقت کا مشاہدہ کرنے والے کے لئے اس کی تصدیق کرنا کچھ مشکل نہیں رہی۔ احقر کا خیال ہے کہ اگر محض کوئی مادی ضرب ہوتو شاید اس تمثل پر اس کا کوئی اثر ظاہر بھی نہ ہو لیکن نبی صرف مادی نہیں ہوتا اس کا دوسرا عنصر ملکی بھی ہوتا ہے اور وہ بھی انتہا درجہ قوی ہوتا ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام میں اس ملکی عنصر پر خدا تعالیٰ کی شان جلالی کا اور غلبہ تھا اس لئے ان کی ضرب کا اثر ملک پر بھی ظاہر ہو جائے تعجب نہیں بلکہ میں تو یہ کہتا ہوں کہ یہ وجود ملکی ہی تھا جس کی مثالی صورت میں صرف آنکھ ہی میں نقصان آیا اگر انسان ہوتا تو شاید اس کی تاب ہی نہ لا سکتا اور مر جاتا دیکھئے جب آنحضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر وحی کا آغاز ہوا تو حضرت جبرئیل نے آکر آپ کو اپنے قریب کیا اور افاضہ ملکیۃ کے لئے دبایا بھی اور اتنا دبایا کہ آپ کو ضبط کرنا پڑا۔ لوگوں کو تو اس پر تعجب ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ اگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نہ ہوتے تو جبرئیل علیہ السلام کے اس تمثل اور دبانے کا کسی اور بشر کو تحمل ہی نہ ہو سکتا۔ یہ رسول اقدس کی ہی شان مطہر تھی کہ وہ جامۂ بشری رکھنے کے باوجود شانِ ملکی بھی رکھتے تھے کہ جبرئیل علیہ السلام جیسے فرشتے کا اثر بھی اتنا ہی قبول کرتے تھے جتنا کہ حدیثوں میں آتا ہے پس اگر صرف مادیت کا ملکیت سے تصادم ہو تو اس میں کوئی شبہ نہیں کہ ملکیت میں کوئی اثر ظاہر نہیں ہو سکتا۔ لیکن اگر ملکیت کا ملکیت سے تصادم ہو تو اس کا اثر ظاہر ہونے میں کوئی تعجب نہیں۔ عالم رؤیا میں جو صورتیں نظر آتی ہیں اس میں ایک شیر اگر ایک انسان پر حملہ کرتا ہے تو اس کی صورت اسی طرح پارہ پارہ ہو جاتی ہے جس طرح عالم اجسام کی لیکن اگر اس خوابی صورت پر کوئی مادی انسان حملہ آور ہو تو اس کو ذرہ برابر بھی نقصان نہیں پہنچا سکتا۔ اس تمثیل سے ہمارا مقصد یہ نہیں کہ فرشتے کی کوئی حقیقت نہیں، وہ صرف ایک خیالی دنیا ہے بلکہ صرف یہ تفہیم مقصود ہے کہ اگر کوئی قوت اپنے عالم میں کسی قوت سے تصادم ہو تو اس کا اثر ضرور ظاہر ہوگا ورنہ ملائکۃ اللہ تو عالم اجسام سے بھی کہیں زیادہ قوی مخلوق ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ اگر کہیں ان کا اس عالم سے تصادم ہو جاتا ہے تو اس کے پرخچے اڑ جاتے ہیں۔ ہاں اس کے برعکس صورت کی مثال ایسی ہے جیسا کوئی انسان پہاڑ سے ٹکر مارے۔ ظاہر ہے کہ اسی کا سر زخمی ہوگا پس مادی محض اگر ملکیۃ سے ٹکرائے تو اس میں کوئی اثر ظاہر ہونا معقول نہیں لیکن نبی جو کہ ملکیت اور بشریت کا جامع ہے اگر کسی موقعہ پر اس کا تصادم ہوگا تو اس کا اثر ظاہر ہونا معقول نہیں۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

(۲۲۲) عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقْسِمُ بَیْنَ نِسَائِہٖ فَیَعْدِلُ وَیَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ ھٰذَا قَسْمِیْ فِیْمَا اَمْلِکُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِیْمَا لَا اَمْلِکُ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد والنسائی وابن ماجہ والدارمی)

(۲۲۳) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاتَ لَیْلَۃٍ مِّنَ الْفِرَاشِ فَالْتَمَسْتُہٗ فَوَقَعَتْ یَدِیْ عَلٰی بَطْنِ قَدَمَیْہِ وَھُوَ فِی الْمَسْجِدِ وَھُمَا مَنْصُوْبَتَانِ وَھُوَ

(۲۲۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی تمام بیبیوں کے درمیان شب باشی میں برابر کی تقسیم کرتے۔ اس کے باوجود یہ فرماتے اے اللہ یہ میری تقسیم میرے اس عمل میں ہے جس کا میں مالک ہوں۔ رہا (میرا قلبی رجحان) جس کا تو مالک ہے اس کا مواخذہ تو مجھ سے نہ فرمانا۔ (ترمذی۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ۔ نسائی۔ دارمی)

(۲۲۳) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے بستر پر نہ پایا تو میں آپ کی تلاش کے لئے نکلی (میں نے دیکھا) کہ آپ مسجد میں ہیں اور آپ کے دونوں قدم مبارک (بحالت سجدہ) کھڑے ہوئے ہیں میرا ہاتھ آپ کے دونوں تلووں سے لگا (میں نے سنا) کہ آپ یہ دعا فرما رہے تھے

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) اس لئے اگر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے ایک قہر آلود تھپیڑ نے فرشتے کی اس مثالی صورت میں کوئی نقص پیدا کر دیا تھا تو یہ عین عقل اور شرع کے مطابق ہے۔ اگر آپ ان حقائق کو سمجھنے کی عقل نہیں رکھتے تو ذرا بازی گروں کے تماشہ ہی میں کبھی آکر دیکھئے اگر ان کی محفل میں اس فن کا کوئی ان سے بڑھ کر ماہر آجاتا ہے تو وہ اس کا کھیل چلنے نہیں دیتا اور وہ اپنی قوت نفس سے اس کے اس ساری خیال بندی کی دنیا کو بگاڑ دیتا ہے جو وہ تماشائیوں کو دکھا رہا تھا پہلے انسائیکلوپیڈیا اٹھا کر روح کی بحث اور اس کے احوال کا اس میں مطالعہ کیجئے اور موجودہ عقلاء کے نزدیک جو اس کے عجائبات ہیں ان کو زیر نظر رکھئے اس کے بعد پھر آپ اس واقعہ کو پڑھئے آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ ان حدیثوں کا مضحکہ آپ کے لئے خود ایک قابل مضحکہ امر تھا۔ آپ کے نزدیک جب عالم روحانیات صد ثبوت کو ہی نہیں پہنچا اور اس لئے نہیں پہنچا کہ آپ نے اس کا مطالعہ ہی نہیں کیا تو آپ اسکا مضحکہ نہ اڑائیں تو اور کریں کیا۔

(۲۲۲) علماء نے لکھا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ تقسیم واجب ہی نہ تھی لیکن جبکہ امت کا معلم بنا کر بھیجا گیا تھا اس نے خود اپنے ذمہ اس کو ایک لازم حق بنا لیا تھا تاکہ جن کے ذمہ یہ لازم حق ہے وہ اس میں کوئی کوتاہی نہ کر سکیں۔ قلبی رجحان غیر اختیاری چیز ہے اور تکلیف کا دائرہ صرف اختیار کے حدود کے اندر اندر محدود ہے لیکن جہاں انسان کا نفس کوئی خیانت کر سکتا ہے وہاں صاحب شریعت اس کی اہمیت کے پیش نظر ایسے کلمات فرما دیتے ہیں گویا زوجہ کا معاملہ اتنا نازک ہے کہ اس میں غیر اختیاری رجحانات میں بھی ترجیح برتنے کی ضرورت ہے۔

يَقُولُ اِنِّي اَعُوْذُ بِرِضَاكَ مِنْ سَخَطِكَ وَبِمُعَافَاتِكَ مِنْ عُقُوْبَتِكَ وَاَعُوْذُبِكَ مِنْكَ لَا اُحْصِي
ثَنَاءً عَلَيْكَ اَنْتَ كَمَا اَثْنَيْتَ عَلٰى نَفْسِكَ ۔ (رواہ مسلم)

(۳۳۴) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ فَقَدْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةً فَاِذَا هُوَ
بِالْبَقِيْعِ فَقَالَ اَكُنْتِ تَخَافِيْنَ اَنْ يَّحِيْفَ اللّٰهُ عَلَيْكِ وَرَسُوْلُهٗ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّيْ ظَنَنْتُ
اَنَّكَ اَتَيْتَ بَعْضَ نِسَائِكَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَنْزِلُ لَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ اِلَى السَّمَاءِ
الدُّنْيَا فَيَغْفِرُ لِاَكْثَرَ مِنْ عَدَدِ شَعْرِ غَنَمِ كَلْبٍ ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ وزاد رزین ممن استحق
النار وقال الترمذی سمعت محمدًا یعنی البخاری یضعف هذا الحدیث ۔)

اے اللہ میں تیری ناراضگی سے تیری رضا کی پناہ لیتا ہوں اور تیری صفت عقوبت سے تیری صفت عفو
کی پناہ لیتا ہوں اور تجھ سے تیری ہی پناہ چاہتا ہوں۔ تیری پوری پوری تعریف میری قدرت سے باہر ہے
بس تو ایسا ہی ہے جیسی تو نے خود اپنی تعریف فرمائی۔ (مسلم)

(۳۳۴) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ میں نے ایک شب آپ کو (اپنے بستر) پر نہ پایا۔ تلاش کیا
تو آپ بقیع میں تھے آپ نے فرمایا کیا تم کو یہ وہم گذرا کہ خدا اور اس کا رسول تمہارے حق میں ظلم کرسکتے ہیں۔ میں نے
عرض کیا یا رسول اللہ مجھے یہ خطرہ گذرا تھا کہ شاید آپ اپنی کسی اور بی بی کے گھر تشریف لے گئے ہیں آپ نے
فرمایا شعبان کی پندرھویں کو اللہ تعالیٰ آسمان دنیا پر تجلی فرماتا ہے اور اتنے گنہگاروں کی بخشش فرما دیتا ہے
جن کا شمار قبیلہ کلب کی بکریوں کے بالوں سے بھی زیادہ ہوتی ہے۔ اس حدیث کو ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت
کیا ہے۔ رزین نے اس میں اتنا اور اضافہ نقل کیا ہے کہ یہ وہ لوگ ہوتے ہیں جو اپنی بداعمالی کی وجہ سے
دوزخ کے مستحق تھے۔ (ترمذی)

(۳۳۴) مثل مشہور ہے عشق است ہزار بدگمانی۔ حضرت عائشہؓ نزاہت اور تقدس کے سارے میدان طے
کرجانے کے باوجود بشری خصائل سے مستثنیٰ نہ تھیں۔ جب اپنی نوبت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے گھر نہ
پاتیں تو فطرۃً مضطرب ہوجاتیں۔ اپنے نفس کو ہزار سمجھاتیں مگر عشق و محبت کی بدگمانی سے پھر معذور ہوجاتیں۔ آخر
تلاش کے لئے نکل جاتیں۔ جب آپ سے ملاقات ہوتی تو حالت دگرگوں دیکھ کر حیرت آمیز لہجہ میں فرماتیں من درچہ
خیالم و فلک درچہ خیال۔ یہاں حضرت عائشہؓ کی بلاغت قابل داد ہے کہ آپ کے ارشاد اکنت تخافین (کیا تم کو میرے
متعلق ناانصافی کا خطرہ تھا) کے جواب میں نعم (جی ہاں) نہیں فرماتیں۔ بلکہ اسی بات کو دوسرے انداز میں ادا کرتی
ہیں کیونکہ خدا کے رسول کے حق میں ناانصافی کا عنوان تو کسی حالت میں بھی قابل تصور نہ تھا البتہ اپنی نوبت میں آپ کو
نہ دیکھکر آپ کا کسی اور بی بی کے گھر چلے جانے کے خطرہ کا روکنا بھی اسے اختیار سے باہر تھا۔

(۳۳۵) وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّيْ لَاَعْلَمُ اِذَا كُنْتِ عَنِّيْ رَاضِيَةً وَاِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبٰى فَقُلْتُ مِنْ اَيْنَ تَعْرِفُ ذٰلِكَ فَقَالَ اِذَا كُنْتِ عَنِّيْ رَاضِيَةً فَاِنَّكِ تَقُوْلِيْنَ لَا وَرَبِّ مُحَمَّدٍ وَاِذَا كُنْتِ عَلَيَّ غَضْبٰى قُلْتِ لَا وَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ قَالَتْ قُلْتُ اَجَلْ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَهْجُرُ اِلَّا اسْمَكَ. (متفق علیہ)

(۳۳۶) عَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ يَسْتَاْذِنُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَوَجَدَ النَّاسَ جُلُوْسًا بِبَابِهِ لَمْ يُؤْذَنْ لِاَحَدٍ مِنْهُمْ قَالَ فَاُذِنَ لِاَبِيْ بَكْرٍ فَدَخَلَ ثُمَّ اَقْبَلَ عُمَرُ فَاسْتَاْذَنَ

(۳۳۵) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں خوب پہچان لیتا ہوں تم مجھ سے کب خوش ہوتی ہو اور کب ناخوش، میں نے عرض کیا یارسول اللہ آپ یہ بات کیسے پہچان لیتے ہیں؟ فرمایا جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو ربِّ محمد کی قسم کھاتی ہو اور جب ناخوش ہوتی ہو تو ربِّ ابراہیم کی قسم کھاتی ہو۔ میں نے عرض کیا ہے تو بات یہی لیکن یارسول اللہ خدا کی قسم میں آپ کا صرف اسم مبارک زبان پر نہیں لیتی (دل میں اس وقت بھی آپ ہی کی محبت ہوتی ہے) (متفق علیہ)

(۳۳۶) جابرؓ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کی اجازت حاصل کرنے کے لئے آئے دیکھا تو وہاں اور لوگ بھی آپ کے دروازہ پر موجود تھے اور اب تک کسی کو بھی داخل ہونے کی اجازت نہیں مل سکی تھی وہ کہتے ہیں کہ حضرت ابوبکرؓ کو اجازت مل گئی اور وہ اندر تشریف لے آئے ان کے پیچھے پیچھے حضرت عمرؓ تشریف لائے اور انھوں نے اجازت طلب کی

(۳۳۵) انسان کی بلندی کا معیار اس کے کمالات ہیں اس کا انسانی خصائل سے معرّیٰ ہو جانا نہیں اکسی کسی محل پر ناراضگی کی ادا بھی فطرت کا اقتضا اور محبوبیت کا کمال سمجھا جاتا ہے۔ اسی انداز محبوبیت کو حضرت عائشہؓ نے اپنے آخری فقروں میں ظاہر فرمایا ہے۔ حضرت عائشہؓ کی کمال بلاغت دیکھئے کہ اپنے محبوبانہ ناگواری کی حقیقت صرف ہجران اسمی تک محدود کردینا چاہتی ہے۔ جس کا مطلب یہ ہے کہ اگر رسولؐ کی محبت رگ رگ میں سمائی ہوئی ہے تو کسی انداز ناز کے موقعہ پر محبوب زوجہ کا اسمی ہجران اس کے قلبی محبت کے منافی نہیں بلکہ یہ بھی اس کا ایک اقتضا ہے۔ دیکھئے یہی حضرت عائشہؓ ہیں کہ جب بات ذرا حدود زوجیت سے نکل کر حدود شریعت میں داخل ہوتی دیکھ لیتی ہیں تو ہمہ تن ادب ہی ادب اور طاعت ہی اطاعت بن جاتی ہیں۔ جیسا کہ آئندہ واقعہ سے ظاہر ہے۔

(۳۳۶) انبیاء علیہم السلام کی اندرونی زندگی میں بھی تکوینی طور پر ایسے معاملات رونما ہوتے ہیں جن سے ان کی بشریت کا بدیہی ثبوت ملتا ہے۔ وہ انسانوں کی طرح دنیا میں آتے ان ہی کی طرح اپنی معیشت رکھتے، کھاتے اور پیتے، جاگتے اور سوتے، شادی بیاہ کرتے اور اس کے بعد ان کے گھروں میں ایک حد تک وہ معاملات بھی پیش آجاتے جو ازدواجی زندگی میں پیش آیا کرتے ہیں۔ اور اس ضمن میں عملی طور پر امت کے لئے وہ مسائل سامنے آجاتے جن کی امت کو ضرورت تھی اور ان

فَاَذِنَ لَہٗ فَوَجَدَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ جَالِسًا حَوْلَہٗ نِسَاؤُہٗ وَاجِمًا سَاکِتًا قَالَ فَقُلْتُ لَاَقُوْلَنَّ شَیْئًا اُضْحِکُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ لَوْ رَاَیْتَ بِنْتَ خَارِجَۃَ سَاَلَتْنِی النَّفَقَۃَ فَقُمْتُ اِلَیْھَا فَوَجَاْتُ عُنُقَھَا فَضَحِکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ ھُنَّ حَوْلِیْ کَمَا تَرٰی یَسْاَلْنَنِی النَّفَقَۃَ فَقَامَ اَبُوْبَکْرٍ اِلٰی عَائِشَۃَ یَجَاُ عُنُقَھَا وَقَامَ عُمَرُ اِلٰی حَفْصَۃَ یَجَاُ عُنُقَھَا کِلَاھُمَا یَقُوْلُ تَسْاَلِیْنَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا لَیْسَ عِنْدَہٗ فَقُلْنَ وَاللّٰہِ لَا نَسْاَلُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ شَیْئًا اَبَدًا لَیْسَ عِنْدَہٗ ثُمَّ اعْتَزَلَھُنَّ شَھْرًا اَوْ تِسْعًا وَعِشْرِیْنَ ثُمَّ نَزَلَتْ ھٰذِہِ الْاٰیَۃُ یٰٓاَیُّھَا النَّبِیُّ قُلْ لِّاَزْوَاجِکَ حَتّٰی بَلَغَ لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْکُنَّ اَجْرًا عَظِیْمًا قَالَ فَبَدَاَ بِعَائِشَۃَ فَقَالَ یَا عَائِشَۃُ اِنِّیْ اُرِیْدُ اَنْ اَعْرِضَ عَلَیْکِ اَمْرًا اُحِبُّ اَنْ

ان کو بھی اجازت مل گئی انھوں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مغموم اور خاموش بیٹھے ہیں آپ کے اردگرد آپ کی بی بیاں ہیں یہ دیکھکر انھوں نے کہا میں کوئی ایسی بات کہوں گا جس پر آپ کو ہنسی آجائے (یہ سوچکر) میں نے عرض کیا یا رسول اللہؐ اگر بنت خارجہ (یہ ان کی بی بی ہیں) مجھ سے میری حیثیت سے زیادہ نفقہ مانگیں تو میں تو کھڑے ہو کر اس کا گلہ دبا دیتا، ان کی اس بات پر آپ کو ہنسی آگئی اور آپ نے فرمایا جیسا تم دیکھ رہے ہو یہ میری بی بیاں بھی اسی سوال کے لئے میرے اردگرد بیٹھی ہوئی ہیں۔ اس پر فوراً حضرت ابوبکرؓ اٹھے اور حضرت عائشہؓ کا گلا پکڑنے لگے اور حضرت عمرؓ اٹھے اور حضرت حفصہ کا گلا دبانے لگے دونوں صاحب یہی ایک بات فرماتے جاتے تھے کہ تم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے نفقہ کا سوال کیوں کرتی ہو جتنا آپ کے پاس نہیں انھوں نے کہا خدا کی قسم آئندہ ہم کبھی آپ سے اس قسم کا سوال نہ کریں گے۔ اس سلسلہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک ماہ یا ۲۹ دن تک اپنی بیبیوں سے علیحدگی اختیار کرلی اور قرآن کی آیت قل لازواجک سے لے کر المحسنات منکن اجرا عظیما تک نازل ہوگئی (اس آیت میں آپ کی بیبیوں کو دو باتوں میں سے ایک بات اختیار کرلینے کے لئے کہا گیا تھا۔ یا وہ خدا و رسول کو اختیار کرلیں تو دنیوی فراوانی سے قطع نظر کرلیں اور اس تقدیر پر آخرت میں ان کے لئے بڑے ثواب کا وعدہ ہے اور اگر چاہیں تو حیوۃ دنیا کو اختیار کرلیں تو پھر ان کو رسول سے علیحدگی کرنی پڑے گی)۔ راوی کہتا ہے کہ اس آیت کو سنانے کی ابتدا، سب سے پہلے آپ نے

نازک مراحل میں آپ کے ازواج کی وہ بےمثال استقامت بھی عیاں ہوجاتی جس کی بنا پر قدرت نے ان کو آپ کی زوجیت کے لئے منتخب فرمالیا تھا۔ دیکھئے اسی فضا میں جب معاملہ یہ آجاتا ہے کہ خدا کے رسول یا دنیا، میں سے کسی ایک کو اختیار کرلیا جائے تو آپ کی سب بی بیوں کے منہ سے ایک ہی جواب نکلتا ہے اور وہ یہی ہے کہ ہم ہمیشہ کے لئے دنیوی فراوانی سے قطع نظر کرسکتے ہیں

لَا تَعْجَلِیْ فِیْهِ حَتّٰی تَسْتَشِیْرِیْ اَبَوَیْكِ قَالَتْ وَمَا هُوَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَتَلَا عَلَیْهَا الْاٰیَةَ قَالَتْ اَفِیْكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْتَشِیْرُ اَبَوَیَّ بَلْ اَخْتَارُ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ وَالدَّارَ الْاٰخِرَةَ وَاَسْاَلُكَ اَلَّا تُخْبِرَ امْرَءَةً مِّنْ نِّسَائِكَ بِالَّذِیْ قُلْتُ قَالَ لَا تَسْاَلُنِیْ امْرَءَةٌ مِّنْهُنَّ اِلَّا اَخْبَرْتُهَا اِنَّ اللّٰهَ لَمْ یَبْعَثْنِیْ مُعْنِتًا وَّلَا مُتَعَنِّتًا وَّلٰكِنْ بَعَثَنِیْ مُعَلِّمًا مُّیَسِّرًا۔ (رواہ مسلم)

(۳۳۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ زَوْجُ بَرِیْرَةَ عَبْدًا اَسْوَدَ یُقَالُ لَهٗ مُغِیْثٌ كَاَنِّیْ اَنْظُرُ

حضرت عائشہؓ سے کی اور فرمایا عائشہ! دیکھو میں ایک خاص بات تمہارے سامنے رکھتا ہوں اور میرا جی یہ چاہتا ہے کہ تم اس کے جواب میں جلد بازی سے کام نہ لو جب تک کہ اپنے والدین سے مشورہ نہ لے لو انہوں نے عرض کیا یا رسول اللہ وہ کیا بات ہے، آپ نے یہی آیت پڑھ کر ان کو سنا دی، یہ بیساختہ بولیں یا رسول اللہ کیا آپ کی رفاقت کا معاملہ بھی ایسا ہے جس میں میں اپنے والدین سے مشورہ لوں گی، میں کسی استخارہ کے بغیر اللہ اس کے رسول اور آخرت کو اختیار کرتی ہوں لیکن میری ایک عرض ہے وہ یہ کہ آپ میرے اس جواب کی اپنی بیبیوں میں سے کسی کو اطلاع نہ دیں۔ آپ نے فرمایا مجھ سے تو ان میں جو بھی دریافت کرے گی میں اس سے تمہارا جواب صاف صاف کہدوں گا۔ اللہ تعالیٰ نے مجھے مشقت میں ڈالنے والا بنا کر نہیں بھیجا بلکہ معلم اور آسانی کرنے والا بنا کر بھیجا ہے۔ (مسلم)

(۳۳۷) ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ بریرہ کے شوہر ایک سیاہ فام غلام تھے ان کو مغیث کہا

مگر خدا کے محبوب رسول سے ایک لمحہ کیلئے بھی صرف نظر نہیں کرسکتے۔ یہ اس لئے کہ ان کی زوجیت کے مقابلہ میں ساری دنیا ہماری نظروں میں ہیچ ہے۔ حضرت عائشہؓ آپ کی سب سے کم سن بی بی ہیں مگر ان کے انداز جواب کو ملاحظہ کیجئے کہ وہ اس مسئلہ کو قابل سوچ بچار ہی نہیں سمجھتیں اور اس کو اتنی عظیم نعمت سمجھتی ہیں جس میں فطری غیرت کی بنا پر نہیں چاہتیں کہ کہ آپ کی کوئی دوسری سوتن شریک ہوسکے۔ اس نازک مرحلہ میں رسول کی بزرگی کا بھی ثبوت ملتا ہے کہ وہ رشتۂ محبوبیت کے باوجود یہاں خاموش بھی نہیں رہ سکا اور بڑی صفائی سے اس نے یہ کہدیا کہ میں تو اس معاملہ میں کوئی رعایت نہیں کرسکتا میں معلم کا منصب لیکر آیا ہوں اس میں کسی سے خیر خواہی کی بات چھپانی خیانت ہے۔ اس حدیث کے مضمون ..... سے ظاہر ہے کہ یہاں رسول خدا کی مرضی گو یہی تھی کہ آپ کی ازواج کہیں اس اختیار میں کوئی غلط قدم نہ اٹھا بیٹھیں، لیکن اس کے باوجود آیت تخییر سنا دینے میں آپ نے کوئی تاخیر نہیں کی۔ طبعی جذبات اور فطری اقتضاء کا معدوم ہو جانا کمال نہیں۔ کمال ان سب کو پامال کر کے حکم شریعت کی بجا آوری میں ہے۔

(۳۳۷) بریرہؓ ایک باندی تھیں اور باندی کے متعلق مسئلہ یہ ہے کہ جب وہ آزاد ہو جائے تو اس کو اپنے سابقہ نکاح کے قائم رکھنے نہ رکھنے میں شرعاً اختیار دیا جاتا ہے اسی قاعدہ کے ماتحت جب بریرہ آزاد ہو گئیں تو ان کو بھی اختیار مل گیا اگر وہ چاہیں تو اپنے دیرینہ شوہر کی زوجیت میں رہنا قبول کریں اور چاہیں تو ان سے علیحدگی اختیار کرلیں۔ حضرت بریرہؓ

إِلَيْهِ يَطُوفُ خَلْفَهَا فِي سِكَكِ الْمَدِينَةِ يَبْكِي وَدُمُوعُهُ تَسِيلُ عَلَى لِحْيَتِهِ فَقَالَ النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم لِلْعَبَّاسِ يَا عَبَّاسُ أَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِيثٍ بَرِيرَةَ وَمِنْ بُغْضِ بَرِيرَةَ مُغِيثًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ رَاجَعْتِيهِ فَقَالَتْ يَا رَسُولَ اللّٰهِ تَأْمُرُنِي قَالَ إِنَّمَا أَشْفَعُ قَالَتْ لَا حَاجَةَ لِي فِيهِ۔ (رواہ البخاری)

---

کہا جاتا تھا ان کا وہ نقشہ گویا اب میری آنکھوں کے سامنے ہے کہ مدینہ کی گلیوں میں وہ بریرہؓ کے پیچھے پیچھے روتے پھر رہے ہیں اور ان کے آنسو ان کی ڈاڑھی پر بہہ رہے ہیں اس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت عباسؓ سے فرمایا، عباس! کیا تم کو اس پر تعجب نہیں ہوتا کہ مغیث کو بریرہ سے کتنی الفت ہے اور بریرہ کو ان سے کتنی نفرت ہے، اس کے بعد آپ نے بریرہ سے کہا کاش تم مغیث کی زوجیت میں رہنا قبول کر لیتیں انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے حکم ہے؟ (یا صرف سفارش) آپ نے فرمایا میں تو صرف سفارش کرتا ہوں (حکم نہیں دیتا) بریرہ نے عرض کیا تو پھر مجھے ان کے بارے میں کوئی دلچسپی نہیں (بخاری شریف)

---

اگرچہ ایک باندی تھیں لیکن زمانہ نبوت کے فیض عام کی وجہ سے کتنی حدود شناس ہو گئی تھیں کہ ان کے دو لفظوں میں ساری کتاب الایمان کی روح کھنچی ہوئی نظر آتی ہے یعنی وہ اس امر کو خوب پہچانتی تھیں کہ ایک امتی کے حدود اختیارات کہاں تک باقی رہتی ہیں اور کہاں جا کر ختم ہو جاتی ہیں اس لئے وہ نہایت مودبانہ استفسار کرتی ہیں کہ یہ آپ کا حکم ہے یا صرف ایک سفارش کا مرتبہ۔ گویا نبی اگر کسی کی طرف سے سفارش کرے تو امتی کے لئے اس کا تسلیم کر لینا ایسی حتمی چیز نہیں ہو جاتی جس کے بعد پھر اس کے لئے کوئی اختیار اور آزادی رائے کا حق ہی باقی نہ رہے بلکہ اگر وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس صورت میں اس کے لئے شرعی حدود کا نباہ مشکل ہوگا تو اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی آزادی رائے کو ملحوظ رکھے لیکن جس جگہ پہنچ کر امتی کے تمام اختیارات سلوب ہو جاتے ہیں اور اس کیلئے آزادی رائے کا کوئی حق نہیں رہتا وہ صاحب شریعت کا حکم ہے۔ رسول کے امر و نہی کے بعد اطاعت کرنے کے سوا اب کوئی دوسری راہ باقی نہیں رہتی۔ مذہب پر نکتہ چینی کرنیوالے اس نکتہ کو پورے غور سے ملاحظہ کریں کہ مذاہب عالم کی صفوف میں اسلام نے انسانوں میں ایک باندی کی رائے کا بھی کس حد تک احترام کیا ہے یعنی پرائیویٹ معاملات میں اس نے ایک ایسی حد قائم کر دی ہے جہاں پہنچ کر رسول جیسی شخصیت کو بھی آئینی دست اندازی کا حق نہیں ہوتا اور اس کو بھی اتنا ہی حق ہوتا ہے کہ وہ اپنی رائے کا صرف اظہار کر دے جو مذہب اپنے تسلیم کر نیوالوں پر جبر کرنا پسند نہیں کرتا سوچو کہ وہ خود مذاہب کے اختیار کرنے پر کب جبر کرنا گوارا کر سکتا ہے —— اس قسم کے واقعات سے ہمیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی صداقت کا ایک بدیہی اور غیر اختیاری سبق ملتا ہے کہ اتنی با اختیار ہستی ہو کر وہ کسی انسان پر کوئی دباؤ ڈالنا پسند نہیں فرماتے اور اگر ایک باندی اپنی جائز آزادی کے ماتحت آپ کی سفارش قبول کرنے سے معذوری کا اظہار کرتی ہے تو اس کا بھی کوئی برا نہیں مانتے۔ کیا ہے کوئی انسان جو اتنے اختیارات کا مالک ہو کر روزمرہ کے معاملات میں اتنی آزادی اور اتنی رواداری کو جائز رکھ سکے جب اس کے کسی شرعی حکم کا خلاف کیا جائے تو اسے برداشت نہ کر سکے اور بیک وقت جب ذاتی معاملات میں اس کی سفارش پر عملدر آمد نہ ہو تو ذرا چیں بہ جبیں نہ ہو کیا ایسے انسان کی ایک ایک حرکت صرف رضاء الٰہی کے لئے نہ ہوگی۔ اس موقعہ پر آپ کو ترجمان السنہ ج ا ص ۲۴۹ پر حدیث (۱۸۲) کا ملاحظہ کرنا بھی مفید ہوگا۔

## الایمان عقد للقلب ولیست اعمال الجوارح اجزاء للایمان

(۳۳۸) عَنْ عِبَادَةَ بْنِ الصَّامِتِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَمْسُ صَلَوَاتٍ اِفْتَرَضَھُنَّ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ اَحْسَنَ وُضُوْءَھُنَّ وَصَلَّاھُنَّ لِوَقْتِھِنَّ وَاَتَمَّ رُکُوْعَھُنَّ وَخُشُوْعَھُنَّ کَانَ لَہٗ عَلَی اللّٰہِ عَھْدٌ اَنْ یَّغْفِرَ لَہٗ وَمَنْ لَّمْ یَفْعَلْ فَلَیْسَ لَہٗ عَلَی اللّٰہِ عَھْدٌ اِنْ شَاءَ غَفَرَ لَہٗ وَاِنْ شَاءَ عَذَّبَہٗ۔ رواہ احمد وابوداؤد وروی مالک والنسائی

(۳۳۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ کَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُغِیْرُ اِذَا طَلَعَ الْفَجْرُ وَکَانَ یَسْتَمِعُ الْاَذَانَ فَاِنْ سَمِعَ اَذَانًا اَمْسَکَ وَاِلَّا اَغَارَ فَسَمِعَ رَجُلًا یَقُوْلُ اللّٰہُ اَکْبَرُ اللّٰہُ اَکْبَرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلَی الْفِطْرَۃِ ثُمَّ قَالَ اَشْھَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم

## ایمان دراصل قلبی اعتقاد کا نام ہے فرائض و اعمال ایمان کے اجزا نہیں

(۳۳۸) عبادہ بن صامت سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے پانچ نمازیں فرض کی ہیں جو شخص ان کے لئے اچھی طرح وضو کرے اور ان کا رکوع و خشوع بھی پورا پورا ادا کرے تو اس کے ساتھ اللہ تعالیٰ کا یہ عہد ہو گا کہ وہ اس کو بخش دے اور جو ایسا نہ کرے تو اللہ تعالیٰ کا اس سے کوئی عہد نہیں چاہے تو اسے بھی بخش دے اور چاہے تو عذاب دے۔ (احمد۔ ابوداؤد۔ مالک۔ نسائی)

(۳۳۹) انسؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت جنگ شروع کرتے جب فجر ہو جاتی اور اذان کا خیال رکھتے اگر اذان کی آواز آجاتی تو جنگ کا ارادہ ملتوی کر دیتے ورنہ جنگ شروع کر دیتے۔ ایک مرتبہ آپ نے ایک شخص کو یہ کہتے ہوئے سنا اللہ اکبر اللہ اکبر تو فرمایا تو ٹھیک اپنی فطرت پر قائم ہے، جب اس نے یہ کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ تو فرمایا جا تجھے آتش دوزخ سے نجات مل گئی

(۳۳۸) یہ سب کے نزدیک مسلم ہے کہ مغفرت ایمان کے بغیر نہیں ہو سکتی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بے نمازی کے اسلام کی خواہ کوئی حیثیت بھی ہو مگر آخر کار اس کی مغفرت ہو جائیگی معلوم ہوا کہ نماز جیسا عمل بھی ایمان کا جزء نہیں ورنہ بے نمازی کی مغفرت نہ ہوتی۔ یہ مسئلہ بہت نازک ہے اس کی ایک طرف ارجاء اور دوسری طرف اعتزال ہے اور راہ صواب اعتدال میں ہے مفصل کلام پہلے گذر چکا ہے۔

(۳۳۹) حدیث مذکور میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف شہادتین سن کر جنت کی بشارت دیدی اگر اعمال ایمان کا جزء ہوتے تو اعمال کے بغیر یہ بشارت نہ دیجاتی۔

خَرَجَتْ مِنَ النَّارِ فَنَظَرُوْا إِلَيْهِ فَإِذَا هُوَ رَاعِيْ مِعْزًى. (رواه مسلم)

(۳۴۰) عَنْ أَبِيْ جُحَيْفَةَ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ فِيْ سَفَرٍ فَسَمِعَ مُؤَذِّنًا يَقُوْلُ أَشْهَدُ أَنْ لَّا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَلَعَ الْأَنْدَادَ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ خَرَجَ مِنَ النَّارِ الحديث (رواه البزار وقال الهيثمي رجاله ثقات)

(۳۴۱) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَلَا قَوْلَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَلَا يَشْفَعُوْنَ إِلَّا لِمَنِ ارْتَضٰى فَقَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ شَفَاعَتِيْ لِأَهْلِ الْكَبَائِرِ مِنْ أُمَّتِيْ. (رواه الحاكم في التفسير وهو مروي غير مسلم وغيره)

(۳۴۲) عَنِ الْحَسَنِ ثَنَا أَبُوْ هُرَيْرَةَ إِذْ ذَاكَ وَنَحْنُ بِالْمَدِيْنَةِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَجِيْءُ الْأَعْمَالُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَتَجِيْءُ الصَّلٰوةُ فَتَقُوْلُ يَا رَبِّ أَنَا الصَّلٰوةُ فَيَقُوْلُ إِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ فَتَجِيْءُ الصَّدَقَةُ فَتَقُوْلُ يَا رَبِّ أَنَا الصَّدَقَةُ فَيَقُوْلُ إِنَّكِ عَلٰى خَيْرٍ ثُمَّ يَجِيْءُ

---

صحابہ نے اس شخص کو جا کر دیکھا تو وہ بکریوں کا چرواہا تھا۔ (مسلم)

(۳۴۰) ابو جحیفہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر میں تھے کہ ایک موذن کو آپ نے یہ کلمہ کہتے ہوئے سنا اشہد ان لا الہ الا اللہ تو فرمایا اس نے تو اللہ تعالیٰ کے سوا اس کے تمام شریکوں سے بیزاری کا اظہار کر دیا پھر جب یہ سنا اشہد ان محمدا رسول اللہ تو فرمایا عذاب دوزخ سے نجات پا گیا۔ (مسند بزار)

(۳۴۱) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کا یہ قول تلاوت کیا ولا یشفعون الخ اور شفاعت بھی نہیں کر سکیں گے مگر اسی کے لئے جس کے لئے اللہ تعالیٰ کی مرضی ہو اس کے بعد فرمایا کہ میری شفاعت میرے ان سب امتیوں کے لئے ہوگی جنھوں نے گناہ کبیرہ کئے ہیں۔ (حاکم)

(۳۴۲) حسنؒ روایت کرتے ہیں کہ ابو ہریرہؓ نے مجھ سے مدینہ میں بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے قیامت کے دن تمام اعمال کی صورتیں آئیں گی، نماز آئے گی اور کہے گی اے رب میں نماز ہوں، ارشاد ہوگا تو بہت اچھا عمل ہے اس کے بعد صدقہ آئے گا اور کہے گا اے رب میں صدقہ ہوں

---

(۳۴۱) اگر اعمال اجزاء ایمان ہوتے تو مرتکب کبیرہ مومن نہ ہوتا اور نہ اس کے لئے شفاعت ہو سکتی۔

(۳۴۲) اس حدیث میں اسلام کی صورت اعمال سے جداگانہ مذکور ہے حضرت استاد قدس سرہ فرماتے تھے کہ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کو اسلام سے خواہ کتنا ہی گہرا ربط ہو تاہم وہ اس کے اجزا نہیں ——— معلوم ہونا چاہئے کہ اعمال کی جزئیت کا مسئلہ محدثین و فقہاء کے مابین ثمرہ کے اعتبار سے کوئی اختلافی مسئلہ نہیں۔ مومن عاصی سب کے

الصِّيَامُ فَيَقُولُ أَيْ رَبِّ أَنَا الصِّيَامُ فَيَقُولُ إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ ثُمَّ تَجِيءُ الْأَعْمَالُ عَلَى ذٰلِكَ فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ ثُمَّ تَجِيءُ الْإِسْلَامُ فَيَقُولُ يَا رَبِّ أَنْتَ السَّلَامُ وَأَنَا الْإِسْلَامُ فَيَقُولُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ إِنَّكَ عَلَى خَيْرٍ بِكَ الْيَوْمَ آخُذُ وَبِكَ أُعْطِي فَقَالَ اللّٰهُ فِي كِتَابِهٖ وَمَنْ يَبْتَغِ غَيْرَ الْإِسْلَامِ دِيْنًا فَلَنْ يُّقْبَلَ مِنْهُ وَهُوَ فِي الْآخِرَةِ مِنَ الْخَاسِرِيْنَ) انفرد بہ احمد وذکرہ ابن کثیر فی تفسیرہ ورجالہ ثقات ولکن یقال ان الحسن لم یسمع من ابی ھریرۃ۔

(۳۴۳) عَنِ الْقَاسِمِ بْنِ عَوْفٍ الشَّيْبَانِيِّ قَالَ سَمِعْتُ ابْنَ عُمَرَ يَقُوْلُ لَقَدْ عِشْنَا بُرْهَةً مِنْ دَهْرِنَا وَإِنَّ أَحَدَنَا يُؤْتَى الْإِيْمَانَ قَبْلَ الْقُرْاٰنِ وَيَنْزِلُ السُّوْرَةُ عَلَى مُحَمَّدٍ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَيَتَعَلَّمُ حَلَالَهَا وَحَرَامَهَا وَمَا يَنْبَغِيْ أَنْ يُّوْقَفَ عِنْدَهٗ فِيْهَا كَمَا تَعْلَمُوْنَ أَنْتُمُ الْقُرْاٰنَ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُ رِجَالًا يُؤْتَى أَحَدُهُمُ الْقُرْاٰنَ فَيَقْرَأُ مَا بَيْنَ فَاتِحَتِهٖ إِلَى خَاتِمَتِهٖ مَا يَدْرِيْ مَا آمِرُهٗ وَلَا زَاجِرُهٗ وَلَا مَا يَنْبَغِيْ أَنْ يُّوْقَفَ عِنْدَهٗ مِنْهُ يَنْثُرُهٗ نَثْرَ الدَّقَلِ۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک وقال الذھبی علی شرطھما)

---

ارشاد ہوگا تو بھی بہت اچھا عمل ہے پھر روزہ آئیگا اور کہیگا رب میں روزہ ہوں ارشاد ہوگا تو بھی بہت اچھا عمل ہے اس کے بعد اسی طرح سب اعمال آتے رہیں گے اور اللہ تعالیٰ کی جانب سے یہی ارشاد ہوتا رہے گا کہ تم اچھے عمل ہو۔ آخر میں اسلام کی صورت آئیگی یہ عرض کرے گا اے پروردگار تیرا نام "السلام" ہے اور میرا نام اسلام ارشاد ہوگا تو سب سے بہتر عمل ہے، آج گرفت اور انعام دونوں کا دارومدار تیری ہی ذات پر ہے، جیسا کہ قرآن میں ارشاد ہے (جو اسلام کے سوا کوئی اور دین تلاش کریگا وہ ہرگز قبول نہ کیا جائیگا اور یہ شخص آخرت میں بہت نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا) (احمد)

(۳۴۳) قاسم بن عوف بیان کرتے ہیں کہ میں نے ابن عمرؓ کو یہ کہتے خود سنا ہے کہ ہمارا ایک زمانہ ایسا گذرا ہے جبکہ ہم میں سے ایک شخص کو قرآن سے پہلے ہی ایمان نصیب ہوجاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر قرآن کی ایک سورت اترتی وہ اس کے حلال و حرام سیکھ لیتا اور ان مقامات کو بھی معلوم کرلیتا کہ کہاں کہاں اس میں ٹھہرنا مناسب ہے (غرض وہ اسی طرح ادب کے ساتھ قرآن پڑھنا سیکھتا جیسا ادب و احترام کے ساتھ آج تم سیکھتے ہو) اس کے بعد فرمایا کہ اب میں ایسے لوگ بھی دیکھ رہا ہوں جنھیں سارا قرآن (پہلے ہی) نصیب ہوجاتا ہے وہ اس کو از اول تا آخر پڑھتے بھی ہیں مگر نہ اس کے امر و نہی کو سمجھتے ہیں نہ یہ جانتے ہیں کہ کس جگہ ٹھہرنا مناسب ہے بس اس طرح اس کو لاپرواہی سے پڑھتے ہیں جس طرح ردی کھجوریں لاپرواہی کے ساتھ بکھیر دی جاتی ہیں۔ (حاکم)

---

نزدیک آخر کار جنت میں داخل ہوگا اور اسی طرح اعمال کی اہمیت سے بھی کسی کو اختلاف نہیں ہے، صرف وقتی مصالح کے لحاظ سے مختلف تعبیرات تھیں جو بعد میں مذاہب بن گئیں۔ تفصیلی بحث گذر چکی ہے۔

(۳۴۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنِّيْ أَقْرَأُ الْقُرْآنَ فَلَا أَجِدُ قَلْبِيْ يَعْقِلُ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ قَلْبَكَ حُشِيَ الْإِيْمَانَ وَإِنَّ الْإِيْمَانَ يُعْطَى الْعَبْدُ قَبْلَ الْقُرْآنِ (رواه احمد فی اسناده ابن لهیعة)

(۳۴۵) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ الْإِسْلَامُ عَلَانِيَةٌ وَالْإِيْمَانُ فِي الْقَلْبِ قَالَ ثُمَّ يُشِيْرُ بِيَدِهٖ إِلَى صَدْرِهٖ ثَلَاثَ مَرَّاتٍ قَالَ ثُمَّ يَقُوْلُ التَّقْوٰى هٰهُنَا۔ (رواه احمد والبزار وابو یعلی وابن ابی شیبة وسنده جید)

(۳۴۴) عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس حاضر ہوا اور اس نے یہ شکایت کی کہ یا رسول اللہ میں قرآن پڑھتا تو ہوں مگر مجھے اس میں کچھ دلچسپی نہیں ہوتی، آپ نے فرمایا کہ تمہارا قلب ایمان سے (پہلے ہی) لبریز ہوچکا ہے اور اللہ کے بندے ایسے بھی ہیں جنھیں قرآن سے پہلے ایمان نصیب ہوجاتا ہے۔ (احمد)

(۳۴۵) انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کرتے تھے اسلام ظاہری اعمال کا نام ہے اور ایمان اس اعتقاد کا نام ہے جو دل میں ہو اس کے بعد آپ نے ہاتھ سے اپنے سینہ کی طرف تین بار اشارہ فرمایا، راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد فرمایا تقویٰ اس جگہ ہے۔ (احمد وغیرہ)

(۳۴۴) اس مضمون کو ابن عمر نے پہلی حدیث میں اپنے زمانہ کی شکایت کے سلسلہ میں بیان کیا ہے کہ ایک زمانہ وہ تھا جبکہ لوگوں کو ایمان پہلے میسر آجاتا تھا قرآن بعد میں رفتہ رفتہ نازل ہوتا جتنا قرآن اترتا ان کا ایمان اتنا ہی اور قوی ہوتا تھا وہ اسی سمجھ سمجھ کر پڑھتے اور اس پر عمل کرتے تھے اور ایک زمانہ اب ہے کہ تمام قرآن پہلے نازل ہوچکا ہے لوگ بعد میں اس پر ایمان لاتے ہیں چاہئے تو یہ تھا کہ قرآن کریم کی موجودگی میں ان کا ایمان اور پختہ ہوتا وہ دلچسپی سے قرآن پڑھتے اور سرگرمی سے اس پر عمل کرتے مگر ہو یہ رہا ہے کہ نہ وہ اس کو اس جوش و خروش کے ساتھ پڑھتے ہیں جیسے پہلے پڑھا کرتے تھے اور نہ ان میں وہ جذبۂ عمل نظر آتا ہے جو پہلے نظر آتا تھا۔ اس حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عبداللہ کو یہ اطمینان دلایا ہے کہ ان کا قلب قرآن سے پہلے ہی ایمان سے لبریز ہوچکا ہے۔ اگر قرآن پڑھنے میں ان کے معیار کے مطابق دلجمعی میسر نہیں آتی تو یہ ضعف ایمانی کی دلیل نہیں ـــــ جب ایمان قرآن سے پہلے ہی میسر آسکتا ہے تو معلوم ہوا کہ اعمال ایمان کا جز نہیں

(۳۴۵) اس حدیث میں اعمال ظاہرہ کو اسلام اور تصدیق باطنی کو ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ ظاہر ہے کہ جب محل ایمان قلب ہے تو اعمال جوارح ایمان کا جز کیسے ہوسکتے ہیں۔ معتزلہ کا یہ خیال صحیح نہیں کہ عمل نہ ہونے سے ایمان نہیں رہتا ایمان قلب کی صفت ہے وہ اعمال جوارح نہ ہونے کی صورت میں بھی باقی رہ سکتی ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ اس میں نور و بالیدگی نہ رہے۔

## وزعت الشريعة الجنة والنار على الايمان والكفر دون الاعمال

(۳۴۶) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُوْجِبَتَانِ مَنْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ لَا يُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ وَمَنْ لَقِيَ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ وَهُوَ يُشْرِكُ بِهٖ دَخَلَ النَّارَ (رواہ مسلم)

(۳۴۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ النَّارَ وَقُلْتُ اَنَا مَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا دَخَلَ الْجَنَّةَ (رواہ البخاری)

## جنت اور دوزخ کی تقسیم شرک و ایمان پر دائر ہے صرف اچھے برے اعمال پر نہیں

(۳۴۶) جابر بن عبد اللہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو باتیں ایسی ہیں جو انسان کے لئے دو چیزیں واجب کر دیتی ہیں۔ جو شخص اللہ تعالیٰ کے سامنے اس طرح حاضر ہوگا کہ اس نے دنیا میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرایا ہو (تو اس کے لئے جنت واجب ہو جائیگی) اور وہ ضرور جنت میں جائیگا اور جو شخص اس طرح حاضر ہوگا کہ اس نے کسی کو اس کا شریک ٹھہرایا ہو (تو اس کے لئے دوزخ واجب ہو جائے گی اور) وہ ضرور دوزخ میں جائے گا۔ (مسلم)

(۳۴۷) عبد اللہ بن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک کرتا ہو تو وہ دوزخ میں جائیگا۔ یہ مضمون تو میں نے خود بارگاہ رسالت سے سنا ہے) اور دوسری بات میں اپنی جانب سے کہتا ہوں کہ جو شخص اس حالت میں مر جائے کہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ شرک نہ کرتا ہو تو وہ جنت میں جائے گا۔ (بخاری شریف)

(۳۴۶) بقول امام غزالیؒ انسان اگرچہ ازلی نہیں مگر ابدی ضرور ہے اس لئے اس کو ایک ابدی مستقر کی ضرورت بھی ہے دنیا اس کا ابدی مستقر نہیں صرف عارضی مستقر ہے ولکم فی الارض مستقر ومتاع الی حین۔ تمہیں خدا کی زمین پر صرف چند روزہ رہنا ہے اور ایک وقت مقرر تک اس کی نعمتوں سے کچھ فائدہ حاصل کرنا ہے۔

اس کا دائمی مستقر جنت یا دوزخ ہیں قادر مطلق نے اس کی تقسیم اچھے برے اعمال پر نہیں رکھی بلکہ ایمان و کفر پر رکھی ہے، اس لئے مومن خواہ کتنا ہی گنہگار کیوں نہ ہو مگر اس کا ابدی مستقر جنت ہی رہے گا اور کافر خواہ کتنے ہی اچھے اچھے کام کیوں نہ کرے لیکن اس کا ابدی مستقر دوزخ ہی رہے گا۔ اب رہی یہ بات کہ موقت ایمان و کفر کی جزا خلود کیوں رکھی گئی ہے تو ہمارے علم میں اس کا سب سے بہتر جواب وہ ہے جو ابن قتیبہ نے زیر کلام حدیث نیۃ المرء خیر من عملہ اپنی کتاب تاویل مختلف حدیث میں ذکر کیا ہے دیکھو ص۱۵۸ پھر اسی کا خلاصہ شیخ بدر الدین عینی نے شرح بخاری میں اور عبد الوہاب شعرانی نے الیواقیت والجواہر میں ذکر کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| لان تخليد الله العبد فی الجنة ليس لعمله | جنت میں خلود اور ابدی زندگی کی بنیاد عمل پر نہیں بلکہ بندہ کی |
| انما هو لنيته لانه لو كان لعمله لكان خلوده | نیت پر رکھی گئی ہے اگر اس کی بنیاد عمل پر ہوتی تو اخروی حیوۃ |

## یخرج من النار من کان فی قلبہ مثقال ذرۃ من نور الایمان

(۳۴۸) عَنْ أَنَسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ شَعِيرَةٍ مِنْ خَيْرٍ وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ بُرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ وَيَخْرُجُ مِنَ النَّارِ مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَفِي قَلْبِهِ وَزْنُ ذَرَّةٍ مِنْ خَيْرٍ (رواہ البخاری)

## جس کے قلب میں نورِ ایمان کا ایک ذرہ ہوگا وہ بھی (بالآخر) دوزخ سے نکال لیا جائیگا

(۳۴۸) انسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس شخص نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں جو برابر بھی نورِ ایمان ہوگا تو (بالآخر) وہ دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں گیہوں کے ایک دانہ برابر بھی نورِ ایمان ہوگا وہ بھی (بالآخر) دوزخ سے نکال لیا جائے گا اور جس شخص نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا اور اس کے دل میں ایک ذرہ برابر بھی نورِ ایمان ہوگا وہ بھی دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ (بخاری شریف)

فیھا بقدر مدۃ عملہ او اضعافہ الا انہ جازاہ بنیتہ لانہ کان ناویا ان یطیع اللہ تعالیٰ ابد الو بقی ابدا فلما اخترمتہ منیتہ دون نیتہ جزاہ اللہ علیہا وکذا الکافر۔

(عمدۃ القاری ج ۱ ص ۲۲)

کی مدت بھی اتنی ہی ہونی چاہیے تھی جتنی کہ اس کے عمل کی تھی یا بہت بہت اس کی دوگنی لیکن چونکہ اس کی بنیاد نیت پر رکھی گئی ہے اور اس کی نیت یہ ہوتی ہے کہ اگر وہ ہمیشہ جئے گا تو خدا تعالیٰ کی اطاعت ہمیشہ ہی کیا کریگا اس نیت میں اگر حائل ہوتی ہے تو موت ہوتی ہے اس کا تو کوئی قصور ہوتا نہیں اسلئے اس کو اپنی نیت کے مطابق دوام و خلود کا بدلہ ملتا ہے اور یہی حال دوزخ میں کافر کے خلود کا بھی ہے۔ (عمدۃ القاری)

یہاں ہمارا مقصد اعمال کی قیمت گھٹانا نہیں ہے بلکہ ایمان کی اہمیت اور کفر کی شامت بتانا ہے عمل کی حد سے زیادہ اہمیت اعتزال اور اس سے زیادہ بے اعتنائی ارجاء کے قریب کر دیتی ہے۔ صحیح راہ پر قائم رہنے کے لئے حدود شناسی لازم ہے۔

(۳۴۸) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ مومن اگرچہ کتنا ہی ادنیٰ درجہ کا ہو مگر وہ بھی اپنے گناہوں کی سزا بھگت کر آخرکار دوزخ سے نکال لیا جائے گا۔ ایمان گو خدا تعالیٰ سے ایک عہد کا نام ہے مگر قلب میں اس کی ایک حقیقت بھی ہوتی ہے جو اس کا وجود خارجی کہلاتی ہے یہ حقیقت کسی کے دل میں پہاڑوں کے برابر ہوگی اور کسی کے رائی کے دانہ کی برابر۔ لیکن اس حقیقت کے ہوتے کوئی شخص دوزخ میں رہ نہیں سکتا۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ بارگاہ صمدیت میں ایمان کی قدر و قیمت کتنی ہے اس کے بالمقابل کفر و شرک ہے جس کے دل میں شرک ہوگا وہ خدا تعالیٰ کی جنت کے قریب بھی نہیں پھٹک سکتا۔ حتی یلج الجمل فی سم الخیاط۔ اس سے شرک کی قباحت کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اسی لئے جنت و دوزخ کی تقسیم ایمان و کفر پر کی گئی ہے نہ کہ اعمال پر۔

(۳۴۹) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ یَدْخُلُ اَھْلُ الْجَنَّۃِ الْجَنَّۃَ وَاَھْلُ النَّارِ النَّارَ ثُمَّ یَقُوْلُ اللّٰہُ اَخْرِجُوْا مَنْ کَانَ فِیْ قَلْبِہٖ مِثْقَالُ حَبَّۃٍ مِّنْ خَرْدَلٍ مِّنْ اِیْمَانٍ فَیُخْرَجُوْنَ مِنْھَا قَدِ اسْوَدُّوْا فَیُلْقَوْنَ فِیْ نَھْرِ الْحَیَا اَوِ الْحَیَاۃِ (شَکَّ مَالِکٌ) فَیَنْبُتُوْنَ کَمَا تَنْبُتُ الْحِبَّۃُ فِیْ جَانِبِ السَّیْلِ اَلَمْ تَرَ اَنَّھَا تَخْرُجُ صَفْرَاءَ مُلْتَوِیَۃً (رواہ البخاری ومسلم)

(۳۵۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ یَوْمُ الْقِیٰمَۃِ مَاجَ النَّاسُ بَعْضُھُمْ فِیْ بَعْضٍ فَیَاْتُوْنَ اٰدَمَ فَیَقُوْلُوْنَ اِشْفَعْ اِلٰی رَبِّکَ فَیَقُوْلُ لَسْتُ لَھَا وَلٰکِنْ عَلَیْکُمْ بِاِبْرَاھِیْمَ فَاِنَّہٗ خَلِیْلُ الرَّحْمٰنِ فَیَاْتُوْنَ اِبْرَاھِیْمَ فَیَقُوْلُ لَسْتُ لَھَا وَلٰکِنْ عَلَیْکُمْ بِمُوْسٰی فَاِنَّہٗ

---

(۳۴۹) ابو سعید خدری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب جنتی جنت میں اور دوزخی دوزخ میں داخل ہو چکیں گے تو اللہ تعالیٰ ارشاد فرمائے گا جس کے دل میں رائی کے دانہ کی برابر بھی ایمان ہو، اسے بھی دوزخ سے نکال لو چنانچہ ان کو بھی نکال لیا جائیگا ان کی حالت یہ ہوگی کہ جل کر سیاہ فام ہو گئے ہوں گے اس کے بعد ان کو نہر حیا یا نہر حیات میں ڈالا جائے گا (مالک راوی حدیث کو اصل لفظ میں شک ہے) تو وہ اس طرح ہرے بھرے نکل آئیں گے جیسا دانہ پانی کی اوپر بہے ہوئے کوڑے میں (سڑ گل کر) نکل آتا ہے کبھی تم نے غور کیا ہے کہ وہ کیسا زرد زرد بل کھایا ہوا نکلتا ہے۔ (بخاری ومسلم)

(۳۵۰) انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ جب قیامت ہوگی تو (مارے پریشانی کے) لوگ ایک دوسرے کے پاس بھاگے بھاگے پھریں گے آخر حضرت آدم علیہ السلام کے پاس پہنچیں گے اور ان سے عرض کریں گے آپ اپنے پروردگار سے ہماری شفاعت کر دیجئے وہ فرمائیں گے میں اس لائق کہاں، تم ابراہیم (علیہ السلام) کے پاس جاؤ وہ اللہ کے خلیل ہیں یہ ان کی خدمت میں

---

(۳۴۹) اس قسم کی حدیثوں سے معتزلہ اور مرجئہ ہر دو فرقوں کی تردید ہو جاتی ہے کیونکہ ان سے معلوم ہوتا ہے کہ ایمان کے ساتھ اعمال کا وجود بھی ضروری ہے ورنہ عاصی مومن دوزخ میں نہ جاتا لہٰذا مرجئہ کے خیال کی تردید ہو گئی جو کہتے ہیں کہ ایمان کے بعد عمل کی کوئی ضرورت ہی نہیں۔ اسی طرح معتزلہ کے عقیدہ کی بھی تغلیط ہو گئی کیونکہ ان احادیث سے ظاہر ہے کہ عاصی مومن ہمیشہ کے لئے دوزخ میں نہیں رہے گا۔ معتزلہ ان کے حق میں بھی خلود کے قائل ہیں پس حق یہ ہے کہ اعمال انتہا درجہ ضروری ہیں لیکن اگر کسی کے دل میں ایمان کا کوئی ذرہ موجود ہے تو فقدان اعمال کی وجہ سے اگرچہ اس کو عذاب ہو مگر آخر کار اس ایمان کی بدولت اس کی بھی نجات ہو جائے گی۔ ایمان خواہ کتنا ہی ضعیف ہو مگر دوزخ میں نہیں رہ سکتا اور شرک خواہ کتنا ہی خفیف ہو مگر وہ جنت میں نہیں جا سکتا۔ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں انسانوں کی دو ہی قسمیں ہیں مسلم اور کافر اسی لئے ان کے در ہی مستقر ہیں جنت اور دوزخ۔

كَلِيْمُ اللهِ فَيَأْتُوْنَ مُوْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِعِيْسٰى فَإِنَّهٗ رُوْحُ اللهِ وَكَلِمَتُهٗ فَيَأْتُوْنَ عِيْسٰى فَيَقُوْلُ لَسْتُ لَهَا وَلٰكِنْ عَلَيْكُمْ بِمُحَمَّدٍ فَيَأْتُوْنِيْ فَأَقُوْلُ أَنَا لَهَا فَأَسْتَأْذِنُ عَلٰى رَبِّيْ فَيُؤْذَنُ لِيْ وَيُلْهِمُنِيْ مَحَامِدَ أَحْمَدُهٗ بِهَا لَا تَحْضُرُنِي الْاٰنَ فَأَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ وَأَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ يَا رَبِّ أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ فَيُقَالُ انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ شَعِيْرَةٍ مِّنْ إِيْمَانٍ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَعُوْدُ فَأَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ يَا رَبِّ أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ فَيُقَالُ انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ مِثْقَالُ ذَرَّةٍ أَوْ خَرْدَلَةٍ مِّنْ إِيْمَانٍ فَأَنْطَلِقُ فَأَفْعَلُ ثُمَّ أَعُوْدُ فَأَحْمَدُهٗ بِتِلْكَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ أَخِرُّ لَهٗ سَاجِدًا فَيُقَالُ يَا مُحَمَّدُ ارْفَعْ رَأْسَكَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَهْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَأَقُوْلُ يَا رَبِّ أُمَّتِيْ أُمَّتِيْ فَيُقَالُ انْطَلِقْ فَأَخْرِجْ مَنْ كَانَ فِيْ قَلْبِهٖ أَدْنٰى أَدْنٰى أَدْنٰى مِثْقَالِ حَبَّةِ خَرْدَلَةٍ مِّنْ إِيْمَانٍ

حاضر ہوں گے وہ فرمائیں گے بھلا میں اس کا اہل کہاں لیکن تم حضرت موسیٰ (علیہ السلام) کے پاس جاؤ وہ خدائے تعالیٰ کے شرف ہمکلامی میں ممتاز ہیں یہ ان کی خدمت میں جائیں گے وہ بھی فرما دیں گے میں اس قابل کہاں لیکن تم حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ان کا لقب روح اللہ اور کلمۃ اللہ ہے یہ ان کی خدمت میں آئیں گے وہ بھی فرمائیں گے میں بھی اس لائق کہاں البتہ تم حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہو یہ میرے پاس آئیں گے میں کہوں گا (بہت اچھا) یہ خدمت میرے ہی سپرد کی گئی ہے اس کے بعد میں اپنے پروردگار سے اجازت مانگوں گا مجھے اجازت مل جائے گی اور حق تعالیٰ میرے دل میں اپنی ایسی پاکیزہ اور بلند تعریفیں القاء فرمائے گا جو اس وقت مجھے نہیں آتیں میں ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور تعریف کرتا ہوا سجدہ میں گر جاؤں گا ارشاد ہوگا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر تو اٹھاؤ (کیا چاہتے ہو) کہو تمہاری بات مانی جائے گی مانگو ملے گا شفاعت کرو قبول کی جائے گی میں عرض کروں گا اے اللہ میری امت کو بخشدے۔ میری امت کو بخشدے۔ مجھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور جس کے قلب میں جو برابر بھی نور ایمان دیکھو اسے بھی نکال لو، میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ لوٹ کر پھر ان ہی کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤں گا خطاب ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھاؤ (کیا چاہتے ہو) کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملیگا، شفاعت کرو قبول ہوگی، میں عرض کروں گا خدایا میری امت کو بخشدے، میری امت کو بخشدے۔ مجھے حکم ملے گا اچھا جاؤ اور جس کے

فَاُخْرِجُہُمْ مِنَ النَّارِ فَانْطَلِقُ فَاَفْعَلُ ثُمَّ اَعُوْدُ الرَّابِعَۃَ فَاَحْمَدُہٗ بِتِلْکَ الْمَحَامِدِ ثُمَّ اَخِرُّ لَہٗ سَاجِدًا فَیُقَالُ یَا مُحَمَّدُ اِرْفَعْ رَاْسَکَ وَقُلْ تُسْمَعْ وَسَلْ تُعْطَہْ وَاشْفَعْ تُشَفَّعْ فَاَقُوْلُ یَا رَبِّ ائْذَنْ لِیْ فِیْمَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قَالَ لَیْسَ ذَالِکَ لَکَ وَلٰکِنْ وَعِزَّتِیْ وَجَلَالِیْ وَکِبْرِیَائِیْ وَعَظْمَتِیْ لَاُخْرِجَنَّ مِنْہَا مَنْ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَفِیْ حَدِیْثِ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ یَقُوْلُ اللّٰہُ شَفَعَتِ الْمَلَائِکَۃُ وَشَفَعَ النَّبِیُّوْنَ وَشَفَعَ الْمُؤْمِنُوْنَ وَلَمْ یَبْقَ اِلَّا اَرْحَمُ الرَّاحِمِیْنَ فَیَقْبِضُ قَبْضَۃً مِنَ النَّارِ فَیُخْرِجُ مِنْہَا قَوْمًا لَمْ یَعْمَلُوْا خَیْرًا قَطُّ قَدْ عَادُوْا حُمَمًا فَیُلْقِیْہِمْ فِیْ نَہْرٍ فِیْ اَفْوَاہِ الْجَنَّۃِ

قلب میں ایک ذرہ یا ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان کا نور ہو اُسے بھی نکال لو۔ میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کروں گا۔ واپس ہو کر پھر اُن کلمات کے ساتھ اس کی تعریف کروں گا اور سجدہ میں گر جاؤنگا۔ ارشاد ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھالو کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملیگا، شفاعت کرو قبول ہوگی۔ میں عرض کروں گا خدایا میری امت کو بخشدے۔ میری امت کو بخشدے۔ مجھے حکم ہوگا اچھا جاؤ اور (اس مرتبہ) جس کے قلب میں ایک رائی کے دانہ سے بھی کم سے کمتر نور ایمان ہو اُسے بھی نکال لو میں جاؤں گا اور حکم کی تعمیل کرکے چوتھی بار پھر واپس آؤں گا اور پھر ان ہی کلمات سے اس کی تعریف کروں گا ارشاد ہوگا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سر اٹھالو کہو تمہاری بات مانی جائے گی، مانگو ملے گا، شفاعت کرو قبول ہوگی۔ میں عرض کروں گا پروردگار اب مجھے ان کے نکالنے کی بھی اجازت ہو جنھوں نے کلمہ لا الہ الا اللہ پڑھ لیا ہے ارشاد ہوگا یہ تمہارا حق نہیں البتہ اپنی عزت وجلال، کبریاء، اور بزرگی کی قسم۔ جنھوں نے یہ کلمہ پڑھ لیا ہے انھیں میں خود نکالوں گا۔ اور ابو سعید خدری کی حدیث میں یہ مضمون ان الفاظ میں مذکور ہے کہ (چوتھی بار آپ کے جواب میں ارشاد ہوگا) فرشتے بھی شفاعت کر چکے، خدا کے نبی بھی شفاعت کر چکے اور مومنین بھی شفاعت کر چکے اب ارحم الراحمین کی باری ہے، لہذا قدرت ایک مٹھی بھر کر ایسے لوگوں کو دوزخ سے نکالیگی جنھوں نے کبھی کوئی بھلا کام نہ کیا ہوگا یہ لوگ دوزخ میں پڑے پڑے جل کر کوئلہ سیاہ فام ہوگئے ہوں گے، جنت کے سامنے ایک نہر ہوگی اس میں ان کو ڈالدیا جائے گا وہ اس میں (غوطہ لگا کر) ایسے نکل آئیں گے جیسا دانہ پانی کی رو میں بہتے ہوئے کوڑے پر اُگ آتا ہے۔ اسی طرح یہ موتی کی طرح صاف ستھرے چمکدار ہوجائیں گے ان کی گردنوں پر مہریں ہونگی ان کی وجہ سے جنتی ان کو عتقاء الرحمن کہیں گے (یعنی عذاب دوزخ سے رحمن کی آزاد کردہ جماعت) جس نے ان کو یونہی جنت میں داخل کردیا ہے نہ انھوں نے کوئی اچھا عمل کیا تھا اور نہ ان کے پیش نظر کوئی نیک نیتی تھی، ان سے خطاب ہوگا جاؤ جتنا تم نے دیکھا تم کو وہ دیا

يُقَالُ لَهُ نَهْرُ الْحَيٰوةِ فَيَخْرُجُوْنَ كَمَا تَخْرُجُ الْحِبَّةُ فِي حَمِيْلِ السَّيْلِ فَيَخْرُجُوْنَ كَاللُّؤْلُؤِ فِي رِقَابِهِمُ الْخَوَاتِمُ فَيَقُوْلُ اَهْلُ الْجَنَّةِ هٰؤُلَاءِ عُتَقَاءُ الرَّحْمٰنِ اَدْخَلَهُمُ الْجَنَّةَ بِغَيْرِ عَمَلٍ عَمِلُوْهُ وَلَا خَيْرٍ قَدَّمُوْهُ فَيُقَالُ لَهُمْ لَكُمْ مَا رَاَيْتُمْ وَمِثْلُهُ مَعَهُ۔ (متفق علیہ) وفی حدیث انس عند البخاری قَالَ لَيُصِيْبَنَّ اَقْوَامًا سَفْعٌ مِنَ النَّارِ بِذُنُوْبٍ اَصَابُوْهَا عُقُوْبَةً ثُمَّ يُدْخِلُهُمُ الْجَنَّةَ بِفَضْلِهٖ وَرَحْمَتِهٖ فَيُقَالُ لَهُمُ الْجَهَنَّمِيُّوْنَ۔

(۳۵۱) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْرُجُ قَوْمٌ

---

اور اسی کے برابر اور دیا۔ (متفق علیہ) بخاری میں حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ کچھ لوگ اپنے گناہوں کی شامت میں عذاب دوزخ میں گرفتار ہوکر سیاہ فام ہوجائیں گے اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و رحمت سے ان کو جنت میں داخل فرمادیگا ان لوگوں کا لقب جہنمی ہوگا۔

(۳۵۱) عمران بن حصین بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کچھ لوگ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم)

---

(۳۵۰) انسؓ کی حدیث میں کلمہ طیبہ کے ایک جزء پر نجات کی بشارت مذکور ہے۔ علماء کے مابین اس بارے میں گفتگو ہے کہ یہ جماعت کونسی جماعت ہے جس کی مغفرت صرف توحید پر ہوجائے گی۔ بعض کا خیال ہے کہ یہ وہ لوگ ہوں گے جن کو کسی رسول کا زمانہ نہیں ملا اصطلاح میں ان کو اصحاب فترۃ کہا جاتا ہے۔ چونکہ ان کے پاس خدائے تعالیٰ کا کوئی رسول آیا ہی نہیں اس لئے ایمان بالرسالۃ کے یہ مکلف بھی نہ ہوں گے اس لئے ان کی نجات بھی صرف خدائے تعالیٰ کے توحید پر ہوجائے گی۔ اب رہے وہ لوگ جنھوں نے کسی رسول کا زمانہ پایا اس کی تعلیمات بھی ان کو پہنچیں اور اس پر غور و خوض کا انھیں کافی موقعہ بھی ملا اس کے باوجود انھوں نے اس کو قبول نہ کیا بلکہ اس کو رد کردیا تو ہمارے علم میں ان کے نجات کی ادیان سماویہ میں کوئی صورت نہیں ہے۔ یہ یاد رہے کہ کسی رسول کی بعثت کا دور نہ ہونے یا اس کی دور بعثت سے لاعلمی کی بنا پر اس پر ایمان و عدم ایمان کی بحث سے خالی الذہن رہنے اور دور بعثت کے پورے پورے علم کے باوجود اس کے قبول نہ کرنے میں بہت بڑا فرق ہے اگر پہلی قسم کے لوگ قابل معذوری سمجھے جائیں تو کیا دوسری قسم کے لوگ بھی معذور تصور کئے جاسکتے ہیں اگر یہ تسلیم کرلیا جائے تو اس کا حاصل یہ ہوگا کہ ایمان بالرسالۃ گویا ایمان کا رکن ہی نہ رہے صرف خدائے تعالیٰ کی توحید پر ایمان رکھنا نجات کے لئے کافی ہو پھر اسی پر مسئلہ ختم نہیں ہوگا بلکہ اس کے بعد یہ مرحلہ بھی زیر غور آسکے گا کہ اگر رسول کے توسط کے بغیر صرف عقل کی مدد سے اللہ تعالیٰ کی وہ پاکیزہ توحید میسر آسکتی ہے جو شرک کی ہر قریب و بعید آلائش سے صاف ہو تو اب رسول کی ضرورت کس درجہ پر باقی رہے گی توحید خداوندی کے فطری ہونے کے معنی یہ ہیں کہ اگر گرد و پیش کے حالات انسانی ذہنیت کو مکدر نہ کریں تو اس کے دماغ میں سوائے وحدانیت کے دوسرا تصور سما ہی نہیں سکتا لیکن جبکہ بساط عالم پر جابجا شرک ہی کا کھیل چل رہا ہو شیاطین نے انسانی دماغوں کو نجاست شرک سے ملوث کر رکھا ہو کیا ان حالات میں بھی ایک انسان خدا کی مقدس توحید کو بآسانی پاسکتا ہے؟ یہ بحث ابھی نہیں ہے کہ جو توحید انبیاء علیہم السلام لیکر آتے ہیں اس میں تنزیہ و تشبیہ کے مابین کیسے کیسے

مِنَ النَّارِ بِشَفَاعَةِ مُحَمَّدٍ فَيَدْخُلُونَ الْجَنَّةَ يُسَمَّوْنَ الْجَهَنَّمِيِّينَ - (رواہ البخاری)

المؤمن اذا عمل بالفرائض واحل الحلال وحرم الحرام دخل الجنة من غير عذاب ان شاء الله تعالى

۳۵۲) عَنْ جَابِرٍؓ قَالَ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ النُّعْمَانُ بْنُ تَوْقَلٍ فَقَالَ

کی شفاعت پر دوزخ سے نکل کر جنت میں داخل کیے جائیں گے ان کا لقب جہنمی ہوگا۔ (بخاری شریف)

جو شخص ایمان کے ساتھ تمام فرائض بجالاتا ہے حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھتا ہے وہ پکا مومن ہے اور بغیر کسی عذاب کے جنت میں داخل ہوگا

۳۵۲) جابرؓ بیان فرماتے ہیں کہ نعمان بن توقل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے

خوشنما نقش و نگار اور بھی ہوتے ہیں جن کے بغیر توحید کا عقیدہ صرف عقل ہیولانی کا ایک سادہ تصور رہتا ہے بس کسی تردد کے بغیر ادیان سماویہ کا یہ ایک طے شدہ عقیدہ سمجھنا چاہئے کہ نجات کے لئے رسول پر ایمان لانا بھی اسی درجہ ضروری ہے جس درجہ خدا تعالیٰ کی توحید پر۔

حضرت استاذ قدس سرہ فرماتے تھے کہ ان حدیثوں میں شہادت رسول کا دوسرا جزء مذکور نہ ہونے کا اصل راز یہ ہے کہ یہ جماعت صرف اسی امت کے ساتھ خاص نہ ہوگی بلکہ سب امتوں کی مشترک ہوگی اس لئے ان کی نجات کا مشترک نقطہ بھی عقیدۂ توحید ہوگا۔ رسول پر ایمان اپنے اپنے دور کے اعتبار سے ان میں مختلف رہے گا یہی وجہ ہے کہ ان کو آپ کے ہاتھوں سے نکالا نہیں جائے گا بلکہ اس کا تکفل وہ رحمٰن فرمائے گا جس کی رحمت کی ساری امتیں اسی طرح متوقع ہوں گی جس طرح کہ ہر رسول کی امت اپنے اپنے رسول کی سفارش کی۔ قرآن کریم نے جہاں انفرادی دعوت سے قطع نظر انبیاء علیہم السلام کی مشترک دعوت کو ذکر فرمایا ہے وہاں صرف توحید ہی کو ذکر فرمایا ہے۔ وما ارسلنا من قبلك من رسول الا نوحى اليه انه لا اله الا انا فاعبدون۔ ہم نے آپ سے پیشتر جتنے رسول بھیجے سب کے پاس یہی وحی بھیجی ہے کہ معبود ہمارے سوا کوئی نہیں ہے۔

حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ ہر رسول پر اس کی رسالت کی حقانیت کی وحی بھی یقینی طور پر نازل کی گئی ہے لیکن یہ جزء ہر دور کے لحاظ سے مختلف تھا جو مشترک نقطہ تمام رسولوں کے دور میں کبھی نہیں بدلا وہ صرف خدائے قدوس کی توحید تھی اس لئے رسولوں کی سفارش کر لینے کے بعد جب اس سفارش کا وقت آیا جس کا تعلق نہ تو کسی زبان و مکان سے ہو اور نہ کسی خاص امت سے تو اس کے لئے وہ ذات متکفل ہوگئی جس کی رحمت پر سب بندوں کا حق یکساں واجب تھا وہ ایک ارحم الراحمین کی ذات تھی مگر خاتم الانبیاء علیہم السلام کی بعثت عامہ کا اثر یہاں بھی اتنا ظاہر ہوئے بغیر نہ رہا کہ ان کی نجات کی منظوری آپ ہی کی سفارش پر ہوگی گو اس کا اجراء قدرت نے براہ راست خود اپنے ذمہ لے لیا جیسا کہ عمران بن حصین کی حدیث سے صاف واضح ہے۔ اس جگہ یہ واضح رہنا چاہئے کہ ابتداء حدیث شفاعت کبریٰ کے متعلق تھی یعنی بندوں کے حساب و کتاب شروع ہونے کیلئے، پھر درمیان میں کچھ حصہ حذف ہو کر آخر حدیث میں شفاعت صغریٰ کا ذکر آگیا ہے جو ان کی بخشش کے متعلق ہوگی۔

ابو سعید خدری کی روایت میں یہ صاف تصریح موجود ہے کہ یہ لوگ وہ ہیں جن کے پاس کوئی نیک عمل نہ ہوگا حتی کہ کسی ادنیٰ نیک نیتی کا بھی ان کا نمبر صفر ہوگا کسی ایک حرف سے بھی یہ اشارہ نہیں نکلتا کہ ان کے پاس توحید کے علاوہ رسول پر ایمان بھی نہ ہوگا۔

حلال کو حلال سمجھنے کے معنی اس کے مقتضیٰ پر عمل کرنا اور تحریم حرام کا مطلب حرام سے بچنا ہے جو شخص حلال سے بچتا اور حرام سے احتراز نہیں کرتا وہ نہ حلال کو حلال سمجھتا ہے اور نہ حرام کو حرام۔

يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَرَأَيْتَ إِذَا صَلَّيْتُ الْمَكْتُوْبَةَ وَحَرَّمْتُ الْحَرَامَ وَأَحْلَلْتُ الْحَلَالَ أَأَدْخُلُ الْجَنَّةَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ۔ (رواہ مسلم)

(۲۵۴) عَنْ سُفْيَانَ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ الثَّقَفِيِّ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قُلْ لِيْ فِي الْإِسْلَامِ قَوْلًا لَا أَسْأَلُ عَنْهُ أَحَدًا بَعْدَكَ وَفِيْ حَدِيْثِ أُسَامَةَ غَيْرَكَ قَالَ قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ ثُمَّ اسْتَقِمْ۔ (رواہ مسلم)

---

اور عرض کیا یا رسول اللہ فرمایئے؟ جب میں فرض نمازیں ادا کرلوں اور حرام کے ساتھ حرام کا معاملہ کروں اور حلال کے ساتھ حلال کا تو کیا میں جنت میں داخل ہوجاؤں گا آپ نے فرمایا ہاں۔ (مسلم)

(۲۵۴) سفیان بن عبداللہ ثقفی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کی یا رسول اللہ اسلام کے متعلق مجھے کوئی ایسی جامع بات فرمادیجئے کہ آپ کے بعد پھر مجھے کسی اور سے دریافت کرنے کی ضرورت ہی نہ رہے (اسامہ کی حدیث میں بعدک کے بجائے غیرک کا لفظ یعنی آپ کے سوا کسی دوسرے سے پوچھنے کی ضرورت نہ رہے) آپ نے فرمایا آمنت باللہ کہو اس کے بعد اس قول پر پوری طرح قائم رہو۔ (مسلم)

---

(۲۵۴) استقامت ایک مختصر لفظ ہے اور اس مختصر لفظ میں شرعی تمام نزاکتیں لپٹی ہوئی ہیں اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "استقیموا ولن تحصوا" دیکھو استقامت کے ساتھ دین پر قائم رہنا مگر مقتضائے استقامت سے عہدہ برائی ہے مشکل۔ تاہم جتنا ہوسکے اس میں دریغ نہ کرنا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے ان الذین قالوا ربنا اللہ ثم استقاموا الخ جن لوگوں نے زبان سے اقرار کیا کہ ہمارا پروردگار اللہ ہے پھر اس بات پر پوری طرح قائم بھی رہے ان پر خدا کے فرشتے یہ پیغام لے کر آتے ہیں کہ نہ خوف کھاؤ اور نہ غم اور اس جنت کی خوشخبری سن لو جس کا تم سے وعدہ کیا گیا تھا ـــــ سفیانؓ کی یہ حدیث جابرؓ کی اوپر والی حدیث سے بھی زیادہ تفصیل پر حاوی ہے کلمہ طیبہ پر جنت کی بشارت کی احادیث میں کہیں کلمہ طیبہ کے ساتھ خالصًا من قلبہ کا لفظ (خلوص کے ساتھ اپنے دل سے کہے) اور کہیں یبتغی بذلک وجہ اللہ کی قید (اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کوئی ارادہ نہ ہو) اور کہیں (ثم استقم) کے الفاظ مذکور ہوتے ہیں ان سب کا ماحصل ایک ہے اور وہ اسلام کی مجموعی تعلیمات پر عمل کرنا ہے اسی کو حدیث جابر میں ذرا اور مفصل الفاظ میں ادا کیا گیا ہے یعنی دین کی حلال باتوں پر عمل کرنا اور حرام باتوں سے احتراز کرنا۔ ان مجمل الفاظ کو دوسری حدیثوں میں اس سے اور زیادہ مفصل شکل میں ادا کیا گیا ہے یعنی ان میں ارکانِ اسلام کے ساتھ کچھ اور تفصیلات بھی آجاتی ہیں پھر معلوم نہیں کہ اگر کسی مقام پر صرف کلمہ توحید پر جنت کی بشارت مذکور ہوجاتی ہے تو فرقہ مرجیہ اس کو اطلاق پر کیسے محمول کرلیتا ہے۔ اس لئے صحیح یہی ہے کہ کلمہ طیبہ کے ساتھ اگر شرعی اعمال موجود ہیں تو جنت میں داخلہ انشاءاللہ کسی عذاب کے بغیر ہوگا اور اگر کلمہ طیبہ کے ساتھ عمل کا ذخیرہ نہیں یا کم ہے تو پھر ضابطہ میں تو اس کی سزا بھگتنی پڑے گی اگر رحمت عفو کردے تو یہ اس کا فضل ہوگا لیکن اس کے بعد ایمان کی بدولت پھر نجات حاصل ہوجائے گی۔ معتزلہ کا یہ خیال بھی غلط ہے کہ گناہ کرنے سے ایمان ہی باقی نہیں رہتا۔

## من لم یعمل بفرائض الاسلام فانہ مؤاخذ بہ وان کان مقرھا بالتوحید والرسالۃ

(۳۵۴) عَنْ ثَوْبَانَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ فِیْ مَسِیْرٍ اِنَّا مُدْلِجُوْنَ اللَّیْلَۃَ فَلَا یَرْحَلَنَّ مَعَنَا مُصْعِفٌ وَلَا مُصْعَبٌ فَارْتَحَلَ رَجُلٌ عَلٰی نَاقَۃٍ لَہٗ صَعْبَۃٍ فَسَقَطَ فَانْدَقَّتْ عُنُقُہٗ فَمَاتَ فَاَمَرَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنْ یُدْفَنَ ثُمَّ اَمَرَ بِلَالًا فَنَادٰی اَنَّ الْجَنَّۃَ لَا تَحِلُّ لِعَاصٍ (رواہ الحاکم فی المستدرک فی کتاب قسمۃ الفیٔ ولم یتعقبہ الذھبی)

(۳۵۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ کَانَ عَلٰی ثَقَلِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَجُلٌ یُقَالُ لَہٗ کِرْکِرَۃُ فَمَاتَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھُوَ فِی النَّارِ فَذَھَبُوْا یَنْظُرُوْنَ فَوَجَدُوْا عَبَاءَۃً قَدْ غَلَّھَا۔ (رواہ البخاری)

(۳۵۶) عَنْ یَزِیْدَ بْنِ خَالِدٍ اَنَّ رَجُلًا مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

---

## جو شخص فرائض و اعمال ادا نہیں کرتا وہ مواخذہ سے بری نہیں اگرچہ توحید و رسالت کا معترف بھی ہو

(۳۵۴) ثوبان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک سفر میں فرمایا آج شب ہم اندھیرے اندھیرے روانہ ہوجائیں گے لہذا ہمارے ساتھ وہ شخص نہ چلے جس کے پاس کمزور یا کڑوے مزاج کا اونٹ ہو، اس کے بعد بھی ایک شخص نے اپنی کڑوی اونٹنی کس لی، نتیجہ یہ ہوا کہ وہ اس پر سے گرا، اس کی گردن ٹوٹ گئی اور مرگیا۔ آپ نے اس کے دفن کرنے کا حکم دیا پھر بلالؓ کو یہ اعلان کرنے کا حکم دیا کہ جنت کسی نافرمان کے لئے حلال نہیں ہے۔ انھوں نے حسب الحکم یہ اعلان کردیا۔ (حاکم)

(۳۵۵) عبداللہ بن عمرو سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے سامان کی نگرانی کے لئے ایک شخص تعینات تھا جس کا نام کرکرہ تھا اس کا انتقال ہوگیا آپ نے یہ سنکر فرمایا وہ تو دوزخ میں ہے (یہ سن کر) صحابہ اس کا سامان ٹٹولنے لگے دیکھا تو اس میں (مال غنیمت کا) ایک عبا ملا جو اس نے خیانت کرکے چرالیا تھا۔

(۳۵۶) یزید بن خالد سے روایت ہے کہ خیبر کی جنگ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہیوں

---

(۳۵۶) آخر توحید و رسالت کے ان معترفین سے بھی دو دو درہم کی حقیر چوریوں کا مواخذہ ہو کر رہا اور صرف اس بنا پر کہ انھوں نے ایک مرتبہ کلمہ طیبہ پڑھ لیا تھا اس معمولی لغزش کی پاداش سے نجات نہ مل سکی خدا تعالیٰ کی

تُوُفِّيَ يَوْمَ خَيْبَرَ فَذَكَرُوا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ صَلُّوا عَلَى صَاحِبِكُمْ فَتَغَيَّرَتْ وُجُوهُ النَّاسِ لِذَلِكَ فَقَالَ إِنَّ صَاحِبَكُمْ قَدْ غَلَّ فِي سَبِيلِ اللهِ فَفَتَّشْنَا مَتَاعَهُ فَوَجَدْنَا خَرَزًا مِنْ خَرَزِ يَهُودَ لَا يُسَاوِي دِرْهَمَيْنِ (رواه مالك وابو داود والنسائی)

(٣٥٧) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ أَهْدَى رَجُلٌ لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامًا يُقَالُ لَهُ مِدْعَمٌ فَبَيْنَمَا مِدْعَمٌ يَحُطُّ رَحْلًا لِرَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا أَصَابَهُ سَهْمٌ عَائِرٌ فَقَتَلَهُ فَقَالَ النَّاسُ هَنِيئًا لَهُ الْجَنَّةُ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ إِنَّ الشَّمْلَةَ الَّتِي أَخَذَهَا يَوْمَ خَيْبَرَ مِنَ الْمَغَانِمِ لَمْ تُصِبْهَا الْمَقَاسِمُ لَتَشْتَعِلُ عَلَيْهِ نَارًا فَلَمَّا سَمِعَ ذَلِكَ النَّاسُ جَاءَ رَجُلٌ بِشِرَاكٍ أَوْ شِرَاكَيْنِ إِلَى النَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم

---

میں سے ایک شخص کا انتقال ہوگیا (نماز جنازہ کے لئے جب) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر کی گئی تو آپ نے فرمایا اپنے رفیق پر تم ہی نماز پڑھ لو (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نماز جنازہ سے کنارہ کشی دیکھکر لوگوں کے چہرے متغیر ہوگئے، آپ نے فرمایا اس شخص نے جہاد کے مال میں خیانت کی ہے اس کا سامان تلاش کیا گیا تو اس میں یہود کے منکوں میں کا ایک منکا ملا جس کی قیمت دو درہم بھی نہ تھی۔ (مالک)

(٣٥٧) ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک غلام بطور ہدیہ پیش کیا جس کا نام مدعم تھا۔ یہ مدعم اونٹ سے آپ کا کجاوہ اتار رہا تھا کہ اچانک کسی نامعلوم سمت سے ایک تیر آکر لگا اور اس کو ختم کردیا۔ لوگ بولے لو اس کے لئے جنت مبارک ہو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہرگز نہیں اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے وہ ادنی سی چادر جو اس نے خیبر کی غنیمت میں سے قبل از تقسیم لے لی تھی آگ کی صورت میں اس پر بھڑک رہی ہے جب لوگوں نے یہ بات سنی تو ایک شخص (گیا) اور آپ کی خدمت میں چمڑے کے ایک یا دو تسمے لیکر آیا آپنے

---

رحمت کا فیاض ہاتھ تو کون پکڑ سکتا ہے مگر یہاں گفتگو صرف اس دائرہ میں ہے جو آئین اسلامی کے تحت ہوسکتی ہے مرجئہ نے یہ غلط سمجھا ہے کہ صرف ایمان لاکر جنت کی ضمانت حاصل ہوجاتی ہے اور اب عذاب الٰہی گرفت کا کوئی کھٹکا باقی نہیں رہتا ہرگز نہیں اس کو شرعی اوامر و نواہی کا پورا پورا احترام بھی بجالانا ہوگا بلکہ بڑی سے بڑی قربانیاں کرکے اپنے اقرار وفاداری کا امتحان بھی دینا ہوگا۔ ام حسبتم ان تدخلوا الجنۃ ولما یاتکم مثل الذین خلوا من قبلکم

(٣٥٧) یہ غلام رفاعہ بن زید نے بطور ہدیہ آپ کی خدمت میں پیش کیا تھا اس کے متصل ہی آپ کو یہ غزوہ پیش آگیا اور اسی میں یہ بھی شہید ہوگیا (دیکھو بخاری شریف ص ۹۱۲) اس سے معلوم ہوا کہ ابھی اس کو آپ کی فیض صحبت اٹھانے کا موقع نہ ملا تھا۔

فَقَالَ شِرَاكٌ مِنْ نَارٍ اَوْ شِرَاكَانِ مِنْ نَارٍ (متفق علیہ)

(۳۵۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حَدَّثَنِیْ عُمَرُ قَالَ لَمَّا كَانَ یَوْمُ خَیْبَرَ اَقْبَلَ نَفَرٌ مِنْ صَحَابَةِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِیْدٌ وَفُلَانٌ شَهِیْدٌ حَتّٰی مَرُّوْا عَلٰی رَجُلٍ فَقَالُوْا فُلَانٌ شَهِیْدٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ كَلَّا اِنِّیْ رَاَیْتُهٗ فِی النَّارِ فِیْ بُرْدَةٍ غَلَّهَا اَوْ عَبَاءَةٍ ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا ابْنَ الْخَطَّابِ اِذْهَبْ فَنَادِ فِی النَّاسِ اِنَّهٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلَاثًا قَالَ فَخَرَجْتُ فَنَادَیْتُ اَلَا اِنَّهٗ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا الْمُؤْمِنُوْنَ ثَلَاثًا. (رواہ مسلم)

## من ترك خصلة من خصال الاسلام نقص ایمانه

(۳۵۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِسْلَامُ اَنْ تَعْبُدَ اللّٰهَ

---

فرمایا یہ ایک یا دو تسمے درحقیقت آگ کے تسمے ہیں۔ (متفق علیہ)

(۳۵۸) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے مجھ سے بیان کیا کہ جب خیبر کی جنگ ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ آ آکر کہنے لگے فلاں شہید ہوگیا، فلاں شہید ہوگیا یہاں تک کہ ایک شخص کے پاس سے گذرے تو اس کے متعلق بھی یہی کہا کہ فلاں شہید ہوگیا۔ آپ نے فرمایا ہرگز نہیں میں نے تو اس کو آگ میں جلتا ہوا دیکھا ہے، اس سزا میں کہ اس نے ایک چادر یا ایک عبا (راوی کو شک ہے) چرا لیا تھا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا اے ابن الخطاب جاؤ اور لوگوں میں یہ اعلان کردو کہ جنت میں صرف مومن جائیں گے تین بار فرمایا۔ عمرؓ فرماتے ہیں میں نے باہر آکر اعلان کردیا کہ جنت میں صرف مومن جائیں گے تین بار فرمایا (مسلم)

## جو اسلام کے کسی حصہ کو ترک کرتا ہے اس کا اسلام ناقص ہو جاتا ہے

(۳۵۹) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اسلام یہ ہے کہ صرف اللہ تعالیٰ کی عبادت کرو، کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ، باضابطہ نماز پڑھو، زکوٰۃ ادا کرو، رمضان کے روزے رکھو بیت اللہ کا حج کرو، بھلی بات بتایا کرو، بری سے روکا کرو (گھر میں آکر) گھر والوں کو سلام

---

(۳۵۹) یہ حدیث محدثین کے مذاق کے موافق ہے اور اس سے ثابت ہوتا ہے کہ اعمال کا اسلام کے ساتھ جزئیت کا تعلق ہے مگر ظاہر ہے کہ اس حدیث میں اور ملی حدیثوں میں اصل مسئلہ مختلف نہیں ہونا چاہئے اس لئے بعضوں نے تو اسلام کے وہ اطلاق مان لئے ہیں ایک صرف شہادتین پر دوم مجموعہ دین پر۔ اور کسی نے اس کو اعمال کی اہمیت بتانے کا صرف ایک اسلوب بیان قرار دیا ہے۔

ص۵ یہ حدیث ترجمان السنۃ ص ۵۰۶ پر کچھ مناسبت کے ساتھ گذر چکی ہے اس کا نوٹ ملاحظہ کرلیا جائے۔

لَا تُشْرِكُ بِهٖ شَيْئًا وَتُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَتُؤْتِي الزَّكٰوةَ وَتَصُوْمَ رَمَضَانَ وَتَحُجَّ الْبَيْتَ وَالْاَمْرُ بِالْمَعْرُوْفِ وَالنَّهْيُ عَنِ الْمُنْكَرِ وَتَسْلِيْمُكَ عَلٰى اَهْلِكَ فَمَنِ انْتَقَصَ شَيْئًا مِنْهُنَّ فَهُوَ سَهْمٌ مِنَ الْاِسْلَامِ يَدَعُهٗ وَمَنْ تَرَكَهُنَّ كُلَّهُنَّ فَقَدْ وَلَّى الْاِسْلَامَ ظَهْرَهٗ (رواه الحاكم فی المستدرك ص۲۱)

(۳۶۰) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلُ النَّارَ اِلَّا شَقِيٌّ قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَنِ الشَّقِيُّ قَالَ مَنْ لَمْ يَعْمَلْ لِلّٰهِ بِطَاعَةٍ وَلَمْ يَتْرُكْ لَهٗ مَعْصِيَةً (رواه ابن ماجه)

(۳۶۱) عَنْ اَوْسِ بْنِ شُرَحْبِيْلَ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَشٰى مَعَ ظَالِمٍ لِيُقَوِّيَهٗ وَهُوَ يَعْلَمُ اَنَّهٗ ظَالِمٌ فَقَدْ خَرَجَ مِنَ الْاِسْلَامِ۔ (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

(۳۶۲) عن بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْغَضَبَ لَيُفْسِدُ الْاِيْمَانَ كَمَا يُفْسِدُ الصَّبِرُ الْعَسَلَ۔ (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

---

کیا کرو جو شخص ان باتوں میں کوئی بات نہیں کرتا وہ اسلام کا ایک جزء ناقص کرتا ہے اور جو ان سب ہی کو چھوڑ دے، اس نے تو اسلام سے اپنی پشت ہی پھیر لی۔ (حاکم)

(۳۶۰) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دوزخ میں کوئی نہ جائیگا مگر بدبخت، دریافت کیا گیا یا رسول اللہ بدبخت شخص کون ہوگا فرمایا جو اللہ کے واسطے کوئی نیک کام نہ کرے اور اس کے ڈر سے کوئی گناہ نہ چھوڑے۔ (ابن ماجہ)

(۳۶۱) اوس بن شرحبیل کی روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے جو شخص جان بوجھکر کسی ظالم کے ساتھ اس کے ظلم کا ساتھ دینے کیلئے گیا وہ اسلام کی سرحد سے باہر ہوگیا (شعب الایمان)

(۳۶۲) بہز بن حکیم اپنے باپ وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے غصہ ایمان کی حلاوت اس طرح برباد کردیتا ہے جیسا ایلوا شہد کی۔ (شعب الایمان)

---

(۳۶۰) یہ تمام تعبیرات کسی بات پر زور دینے کیلئے فقط ایک اسلوب بیان ہوتی ہیں گویا جو شخص ظلم کی مدد کیلئے اپنے گھر سے باہر قدم نکال رہا ہے وہ یہ سمجھکر قدم نکالے کہ وہ گویا اب اسلامی احکام کے دائرہ سے قدم نکال رہا ہے۔

(۳۶۲) بعض اعمال کی زد تو اسلام کی بنیاد پر پڑتی ہے اور بعض وہ ہیں جن سے اس کی صرف ظاہری زیبائش بدنما ہوتی ہے اور بعض وہ ہیں جن سے اسلام کی شیرینی ختم ہوجاتی ہے اور کچھ وہ بھی ہیں جن سے اس کے ذائقہ میں تلخی آجاتی ہے غصہ ایسی صفت ہے جس سے فقط انسان کا ذائقہ حس برباد نہیں ہوتا بلکہ ذائقہ ایمان بگڑجاتا ہے عام حالات میں غصہ ایسی ہی خراب چیز ہے لیکن اگر اپنے مولیٰ اور اس کے دین کی خاطر ہو تو یہ عین ایمان ہے اس سے ایمان کی چاشنی دوبالا ہوتی ہے جس کو خلاف شرع امور پر غصہ نہیں آتا اس کو یقین کر لینا چاہئے کہ اس کا ایمان پہلے سے بے ذائقہ ہے اس میں مداہنت اور مسالمت کا زہر پہلے سے شامل ہے۔

(٣٦٣) عن ابن عمر عن النبي صلى الله عليه وسلم قال يا معشر النساء تصدقن و
اكثرن الاستغفار فاني رايتكن اكثر اهل النار فقالت امرأة منهن جزلة وما لنا يا رسول الله
اكثر اهل النار قال تكثرن اللعن وتكفرن العشير وما رأيت من ناقصات عقل ودين اغلب
لذي لب منكن قالت يا رسول الله وما نقصان العقل والدين قال اما نقصان العقل
فشهادة امرأتين تعدل شهادة رجل فهذا نقصان العقل وتمكث الليالي ما تصلي وتفطر
في رمضان فهذا نقصان الدين - ولفظ البخاري أليس اذا حاضت لم تصل ولم تصم
قلن بلى قال فذلك من نقصان دينها۔ (رواه الخمسة)

(٣٦٣) ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے (ایکبار) فرمایا
اے عورتوں کی جماعت تم (خاص طور پر) صدقہ دیا کرو اور زیادہ استغفار کیا کرو کیونکہ دوزخیوں میں زیادہ
تعداد میں نے عورتوں کی دیکھی ہے ان میں ایک ہوشیار عورت بولی یا رسول اللہ ہم نے کیا قصور کیا ہے کہ ہم
دوزخ میں زیادہ جائیں گے آپ نے فرمایا تمہیں (باہم گفتگو میں) لعنت کرنے کی زیادہ عادت ہوتی ہے اور تم
اپنے شوہر کی بھی بہت ناشکری کرتی ہو میں نے تم جیسا دین وعقل میں ناقص ہو کر پھر ایک دانشمند شخص پر غالب
آجانے والا کسی کو نہیں دیکھا انھوں نے عرض کیا ہمارے عقل ودین کے نقصان کی تشریح فرما دیجئے آپ نے
فرمایا تمہارے عقل کا نقصان تو یہ ہے کہ دو عورتوں کی شہادت ایک مرد کی برابر سمجھی جاتی ہے یہ تو عقل کا نقصان
ہوا اور کئی کئی راتیں ایسی گذر جاتی ہیں کہ تم نماز نہیں پڑھ سکتیں اور رمضان شریف کے روزے نہیں رکھ سکتیں
یہ دین کا نقصان ہوا۔ اور بخاری میں یہ مضمون اس طرح ہے اچھا تو کیا یہ بات نہیں کہ جب عورت کو حیض
آتا ہے تو وہ نماز پڑھتی ہے نہ روزہ رکھتی ہے انھوں نے عرض کیا ایسا تو ضرور ہوتا ہے آپ نے فرمایا تو
پھر یہی تو اس کے دین کا نقصان ہے۔ (بخاری ومسلم وغیرہما)

(٣٦٣) حافظ ابن تیمیہؒ فرماتے ہیں کہ اسلام اس مجموعہ آئین پر عمل کرنے کا نام ہے جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
انسانی زندگی کے لئے لیکر آئے تھے صرف زبانی قول کا نام نہیں اس لئے جو شخص اس مجموعہ پر جتنا زیادہ عمل پیرا ہوگا اس
کا دین بھی اتنا ہی زیادہ مکمل شمار ہوگا اور جو عمل میں جتنا پیچھے رہ جائے گا وہ اتنا ہی اپنے دین میں بھی ناقص کہا جائیگا عورت
اپنے فطری عذر کی بنا پر کچھ مدت نماز اور روزہ سے معطل رہتی ہے اس لئے اس کا دین بھی اس مرد کی نسبت ناقص ہونا چاہئے
جو کسی وقت عبادت سے معطل نہیں ہے عورت کے دینی نقصان کی ٹھیک شرح یہ ہے (دیکھو کتاب الایمان ص١٩)
رہا یہ سوال کہ صنف نسا کا یہ تعطل اختیاری نہیں بلکہ فطری ہے یہ ان کے دینی نقصان کا موجب کیوں ہوا؟
تو اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اس فطری نقصان کے ساتھ شریعت ان سے صنف رجال کے کمالات حاصل کرنے کا

## لیس تائید الدین او تلاوۃ القرآن وامثالہما فقط موجبا لدخول الجنۃ وانما یجب لہا التصدیق والعمل بالاحکام

(۳۶۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ شَهِدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَیْبَرَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِرَجُلٍ مِمَّنْ مَعَهُ یَدَّعِی الْاِسْلَامَ هٰذَا مِنْ اَهْلِ النَّارِ فَلَمَّا حَضَرَ الْقِتَالُ قَاتَلَ الرَّجُلُ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَاَثْبَتَتْهُ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَیْتَ الَّذِیْ تُحَدِّثُ اَنَّهُ مِنْ اَهْلِ النَّارِ قَدْ قَاتَلَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ مِنْ اَشَدِّ الْقِتَالِ فَكَثُرَتْ بِهِ الْجِرَاحُ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّهُ مِنْ

## جنت دین کی وقتی تائید یا صرف تلاوت قرآن کرنے سے واجب نہیں ہوتی اس کیلئے تمام احکام اسلامی پر عمل پیرا ہونا بھی ضروری ہے

(۳۶۴) ابوہریرہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ خیبر میں شریک ہوئے تو اپنے ساتھیوں میں ایک ایسے شخص کے متعلق جو اسلام کا دعوٰی بھی کرتا تھا آپ نے ارشاد فرمایا یہ دوزخیوں میں ہے لیکن جب جنگ کا وقت آیا تو اس شخص نے بڑی سرگرمی سے جنگ کی اور اتنے زخم کھائے کہ اس میں حرکت کرنے کی بھی طاقت نہ رہی۔ یہ ماجرا دیکھکر آپ کے صحابہ میں ایک شخص نے (آکر) کہا یا رسول اللہ فرمائیے جس شخص کے متعلق آپ کہتے تھے کہ وہ دوزخی ہے اس نے تو (آج) اللہ کی راہ میں بڑی سرگرمی سے جنگ کی ہے زخموں کے اس کا جسم چور چور ہو گیا ہے آپ نے فرمایا پھر سن لو کہ وہ دوزخی ہے اس پر قریب تھا کہ بعض مسلمانوں کے

(بقیہ از صفحۂ گذشتہ) مطالبہ کرتی تو بیشک ناانصافی ہوتی مگر ان سے مطالبہ ہے تو ان ہی کمالات کا ہے جو ان کے عالم میں کمال تصور کئے جاتے ہیں قدرت نے اگر انسان کو بازوئے پرواز نہیں دیئے اور اس حیثیت سے اس کو ایک پرندے سے ناقص بنایا ہے تو اس سے اڑنے کا مطالبہ بھی نہیں کیا پھر اسے اس کا کیا حق ہے کہ وہ قدرت سے اپنے اس نقصان کا گلہ کر سکے اصل یہ ہے کہ اجناس ہوں یا انواع سب خدا کی مخلوق ہیں اور سب ہی میں ایک نہ ایک جہت سے نقصان موجود ہے۔ شریعت اس فطری نقصان پر تم سے مواخذہ نہیں کرتی تم کمال و نقصان کی اس تقسیم سے اس پر اعتراض مت کرو۔ ولا تتمنوا ما فضل اللہ بہ بعضکم علی بعض واسألوا اللہ من فضلہ۔ اللہ سے ان فضیلتوں کی تمنا مت کرو جن کی بنا پر اس نے تم میں ایک کو دوسرے پر فضیلت بخشی ہے بلکہ صرف اس کی مہربانی اور عنایت مانگا کرو (جو تمہارے مقدر کا ہے تم کو مل جائیگا)۔

(۳۶۴) اسلام کی اعانت وہ مقبول عمل ہے جس کی بدولت وحی الٰہی نے اہل مدینہ کو انصار کا لقب دیا تھا۔ اسی لئے صاحب نبوت کو یہ تنبیہ کرنی ضروری ہوگئی کہ دنیا اعانت و نصرت کے صرف ظاہری عمل کو دیکھکر کسی کے متعلق کوئی فیصلہ کرنے میں عجلت نہ کرے۔ قبولیت کا اصلی مدار ایمان اور اعمال صالحہ پر ہے اگر نہیں تو صرف دینی نصرت کا عمل خواہ کتنا ہی بلند پایہ کیوں نہ ہو گروہ بھی نظر رب العزۃ میں کچھ نہیں۔ یہاں قدرت کا ایک آئین اور بھی ہے اور وہ یہ کہ وہ چاہے تو دشمن سے بھی اپنا کام لے لیتی ہے۔ مشہور ہے ؎ عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

اَهْلِ النَّارِ فَكَادَ بَعْضُ الْمُسْلِمِيْنَ يَرْتَابُ فَبَيْنَا هُمْ عَلٰى ذٰلِكَ اِذْ وَجَدَ الرَّجُلُ اَلَمَ الْجِرَاحِ فَاَهْوٰى بِيَدِهٖ اِلٰى كِنَانَتِهٖ فَانْتَزَعَ مِنْهَا سَهْمًا فَانْتَحَرَ بِهٖ فَاشْتَدَّ رِجَالٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَدَقَ اللّٰهُ حَدِيْثَكَ قَدِ انْتَحَرَ فُلَانٌ فَقَتَلَ نَفْسَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا بِلَالُ قُمْ فَاَذِّنْ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِلَّا مُؤْمِنٌ فَاِنَّ اللّٰهَ لَيُؤَيِّدُ هٰذَا الدِّيْنَ بِالرَّجُلِ الْفَاجِرِ۔ (رواہ البخاری ۹۶۲)

(۳۶۵) عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ وَعَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ اَنَّهُمَا اَتَيَا اَبَا سَعِيْدٍ الْخُدْرِيَّ فَسَاَلَاهُ عَنِ الْحَرُوْرِيَّةِ اَسَمِعْتَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا اَدْرِيْ مَا الْحَرُوْرِيَّةُ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ يَخْرُجُ فِيْ هٰذِهِ الْاُمَّةِ وَلَمْ يَقُلْ مِنْهَا قَوْمٌ تَحْقِرُوْنَ صَلَاتَكُمْ مَعَ صَلَاتِهِمْ يَقْرَءُوْنَ الْقُرْاٰنَ لَا يُجَاوِزُ حُلُوْقَهُمْ اَوْ حَنَاجِرَهُمْ يَمْرُقُوْنَ مِنَ الدِّيْنِ كَمُرُوْقِ

---

دلوں میں شبہ پڑنے لگا۔ ابھی وہ اسی حیص وبیص میں تھے کہ اس شخص کو زخموں کی تکلیف زیادہ محسوس ہوئی (اور وہ اس پر صبر نہ کرسکا) آخر اس نے اپنے ترکش کی طرف ہاتھ بڑھایا اور اس میں سے ایک تیر نکالکر اپنے سینے کے پار کردیا یہ دیکھکر مسلمان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں دوڑ پڑے اور بولے یارسول اللہ اللہ تعالیٰ نے آپ کی پیشگوئی سچی کردی، فلاں شخص نے اپنے سینے میں تیر مار کر خودکشی کرلی آپ نے فرمایا۔ بلال! اعلان کردو کہ جنت میں صرف مومن جائیں گے اور یوں اللہ تعالیٰ اپنے دین کی تائید فاجر آدمی سے بھی کرالیتا ہے۔ (بخاری)

(۳۶۵) ابوسلمہ اور عطار دونوں ابوسعید خدری کے پاس آئے اور حروریۃ (خوارج) کے متعلق ان سے دریافت کیا، آپ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے فرقۂ حروریہ کے متعلق کچھ سنا ہے انھوں نے کہا میں تو یہ نہیں جانتا کہ حروریہ کیا فرقہ ہے ہاں میں نے آپ کو یہ فرماتے تو سنا ہے کہ اس امت میں کچھ لوگ پیدا ہوں گے (اور فی ھذہ الامۃ کی بجائے راوی نے منہا کا لفظ نہیں کہا) اس درجہ عبادت گذار ہوں گے کہ ان کی نمازوں کے سامنے تمہیں اپنی نمازیں ہیچ نظر آئیں گے۔ قرآن کی تلاوت بھی کریں گے مگر وہ ان کے گلے کے نیچے نہ اترے گا۔ دین سے اس طرح صاف نکل جائیں گے جس طرح تیر شکار سے تیرانداز اپنے تیر کی لکڑی

---

مگر آج اس کے برعکس دنیا کی نظروں میں فیصلہ عمل پر رہ گیا ہے اور روح ایمانی سے کوئی بحث نہیں رہی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۳۶۵ا) قرآن کریم سے بڑھ کر کوئی مقدس کتاب نہیں اور اس کی تلاوت سے بڑھ کر کوئی مقدس عمل نہیں مگر دین صرف اتنے ہی حصہ کا نام نہیں اس کے اصول وارکان کچھ اور بھی ہیں جن کے بعد اعمال کے حسن وقبح سے بحث ہوسکتی ہے۔ فرومی

السَّهْمِ مِنَ الرَّمِيَّةِ فَيَنْظُرُ الرَّامِيُ إِلَى سَهْمِهِ إِلَى نَصْلِهِ إِلَى رِصَافِهِ فَيَتَمَارَىٰ فِي الْفُوقَةِ هَلْ عَلِقَ بِهَا مِنَ الدَّمِ شَيْءٌ۔ (رواه البخاری ص۱۰۱۰)

## سرعة الناس على الصراط تكون بقدر اعمالهم في الدنيا

(۳۶۶) عَنْ حُذَيْفَةَ وَأَبِي هُرَيْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَجْمَعُ تَبَارَكَ وَتَعَالَى النَّاسَ فَيَقُومُ الْمُؤْمِنُونَ حَتَّى تُزْلَفَ لَهُمُ الْجَنَّةُ فَيَأْتُونَ آدَمَ فَيَقُولُونَ يَا أَبَانَا اِسْتَفْتِحْ لَنَا الْجَنَّةَ فَيَقُولُ وَهَلْ أَخْرَجَكُمْ مِنَ الْجَنَّةِ إِلَّا خَطِيئَةُ أَبِيكُمْ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَالِكَ اِذْهَبُوا إِلَى ابْنِي إِبْرَاهِيمَ خَلِيلِ اللهِ قَالَ فَيَقُولُ إِبْرَاهِيمُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذَالِكَ إِنَّمَا كُنْتُ خَلِيلًا مِنْ وَرَاءَ وَرَاءَ اِعْمِدُوا إِلَى مُوسَى الَّذِي كَلَّمَهُ اللهُ تَكْلِيمًا فَيَأْتُونَ مُوسَى عَلَيْهِ السَّلَامُ

---

دیکھتا ہے اس کا لوہا اور پروں کو دیکھتا ہے پھر اس کے پچھلے حصہ کو دیکھتا ہے مگر اس کو یہ شبہ ہی رہتا ہے کہ اس میں کہیں خون کا نشان بھی لگا ہے یا نہیں۔ (بخاری شریف)

## پل صراط پر لوگوں کی رفتار دنیا میں ان کے اعمال کی شدت و ضعف کے مطابق ہوگی

(۳۶۶) حذیفہؓ اور ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ لوگوں کو (قیامت میں) جمع کرے گا مسلمان کھڑے ہوں گے اور ان کے سامنے جنت قریب کردی جائیگی وہ حضرت آدم علیہ السلام کے پاس آئیں گے اور عرض کریں گے والد بزرگوار ہم لوگوں کے لئے جنت کا دروازہ کھلوا دیجئے وہ فرمائیں گے میں اس کام کے لائق کہاں، اپنے والد کی ایک فروگذاشت ہی کی بدولت تو تم جنت سے باہر نکلے ہو، جاؤ میرے فرزند ابراہیم علیہ السلام کے پاس جاؤ وہ خدا کے خلیل ہیں۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام فرمائیں گے میں اس خدمت کے قابل کہاں میں تو بس دور دور ہی سے خلیل تھا۔ موسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ ان سے اللہ تعالیٰ نے بڑی خصوصیت سے باتیں کی ہیں وہ ان کے پاس آئیں گے یہ فرمائیں گے میں اس خدمت کے

---

اعمال میں قوم ایک کافر بھی مسلمان سے فوقیت لے جاسکتا ہے مگر جب اس کے اعمال کی بنیاد ہی غلط ہو تو اس کے اعمال کی بلندی صرف ایک بے بنیاد تعمیر ہی کی مثال ہوگی۔

(۳۶۶) اعمال گو ایمان کا جزء نہ ہوں مگر مرجئہ کے عقیدہ کی طرح غیر ضروری بھی نہیں پل صراط کو عبور کرنا اعمال میں شدت و ضعف پر ہی منحصر ہے۔

فَيَقُولُ لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ اِذْهَبُوا اِلٰى عِيسٰى كَلِمَةِ اللّٰهِ وَرُوحِهٖ فَيَقُولُ عِيسٰى لَسْتُ بِصَاحِبِ ذٰلِكَ فَيَأْتُونَ مُحَمَّدًا فَيَقُومُ فَيُؤْذَنُ لَهٗ وَتُرْسَلُ الْاَمَانَةُ وَالرَّحِمُ فَيَقُومَانِ جَنْبَتَيِ الصِّرَاطِ يَمِينًا وَشِمَالًا فَيَمُرُّ اَوَّلُكُمْ كَالْبَرْقِ قَالَ قُلْتُ بِاَبِيْ اَنْتَ وَاُمِّيْ اَيُّ شَيْءٍ كَمَرِّ الْبَرْقِ قَالَ اَلَمْ تَرَوْا اِلَى الْبَرْقِ كَيْفَ يَمُرُّ وَيَرْجِعُ فِيْ طَرْفَةِ عَيْنٍ ثُمَّ كَمَرِّ الرِّيْحِ ثُمَّ كَمَرِّ الطَّيْرِ وَشَدِّ الرِّجَالِ تَجْرِيْ بِهِمْ اَعْمَالُهُمْ وَنَبِيُّكُمْ قَائِمٌ عَلَى الصِّرَاطِ يَقُولُ يَا رَبِّ سَلِّمْ سَلِّمْ حَتّٰى تَعْجِزَ اَعْمَالُ الْعِبَادِ حَتّٰى يَجِيْءَ الرَّجُلُ لَا يَسْتَطِيعُ السَّيْرَ اِلَّا زَحْفًا وَقَالَ وَفِيْ حَافَتَيِ الصِّرَاطِ كَلَالِيبُ مُعَلَّقَةٌ مَامُورَةٌ تَاْخُذُ مَنْ اُمِرَتْ بِهٖ فَمَخْدُوشٌ نَاجٍ وَمُكَرْدَسٌ فِي النَّارِ وَالَّذِيْ نَفْسُ اَبِيْ هُرَيْرَةَ بِيَدِهٖ اِنَّ قَعْرَ جَهَنَّمَ لَسَبْعِيْنَ خَرِيْفًا۔ (رواہ مسلم)

لائق کہاں، عیسیٰ علیہ السلام کے پاس جاؤ، وہ اللہ تعالیٰ کے ایک کلمہ کن سے پیدا ہوئے اور روح اللہ کہلائے۔ عیسیٰ علیہ السلام فرمائیں گے میں بھی اس لائق کہاں۔ اس کے بعد لوگ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوں گے آپ شفاعت کے لئے اٹھ کھڑے ہوں گے اور آپ کو اجازت مل جائے گی (اور حساب شروع ہو جائے گا) اس دن صفت امانت اور صلہ رحمی کو (اتنی اہمیت دی جائیگی کہ ان کو ایک حسی شکل دیدی جائے گی یہ) پل صراط کے دائیں بائیں کھڑی ہو جائیں گی (تاکہ اپنی رعایت کرنے والوں کی سفارش اور نہ رعایت کرنے والوں کا شکوہ کریں) پھر تمہارا پہلا قافلہ بجلی کی طرح تیزی کے ساتھ گذر جائیگا راوی کہتا ہے میں نے عرض کیا آپ پر میرے ماں باپ قربان، بجلی کی طرح تیز گذرنے کا کیا مطلب ہوا فرمایا کیا تم نے نہیں دیکھا کہ وہ کس طرح پل بھر میں گذر کر لوٹ بھی آتی ہے (اسی تیزی کے ساتھ تمہارا گذرنا ہوگا) پھر ہوا کی طرح پھر تیز پرندے کی طرح پھر انسانوں کی دوڑ کی طرح غرض جیسے ان کے اعمال ہوں گے اسی تیزی کے ساتھ وہ ان کو لیجائیں گے اور تمہارا نبی کھڑا ہوا یہ دعا مانگ رہا ہوگا میرے پروردگار ان کو سلامتی سے گذار، ان کو سلامتی سے گذار، یہاں تک کہ اب ضعیف الاعمال اور گنہگار لوگوں کا نمبر آئیگا حتی کہ ایک شخص وہ ہوگا جسے گھسٹ کر چلنے کے سوا طاقت نہ ہوگی فرمایا کہ پل صراط کے دونوں طرف کانٹے لٹکے ہوئے ہوں گے اور جس کے متعلق حکم دیا جائے گا وہ اس کو پکڑ لیں گے پس جس کے صرف کھرونچ آئے گی وہ تو نجات پا جائے گا اور جس کے ہاتھ پیر باندھ دیئے جائیں گے وہ دوزخ میں جائے گا۔ (ابو ہریرۃؓ قسم کھا کر کہتے ہیں کہ) اس کی قسم جس کے دست قدرت میں ابو ہریرۃؓ کی جان ہے جہنم کی گہرائی ستر سال کی مسافت ہے۔ (مسلم)

## الاسلام یدرس بالمعصیة کما یدرس وشی الثوب

(۳۶۷) عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَدْرُسُ الْاِسْلَامُ کَمَا یَدْرُسُ وَشْیُ الثَّوْبِ لَا یُدْرٰی مَا صِیَامٌ وَلَا صَدَقَةٌ وَلَا نُسُکٌ وَیُسْرٰی عَلٰی کِتَابِ اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ فِیْ لَیْلَةٍ فَلَا یَبْقٰی فِی الْاَرْضِ مِنْہُ اٰیَةٌ وَیَبْقٰی طَوَائِفُ مِنَ النَّاسِ الشَّیْخُ الْکَبِیْرُ وَالْعَجُوْزُ الْکَبِیْرَةُ یَقُوْلُوْنَ اَدْرَکْنَا اٰبَاءَنَا عَلٰی ھٰذِہِ الْکَلِمَةِ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَنَحْنُ نَقُوْلُھَا فَقَالَ صِلَةُ فَمَا تُغْنِیْ عَنْھُمْ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ لَا یَدْرُوْنَ مَا صِیَامٌ وَلَا صَدَقَةٌ وَلَا نُسُکٌ فَاَعْرَضَ عَنْہُ حُذَیْفَةُ

## گناہ کرنے سے اسلام اسی طرح پرانا ہو جاتا ہے جیسا کپڑا استعمال سے

(۳۶۷) حذیفہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس طرح کپڑے کے نقش و نگار گھس جاتے ہیں اور ماند پڑ جاتے ہیں اسی طرح نورِ اسلام بھی ایک زمانہ میں ماند پڑ جائے گا پھر کسی شخص کو یہ علم تک نہ رہے گا کہ روزہ کیا چیز ہے اور صدقہ و حج کیا چیز۔ ایک شب آئے گی کہ قرآن سینوں سے اٹھا لیا جائے گا اور زمین پر اس کی ایک آیت بھی باقی نہ رہے گی۔ متفرق طور پر کچھ بوڑھے مرد اور کچھ بوڑھی عورتیں رہ جائیں گی جو یہ کہیں گے کہ ہم نے اپنے بزرگوں سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ سنا تھا اس لئے ہم بھی یہ کلمہ پڑھ لیتے ہیں۔ صلہ (ایک شخص کا نام ہے) نے پوچھا جب انھیں روزہ، صدقہ، اور افعال حج کا بھی علم نہ ہوگا تو بھلا صرف یہ کلمہ انھیں کیا سود مند ہوگا۔ حذیفہ نے اس کا کوئی جواب نہ دیا انھوں نے

(۳۶۷) وہب بن منبہ کی حدیث میں اعمال کو مفتاح کے اسنان سے یعنی کنجی کے دندانوں سے اور اس حدیث میں کپڑے کے نقش و نگار سے تشبیہ دی جا رہی ہے۔ نہ کنجی دندانے گھس جانے کے بعد زیادہ کار آمد رہتی ہے نہ کپڑا پرانا ہونے کے بعد قابلِ استعمال ہوتا ہے مگر یہ بھی نہیں ہوتا کہ کنجی کی حقیقت یا کپڑے کی حقیقت معدوم ہو جائے ان کا وجود پھر بھی باقی رہتا ہے۔ دیکھئے اس قسم کی تمام حدیثوں میں سوال و جواب کا دائرہ صرف اعمال تک محدود ہے۔ رسالت کی شہادت ہونے نہ ہونے کا خیال بھی کسی کے ذہن میں نہیں گذرتا۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ سوال اس زمانہ میں پیدا ہی نہیں ہو سکتا تھا جہاں متکلم خود ہی کلام کرتا تھا آج ذرا سے حجاب نے بدنعق ذہنوں میں بلاوجہ یہ سوال پیدا کر دیا ہے تفصیلی بحث پہلے کی جا چکی ہے اسلامی انقلابات میں یہ ایک عظیم انقلاب کی پیشگوئی ہے کہ جس امت نے بسیط ارض پر خدا کی توحید کا پرچم لہرایا تھا ایک دن آئیگا کہ وہی اس سے اتنی جاہل ہو جائے گی کہ اس کے دماغ میں اس کلمہ کا نقش صرف اپنی آبائی تاریخ کی ایک نشانی بن کر رہ جائے گا۔ ایسی نازک حالت کے متعلق حذیفہ نہیں چاہتے تھے کہ اپنی زبان سے کوئی صاف جواب دیں مبادا مغفرت کا حکم سن کر پست طبائع میں اور سہل انگاری پیدا ہو جائے لیکن جب ان کو مجبور کیا گیا تو جو حقیقت تھی وہ انھیں واضح کر دینی پڑی۔ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ اصل مدار نجات صرف توحید و رسالت ہے اور اسی بنا پر اس کو

فَرَدَّدَ عَلَيْهِ ثَلَاثًا كُلُّ ذَالِكَ يُعْرِضُ عَنْهُ ثُمَّ أَقْبَلَ عَلَيْهِ فِي الثَّالِثَةِ فَقَالَ يَا صِلَةُ تُنْجِيهِمْ مِنَ النَّارِ تُنْجِيهِمْ مِنَ النَّارِ تُنْجِيهِمْ مِنَ النَّارِ. (رواه الحاكم وقال صحيح على شرط مسلم ورواه ابن ماجة فی كتاب الفتن من الرحمة المهداة)

(۳۶۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ الْإِيْمَانَ لَيَخْلَقُ فِي جَوْفِ أَحَدِكُمْ كَمَا يَخْلَقُ الثَّوْبُ الْخَلَقُ فَاسْئَلُوا اللّٰهَ أَنْ يُّجَدِّدَ الْإِيْمَانَ فِي قُلُوْبِكُمْ (رواه الحاكم فی المستدرک وقال الذهبی رواته ثقات)

(۳۶۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ جَدِّدُوْا إِيْمَانَكُمْ

---

تین بار یہی سوال دہرایا۔ ہر بار حذیفہ اعراض ہی کرتے رہے ان کے تیسرے بار اصرار کے بعد فرمایا اے صلہ یہ کلمہ ہی ان کو عذاب دوزخ سے نجات دلادے گا۔ تین بار فرمایا۔ (حاکم)

(۳۶۸) عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایمان تمہارے سینوں میں اسی طرح پرانا اور گزرد ہو جاتا ہے جس طرح کپڑا پرانا ہو جاتا ہے تو اللہ تعالیٰ سے دعا کیا کرو کہ وہ تمہارے دلوں میں ایمان پھر سر نو نیا اور مستحکم کردے۔ (مستدرک)

(۳۶۹) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے ایمانوں کی تجدید کیا کرو۔

---

مفتاح سے تعبیر کیا گیا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر عقیدہ صرف تقلیدی طور پر بھی قائم رہے جب بھی نجات کے لئے کافی ہے اور یہ بھی کہ اعمال ایمان کا جزء نہیں اور یہ کہ ایمان کے بغیر اعمال بے قیمت ہیں مگر ایمان اعمال کے بغیر بھی بے قیمت نہیں وہ یوں بھی نصیب ہو جائے تو بھی زہے نصیب۔ مومن بے عمل کی مثال ایک غیر مہذب دوست کی ہے اور نیک عمل غیر مومن کی مثال ایک مہذب دشمن کی۔ دونوں کا فرق ظاہر ہے۔

(۳۶۸) امام بخاریؒ نے ترجمۃ الباب میں حضرت معاذؓ کا قول نقل کیا ہے قال معاذ اجلس بنا نؤمن ساعۃ آؤ تھوڑی دیر بیٹھکر ایمان لائیں۔ حافظ ابن حجرؒ نے ابن عربی سے اس کی شرح یہ نقل کی ہے انما اللہ تجدید الایمان لان العبد یؤمن فی اول مرۃ فرضا ثم یکون ابدا مجددا کلما نظر اوفکر۔ حضرت معاذؓ کا مطلب یہاں ایمان سے تجدید ایمان ہے کیونکہ یہ ایمان ایک ہی مرتبہ لاتا ہے اس کے بعد خدا تعالیٰ کے ثواب و عذاب آیات وعبر میں غور کر کر کے اپنے ایمان کی تجدید کیا کرتا ہے (فتح الباری ج ۱ ص ۴۱)

صحیح بخاری ومسلم میں ہے کہ اگر کسی کی زبان سے غلطی سے لات وعزیٰ کی قسم نکل جائے تو اسے فوراً لا الٰہ الا اللہ کہہ لینا چاہئے۔ خلاصہ یہ ہے کہ جب کبھی دامن ایمان پر داغ معصیت یا کسی اور ناشایاں کلمہ کا دھبہ لگ جائے تو اسے اسی طرح چھوڑ نہ دینا چاہیے بلکہ فوراً صاف کردینا چاہیے تاکہ اس کے اثرات اور نہ بڑھنے پائیں یا کم از کم اس کے اسلام کی بدنامی کا باعث نہ ہوں۔

(۳۶۹) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ اذکار اور بالخصوص تکرار کلمہ طیبہ کو تجدید ایمان میں بڑا دخل ہے اب انصاف کیجئے کہ اس ایمان کا حال کیا ہوگا جو ہر لحظہ پرانا تو ہو رہا ہے مگر اس کی تجدید کا سامان کچھ نہیں ہے۔

قِيْلَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ نُجَدِّدُ اِيْمَانَنَا قَالَ اَكْثِرُوْا مِنْ قَوْلِ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ۔ (اخرجہ الحاکم فی کتاب التوبۃ وقال صحیح الاسناد قال الذھبی وفیہ صدقۃ وضعفوہ۔

## المعاصی قد تفضی الی حبط بعض الحسنات

(۲۷۰) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَكَ صَلٰوةَ الْعَصْرِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ (رواہ البخاری)

(۲۷۱) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَذْفُ الْمُحْصَنَةِ يَهْدِمُ عَمَلَ مِائَةِ سَنَةٍ (رواہ البزار)

(۲۷۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ شَرِبَ الْخَمْرَ لَمْ يَقْبَلِ اللّٰهُ لَهٗ صَلٰوةَ اَرْبَعِيْنَ صَبَاحًا الخ (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

(۲۷۳) عَنْ سَهْلِ بْنِ مُعَاذٍ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ غَزَوْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَضَيَّقَ النَّاسُ الْمَنَازِلَ وَقَطَعُوا الطَّرِيْقَ فَبَعَثَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُنَادِيًا يُنَادِيْ اَنَّ مَنْ

---

آپ سے دریافت کیا گیا یا رسول اللہ ایمان کی تجدید کیسے کیا کریں فرمایا کہ کثرت کے ساتھ لا الٰہ الا اللہ پڑھا کرو (حاکم)

## گناہ کبیرہ کرنے سے کبھی کبھی نیکیوں کے اکارت ہونے کی بھی نوبت آجاتی ہے

(۲۷۰) بریدہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے عصر کی نماز چھوڑ دی اس کے عمل اکارت ہوئے۔ (بخاری)

(۲۷۱) حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی پاک باز عورت کو تہمت لگانے سے سو سال کے عمل برباد ہو جاتے ہیں۔ (البزار)

(۲۷۲) عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے شراب پی اللہ تعالیٰ چالیس دن تک ۔ ۔ ۔ ۔ اس کی نمازیں قبول نہیں کرتا۔ (ترمذی۔ نسائی۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

(۲۷۳) معاذ سے روایت ہے کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہی میں ایک غزوہ کیا لوگوں نے

---

کیا یہ اندیشہ نہیں ہے کہ وہ بھی ایک نہ ایک دن پرانے کپڑے کی طرح تار تار ہو جائے۔ فاعتبروا یا اولی الابصار۔ صحیح بخاری میں بھی یہ مضمون صحابہ کی زبان سے موجود ہے۔

ضَيَّقَ مَنْزِلًا اَوْ قَطَعَ طَرِيْقًا فَلَا جِهَادَ لَهٗ - (رواہ ابوداؤد)

(۳۷۴) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَخَذَ اَرْضًا بِجِزْيَتِهَا فَقَدِ اسْتَقَالَ هِجْرَتَهٗ وَمَنْ نَزَعَ صَغَارَ كَافِرٍ مِنْ عُنُقِهٖ فَقَدْ وَلَّى الْاِسْلَامَ ظَهْرَهٗ - (ابوداؤد)

(۳۷۵) عَنْ سَلَمَةَ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى خَيْبَرَ فَقَالَ رَجُلٌ مِنْهُمْ

---

(جلد بازی میں) دوسروں کے اترنے کی جگہوں میں تنگی پیدا کردی اور آمد و رفت کے لئے راستے بند کردیئے (جب آپ کو یہ خبر ملی) تو آپ نے ایک منادی بھیجا کہ وہ لوگوں میں یہ اعلان کردے کہ جو لوگوں کے اترنے کے مقامات میں کوئی تنگی پیدا کرے گا یا راستے بند کرے گا اس کا جہاد اکارت۔ (ابوداؤد)

(۳۷۴) ابو درداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے کافر کی خراجی زمین خریدی اس نے اپنی ہجرت کا عمل اکارت کردیا اور جس نے کسی کافر کی گردن سے ذلت کا طوق نکال کر اپنے گلے میں ڈال لیا اس نے اسلام کی طرف اپنی پشت کردی۔ ابوداؤد)

(۳۷۵) سلمہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ اہل خیبر سے جنگ کیلئے نکلے

---

(۳۷۵) صحابہ کو یہ تجربہ سے ثابت ہوچکا تھا کہ جنگ کے موقعہ پر جب کسی شخص کی نسبت آپ "رحمہ اللہ" کا کلمہ ارشاد فرمادیتے تو وہ ضرور شہید ہوکر رہتا اس لئے عامر کے متعلق یہ کلمہ سنکر وہ سمجھ گئے کہ یہ بھی شہید ہوئے بغیر نہ رہیں گے اس لئے انھوں نے عرض کیا کہ آپ ہمیں ان کی صحبت سے لطف اندوزی کا کچھ اور موقع دیتے۔

واضح رہے کہ شرک و کفر تو سب کے نزدیک حقیقۃً حبط عمل کا موجب ہیں لیکن کبائر کے حبط عمل کے مفہوم میں ذرا اختلاف ہے کسی نے اس کو گناہوں کی اہمیت ذہن نشین کرنے کا صرف ایک عنوان قرار دیا ہے۔ . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . . اور کسی نے ظاہری معنی پر ہی محمول کرلیا ہے لیکن اس تقدیر پر مشکل یہ ہے کہ یہ اہلسنت کا مذہب نہیں یہ معتزلہ کا مذہب ہے۔ ہمارے نزدیک یہاں صاحب روح المعانی کی رائے زیادہ صواب ہے وہ سورۂ محمد کی تفسیر میں معتزلہ کی جواب دہی کرتے ہوئے نقل فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| وفی الکشف لابد فی ھذا المقام من تحریر البحث بان یقال ان اراد المعتزلہ ان نحو الزناء اذا اعقب الصلوۃ یبطل ثوابھا مثلاً فذلک مما لا دلیل علیہ وان ارادوا ان عقابہ قد یکبر حتی لا یعادلہ صغار الحسنات فھذا صحیح والکلام فی تسمیتہ احباطاً ولا باس بہ ولکن عندنا ان ھذا الاحباط غیر لازم وعندھم لازم ... | کشف میں اس مسئلہ کی تحقیق یوں کی گئی ہے کہ معتزلہ سے یہ پوچھنا چاہئے کہ حبط سے ان کا کیا مطلب ہے اگر یہ مطلب ہے کہ مثلاً نماز کے بعد زنا کرنے سے نماز کا حاصل شدہ ثواب برباد ہوجاتا ہے تو اس پر کوئی دلیل نہیں اور اگر یہ مطلب ہے کہ کبھی کسی عمل کا گناہ اتنا بڑا ہوتا ہے کہ چھوٹی چھوٹی نیکیوں کا ثواب اس کی تلافی نہیں کرسکتا تو یہ بات صحیح ہے مگر اس وقت گفتگو صرف اس میں رہ جائیگی کہ اس کو حقیقۃً حبط کہنا بھی چاہئے یا نہیں ہمارے خیال میں اصل بات یہ ہے کہ معتزلہ |

أَسْمِعْنَا يَا عَامِرُ مِنْ هُنَيَّاتِكَ فَحَدَا بِهِمْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ السَّائِقُ قَالُوا
عَامِرٌ فَقَالَ رَحِمَهُ اللّٰهُ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ هَلَّا أَمْتَعْتَنَا بِهِ فَأُصِيبَ صَبِيحَةَ لَيْلَتِهِ فَقَالَ
الْقَوْمُ حَبِطَ عَمَلُهُ قَتَلَ نَفْسَهُ فَلَمَّا رَجَعْتُ وَهُمْ يَتَحَدَّثُونَ أَنَّ عَامِرًا أُحْبِطَ عَمَلُهُ فَجِئْتُ

رفقاء میں سے ایک شخص بولا اے عامر ہمیں بھی اپنے کچھ اشعار سناؤ۔ عامر گا گا کر انھیں سنانے لگے اور ان کی مستانہ
آواز سے اونٹوں نے بھی تیز تیز قدم اٹھا دیئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا اونٹوں کو حدی پڑھ کر یہ تیز
چلانے والا کون شخص ہے لوگوں نے عرض کیا عامر ہیں آپ نے فرمایا خدا ان پر رحم فرمائے۔ یہ سن کر
صحابہ نے عرض کیا یا رسول اللہ کاش عامر کی صحبت سے آپ ہمیں کچھ اور لطف اندوزی کا موقعہ دیتے اس کے بعد ماجرا
یہ ہوا کہ اسی شب کی صبح (انھوں نے ایک کافر پر حملہ کیا ان کی تلوار چھوٹی تھی وہ لوٹ کر ان کے گھٹنے میں لگی اور
وہ اپنی ہی شمشیر سے زخمی ہو گئے) اور شہید ہو گئے صحابہ نے (یہ دیکھ کر کہ یہ اپنی ہی شمشیر سے ہلاک ہوئے ہیں اس کو خودکشی
سمجھا اور) کہا عامرؓ نے خودکشی کر لی اور ان کی سب نیکیاں اکارت ہو گئیں۔ جب میں واپس ہوا تو وہ یہی گفتگو

مبنی علی جواز العفو وهي مسئلة أخرى وأما الكبيرة التي تختص بذلك العمل كالعجب ونحو المن والأذى بعد التصدق فهي محبطة لا محالة اتفاقاً۔ (ج ۲۶ روح المعانی)

کے نزدیک تو گناہ کبیرہ سے نیکیوں کا برباد ہو جانا لازم اور ضروری امر ہے اور اہل حق کے نزدیک ضروری اور لازم نہیں ہے در حقیقت یہ اختلاف ایک اور اختلاف پر مبنی ہے اور وہ یہ کہ گناہ کی بخشش جائز بھی ہے یا نہیں۔ یہ بحث تو عام کبائر کے متعلق تھی اب رہے وہ گناہ جو کسی خاص عمل سے متعلق ہیں جیسے صدقہ دے کر اترانا یا احسان جتانا اور بات مارنا تو اس میں کسی کو اختلاف نہیں کہ اس قسم گناہ سے خاص اس عمل کا ثواب برباد ہو جاتا ہے۔ (روح المعانی)

ہمارے نزدیک اعمال مکفرہ (یعنی وہ نیکیاں جو گناہوں کا کفارہ بن جاتی ہیں) میں یہ تفصیل ضروری ہے کہ کونسا عمل کس گناہ کے لئے کفارہ بنتا ہے اسی طرح کبائر محبطہ (یعنی وہ گناہ جو نیکیاں برباد کر دیتے ہیں) میں بھی یہ تفصیل ہونی چاہئے کہ کس گناہ سے کس قسم کے نیک عمل کا ثواب برباد ہوتا ہے۔ نہ تکفیر علی الاطلاق ہے اور نہ حبط عمل علی الاطلاق ہونا چاہئے۔ لیکن اس کا کوئی ضابطہ کلیہ حدیثوں میں ہماری نظر سے نہیں گذرا۔ ہاں اتنا معلوم ہوتا ہے کہ بعض گناہوں سے تو صرف اسی ایک نیک عمل کا ثواب حبط ہوتا ہے جس سے وہ گناہ متعلق ہوتا ہے جیسے جہاد میں تضییق منازل یا صدقہ کے بعد من واذی (احسان جتانا اور بات مارنا) اور بعض گناہوں سے متعدد اعمال بھی حبط ہو سکتے ہیں پھر کبھی یہ تعلق ظاہر ہوتا ہے اور کبھی اندرونی جیسا ایک حدیث میں ہے کہ ایک بار شراب نوشی سے چالیس دن کی نمازیں قبول نہیں ہوتیں۔ یہاں شراب نوشی اور نمازوں کے درمیان کوئی اندرونی علاقہ ہے جس کی وجہ سے اس کا اثر خاص نمازوں ہی پر پڑتا ہے۔ چالیس کے عدد سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ حبط عمل کا دائرہ اتنا وسیع بھی نہیں جتنا کہ معتزلہ نے سمجھ رکھا ہے۔ اس مقام پر نماز اور شراب کے مابین جو تناسب ہے اس کا ایضاح منظور نہیں ہے ورنہ اس عمیق ربط کی طرف قرآن کریم کی متعدد آیات میں اشارات ملتے ہیں۔

إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فِدَاكَ أَبِي وَأُمِّي زَعَمُوا أَنَّ عَامِرًا حَبِطَ عَمَلُهُ فَقَالَ كَذَبَ مَنْ قَالَهَا إِنَّ لَهُ لَأَجْرَيْنِ اثْنَيْنِ إِنَّهُ لَجَاهِدٌ مُجَاهِدٌ وَأَيُّ قَتْلٍ يَزِيْدُهُ عَلَيْهِ. (رواه البخاری)

(۳۷۶) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الْمُؤْمِنُ مُعْنِقًا

---

کر رہے تھے کہ عامر کے اعمال اکارت ہو گئے میں نے آکر آپ کی خدمت میں عرض کیا یا نبی اللہ میرے ماں باپ آپ پر قربان ہوں، لوگوں کا یہ خیال ہو رہا ہے کہ عامر کے عمل اکارت ہو گئے آپ نے فرمایا کون کہتا ہے جس نے کہا غلط کہا اس کو دوہرا ثواب ملے گا وہ بڑا پکا مجاہد تھا اس کے قتل سے بڑھ کر اور کونسا قتل ہو سکتا ہے۔ (بخاری شریف)

(۳۷۶) ابو الدرداء صحابی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایماندار آدمی اپنے دین

---

حضرت استاد قدس سرہ کے کلمات سے یہاں حبط عمل کی ایک اور شرح بھی مفہوم ہوتی ہے وہ امام بخاری کے ترجمہ باب خوف المؤمن ان یحبط عملہ کی شرح کے ذیل میں فرماتے تھے کہ اس ترجمہ سے امام بخاریؒ کی غرض مرجئہ کی تردید ہے یعنی گناہ اتنی ہلکی چیز نہیں جتنی کہ مرجئہ نے سمجھی ان کی شامت سے بعض مرتبہ سوء خاتمہ اور سلب ایمان کا اندیشہ بھی ہو سکتا ہے مگر اس کا نام شرعی کفر نہیں تکوینی کفر ہے یہاں بظاہر کوئی عمل کفر نظر نہیں آتا اس لئے ظاہر میں ایمان و اسلام کا حکم باقی رہتا ہے لیکن چونکہ قلب حقیقت ایمانیہ اور اذعان سے خالی ہو جاتا ہے اس لئے عالم آخرت میں اس کا شمار مسلمانوں میں نہیں رہتا۔ مثلاً ایک حدیث میں ہے کہ جو شخص دنیا میں شراب پئے گا پھر وہ آخرت میں نہ پئے گا۔ ترمذی کی شرح میں صاحب قوت المغتذی اس کا یہ مطلب تحریر فرماتے ہیں کہ اگر شراب خواری کی بدعادت ترک نہ کی گئی تو اس کی شامت سے انجام خراب ہو جانے کا خطرہ ہو سکتا ہے اور ظاہر ہے کہ جب خاتمہ بخیر نہ ہو تو آخرت میں وہ شراب جو صرف مومنین کا حصہ ہوگی کیونکر میسر آئیگی۔ اس بنا پر حبط عمل کا اصل سبب کفر ہی ہو گا لیکن چونکہ بظاہر یہاں کوئی سبب کفر موجود نہیں بجز صرف معصیت ہوتی ہے اس لئے حبط عمل کا حکم اس معصیت ہی کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے۔ ایک اور حدیث سے بھی اس رائے کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت ابو الدرداء روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن اپنے دینی معاملات میں برابر مستعد رہتا ہے لیکن جب کسی کا ناحق خون کر دیتا ہے تو پھر اس کی مستعدی ختم ہو جاتی ہے اور اس کی رفتار سست پڑ جاتی ہے۔ (ابو داؤد)

گویا قاتل عمد کو تکوین اسی طرح آہستہ آہستہ خلود یا مکث طویل کی طرف لے چلتی ہے پس جس طرح یہاں فتوی بجگہ قائم رہے گا اور تکوین اپنی جگہ کام کرے گی۔ اسی طرح معاصی صرف معاصی کہلائیں گے لیکن ان کا تکوینی اثر کشاں کشاں کفر کی طرف لیتا چلا جائے گا۔ پس اعمال اگرچہ اجزاء ایمان نہ ہوں مگر قوت ایمانیہ قائم رکھنے کے لئے ان کا وجود اتنا ہی ضروری ہے جتنا کہ درخت کی حیوۃ کے لئے پانی کا۔

(۳۷۶) قدرت نے جنت اور دوزخ کی تقسیم تو ایمان و کفر پر رکھی ہے مگر ان میں مراتب کی تقسیم اعمال کے واسطہ سے کی ہے جس کو وہ مراتب علیا پر فائز کرنا چاہتی ہے اس کو یونہی فائز نہیں کر دیتی بلکہ اس کے اعمال حسنہ کی رفتار تیز کر دیتی ہے

صَالِحًا مَا لَمْ يُصِبْ دَمًا حَرَامًا فَإِذَا أَصَابَ دَمًا حَرَامًا بَلَّحَ ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۲۷۷) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَذْهَبُ بِنَفْسِهٖ حَتّٰى يُكْتَبَ فِي الْجَبَّارِيْنَ فَيُصِيْبُهٗ مَا اَصَابَهُمْ ۔ (رواہ الترمذی)

میں اس وقت تک برابر تیز رفتار رہتا ہے جب تک کسی کا خون ناحق اپنے سر نہیں لیتا جونہی کہ اس نے کسی کا خون ناجائز طور پر بہایا بس فوراً ہی اس کی دینی رفتار سست پڑنی شروع ہو جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

(۲۷۷) سلمہ بن اکوع بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی اپنی بڑائی کے تصور میں بڑھا چلا جاتا ہے یہاں تک کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں اس کا نام دنیا کے اور متکبرین کی فہرست میں لکھدیا جاتا ہے اور آخر اس کو بھی وہی سزا ملتی ہے جو دوسرے متکبروں کو ملی۔ (ترمذی)

اور جس کو جنت سے محروم کرنے کا ارادہ فرمالیتی ہے اس کو بھی دفعۃً محروم نہیں کر دیتی بلکہ اس سے نیکی کی توفیق سلب فرمالیتی ہے یہ ہر دو راستے بتدریج طے ہوتے رہتے ہیں بندہ راہ ترقی پر گامزن ہو یا تنزل کی راہ پر جا کے دونوں جگہ اس کی حرکت تدریجی رہتی ہے اس لئے وہ اپنی منزل سفر کی یومیہ ترقی یا تنزل کا احساس نہیں کرتا ایک نیک شخص کو یہ محسوس نہیں ہوتا کہ کل وہ کہاں پڑا ہوا تھا اور کچھ عرصہ بعد کہاں جا پہنچا۔ نہ ایک بد اطوار کو یہ محسوس ہوتا ہے کہ کل تک وہ کس اوج پر تھا اور آج کہاں جا پڑا ہے ہوشمند وہ ہے جو ہر آن اپنی رفتار اور منازل سفر کو بغور دیکھتا ہے۔ عمداً قاتل کے لئے دوزخ میں ہمیشہ عذاب کی وعید آئی ہے۔ یہ وعید یوں پوری ہوتی ہے کہ اس سے رفتہ رفتہ اعمال خیر چھوٹتے چلے جاتے ہیں اور معلوم نہیں کہ اس عملی خسارہ کی انتہا کہاں جا کر ہو ممکن ہے کہ ایمانی خسارہ پر جا کر ہوتی ہو اور آخر کار اس کا ٹھکانا بھی وہی ہو جاتا ہو جو ایک کافر کا ہوتا ہے اسی کو ہم نے پہلے کفر تکوینی سے تعبیر کیا تھا۔ گناہوں کی نوعیت سے ڈرتے رہنا چاہئے بعض قسم کے گناہوں سے سوء خاتمہ اور عاقبت کے خراب ہو جانے کا بھی اندیشہ ہو جاتا ہے ان میں ایک مسلمان کا عمداً خون ناحق ہے۔ اور سب سے زیادہ خطرناک خدا کے دوستوں کے ساتھ دشمنی ہے۔ ہمارے دور میں اللہ کے نیک بندوں کا مذاق اڑانا ہماری محفلوں کا ایک خاص مشغلہ بن گیا ہے۔ حدیثوں میں خدا کے اولیاء کے ساتھ عداوت رکھنے والوں کے لئے خدا کی طرف سے اعلان جنگ کا لفظ آیا ہے۔ نعوذ باللہ من ذلک

خاکساران جہاں را بحقارت منگر — توچہ دانی کہ دریں گرد سوارے باشد

(۲۷۷) اسی طرح ایک متفق علیہ حدیث میں حضرت عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے وما یزال الرجل یصدق ویتحری الصدق حتی یکتب عند اللہ صدیقا۔ آدمی راست گوئی کی صفت اختیار کرتے کرتے خدا تعالیٰ کے یہاں صدیقوں کی فہرست میں شمار ہو جاتا ہے۔ اس قسم کی تمام حدیثوں میں خیر و شر کے اسی تدریجی رفتار اور ان کے نتائج پر تنبیہ کی گئی ہے۔

## من سبق علی لسانہ کلمۃ الکفر لم یکفر

(۳۷۸) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَلّٰہُ اَشَدُّ فَرَحًا بِتَوْبَۃِ عَبْدِہٖ حِیْنَ یَتُوْبُ اِلَیْہِ مِنْ اَحَدِکُمْ کَانَ رَاحِلَتُہٗ بِاَرْضِ فَلَاۃٍ فَانْفَلَتَتْ مِنْہُ وَعَلَیْھَا طَعَامُہٗ وَشَرَابُہٗ فَاَیِسَ مِنْھَا فَاَتٰی شَجَرَۃً فَاضْطَجَعَ فِیْ ظِلِّھَا قَدْ اَیِسَ مِنْ رَاحِلَتِہٖ فَبَیْنَمَا ھُوَ کَذٰلِکَ اِذْ ھُوَ بِھَا قَائِمَۃً عِنْدَہٗ فَاَخَذَ بِخِطَامِھَا ثُمَّ قَالَ مِنْ شِدَّۃِ الْفَرَحِ اَللّٰھُمَّ اَنْتَ عَبْدِیْ وَاَنَا رَبُّکَ اَخْطَأَ مِنْ شِدَّۃِ الْفَرَحِ (رواہ مسلم)

(۳۷۹) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِیْ حَلْفِہٖ

## اگر سبقت لسانی سے کلمہ کفر زبان سے نکل جائے تو اس سے کفر عائد نہیں ہوتا

(۳۷۸) حضرت انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب اللہ تعالیٰ کا بندہ توبہ کرتا ہے تو اس کو اپنے بندہ کی توبہ سے تم میں کے اس شخص سے بہت زیادہ خوشی حاصل ہوتی ہے جس کی سواری کسی جنگل میں ہو اور اسی پر اس کا کھانا اور پینا بھی ہو پھر وہ اس سے چھوٹ کر کہیں بھاگ جائے اور یہ شخص اس سے مایوس ہو کر ایک درخت کے سایہ میں آکر لیٹ رہے وہ ابھی اسی مایوسانہ حالت میں لیٹا ہوا ہو کہ دفعۃً وہ اپنی سواری اپنے پاس کھڑی ہوئی دیکھے اور اس کی مہار پکڑے پھر مارے خوشی کے اس کی زبان سے غلطی سے یہ نکل جائے کہ اے اللہ تو میرا بندہ ہے اور میں تیرا پروردگار ہوں۔ (مسلم)

(۳۷۹) ابوہریرہؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جس نے قسم اٹھانے کا ارادہ کیا اور اس کی زبان پر بلا ارادہ لات اور عزیٰ کا نام آگیا تو اسے فوراً لا الٰہ الا اللہ

(۳۷۸) خوشی کی حالت میں انسان کی زبان سے اس قسم کی لغزشیں ہو جاتی ہیں۔ کہنا یہ چاہیے تھا کہ اے اللہ میں تیرا بندہ ہوں اور تو میرا پروردگار ہے مگر خوشی میں زبان کی لکنت سے اس کا برعکس نکل گیا۔ اس کلمہ پر سبقت لسانی کی وجہ سے کفر کا حکم نہیں لگایا جا سکتا حالانکہ اس کے کلمۂ کفر ہونے میں ذرا شبہ نہیں کیا جا سکتا۔

(۳۷۹) یہ اسلام کے ابتدائی دور کی باتیں ہیں جس طرح مسرت وغم میں انسان کی زبان قابو میں نہیں رہا کرتی اور کچھ کا کچھ کہہ ڈالتی ہے اسی طرح عام بات چیت میں بھی جن باتوں پر وہ رواں ہو چکی ہے ان میں بھی لغزش کھائے بغیر نہیں رہتی۔ عرب عام گفتگو میں کثرت سے لات وعزیٰ کی قسمیں کھانے کا عادی تھا۔ اسلام کے بعد بھی بہت ممکن تھا کہ ان کی زبان سے اس قسم کے مواقع پر بے اختیار لغزش ہو جائے۔ دین حنیف نے ان کی اس غلطی پر کفر کا فتویٰ عائد نہیں کیا بلکہ اس کفر نما حرکت کو فوراً اصلاح کرنے کی تعلیم دی اور کلمہ لا الٰہ الا اللہ پڑھنے کا حکم دیدیا تاکہ اگر

بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهٖ تَعَالَ اُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ (متفق علیہ)

## لا یکفر المسلم بذنب

(۳۸۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلٰثٌ مِنْ اَصْلِ الْاِيْمَانِ الْكَفُّ عَمَّنْ قَالَ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ لَا تُكَفِّرْهُ بِذَنْبٍ وَلَا تُخْرِجْهُ مِنَ الْاِسْلَامِ بِعَمَلٍ وَالْجِهَادُ

کہہ کر اپنے ایمان کی تجدید کر لینی چاہئے اور جس نے اپنے دوست سے کہا آؤ جوا کھیلیں اسے صدقہ دینا چاہئے (متفق علیہ)

## کسی گناہ کی وجہ سے مسلمان کو کافر نہیں کہنا چاہئے

(۳۸۰) انسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تین باتیں اسلام میں داخل ہیں۔ (۱) جو لا الہ الا اللہ کا اقرار کرلے اس سے جنگ ختم کر دینا اب کسی گناہ کی وجہ سے اس کو کافر مت کہو اور نہ کسی عمل کی وجہ سے اس پر اسلام سے خارج ہونے کا فتوی لگاؤ۔ (۲) جب سے کہ مجھے

اس کی اس سبقت لسانی پر شیطان ایک مرتبہ خوش ہوا ہو تو اس کی زبان سے کلمۂ توحید سن کر ہزار بار جل بھی جائے۔

دوسرے فقرہ کا مطلب عام طور پر یہ سمجھا گیا ہے کہ شریعت نے قمار بازی کی بدخصلت ترک کرانے کے لئے نفسیاتی طور پر اس کا علاج یہ بتایا ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ کے راستہ میں کچھ صدقہ دیدے اس کے نفس کے لئے یہ تعزیر بہت نتیجہ خیز ہوگی۔

لیکن امام خطابی کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ جتنا مال اس نے قمار بازی کے لئے لگایا تھا اتنا ہی اللہ تعالیٰ کے راستہ میں صدقہ کرے۔ قال معناہ فلیتصدق بقدر ماجعلہ خطرًا فی القمار۔ (معالم السنن ج۴ ص ۲۵۰)

(۳۸۰) واضح رہے کہ جس طرح نیک اعمال کی بنا پر کسی کافر کو مسلمان کہنا صحیح نہیں تاوقتیکہ وہ توحید و رسالت کا اعتراف نہ کرے اسی طرح کسی مسلمان کو صرف اس کی بداعمالی اور گناہوں کی وجہ سے کافر کہنا بھی صحیح نہیں تاوقتیکہ وہ کسی عقیدہ کفریہ کا اعلان نہ کردے۔ اسلام میں کسی مسلمان کو کافر کہنا یا کسی کافر کو مسلمان کہنے کی ممانعت یکساں ہے اس حدیث کا مقصد مومن عاصی کو کافر کہنے کی ممانعت کرنا ہے نہ کہ کافر صریح کو کافر کہنے کی ممانعت کرنا۔ حیرت ہے کہ متواترات دین کے منکرین کو اس حدیث سے کیا فائدہ پہنچ سکتا ہے جبکہ اس حدیث میں لفظ ذنب کی صاف تصریح موجود ہے جس کا مطلب یہ ہے کہ کسی ذنب اور معصیت کی بنا پر کسی شخص کی طرف کفر کی نسبت نہیں کرنی چاہئے۔ اس میں اختلاف کس کو ہے۔ بحث طلب یہ ہے کہ صریح کفر کے عقائد کے بعد بھی کیا یہ حدیث کسی کو کافر کہنے سے روکتی ہے اگر ایک شخص نماز پڑھ کر قبلہ کا استقبال کر کے ذبیحۂ مسلم کھا کے کسی قسم کے عقائد کفریہ سے بھی کافر نہیں ہوتا تو پھر یا تو اس قسم کے عقائد کو عقائد کفریہ کہنا ہی غلط ہوگا یا یہ تسلیم کرنا پڑے گا کہ یہ تین افعال کوئی ایسا مضبوط قلعہ ہیں جس کو کفر و شرک کی بمباری بھی مضرت رساں نہیں ہو سکتی۔

حقیقت یہ ہے کہ انسان کی فطرت بہت کمزور ہے وہ گناہ کی طرف رغبت کر سکتی ہے اس میلان میں قدرت نے

مَاضٍ مُذْ بَعَثَنِيَ اللهُ اِلٰى اَنْ يُقَاتِلَ اٰخِرُ هٰذِهِ الْاُمَّةِ الدَّجَّالَ لَا يُبْطِلُهُ جَوْرُ جَائِرٍ وَّلَا عَدْلُ عَادِلٍ وَالْاِيْمَانُ بِالْاَقْدَارِ۔ (رواہ ابوداؤد)

اللہ تعالیٰ نے رسول بنا کر بھیجا ہے، جہاد ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جاری رہے گا۔ یہاں تک کہ اس امت کے آخر میں ایک شخص آکر دجال سے جنگ کریگا۔ کسی منصف بادشاہ کے انصاف یا کسی ظالم کے ظلم کا بہانہ لیکر جہاد ختم نہیں کیا جاسکتا (۳) اور اللہ تعالیٰ کی تقدیر پر ایمان لانا۔ (ابوداؤد)

بھی اس کو معذور تسلیم کیا ہے اور یہ حکم دیا ہے کہ وہ اپنی اس کمزوری کی توبہ و استغفار کے ذریعہ تلافی کرے لیکن شرک وکفر کی طرف میلان انسان کی فطرت نہیں یہ خلاف فطرت ہے۔ اس میں کوئی انسان معذور نہیں رکھا جا سکتا یہ اپنے خالق سے کھلی مخالفت اور اعلان بغاوت ہے اس لئے اس کے بعد اس کا شمار دشمنوں کی صف میں ہونے لگتا ہے یہ کمزوری نہیں کہ اسے نباہ لیا جائے بلکہ سرکشی و بغاوت ہے۔ افسوس ہے کہ ہمارے دور میں اس اہم حدیث پر صحیح طور پر غور نہیں کیا گیا اس لئے کسی نے تو محض فروعی اختلافات کی بنا پر ایک دوسرے پر کفر کی بوچھار شروع کردی اور کسی نے متفق علیہ کفریات کے ہوتے ہوئے بھی کفر کا حکم لگانے میں احتیاط برتی۔

حالانکہ اس حدیث میں نہایت صفائی کے ساتھ یہ تنبیہ کردی گئی تھی کہ جن افعال پر تکفیر کی ممانعت کی گئی ہے وہ عقائد کفریہ، ضروریات دین کا انکار اور دین کا استخفاف نہیں بلکہ صرف وہ عملی فروگذاشتیں ہیں جن کو معاصی و ذنوب کہا جاتا ہے۔ فقہ میں اہل قبلہ کا عنوان بھی ان ہی لوگوں کے لئے اختیار کیا گیا تھا جنھیں اسلامی اصول کے ساتھ کوئی اختلاف نہیں گویا قبلہ اصول اسلامی کا ایک ایسا مرکزی نقطہ ہے کہ جو شخص اس میں متفق ہوگیا اس کا بقیہ اصول میں بھی متفق ہونا ضروری ہے لہذا اب اس کا اختلاف اگر ہوگا تو صرف فروعات ہی میں ہوگا۔ صرف فروعی اختلاف سے کسی کو کافر قرار دینا صحیح نہیں۔ احادیث میں بھی کلمہ توحید کو تمام اسلام کا سرنامہ بنادیا گیا ہے۔ اسی وجہ سے بہت سے مقامات پر توحید کے ساتھ رسالت کا ذکر بھی نہیں اور صرف توحید کے عقیدہ پر جنت کی بشارت مذکور ہے۔ پس جس طرح احادیث میں کلمہ توحید کے اقرار کا مطلب تمام اسلامی اصول کا اقرار ہے۔ اسی طرح یہاں بھی اہل قبلہ کا مطلب سمجھنا چاہیے۔

ہمارے نزدیک حدیث واستقبل قبلتنا ان لوگوں کے متعلق ارشاد ہوئی ہے جو کفر کی زندگی چھوڑ کر حال میں اسلامی زندگی میں داخل ہوئے ہیں اور حضرت انسؓ کی اس حدیث کا تعلق مسلمانوں کے باہمی فرقوں کے ساتھ ہے۔ کھلے ہوئے کافروں سے نہ اس حدیث کا تعلق ہے نہ اس کا۔ مسیلمہ کذاب بھی مدعی اسلام تھا بلکہ کسی حد تک آپ کی رسالت کا بھی معترف تھا مگر کیا اسلام کی تاریخ میں اس حدیث کی وجہ سے اس کو مسلمان سمجھا گیا، کیا جن لوگوں نے صرف ایک زکوٰۃ کا انکار کیا تھا اگرچہ وہ اہل قبلہ تھے نمازیں بھی ہماری طرح پڑھتے تھے۔ ہمارے ذبیحہ کھانے سے بھی انھیں کوئی استنکاف نہ تھا ان کو معذور رکھا گیا ہرگز نہیں بلکہ ان سے جنگ کی گئی اور اس بنا پر کی گئی کہ اس وقت جماعت صحابہ نے ان کو مرتدین کی فہرست میں شمار کیا تھا تو پھر کیا وجہ ہے کہ اسی قسم کے کسی اور منکر فرض قطعی کو مرتد شمار نہ کیا جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اس حدیث میں جو حقیقت بتائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ فروعی اختلاف کی بنا پر کسی کو کافر نہ کہنا چاہیے اسلامی زبان میں اسکا لقب فاسق ہے کافر نہیں۔ یہ ایک اہم اصلاحی آئین ہے اگر امت اس پر عمل کرتی تو آج اس کا شیرازہ یوں نہ بکھرتا۔

## من قتل نفسه لم يكفر

(۲۸۱) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ الطُّفَيْلَ بْنَ عَمْرٍو الدَّوْسِيَّ اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لَكَ فِيْ حِصْنٍ حَصِيْنٍ وَمَنْعَةٍ قَالَ كَانَ لِدَوْسٍ حِصْنٌ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَاَبَى ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلَّذِيْ ذَخَرَ اللّٰهُ لِلْاَنْصَارِ فَلَمَّا هَاجَرَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَى الْمَدِيْنَةِ هَاجَرَ اِلَيْهِ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو وَهَاجَرَ مَعَهُ رَجُلٌ مِنْ قَوْمِهِ فَاجْتَوَوُا الْمَدِيْنَةَ فَمَرِضَ فَجَزِعَ فَاَخَذَ مَشَاقِصَ لَهُ فَقَطَعَ بِهَا بَرَاجِمَهُ فَشَخَبَتْ يَدَاهُ حَتّٰى مَاتَ فَرَاٰهُ الطُّفَيْلُ بْنُ عَمْرٍو فِيْ مَنَامِهِ فَرَاٰهُ وَهَيْئَتُهُ حَسَنَةٌ وَرَاٰهُ مُغَطِّيًا يَدَيْهِ فَقَالَ مَا صَنَعَ بِكَ رَبُّكَ فَقَالَ غَفَرَ لِيْ بِهِجْرَتِيْ اِلٰى نَبِيِّهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَهُ مَالِيْ اَرَاكَ

## خودکشی کرنے والا کافر نہیں

(۲۸۱) جابرؓ سے روایت ہے کہ طفیل بن عمرو الدوسی (اپنے قبیلہ کی طرف ہجرت کرنے کی درخواست لیکر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ کیا آپ ایک مضبوط قلعہ اور محافظ جماعت کی طرف ہجرت کرنا منظور فرما سکتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ زمانہ جاہلیت میں قبیلہ دوس کے پاس ایک قلعہ تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خوش نصیبی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے انصار کے لئے مقدر فرمادی تھی ان کے ساتھ جانے سے انکار کردیا۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ ہجرت کی تو طفیل بن عمرو اور ان کی قوم کے ایک اور شخص نے بھی ساتھ ساتھ ہجرت کی۔ اتفاق یہ کہ مدینہ کی آب و ہوا انھیں موافق نہ آئی ان کا رفیق بیمار پڑ گیا اور . . . تکلیف برداشت نہ کرسکا۔ اس نے اپنے تیر کا پیکان نکال کر اپنی انگلیوں کے جوڑ کاٹ ڈالے اس کے ہاتھوں سے خون بہہ نکلا یہاں تک کہ اس کی وفات ہوگئی۔ طفیل بن عمروؓ نے انھیں خواب میں دیکھا تو صورت ان کی بہت اچھی تھی مگر ہاتھ ڈھکے ہوئے تھے۔ دریافت کیا کہ تمہارے پروردگار نے تمہارے ساتھ کیا معاملہ کیا انھوں نے جواب دیا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ہجرت کرنے کی برکت سے مجھے بخشدیا گیا

(۲۸۱) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مغفرت میں بھی تجزیہ ہو سکتا ہے یہاں مغفرت نے طفیل کے رفیق کے سارے جسم کو تو گھیر لیا تھا مگر ارادت الٰہیہ میں بیجا دست اندازی کی وجہ سے اس کے ہاتھوں کو چھوڑ دیا تھا یہ شخص کیسا ہی خوش نصیب تھا کہ اس کا مقدمہ رحمۃ للعالمین کے سامنے آگیا اور آپ کے مبارک ہاتھ اس کی سفارش کیلئے اٹھ گئے پھر کیا تھا رحمت نے اسکی رگ رگ کو گھیر لیا

مُغَطِّيًا يَدَيْكَ قَالَ قِيلَ لِي لَنْ نُصْلِحَ مِنْكَ مَا أَفْسَدْتَ فَقَصَّهَا الطُّفَيْلُ عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اللّٰهُمَّ وَلِيَدَيْهِ فَاغْفِرْ (رواه مسلم)

## لا يجب في الايمان العلم بصفات الله تعالى تفصيلا

(۳۸۲) عَنْ مُعٰوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ أَتَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ جَارِيَةً كَانَتْ لِي تَرْعٰى غَنَمًا لِي فَجِئْتُهَا وَقَدْ فَقَدَتْ شَاةً مِنَ الْغَنَمِ فَسَأَلْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ أَكَلَهَا الذِّئْبُ فَأَسِفْتُ عَلَيْهَا وَكُنْتُ مِنْ بَنِي آدَمَ فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا وَعَلَيَّ

پھر ان سے پوچھا کہ تم اپنے ہاتھ ڈھانکے ہوئے کیوں نظر آرہے ہو، اس نے کہا مجھ سے یہ کہدیا گیا ہے کہ تم نے جو خود بگاڑا ..... ہم اسے نہیں سنواریں گے طفیل نے یہ خواب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں عرض کیا آپ نے دعاء فرمائی اے اللہ اس کے ہاتھوں کی بھی بخشش فرمادے۔ (مسلم)

## اللہ تعالیٰ کی صفتوں پر اجمالی ایمان کافی ہے

(۳۸۲) معاویہ بن حکم روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری ایک باندی ہے جو میری بکریاں چرایا کرتی ہے میں اس کے پاس آیا تو مجھے اپنی بکریوں میں ایک بکری نہ ملی اس سے دریافت کیا تو بولی کہ بھیڑئے نے پھاڑ کھائی۔ مجھے اس کا بہت غم ہوا آخر میں آدمی تھا اس کے منہ پر ایک تھپڑ مار دیا میرے ذمہ (کسی کفارہ وغیرہ کے لئے) ایک

(۳۸۲) ایمان کے لئے اللہ تعالیٰ کی صفات کا ایک سادہ اور سیدھا علم کافی ہے اس میں علم کلام کی موشگافیاں قطعاً غیر ضروری ہیں مثلاً یہ ایمان کہ اللہ تعالیٰ کے لئے آسمان کی جہت موزوں ہے اگر اس کو فلسفی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اس کی ذات کا جہت و مکان میں مقید ہونا لازم آتا ہے۔ یہ درست ہے مگر ہر عالم اور عامی شخص کو اس کا مکلف بنایا نہیں جاسکتا کہ وہ اللہ تعالیٰ پر ایسا ایمان لائے جو تشبیہ اور تنزیہ کے درمیان ہو، اس لئے یہاں اجمالی تنزیہ کافی سمجھ لی گئی ہے اگرچہ ایک فلسفی کی نظر میں یہ حیثیت تشبیہ ہی کیوں نہ ہو جائے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ لفظی تشبیہ اسی حد تک قابل برداشت ہوسکتی ہے جب تک کہ عقیدہ میں قطعی تنزیہ موجود ہو یا کم از کم نفیاً و اثباتاً اس سے کوئی بحث نہ ہو۔ لیکن اگر عقیدہ میں اثباتاً تشبیہ داخل ہوجائے تو اب یہ صحیح ایمان نہیں رہی۔ مثلاً محاورہ میں اللہ تعالیٰ کے لئے آسمان کی جہت ثابت کی جاتی ہے مگر یہ اس وقت تک ہی قابل اغماض ہوسکتا ہے جب تک کہ قلب میں یہ عقیدہ بھی خوب مضبوط اور مستحکم موجود رہے کہ اس نسبت کا مفہوم اللہ تعالیٰ کی عظمت کے سوا اور کچھ نہیں۔

رَقَبَةٌ اَفَاُعْتِقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْنَ اللّٰهُ فَقَالَتْ فِي السَّمَاءِ فَقَالَ مَنْ اَنَا فَقَالَتْ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْتِقْهَا رواه مالك وفي رواية مسلم اِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ۔

(۳۸۳) عَنْ عُبَيْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ عَنْ رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ اَنَّهٗ جَاءَ بِاَمَةٍ سَوْدَاءَ وَ

غلام آزاد کرنا بھی ہے۔ کہئے تو اسی باندی کو (اس کے عوض میں) آزاد کردوں آپ نے اُس باندی سے پوچھا بتا اللہ تعالیٰ کہاں ہے وہ بولی آسمان میں، آپ نے فرمایا میں کون ہوں اس نے کہا اللہ تعالیٰ کے رسول، فرمایا اچھا اسے آزاد کردو اور مسلم کی روایت میں یہ بھی ہے کہ یہ مومنہ ہے۔ (موطا مالک)

(۳۸۳) عبید اللہ بن عبد اللہ ایک انصاری شخص سے روایت کرتے ہیں کہ وہ ایک سیاہ باندی

ہم پہلے بھی بالتفصیل لکھ چکے ہیں کہ اسلام نے فلاسفہ کی طرح اللہ تعالیٰ کی ذات وصفات کی اتنی تنزیہ کرنی نہیں بتائی کہ ایک مادی انسان کے لئے اس کی ذات وصفات میں کوئی کشش ہی باقی نہ رہے بلکہ اس حد تک تشبیہ کی بھی اجازت دیدی ہے جہاں تک انسان کی فطرت کی جاذبیت اس کو مقتضی ہو سکتی ہے اور تجسیم پیدا نہیں ہوتی لیس کمثلہ شئ وھو السمیع البصیر۔ اس آیت میں بھی تنبیہ کی گئی ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات ہر تشبیہ سے منزہ و مبرا ضرور ہے مگر ایسی منزہ بھی نہیں کہ اس کے متعلق سمیع و بصیر کا تصور کرنا بھی اس کی تنزیہ کے خلاف سمجھا جائے وہ سمیع و بصیر ہے مگر بے مثال اسی طرح اس کے لئے آسمان کی جہت بھی ثابت ہے مگر مکانی کی طرح نہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات کے حق میں اثباتی پہلو میں ہمیں صرف اجمالی اجمالی علم حاصل ہو سکتا ہے۔ البتہ سلبی پہلو میں جتنی تفصیل چاہو ہو سکتی ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ جب اثباتی پہلو میں کوئی لفظ استعمال کیا جاتا ہے تو اسی وقت اس میں تشبیہ کی بو آنے لگتی ہے۔ سوچو کہ اگر اس کے لئے صفت سمع و بصر ثابت کرنا چاہیں تو اگر اسے سمیع و بصیر نہ کہیں تو اور کیا کہیں اس لئے ذات پاک کی وسعت اور الفاظ کی تنگی کے تجاذب سے بعض جگہ تشبیہ برداشت کرلی گئی ہے بشرطیکہ عقیدہ تشبیہ سے گرد آلود نہ ہونے پائے یہ ایک ایسا نازک موقعہ ہے جہاں اسلام و کفر کی سرحدیں بہت ہی نزدیک ہوجاتی ہے نصاریٰ نے خدا کے رسول کے لئے اپنے زعم میں صرف ایک ہی عظمت کا کلمہ سمجھ کر ان کو ابن اللہ کہدیا اور یہ غور نہ کیا کہ اس کلمۂ تشبیہ کی زد کہاں جا کر پڑتی ہے اسی لئے فرمایا اَنّٰى يَكُوْنُ لَهٗ وَلَدٌ وَّلَمْ تَكُنْ لَّهٗ صَاحِبَةٌ۔ بھلا خدا کے بیٹا کہاں سے ہوسکتا ہے جب کہ اس کے لئے بی بی نہیں۔

پس نہ ہر تشبیہ قابلِ اغماض ہے اور نہ ہر شخص قابلِ معافی ہے اسی لئے علماء اللہ تعالیٰ پر معشوق کا لفظ اطلاق کرنا پسند نہیں کرتے اور اسی طرح ان تمام الفاظ سے بھی احتراز کرنا ضروری سمجھتے ہیں جن کو ارباب سکر نے اپنے عالم بیخودی میں بڑے ذوق کے ساتھ استعمال کرلیا ہے۔ ان احوال و مواجید سے خالی حضرات کو ان الفاظ میں بڑی احتیاط لازم ہے

؎ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

(۳۸۲) حضرت شاہ ولی اللہؒ نے اس حدیث پر حجۃ اللہ میں دو جگہ کلام فرمایا ہے ایک باب التیسیر میں

قَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ عَلَيَّ رَقَبَةً مُؤْمِنَةً فَإِنْ كُنْتَ تَرَى هٰذِهِ مُؤْمِنَةً أَعْتِقْهَا فَقَالَ لَهَا رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَشْهَدِيْنَ أَنِّي رَسُولُ اللّٰهِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ أَتُؤْمِنِيْنَ بِالْبَعْثِ بَعْدَ الْمَوْتِ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ أَعْتِقْهَا۔ رواہ احمد قال الهيثمی رجاله رجال الصحيح۔ و رواہ مالك ايضاً قال السيوطی فی تنوير الحوالك وروی عن ابی هريرة موصولا ايضاً

لیکر آئے اور عرض کی یا رسولؐ اللہ میرے ذمہ ایک مسلمان باندی آزاد کرنا واجب ہے اگر آپ کے نزدیک یہ مومنہ ہو تو میں اسے ہی آزاد کردوں آپ نے اس سے پوچھا کیا تو اس بات کی قائل ہے کہ میں اللہ کا رسول ہوں وہ بولی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا کیا موت کے بعد پھر جینے کو مانتی ہے وہ بولی جی ہاں۔ آپ نے فرمایا اسے آزاد کرسکتے ہو۔ (مسند احمد)

ومنها ان الشارع لم يخاطبهم الا على ميزان العقل المودع فی اصل خلقتهم قبل ان يتعاونوا دقائق الحكمة والكلام والاصول واثبت لنفسه جهة فقال الرحمن على العرش استوی۔ وقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لامرءة سوداء اين الله فاشارت الى السماء فقال هی مؤمنة (ج ۱ ص ۸۹) اصول تیسیر میں ایک اصل یہ بھی ہے کہ شریعت ان کو صرف اس بات کا مکلف بنائے جس کے سمجھنے کی ان میں دقائق فلسفہ وعلم کلام پڑھنے سے پہلے قدرتی صلاحیت موجود ہو مثلاً یہ کہ انسانی فطرت میں اللہ تعالیٰ کے لئے جہت علو ثابت ہے۔ ایک جاہل اور ایک عالم جب دعا کرتا ہے تو اس کی نظریں بے اختیار آسمان کی جانب اٹھ جاتی ہیں شریعت نے بھی اس فطرت کو اجمالاً تسلیم کرلیا ہے اسی لئے قرآن وحدیث میں بھی خدا تعالیٰ کی طرف اس جہت کی نسبت ہوتی چلی جاتی ہے۔ الرحمن علی العرش استوی۔
حدیث میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک سیاہ باندی سے پوچھا اللہ تعالیٰ کہاں ہے اس نے آسمان کی طرف اشارہ کردیا آپ نے فرمایا یہ مومنہ ہے۔ دوسری جگہ باب طبقات الامت باعتبار الخروج الی الكمال المطلوب اور ضدہ میں تحریر فرماتے ہیں۔ وقوم نقصت عقولهم كاكثر الصبيان والمعتوهين والفلاحين والارقاء وكثير بزعمهم الناس انهم لا باس بهم واذا انفحص حالهم عن الرسوم بقوا لا عقل لهم فاولئك يكتفى من ايمانهم بمثل ما اكتفى رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم من الجارية السوداء سألها اين الله فاشارت الى السماء (هم اصحاب الاعراف) انما يراد منهم ان يتشبهوا بالمسلمين لئلا تتفرق الكلمة (ج ۱ ص ۹۲ حجۃ اللہ) بعض لوگ ایسے ہوتے ہیں جن کی عقلیں قدرۃً ناقص ہوتی ہیں جیسے بچپن کے زمانہ میں اکثر لڑکے اور بعض بے عقل لوگ اور کسان طبقہ اور غلام اور بہت سے لوگ ایسے بھی ہوتے ہیں جن کے متعلق بظاہر یہ گمان ہوتا ہے کہ ان کی عقلوں میں کوئی نقصان نہیں لیکن جب ان کے حالات سے ان کو جانچا جاتا ہے تو وہ بے عقل ثابت ہوتے ہیں۔ اس قسم کے انسانوں کا صرف اتنا مجمل سا ایمان کافی سمجھ لیا جاتا ہے جتنا کہ آپ نے اس سیاہ باندی سے قبول فرمایا تھا جس سے آپ نے دریافت کیا تھا کہ خدا تعالیٰ کہاں ہے تو اس نے آسمان کی طرف اشارہ کردیا تھا۔
حضرت شاہ صاحب موصوف کی ان ہر دو تحقیقات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اجمالی ایمان دو صورتوں میں معتبر

(۳۸۴) عَنْ اَبِیْ سَلَمَۃَ عَنِ الشَّرِیْدِ (ابن سوید) اَنَّ اُمَّہٗ اَوْصَتْ اَنْ یُّعْتِقَ عَنْھَا رَقَبَۃً مُّؤْمِنَۃً فَسَاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنْ ذٰلِکَ فَقَالَ عِنْدِیْ جَارِیَۃٌ سَوْدَاءُ نُوْبِیَّۃٌ فَاُعْتِقُھَا فَقَالَ ائْتِ بِھَا فَدَعَوْتُھَا فَجَاءَتْ فَقَالَ لَھَا مَنْ رَّبُّکِ قَالَتِ اللّٰہُ قَالَ مَنْ اَنَا فَقَالَتْ رَسُوْلُ اللّٰہِ (صلی اللہ علیہ وسلم) فَقَالَ اَعْتِقْھَا فَاِنَّھَا مُؤْمِنَۃٌ۔ رواہ احمد قال الھیثمی رواہ البزار والطبرانی فی الاوسط الا انہ قال لھا من ربک فاشارت برأسھا الی السماء فقالت اللہ۔ ورجالہ موثوقون۔ ورواہ ابوداؤد والنسائی ایضا۔

(۳۸۴) ابوسلمہ شرید سے روایت کرتے ہیں کہ ان کی والدہ نے یہ وصیت فرمائی تھی کہ ان کی جانب سے ایک مومن بردہ آزاد کردیں انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے متعلق دریافت کیا اور کہا میرے پاس شہر نوبہ کی ایک سیاہ باندی ہے میں اسے آزاد کردوں، آپ نے فرمایا اسے (یہاں) لاؤ میں نے اس کو آواز دی وہ آگئی۔ آپ نے اس سے پوچھا تیرا رب کون ہے؟ وہ بولی اللہ پھر آپ نے پوچھا اور میں کون ہوں وہ بولی اللہ کے رسول، آپ نے فرمایا جاؤ آزاد کردو یہ مومنہ ہے۔ (مسند احمد)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) ہوتا ہے۔ کہیں مسئلہ کی نوعیت ہی ایسی ہوتی ہے اور کہیں مکلفین کی نوعیت کا فرق ہوتا ہے مثلاً جہت علو کا مسئلہ ہے۔ اس مسئلہ کی نوعیت ہی ایسی ہے کہ دقائق فلسفہ سے قطع نظر یہی بات ہر انسان کی فطرت میں مرکوز ہے اس لئے یہاں عاقل اور غیر عاقل کی کوئی تقسیم نہیں سب کے لئے اس جہت کا اجمالاً انتساب جائز ہے بلکہ خود قرآن بھی انسان کی اسی فطرت کے مطابق نازل ہوا ہے اس نے بھی اپنے بیان میں جا بجا اسی نسبت کو استعمال کیا ہے۔ دوسری صورت یہ ہے کہ بعض انسان اپنی فطری عقل یا اپنے ماحول کے تاثرات سے اتنی صلاحیت ہی نہیں رکھتے کہ مسئلہ کو پوری گہرائی کے ساتھ سمجھ سکیں۔ شریعت بھی ایسے لوگوں سے ان کی عقل سے زیادہ فہم کا مطالبہ نہیں کرتی اور عام مسلمانوں کے ساتھ ان کی اجمالی شرکت کافی سمجھتی ہے تاکہ موجب تفرق و تشتت نہ ہو۔ مثلاً یہی ناخواندہ باندی اگر اسے تشبیہ و تنزیہ کے مابین ایمان کا مکلف بنایا جاتا تو وہ یقیناً اس سے قاصر ہوتی اس لئے آپ نے اس کا اتنا اجمالی سا ایمان ہی کافی سمجھا کہ اللہ تعالیٰ کے لئے جہت علو ثابت ہے لیکن ایک وہ شخص جو پوری عقل و فہم کا مالک ہے اس کا دماغ علوم سے روشن ہو چکا ہے وہ ہر قسم کی باریکیوں کو سمجھ بھی سکتا ہے۔ اس کے لئے اتنا اجمالی ایمان کافی نہیں ہو سکتا اسے یہ بھی سمجھنا ہوگا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے اگرچہ یہ جہت ثابت ہو مگر اس کا مطلب یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کی ذات اس جہت میں موجود ہے۔ (والعیاذ باللہ) اسے صاف طور پر اس کی نفی بھی کرنی ہوگی پس جس طرح اجمالی ایمان میں مسئلہ کی نوعیت ملحوظ ہوتی ہے اسی طرح ایک بے عقل اور ایک عاقل کا فرق بھی ملحوظ رہتا ہے۔ حدیث میں جو واقعہ مذکور ہے وہ ہر دو صورتوں کی مثال بن سکتا ہے۔

(۳۸۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ الرَّحْمَةَ یَوْمَ خَلَقَهَا مِائَةَ رَحْمَةٍ فَاَمْسَكَ عِنْدَهٗ تِسْعًا وَّتِسْعِیْنَ رَحْمَةً وَّاَرْسَلَ فِیْ خَلْقِهٖ كُلِّهِمْ رَحْمَةً وَّاحِدَةً فَلَوْ یَعْلَمُ الْكَافِرُ بِكُلِّ الَّذِیْ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الرَّحْمَةِ لَمْ یَیْأَسْ مِنَ الْجَنَّةِ وَلَوْ یَعْلَمُ الْمُؤْمِنُ بِكُلِّ الَّذِیْ عِنْدَ اللّٰهِ مِنَ الْعَذَابِ لَمْ یَأْمَنْ مِنَ النَّارِ۔ (رواہ البخاری)

(۳۸۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ اَتٰی رَجُلٌ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَقْرِئْنِیْ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَقَالَ اِقْرَأْ ثَلَاثًا مِّنْ ذَوَاتِ الرَّاءِ فَقَالَ كَبِرَتْ سِنِّیْ وَاشْتَدَّ

---

(۳۸۵) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا، آپ فرماتے تھے کہ اللہ تعالیٰ نے جس دن رحمت کو بنایا تھا اسی دن اس کے سو حصے کردیئے تھے ننانوے حصہ اپنے پاس رکھے تھے اور صرف ایک حصہ ساری مخلوق کے لئے رکھ دیا تھا اس لئے اگر کافر کہیں اللہ تعالیٰ کی پوری رحمت جان لیں تو کبھی اس کی جنت سے ناامید نہ رہیں اور اگر مومن اللہ تعالیٰ کے پورے عذاب کو جان لیں تو کبھی دوزخ سے نڈر نہ رہیں۔ (بخاری شریف)

(۳۸۶) عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کچھ پڑھنے کے لئے بتا دیجئے آپ نے فرمایا وہ تین سورتیں پڑھ لیا کرو جن کے شروع میں الف۔ لام۔ را، ہے۔ اس نے عرض کیا میری عمر اب زیادہ ہوچکی ہے

---

(۳۸۵) بندہ کو اللہ تعالیٰ کی رحمت اور اس کے عذاب کا اجمالی ہی تصور ہوسکتا ہے اگر اس کی غیر متناہی طاقتوں کا اس کو علم ہوجائے تو اس کی کمزور و ناتواں فطرت کا توازن بگڑ جائے وہ رحمت کے سامنے عذاب کو بھول جائے اور عذاب کے سامنے رحمت کو فراموش کر بیٹھے۔ اس کے عمل کی کشتی اسیوقت تک چل سکتی ہے جب تک کہ اس کے خوف و رجا کے دونوں بازو حرکت کرتے رہیں۔ اسی لئے قرآن کریم نے ہر جگہ جنت کے ساتھ دوزخ، نعمت کے ساتھ نقمت اور عذاب کے ساتھ ثواب کا ذکر کیا ہے۔ نبیٔ عبادی انی انا الغفور الرحیم وان عذابی ھو العذاب الالیم۔ دیکھئے دونوں تعبیروں میں کتنا زور ہے پھر ان میں کتنا توازن ہے۔ اسی مضمون کی ایک حدیث ترجمان السنہ جلد اول ص۳۰ پر بھی گذر گئی ہے۔

(۳۸۶) ترجمان السنہ جلد اول ص۴۲۶ پر ضمام بن ثعلبہ کی زبان سے بھی اسی قسم کے کلمات نکلے تھے اور واقعہ یہ ہے کہ ایک سادہ مزاج شخص کی زبان سے اطاعت و فرمانبرداری کے کلمات اس سے بڑھ کر اور نکل ہی نہیں سکتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے جس طرح اعتقادیات کے بارے میں اپنی اُمّی امت کے لئے اجمالی ایمان کافی سمجھا یا ہے اسی طرح عمل کے دائرہ میں بھی ان میں ہر ایک پر تفصیلی دین کا بوجھ نہیں ڈالا ایک غیر تعلیم یافتہ باندی کا توحید و رسالت پر اجمالی ایمان قبول فرمایا اسی طرح ایک نومسلم کو صرف فرائضِ دین پر عمل پیرا ہوجانے سے فلاح کی بشارت سنادی اسی طرح یہاں بھی اس ضعیف العمر شخص کو قرآن کی ایک مختصر سورہ پر

قَلْبِي وَغَلُظَ لِسَانِي قَالَ فَاقْرَأْ ثَلَاثًا مِنْ ذَوَاتِ حٰمٓ فَقَالَ مِثْلَ مَقَالَتِهِ قَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اَقْرِئْنِي سُورَةً جَامِعَةً فَاَقْرَأَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا زُلْزِلَتْ حَتّٰى فَرَغَ مِنْهَا فَقَالَ الرَّجُلُ وَالَّذِي بَعَثَكَ بِالْحَقِّ لَا اَزِيدُ عَلَيْهِ اَبَدًا ثُمَّ اَدْبَرَ الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْلَحَ الرُّوَيْجِلُ مَرَّتَيْنِ۔ (رواه احمد ابوداود)

(۳۸۷) عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ فَاَنَاخَ رَاحِلَتَهُ ثُمَّ عَقَلَهَا ثُمَّ دَخَلَ الْمَسْجِدَ فَصَلّٰى خَلْفَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا سَلَّمَ اَتٰى رَاحِلَتَهُ فَاَطْلَقَهَا ثُمَّ رَكِبَ

---

اور میرا قلب و زبان سخت پڑ چکے ہیں آپ نے فرمایا اچھا تو جن تین سورتوں کے شروع میں حٰمٓ ہے ان کو پڑھ لیا کرو، اس پر اس نے پھر وہی پہلا عذر کیا اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھ تو کوئی جامع اور مختصری سورت بتا دیجئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے جواب میں اس کو سورۂ اذا زلزلت پڑھا دی یہانتک کہ آپ اسے پوری پڑھا کر فارغ ہوگئے اس شخص نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس نے آپ کو دین حق دیکر بھیجا ہے میں کبھی اس پر کوئی اضافہ نہیں کروں گا یہ کہہ کر پشت پھیر کر چلدیا آپ نے دوبار فرمایا یہ بیوقوف بیچارہ کامیاب ہوگیا (احمد، ابوداود)

(۳۸۷) جندب بیان کرتے ہیں کہ ایک دیہاتی آدمی آیا اس نے اپنا اونٹ بٹھایا اس کا زانو باندھا اور مسجد میں داخل ہوگیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے نماز ادا کی جب سلام پھیر کر فارغ ہوگیا تو اپنی اونٹنی کے پاس آیا اس کا زانو کھولا اور اس پر سوار ہوگیا اور بلند آواز سے کہا اے اللہ مجھ پر رحم فرمائے

---

فوز و فلاح کی خوشخبری دیدی الرویجل کی تصغیر میں اس کی اسی معذوری کی طرف اشارہ تھا گویا غیر معذور شخص کے لئے تو اتنی سہولت پسندی نامناسب ہے مگر وہ معذور جس کی حقیقت ایک ناقص انسان رہ گئی ہو قابل اغماض ہو سکتا ہے اس کا نام دین حنیف ہے اس کی بنیاد تمام تر سہولت پر ہے یہاں معذور سے معذور شخص کیلئے بھی جنت میں جانے کا راستہ نکل آتا ہے مقصود ایزدی جہد و مشقت نہیں اظہار عبدیت ہے یہاں آپ کو دو حدیثوں کا مطالعہ کر لینا اور بصیرت کا موجب ہوگا۔ ترجمان السنہ جلد اول ۲۱۶ حدیث ۱۲۳ جس میں ایک اسرائیلی شخص کا واقعہ مذکور ہے جس نے خدا سے ڈر کر وصیت کی تھی کہ مرنے کے بعد اس کو جلا کر غبار کر دیا جائے۔

(۳۸۶) یہ حدیث کچھ لفظی مغایرت کے ساتھ ترجمان السنہ جلد اول ص۳۲۴ (۱۵) پر بھی گذر چکی ہے وہاں اس اعرابی کے متعلق آپ نے جو اصلاحی کلمات فرمائے تھے وہ بھی گذر چکے ہیں۔ اس روایت میں آپ نے اس کے اس شدید کلمہ کا عذر اس کی کم فہمی اور بے عقلی قرار دی ہے۔ یہی کلمہ اگر کسی ادب و تربیت یافتہ صحابی کے منہ سے نکلتا تو شاید قابل سرزنش ہو جاتا لیکن آپ کو ہر شخص کی مقدار صحبت اور علم و فہم کی رعایت بھی رہتی تھی اس لئے اگر کسی ناواقف کے منہ سے محبت و عظمت کے

ثُمَّ نَادٰی اَللّٰهُمَّ ارْحَمْنِیْ وَمُحَمَّدًا وَلَا تُشْرِكْ فِیْ رَحْمَتِنَا اَحَدًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَتَقُوْلُوْنَ هُوَ اَضَلُّ اَمْ بَعِیْرُهٗ اَلَمْ تَسْمَعُوْا اِلٰی مَا قَالَ قَالُوْا بَلٰی۔ (رواہ ابوداؤد)

## اذا استشکل شئ من دقائق علم التوحید فلیعتقد بما ھو الصواب عند اللہ

(۳۸۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَ اَهْلُ الْكِتَابِ یَقْرَءُوْنَ التَّوْرَاةَ بِالْعِبْرَانِیَّةِ وَیُفَسِّرُوْنَهَا بِالْعَرَبِیَّةِ لِاَهْلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تُصَدِّقُوْا اَهْلَ الْكِتَابِ وَلَا تُكَذِّبُوْهُمْ وَقُوْلُوْا اٰمَنَّا بِاللّٰهِ وَمَا اُنْزِلَ اِلَیْنَا۔ (رواہ البخاری)

(۳۸۹) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذِهِ الْاٰیَةَ هُوَ الَّذِیْ اَنْزَلَ عَلَیْكَ الْكِتَابَ مِنْهُ اٰیَاتٌ مُحْكَمَاتٌ الی قوله وَمَا یَذَّكَّرُ اِلَّا اُوْلُوا الْاَلْبَابِ قَالَتْ قَالَ

---

اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر اور ہم دو کے سواء اور کسی کو اس میں شریک نہ کرنا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس میں اور اس کے اونٹ میں زیادہ نافہم کس کو کہو گے تم نے بھلا سنا اس نے کیا کلمہ کہا ہے صحابہ نے عرض کیا جی ہاں سنا۔ (ابوداؤد)

## عقائد کے مسائل میں جب کہیں الجھن پیش آجائے تو جو اللہ تعالے کے علم میں صواب ہو اس پر اجمالاً ایمان لانا کافی ہے

(۳۸۸) ابو ہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ اہل کتاب عبرانی زبان میں تورات پڑھا کرتے اور مسلمانوں کے سامنے عربی زبان میں اس کی تفسیر کیا کرتے تھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اُن کی نہ تصدیق کرو نہ تکذیب صرف مجملاً اتنا کہہ دیا کرو کہ ہم اللہ تعالیٰ پر ایمان لاچکے اور اس قرآن پر جو ہم پر اتارا گیا ہے۔ (بخاری شریف)

(۳۸۹) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ آیت تلاوت فرمائی ھو الذیؒ اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے جس نے قرآن کریم نازل فرمایا اس میں دو قسم کی آیات ہیں محکمات اور متشابہات (آیات محکمات اپنے معنی میں واضح اور کھلی ہوئی ہیں اور متشابہات اپنی مرادوں میں واضح نہیں ان پر مجملاً ایمان

---

انداز میں کوئی نامناسب کلمہ نکل گیا ہے تو گونٹ کے بغیر تو آپ نے اس کو کبھی نہیں چھوڑا مگر اس انداز کی سخت گیری بھی نہیں فرمائی۔ کسی اونچے علم و فہم کے شخص سے کی جاتی۔ اور اس کی جانب سے اللہ تعالیٰ کی عظمت کا ایک اجمالی تصور قابل اغماض سمجھ لیا ہے

(۳۸۸) یہ مسئلہ بہت اہم مسئلہ تھا کہ ذات و صفات کے جن مسائل میں پوری حقیقت منکشف نہ ہو سکے ان کے متعلق کیا صورت اختیار کرنی چاہیئے۔ علماء کی تحقیق یہ ہے کہ ایسے مسائل میں جو صورت اللہ تعالیٰ کے علم میں صواب ہو۔ سردست اسی پر اجمالاً ایمان رکھنا کافی ہے۔ البتہ آئندہ اس کی تحقیق کی فکر میں لگا رہنا چاہیئے

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَأَیْتِ الَّذِیْنَ یَتَّبِعُوْنَ مَا تَشَابَہَ مِنْہُ فَاُولٰئِكَ الَّذِیْنَ سَمَّی اللّٰہُ (عَزَّ وَجَلَّ) فَاحْذَرِیْھِمْ۔ (رواہ البخاری)

## الاحکام تجری علی الظاھر واللہ یتولی السرائر

(۳۹۰) إِنَّ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُتْبَۃَ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ یَقُوْلُ إِنَّ أُنَاسًا کَانُوْا یُؤْخَذُوْنَ بِالْوَحْیِ فِیْ عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَإِنَّ الْوَحْیَ قَدِ انْقَطَعَ وَإِنَّمَا

لے آنا چاہئے لیکن جن کے دلوں میں کجی کا مضمون ہوتا ہے وہ ان ہی آیتوں کے معنوں کی تلاش کے پیچھے پڑے رہتے ہیں اور پختہ علم کے لوگ صرف یہ کہدیتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ کے علم میں اس کے جو معنی بھی ہوں ہم اس پر ایمان لا چکے) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ اے عائشہؓ جب تم ایسے لوگوں کو دیکھو جو متشابہات کے معانی معلوم کرنے کے درپے ہوں تو ان سے بچتی رہنا کیونکہ یہی وہ لوگ ہیں جن کا قرآن نے زائغین نام رکھا ہے۔ (بخاری شریف)

## اسلامی احکام ظاہری حالات پر نافذ ہونگے اور اندرونی حالات کا حساب خدا تعالیٰ کے حوالہ رہیگا

(۳۹۰) عبداللہ بن عتبہ روایت کرتے ہیں کہ میں نے عمرؓ کو یہ فرماتے سنا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں لوگوں کی گرفت وحی کے ذریعہ سے ہوا کرتی تھی اب وحی تو منقطع ہوگئی اس لئے اب ہم صرف تمہارے ظاہری اعمال پر گرفت کرینگے اگر کوئی شخص ہمارے سامنے اچھے افعال کرے گا اس کو تو

| | |
|---|---|
| واذا اشکل علی الانسان شیء من دقائق علم التوحید فینبغی لہ ان یعتقد فی الحال ماھو الصواب عند اللہ تعالیٰ الی ان یجد عالمًا فیسألہ ولا یسعہ تاخیر الطلب ولا یعذر بالوقف فیہ ویکفر ان وقف.... والمراد بدقائق علم التوحید اشیاء یکون الشك والشبھۃ فیھا منافیا للایمان ومناقضا للایمان بذات اللہ تعالیٰ وصفتہ ومعرفۃ کیفیۃ المؤمن بھا باحوال آخرتہ۔ (شرح فقہ اکبر) | جب علم توحید و عقائد کے کسی باریک مسئلہ میں الجھن پیش آجائے تو سردست اس کے متعلق اجمالاً اتنا ایمان لے آنا کافی ہے کہ اس مسئلہ میں اللہ کے نزدیک جو درست ہو اسی پر ہمارا اعتقاد ہے یہ اجمالی ایمان اس وقت تک کافی ہوگا جب تک اس کو کوئی عالم نہ ملے جب کوئی محقق عالم مل جائے تو اس کو تحقیق کرنی ضروری ہوگی۔ اور اب تحقیق و تفتیش کے بغیر بیٹھے رہنا کفر ہوگا۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں علم توحید کے باریک مسائل سے وہ مسائل مراد ہیں جن میں شک و شبہ کرنا ایمان کے منافی ہو۔ (شرح فقہ اکبر) |

(باقی برصفحہ آئندہ)

نَأْخُذُكُمُ الْآنَ بِمَا ظَهَرَ لَنَا مِنْ أَعْمَالِكُمْ فَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا خَيْرًا أَمِنَّاهُ وَقَرَّبْنَاهُ وَلَيْسَ إِلَيْنَا مِنْ سَرِيرَتِهِ شَيْءٌ. اَللّٰهُ مُحَاسِبُهُ فِي سَرِيرَتِهِ وَمَنْ أَظْهَرَ لَنَا سُوْءًا لَمْ نَأْمَنْهُ وَلَمْ نُصَدِّقْهُ وَإِنْ قَالَ أَنَّ سَرِيرَتَهُ حَسَنَةٌ (رواہ البخاری)

(۳۹۱) عَنْ أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ حَدَّثَنِي مَحْمُودُ بْنُ الرَّبِيعِ عَنْ عِتْبَانَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَدِمْتُ الْمَدِينَةَ فَلَقِيتُ عِتْبَانَ فَقُلْتُ حَدِيثٌ بَلَغَنِي عَنْكَ قَالَ أَصَابَنِي فِي بَصَرِي بَعْضُ الشَّيْءِ فَبَعَثْتُ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنِّي أُحِبُّ أَنْ تَأْتِيَنِي تُصَلِّي فِي مَنْزِلِي فَأَتَّخِذَهُ مُصَلًّى قَالَ فَأَتَى النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَنْ شَاءَ مِنْ أَصْحَابِهِ فَدَخَلَ وَهُوَ يُصَلِّي فِي مَنْزِلِي وَأَصْحَابُهُ يَتَحَدَّثُونَ بَيْنَهُمْ ثُمَّ أَسْنَدُوا أَعْظَمَ ذٰلِكَ وَكِبْرَهُ إِلَى مَالِكِ بْنِ دُخْشُمٍ قَالَ

امن دیں گے اس کی عزت بھی کریں گے اور اس کے اندرونی حالات سے ہمیں کوئی بحث نہ ہوگی اس کا حساب لینے والا خدا تعالیٰ ہے اور جو ہمارے سامنے برے افعال کرے گا اس کو ہم امن نہیں دیں گے اور ہرگز اس کی تصدیق نہیں کریں گے اگرچہ وہ یہ کہتا رہے کہ میرا باطن بہت اچھا ہے۔ (بخاری شریف)

(۳۹۱) انس روایت کرتے ہیں کہ محمود بن ربیع نے مجھ سے بیان کیا کہ میں مدینہ آیا تو عتبان بن مالک سے میری ملاقات ہوئی۔ میں نے کہا۔ آپ کی ایک حدیث مجھے بالواسطہ پہنچی ہے انھوں نے فرمایا (جی ہاں سنئے) میری نظر میں کچھ نقصان تھا اس لئے میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہلا بھیجا میری تمنا تھی کہ آپ میرے گھر تشریف لاتے اور کسی جگہ آکر نماز پڑھ لیتے تو میں اسی کو اپنی نماز پڑھنے کی جگہ مقرر کر لیتا۔ وہ بیان کرتے ہیں آپ تشریف لے آئے اور جن جن صحابہ نے چاہا وہ بھی آپ کے ہمراہ آگئے۔ آپ میرے گھر میں نماز ادا فرمانے لگے ادھر صحابہ آپس میں کچھ باتیں کرنے میں مصروف ہو گئے اور ان باتوں کا زیادہ تر ذمہ دار مالک بن دخشم کو قرار دیا وہ چاہتے یہ تھے کہ آپ اس کے حق میں بددعا فرمائیں اور وہ تباہ و برباد ہو جائے اور اس کو خوب نقصان پہنچے جب آپ نماز سے فارغ ہو چکے تو آپ نے فرمایا کیا یہ شخص یہ گواہی نہیں دیتا

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) ان کے علاوہ جن مسائل کا علم ایمان کے لئے ضروری نہیں ان کا حکم بھی یہی ہے یعنی ان کے متعلق بھی اجمالی ایمان لانا کافی ہے۔ مگر ان کی تحقیق و تفتیش کے لئے کسی عالم کی تلاش کی ضرورت نہیں کیونکہ جب خود ان مسائل کا علم ہی ایمان کے لئے شرط نہیں تو ان کی تحقیق کے لئے عالم کی تلاش کیوں شرط ہو۔ (شرح فقہ اکبر)

حضرت عائشہؓ کی حدیث میں آیات متشابہات کا جو حکم مذکور ہے اس سے بھی اس قسم کے پیچیدہ مسائل کے متعلق یہی حکم مستنبط ہوتا ہے یعنی جس طرح ان آیات متشابہات کی مرادوں پر اجمالاً ایمان لے آنا رسوخ فی العلم کی نشانی ہے اسی طرح ان پیچیدہ مسائل پر بھی اجمالاً ایمان لے آنا ایمان کی پختگی کی دلیل ہوگی۔

رَدُّوْا اَنَّہٗ دَعَا عَلَیْہِ فَہَلَکَ وَوَدُّوْا اَنَّہٗ اَصَابَہٗ شَرٌّ فَقَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الصَّلٰوۃَ قَالَ اَلَیْسَ یَشْہَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ قَالَ اِنَّہٗ یَقُوْلُ ذٰلِکَ وَمَا ھُوَ فِیْ قَلْبِہٖ قَالَ لَا یَشْہَدُ اَحَدٌ اَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَنِّیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ فَیَدْخُلَ النَّارَ اَوْ تَطْعَمَہٗ قَالَ اَنَسٌ فَاَعْجَبَنِیْ ھٰذَا الْحَدِیْثُ فَقُلْتُ لِابْنِیْ اُکْتُبْہُ فَکَتَبَہٗ۔ (رواہ مسلم والبخاری مع تغایر)

(۳۹۲) عَنِ ابْنِ عَائِذٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ جَنَازَۃِ رَجُلٍ فَلَمَّا وُضِعَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ لَا تُصَلِّ عَلَیْہِ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَاِنَّہٗ رَجُلٌ فَاجِرٌ فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی النَّاسِ فَقَالَ ھَلْ رَاٰہُ اَحَدٌ مِّنْکُمْ عَلٰی عَمَلِ الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَجُلٌ نَعَمْ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ حَرَسَ لَیْلَۃً فِیْ سَبِیْلِ اللّٰہِ فَصَلّٰی عَلَیْہِ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَحَثٰی عَلَیْہِ التُّرَابَ وَقَالَ اَصْحَابُکَ یَظُنُّوْنَ اَنَّکَ مِنْ اَھْلِ النَّارِ وَاَنَا اَشْہَدُ اَنَّکَ مِنْ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَقَالَ یَا عُمَرُ اِنَّکَ لَا

کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور میں اس کا رسول ہوں انھوں نے عرض کیا یہ گواہی تو دیتا ہے لیکن دل سے نہیں آپ نے فرمایا یہ نہیں ہوسکتا کہ کوئی شخص اس بات کی گواہی بھی دے، پھر دوزخ میں بھی داخل ہوسکے یا یہ فرمایا کہ آتش دوزخ اس کو جلاسکے انسؓ کہتے ہیں کہ مجھے یہ حدیث بہت پسند آئی میں نے اپنے لڑکے سے کہا اسے قلمبند کرلو اس نے قلمبند کرلی۔ (مسلم)

(۳۹۲) ابن عائذ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک شخص کے جنازہ کیلئے باہر تشریف لائے جب جنازہ نیچے رکھدیا گیا تو حضرت عمرؓ بولے یا رسول اللہ یہ فاسق وفاجر آدمی ہے آپ اس کے جنازہ کی نماز نہ پڑھیں آپ نے لوگوں کی طرف دیکھکر پوچھا تم میں کسی نے اس کو کوئی اسلامی عمل کرتے ہوئے دیکھا ہے؟ ایک شخص بولا جی ہاں یا رسول اللہ اس نے ایک شب خدا کی راہ میں پہرہ داری کی ہے یہ سنکر آپ نے اس کے جنازہ کی نماز پڑھی اور اپنے ہاتھوں سے خود اس کو مٹی بھی دی اور فرمایا تیرے ساتھی تو تیرے متعلق یہ گمان رکھتے ہیں کہ تو دوزخی ہوگا اور میں یہ گواہی دیتا ہوں کہ تو جنتی ہے پھر فرمایا عمر! قیامت میں

(۳۹۲) اگر رحمۃ للعالمین امت کے اس عاصی پر نماز ادا نہ فرما دیتے تو امت محمدیہ کے سارے عاصی اس سعادت عظمیٰ سے ہمیشہ کے لئے محروم ہوجاتے اس لئے آپ نے سمجھایا کہ کسی کی عملی کوتاہی کی بنا پر نماز جیسی سعادت سے اس کو محروم کردینا میری شریعت کا آئین نہیں۔ کلمۂ اسلام پڑھ لینے کے بعد کسی معمولی فسق وفجور سے اسلام کا عہد وفاداری نہیں ٹوٹتا۔ پس جب تک یہ عہد قائم ہے اپنے بھائی کے لئے دعا مغفرت کرنا ہر اس کا ایک آخری حق ہے۔ اگر شریعت حنیفیہ کی اس سہولت اور نرمی سے عمرؓ کی طبعی شدت ساز نہیں کرتی تو نہ کرے مگر ان کو یہ معلوم ہوجانا چاہئے کہ ان معاملات میں سوال صرف اسلام ہی کے متعلق رہے گا۔ کسی کے اعمال کی تحقیق وتفتیش نہیں لگائی جائے گی۔ اگر کبھی کسی خاص وجہ سے کسی کے

لَا تُسْأَلُ عَنْ أَعْمَالِ النَّاسِ وَلٰكِنْ تُسْأَلُ عَنِ الْفِطْرَةِ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(۳۹۳) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيدِ اِسْتَأْذَنَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي قَتْلِ رَجُلٍ فَقَالَ لَا لَعَلَّهُ أَنْ يَكُونَ يُصَلِّي فَقَالَ خَالِدٌ وَكَمْ مِنْ مُصَلٍّ يَقُولُ بِلِسَانِهِ مَا لَيْسَ فِي قَلْبِهِ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنِّي لَمْ أُومَرْ أَنْ أَنْقُبَ عَنْ قُلُوبِ النَّاسِ وَلَا أَشُقَّ بُطُونَهُمْ۔ (متفق علیہ وھو فی البخاری مفصلا ایضا)

## یصح الاسلام علی الشرط الفاسد

(۳۹۴) عَنْ نَصْرِ بْنِ عَاصِمٍ اللَّيْثِيِّ عَنْ رَجُلٍ مِنْهُمْ أَنَّهُ أَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَسْلَمَ

---

لوگوں کے اعمال کے متعلق تم سے سوال نہ ہوگا تم سے صرف اسلام کے متعلق سوال ہوگا۔ (شعب الایمان)

(۳۹۳) ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ خالد بن ولید نے ایک شخص کے قتل کرنے کے بارے میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت طلب کی آپ نے انھیں اجازت نہ دی اور فرمایا دیکھو کہیں وہ نماز ادا نہ کرتا ہو، خالد بولے کتنے ہی نمازیں پڑھنے والے ہیں جو اپنی زبانوں سے ایسی باتیں بناتے ہیں جو ان کے دلوں میں نہیں ہوتیں آپ نے فرمایا تو مجھے بھی اس کا حکم نہیں کہ میں لوگوں کے دلوں میں سوراخ کر کے اور ان کے پیٹوں کو پھاڑ پھاڑ کر دیکھا کروں کہ اس میں کیا ہے۔ (متفق علیہ)

## شرطِ فاسد لگا کر بھی اسلام صحیح ہو سکتا ہے

(۳۹۴) نصر بن عاصم لیثی اپنے خاندان کے ایک شخص کے واسطے سے روایت کرتے ہیں کہ وہ آپ کی

---

جنازہ پر نماز ادا کی جائے تو یہ صرف جزئی اور وقتی مصلحت ہوگی قاعدہ نہ بنے گا۔

(۳۹۳) حدیث مذکور سے ظاہر ہوتا ہے کہ لوگوں کی باطنی نیتوں اور ان کی اندرونی حالتوں سے بحث کرنے کا ہمیں کوئی حق نہیں جب تک ایک شخص اسلامی احکام بجالا رہا ہے اس کے اندرونی معاملات کو زیر بحث لانا اسلامی رواداری کے خلاف ہے اسی لئے آپ نے فرمایا جب تک شخص مذکور کے متعلق نماز پڑھنے کا احتمال موجود ہے اس کے قتل کی اجازت نہیں دی جا سکتی۔

ہاں اگر اعمال ظاہری کی شہادت کلیۃً مفقود ہو جائے اور اعمال اسلامی میں کوئی عمل بھی موجود نظر نہ آئے تو پھر معاملہ زیر غور آ سکتا ہے اور اگر خدا نہ کردہ کہیں اعمال کی شہادت خلاف پر ثابت ہو جائے تو اب معاملہ بلا شبہ اور پیچیدہ ہو جائے گا۔ رواداری کی بھی آخر کوئی حد ہوتی ہے۔ اسلام ایسی رواداری کی اجازت نہیں دیتا جو دماغوں میں

عَلٰی اَنْ لَا یُصَلِّیَ اِلَّا صَلَاتَیْنِ فَقَبِلَ مِنْہُ (رواہ احمد) (وسندہ جید وجھالۃ الصحابی لا تضر)

(۳۹۵) عَنْ فَضَالَۃَ اللَّیْثِیِّ قَالَ اَتَیْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنِّیْ اُرِیْدُ الْاِسْلَامَ فَعَلِّمْنِیْ شَرَائِعَ مِنْ شَرَائِعِ الْاِسْلَامِ فَذَکَرَ الصَّلٰوۃَ وَشَھْرَ رَمَضَانَ وَمَوَاقِیْتَ الصَّلٰوۃِ فَقُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّکَ تَذْکُرُ سَاعَاتٍ اَنَا فِیْھِنَّ مَشْغُوْلٌ وَلٰکِنْ عَلِّمْنِیْ جِمَاعًا مِنَ الْکَلَامِ قَالَ اِنْ شُغِلْتَ فَلَا تُشْغَلْ عَنِ الْعَصْرَیْنِ قُلْتُ وَمَا الْعَصْرَانِ وَلَمْ تَکُنْ لُغَۃَ قَوْمِیْ قَالَ الْفَجْرُ وَالْعَصْرُ (رواہ الحاکم فی المستدرک)

(۳۹۶) عَنْ فَضَالَۃَ قَالَ عَلَّمَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَکَانَ فِیْمَا عَلَّمَنِیْ وَحَافِظْ عَلَی الصَّلَوَاتِ الْخَمْسِ قَالَ قُلْتُ اِنَّ ھٰذِہٖ سَاعَاتٌ لِیْ فِیْھَا اَشْغَالٌ فَمُرْنِیْ بِاَمْرٍ

---

خدمت میں حاضر ہوئے اور اس شرط پر اسلام لائے کہ صرف دو نمازیں پڑھا کریں گے آپ نے ان کی یہ شرط بھی قبول کر لی (مسند احمد)

(۳۹۵) فضالہ لیثی سے روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ میں اسلام قبول کرنا چاہتا ہوں آپ مجھے کچھ احکام اسلام سکھلائیے۔ آپ نے ان کو رمضان کے روزے، اور نماز کے اوقات تعلیم کر دیئے۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہ آپ تو مجھے ایسے اوقات بتا رہے ہیں جن میں مجھے بڑی مصروفیت رہتی ہے مجھے تو کوئی مختصر بات بتا دیجئے۔ فرمایا اچھا تو کم از کم عصرین میں غفلت نہ کرنا۔ عصرین ہمارے قبیلہ کا محاورہ نہ تھا اس لئے میں نے پوچھا یا رسول اللہ عصرین کا کیا مطلب ہے؟ آپ نے فرمایا یہ فجر اور عصر کی نمازیں ہیں۔ (مستدرک)

(۳۹۶) فضالہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے اسلامی احکام کی تعلیم دی منجملہ ان کے ایک بات یہ فرمائی کہ پنجوقتہ نماز کی نگرانی رکھنا میں نے عرض کیا کہ ان اوقات میں تو مجھے بڑے کام رہتے ہیں کوئی ایسی مختصر بات بتا دیجئے کہ جب وہ کر لوں تو وہی میرے لئے کافی ہو جائے آپ نے فرمایا

---

لا قانونیت کی اسپرٹ پیدا کر دے۔ وہ ظاہری عبادات کی ادائیگی سے انقیاد باطن کی روح پیدا کرنا چاہتا ہے اور انقیاد باطن کی روح پیدا کر کے اعضاء ظاہری کو احکام اسلامیہ کا مطیع و منقاد بنا دینا چاہتا ہے۔ اگر ظاہر و باطن میں یہ توافق پیدا نہیں ہوتا تو پھر اس کا نام نفاق ہے یا فسق و فجور۔

(۳۹۵) بعض علماء کا یہ خیال ہے کہ نصر بن عاصم کی حدیث میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تین نمازوں کی مطلقاً معافی دیدی تھی لیکن حضرت استاد قدس سرہ کے نزدیک نمازوں کے معاملہ میں کبھی کسی کا کوئی استثناء گوارا نہیں کیا گیا۔ اس حدیث میں جو حکم دیا گیا تھا وہ صرف یہ تھا کہ صبح و عصر کی نمازوں کا اہتمام بہ نسبت اور نمازوں کے زیادہ رکھنا چاہئے۔ قرآن کریم نے بھی ان دو نمازوں کا کئی آیتوں میں خصوصیت کے ساتھ تذکرہ کیا ہے اور احادیث میں بھی خاص طور پر ان کی فضیلت بیان

جَاءَ مِع إِذَا أَنَا فَعَلْتُهُ أَجْزَاءٌ عَنِّيْ فَقَالَ حَافِظْ عَلَى الْعَصْرَيْنِ وَمَا كَانَتْ مِنْ لُغَتِنَا نَقُلْتُ وَمَا الْعَصْرَانِ؟ فَقَالَ صَلٰوةٌ قَبْلَ طُلُوْعِ الشَّمْسِ وَصَلٰوةٌ قَبْلَ غُرُوْبِهَا۔ (رواہ ابوداؤد)

(۲۹۷) عَنْ حَكِيْمِ بْنِ حِزَامٍ قَالَ بَايَعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى أَنْ لَا أَخِرَّ إِلَّا قَائِمًا۔ (رواہ احمد)

تو پھر عصرین کی نگہداشت رکھنا عصرین کا لفظ ہماری قوم کا محاورہ نہ تھا اس لئے میں نے پوچھا عصران کا کیا مطلب ہے آپ نے فرمایا دو نمازوں کا نام ہے ایک طلوعِ آفتاب سے پہلے اور دوسری غروب آفتاب سے پہلے۔ (ابوداؤد)

(۲۹۷) حکیم بن حزام روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اس شرط پر بیعت کی کہ میں اس کی کوشش کروں گا کہ میں نمازی مروں۔ (مسند احمد)

کی گئی ہے پس جس طرح ان آیات واحادیث میں دو نمازوں کی تخصیص سے بقیہ نمازوں کی معافی کا وہم نہیں کیا جاسکتا۔ اسی طرح نصر بن عاصم کی حدیث میں بھی بقیہ نمازوں کی معافی کا وہم نہیں کرنا چاہئے۔ فضالہ کی ان دو مفصل روایتوں سے حضرت استاذ قدس سرہ کے رائے کی صریح تائید ہوتی ہے۔ ہمارے نزدیک جو صحابی نصر بن عاصم کی حدیث میں مبہم رہ گئے ہیں وہ بھی فضالہ ہی اور اسی بناء پر ان دونوں روایتوں میں جو واقعہ مذکور ہے وہ فضالہ ہی کا ایک واقعہ ہوگا۔ ان کی روایتوں سے یہ بات صاف طور پر واضح ہے کہ آپ نے ان کو بھی پہلے پانچ ہی نمازوں کی ادائیگی کا حکم دیا تھا لیکن جب انہوں نے ان اوقات میں اپنی مصروفیت کا عذر کیا تو آپ نے پہلے ہی مرحلہ پر ان کو زیادہ مقید کرنا قرینِ مصلحت نہ سمجھا بلکہ جس طرح ایک مشغول انسان کو وقت کی فرصت کے لحاظ سے اہم مقاصد کی زیادہ تاکید کردی جاتی ہے اسی طرح ان کو بھی ان دو نمازوں کی تاکید زیادہ فرمادی جن میں بڑی سے بڑی مشغولی کے بعد بھی کوئی فروگذاشت قابل برداشت نہیں ہوگی۔ یہاں کسی نماز کی معافی کا کوئی تصور نہ تھا پھر اس مفصل روداد کو کسی راوی نے نصر بن عاصم کی حدیث میں اتنا مختصر کرڈالا ہے کہ اس کے الفاظ سے تین نمازوں کی معافی کا بھی وہم پیدا ہونے لگا۔ لیکن جب نصر اور فضالہ کی روایتوں میں ایک ہی واقعہ کا تذکرہ ہے تو پھر کسی راوی کے صرف لفظی اختصار کی وجہ سے اس کو دو علیحدہ علیحدہ واقعہ کی صورت دیدینا بالکل خلاف واقع ہوگا۔ یہ امر بھی قابل یادداشت ہے کہ دو نمازوں کے متعلق آپ نے محافظت کا لفظ استعمال فرمایا ہے لغت عربی کے لحاظ سے یہ لفظ بڑی وسعت رکھتا ہے۔ جماعت، خشوع وخضوع اور رعایت آداب سب اس کے مفہوم میں داخل ہیں۔ اس بناء پر دو نمازوں کی زیادہ تاکید اور تین نمازوں میں توسیع کا دائرہ ان ہی امور تک محدود سمجھنا چاہئے۔ یہاں نمازوں کے پڑھنے نہ پڑھنے کا ذکر نہیں ہے بلکہ نمازوں میں آداب وارکان کی زیادہ رعایت وعدم رعایت کا ذکر ہے پس آپ کی توسیع کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر تم کو ان اوقات میں فرصت نہ ملے تو اور نمازوں میں جماعت کی پابندی اور وقت معین کی اتنی قید نہیں ہے جتنی ان دو نمازوں میں ہے۔

(۲۹۷) اس حدیث کی شرح میں مختلف اقوال ہیں ابو عبیدہ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے لاامرت الامصلیا یعنی میں اس کی کوشش کرونگا کہ میں نمازی مروں۔ امام احمدؒ اس کا مطلب یہ تحریر فرماتے ہیں کہ میں نماز میں رکوع کئے بغیر سجدہ کیا کرونگا۔ نسائی نے اس حدیث پر باب قائم کیا ہے "باب کیف یخر للسجود" یعنی سجدہ کیلئے کیسے جانا چاہئے۔ اس عنوان سے یہ نکلتا ہے کہ انہوں نے اس کا مطلب یہ سمجھا ہے کہ میں سجدہ کے لئے پورا کھڑا ہونے کے بعد جایا کروں گا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔ اس حدیث میں کوئی شرط فاسد نہیں ہے بلکہ صرف ایک شرط کی مناسبت سے ذکر کردی گئی ہے۔ حدیث بالا کا ترجمہ امام ابو عبیدؒ کی تفسیر کے مطابق کیا گیا ہے۔

(۲۹۸) عَنِ السَّدُوسِيِّ يَعْنِي ابْنَ الْخَصَاصِيَةِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأُبَايِعَهُ فَاشْتَرَطَ عَلَيَّ شَهَادَةَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهُ وَرَسُوْلُهُ وَاَنْ اُقِيْمَ الصَّلٰوةَ وَاَنْ اُؤَدِّيَ الزَّكٰوةَ وَاَنْ اَحُجَّ حَجَّةَ الْاِسْلَامِ وَاَنْ اَصُوْمَ شَهْرَ رَمَضَانَ وَاَنْ اُجَاهِدَ فِيْ سَبِيْلِ اللهِ. فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَمَّا اثْنَتَانِ فَوَاللهِ مَا اُطِيْقُهُمَا الْجِهَادُ وَالصَّدَقَةُ فَاِنَّهُمْ زَعَمُوْا اَنَّ مَنْ وَّلَّى الدُّبُرَ فَقَدْ بَاءَ بِغَضَبٍ مِّنَ اللهِ فَاَخَافُ اِنْ حَضَرْتُ تِلْكَ جَشِعَتْ نَفْسِيْ وَكَرِهَتُ الْمَوْتَ وَالصَّدَقَةُ فَوَاللهِ مَا لِيْ اِلَّا غُنَيْمَةٌ وَّعَشْرُ ذَوْدٍ هُنَّ رِسْلُ اَهْلِيْ وَحَمُوْلَتُهُمْ قَالَ فَقَبَضَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ ثُمَّ حَرَّكَ يَدَهُ ثُمَّ قَالَ فَلَا جِهَادَ وَلَا صَدَقَةَ فَلِمَ تَدْخُلُ الْجَنَّةَ اِذًا قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللهِ اَنَا اُبَايِعُكَ قَالَ فَبَايَعْتُ عَلَيْهِنَّ كُلِّهِنَّ۔
رواہ احمد والطبرانی فی الکبیر والاوسط والحاکم فی مستدرکہ وصححہ الذہبی قال الہیثمی ورجال احمد موثقون۔

(۲۹۸) سدوسی روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیعت کیلئے حاضر ہوا، آپ نے یہ شرط لگائی کہ میں گواہی دوں کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور رسول ہیں اور اس بات کی کہ نماز باضابطہ پڑھا کرونگا زکوٰۃ ادا کیا کرونگا اسلامی طریقہ پر حج کروں گا، ماہِ رمضان شریف کے روزے رکھا کرونگا اور اللہ تعالیٰ کی راہ میں جہاد کروں گا۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ان میں دو باتوں کی تو مجھ میں ہمت نہیں ایک جہاد، دوسرے صدقہ (جہاد کی تو اس وجہ سے) کہ لوگ یہ کہتے ہیں کہ جو شخص جہاد میں بھاگ جائے اس پر خدا کا غضب ٹوٹ پڑتا ہے میں ڈرتا ہوں کہ اگر میں جہاد میں شریک ہوں تو میرا نفس کہیں بھسپھی نہ کرے اور موت سے ڈر نہ جائے۔ رہا صدقہ تو اس کا معاملہ یہ ہے کہ بخدا میرے پاس صرف چند بکریاں اور دس اونٹ ہیں ان ہی کے دودھ پر میرے بچوں کی گذران ہے اور وہی ہم لوگوں کی سواریاں بھی ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنا دست مبارک پیچھے کھینچ لیا پھر اپنے ہاتھ کو حرکت دیکر فرمایا (واہ) جہاد بھی نہیں اور صدقہ بھی نہیں تو پھر جنت میں کیسے جاؤ گے۔ وہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے کہا یا رسول اللہ اچھا تو پھر میں ان شرائط ہی پر بیعت کئے لیتا ہوں اور ان سب باتوں پر بیعت کرلی۔ (مسند احمد)

(۲۹۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مخاطبین کی فہم کے اختلاف اور ان کی مختلف صلاحیتوں کے لحاظ سے اپنا پیرایۂ گفتگو بھی مختلف رکھا ہے یہاں ابن الخصاصیۃ کی معقول پسند طبیعت دیکھی اور اس کو جہاد اور صدقہ کی ادائگی پر آمادہ پایا تو چند کلمات ترغیب ارشاد فرماکر اس کو ذرا ابھار دیا اور فضالہ کی حدیث میں جب وفد ثقیف کی مشہور درشت فطرت پر نظر کی تو ان سے کوئی حجت کرنی مناسب نہ سمجھی اور جن شرائط پر انھوں نے چاہا ان ہی پر بے تامل ان کو بیعت فرمالیا۔ مبادا افہام و تفہیم کی تنگی ان کو اسلام کی اتنی آمادگی سے بھی برگشتہ کردے۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

(٣٩٩) عَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ قَالَتْ بَايَعْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَرَأَ عَلَيْنَا۔ اَنْ لَّا يُشْرِكْنَ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَنَهَانَا عَنِ النِّيَاحَةِ فَقَبَضَتِ امْرَأَةٌ مِّنَّا يَدَهَا فَقَالَتْ فُلَانَةُ اَسْعَدَتْنِيْ وَاَنَا اُرِيْدُ اَنْ اَجْزِيَهَا فَلَمْ يَقُلْ شَيْئًا فَذَهَبَتْ ثُمَّ رَجَعَتْ فَمَا وَفَتِ امْرَأَةٌ اِلَّا اُمُّ سُلَيْمٍ وَاُمُّ الْعَلَاءِ وَابْنَةُ اَبِيْ سَبْرَةَ امْرَأَةُ مُعَاذٍ اَوِ ابْنَتَا اَبِيْ سَبْرَةَ وَامْرَأَةُ مُعَاذٍ۔ (رواه البخاري)

(٣٩٩) ام عطیہ روایت فرماتی ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بیعت کی تو آپ نے ہمارے سامنے یہ آیت پڑھی "کہ خدا کا کسی کو شریک نہیں ٹھہرائیں گی" اور ہم کو نوحہ کرنے سے بھی روکا۔ اس پر ایک عورت نے (بیعت کرنے سے اپنا) ہاتھ کھینچ لیا اور کہا کہ فلانی عورت ایک مرتبہ میرے یہاں نوحہ کر گئی تھی میں اس کا بدلہ اتارنا چاہتی ہوں یہ سن کر آپ نے کچھ نہ فرمایا وہ گئی اور نوحہ کرکے واپس آگئی پھر (ان عورتوں میں جو اس وقت بیعت میں شریک تھیں) کسی عورت نے اس عہد کو پورا نہ کیا بجز ام سلیم، ام العلاء اور ابو سبرہ کی دختر کے جو معاذ کی بیوی تھیں یا ابو سبرہ کی دختر اور معاذ کی بیوی کے (شک راوی ہے)۔ (بخاری شریف)

(بقیہ صفحہ گذشتہ) بالخصوص جبکہ قرائن سے یہ واضح ہو چکا تھا کہ اسلام کی حلقہ بگوشی کے بعد احکام اسلامی کے ادائیگی میں جو پس و پیش سر دست ان کو تھا وہ آئندہ خود بخود جاتا رہے گا۔ ادع الی سبیل ربك بالحكمة کی تفسیر میں ان جیسے واقعات کو بھی خاص طور پر پیش نظر رکھنا چاہئے۔

(٣٩٩) نوحہ کرنا اور اس کا بدلہ اتارنا عرب میں ایک ایسی لازمی سی رسم شمار ہوتی تھی کہ اس کو بخوشی ترک کر دینا ان کیلئے غیر ممکن تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مکروہ فعل کی گو صریح طور پر یہاں اجازت تو نہیں دی مگر اتنا اغماض ضرور فرمایا کہ اگر کوئی چاہے تو اسلام لانے سے قبل اپنی اس حسرت کو بھی ایکبار اور نکال لے تاکہ اسلام کے بعد اس کے دل میں پھر کوئی خرخشہ ہی باقی نہ رہے۔ یہاں اس عورت کی اسی صاف گوئی کی تعریف منظور ہے کہ اگر انھوں نے ایکبار نوحہ کی آپ سے اجازت حاصل کر بھی لی تو کیا ہوا اس عہد کو اس طرح پورا بھی تو انھوں ہی نے کیا جس کی مثال بجز چند عورتوں کے اور پیش نہیں کر سکیں۔ صفائی کے موقعہ پر اس طرح عذر کرنا عرب کی فصاحت اور ان کا صرف ایک ندرِ تعبیر تھا ان الفاظ سے یہ اخذ کرنا کہ دوسری عورتوں نے نوحہ کی عادت گویا ترک ہی نہ کی تھی اسالیب کلام سے بد ذوقی کی دلیل ہے ــــ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ان تمام واقعات سے یہ سمجھنا نہیں چاہئے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیعتِ اسلام کے وقت خلافِ شرع شرطیں لگانے کی عام طور پر آئینی اجازت دے رکھی تھی بلکہ یہ سمجھنا چاہئے کہ کسی فاسد شرط کی وجہ سے آپ نے اسلام قبول کرنے سے کسی کو اس لئے نہیں روکا کہ اسلام ایک عقد ہی ایسا ہے جو فاسد شرطوں سے فاسد نہیں ہوتا شرطیں ہی خود فاسد ہو جاتی ہیں اس سے معلوم ہوا کہ اگر کوئی کافر اپنے مسلمان ہونے کے لئے یہ شرط لگائے کہ وہ شراب برابر پیتا رہے گا تو اس کو مسلمان ہونے سے روکنا نہیں چاہئے کیونکہ اگر وہ حرمت خمر کا معترف ہو کر شراب پیتا ہے تو بہت سے بہت فاسق ہوگا محض کافر سے تو بہتر رہے گا اور یہ بھی ممکن ہے کہ اسلام کی حلاوت اس کی زبان سے شراب کا ذائقہ فراموش کرا دے تو پھر ایک گناہ کی وجہ سے اس کو ظلمات کفر میں ڈوبتا ہوا چھوڑ دینا کیسے گوارا کیا جا سکتا ہے۔ (دیکھو جامع العلوم والحکم ص٥٩)

(۴۰۰) عَنْ عُثْمَانَ بْنِ أَبِي الْعَاصِ أَنَّ وَفْدَ ثَقِيفٍ لَمَّا قَدِمُوا عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْزَلَهُمُ الْمَسْجِدَ لِيَكُونَ أَرَقَّ لِقُلُوبِهِمْ فَاشْتَرَطُوا عَلَيْهِ أَنْ لَا يُحْشَرُوا وَلَا يُعْشَرُوا وَلَا يُجَبُّوا فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَكُمْ أَنْ لَا تُحْشَرُوا وَلَا تُعْشَرُوا وَلَا خَيْرَ فِي دِينٍ لَيْسَ فِيهِ رُكُوعٌ. (رواه ابوداؤد فی باب خبر الطائف قال المنذری قد قیل ان الحسن البصری لم یسمع من عثمان)

(۴۰۱) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللهِ قَالَ اشْتَرَطَتْ ثَقِيفٌ عَلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا صَدَقَةَ عَلَيْهِمْ وَلَا جِهَادَ وَأَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ سَيَتَصَدَّقُونَ وَيُجَاهِدُونَ. (رواہ احمد و ابوداؤد و سکت عنہ ابوداؤد و اسنادہ لا باس بہ)

(۴۰۰) عثمان بن ابی العاصؓ کہتے ہیں کہ قبیلۂ ثقیف کا وفد جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا تو آپ نے ان کو مسجد میں مہمان ٹھہرایا تاکہ یہ ان کے دلوں پر اور زیادہ اثر انداز ہو انھوں نے اسلام لانے کیلئے یہ شرط لگائی کہ ان کو نہ تو کبھی جہاد کے لئے بلایا جائے گا نہ ان سے عشر لیا جائے گا اور نہ ان پر نماز پڑھنے کیلئے زور دیا جائے گا آپ نے فرمایا تم کو جہاد اور عشر کی تو معافی دی گئی۔ رہی نماز تو جس دین میں نماز نہ ہو اس میں کوئی بھلائی نہیں۔ (ابوداؤد)

(۴۰۱) جابر بن عبداللہؓ سے روایت ہے کہ قبیلۂ ثقیف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ شرط لگائی کہ (ہم مسلمان تو ہوتے ہیں) مگر ہمارے اوپر نہ صدقہ لازم ہوگا نہ جہاد آپ نے (ان کا اسلام قبول کرلیا) اور فرمایا آئندہ یہ لوگ خود بخود صدقہ بھی ادا کریں گے اور جہاد بھی کریں گے۔ (احمد، ابوداؤد)

(۴۰۰) خطابیؒ فرماتے ہیں کہ تجبیہ لغت عرب میں جسم کا اگلا حصہ پست کرنے اور پچھلا بلند کرنے کو کہتے ہیں یہاں اس سے نماز پڑھنا مراد ہے۔ امام موصوف کا خیال ہے کہ جہاد و زکوٰۃ کا استثنا بھی یہاں صرف صورۃً تھا کیونکہ جہاد ہمیشہ فرض نہیں ہوتا، زکوٰۃ بھی نصاب اور حولان حول پر موقوف ہوتی ہے اس لئے سہولت ان کو ان دونوں سے سبکدوش کیا جاسکتا تھا، رہی نماز تو وہ ایک ایسی عبادت تھی جسے دن میں پانچ بار ادا کرنا ہر شخص پر فرض ہے۔ اس کا استثناء کسی کے حق میں گوارا نہیں کیا جاسکتا۔ نیز اس وفد ثقیف کے متعلق آپ کو یہ یقین حاصل ہوچکا تھا کہ آئندہ چل کر وہ اپنے شوق سے صدقہ بھی دیںگے اور جہاد بھی کریں گے ایسی صورت میں ان کے ساتھ لفظی مناقشہ کرنا غیر ضروری تھا۔ (معالم السنن ج ۳ ص ۳۵)

(۴۰۱) یہ وہی واقعہ ہے جو اوپر کی حدیث میں ابھی گذر چکا ہے اس سے یہ صاف طور پر ثابت ہوتا ہے کہ عثمان بن ابی العاص کی حدیث میں آپ کا جہاد اور صدقہ کا استثنا فرمانا اس علم پر مبنی تھا کہ یہ لوگ اسلام کے رسوخ کے بعد اپنے شوق سے جہاد بھی کریں گے اور صدقہ بھی دیں گے ـــــ اس روایت سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ایک مبلغ کے لئے اصل مقاصد کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ اور محض تعبیری اور لفظی مناقشات کرنا نامناسب ہے۔ بعض مرتبہ صرف لفظی گرفتوں سے اصل مقاصد ہی فوت ہوجاتے ہیں۔

## یصح ایمان المقلد ولا یجب علیہ المعرفۃ بالنظر

### مقلد کا ایمان صحیح ہے اور اس پر دلائل سیکھنا واجب نہیں۔

معتزلہ اور متکلمین کا ایک فرقہ یہ کہتا ہے کہ مقلد کا ایمان معتبر نہیں اس پر دلائل کی روشنی میں بھی توحید و رسالت حاصل کرنا واجب ہے۔ ان کے نزدیک ایمان ایسی تصدیق کا نام ہے جو تشکیک مشکک سے بھی زائل نہ ہو سکے ایسی تصدیق دلائل کے بغیر حاصل ہی نہیں ہو سکتی۔ شیخ تاج الدین بکی نے اس مسئلہ کی تحقیق فرماتے ہوئے تقلیدی ایمان کی چند صورتیں لکھی ہیں۔ (۱) یہ کہ اسلام کی حقانیت ہی پورے طور پر دل نشین نہ ہو اور قلب میں شک و تردد کی خلش باقی رہے۔ (۲) یہ کہ اسلام کی حقانیت کا اذعان اگرچہ حاصل ہو مگر نجات ابدی کے لئے تمام دین یکساں نظر آئیں اور ان میں جس دین کو چاہے اس کا اختیار کرنا جائز سمجھے۔ (۳) یہ کہ اسلام کی حقانیت میں کوئی شک و تردد باقی نہ ہو، نجات ابدی صرف دین اسلام میں منحصر سمجھے۔ اور اسلام کے سوا کسی اور دین کا اختیار کرنا ایک لمحہ کے لئے بھی جائز نہ سمجھے۔ پہلی دو صورتیں یقیناً معتبر نہیں اور تیسری صورت بے شبہ معتبر ہے۔ خواہ ان مقاصد کے لئے دماغ میں ایک دلیل کا بھی تصور موجود نہ ہو۔

اس حقیقت کا ثبوت اس سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے اصحاب کے عہد مبارک میں کفار کے جو جم غفیر عین جنگ کی رعد و برق میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے ان سب کا اسلام معتبر مان لیا گیا اور کسی ایک واقعہ میں بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ ان نومسلموں کو اسلام کے فرائض و واجبات کی طرح نظر و استدلال سیکھنے کی بھی کبھی دعوت دی گئی ہو۔

صاحب روح المعانی بعض اکابر محققین سے ناقل ہیں کہ ایمان دراصل اس بدیہی تصدیق کا نام ہے جو خوش نصیبوں کے قلوب میں اس طرح سما جاتی ہے کہ اگر وہ خود بھی اسے نکالنے کی کوشش کریں تو نکال نہ سکیں، تاریخ میں ایسے لوگوں کی مثالیں کم نہیں جو دلائل پر غور و فکر کے بغیر اسلام لے آئے اور اس کے برخلاف ایسی مثالیں بہت ہیں جن کے سامنے حقانیتِ اسلام کے دلائل روز روشن کی طرح عیاں تھے مگر اس کے باوجود وہ اس سعادتِ عظمیٰ سے محروم رہے۔ وجحدوا بها واستيقنتها انفسهم۔ اس سے صاف یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ یہ خیال سراسر غلط ہے کہ ایمان و یقین کا حاصل ہونا صرف دلائل کی پرورش ہی پر موقوف ہوتا ہے بلکہ دلائل کی روشنی میں حاصل شدہ ایمان یکسر ناقابل وثوق اور حقیقت اذعان سے معری ہوتا ہے۔

اس میں یہ احتمال ہر وقت قائم رہتا ہے کہ اگر دلائل دوسری جانب واضح ہوجائیں تو اسی وقت یہ ایمان بھی دوسری جانب منتقل ہوجائے۔

شیخ اکبرؒ فتوحات مکیہ میں امام حجۃ الاسلام کی کتاب فیصل التفرقہ سے نقل فرماتے ہیں کہ متکلمین کی اس جماعت کا غلو اور حق سے انحراف بھی کس درجہ تعجب خیز ہے جو عوام کا ایمان صرف اس لئے معتبر نہیں مانتے کہ ان کو حقانیت اسلام کا یقین متکلمین کے مخترع دلائل کے مطابق حاصل نہیں ہوتا یہ جماعت ان متواتر واقعات سے بھی واقف نہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مسعود اور صحابہ کے مبارک دور میں بہت سے جاہل بت پرستوں کا ایمان معتبر مان لیا گیا تھا حالانکہ نہ خود ان کو دلائل کا علم حاصل تھا اور نہ کسی نے بعد میں ان کو دلائل کی تعلیم دی تھی، اور اگر بالفرض ان کو تعلیم دی بھی جاتی تو وہ اپنے جہل کی وجہ سے ان کے سمجھنے سے بھی قاصر رہتے۔

حقیقت یہ ہے کہ ایمان ایک نور ہے جو اللہ تعالیٰ محض اپنے فضل و رحمت سے بندہ کے قلب میں ڈالدیتا ہے اس کا ظاہری سبب کبھی تو کوئی باطنی تحریک ہوجاتی ہے جیسے کوئی خواب اور کبھی کسی دیندار کی ترکار روایات سے ثابت ہے کہ بعض منکرین آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ کے روئے انور پر نظر ڈالنے کے ساتھ ہی بیساختہ بول اٹھے کہ یہ چہرہ کاذب کا چہرہ نہیں ہوسکتا۔ اس قسم کے واقعات ایک دو نہیں بہت ہیں ان میں ایک شخص بھی بعد میں دلائل کی تعلیم حاصل کرنے میں مشغول نہیں ہوا بلکہ وہی ایک نور ایمانی کا ذرہ جو ان کے قلب میں پہلی بار پڑ گیا تھا تلاوتِ قرآن وغیرہ کے ذریعہ خود بخود پھیلتا چلا گیا۔ کاش ہمیں کوئی بتاتا کہ کب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے حدوثِ عالم کے دلائل شکل اول اور ایجاب صغریٰ اور کلیہ کبریٰ کے شرائط کے ساتھ کسی کو تعلیم دیئے تھے اور کب کسی سے فرمایا تھا کہ العالم متغیر وکل متغیر حادث۔ یا اس کے ہم معنی الفاظ کی تعلیم دی تھی۔ ہاں اس کے برخلاف یہ ضرور ثابت ہے کہ ٹھیک جنگ میں لوگ اسلام کے حلقہ بگوش ہوتے پھر بعد میں ان کو صلوٰۃ اور زکوٰۃ کے احکام تو سکھائے جاتے مگر توحید و رسالت کے دلائل کی تعلیم کی طرف کوئی توجہ نہ کی جاتی۔ مجھے اس سے انکار نہیں ہے کہ متکلمین کے دلائل بھی ایمان کا ایک سبب بن سکتے ہیں۔ مگر اس امر کے تسلیم کرنے میں بہت تامل ہے کہ ایمان صرف دلائل کی پشت پناہی پر موقوف ہے۔ میرے نزدیک وہ ایمان جو دلیل پر مبنی ہو ضعیف ترین ایمان ہے۔ راسخ اور قوی ایمان وہ ہے جو اخبار متواترہ کے ذریعہ سے دورِ طفولیت ہی میں نصیب ہوجاتا ہے یا بلوغ کے بعد ایسے قرائن کے ذریعہ میسر آجاتا ہے جن کو اگر زبان سے ادا کرنا چاہیں تو بھی ادا نہیں کرسکتے یہی وہ ایمان ہے جو شک و تردد سے محفوظ ہوتا ہے کیونکہ شک و تردد کا محل دلائل ہوتے ہیں جہاں دلائل نہیں وہاں شک و تردد بھی نہیں (روح المعانی ج ۲۶ ص ۵۰۶ و ۵۰۹) اور الیواقیت والجواہر ج ۱ ص ۲۵۵۔

(۴۰۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَالِدَ بْنَ الْوَلِيْدِ اِلٰى بَنِيْ جَذِيْمَةَ فَدَعَاهُمْ اِلَى الْاِسْلَامِ فَلَمْ يُحْسِنُوْا اَنْ يَقُوْلُوْا اَسْلَمْنَا فَجَعَلُوْا يَقُوْلُوْنَ صَبَأْنَا صَبَأْنَا فَجَعَلَ خَالِدٌ يَقْتُلُ وَيَأْسِرُ وَدَفَعَ اِلٰى كُلِّ رَجُلٍ مِنَّا اَسِيْرَهُ حَتّٰى اِذَا كَانَ يَوْمٌ اَمَرَ خَالِدٌ اَنْ يَقْتُلَ كُلُّ رَجُلٍ مِنَّا اَسِيْرَهُ فَقُلْتُ لَا اَقْتُلُ اَسِيْرِيْ وَلَا يَقْتُلُ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِيْ اَسِيْرَهُ حَتّٰى قَدِمْنَا عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرْنَا لَهُ فَرَفَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدَهُ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اِنِّيْ اَبْرَأُ اِلَيْكَ مِمَّا صَنَعَ خَالِدٌ مَرَّتَيْنِ۔

## يصح الاسلام وان كان من خوف القتل

(۴۰۳) عَنْ عُتْبَةَ بْنِ مَالِكٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً

---

(۴۰۲) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خالد بن ولید کو قبیلہ بنی جذیمہ کی طرف روانہ کیا وہ گئے اور ان کے سامنے دعوتِ اسلام پیش کی انھیں لفظ اسلمنا (ہم اسلام لائے) کہنا نہ آیا اور اس کی بجائے وہ صبانا صبانا کہنے لگے (یعنی ہم اپنے دین سے پھر گئے) خالد بن ولیدؓ نے (یہ سمجھ کر کہ یہ لوگ مسلمان نہیں ہوئے) انھیں قتل کرنا اور قید کرنا شروع کر دیا اور فوج کے ہر شخص کو ایک ایک قیدی سپرد کر دیا (اور اس کے قتل کا ایک دن مقرر کر دیا) جب وہ دن آیا جس دن کہ خالد نے اس کا حکم دیا تھا کہ ہم میں ہر فوجی اپنے اپنے قیدی کو قتل کرے گا تو میں نے کہا تو میں اپنے قیدی کو خود قتل کروں گا اور نہ میرا کوئی اور رفیق قتل کرے گا یہاں تک کہ جب ہم آپ کی خدمت میں پہنچے تو ہم نے یہ واقعہ آپ کے سامنے پیش کیا آپ نے سن کر فوراً اپنے دستِ مبارک اٹھا دیئے اور دو بار فرمایا اے اللہ! خالد نے جو غلطی کی میں اس سے اپنی علیحدگی کا اظہار کرتا ہوں۔ (بخاری شریف)

## جان بچانے کے خوف سے اسلام لانا بھی معتبر ہو جاتا ہے

(۴۰۳) عتبہ بن مالکؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک قبیلہ کے مقابلہ میں فوج کا

---

(۴۰۲) قسطلانی نقل کرتے ہیں کہ یہ فوجی دستہ دعوتِ اسلام کی غرض سے روانہ کیا گیا تھا۔ یہ ظاہر ہے کہ جس قوم کو لفظ اسلام کہنے کا سلیقہ بھی حاصل نہ تھا ان میں دلائل قطعیہ سوچنے کی صلاحیت کہاں ہو سکتی تھی اس کے باوجود ان کا اسلام معتبر سمجھ لیا گیا تھا۔

فَأَغَارُوا عَلَى قَوْمٍ فَشَذَّ رَجُلٌ مِنَ الْقَوْمِ فَاتَّبَعَهُ رَجُلٌ مِنَ السَّرِيَّةِ مَعَهُ السَّيْفُ شَاهِرٌ فَقَالَ الشَّاذُّ مِنَ الْقَوْمِ إِنِّي مُسْلِمٌ فَلَمْ يَنْظُرْ فِيهَا فَضَرَبَهُ فَقَتَلَهُ فَنَمَى الْحَدِيثُ إِلَى رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ قَوْلًا شَدِيدًا فَبَلَغَ الْقَاتِلَ فَبَيْنَمَا رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَخْطُبُ إِذْ قَالَ الْقَاتِلُ يَا رَسُولَ اللهِ وَاللهِ مَا قَالَ الَّذِي قَالَ إِلَّا تَعَوُّذًا مِنَ الْقَتْلِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَمَّنْ قِبَلَهُ مِنَ النَّاسِ وَأَخَذَ فِي خُطْبَتِهِ ثُمَّ قَالَ الثَّانِيَةَ يَا رَسُولَ اللهِ وَاللهِ مَا قَالَ الَّذِي قَالَ إِلَّا تَعَوُّذًا مِنَ الْقَتْلِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَمَّنْ قِبَلَهُ مِنَ النَّاسِ وَأَخَذَ فِي خُطْبَتِهِ ثُمَّ لَمْ يَصْبِرْ أَنْ قَالَ الثَّالِثَةَ وَاللهِ يَا رَسُولَ اللهِ مَا قَالَ الَّذِي قَالَ إِلَّا تَعَوُّذًا مِنَ الْقَتْلِ فَأَقْبَلَ عَلَيْهِ رَسُولُ اللهِ صلی اللہ علیہ وسلم تُعْرَفُ الْمَسَاءَةُ فِي وَجْهِهِ ثُمَّ قَالَ إِنَّ اللهَ عَزَّ وَجَلَّ أَبَى عَلَيَّ مَنْ قَتَلَ مُؤْمِنًا قَالَهَا ثَلَاثًا

(رواه الحاكم في المستدرك ص۱۹ وقال الذهبي على شرط مسلم)

ایک مختصر دستہ بھیجا انھوں نے جا کر اس پر حملہ کیا ان میں کا ایک شخص اکیلا بھاگ نکلا اسلامی فوج کے ایک سپاہی نے کھینچی ہوئی تلوار لیکر اس کا پیچھا کیا اس اکیلے بھاگنے والے شخص نے کہا میں اسلام قبول کرتا ہوں مگر اس سپاہی نے ایک نہ سنی اور تلوار مار کر اسے ٹھنڈا ہی کر دیا۔ شدہ شدہ یہ بات رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی پہنچ گئی آپ نے اس کے متعلق سخت الفاظ فرمائے جب یہ خبر قاتل کو معلوم ہوئی تو (وہ حاضر ہوا) اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ دے رہے تھے اس قاتل نے کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم اس نے صرف اپنی جان بچانے کیلئے اسلام قبول کیا تھا آپ نے اس کی طرف سے اور جو لوگ اس طرف موجود تھے، سب سے اپنا روئے مبارک پھیر لیا، اور خطبہ دینے میں مشغول ہو گئے اس نے دوبارہ کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم اس نے صرف اپنی جان بچانے کے لئے اسلام قبول کیا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کی طرف سے اور جو لوگ ادھر تھے ان سے اپنا چہرۂ مبارک پھیر لیا اور خطبہ دینے میں مشغول ہو گئے اس شخص سے رہا نہ گیا اس نے پھر سہ بارہ کہا یا رسول اللہ خدا کی قسم اس نے صرف جان بچانے کے لئے اسلام قبول کیا تھا اب کی بار آپ اس کی طرف متوجہ ہوئے اور آثار ناگواری چہرہ انور پر نمایاں تھے اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی مومن کے قاتل کا عذر قبول کرنے کی مجھے اجازت نہیں دی، تین بار فرمایا۔

(حاکم)

(۴۰۴) عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ اَنَّهٗ اَخْبَرَهٗ اَنَّهٗ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ لَقِیْتُ رَجُلًا مِنَ الْکُفَّارِ فَقَاتَلَنِیْ فَضَرَبَ اِحْدٰی یَدَیَّ بِالسَّیْفِ فَقَطَعَهَا ثُمَّ لَاذَ مِنِّیْ بِشَجَرَةٍ فَقَالَ اَسْلَمْتُ لِلّٰهِ اَاَقْتُلُهٗ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ بَعْدَ اَنْ قَالَهَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ قَالَ فَقُلْتُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّهٗ قَدْ قَطَعَ یَدِیْ ثُمَّ قَالَ ذٰلِکَ بَعْدَ اَنْ قَطَعَهَا اَفَاَقْتُلُهٗ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقْتُلْهُ فَاِنْ قَتَلْتَهٗ فَاِنَّهٗ بِمَنْزِلَتِکَ قَبْلَ اَنْ تَقْتُلَهٗ وَاِنَّکَ بِمَنْزِلَتِهٖ قَبْلَ اَنْ یَّقُوْلَ کَلِمَتَهُ الَّتِیْ قَالَ۔ (رواہ مسلم)

(۴۰۵) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ مَالِکٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَمَا بَالُ الرَّجُلِ یَقْتُلُ الرَّجُلَ وَهُوَ یَقُوْلُ اَنَا مُسْلِمٌ فَقَالَ الْقَاتِلُ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا قَالَهَا مُتَعَوِّذًا

---

(۴۰۴) مقداد بن اسود سے روایت ہے کہ انھوں نے کہا یا رسول اللہ اگر کافروں میں کسی شخص سے میرا مقابلہ ہوجائے اور وہ مجھ سے جنگ کرنے لگے اور میرا ایک ہاتھ تلوار سے کاٹ دے پھر مجھ سے ایک درخت کی پناہ لے اور کہے کہ میں خالص اللہ تعالیٰ کے واسطے اسلام قبول کرتا ہوں تو یا رسول اللہ اس کلمہ کے بعد کیا میں اس کو قتل کرسکتا ہوں آپ نے فرمایا ہرگز نہیں، میں نے کہا یا رسول اللہ اس نے تو یہ کلمہ اس وقت کہا ہے جب پہلے میرا ہاتھ کاٹ لیا ہے پھر میں اسے کیسے قتل نہ کروں آپ نے فرمایا ہرگز قتل نہ کرنا کیونکہ اگر اسے قتل کروگے تو اب وہ ایسا ہی قابل احترام مسلمان ہوگیا ہے جیسا تم اس کے قتل کرنے سے پہلے تھے اور تم اب اسی طرح مباح الدم ہوجاؤگے جیسا وہ اس کلمہ کے پڑھنے سے پہلے تھا۔ (مسلم)

(۴۰۵) عقبہ بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ دیا اور حمد و ثنا کے بعد فرمایا اس شخص کا بھی کیا حال ہے جو ایسے شخص کو بھی مار ڈالتا ہے جو برابر اپنی زبان سے یہ اقرار کررہا ہے کہ میں مسلمان ہوں۔ (یہ سن کر قاتل نے عذر کیا یا رسول اللہ یہ کلمہ تو اس نے صرف پناہ لینے کے لئے کہدیا تھا آپ

---

(۴۰۴) یعنی تم اس کے قتل کرنے سے پیشتر ایک معصوم الدم مسلمان تھے اور اب اس کے قتل کے بعد ایک مباح الدم انسان ہوجاؤگے جیسا وہ کلمۂ اسلام پڑھنے سے قبل ایک مباح الدم کافر تھا اور اب اس کلمہ کی بدولت ایک معصوم الدم مسلمان بن گیا ہے۔

(۴۰۵) ظاہر ہے کہ جنگ کے ان حالات میں دلائل پر غور کرنے کی کہ فرصت ہوسکتی ہے اس لئے ان حالات میں صرف تقلیدی اسلام ہوسکتا ہے پھر جب اس پر بھی نظر ڈالی جائے کہ جنگ کے بعد ان نو مسلموں کا حال کیا رہا تو نہ خود ان کی طرف سے دلائل حقانیت معلوم کرنے کا کوئی ذوق و شوق ثابت ہوتا ہے اور نہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی جانب سے ان کے گردن پر اس کا بار ڈالا جاتا ہے کیا اس سے یہ صاف نتیجہ نہیں نکلتا کہ ایمان کے لئے دلائل کا حاصل کرنا کوئی ضروری امر نہیں تھا صرف اطمینان قلبی اور آئندہ اطاعت کا عزم کرلینا کافی سمجھا جاتا تھا۔ اور یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ ڈر کر اسلام لے آنا بھی معتبر ہے۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھٰکَذَا وَکَرِہَ مَقَالَتَہٗ وَحَوَّلَ وَجْھَہٗ عَنْہُ فَقَالَ اَبَی اللّٰہُ عَلَیَّ مَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا اَبَی اللّٰہُ عَلَیَّ مَنْ قَتَلَ مُسْلِمًا۔ (رواہ الحاکم)

(۴۰۶) اُسَامَۃُ بْنُ زَیْدٍ یَقُوْلُ بَعَثَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْحُرَقَۃِ فَصَبَّحْنَا الْقَوْمَ فَھَزَمْنَاھُمْ وَلَحِقْتُ اَنَا وَرَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ رَجُلًا مِّنْھُمْ فَلَمَّا غَشِیْنَاہُ قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ فَکَفَّ الْاَنْصَارِیُّ فَطَعَنْتُہٗ بِرُمْحِیْ حَتّٰی قَتَلْتُہٗ فَلَمَّا قَدِمْنَا بَلَغَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا اُسَامَۃُ اَقَتَلْتَہٗ بَعْدَ مَا قَالَ لَا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ قُلْتُ کَانَ مُتَعَوِّذًا فَمَا زَالَ یُکَرِّرُھَا حَتّٰی تَمَنَّیْتُ اَنِّیْ لَمْ اَکُنْ اَسْلَمْتُ قَبْلَ ذٰلِکَ الْیَوْمِ (متفق علیہ) وفی طریق عند مسلم قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّمَا

اس کی یہ بات ناپسند ہوئی اور آپ نے اپنا چہرۂ مبارک اس کی طرف سے پھیر لیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے کسی مسلمان کے قاتل کا عذر قبول کرنے کیلئے مجھ سے انکار فرمادیا ہے (دوبار فرمایا) (حاکم)۔

(۴۰۶) اسامہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں قبیلہ حرقہ سے جنگ کرنے کے لئے بھیجا ہم نے صبح صبح ان پر جاکر چھاپا مارا اور ان کو شکست دیدی۔ میں نے اور ایک انصاری شخص نے ان کے ایک آدمی کا پیچھا کیا جب اس کو گھیر لیا تو اس نے کہا لا الہ الا اللہ (یہ سن کر) وہ انصاری تو رک گیا مگر میں نے اس کے نیزہ مار ہی دیا، جب ہم واپس ہوئے تو یہ خبر آپ تک بھی پہنچ گئی آپ نے فرمایا اے اسامہ! کیا لا الہ الا اللہ کہنے کے بعد بھی تم نے اسے قتل کر ڈالا! میں نے عرض کیا وہ تو اس بہانہ سے اپنی جان بچا رہا تھا، آپ تھے کہ بار بار یہی بات فرمائے جاتے تھے یہاں تک کہ مجھے یہ آرزو ہونے لگی کہ کاش میں آج سے قبل مسلمان نہ ہوا ہوتا تاکہ آج مسلمان ہونے کی وجہ سے میرا یہ گناہ بھی بخشدیا جاتا۔ مسلم کے ایک طریقہ میں یہ اور ہے، میں نے عرض کیا یا رسول اللہ! اس نے تو

(۴۰۶) شارح عقیدہ سفارینی نے امام بخاری جیسے جلیل القدر حافظ حدیث کی طرف یہ نسبت کردی ہے کہ خوف کی حالت کا اسلام معتبر نہیں ہوتا۔ (شرح عقیدہ سفارینی ج ۱ ص ۴۶۸) حضرت استاذ قدس سرہ کے نزدیک یہ نسبت خلاف واقع ہے۔ فرماتے تھے کہ جو اسلام جان بچانے کی نیت سے صرف نمائشی طور پر ہو، قلب کو اذعان وسکون کا اس میں ایک قدم بھی نصیب نہ ہو یا اس میں شک و تردد کی خلش باقی رہے۔ تو بے شبہ اسلام معتبر نہ ہونا چاہئے اور اسی قسم کا اسلام امام بخاریؒ کی مراد ہو سکتا ہے لیکن اگر قلب یقین و اذعان سے معمور ہو چکا ہے شک و تردد کی اس میں کوئی گنجائش نہیں رہی تو ایسا اسلام قطعاً معتبر ہے۔ امام بخاریؒ ہرگز اس کے مخالف نہیں ہو سکتے اور کیسے مخالف ہو سکتے جبکہ تاریخ اسلام ایسے افراد سے بھری پڑی ہے جو شمشیروں کی جھنکاروں میں حلقہ بگوش اسلام ہوئے اس کے باوجود ان کا اسلام قبول کرنے میں ذرا تردد نہیں کیا گیا اور اسی لئے جب خوف وہراس کی فضا چھٹ گئی تو ان لوگوں نے کبھی اپنے اصل مذہب کی طرف رجوع کا اعلان نہیں کیا۔ کیا یہ اس امر کا کھلا ہوا ثبوت نہیں ہے کہ جو اسلام وہ خوف کی فضا میں قبول کر چکے تھے وہ صرف نمائشی نہ تھا بلکہ صمیم قلب سے تھا ورنہ کوئی وجہ نہ تھی کہ بعد میں وہ اس حقیقت کا اعلان نہ کردیتے اس تاریخی ثبوت سے اس خیال کی تردید ہوتی ہے کہ خوف کی

قَالَ اِنَّمَا قَالَهَا خَوْفًا مِّنَ السِّلَاحِ قَالَ اَفَلَا شَقَقْتَ عَنْ قَلْبِهٖ حَتّٰی تَعْلَمَ اَقَالَهَا اَمْ لَا وَفِیْ طَرِیْقٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعَا اُسَامَةَ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ لِمَ قَتَلْتَهٗ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ اِلٰی اَنْ قَالَ فَکَیْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ اِذَا جَاءَتْ یَوْمَ الْقِیَامَةِ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ اسْتَغْفِرْلِیْ قَالَ فَکَیْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ اِذَا جَاءَتْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ فَجَعَلَ لَا یَزِیْدُ عَلٰی اَنْ یَّقُوْلَ فَکَیْفَ تَصْنَعُ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰہُ اِذَا جَاءَتْ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ۔

## الکراهیة الطبعیة لاتخالف صحة الاسلام اذا انقاد له بقلبه

(۳۰۷) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لِرَجُلٍ اَسْلِمْ قَالَ اَجِدُنِیْ کَارِهًا

یہ کلمہ تھیار کی ڈر سے صرف زبانی پڑھ لیا تھا۔ آپ نے فرمایا تو نے اس کا دل چیر کر کیوں نہ دیکھ لیا تاکہ پتہ چل جاتا کہ اس نے دل سے پڑھا تھا یا نہیں۔ ایک اور طریقہ میں ہے کہ آپ نے اسامہ کو بلایا اور ان سے دریافت کیا تم نے اس شخص کو کیوں قتل کیا۔ اس سلسلہ میں فرمایا جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ میرے لئے استغفار فرمائیے آپ یہی فرماتے رہے کہ جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو اس وقت تم اس کا کیا جواب دو گے، آپ ان کے اصرار پر بھی یہی ایک جواب دیتے رہے کہ جب یہ کلمہ قیامت میں آئے گا تو تم اس کا کیا جواب دو گے۔

## طبعی کراہت صحت اسلام کے منافی نہیں بشرطیکہ قلب اپنے اختیار سے اسلام کا حلقہ بگوش ہو جائے

(۳۰۷) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص سے کہا اسلام قبول کر لو

حالت میں یا دلائل کے بغیر یقین و اذعان حاصل ہو ہی نہیں سکتا۔

یہ واضح رہنا چاہئے کہ مذہب کی تبدیلی جس طرح دلائل کی بنیاد پر ہو سکتی ہے اسی طرح طمع دنیوی یا کسی خوف و ہراس کی وجہ سے بھی ہو سکتی ہے اور ہر صورت میں اگر انسان اپنے قدیم مذہب کے چھوڑنے اور دین اسلام کے اختیار کر لینے پر راضی ہو چکا ہے تو گو اس کے اسلام قبول کرنے کا سبب قابل تعریف نہ ہو لیکن اس کے اسلام قبول کرنے میں کوئی پس و پیش نہیں کیا جا سکتا۔ وفد عبد القیس کے حق میں آپ کے مدحیہ کلمات غیر خزایا ولا ندامی۔

اسی طرف اشارہ تھے کہ ان کا اسلام کسی خوف و طمع کی بنیاد پر نہ تھا۔ معلوم ہوا کہ اس قبیلہ کے سوا بعض قبائل نے خوف کی وجہ سے اسلام قبول کیا تھا وہ ہر چند کہ قابل تعریف نہ تھا مگر تاہم معتبر تھا۔

(۳۰۷) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ اگر قلب اسلام قبول کرنے کے لئے آمادہ ہو چکا ہے تو پھر وہ طبعی کراہت جو مدت دراز تک کفر کی زندگی بسر کرنے کی وجہ سے غیر اختیاری طور پر باقی رہ گئی ہے صحت اسلام کے منافی نہیں۔ اب بھی بہت سے مسلمان ہیں جن کو زکوٰۃ ادا کرنا، نماز با جماعت اور دیگر ارکان اسلام بجا لانا بار گراں ہی معلوم ہوتا ہے لیکن چونکہ

قَالَ أَسْلِمْ وَإِنْ كُنْتَ كَارِهًا رواه احمد ورجاله من رجال الصحيحين وهو من ثلاثيات الامام احمد واورده السيوطي في الجامع الصغير وعزاه للامام احمد وابي يعلى والضياء المقدسي ورمز له بالصحة۔

## يعتبر اسلام الاسير وان لم يفلح كل الفلاح

(۴۰۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كَانَ ثَقِيفُ حُلَفَاءَ لِبَنِي عُقَيْلٍ فَأَسَرَتْ ثَقِيفُ رَجُلَيْنِ مِنْ أَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَسَرَ أَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم رَجُلًا مِنْ بَنِي عُقَيْلٍ فَأَوْثَقُوْهُ فَطَرَحُوْهُ فِي الْحَرَّةِ فَمَرَّ بِهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فِيمَا أُخِذْتُ قَالَ بِجَرِيرَةِ حُلَفَائِكُمْ ثَقِيفٍ فَتَرَكَهُ وَمَضَى فَنَادَاهُ يَا مُحَمَّدُ يَا مُحَمَّدُ فَرَحِمَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَجَعَ قَالَ مَا شَأْنُكَ قَالَ إِنِّي مُسْلِمٌ فَقَالَ لَوْ قُلْتَهَا وَأَنْتَ

اس نے کہا میں تو اپنے دل میں کچھ کراہت سی محسوس کرتا ہوں۔ آپ نے فرمایا اسلام قبول کر لو اگرچہ کراہت محسوس ہو۔ (رفتہ رفتہ یہ کراہت نکل جائے گی۔ (احمد)

## قیدی کا اسلام بھی معتبر ہے مگر اس کو قید سے رہا نہ کیا جائے گا

(۴۰۸) عمران بن حصین روایت فرماتے ہیں کہ قبیلہ ثقیف بنی عقیل کے حلیف تھے، ثقیف نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے دو صحابی پکڑ لئے تھے، اس لئے آپ کے صحابہ نے بھی بنی عقیل کا ایک شخص پکڑ لیا اور اور اس کو باندھ کر مدینہ کے سنگستان میں ڈالدیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے پاس سے گزرے تو اس نے آپ کو اے محمدؐ اے محمدؐ کہہ کے آواز دی اور کہا بھلا مجھے کس جرم میں گرفتار کیا ہے فرمایا تیرے حلیف ثقیف کے جرم میں (انھوں نے ہمارے دو شخص گرفتار کر رکھے ہیں) آپ نے اسے پڑا رہنے دیا اور تشریف لے گئے اس نے پھر اے محمدؐ اے محمدؐ کہہ کے آواز دی آپ کو اس پر رحم آگیا آپ واپس ہوئے اور فرمایا تجھے کیا ہو گیا ہے وہ بولا میں مسلمان ہوتا ہوں آپ نے

یہ گرانی غیر اختیاری ہوتی ہے اس لئے ان کے اختیاری اسلام کے منافی نہیں سمجھی جاتی پھر نور اسلام میں جتنا انشراح جتنی کشادگی پیدا ہوتی جاتی ہے اتنی ہی یہ گرانی خود بخود کم ہوتی جاتی ہے۔ دور اول میں اکثری طور پر تو اسلام کی صداقت کا یقین بدیہی طور پر حاصل ہوتا تھا، انکار و انحراف جو کچھ بھی ہوتا وہ صرف ضد، عصبیت اور غیرت قومی کی بنا پر ہوتا اس لئے جب کبھی وہ کسی باعث سے اسلام قبول کر لیتے تو ان کا اسلام قلبی طور پر ہی ہوتا تھا۔ اگر کسی کو طبعی کراہت ہوتی تو یہ بھی بہت شاذ و نادر تھی۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ یہاں ذکر کراہت کا ہے اکراہ کا نہیں۔ بعض نادان اس حدیث میں اکراہ اور کراہت میں فرق نہیں کرتے۔

تملك امرك اسمعت كل الكلام قال فقد اه رسول الله صلى الله عليه وسلم بالرجلين الذين اسرتهما ثقيف. (رواہ مسلم)

(۴۰۹) عن ابي هريرة كنتم خير امة اخرجت للناس قال خير الناس للناس يأتون بهم في السلاسل في اعناقهم حتى يدخلوا في الاسلام (بخاری)

## جواز استسرار الایمان للخائف

(۴۱۰) عن حذيفة قال كنا مع رسول الله صلى الله عليه وسلم فقال احصوا لي كم يلفظ الاسلام قال فقلنا يا رسول الله اتخاف علينا ونحن ما بين الست مائة الى السبع مائة قال

فرمایا کیسی بات اگر تو اس وقت کہتا جب تو گرفتار نہ ہوا تھا تو پورے طور پر کامیاب ہو جاتا راوی کہتا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پھر اس کو ان دو شخصوں کے بدلہ میں دیدیا جن کو ثقیف نے پکڑ لیا تھا۔ (مسلم)

(۴۰۹) ابوہریرہؓ سے کنتم خیر امۃ کی تفسیر میں منقول ہے کہ لوگوں کے حق میں تمہاری بہتری اور خیریت یہ ہے کہ تم کافروں کی گردنوں میں زنجیریں ڈال ڈال کر انھیں قید کیے لاتے ہو یہاں تک کہ ان کے دلوں میں اسلام کی حقانیت سما جاتی ہے اور وہ مسلمان ہو جاتے ہیں۔ (بخاری شریف)

## خوف کی حالت میں اپنا ایمان پوشیدہ رکھنا درست ہے

(۴۱۰) حذیفہ روایت کرتے ہیں کہ (ایک غزوہ میں) ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے آپ نے ارشاد فرمایا مجھے شمار کر کے کلمہ گو لوگوں کی تعداد بتاؤ۔ یہ کہتے ہیں کہ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ کو ہمارے متعلق کچھ اندیشہ ہے حالانکہ اس وقت ہم چھ سات سو کے درمیان ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نہیں جانتے شاید

(۴۱۰) نووی کہتے ہیں کہ لفظ الست مائة نحوی قاعدہ کے لحاظ سے صحیح نہیں ہے لیکن مسلم کے علاوہ دوسری کتب میں بھی لفظ ستا یہ الف لام کے بغیر بھی روایت کیا گیا ہے یہ بالکل بے غبار ہے۔ دوسرا اشکال اس روایت میں لشکر کی تعداد کے مطابق ہے۔ امام بخاری کے یہاں ڈیڑھ ہزار کی تعداد مذکور ہے۔ شارحین نے اس کی مختلف توجیہات بیان کی ہیں مگر ان میں کوئی تشفی بخش نہیں ہے۔ حضرت استاد کے نزدیک جو اختلافات ذیل قصے میں پیدا ہو جائیں اگر ان سے کوئی حکم شرعی مستنبط نہیں ہوتا تو ان کے فیصلے کے درپے ہونا محنت کی دوسری ہے۔ ہاں اگر صرف تاریخی لحاظ سے کوئی شخص اس طرف توجہ کرنا چاہے تو کر سکتا ہے۔

یہاں ہماری غرض صرف یہ ہے کہ خوف و ہراس کی زندگی میں اس امر کی اجازت ہے کہ اسلام احکام چھپ کر

إِنَّكُمْ لَا تَدْرُوْنَ لَعَلَّكُمْ أَنْ تُبْتَلَوْا قَالَ فَابْتُلِيْنَا حَتّٰى جَعَلَ الرَّجُلُ مِنَّا لَا يُصَلِّيْ إِلَّا سِرًّا (رواه مسلم والبخاری)

(۲۱۱) عَنْ سَعِيْدِ بْنِ جُبَيْرٍ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً فِيْهَا الْمِقْدَادُ بْنُ الْأَسْوَدِ فَلَمَّا أَتَوُا الْقَوْمَ وَجَدُوْهُمْ قَدْ تَفَرَّقُوْا وَبَقِيَ رَجُلٌ لَهُ مَالٌ كَثِيْرٌ لَمْ يَبْرَحْ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَهْوٰى إِلَيْهِ الْمِقْدَادُ فَقَتَلَهُ فَقَالَ لَهُ رَجُلٌ مِنْ أَصْحَابِهِ أَقَتَلْتَ رَجُلًا شَهِدَ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَاللّٰهِ لَأَذْكُرَنَّ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا قَدِمُوْا عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ رَجُلًا

(آئندہ) تم کسی آزمائش میں ڈالے جاؤ۔ حذیفہ کہتے ہیں کہ ایسا ہی ہوا اور نوبت یہاں تک آگئی کہ ہم میں ایک شخص کو نماز بھی چھپ چھپ کر پڑھنی پڑی (مسلم۔ بخاری)

(۲۱۱) سعید بن جبیرؓ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا ایک مختصر دستہ (ایک کافر جماعت کی طرف) روانہ کیا۔ اس میں مقداد بن الاسود بھی شامل تھے۔ جب وہ دستہ ان کے پاس پہنچا تو وہ (پہلے ہی) ادھر ادھر بھاگ چکے تھے صرف ایک شخص جو بڑا مال دار تھا اپنی جگہ باقی رہ گیا تھا، وہ اپنی جگہ سے کہیں نہ گیا تھا اس نے (انھیں دیکھکر) کہا میں گواہی دیتا ہوں کہ خدا کوئی نہیں مگر ایک اللہ مقدادؓ اس کے باوجود اس کی طرف بڑھے اور اس کو مار ڈالا ان کے رفقاء میں ایک شخص نے کہا آپ نے اس شخص کو

ادا کرلے سمجھائیں۔ مگر یہ مرحلہ زیر بحث رہے گا کہ اس اخفاء کی اجازت کن حالات میں دیجا سکتی ہے۔ ایک بزدل کو اپنی زندگی ہر جگہ اور ہر وقت خوف و ہراس کی زندگی نظر آتی ہے۔ اسلامی احکام میں ایسے بزدلوں کی رعایت نہیں کی جاسکتی جیسا کمان بہادروں کو بھی معیار نہیں بنایا جاسکتا جن کے سامنے عاقبت اندیشی سے پہلے جانبازی کی منزل آجاتی ہے وہ خوف و ہراس کے میدانوں کو سکون و اطمینان کی آرام گاہیں تصور کرلیتے ہیں ایک عالمگیر مذہب کو جوش اور ہوش دونوں کی تعلیم دینی چاہیے اس لئے مصلحت کے وقت اسلام نے اخفاء ایمان کی بھی اجازت دیدی ہے۔ حتی کہ بصورتِ اکراہ دبی زبان سے کلمۂ کفر ادا کرنے کی بھی رخصت دیدی گئی ہے بشرطیکہ دل اندر سے مطمئن رہے۔ اگرچہ افضل اب بھی یہی ہے کہ اپنی جان قربان کردے اور کلمۂ کفر زبان سے ادا نہ کرے ؎

دی کس خوشی سے جان تہِ تیغ دلبر نے
لب پہ تبسم اور نظر یار کی طرف

یہ یاد رکھنا چاہیے کہ اخفاء ایمان اور اظہار کفر میں زمین و آسمان کا فرق ہے۔ اخفاء ایمان کا یہ مطلب نہیں کہ کلمات کفر زبان سے نکالے اور اعمال کفر کر ڈالے بلکہ مطلب یہ ہے کہ جو احکام اسلام وہ امن کی حالت میں کھلم کھلا ادا کیا کرتا تھا اب حالت خوف میں وہ چھپ کر ادا کرسکتا ہے اس سے کفر کے افعال ادا کرنے کی رخصت سمجھ لینا سخت مہلک غلطی ہے

شَهِدَ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَقَتَلَهُ الْمِقْدَادُ فَقَالَ اُدْعُوْا لِي الْمِقْدَادَ يَا مِقْدَادُ اَقَتَلْتَ رَجُلًا يَقُوْلُ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ فَكَيْفَ لَكَ بِلَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ غَدًا فَاَنْزَلَ اللّٰهُ يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اِذَا ضَرَبْتُمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ فَتَبَيَّنُوْا وَلَا تَقُوْلُوْا لِمَنْ اَلْقٰى اِلَيْكُمُ السَّلَامَ لَسْتَ مُؤْمِنًا تَبْتَغُوْنَ عَرَضَ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا فَعِنْدَ اللّٰهِ مَغَانِمُ كَثِيْرَةٌ كَذٰلِكَ كُنْتُمْ مِّنْ قَبْلُ فَمَنَّ اللّٰهُ عَلَيْكُمْ فَتَبَيَّنُوْا۔ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمِقْدَادِ كَانَ رَجُلٌ مُّؤْمِنٌ يُخْفِيْ اِيْمَانَهُ مَعَ قَوْمٍ كُفَّارٍ فَاَظْهَرَ اِيْمَانَهُ فَقَتَلْتَهُ وَكَذٰلِكَ كُنْتَ تُخْفِيْ اِيْمَانَكَ بِمَكَّةَ (رواه البزار وروی اخره البخاری تعليقا)

## يصح الاسلام باخص افعال الاسلام وان لم يتلفظ بشئ

(۴۱۲) عَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً اِلٰى خَثْعَمَ فَاعْتَصَمَ نَاسٌ مِّنْهُمْ بِالسُّجُوْدِ فَاَسْرَعَ فِيْهِمُ الْقَتْلَ فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

جس نے لا الٰہ الا اللہ کہدیا تھا کیسے قتل کر دیا۔ بخدا یہ بات میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے کہہ کر رہوں گا۔ جب یہ لوگ آپ کی خدمت میں آئے تو انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ ایک شخص نے لا الٰہ الا اللہ کی شہادت دیدی تھی اس کے باوجود مقدادؓ نے اس کو قتل کر ڈالا۔ آپ نے فرمایا مقداد کو میرے سامنے بلاؤ (مقداد آئے تو آپ نے فرمایا) مقداد! کیا تم نے اس شخص کو بھی قتل کر ڈالا جس نے لا الٰہ الا اللہ کہدیا تھا (بولو) قیامت میں اس کلمہ کا کیا جواب دوگے اس واقعہ پر اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ اے ایمان والو جب کہیں سفر کے لئے جایا کرو تو خوب تحقیق کر لیا کرو اور جب کوئی شخص تم کو سلام کرے تو یہ مت کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں۔ کیا تم دنیا کی دولت چاہتے ہو تو سن لو کہ اللہ تعالیٰ کے یہاں بہت سی غنیمتیں ہیں تم بھی پہلے ایسے ہی تھے تو اللہ تعالیٰ نے تم پر احسان کیا اس لئے آئندہ تحقیق کر لیا کرو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مقدادؓ سے کہا۔ ایک مومن شخص تھا جو کافروں میں اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھا، اس نے اپنا ایمان ظاہر کیا تو تم نے اسے قتل کر دیا۔ آخر تم بھی تو جب مکہ مکرمہ میں تھے تو اسی طرح اپنا ایمان چھپائے ہوئے تھے۔ (بزار)

## اگر کافر کوئی اسلامی شعار ادا کر کے اپنا مسلمان ہونا ظاہر کر دے تو اس کا اسلام معتبر ہو جائیگا خواہ منہ سے کچھ نہ کہے

(۴۱۲) جریر بن عبد اللہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فوج کا ایک چھوٹا سا دستہ قبیلہ خثعم کی سمت روانہ کیا۔ ان میں سے کچھ لوگوں نے سجدہ میں گر کر اپنی جان بچانی چاہی (لشکر اسلام نے

فَاَمَرَ لَهُمْ بِنِصْفِ الْعَقْلِ وَقَالَ اَنَا بَرِئٌ مِنْ كُلِّ مُسْلِمٍ مُقِيْمٍ بَيْنَ اَظْهُرِ الْمُشْرِكِيْنَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ لِمَ قَالَ لَا تَتَرَاأٰى نَارَاهُمَا۔ (رواہ ابوداؤد)

اس کی پرواہ نہ کی) اور کسی تاخیر کے بغیر ان کو قتل کر ڈالا جب یہ واقعہ آپ کو معلوم ہوا تو آپ نے ان کی نصف دیت ادا کرنے کا حکم دیا اور فرمایا میں ہر ایسے مسلمان سے بری الذمہ ہوں جو مشرکین کی جماعت میں گھس کر رہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ کیوں؟ فرمایا دونوں کو اتنے فاصلہ پر رہنا چاہئے کہ ایک کو دوسرے کی آگ کی روشنی نظر نہ آئے۔ (ابوداؤد)

(۲۱۴) اسلام قبول کرنے کی پہلی برکت یہ ہے کہ اس کی حلقہ بگوشی کے بعد ہی جان و مال دونوں کی عصمت فوراً نصیب ہو جاتی ہے فقہا کے نزدیک اس عصمت کی دو قسمیں ہیں، عصمت مؤثمہ اور عصمت مقومہ۔ جس کے ازالہ سے صرف گناہ ہو اس کو عصمت مؤثمہ کہتے ہیں اور جس کے ازالہ سے دیت لازم ہو اس کا نام عصمت مقومہ ہے۔ پہلی عصمت اسلام قبول کرنے سے حاصل ہوتی ہے اور دوسری دار الاسلام کی سکونت سے۔ اس لحاظ سے اگر ایک مسلمان دار الحرب میں رہتا ہے تو اس کو عصمت مؤثمہ تو حاصل ہے مگر عصمت مقومہ حاصل نہیں ہے اگر کوئی مسلمان دار الحرب میں قتل کر دیا جائے تو اس کے قاتل کو صرف گناہ ہوگا مگر اس پر دیت لازم نہ آسکے گی لیکن با ایں ہمہ چونکہ یہاں معاملہ مسلمانوں کی ایک جماعت کا تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ پسند نہیں فرمایا کہ مسلمانوں کی ایک جماعت کا خون یونہی رائیگاں چلا جائے اور نصف دیت ادا کرنے کا حکم صادر فرما دیا۔ اور آئندہ کے لئے یہ اعلان کر دیا کہ پوری پوری عصمت اسی وقت حاصل ہوگی جبکہ اسلام لانے کے ساتھ سکونت بھی دار الاسلام کی اختیار کر لی جائے۔ اس حدیث سے یہ بھی ثابت ہوتا ہے کہ دار الحرب کی سکونت مسلمان کے لئے موزوں نہیں۔ لیکن واضح رہے کہ دار الاسلام کی طرف ہجرت کا سوال اسی وقت پیدا ہو سکتا ہے جبکہ کسی خطہ پر دار الاسلام کا وجود بھی ہو اور اس کی طرف ہجرت کرنا ممکن بھی ہو لیکن اگر بدنصیبی سے صفحہ ہستی پر دار الاسلام کا وجود ہی نہ رہے یا مسلمانوں کی مسلسل غفلت کی وجہ سے دار الحرب میں ان کی تعداد اتنی زیادہ ہو جائے کہ دار الاسلام میں ان کی کھپت کا امکان ہی نہ ہو تو اب ہجرت کا سوال ہی باقی نہیں رہتا۔ ان حالات میں مسلمانوں پر فرض ہوگا کہ وہ اپنے ہی ماحول میں رہ کر ایسی فضا پیدا کرنے کی سعی میں لگے رہیں جس میں آئین اسلام پر عمل کرنے کی انہیں پوری آزادی حاصل ہو جائے اور جب تک آئین اسلام پر عمل کرنے میں کوئی ادنیٰ رکاوٹ باقی رہے اس وقت تک راحت کی نیند نہ لیں۔ مسلمانوں کی تعداد کی زیادتی کے ساتھ ساتھ یہ ذمہ داری بھی اور بڑھتی جائے گی منتشر افراد و اشخاص یا مختصر جماعتیں تو "مستضعفین فی الارض" (ملک میں کمزور اور بے بس) ہونے کا عذر کر سکتی ہیں لیکن مقتدر اور بڑی بڑی جماعتوں کے لئے یہ عذر کرنا بھی غلط ہے اس لئے ان کا ایک ہی نصب العین ہو جانا چاہئے کہ وہ ایک مقہور زندگی کو نکل کر ایسی زندگی کے لئے سعی کریں جس میں احکام اسلام پر عمل پیرا ہونے کی انہیں پوری پوری آزادی حاصل ہو جائے، یہ مقصد اگر دفعۃً حاصل نہ ہو سکے تو بالاقساط سہی لیکن اس سے قبل کسی ناتمام اور ادھوری آزادی پر قناعت کر کے بیٹھ رہنا ناقابل عفو جرم ہوگا جس کی پاداش بھگتنا ہوگی۔ یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ کفار سے دور دور رہنے کا جو حکم بیان دیا گیا ہے وہ صرف اسی لئے ہے کہ اسلامی معاشرت کفر کے اثرات سے متاثر نہ ہو۔ یہ خطرہ اسی مقام پر پیدا ہو سکتا ہے جہاں اسلام کو اقتدار و طاقت حاصل نہ ہو، جہاں اسلام کو شوکت و طاقت حاصل ہو وہاں عقلی اور نفسیاتی کسی لحاظ سے بھی تاثر کا سوال ہی نہیں ہوتا۔ حدیث مذکور میں لا ترااای ناراہما کا نعرہ ایسے ہی ماحول میں ارشاد فرمایا گیا تھا (باقی بر صفحۂ آئندہ)

(۱۳) عن ابن عباس قال مرّ رجل من بني سليم بنفر من أصحاب النبي صلی اللہ علیہ وسلم يرعى غنمًا له فسلّم عليهم فقالوا لا يسلم علينا إلا ليتعوذ منا فعمدوا إليه فقتلوه وأتوا بغنمه النبي صلى الله عليه وسلم فنزلت هذه الآية يا أيها الذين آمنوا (رواه احمد والترمذي في التفسير قال حسن صحيح)

## لم يكره النبي صلی اللہ علیہ وسلم احدًا على الاسلام

(۱۴) عن جابر أنه غزا مع النبي صلى الله عليه وسلم قبل نجد فلما قفل رسول الله صلى الله عليه وسلم قفل معه فادركتهم القائلة في واد كثير العضاه فنزل رسول الله صلی اللہ علیہ وسلم

---

(۱۳) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ بنی سلیم کا ایک آدمی اپنی بکریاں چراتا ہوا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کی ایک جماعت کے پاس سے گذرا اس نے سلام کیا تو وہ کہنے لگے کہ یہ صرف اپنی جان بچانے کی خاطر سلام کر رہا ہے پھر اس کی طرف بڑھے اور اس کو قتل کر دیا اور اس کی بکریاں لیکر آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اس پر یہ آیت اتر آئی، اے وہ لوگو جو ایمان لا چکے ہو اگر کوئی شخص تم کو سلام کرے تو یہ ہرگز نہ کہا کرو کہ تو مسلمان نہیں ہو۔ (احمد۔ ترمذی)۔

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کو اسلام لانے کے لئے مجبور نہیں کیا

(۱۴) جابر بیان کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ نجد کی طرف غزوہ کرنے کیلئے گئے، جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم واپس ہوئے تو آپ کے ہمراہ یہ بھی واپس ہو گئے اور دوپہر کے وقت ایک ایسی

---

جہاں مسلمان مقہوری کی زندگی بسر کر رہے تھے بس معاشرتی اور معاشی بود کا حکم اسی جگہ ہے جہاں کفر کا اقتدار ہو۔ کوئی شبہ نہیں کہ ایسی فضا میں گھسکر رہنا اسلامی اسپرٹ کو فنا کر دینے کے مرادف ہے اس لئے اگر علیحدہ ہونے کی طاقت نہ ہو تو کم از کم اس زندگی کی کراہت سے کسی وقت قلب خالی نہ رہنا چاہئے اور صرف کراہت ہی نہیں بلکہ عملاً اس سے نجات کا راستہ تلاش کرنا بھی زندگی کا نصب العین بنانا چاہئے۔

(۱۳) نماز اور باہم ملاقات کے وقت لفظ السلام علیکم اسلام کا شعار ہے۔ مذکورہ بالا ہر دو حدیثوں میں ان اشخاص نے اپنے اسلام کا ثبوت اسلام کا لفظ صریح طور پر ادا کرنے کی بجائے اس کے شعائر کو ادا کر کے پیش کرنا چاہا تھا مگر ابتدا عہد میں مسائل کی پوری واقفیت نہ تھی اس لئے اس کو ناکافی سمجھا گیا یہاں تک کہ قرآن و حدیث نے بتایا کہ جس طرح اسلام پر جبر واکراہ کرنا صحیح نہیں اسی طرح کسی کے اسلام میں بے سبب شک و شبہ پیدا کرنا بھی صحیح نہیں۔ تم مسلمان ہونے کیلئے کو مجبور مت کرو اور اگر کوئی شخص از خود مسلمان ہوتا ہے تو بے وجہ اس کے اسلام کو شک کی نظر سے بھی نہ دیکھو گویا اسلام

وَتَفَرَّقَ النَّاسُ يَسْتَظِلُّوْنَ بِالشَّجَرِ فَنَزَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَحْتَ سَمُرَةٍ فَعَلَّقَ بِهَا سَيْفَهُ وَنِمْنَا نَوْمَةً فَإِذَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْعُوْنَا وَإِذَا عِنْدَهُ أَعْرَابِيٌّ فَقَالَ إِنَّ هٰذَا اخْتَرَطَ عَلَيَّ سَيْفِيْ وَأَنَا نَائِمٌ فَاسْتَيْقَظْتُ وَهُوَ فِيْ يَدِهِ صَلْتًا قَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ فَقُلْتُ اللّٰهُ ثَلَاثًا وَلَمْ يُعَاقِبْهُ وَجَلَسَ متفق عليه ۔ وفی رواية ابی بکر الاسمعيلی فی صحيحه فَقَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ قَالَ اللّٰهُ فَسَقَطَ السَّيْفُ مِنْ يَدِهٖ فَأَخَذَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عليه وسلم السَّيْفَ فَقَالَ مَنْ يَمْنَعُكَ مِنِّيْ فَقَالَ كُنْ خَيْرَ اٰخِذٍ فَقَالَ تَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنِّيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ قَالَ لَا وَلٰكِنِّيْ اُعَاهِدُكَ عَلٰى اَنْ لَّا اُقَاتِلَكَ وَلَا اَكُوْنَ مَعَ قَوْمٍ يُقَاتِلُوْنَكَ فَخَلّٰى

وادی میں جا پہنچے جہاں بہت سی خاردار جھاڑیاں تھیں آپ وہاں اتر پڑے اور لوگ بھی درختوں کے سایہ کی تلاش میں ادھر ادھر منتشر ہو گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ایک کیکر کے درخت کے نیچے فروکش ہو گئے اور اپنی تلوار ایک درخت پر لٹکا دی۔ ابھی ہماری آنکھ ذرا لگی ہو گی کہ ہم کیا دیکھتے ہیں کہ آپ ہمیں بلا رہے ہیں اور ایک گنوار شخص آپ کے پاس موجود ہے آپ نے فرمایا میں سو رہا تھا اس شخص نے میری تلوار میرے قتل کے ارادہ سے کھینچ لی اتفاقاً میں بیدار ہو گیا دیکھا تو تلوار اس کے ہاتھ میں کھنچی ہوئی موجود تھی۔ اس نے کہا (بولو) اب تم کو مجھ سے کون بچا سکتا ہے میں نے کہا اللہ۔ تین بار فرمایا۔ اس کے بعد آپ بیٹھ گئے اور آپ نے اس سے کوئی انتقام نہیں لیا۔ (متفق علیہ) ابوبکر اسمٰعیلی نے اپنی صحیح میں اس واقعہ کو یوں روایت کیا ہے جب اس نے کہا تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا تو میں نے کہا اللہ (یہ جواب سنکر ہیبت کے مارے) اس کے ہاتھ سے تلوار گر گئی اور اس تلوار کو آپ نے اٹھا لیا اور فرمایا بول اب تجھ کو مجھ سے کون بچائے گا وہ بولا تلوار پر قبضہ کرنے والوں میں افضل آپ ہی بن جائیے۔ آپ نے فرمایا اچھا کیا گواہی دے گا کہ معبود کوئی نہیں مگر ایک اللہ اور میں اللہ کا رسول ہوں۔ اس نے کہا نہیں، ہاں یہ عہد کرتا ہوں کہ آئندہ نہ کبھی خود آپ سے جنگ کرونگا

معاملہ میں کسی پہلو سے بھی شریعت نے تشدد پسند نہیں کیا کوئی اسلام لاتا ہے تو بسر و چشم اسے قبول کر لو اور نہیں لاتا تو اس کی مرضی پر چھوڑ دو۔ کیا اس سے بڑھ کر آزادیٔ رائے کا کوئی اور مفہوم ہو سکتا ہے؟۔

(۱۴۳) امام بخاریؒ نے غزوہ بنی المصطلق سے قبل اس روایت کو ذکر کیا ہے اور اس شخص کا نام غورث بن الحارث نقل کیا ہے۔ قسطلانی واقدی کی نقل سے لکھتے ہیں کہ یہ شخص اگرچہ اس وقت مسلمان ہونے سے انکار کر گیا تھا لیکن اپنی قوم کے پاس واپس جا کر مسلمان ہو گیا تھا اور اس کی وجہ سے ایک اور بڑی جماعت بھی مشرف باسلام ہو گئی تھی۔ یہ بات قابل غور ہے کہ اگر اسلام میں اکراہ جائز ہوتا تو آپ کو اس سے زیادہ اکراہ کرنے کا اور کونسا موقع بہم پہنچ سکتا تھا جبکہ دشمن کی تلوار آپ کے ہاتھ میں آ گئی ہو اس پر اقدام قتل کی دفعہ بھی عائد ہو چکی ہو، وہ تنہا ہو اور آپ کے ساتھ صحابہ کی ایک جماعت ہو

سَبِيلَهُ فَاتَى اَصْحَابَهُ فَقَالَ جِئْتُكُمْ مِنْ عِنْدِ خَيْرِ النَّاسِ۔ (هٰكذا فى كتاب العيد وفى الرياض مشكوٰة)

(۲۱۵) عَنْ اَبِي رَافِعٍ قَالَ بَعَثَنِي قُرَيْشٌ اِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا رَأَيْتُ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُلْقِيَ فِي قَلْبِي الْاِسْلَامُ فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنِّي وَاللّٰهِ لَا اَرْجِعُ اِلَيْهِمْ اَبَدًا قَالَ اِنِّي لَا اَخِيسُ بِالْعَهْدِ وَلَا اَحْبِسُ الْبُرُدَ وَلٰكِنْ اِرْجِعْ فَاِنْ كَانَ فِي نَفْسِكَ الَّذِي فِي نَفْسِكَ الْاٰنَ فَارْجِعْ قَالَ فَذَهَبْتُ ثُمَّ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صلى الله عليه وسلم فَاَسْلَمْتُ۔ (رواه ابوداؤد)

اور نہ ایسے لوگوں کا ساتھ دوں گا جو آپ سے جنگ کریں گے آپ نے اس کو چھوڑ دیا وہ اپنے ہمراہیوں کے پاس آیا اور کہا کہ میں ایک ایسے شخص کے پاس سے آرہا ہوں جو انسانوں میں سب سے بہتر انسان ہے۔ (کتاب الحمیدی۔ الریاض)

(۲۱۵) ابو رافع بیان کرتے ہیں کہ قریش نے مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس بھیجا جب میں نے آپ کے روئے انور پر نظر ڈالی تو اسی ساعت میرے قلب میں اسلام کی صداقت سما گئی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اب تو میں ان کے پاس واپس نہیں جاؤں گا۔ آپ نے فرمایا میں عہد کے معاملہ میں دغل فصل نہیں کروں گا اور نہ ان کے قاصد کو اپنے پاس روکوں گا لہذا اب تو تم واپس چلے جاؤ ہاں اگر یہاں سے جاکر بھی تمہارے دل میں یہی بات باقی رہے جواب ہے تو پھر لوٹ آنا۔ وہ کہتے ہیں میں گیا اور آپ کی خدمت میں واپس آکر مسلمان ہو گیا۔ (ابوداؤد)

لیکن اس تمام اقتدار کے باوجود خدا کا رسول صرف اس کے سامنے اسلام کی تبلیغ تو کر دیتا ہے مگر اس کے صاف انکار کر دینے پر بھی کوئی باز پرس نہیں کرتا اور اس سے بڑھ کر یہ کہ اس کے اقدام قتل پر نہ کوئی سزا دیتا ہے نہ اس کا انتقام لیتا ہے ادھر یہ امر بھی قابل غور ہے کہ عرب کی فطرت اگر کسی کا جبر و تشدد برداشت کر سکتی تو اس سے زیادہ بے بسی کا وقت کس پر اور کون سا آسکتا تھا مگر یہاں بھی اس اعرابی کی درشت فطرت نے اس کیلئے بھی اسے آمادہ نہ کیا کہ وہ صرف زبانی طور پر ہی اسلام کا اقرار کر لیتا۔ پس آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سیرت اور قوم کے حالات دونوں اس بات کے شاہد عدل ہیں کہ اسلام کے لئے کبھی اکراہ نہیں کیا گیا اور اگر کیا بھی جاتا تو ہرگز کارگر نہ ہوتا۔ پس اسلام پر ایک زبردست افتراء ہے کہ اسلام جبر و اکراہ سے پھیلا ہے۔

(۲۱۵) دیکھئے یہاں کس طرح ایک شخص اسلام لانے کے لئے مضطرب ہے مگر آپ بدعہدی کے ذرا سے شبہ سے اسکو واپس فرما دیتے ہیں اور دوبارہ غور و خوض کرنے کا مشورہ دیتے ہیں جہاں آزادیٔ رائے کا عالم یہ ہو وہاں بھلا اکراہ کا کیا تصور کیا جا سکتا ہے اس قسم کے واقعات سے یہ بداہۃً ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نہ شمشیر کی طاقت سے پھیلا ہے نہ دلائل کی طاقت سے بلکہ ہمیشہ صاحب وحی کے متواتر صداقت اور ان وجدانی قرآن کے وجہ سے پھیلا ہے جو قلوب میں پہاڑوں سے زیادہ مستحکم طور پر خود بخود جم جاتے تھے قرآن کریم نے آپ کے اس اضطراب کو جو کفار کے اسلام کے متعلق آپ کے سینہ میں موجزن تھا ناگواری کے انداز میں اکراہ کی تعبیر فرمایا ہے افانت تکرہ الناس حتی یکونوا مومنین۔ تو کیا آپ لوگوں پر اتنی زبردستی کریں گے یہاں تک کہ وہ مسلمان ہی ہو جائیں یعنی ان کے اسلام کے متعلق آپ کا اضطراب و شوق اس حد پر بڑھنا چاہئے کہ یوں معلوم ہونے لگے کہ گویا آپ ان کو زبردستی مسلمان بنا لینا چاہتے ہیں۔ اس سے اندازہ لگانا چاہئے کہ قرآن میں تبدیل مذہب کے لئے کبھی اکراہ کا حکم نہیں دیا گیا بلکہ صاف لفظوں میں لا اکراہ فی الدین فرمایا گیا ہے۔ ہاں کسی صداقت کو قبول کرنے کی ترغیب دینا اور بات ہے وہ اکل جداگانہ بات ہے۔

(۴۱۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ بَعَثَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْلًا قِبَلَ نَجْدٍ فَجَاءَتْ بِرَجُلٍ مِنْ بَنِي حَنِيفَةَ يُقَالُ لَهُ ثُمَامَةُ بْنُ أُثَالٍ فَرَبَطُوهُ بِسَارِيَةٍ مِنْ سَوَارِي الْمَسْجِدِ فَخَرَجَ إِلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي خَيْرٌ يَا مُحَمَّدُ إِنْ تَقْتُلْنِي تَقْتُلْ ذَا دَمٍ وَإِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ وَإِنْ كُنْتَ تُرِيدُ الْمَالَ فَسَلْ مِنْهُ مَا شِئْتَ فَتَرَكَهُ حَتَّى كَانَ الْغَدُ ثُمَّ قَالَ لَهُ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ قَالَ عِنْدِي مَا قُلْتُ لَكَ إِنْ تُنْعِمْ تُنْعِمْ عَلَى شَاكِرٍ فَتَرَكَهُ حَتَّى كَانَ بَعْدَ الْغَدِ فَقَالَ مَا عِنْدَكَ يَا ثُمَامَةُ فَقَالَ عِنْدِي مَا قُلْتُ لَكَ فَقَالَ أَطْلِقُوا ثُمَامَةَ فَانْطَلَقَ إِلَى نَخْلٍ قَرِيبٍ مِنَ الْمَسْجِدِ فَاغْتَسَلَ فَدَخَلَ الْمَسْجِدَ فَقَالَ أَشْهَدُ أَنْ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ وَأَنَّ مُحَمَّدًا رَسُولُ اللهِ يَا مُحَمَّدُ مَا كَانَ عَلَى الْأَرْضِ وَجْهٌ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ وَجْهِكَ

(۴۱۶) ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نجد کی جانب سواروں کا ایک دستہ روانہ کیا وہ بنی حنیفہ کا ایک شخص گرفتار کر کے لے آیا جس کو ثمامہ کہا جاتا تھا اور مسجد کے ستونوں میں ایک ستون سے اس کو باندھ دیا آپ اس کے پاس تشریف لائے اور فرمایا کہو ثمامہ کیا خیال ہے اس نے کہا ٹھیک ہے اے محمدؐ اگر مجھے قتل کرو گے تو یاد رکھو ایسے شخص کو قتل کرو گے جو (گرا پڑا نہیں) اپنی قوم کا سوار ہے (اس کے خون کا بدلہ لیا جائیگا) اور اگر احسان کرو گے تو ایسے شخص پر احسان کرو گے جو احسان فراموش نہیں، اگر تم کو مال درکار ہو تو بولو کیا چاہتے ہو آپ اس دن اس کو اسی حالت میں چھوڑ کر تشریف لے گئے پھر دوسرے دن تشریف لائے اور فرمایا ثمامہ بولو اب کیا خیال ہے اس نے کہا میرا خیال اب بھی وہی ہے جو پہلے ظاہر کر چکا ہوں، اگر احسان کرو گے تو ایسے شخص پر احسان کرو گے جو ہمیشہ تمہارا شکر گزار رہے گا۔ آپ پھر اسی طرح اسے چھوڑ کر تشریف لے گئے یہاں تک کہ جب کل کے بعد پھر تشریف لائے اور اس سے پوچھا کہو ثمامہ کیا خیال ہے تو اس نے کہا وہی بات ہے جو پہلے کہہ چکا ہوں آپ نے فرمایا ثمامہ کو کھول دو۔ قید سے رہا ہو کر وہ مسجد کے قریب ایک کھجور کے باغ میں گئے غسل کیا اور کلمہ شہادت پڑھا اشہد ان لا الٰہ الا اللہ وان محمدا رسول اللہ اے محمدؐ روئے زمین میں آپ کے چہرہ سے زیادہ مبغوض چہرہ میرے نزدیک کوئی اور نہ تھا لیکن آج وہ مجھے سب

(۴۱۶) علماء نے لکھا ہے کہ ثمامہ کا پہلے دن ان تقتل تقتل ذا دم (اگر آپ قتل کریں گے تو یاد رکھئے یہ ایک سردار کا قتل ہوگا کسی معمولی شخص کا نہیں) کا فقرہ کہنا اور دوسرے دن ان تنعم تنعم علی شاکر سے (اگر آپ احسان کریں گے تو کسی احسان فراموش پر نہیں بلکہ شکر گذار پر احسان کریں گے) اپنی گفتگو کی ابتداء کرنی بڑی بلاغت پر مبنی تھی۔ پہلے دن ان کو یہ یقین ہو چکا تھا کہ اب ان کی جان بخشی نہیں جائے گی۔ لیکن جب انھوں نے آپ کے عفو و کرم کا سماں دیکھا تو

فَقَدْ أَصْبَحَ وَجْهُكَ أَحَبَّ الْوُجُوهِ إِلَيَّ وَاللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ دِينٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ دِينِكَ فَأَصْبَحَ دِينُكَ أَحَبَّ الدِّينِ إِلَيَّ وَاللّٰهِ مَا كَانَ مِنْ بَلَدٍ أَبْغَضَ إِلَيَّ مِنْ بَلَدِكَ فَأَصْبَحَ بَلَدُكَ أَحَبَّ الْبِلَادِ إِلَيَّ وَإِنَّ خَيْلَكَ أَخَذَتْنِي وَأَنَا أُرِيدُ الْعُمْرَةَ فَمَاذَا تَرَى فَبَشَّرَهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَأَمَرَهُ أَنْ يَعْتَمِرَ فَلَمَّا قَدِمَ مَكَّةَ قَالَ لَهُ قَائِلٌ صَبَوْتَ قَالَ لَا وَلَكِنْ أَسْلَمْتُ مَعَ مُحَمَّدٍ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَلَا وَاللّٰهِ لَا تَأْتِيكُمْ مِنَ الْيَمَامَةِ حَبَّةُ حِنْطَةٍ حَتَّى يَأْذَنَ فِيهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔

چہروں میں سب سے زیادہ محبوب ہوگیا ہے۔ خدا کی قسم پہلے مجھے تمام دینوں میں آپ کے دین سے زیادہ مبغوض کوئی اور دین نہ تھا اور آج مجھے سب میں پیارا دین آپ ہی کا دین ہے۔ خدا کی قسم مجھے تمام شہروں میں آپ کے شہر سے زیادہ کوئی شہر مبغوض نہ تھا لیکن آج سب شہروں میں عزیز تر شہر آپ ہی کا شہر ہوگیا ہے۔ (غرض یہی) کہ آپ کے فوجی دستے نے مجھے گرفتار کر لیا تھا میں اس وقت عمرہ کرنے کے لئے جا رہا تھا فرمائیے مجھے اب کیا کرنا چاہئے۔ آپ نے ان کو اسلام پر بشارت دی اور فرمایا کہ عمرہ ادا کرلیں جب یہ مکہ پہنچے تو کسی نے کہا اپنے دین سے پھر گیا، انھوں نے جواب دیا دین سے۔ پھرنا کیا ہوتا ہے میں خدا کے رسول پر ایمان لایا ہوں قسم ہے خدا کی جب تک آپ اجازت نہ دیں گے اب تمہارے پاس یمامہ سے گیہوں کا ایک دانہ بھی نہیں آسکیگا۔

انھیں یہ امید لگ گئی کہ اگر وہ رحم کی کوئی درخواست پیش کریں گے تو وہ ضرور منظور ہو جائے گی اس لئے دوسرے دن انھوں نے آپ کے احسان اعادۂ شکر گزاری کے مضمون سے اپنی گفتگو کا آغاز کرنا مناسب سمجھا۔ شارحین نے لکھا ہے کہ جب ثمامہ سے پوچھا گیا کہ تم نے اسیری کی حالت ہی میں اپنے اسلام کا اعلان کیوں نہ کر دیا تھا تو انھوں نے یہ جواب دیا کہ اس حالت میں میرا اسلام قبول کرنا میری بزدلی اور پست ہمتی کا عنوان بن جاتا اس لئے میں نے اپنی آزادی کے بعد اپنے اسلام کا اعلان کیا تاکہ معلوم ہو جائے کہ میرا اسلام کسی کے جبر و اکراہ یا کسی سے خوف کی بنا پر نہیں تھا۔ جہاں طبیعت کا یہ زور موجود ہو وہاں تلوار کا زور بھلا کیا کارآمد ہو سکتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی چند لمحات کی صحبت بھی کیا کیا اثر تھی کہ ادھر آپ نے کھڑے کھڑے ثمامہ سے چند کلمات کہے ادھر اس کے باطن میں وہ انقلاب برپا ہوگیا کہ جو سینہ ابھی ابھی آپ کی عداوت سے لبریز تھا وہ آپ کی محبت سے معمور ہوگیا اور ایسا معمور ہوا کہ آپ کی ذات مبارک ہی نہیں بلکہ آپ کا دین حتی کہ آپ کا وطن بھی تمام وطنوں سے زیادہ محبوب بن گیا۔ یہاں کوئی شمشیر کھنچ رہی تھی نہ دلائل کا زور تھا صرف آپ کی نیم صحبت کا ایک دریا تھا جو کفر و شرک کے بڑے بڑے پتھروں کو اپنے ریلے میں بہائے لئے جا رہا تھا۔

---

(۷۱۴) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ أَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ جَالِسٌ فِي الْمَسْجِدِ فَقَالَ الْقَوْمُ هٰذَا عَدِيٌّ وَكُنْتُ جِئْتُ بِغَيْرِ أَمَانٍ وَلَا كِتَابٍ فَلَمَّا دُفِعْتُ إِلَيْهِ أَخَذَ بِيَدِي وَقَدْ كَانَ بَلَغَنِي أَنَّهُ كَانَ قَالَ إِنِّي لَأَرْجُوْ أَنْ يَجْعَلَ اللّٰهُ يَدَهُ فِي يَدِي قَالَ فَقَامَ لِي قَالَ فَلَقِيَتْهُ امْرَأَةٌ مَعَهَا صَبِيٌّ فَقَالَا إِنَّ لَنَا إِلَيْكَ حَاجَةً فَقَامَ مَعَهُمَا حَتّٰى قَضٰى حَاجَتَهُمَا ثُمَّ أَخَذَ بِيَدِي حَتّٰى أَتٰى دَارَهُ فَأَلْقَتْ لَهُ الْوَلِيْدَةُ وِسَادَةً فَجَلَسَ عَلَيْهَا وَجَلَسْتُ بَيْنَ يَدَيْهِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَأَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ لِي يَا عَدِيُّ مَا يُفِرُّكَ مِنَ الْإِسْلَامِ أَنْ تَقُوْلَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ فَهَلْ تَعْلَمُ مِنْ إِلٰهٍ سِوَى اللّٰهِ قُلْتُ لَا ثُمَّ تَكَلَّمَ سَاعَةً ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا تَفِرُّ أَنْ تَقُوْلَ اللّٰهُ أَكْبَرُ فَهَلْ تَعْلَمُ شَيْئًا أَكْبَرَ مِنَ اللّٰهِ قُلْتُ لَا قَالَ فَإِنَّ الْيَهُوْدَ مَغْضُوْبٌ عَلَيْهِمْ وَالنَّصَارٰى ضُلَّالٌ قُلْتُ فَإِنِّي حَنِيْفٌ مُسْلِمٌ قَالَ فَرَأَيْتُ وَجْهَهُ تَبَسَّطَ فَرَحًا ثُمَّ أَمَرَ بِي

(۷۱۴) عدی بن حاتم بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اُس وقت آپ مسجد میں تشریف فرما تھے لوگوں نے (مجھے دیکھکر) کہا یہ عدی بن حاتم (آگیا) آپ کی خدمت میں میں اچانک آپہنچا تھا نہ پہلے امن کی کوئی درخواست پیش کی تھی اور نہ کوئی اور تحریر میرے ساتھ تھی بس یونہی حاضر ہو گیا تھا جب میں پکڑ کر آپ کی خدمت میں پیش کیا گیا تو آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا مجھے پہلے یہ بات پہنچ چکی تھی کہ آپ فرمایا کرتے تھے مجھے امید ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کا ہاتھ میرے ہاتھ میں دے گا۔ (یہ اُسی مشہور سخی کے لڑکے تھے) آنحضرت ان کے (اکرام) کے لئے کھڑے ہو گئے، اس اثنا میں ایک عورت اپنے ہمراہ ایک بچہ لئے ہوئے آگئی اور عرض کیا ہمیں آپ سے ایک ضروری بات کہنی ہے آپ ان کی بات سننے کے لئے ان کے ساتھ کھڑے ہو گئے اور ان کی ضرورت کو پورا کر کے پھر میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اپنے گھر تشریف لے آئے فوراً باندی نے ایک گدا بچھا دیا آپ اس پر بیٹھ گئے میں آپ کے سامنے بیٹھ گیا پھر آپ نے خدا تعالیٰ کی حمد و ثنا کے بعد مجھ سے فرمایا عدی؟ اسلام سے کیوں منکر ہو آخر لا الٰہ الا اللہ کا اقرار کیوں نہیں کرتے کیا تمہارے علم میں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی اور معبود ہے۔ میں نے عرض کیا نہیں تو پھر آپ نے تھوڑی دیر کچھ اور تلقین فرمائی اس کے بعد فرمایا کیا تم اس سے گریز کرتے ہو کہ اللہ اکبر کہو کیا تمہارے نزدیک اللہ تعالیٰ کی ذات سے کوئی اور بزرگ و برتر ذات ہے میں نے عرض کیا نہیں تو اس کے بعد آپ نے فرمایا (موجودہ ادیان میں) یہود تو قہر الٰہی کے مورد بن چکے ہیں اب رہ گئے نصاریٰ تو وہ پہلے درجہ کے گمراہ ہو چکے ہیں میں نے عرض کیا میں تو دینِ حنیف کا تابعدار بنتا ہوں۔ یہ بیان کرتے ہیں کہ اس پر میں نے دیکھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم

فَاُنْزِلْتُ عِنْدَ رَجُلٍ مِّنَ الْاَنْصَارِ فَجَعَلْتُ اَغْشَاهُ اَنْ يَّنْظُرَ فِي النَّهَارِ (رواہ الترمذی)

(۴۱۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاِسْلَامِ اَبِيْ ذَرٍّ قُلْنَا بَلٰى قَالَ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مِّنْ غِفَارٍ فَبَلَغَنَا اَنَّ رَجُلًا خَرَجَ بِمَكَّةَ يَزْعَمُ اَنَّهُ نَبِيٌّ فَقُلْتُ لِاَخِيْ اِنْطَلِقْ اِلٰى هٰذَا الرَّجُلِ وَكَلِّمْهُ وَائْتِنِيْ بِخَبَرِهِ وفی روایۃ قَالَ لَمَّا بَلَغَ اَبَا ذَرٍّ مَبْعَثُ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَخِيْهِ ارْكَبْ اِلٰى هٰذَا الْوَادِيْ فَاعْلَمْ لِيْ عِلْمَ هٰذَا الرَّجُلِ الَّذِيْ يَزْعُمُ اَنَّهُ نَبِيٌّ يَاْتِيْهِ الْخَبَرُ مِنَ السَّمَاءِ وَاسْمَعْ مِنْ قَوْلِهِ ثُمَّ ائْتِنِيْ فَانْطَلَقَ الْاَخُ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ وَسَمِعَ مِنْ قَوْلِهٖ ثُمَّ رَجَعَ اِلٰى اَبِيْ ذَرٍّ فَقَالَ لَهُ رَاَيْتُهُ يَاْمُرُ بِمَكَارِمِ الْاَخْلَاقِ وَكَلَامًا مَا هُوَ بِالشِّعْرِ فَقَالَ مَا شَفَيْتَنِيْ مِمَّا اَرَدْتُ فَتَزَوَّدَ وَحَمَلَ شَنَّةً لَهُ فِيْهَا مَاءٌ حَتّٰى قَدِمَ مَكَّةَ فَاَتَى الْمَسْجِدَ فَالْتَمَسَ

کا چہرۂ مبارک خوشی کے مارے کھل گیا میرے متعلق حکم ہوا کہ میں ایک انصاری کے یہاں مہمان ٹھیرا دیا جاؤں (میں ان کے یہاں مقیم ہو گیا) اور صبح و شام میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوتا رہتا تھا۔ (ترمذی شریف)

(۴۱۸) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کیا میں تم کو ابوذرؓ کے اسلام کا قصہ نہ سناؤں ہم نے عرض کیا ضرور سنائیے۔ فرمایا کہ ابوذرؓ کہتے ہیں کہ میں قبیلہ غفار کا آدمی تھا مجھے یہ اطلاع ملی کہ ایک شخص مکہ مکرمہ میں ظاہر ہوا ہے اور اس کا یہ عقیدہ ہے کہ وہ نبی ہے میں نے اپنے بھائی سے کہا ذرا اس کے پاس جا کر بات چیت تو کرو اور اس کا کچھ بھید مجھے بتاؤ۔ دوسری روایت میں یہ واقعہ اس طور پر مذکور ہے کہ جب ابوذرؓ کو آنحضرتؐ کے دعوئ نبوت کی خبر پہنچی تو انھوں نے اپنے بھائی سے کہا اس وادی تہامہ کی طرف جا کر اس شخص کا کچھ بھید تو نکال کر لاؤ اس کا دعویٰ ہے کہ وہ نبی ہے اور اس کے پاس آسمان سے خبریں آتی ہیں۔ اس کی ذرا گفتگو بھی سنو پھر میرے پاس آؤ۔ ان کے بھائی مکہ مکرمہ کی طرف روانہ ہوگئے یہاں پہنچ کر آپ کی گفتگو سنی اور ابوذرؓ کے پاس واپس آکر بیان کیا میں نے تو ان کو عمدہ اخلاق کی تعلیم دیتے سنا ہے اور ان سے ایک ایسا کلام سنا ہے جو از قسم شعر نہیں۔ انھوں نے کہا تم نے میرے مطلب کی بات نہیں بتائی۔ اس کے بعد کچھ توشہ سنبھالا اور ایک پرانی مشک لی جس میں تھوڑا سا پانی تھا اور خود مکہ مکرمہ پہنچ گئے۔ مسجد حرام میں داخل ہو کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو تلاش کرنے لگے (مشکل یہ تھی) کہ نہ تو یہ آپ کو پہچانتے تھے اور نہ یہ چاہتے تھے کہ آپ کے متعلق کسی اور سے پوچھیں یہاں تک کہ کچھ اندھیرا ہو گیا یہ لیٹ رہے۔ حضرت علیؓ نے انھیں دیکھا اور سمجھ گئے کہ یہ کوئی مسافر آدمی معلوم ہوتے ہیں۔ جب انھوں نے دیکھا تو یہ ان کے پیچھے پیچھے ہو لئے مگر اس دن کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا جب صبح ہو گئی تو یہ اپنا توشہ اور مشک اٹھا کر پھر مسجد میں آگئے یہ دن بھی

النبي صلى الله عليه وسلم ولا يعرفه وكره أن يسأل عنه حتى أدركه بعض الليل فاضطجع
فرآه علي فعرف أنه غريب فلما رآه تبعه فلم يسأل واحد منهما صاحبه عن شيء حتى
أصبح ثم احتمل زاده وقربته إلى المسجد فظل ذلك اليوم ولا يرى النبي صلى الله عليه وسلم
حتى أمسى فعاد إلى مضجعه فمر به علي فقال أما نال للرجل أن يعلم منزله فأقامه فذهب
به معه ولا يسأل واحد منهما صاحبه عن شيء حتى إذا كان اليوم الثالث فعل مثل ذلك
فأقامه علي معه فقال له ألا تحدثني ما الذي أقدمك هذا البلد قال إن أعطيتني عهدا
وميثاقا لترشدني فعلت ففعل فأخبره فقال إنه حق وهو رسول الله صلى الله عليه وسلم
فإذا أصبحت فاتبعني فإني إن رأيت شيئا أخاف عليك قمت كأني أريق الماء فإن
مضيت فاتبعني حتى تدخل مدخلي ففعل فانطلق يقفوه حتى دخل على النبي صلى الله عليه وسلم
ودخل معه فسمع من قوله وأسلم مكانه فقال له النبي صلى الله عليه وسلم ارجع إلى
قومك فأخبرهم حتى يأتيك أمري وفي رواية اكتم هذا وارجع إلى بلدك فإذا بلغك
ظهورنا فأقبل فقال والذي نفسي بيده لأصرخن بها بين ظهرانيهم فخرج حتى

---

گذر گیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم انھیں نظر نہ آئے یہاں تک کہ شام کا وقت آگیا پھر یہ اپنی آرامگاہ پر
آگئے (آج) پھر حضرت علیؓ گذرے اور فرمایا کیا اب تک اس شخص کو اپنا ٹھکانا نہیں ملا اور اٹھا کر پھر انھیں اپنے
ہمراہ لے گئے مگر آج بھی کسی نے ایک دوسرے سے کچھ نہ پوچھا یہاں تک کہ تیسرا دن ہوگیا تو پھر یہی ہوا اور
حضرت علیؓ ان کو ہمراہ لے گئے اور ان سے کہا مجھے بتاؤ تو آخر اس شہر میں کیسے آنا ہوا انھوں نے کہا اگر آپ
مجھ سے اس بات کا پکا پکا عہد کریں کہ مجھے ٹھیک بات بتادیں گے تو میں ضرور اس راز کو کھول سکتا ہوں حضرت
علیؓ نے عہد کیا اس کے بعد ابوذرؓ نے جو واقعہ تھا بیان کر دیا حضرت علیؓ نے فرمایا بلاشبہ یہ شخص سچے اور اللہ تعالیٰ
کے رسول ہیں۔ اچھا تو جب صبح ہو تو تم میرے پیچھے پیچھے چلے آنا، جہاں مجھے تمہارے متعلق دشمنوں سے کوئی
خطرہ نظر آئے گا وہیں میں ایسے ٹھہر جاؤں گا جیسے کوئی پیشاب کرنے کے لئے ٹھہر جاتا ہے۔ اگر میں چلا آؤں تو
تم بھی میرے ساتھ ساتھ چلے آنا یہاں تک کہ جہاں میں داخل ہوں تم بھی داخل ہو جانا۔ انھوں نے ایسا ہی کیا
اور آپ کے پیچھے پیچھے ہولئے تا آنکہ حضرت علیؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آپہنچے یہ بھی ان کے پیچھے
پیچھے آگئے۔ آپ کا کلام سنا اور اسی جگہ حلقہ بگوش اسلام ہو گئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے فرمایا
بالفعل تو تم اپنی قوم کے پاس واپس چلے جاؤ اور انھیں بھی اس کی اطلاع کر دو اور وہاں ہی رہو یہاں تک کہ

اَتَی الْمَسْجِدَ فَنَادٰی بِاَعْلٰی صَوْتِہٖ اَشْھَدُ اَنْ لَّآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَاَشْھَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰہِ وَثَارَ الْقَوْمُ فَضَرَبُوْہُ حَتّٰی اَضْجَعُوْہُ وَاَتَی الْعَبَّاسُ فَاَکَبَّ عَلَیْہِ وَقَالَ وَیْلَکُمْ اَلَسْتُمْ تَعْلَمُوْنَ اَنَّہٗ مِنْ غِفَارٍ وَّاَنَّ طَرِیْقَ تُجَّارِکُمْ اِلَی الشَّامِ عَلَیْھِمْ فَاَنْقَذَہٗ مِنْھُمْ ثُمَّ عَادَ مِنَ الْغَدِ لِمِثْلِھَا وَثَارُوْا اِلَیْہِ فَضَرَبُوْہُ فَاَکَبَّ عَلَیْہِ الْعَبَّاسُ فَاَنْقَذَہٗ (رواہ البخاری)

(۴۱۹) عَنْ اَنَسٍ قَالَ سَمِعَ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ سَلَامٍ بِمَقْدَمِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ فِیْ اَرْضٍ یَّخْتَرِفُ فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ سَائِلُکَ عَنْ ثَلَاثٍ لَا یَعْلَمُھُنَّ اِلَّا نَبِیٌّ فَمَا اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ وَمَا اَوَّلُ طَعَامِ اَھْلِ الْجَنَّۃِ وَمَا یَنْزِعُ الْوَلَدُ اِلٰی اَبِیْہِ اَوْ اُمِّہٖ قَالَ اَخْبَرَنِیْ بِھِنَّ جِبْرَئِیْلُ اٰنِفًا اَمَّا اَوَّلُ اَشْرَاطِ السَّاعَۃِ فَنَارٌ تَحْشُرُ النَّاسَ مِنَ الْمَشْرِقِ اِلَی الْمَغْرِبِ وَاَمَّا اَوَّلُ طَعَامٍ یَّاْکُلُہٗ اَھْلُ الْجَنَّۃِ فَزِیَادَۃُ کَبِدِ حُوْتٍ

تم کو ہمارے عروج کی خبر ملے۔ دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے ابھی اپنا اسلام پوشیدہ رکھو اور اپنے وطن واپس چلے جاؤ۔ جب تم کو ہمارے غلبہ کی خبر ملے اس وقت پھر آجانا انھوں نے عرض کیا اس ذات کی قسم جس کے دستِ قدرت میں میری جان ہے۔ میں ان کے درمیان میں گھس کر اس کلمہ کو چیخ چیخ کر کہوں گا۔ یہ کہکر باہر نکلے اور مسجد میں آکر بآوازِ بلند کہا اشہد ان لا الہ الا اللہ و اشہد ان محمدا رسول اللہ۔ یہ سنتے ہی لوگ جوش میں بھر گئے اور ان کو اتنا مارا کہ زمین پر لٹا دیا۔ حضرت عباسؓ آگئے اور ان کے اوپر اوندھے گر گئے اور فرمایا کمبختو! تم کو خبر نہیں کہ یہ قبیلہ غفار کا آدمی ہے اور شام کی طرف تمہارے تاجروں کے جانے کا راستہ ان ہی کی طرف ہو کر جاتا ہے اور اس طرح ان کو بچا لیا۔ دوسرے دن پھر انھوں نے یہی حرکت کی اور پھر لوگ ان پر ٹوٹ پڑے اور ان کو خوب مارا اس دن پھر حضرت ابن عباسؓ ان کے اوپر الٹے لیٹ گئے اور ان کو پھر بچا لیا۔ (بخاری شریف)

(۴۱۹) حضرت انسؓ بیان کرتے ہیں کہ عبداللہ بن سلام نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے تشریف آوری کی جب خبر سنی تو اس وقت یہ اپنے باغ کے پھل توڑ رہے تھے یہ فوراً آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کی میں آپ سے تین باتیں دریافت کرتا ہوں جن کو نبی کے علاوہ اور کوئی نہیں جانتا۔ یہ بتائیے کہ علاماتِ قیامت میں سب سے پہلی علامت کیا ہے اور جنتیوں کا سب سے پہلا کھانا کیا ہوگا اور تیسری بات یہ کہ بچہ اپنے باپ یا ماں کے مشابہ کب ہوتا ہے۔ آپ نے فرمایا جبرئیل علیہ السلام نے ان کے جوابات مجھے ابھی بتائے ہیں (سنو) قیامت کی سب سے پہلی علامت تو ایک آگ ہوگی جو لوگوں کو مشرق سے مغرب کی سمت جمع کر کے لیجائے گی رہی جنتیوں کی پہلی ضیافت تو مچھلی کے جگر کے ایک ٹکڑے سے ہوگی اب رہا بچہ کا مشابہ ہونا تو اگر

وَاِذَا سَبَقَ مَاءُ الرَّجُلِ مَاءَ الْمَرْأَةِ نَزَعَ الْوَلَدَ وَاِذَا سَبَقَ مَاءُ الْمَرْأَةِ نَزَعَتْ قَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ۔ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ الْيَهُوْدَ قَوْمٌ بُهُتٌ وَاِنَّهُمْ اِنْ يَعْلَمُوْا بِاِسْلَامِيْ مِنْ قَبْلِ اَنْ تَسْأَلَهُمْ يَبْهَتُوْنِيْ فَجَاءَتِ الْيَهُوْدُ فَقَالَ اَيُّ رَجُلٍ عَبْدُ اللّٰهِ فِيْكُمْ قَالُوْا خَيْرُنَا وَابْنُ خَيْرِنَا وَسَيِّدُنَا وَابْنُ سَيِّدِنَا فَقَالَ اَرَأَيْتُمْ اِنْ اَسْلَمَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ سَلَامٍ قَالُوْا اَعَاذَهُ اللّٰهُ مِنْ ذٰلِكَ فَخَرَجَ عَبْدُ اللّٰهِ فَقَالَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَنَّ مُحَمَّدًا رَّسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالُوْا شَرُّنَا وَابْنُ شَرِّنَا فَانْتَقَصُوْهُ قَالَ هٰذَا الَّذِيْ كُنْتُ اَخَافُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ۔ (رواہ البخاری)

(۴۲۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ بِمَا اَعْرِفُ اَنَّكَ نَبِيٌّ قَالَ اِنْ دَعَوْتُ هٰذَا الْعِذْقَ مِنْ هٰذِهِ النَّخْلَةِ يَشْهَدُ اَنِّيْ

---

مرد کی منی غالب ہو تو اس کے مشابہ ہوتا ہے اور اگر عورت کی غالب ہو تو اس کے۔ یہ جوابات سن کر انھوں نے آپ کے رسول ہونے کی تصدیق کی اور کلمہ شہادت پڑھ لیا۔ اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد انک رسول اللہ۔ (اس کے بعد فرمایا) یا رسول اللہ یہود بڑی بہتان باندھنے والی قوم ہے۔ اگر آپ میرے متعلق ان کی رائے معلوم کرنے سے قبل میرے اسلام کا حال ان سے ذکر کردیں گے تو فوراً وہ مجھ پر کوئی نہ کوئی بہتان بنا دیں گے اس لئے پہلے آپ ان سے میرے متعلق دریافت فرمالیں) اس کے بعد جب یہود آئے تو آپ نے ان سے پوچھا تم میں عبداللہ بن سلام کیسے آدمی ہیں۔ انھوں نے کہا ہم سب میں بہتر اور ہمارے سب کے سردار۔ آپ نے فرمایا بتاؤ اگر وہ اسلام قبول کرلیں وہ بولے اللہ تعالیٰ ان کو ایسی بات سے محفوظ رکھے۔ اس کے بعد عبداللہ بن سلام باہر نکل آئے اور کلمہ شہادت پڑھ لیا (پھر کیا تھا) فوراً کہنے لگے یہ شخص ہم میں سب سے بدتر اور سب سے بدتروں کی اولاد ہے اس کے علاوہ اور قسم قسم کے عیب لگانے لگے۔ عبداللہ بن سلام نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ان کے اسی افتراپردازی کا ڈر تھا۔ (بخاری شریف)

(۴۲۰) ابن عباسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک دیہاتی شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور بولا، میں کیسے پہچانوں کہ آپ نبی ہیں آپ نے فرمایا کہ اگر میں کھجور کے اس خوشہ کو بلاؤں اور وہ آکر یہ گواہی دیدے کہ میں

---

(۴۲۰) بے علم طبیعتیں ہمیشہ اعجوبہ نمائیوں کی گرویدہ ہوتی ہیں۔ ان ہی کو معیار کمال تصور کرتی ہیں اور ان ہی کا اثر قبول کرتی ہیں اس لئے نباض فطرت نے اس کے سامنے اس کی فطرت کے مناسب ہی ایک جاذب اسلام نظارہ پیش کردیا تھا وہ مسلمان ہوکر جنت میں جا پہنچا اب آپ کو اختیار ہے کہ آپ اسی فلسفہ میں پھنسے رہئے کہ ایک غیر ذی روح کا متحرک ہوکر آہستہ آہستہ اترنا اور پھر واپس چلے جانا عقلاً ممکن بھی ہے یا نہیں۔ جی ہاں معجزات کے عالم میں یہ سب کچھ ممکن ہے۔

رَسُوْلُ اللّٰہِ فَدَعَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَجَعَلَ یَنْزِلُ مِنَ النَّخْلَۃِ حَتّٰی سَقَطَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ ارْجِعْ فَعَادَ فَاَسْلَمَ الْاَعْرَابِیُّ۔ (رواہ الترمذی وصححہ)

(۴۲۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ کُنَّا مَعَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَاَقْبَلَ اَعْرَابِیٌّ فَلَمَّا اَتٰی قَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَشْہَدُ اَنْ لَّا اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ وَحْدَہٗ لَا شَرِیْکَ لَہٗ وَاَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ قَالَ وَمَنْ یَّشْہَدُ عَلٰی مَا تَقُوْلُ قَالَ ھٰذِہِ السَّلَمَۃُ فَدَعَاھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَھُوَ بِشَاطِیِٔ الْوَادِیْ فَاَقْبَلَتْ تَخُدُّ الْاَرْضَ حَتّٰی قَامَتْ بَیْنَ یَدَیْہِ فَاسْتَشْہَدَھَا ثَلَاثًا فَشَہِدَتْ ثَلَاثًا اَنَّہٗ کَمَا قَالَ ثُمَّ رَجَعَتْ اِلٰی مَنْبَتِہَا۔ (رواہ الدارمی)

(۴۲۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ کُنْتُ اَدْعُوْ اُمِّیْ اِلَی الْاِسْلَامِ وَھِیَ کَارِھَۃٌ فَدَعَوْتُھَا یَوْمًا فَاَسْمَعَتْنِیْ فِیْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَکْرَہُ فَاَتَیْتُ

---

خدا کا رسول ہوں (تو بولنے لگا) آپ نے اس کو آواز دی، فوراً وہ اترنے لگا اور اترتے اترتے آپ کے سامنے آپڑا۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا واپس چلا جا، وہ چلا گیا۔ یہ دیکھ کر وہ دیہاتی مسلمان ہوگیا۔ (ترمذی)

(۴۲۱) ابن عمرؓ بیان فرماتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک سفر میں تھے ایک دیہاتی سامنے سے آتا نظر آیا جب وہ مجلس میں آپہنچا تو آپ نے فرمایا اس کی گواہی دے گا؟ کہ اللہ کے سوا معبود کوئی نہیں اور محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور رسول ہیں وہ بولا آپ کی اس بات پر کوئی اور بھی گواہی دے گا۔ آپ نے فرمایا جی ہاں، یہ کیکر کا درخت۔ وہ درخت وادی کے کنارہ پر کھڑا تھا آپ نے اس کو پکارا وہ زمین پھاڑتا ہوا آپ کے سامنے آکر کھڑا ہوگیا۔ آپ نے اس سے تین بار گواہی طلب کی اس نے تینوں بار یہ گواہی دی کہ جیسا آپ نے فرمایا، بات اسی طرح ہے اس کے بعد وہ جہاں کھڑا تھا وہیں واپس ہوگیا۔ (دارمی)

(۴۲۲) ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ میں اپنی والدہ کو دعوت اسلام دیتا اور وہ اس سے نفرت کرتی تھیں ایک دن کا قصہ ہے کہ میں نے ان کو اسلام کی دعوت دی تو انھوں نے آپ کی شان میں مجھے ایسی بات سنائی جو مجھے بہت ناگوار گذری۔ میں روتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کی، یا رسول اللہ! اب تو دعا فرما دیجئے کہ اللہ تعالیٰ ابوہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرما دے

رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِيْ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُدْعُ اللّٰهَ اَنْ يَّهْدِيَ اُمَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَقَالَ اللّٰهُمَّ اهْدِ اُمَّ اَبِيْ هُرَيْرَةَ فَخَرَجْتُ مُسْتَبْشِرًا بِدَعْوَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا صِرْتُ اِلَى الْبَابِ فَاِذَا هُوَ مُجَافٌ فَسَمِعَتْ اُمِّيْ خَشْفَ قَدَمَيَّ فَقَالَتْ مَكَانَكَ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ وَسَمِعْتُ خَضْخَضَةَ الْمَاءِ فَاغْتَسَلَتْ فَلَبِسَتْ دِرْعَهَا وَعَجِلَتْ عَنْ خِمَارِهَا فَفَتَحَتِ الْبَابَ ثُمَّ قَالَتْ يَا اَبَا هُرَيْرَةَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ فَرَجَعْتُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اَبْكِيْ مِنَ الْفَرَحِ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَقَالَ خَيْرًا۔ (رواہ مسلم)

(۴۲۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّ ضِمَادًا قَدِمَ مَكَّةَ وَكَانَ مِنْ اَزْدِ شَنُوْءَةَ وَكَانَ يَرْقِيْ مِنْ هٰذَا الرِّيْحِ فَسَمِعَ سُفَهَاءَ اَهْلِ مَكَّةَ يَقُوْلُوْنَ اِنَّ مُحَمَّدًا مَّجْنُوْنٌ فَقَالَ لَوْ اَنِّيْ رَاَيْتُ هٰذَا الرَّجُلَ لَعَلَّ اللّٰهَ يَشْفِيْهِ عَلٰى يَدَيَّ قَالَ فَلَقِيَهٗ فَقَالَ يَا مُحَمَّدُ اِنِّيْ اَرْقِيْ مِنْ هٰذَا الرِّيْحِ فَهَلْ لَّكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ

آپ نے دعا فرمائی اے اللہ ابوہریرہ کی والدہ کو ہدایت نصیب فرمادے میں آپ کی اس دعا پر ان کے اسلام کی بشارت لئے ہوئے باہر نکلا جب اپنے گھر کے دروازہ کے قریب آیا تو کیا دیکھتا ہوں کہ دروازہ بند ہے میری والدہ نے میرے پیروں کی آہٹ سنی اور کہا ابوہریرہ وہیں باہر رہنا۔ ادھر میں نے کچھ پانی گرنے کی آواز سنی میں ٹھیرا رہا، انھوں نے غسل فرمایا اپنا کرتا پہنا اور جلدی میں سر پر اوڑھنی ڈالنی رہ گئی اور فوراً دروازہ کھول کر کلمہ شہادت پڑھا۔ اشہدان لاالہ الا اللہ واشہدان محمداً عبدہ ورسولہٗ (راوی کہتا ہے کہ) میں ابھی ابھی غم کے آنسو بہاتا ہوا آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تھا (اب) خوشی کے آنسو بہاتا ہوا پھر آپ کی خدمت میں واپس پہنچا۔ آپ نے اس پر خدا کا شکر ادا کیا اور ان کے حق میں کلمات خیر فرمائے (مسلم)

(۴۲۳) ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ ضماد مکہ مکرمہ میں آئے یہ قبیلہ ازد شنوءۃ کے آدمی تھے اور جن وغیرہ کے اثرات کی جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے انھوں نے مکہ مکرمہ کے بیوقوفوں کو یہ کہتے سنا کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آسیب زدہ ہوگئے ہیں۔ یہ اپنے دل میں کہنے لگے کاش اگر میں بھی اس شخص کو دیکھ لیتا تو امید ہے کہ اللہ تعالیٰ میرے ہاتھ سے اس کو شفا دیدیتا۔ راوی کہتا ہے کہ یہ آپ سے ملا اور کہا اے محمد میں جنات کی جھاڑ پھونک کرتا ہوں آپ بھی چاہیں تو جھاڑ دوں۔ یہ سن کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ کلمات فرمائے تمام تعریفیں اللہ تعالیٰ کے لئے ہیں۔ ہم اس کی تعریف کرتے ہیں اور ہر معاملہ میں اسی

الحمد للہ نحمدہ ونستعینہ من یھدہ اللہ فلا مضل لہ ومن یضللہ فلا ھادی لہ واشھد ان لا الہ الا اللہ وحدہ لا شریک لہ واشھد ان محمدا عبدہ ورسولہ اما بعد فقال اعد علی کلماتک ھؤلاء فاعادھن علیہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ثلث مرات فقال لقد سمعت قول الکھنۃ وقول السحرۃ وقول الشعراء فما سمعت مثل کلماتک ھؤلاء ولقد بلغن قاموس البحر ھات یدک ابایعک علی الاسلام قال فبایعہ۔ (رواہ مسلم)

(۴۲۴) عن الحسن قال جاء راھبا نجران الی النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال لھما اسلما تسلما فقالا قد اسلمنا قبلک فقال النبی صلی اللہ علیہ وسلم کذبتما یمنعکما من الاسلام ثلاث سجودکما للصلیب وقولکما اتخذ اللہ ولدا وشربکما الخمر فقالا ما تقول فی عیسی علیہ السلام قال فسکت النبی صلی اللہ علیہ وسلم ونزل القراٰن ذلک نتلوہ علیک من الاٰیات والذکر الحکیم الی قولہ ابناءنا وابناءکم فدعاھما رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الی الملاعنۃ قال وجاء

---

مدد چاہتے ہیں جس کو اللہ تعالیٰ ہدایت فرما دے اس کا گمراہ کرنے والا کوئی نہیں اور جسے گمراہ کر دے اس کو ہدایت کرنے والا کوئی نہیں۔ میں اس بات کی گواہی دیتا ہوں کہ معبود کوئی نہیں مگر صرف ایک اللہ جس کا کوئی شریک نہیں اور اس بات کی بھی کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس کے بندہ اور اس کے رسول ہیں اما بعد (اس خطبہ کے سننے کے بعد ابھی آپ کچھ اور فرمانے نہ پائے تھے) کہ ضماد نے کہا مجھے ان کلمات کو پھر سنایئے آپ نے پھر سنا دیئے تین بار ایسا ہی ہوا وہ بولا میں نے کاہنوں کا قول سنا، جادوگروں کے منتر نے اور شاعروں کے اشعار بھی سنے لیکن آپ کے ان کلمات کی طرح کسی کا کلام نہیں سنا۔ خدا کی قسم یہ تو بحر معرفت کی گہرائی میں ڈوبے ہوئے ہیں۔ لایئے اپنا ہاتھ بڑھایئے میں آپ سے اسلام پر بیعت کرتا ہوں راوی کہتا ہے یہ کہہ کر آپ سے بیعت کر لی۔ (مسلم)

(۴۲۴) حسن روایت کرتے ہیں کہ نجران کے دو پادری آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے آپ نے ان سے فرمایا اسلام قبول کرلو سلامت رہوگے۔ انھوں نے کہا ہم آپ کے ظہور سے قبل ہی مسلمان ہیں آپ نے فرمایا جھوٹ بولتے ہو تمہارے مسلمان ہونے میں تین باتیں مانع ہیں۔ ایک یہ کہ تم صلیب کو پوجتے ہو، دوم یہ کہ تم کہتے ہو کہ اللہ تعالیٰ نے (عیسیٰ علیہ السلام کو) بیٹا

الْحَسَنُ وَالْحُسَيْنُ وَفَاطِمَةُ وَاَهْلُهُ وَوَلَدُهُ فَلَمَّا خَرَجَ مِنْ عِنْدِهٖ قَالَ اَحَدُهُمَا لِصَاحِبِهٖ اَقْرِرْ بِالْجِزْيَةِ وَلَا تُلَاعِنْهُ فَرَجَعَا فَقَالَا نُقِرُّ بِالْجِزْيَةِ وَلَا نُلَاعِنُكَ قَالَ فَاَقَرَّا بِالْجِزْيَةِ۔ (رواہ احمد)

## تاليف قلب من يخاف على ايمانه والنصرة له

(۴۲۵) عَنْ عَمْرِو بْنِ تَغْلِبَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِيَ بِمَالٍ اَوْ بِشَيْءٍ فَقَسَمَهُ فَاَعْطٰى رِجَالًا وَتَرَكَ رِجَالًا فَبَلَغَهُ اَنَّ الَّذِيْنَ تَرَكَ عَتَبُوْا فَحَمِدَ اللّٰهَ ثُمَّ اَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اَمَّا بَعْدُ فَوَاللّٰهِ اِنِّيْ اُعْطِى الرَّجُلَ وَاَدَعُ الرَّجُلَ وَالَّذِيْ اَدَعُ اَحَبُّ اِلَيَّ مِنَ الَّذِيْ اُعْطِيْ وَلٰكِنْ اُعْطِيْ اَقْوَامًا لِمَا اَرٰى فِيْ قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْجَزَعِ وَالْهَلَعِ

---

بنالیا ہے اور سور کھاتے ہو اور تم شراب پیتے ہو۔ انھوں نے کہا اچھا تو عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں آپ کیا عقیدہ رکھتے ہیں۔ راوی کہتا ہے کہ آپ خاموش ہو گئے (اور ان کے مناظرہ کے جواب میں قرآن کی حسب ذیل آیات نازل ہو گئیں) یہ جو کچھ ہم آپ کو پڑھ کر سنا رہے ہیں آیات الٰہی اور تحقیقی بیان ہے۔ . . . . (آپ کہدیجئے) آؤ بلائیں ہم اپنے بیٹے اور تم اپنے بیٹے۔ (آیت مباہلہ کے تلاوت فرمانے کے بعد) آپ نے ان دونوں پادریوں کو مباہلہ کرنے کیلئے بلالیا۔ راوی کہتا ہے کہ ادھر حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ اور حضرت فاطمہؓ اور آپ کے گھر کے لوگ آگئے۔ جب یہ آپ کی مجلس سے باہر آگئے تو ان میں سے ایک نے اپنے ساتھی سے کہا کہ بس جزیہ دینا قبول کر لو اور آپ سے مباہلہ منظور نہ کرو (کیونکہ یہ نبی برحق ہیں جو ان سے مباہلہ کرے گا برباد ہو کر رہیگا) یہ مشورہ کر کے انھوں نے کہا ہم آپ کو جزیہ دینا قبول کرتے ہیں اور آپ سے مباہلہ نہیں کرتے اور جزیہ دینا قبول کر لیا۔ (مسند احمد)

## ضعیف الایمان شخص کی دلجوئی اور مدد کرنی چاہیئے

(۴۲۵) عمرو بن تغلب سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس (کہیں سے) کچھ مال آیا آپ نے اس کو تقسیم کرنا شروع کر دیا۔ بہت سے لوگوں کو دیا اور بہت سے لوگوں کو نہ دیا۔ اس پر آپ کو یہ اطلاع ملی کہ جن کو آپ نے کچھ نہ دیا تھا ان کو یہ تفریق ناگوار گذری ہے۔ آپ نے خدا کی حمد و ثنا کے بعد ارشاد فرمایا خدا کی قسم بیشک میں کسی شخص کو مال دیتا ہوں اور کسی کو نہیں دیتا اور واقعہ یہ ہے کہ جس کو نہیں وہ مجھے اس سے زیادہ محبوب ہوتا ہے جس کو دیتا ہوں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ میں بعض لوگوں کو صرف

وَاَكِلُ اَقْوَامًا اِلٰى مَا جَعَلَ اللّٰهُ فِىْ قُلُوْبِهِمْ مِنَ الْغِنٰى وَالْخَيْرِ فِيْهِمْ عَمْرُو بْنُ تَغْلِبَ فَوَاللّٰهِ مَا اُحِبُّ اَنَّ لِىْ بِكَلِمَةِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حُمْرَ النَّعَمِ (رواہ البخاری)

(۴۲۶) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ جَمَعَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاسًا مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ اِنَّ قُرَيْشًا حَدِيْثُ عَهْدٍ بِجَاهِلِيَّةٍ وَمُصِيْبَةٍ وَاِنِّىْ اَرَدْتُ اَنْ اُجِيْزَهُمْ وَاَتَاَلَّفَهُمْ اَمَا تَرْضَوْنَ اَنْ يَرْجِعَ النَّاسُ بِالدُّنْيَا وَتَرْجِعُوْنَ بِرَسُوْلِ اللّٰهِ اِلٰى بُيُوْتِكُمْ قَالُوْا بَلٰى قَالَ لَوْ سَلَكَ النَّاسُ وَادِيًا وَسَلَكَتِ الْاَنْصَارُ شِعْبًا لَسَلَكْتُ وَادِىَ الْاَنْصَارِ اَوْ شِعْبَ الْاَنْصَارِ۔ (رواہ البخاری)

(۴۲۷) عَنْ اَنَسٍ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَعْطَاهُ غَنَمًا

اس لئے دیتا ہوں کہ . . . ان کے دلوں میں مال کے لئے بے چینی اور اضطراب کا احساس کرتا ہوں اور بعض کو اس بے نیازی اور نور ایمانی کی وجہ سے جو اللہ تعالیٰ نے ان کے دلوں میں ڈالدی ہے خدا تعالیٰ کے حوالہ کر دیتا ہوں . . . . . . . ان میں سے ایک شخص عمرو بن تغلب بھی ہیں۔ خدا کی قسم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس ایک کلمہ کے مقابلہ میں مجھے یہ تمنا نہیں کہ میرے پاس بہت سی سرخ اونٹ ہوتے۔

(۴۲۶) انسؓ کہتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے انصار کو جمع کیا اور فرمایا قریش ابھی تازہ تازہ مسلمان ہوئے ہیں اور فقر و فاقہ کی مصیبتیں جھیل چکے ہیں میں ان کی کچھ امداد کرنا چاہتا ہوں اور یہ چاہتا ہوں کہ ان کی دلجوئی کروں اور ان کو اسلام کے ساتھ ذرا مانوس کروں۔ کیا تم اس پر راضی نہیں کہ اور لوگ تو اپنے گھروں کو دنیا کا مال لیجائیں اور تم خدا کے رسول کو لیجاؤ۔ انصار بولے بیشک ہم اس پر راضی ہیں اس کے بعد آپ نے فرمایا اگر لوگ ایک راستہ پر جائیں اور انصار دوسرے راستہ پر تو میں اسی راستہ کو اختیار کروں گا جس پر انصار جائیں گے۔ (بخاری)

(۴۲۷) انس روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سوال کیا آپ نے

۱) صحیح بخاری میں موجود ہے کہ انصار کو آپ کا مہاجرین قریش کو مال دینا ناگوار نہ تھا بلکہ دراصل اس تقسیم نے ان میں جذبات رقابت ابھار دیئے تھے اور انھیں کچھ یہ وہم گذرنے لگا تھا کہ آپ کی شفقت و محبت کا پلہ بھی شاید کچھ ان کی جانب ہی جھک گیا ہے۔ اسی لئے جب ان کو یہ اطمینان حاصل ہو گیا کہ اگرچہ آپ کی داد و دہش کا ہاتھ قریش کی طرف جھک رہا ہے مگر آپ کے جذبات محبت درحقیقت ان ہی کی طرف مائل ہیں تو انھیں سرخ اونٹ جو عرب کا محبوب ترین مال تھا آپ کے اس ایک فقرہ کے بالمقابل ہیچ نظر آنے لگے۔

بَیْنَ جَبَلَیْنِ فَاَتٰی قَوْمَہٗ فَقَالَ اَسْلِمُوْا فَوَاللّٰہِ اِنَّ مُحَمَّدًا (صلی اللہ علیہ وسلم) لَیُعْطِیْ عَطَاءَ رَجُلٍ لَا یَخَافُ الْفَاقَۃَ وَاِنْ کَانَ الرَّجُلُ یَجِیْءُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یُرِیْدُ اِلَّا الدُّنْیَا فَمَا یُمْسِیْ حَتّٰی یَکُوْنَ دِیْنُہٗ اَحَبَّ اِلَیْہِ وَاَعَزَّ مِنَ الدُّنْیَا وَمَا فِیْھَا۔ (رواہ مسلم)

(۴۲۸) عَنْ سَعْدِ بْنِ وَقَّاصٍ قَالَ اَعْطٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ رَھْطًا وَاَنَا جَالِسٌ فَتَرَکَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْھُمْ رَجُلًا ھُوَ اَعْجَبُھُمْ اِلَیَّ فَقُمْتُ فَقُلْتُ مَالَکَ عَنْ فُلَانٍ وَاللّٰہِ اِنِّیْ لَاَرَاہُ مُؤْمِنًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

فوراً اس کو اتنی بکریاں بخشدیں جو ایک وادی کے درمیان بھری ہوئی تھیں وہ شخص اپنی قوم کے پاس آیا اور بولا اسلام قبول کرلو بخدا محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) اس شخص کی طرح مال لٹاتے ہیں جسے احتیاج کا کبھی خطرہ نہیں گذرتا۔ واقعہ یہ ہے کہ صبح کو آدمی آپ کی خدمت میں صرف طمع دنیا لیکر آتا اور شام نہ ہونے پائی کہ آپ کا دین اس کو دنیا و مافیہا سے زیادہ پیارا ہوجاتا تھا یا زیادہ معزز ہوجاتا تھا۔ (راوی کو شک ہی) (مسلم)

(۴۲۸) سعد بن وقاص بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بیٹھا ہوا ہوا تھا آپ نے چند لوگوں کو کچھ مال تقسیم کیا اور میرے نزدیک جو شخص ان سب میں زیادہ مستحق تھا اس کو کچھ نہ دیا۔ میں کھڑا ہوگیا اور میں نے پوچھا آپ نے فلاں آدمی کو بھلا کیوں نہیں دیا۔ خدا کی قسم میں تو اس کو

(۴۲۸) ابتداء اسلام میں نومسلم اور ضعیف الایمان افراد کی تالیفِ قلب کا بھی ایک دور گذر چکا ہے لیکن جو لوگ آپ کی پہلی ہی صحبت میں ایمان کا کیف حاصل کر چکے تھے یا بتدریج اس کی لذت سے آشنا ہوچکے تھے وہ اس قسم کی دلجوئیوں سے بہت بالاتر تھے ان کی استقامت و محبت کی آزمائش کے لئے یا تو دہکتے ہوئے پتھر تھے یا آبدار شمشیر۔ مال کی محبت درحقیقت آثار کفر کا ایک بقیہ ہے اور غناء و بے نیازی ایمان کے برکات کی ابتداء۔ ان واقعات سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اسلام نے جبر و اکراہ کی پالیسی کبھی اختیار نہیں کی بلکہ اس کے برعکس تالیفِ قلب اور دلجوئی سے کام لیا ہے حتی کہ اگر کسی نومسلم نے آپ سے مال کی کوئی طمع ظاہر کی ہے تو آپ نے اس کی خواہش بھی پوری فرمادی ہے اور اس کی اس پست حوصلگی کی اصلاح بھی انداز بے نیازی میں نہیں فرمائی ہر شخص کا مزاج یکساں نہیں ہوا کرتا۔ علمی دماغ اور بلند طبیعتیں گو ہر حقیقت کی جویاں ہوتی ہیں اور پست فطرتیں حسن سلوک اور ظاہری ہمدردی کا اثر زیادہ قبول کرتی ہیں یہاں نباض فطرت ہر ایک کے ساتھ معاملہ اس کی فطرت کے مناسب کیا کرتا تھا ؎

بہار عالم حسنش جہاں را تازہ می دارد  برنگ اصحاب صورت را بوار باب معنی را

بیچارے سعد کی رسائی ان دقیقہ سنجیوں تک نہ تھی اس لئے آپ نے ان کو سمجھا دیا کہ مال کی تقسیم کو میری محبت کی تقسیم کا معیار تصور کرنا غلط ہے یہاں آپ نے ان کی ایک اور بات کی بھی اصلاح فرمائی وہ یہ کہ انسان کو اپنے مقدار علم کے مطابق بات کہنی چاہئے۔ ایمان قلب کی ایک صفت ہے اور اسلام ظاہر کی کسی کے دل کا حال کسی کو کیا معلوم اس لئے ان کے لئے یہاں

أَوْ مُسْلِمًا ذَكَرَ ذَالِكَ سَعْدٌ ثَلَاثًا وَاَجَابَهٗ بِمِثْلِ ذٰلِكَ ثُمَّ قَالَ اِنِّیْ لَاُعْطِی الرَّجُلَ وَغَيْرُهٗ اَحَبُّ اِلَیَّ مِنْهُ خَشْيَةَ اَنْ يُّكَبَّ فِی النَّارِ عَلٰی وَجْهِهٖ. متفق عليه وفی طريق عند مسلم فساررته فقلت يارسول الله الخ

## الاعمال المرضية التی لابدان تنشعب من الاسلام انشعاب الاغصان من الشجرة منها اماطة الاذی عن الطريق وهی ادناها

(٤٢٩) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِيْمَانُ بِضْعٌ وَّسَبْعُوْنَ

پکا مومن سمجھتا ہوں آپ نے فرمایا مومن کہتے ہو یا صرف مسلمان سعد نے تین بار (لوٹا لوٹا کر) یہی کہا اور ہر بار آپ نے ان کو یہی ایک جواب دیا اس کے بعد فرمایا میں ایک شخص کو مال اس لئے دیتا ہوں حالانکہ اس سے زیادہ پیارا مجھے دوسرا شخص ہوتا ہے کہ کہیں وہ اوندھے منہ دوزخ میں نہ ڈالدیا جائے (متفق علیہ)

## وہ چیدہ چیدہ اعمال جن کا اسلام سے اس طرح پھوٹ پھوٹ کر نکلنا ضروری ہوتا ہے جس طرح سبز درخت سے شاخوں کا۔ ان میں ایک عمل راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کا ہٹا دینا بھی ہے اور یہی ان میں کا سب گھٹیا درجہ کا عمل ہے

(٤٢٩) ابوہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ایمان کی ستر یا ساٹھ سے

مومن کے بجائے مسلم کا لفظ استعمال کرنا مناسب تھا یہ ایک نوع کی گستاخی ہے کہ صاحب وحی کے سامنے کسی کے متعلق ایسے احکام لگا دیئے جائیں جن کا علم خدائے تعالیٰ کی اطلاع کے بغیر خود اس کو بھی نہیں ہوتا۔

(٤٢٩) حدیثوں میں بعض اعمال کو ارکان اور بعض کو شعبہائے اسلامی کہا گیا ہے۔ تعبیر کے اس اختلاف سے یہ نتیجہ نکالنا بعید نہیں ہے کہ اس کی غرض شاید ان اعمال کے مراتب میں تفاوت کی طرف اشارہ کرنا ہو جن کو ارکان قرار دیا گیا ہے ان کی حیثیت اسلام میں کچھ بلند ہو اور جن کو شعبہ کہا گیا ہے ان کی حیثیت صرف ایک شاخ کی سی ہے جس کے کٹنے سے اصل درخت کو چنداں نقصان نہیں پہنچتا۔ صرف اس کی ظاہری زیبائش ہی میں فرق پڑتا ہے لیکن جب اس طرف بھی نظر کی جاتی ہے کہ ان شعبوں میں ایسے ایسے اہم شعبے بھی شامل ہیں جن کو اسلام سے ارکان کا سا گہرا ربط ہے اور ان کا تعلق اسلام کے صرف ظاہر تک محدود نہیں بلکہ اس کی جڑ تک پہنچتا ہے تو پھر اس نکتہ طرازی میں کچھ شبہ گذرنے لگتا ہے۔

استاد قدس سرہ کی رائے یہ تھی کہ مذکورہ بالا لفظ کا مقصد نہ تو اسلام کی بساطت و ترکیب کے مسئلہ کی طرف اشارہ کرنا ہے اور نہ اعمال کے تفاوت مراتب کی طرف بلکہ ان دونوں سے ایک اور بلند حقیقت کی طرف اشارہ کرنا مقصود ہے اور وہ انسان کے ایمان کے حیات و موت کا معیار ہے یعنی درحقیقت ایمان صرف اس خشک تصدیق کا نام نہیں جس میں عمل صالح کی ایک شاخ بھی نہ پھوٹے بلکہ وہ اس تر و تازہ ایقان و اذعان کا نام ہے جس میں اعمالِ صالحہ کی بیشمار شاخیں سدا پھوٹتی رہیں، اس پر رنگ برنگ

أَوْ بِضْعٌ وَّسِتُّوْنَ شُعْبَةً فَأَفْضَلُهَا قَوْلُ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَأَدْنَاهَا إِمَاطَةُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ وَالْحَيَاءُ شُعْبَةٌ مِّنَ الْإِيْمَانِ (متفق علیہ)

کچھ زیادہ شاخیں ہیں (راوی کو صحیح عدد یاد نہیں رہا) سب سے افضل زبان سے کلمہ لا الٰہ الا اللہ کہنا (یعنی توحید الٰہی کا اقرار ہے) اور سب سے معمولی راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹا دینا اور شرم کرنا بھی اسلام میں ایک ضروری چیز ہے۔ (متفق علیہ)

کی عبادات کے پھول کھلیں اور ایسے ایسے نافع اعمال کی بہار آئے کہ رہ گذر سے ایک کانٹے کا ہٹا دینا ان میں ایک ادنیٰ ترین عمل شمار ہو۔ گویا انسان باہم ہمدردی اور غمخواری کا ایک ایسا پیکر بن جائے کہ اگر کسی کے پیر میں کانٹا بھی چبھے تو اس کی چبھن یہ اپنے قلب میں محسوس کرے۔ ایسا ایمان زندہ ایمان ہے لیکن جس ایمان میں عمل صالح کی ایک شاخ بھی نہ پھوٹے خدا کی مخلوق کے درد کا اس میں کوئی احساس نہ ہو اور باہم انس و محبت کی اس میں کوئی لہر نہ دوڑے وہ زندہ ایمان نہیں۔ مردہ ہے۔ قلبی تصدیق اور زبانی اقرار بلاشبہ ایمان کے سب سے بڑے رکن کہلاتے ہیں مگر یہ اسی وقت پر از حقیقت سمجھے جا سکتے ہیں جبکہ اعمال صالحہ کی شہادت ان کے ساتھ موجود ہو اور اسلام کا مقدس عہد بھی اسی وقت پورا کہا جا سکتا ہے جبکہ جوارح انسانی نیکی کے لئے مضطرب نظر آئیں اگر ایسا نہیں تو یہ اس امر کی دلیل ہوگی کہ قلبی تصدیق گو حاصل ہے مگر وہ کھوکھلی ہے اس میں حقیقت کی کوئی روح نہیں اور زبانی اقرار بھی گو موجود ہے مگر وہ بھی رسمی ہے اس میں بھی صداقت کی کوئی بو نہیں۔ خلاصہ یہ کہ شعبہائے اسلامی اس امر کی دلیل ہوتے ہیں کہ ایک مومن کا ایمان زندہ ہے یا اس کی روح نکل چکی ہے اور اسی حقیقت کی طرف اشارہ کرنے کے لئے یہاں شعبے کا لفظ استعمال کیا گیا ہے۔

اسی مضمون کو قرآن کریم نے ایک اور بلیغ انداز میں ادا کیا ہے مثل کلمۃ طیبۃ کشجرۃ طیبۃ اصلها ثابت و فرعها فی السماء تؤتی اکلها کل حین باذن ربها۔ آیۂ مذکورہ میں کلمہ طیبہ کو ایک درخت سے تشبیہ دی گئی ہے مگر اس درخت کو نہیں جس پر پھول و پھل کی کوئی رونق نہ ہو یا اس پر بہار آئے تو سال میں صرف ایک ہی بار آئے بلکہ اس درخت سے جو سدا بہار ہو اور اس پر کبھی خزاں نہ آئے وہ دوسرے درختوں کی طرح سال میں ایک ہی بار پھل نہ لائے بلکہ موسم کی قید سے آزاد ہو کر پھولوں اور پھلوں سے ہمیشہ لدا رہے۔ اب محدثین کو اختیار ہے کہ وہ اس مجموعہ کو ایمان کہیں یا اصل ایمان تصدیق کو قرار دیں اور اعمال صالحہ کو اس کے ثمرات شمار کریں۔

اس حدیث کی روشنی میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ شب و روز اپنے ایمان کا جائزہ لیا کرے اور یہ اندازہ لگایا کرے کہ اس کا ایمان اعمال صالحہ کا کتنا تقاضا کر رہا ہے اس میں نیکی کی کتنی شاخیں پھوٹ چکی ہیں اور کونسی شاخ ایسی ہے جس کا پھوٹنا ابھی باقی ہے۔ محدثین نے اس حدیث کو اتنی اہمیت دی ہے کہ شعبہائے اسلامی کو جمع کرنے کے لئے مستقل مستقل تصنیفیں تالیف کی ہیں ان میں امام بیہقی، ابو حاتم، ابو عبد اللہ حلیمی، شیخ عبد الجلیل اور اسحاق بن القرطبی جیسے اجلۂ محدثین بھی شامل ہیں۔ امام ابو حفص عمر القزوینی نے بیہقی کی تصنیف شعب الایمان کی تلخیص بھی کی ہے اور اس کا نام مختصر شعب الایمان رکھا ہے اس کتاب کی تالیف کے وقت شعب الایمان ہمارے پاس موجود نہ تھی اس لئے اس کی احادیث ہم نے صاحب مشکوٰۃ سے نقل کی ہیں اور جن کو اسلامی شعبوں میں زیادہ اہم سمجھا ہے ان میں سے بقدر وسعت چند کو اس جگہ درج کر دیا ہے۔

# سلامة المسلمین من اللسان والید

(۴۳۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ وَالْمُهَاجِرُ مَنْ هَجَرَ مَا نَهَى اللّٰهُ عَنْهُ رواه البخاری ومسلم وغیرهما وزاد

## کسی مسلمان کو اپنے ہاتھ اور زبان سے ایذا نہ دینا

(۴۳۰) عبد اللہ بن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے پورا مسلمان تو وہ ہے جس کی زبان اور ہاتھ کی ایذا سے تمام مسلمان محفوظ رہیں اور پکا مہاجر وہ ہے جو ان تمام باتوں کو چھوڑ دے جن سے اللہ تعالیٰ نے منع فرمایا ہے (بخاری و مسلم وغیرہما) ترمذی و نسائی نے اس حدیث میں اتنا

(۴۳۰) عرب کی قوم جو قرنوں سے قتل و غارت اور جنگ و بدامنی کی عادی چلی آئی تھی وہ ابھی تازہ تازہ اسلام میں داخل ہوئی ہے پیغمبر اسلام ان کی سرشت کا سب سے زیادہ نباض تھا وہ ان کو یہ بتا دینا چاہتا تھا کہ صرف ارکان اسلام ادا کر لینے اور چند مخصوص عقائد پر یقین کر لینے سے کوئی شخص مومن اور مسلم کے لقب کا مستحق نہیں ہو سکتا، اس کو یہ بھی ثابت کرنا ہوگا کہ اب پہلے کی طرح اس کی زندگی پیام موت نہیں رہی بلکہ سرتاسر مژدۂ سلامتی بن گئی ہے۔ امانت اور امن کی اس میں وہ روح پیدا ہوگئی ہے کہ قلوب میں اس کی طرف سے خوف و ہراس نکل چکا ہے۔ خدا کی مخلوق کو ہر معاملہ میں کیا جان اور کیا مال اس پر پورا پورا اعتماد حاصل ہو گیا ہے۔ یہ ہے وہ شخص جس کو اسلام مسلم اور مومن کا خطاب دیدیتا ہے اس اسلوب بیان میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جیسا ملکۂ شعر گوئی کے بغیر کوئی شخص شاعر اور علم کے بغیر عالم نہیں کہا جا سکتا ایسا ہی سلامتی و امن کا پیکر بنے بغیر کسی کو مسلم اور مومن نہیں کہا جا سکتا یہاں ہاتھ اور زبان کی تخصیص صرف اس لئے ہے کہ عام طور پر ایذا رسانی کے آلات یہی ہیں ورنہ اصل مقصد ترکِ ایذاء ہے خواہ وہ کسی ذریعہ سے بھی ہو۔ ان دو میں باہم فرق یہ ہے کہ ہاتھ کی ایذا کا تعلق صرف حاضر کے ساتھ ہوتا ہے اور زبانی ایذا کا حاضر و غائب دونوں کے ساتھ بلکہ اس میں زندہ اور مردہ کی بھی قید نہیں ہے۔ تیسرے جملے کا مطلب یہ ہے کہ ہجرت یعنی خدا کی راہ میں گھر، در سب چھوڑ دینا اگرچہ ایک بے نظیر قربانی ہے مگر کامل مذہب ابھی کاملین کو اور مکمل بنانا چاہتا ہے وہ یہ سمجھاتا ہے کہ ہجرت کی روح صرف ترکِ وطن اور مال و اولاد کے ترک سے بھی حاصل نہیں ہوتی بلکہ اس کا اصل مقصد کسی کی مزاحمت کے بغیر آزادی کے ساتھ خدا تعالیٰ کی عبادت کرنا اور اپنے نفس کو ان بری صحبتوں سے نکال لینا ہے جن کی مخالفت سے اقامت دین یا اس کی حدود کے تحفظ میں کبھی تہاون کا خطرہ پیدا ہو سکتا ہو پس اگر ایک شخص آبائی وطن ترک کرنے کے بعد اپنی مسافرت و غربت کے حال میں بھی وطن سے زیادہ ممنوعات شرعیہ کا خوگر بنا ہوا ہے تو اسلام کے نزدیک ابھی وہ اس لائق نہیں کہ اس کو "مہاجر" جیسا معزز لقب دیدیا جائے۔ اس اسلوب بیان میں حقیقی مہاجرین کو یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ وہ صرف ترک وطن کر کے مطمئن نہ ہو بیٹھیں اس لقب کی تکمیل ابھی ایک ایسی طویل ہجرت پر موقوف ہے جس کا سلسلہ تا زندگی ختم ہونے والا نہیں اور وہ یہ ہے کہ جس چیز سے اللہ تعالیٰ منع فرما چکا ہے اس کو ہمیشہ کے لئے ترک کر دیا جائے۔ اب ہجرت کی یہ وہ وسیع مملکت ہوگی جس کے لئے کوئی

الترمذی والنسائی والمؤمن من امنہ الناس علی دمائہم واموالہم۔

(۴۲۱) عن انس بن مالک قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من اذی مسلما فقد اذی اللہ۔ اخرجہ الطبرانی فی الاوسط۔ رمز السیوطی لحسنہ وفیہ موسی ابن خلف البصری العمی ضعفہ بعضہم ووثقہ بعضہم۔

(۴۲۲) عن ابی بکر الصدیق قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ملعون من ضار مؤمنا او مکر بہ رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب۔

(۴۲۳) عن ابی برزۃ قال قلت یا رسول اللہ دلنی علی عمل انتفع بہ قال اعزل الاذی عن طریق المسلمین۔ (رواہ ابن ماجہ)

---

اور اضافہ کیا ہے کہ کامل مومن وہ ہے جس کو لوگ اپنی جان ومال کے بارے میں امانت دار سمجھیں۔

(۴۲۱) انس بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مسلمان کو ستائے اس نے مجھے ستایا اور جس نے مجھے ستایا اس نے اللہ تعالیٰ کو ستانے کا ارادہ کیا۔ (طبرانی)

(۴۲۲) حضرت ابوبکر صدیق روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو کسی مسلمان کو نقصان پہنچائے یا اس کو فریب دے وہ ملعون ہے۔ (ترمذی)

(۴۲۳) ابوبرزہ سے روایت ہے کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کوئی ایسا عمل بتائیے جو مجھے نفع دے آپ نے فرمایا کہ مسلمانوں کے راستہ سے تکلیف دہ چیزوں کو ہٹا دیا کرو۔ (ابن ماجہ)

---

نہایت نہیں خوش دلی یا تنگ دلی سے بیٹھنے کا موقعہ نہیں ہے کامل سمجھ لے کہ ان صحرائے دراز اور وادیہائے پرخار کے طے کئے بغیر اس کا مکمل ہونا ممکن ہے اور مکمل ہوشیار ہوجائے کہ اسلام کی شاہراہ کمال ابھی اور بہت آگے ہے۔

ہر نقابے روئے جاناں را نقابے دیگر است ہر حجابے را کہ طے کردی حجابے دیگر است

(۴۲۲) یعنی ایک مسلمان کی ایذا رسانی صرف مخلوق کی ایذا رسانی نہیں سمجھی جاتی بلکہ وہ رسول کی ذات سے بھی گذر کر خدا تک جا پہنچتی ہے یہی حال اس کے ساتھ محبت کرنے کا بھی ہے۔ رسول کی ذات بھی کیسی بلند ہوتی ہے کہ اس کی ایذاء ومحبت خدائے تعالیٰ کے ایذاء ومحبت سے پکاری جاتی ہے۔ مسلمان جب اپنے رسول کا پورا پورا تبع ہوجاتا ہے تو پھر یہی نسبت اس کے اور رسول کے مابین قائم ہوجاتی ہے۔

(۴۲۳) غالباً یہاں سائل کا مقصد کسی ایسے امر کا سوال کرنا تھا جس کا کرنا اس کی قدرت میں ہو کیونکہ یہی نیک عمل کر کے نفع اٹھانے کی صورت ہو سکتی ہے نیک عمل خواہ کتنا ہی بہتر کیوں نہ ہو لیکن اگر اس پر عمل نہ ہو سکے تو وہ کس کام کا آپ نے اسکو ایسا آسان عمل بتا دیا جو اس سے بھی بسہولت ادا ہو جائے اور تمام دنیا کے لئے بھی سہولت کا موجب ہو۔

(۴۳۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ عَلِّمْنِیْ شَیْئًا لَعَلَّ اللّٰهَ اَنْ یَّنْفَعَنِیْ بِهٖ قَالَ اُنْظُرْ مَا یُؤْذِی النَّاسَ فَنَحِّهٖ عَنِ الطَّرِیْقِ. اخرجه ابن عساکر کما فی الجامع الکبیر۔

(۴۳۵) عَنْ اَبِیْ شَیْبَةَ قَالَ کَانَ مُعَاذُ بْنُ جَبَلٍ یَّمْشِیْ وَرَجُلٌ مَّعَهٗ فَرَفَعَ حَجَرًا مِّنَ الطَّرِیْقِ فَقُلْتُ مَا هٰذَا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ رَّفَعَ حَجَرًا عَنِ الطَّرِیْقِ کُتِبَ لَهٗ حَسَنَةٌ وَّمَنْ کَانَتْ لَهٗ حَسَنَةٌ دَخَلَ الْجَنَّةَ. اخرجه الطبرانی فی الکبیر قال الهیثمی رجاله ثقات۔

(۴۳۶) عَنْ مَعْقِلِ بْنِ یَسَارٍ قَالَ مُعَاوِیَةُ کُنْتُ مَعَ مَعْقِلٍ فِیْ بَعْضِ الطُّرُقَاتِ فَمَرَّ بِاَذًی فَاَمَاطَهٗ فَرَاَیْتُ مِثْلَهٗ فَنَحَّیْتُهٗ فَقَالَ مَا حَمَلَکَ عَلٰی ذٰلِکَ قُلْتُ رَاَیْتُکَ صَنَعْتَ فَصَنَعْتُ فَقَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ اَمَاطَ

---

(۴۳۴) ابوہریرہ روایت فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا مجھے کچھ سکھائیے، شاید اللہ تعالیٰ مجھے اس پر عمل کی توفیق بخشدے آپ نے فرمایا جو چیز لوگوں کے لئے تکلیف دہ ہو اس کا خیال رکھنا اور جہاں کہیں ایسی چیز دیکھنا اسے راستہ سے ایک طرف ڈال دینا۔ (جامع کبیر)

(۴۳۵) ابو شیبہ سے روایت ہے کہ معاذ بن جبل پیادہ پا جا رہے تھے ایک اور شخص بھی ان کے ساتھ ساتھ تھا (راستہ پر انھوں نے ایک پتھر پڑا ہوا دیکھا) تو فوراً اسے راستے سے ہٹا دیا میں نے عرض کیا کیا؟ انھوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اگر راستہ سے کوئی شخص پتھر ہٹائے تو اس کے نامۂ اعمال میں ایک نیکی لکھدی جاتی ہے اور جس کے پاس ایک نیکی بھی ہوگی وہ بھی جنت میں جائیگا۔ (طبرانی)

(۴۳۶) معاویہ کہتے ہیں کہ میں معقل بن یسار کے ساتھ کسی راستہ پر جا رہا تھا ان کا کسی ایسے پتھر وغیرہ پر گذر ہوا جو گذرنے والوں کیلئے باعث تکلیف تھا انھوں نے اس کو اٹھا کر پھینکدیا آگے چل کر میں نے بھی اسی قسم کا ایک پتھر دیکھا تو میں نے بھی اس کو ایک طرف ڈالدیا، انھوں نے مجھسے پوچھا تم نے ایسا کیوں کیا

---

(۴۳۶) اس روایت سے پہلی روایت کی شرح ہو گئی اور معلوم ہو گیا کہ مغفرت کے لئے صرف نیکی کرنا کافی نہیں اس کی قبولیت بھی شرط ہے اور کوئی شبہ نہیں کہ بعض مرتبہ معمولی سی نیکی ایسی بروقت ہوتی ہے کہ دریائے رحمت کو جوش میں لانے کیلئے وہی ایک چھوٹی سی نیکی کافی ہو جاتی ہے اور بحرِ عصیاں کے غریق کا بیڑا پار ہو جاتا ہے۔

اَذًى عَنْ طَرِيْقٍ كُتِبَ لَهُ حَسَنَةٌ وَمَنْ تُقُبِّلَتْ مِنْهُ حَسَنَةٌ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ اخرجہ البخاری فی الادب المفرد قال الهيثمی سنده حسن ورمز السیوطی لحسنه

(۴۳۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَرَّ رَجُلٌ بِغُصْنِ شَجَرَةٍ عَلٰى ظَهْرِ طَرِيْقٍ فَقَالَ لَاُنَحِّيَنَّ هٰذَا عَنْ طَرِيْقِ الْمُسْلِمِيْنَ لَا يُؤْذِيْهِمْ فَاُدْخِلَ الْجَنَّةَ۔ (متفق علیہ)

(۴۳۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ رَأَيْتُ رَجُلًا يَتَقَلَّبُ فِی الْجَنَّةِ فِیْ شَجَرَةٍ قَطَعَهَا مِنْ ظَهْرِ الطَّرِيْقِ كَانَتْ تُؤْذِی النَّاسَ۔ (رواہ مسلم)

(۴۳۹) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ سُلَامٰى مِنَ النَّاسِ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ كُلَّ يَوْمٍ تَطْلُعُ فِيْهِ الشَّمْسُ يَعْدِلُ بَيْنَ الْاِثْنَيْنِ صَدَقَةٌ وَيُعِيْنُ الرَّجُلَ عَلٰى دَابَّتِهٖ فَيَحْمِلُ عَلَيْهِ صَدَقَةٌ اَوْ يَرْفَعُ عَلَيْهَا مَتَاعَهٗ صَدَقَةٌ وَالْكَلِمَةُ

---

میں نے کہا آپ کو دیکھا تھا کہ آپ نے یہی عمل کیا تھا لہذا میں نے بھی آپ کے دیکھا دیکھی وہی عمل کیا ہے انھوں نے فرمایا میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو کسی راستہ سے کسی تکلیف دہ چیز کو ہٹادے تو اس کے حق میں ایک نیکی لکھی جاتی ہے اور جس کی ایک نیکی بھی قبول ہو جائے وہ بھی آخر کار جنت میں چلا جائیگا۔

(۴۳۷) ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک شخص کا کسی ایسے راستہ سے گذر ہوا جس پر درخت کی ایک شاخ پڑی ہوئی تھی۔ اس نے دل میں کہا کہ میں اس شاخ کو مسلمانوں کے راستہ سے ہٹادوں تاکہ ان کو تکلیف دے بس اتنی سی نیت کی بدولت وہ جنت میں داخل کردیا گیا (متفق علیہ)

(۴۳۸) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے ایک شخص کو دیکھا کہ وہ جنت میں صرف ایک درخت کی بدولت ٹہلتا ہوا پھر رہا ہے جو راستہ پر لوگوں کی تکلیف کا باعث بن رہا تھا اور اس نے اس کو کاٹ دیا تھا۔ (مسلم)

(۴۳۹) ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر روز جب آفتاب نکلتا ہے تو آدمی کے جسم میں جتنے جوڑ بند ہیں ان سب کی طرف سے اس پر ایک ایک صدقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے (وہ اس طرح ادا ہوتا رہتا ہے) دو شخصوں کے درمیان کسی معاملہ میں فیصلہ کرادیا یہ ایک صدقہ ہوگیا کسی سوار

---

(۴۳۹) سبحان اللہ! اگر خدائے تعالیٰ نے اپنے ضعیف بندوں پر بہت سے صدقات واجب فرمائے تھے تو ان کی ادائیگی کی سبیل بھی کتنی آسان نکالدی ہے یعنی اس کی ہر ہر حرکت وسکون کو ایک ایک صدقہ بنا دیا ہے اس میں یہ تعلیم

الطَّيِّبَةُ صَدَقَةٌ وَكُلُّ خَطْوَةٍ يَخْطُوهَا إِلَى الصَّلٰوةِ صَدَقَةٌ وَيُمِيطُ الْأَذٰى عَنِ الطَّرِيْقِ صَدَقَةٌ۔ (متفق علیہ)

(۴۰۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَجُلٌ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانَةَ تُذْکَرُ مِنْ کَثْرَةِ صَلَاتِهَا وَصِیَامِهَا وَصَدَقَتِهَا غَیْرَ اَنَّهَا تُؤْذِیْ جِیْرَانَهَا بِلِسَانِهَا قَالَ هِیَ فِی النَّارِ قَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَاِنَّ فُلَانَةَ تُذْکَرُ قِلَّةَ صِیَامِهَا وَصَدَقَتِهَا وَصَلٰوتِهَا وَاِنَّهَا تَصَدَّقُ بِالْاَثْوَارِ مِنَ الْاَقِطِ وَلَا تُؤْذِیْ بِلِسَانِهَا جِیْرَانَهَا قَالَ هِیَ فِی الْجَنَّةِ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان)

---

شخص کی کوئی مدد کردی اس کو سوار کردیا یہ صدقہ ہوگیا اس کا کچھ سامان نیچے سے اٹھا کر اسے پکڑا دیا یہ صدقہ ہوگیا۔ کوئی بھلی بات زبان سے نکالی یہ صدقہ ہوگیا، ہر قدم جو نماز کے لئے اٹھایا وہ صدقہ ہوگیا اور اگر راہ پر کوئی تکلیف دہ چیز پڑی دیکھی اور ہٹا دی وہ صدقہ ہوگئی۔ (متفق علیہ)

(۴۰۴) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ فلاں بی بی کی نماز روزے اور صدقہ وخیرات کرنے کی بڑی شہرت اڑرہی ہے مگر اس میں ایک عیب بھی ہے وہ یہ کہ اپنے ہمسایوں کو برا بھلا کہتی ہے فرمایا وہ دوزخ میں ہے پھر اس نے کہا یا رسول اللہ اور فلانی عورت کے متعلق یہ مشہور ہے کہ وہ روزے، نماز، اور صدقہ خیرات اس کثرت کے ساتھ تو ادا نہیں کرتی صرف پنیر کے چند ٹکڑے راہ خدا میں دیدیتی ہے لیکن اس میں ایک بڑا ہنر یہ ہے کہ اپنے پڑوسیوں کو اپنی زبان سے بھی کوئی تکلیف نہیں پہنچاتی فرمایا وہ جنت میں ہے۔ (احمد۔ بیہقی)

---

بھی مضمر ہے کہ انسان کو ایسا کامل ہوجانا چاہئے کہ اس کی حرکات وسکنات بہائم کی طرح نہ رہیں بلکہ ان میں تقرب الی اللہ کی وہ روح پیدا ہوجائے کہ اگر وہ غنی نہ ہو تو بھی محض اپنے اعمال کی بدولت بے شمار صدقات کے ثواب کا مالک بن سکے۔ اس امت میں بزرگی کا معیار غنا، وفقر نہیں انسان کے اعمال ہیں اور ان میں سب سے معمولی عمل یہ ہے کہ راہ پر کوئی تکلیف دہ چیز دیکھے تو اسے ہٹا دے۔

مباش در پے آزار خلق ہر چہ خواہی کن
کہ در شریعت ما غیر ازیں گناہے نیست

(۴۰۴) عام انسانوں کی نظروں میں جتنا اہتمام بدنی اور مالی عبادتوں کا ہوتا ہے اتنا معاملات اور حقوق العباد کا نہیں ہوتا۔ شریعت تنبیہ کرتی ہے کہ عبادت ایک بے نیاز کا حق ہے اور معاملات باہمی محتاج انسانوں کے حقوق اس لئے ان کا اہتمام زیادہ کرنا چاہئے۔ خدا کے فرائض کے بعد جو ان میں کوتاہی کرتا ہے اس کا معاملہ خطرہ میں ہے۔

(۴۴۱) وَعَنْهُ قَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَفَ عَلَى نَاسٍ جُلُوْسٍ فَقَالَ أَلَا أُخْبِرُكُمْ بِخَيْرِكُمْ مِنْ شَرِّكُمْ قَالَ فَسَكَتُوْا فَقَالَ ذٰلِكَ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ فَقَالَ رَجُلٌ بَلٰى يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَخْبِرْنَا بِخَيْرِنَا مِنْ شَرِّنَا فَقَالَ خَيْرُكُمْ مَنْ يُرْجٰى خَيْرُهُ وَيُؤْمَنُ شَرُّهُ وَشَرُّكُمْ مَنْ لَا يُرْجٰى خَيْرُهُ وَلَا يُؤْمَنُ شَرُّهُ. (رواه الترمذی والبیهقی فی شعب الایمان وقال الترمذی هذا حدیث حسن صحیح)

(۴۴۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خُلِقَ كُلُّ إِنْسَانٍ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ عَلٰى سِتِّيْنَ وَثَلَاثِمِائَةِ مِفْصَلٍ فَمَنْ كَبَّرَ اللّٰهَ وَحَمِدَ اللّٰهَ وَهَلَّلَ اللّٰهَ وَسَبَّحَ اللّٰهَ وَاسْتَغْفَرَ اللّٰهَ وَعَزَلَ حَجَرًا عَنْ طَرِيْقِ النَّاسِ أَوْ شَوْكَةً أَوْ عَظْمًا أَوْ أَمَرَ بِمَعْرُوْفٍ أَوْ نَهٰى عَنْ مُنْكَرٍ عَدَدَ تِلْكَ السِّتِّيْنَ وَالثَّلٰثِمِائَةِ فَإِنَّهُ

---

(۴۴۱) ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ صحابہ کرام بیٹھے ہوئے تھے آپ وہاں آکر کھڑے ہوگئے اور فرمایا بولو کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ تم میں برا شخص کون ہے اور بھلا کون۔ راوی کہتا ہے صحابہؓ اس پر خاموش ہوگئے (اور کسی نے کچھ جواب نہ دیا) تین بار آپ نے یہی فرمایا اس پر ایک شخص نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور بتائیے کہ ہم میں بھلا کون ہے اور برا کون۔ آپ نے فرمایا بھلا شخص تو وہ ہے جس کی جانب سے بھلائی کی امید کی جائے اور برائی کا کوئی خطرہ بھی نہ کیا جائے اور بدترین وہ ہے جس کی جانب سے بھلائی کی کوئی امید نہ ہو اور برائی کا ہر وقت خطرہ لگا رہے۔ (ترمذی، بیہقی)

(۴۴۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جتنے انسان ہیں ان سب کے جسم میں تین سو ساٹھ جوڑ بنائے گئے ہیں (ہر جوڑ کی طرف سے ایک صدقہ ادا کرنا واجب ہوتا ہے) تو جس نے اللہ اکبر کہا، یا الحمد للہ، یا لا الٰہ الا اللہ، یا سبحان اللہ، یا استغفر اللہ کہا یہ ایک ایک صدقہ شمار ہوجاتا ہے اسی طرح جس نے لوگوں کے راستہ سے کوئی پتھر ہٹادیا یا کانٹا یا کوئی ہڈی ہٹادی یا نیک بات کہدی یا بری بات سے روکدیا غرض اسی تین سو ساٹھ کے عدد کے مطابق یہ عمل کردیئے تو وہ اس دن

---

(۴۴۱) اس روایت نے بھی انسانوں میں خیر اور شر کی تقسیم صرف نماز اور روزہ میں جد وجہد پر نہیں کی بلکہ مخلوق کی ایذاء رسانی اور ترک ایذاء رسانی پر کی ہے اس کا مطلب یہ نہیں کہ نفل عبادتیں بے اثر رہتی ہیں بلکہ مطلب یہ ہے کہ مخلوق کی ایذاء رسانی کے ساتھ ان کا جوہر نہیں کھلتا اگر کاش ان کے ساتھ خلق اللہ کی خیر خواہی بھی شامل ہوجائے تو ان کا جوہر کھلے۔

يَمْشِيْ يَوْمَئِذٍ وَقَدْ زَحْزَحَ نَفْسَهُ عَنِ النَّارِ۔ (رواہ مسلم)

(۴۴۳) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَبَسُّمُكَ فِیْ وَجْهِ اَخِیْكَ صَدَقَةٌ وَاَمْرُكَ بِالْمَعْرُوْفِ صَدَقَةٌ وَنَهْیُكَ عَنِ الْمُنْكَرِ صَدَقَةٌ وَاِرْشَادُكَ الرَّجُلَ فِیْ اَرْضِ الضَّلَالِ لَكَ صَدَقَةٌ وَنَصْرُكَ الرَّجُلَ الرَّدِیْٓ الْبَصَرِ لَكَ صَدَقَةٌ وَاِمَاطَتُكَ الْحَجَرَ وَالشَّوْكَ وَالْعَظْمَ عَنِ الطَّرِیْقِ لَكَ صَدَقَةٌ وَاِفْرَاغُكَ مِنْ دَلْوِكَ فِیْ دَلْوِ اَخِیْكَ لَكَ صَدَقَةٌ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب)

(۴۴۴) عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَلٰی كُلِّ مُسْلِمٍ صَدَقَةٌ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَجِدْ قَالَ فَلْیَعْمَلْ بِیَدَیْهِ فَیَنْفَعُ نَفْسَهُ وَیَتَصَدَّقُ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَسْتَطِعْ اَوْلَمْ یَفْعَلْ قَالَ فَیُعِیْنُ ذَا الْحَاجَةِ الْمَلْهُوْفِ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلْهُ قَالَ فَیَاْمُرُ بِالْخَیْرِ قَالُوْا فَاِنْ لَّمْ یَفْعَلْ قَالَ فَیُمْسِكُ عَنِ الشَّرِّ فَاِنَّهُ لَهُ صَدَقَةٌ (متفق علیہ)

---

زمین پر اس حال میں چلتا پھریگا کہ اپنی جان کو دوزخ کے عذاب سے دور کر چکا ہوگا (مسلم شریف)

(۴۴۳) ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی کی خوشی کی خاطر ذرا سا مسکرا دینا بھی صدقہ ہے، کوئی نیک بات کہدینی بھی صدقہ ہے۔ تمہارا کسی کو بری بات سے روکدینا بھی صدقہ ہے کسی بے نشان زمین میں کسی کو راستہ بتا دینا بھی تمہارے لئے صدقہ ہے جس شخص کی نظر کمزور ہو اس کی مدد کر دینا بھی صدقہ ہے، راستہ سے پتھر، کانٹا اور ہڈی کا ہٹا دینا بھی تمہارے لئے ایک صدقہ ہے اور اپنے ڈول سے اپنے بھائی کے ڈول میں پانی ڈالدینا بھی ایک صدقہ ہے۔ (ترمذی شریف)

(۴۴۴) ابوموسیٰ اشعری بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر مسلمان پر صدقہ دینا واجب ہے لوگوں نے پوچھا اگر اس کے پاس صدقہ دینے کے لئے کچھ نہ ہو تو کیا کرے فرمایا اپنے ہاتھوں سے محنت مزدوری کرے اور اپنے آپ کو بھی فائدہ پہنچائے اور دوسروں کو بھی صدقہ دے لوگوں نے عرض کیا اگر یہ کرنے کی طاقت نہ رکھے یا استطاعت کے باوجود نہ کرے تو۔ فرمایا کسی غمزدہ محتاج کی مدد ہی کردے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے فرمایا تو نیک بات ہی کہدے عرض کیا اگر یہ بھی نہ کرے، فرمایا تو (کم ازکم) کسی نقصان رسانی سے ہی باز رہے کیونکہ یہ بھی اس کے حق میں ایک قسم کا صدقہ شمار ہوگا۔

(متفق علیہ)

# افشاء السلام واطعام الطعام

(۴۴۵) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ رَجُلًا سَاَلَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْاِسْلَامِ خَیْرٌ قَالَ تُطْعِمُ الطَّعَامَ وَتَقْرَأُ السَّلَامَ عَلٰی مَنْ عَرَفْتَ وَمَنْ لَّمْ تَعْرِفْ (رواہ البخاری ومسلم وغیرہم)

## واقفیت کی قید کے بغیر عام طور پر ایک دوسرے کو سلام کرنا اور محتاجوں کو کھانا کھلانا

(۴۴۵) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اسلام میں سب سے بہتر عمل کیا ہے فرمایا (بھوکوں کو) کھانا کھلانا اور آشنا ہو یا نا آشنا سب کو سلام کرنا۔ (متفق علیہ)

(۴۴۵) ایک گذشتہ حدیث میں آپ کو ہجرت کی ایک وسیع شاہراہ بتائی گئی تھی یہاں اسلام کے دو اور وسیع گوشے بتا دیئے گئے ہیں یعنی اطعام طعام (بھوکوں کو کھانا کھلانا) اور افشاء سلام یعنی (باہم سلام کا رواج دینا) اطعام طعام میں اتنی وسعت ہے کہ اس میں نہ کسی وقت کی کوئی قید ہے اور نہ مسلمان و کافر کی تفصیل یہاں تک کہ انسان و حیوان کی بھی کوئی تفصیل نہیں۔ اسی طرح افشاء سلام میں بھی تعارف یا عدم تعارف کا کوئی لحاظ نہیں۔ یوں تو اسلام میں ان دو کے علاوہ اور بھی بہت سے اہم شعبے موجود ہیں لیکن عرب کے اس ماحول میں ان دو کی اہمیت زیادہ محسوس کی گئی تھی کیونکہ ان کی شب و روز قتل و غارت نے انسانوں کو ایسا خوف زدہ بنا دیا تھا کہ جب کوئی اجنبی شخص کسی سے ملتا تو وہ اس کو موت کا ایک فرشتہ نظر آتا اور جب تک اس کی جانب سے پورا اطمینان حاصل نہ ہو جاتا اس سے خوف زدہ ہی رہتا تھا اسلام نے آکر تعلیم دی کہ خوف و ہراس کا دور ختم ہوا اب سلامتی و امن کا زمانہ آگیا ہے اور اس کے اعلان کرنے کے لئے سب سے پہلے لفظ سلام مقرر کیا تا کہ پہلی ملاقات ہی میں یہ بات صاف ہو جائے کہ اب میں تمہارے لئے صدائے موت نہیں رہا پیغام سلامتی بن گیا ہوں اور اس لفظ کو چلتے پھرتے اس کثرت سے استعمال کرنے کا حکم دیا کہ خوف دنیا کے پردہ سے اٹھ جائے اور سلامتی کی برکتیں چاروں طرف سے گھیر لیں۔ ملاقات کے وقت ہر قوم کا ایک شعار ہوتا ہے اسلام نے پیغام سلامتی کو اپنا شعار مقرر کر لیا ہے۔ ابن عمرؓ اس حکم کی تعمیل میں اتنی شدت کرتے کہ صرف افشاء سلام کی خاطر بازار در بازار کوچہ در کوچہ پھرتے اور لوگوں کو سلام کر کر کے اپنے گھر واپس آجاتے تھے جیسا کہ ابھی ان کی مفصل حدیث آپ کے مطالعہ سے گذرے گی۔ افشاء سلام کی اہمیت کیلئے ابوہریرہؓ کی ایک حدیث ترجمان السنہ جلد اول ص۔۔۔ پر بھی ملاحظہ سے گذر چکی ہے۔

رہی اطعام طعام کے ارشاد کی تعمیل تو وہ بھی اس گرمجوشی سے کی گئی کہ جو اپنے پاس اپنے بچوں کی صرف ایک وقت کی خوراک رکھتا تھا اس نے بھی خود بھوکا سو رہنا اور ان کی خوراک دوسروں کو کھلا دینا پسند کر لیا.. آیۃ ویؤثرون علی انفسہم میں اسی قسم کے ایثار پیشہ جماعت کا ذکر کیا گیا ہے۔

عبداللہ بن سلام جب اسلام کی تلاش میں مدینہ پہنچے ہیں تو سب سے پہلے جو کلمات نصیحت انھوں نے آپ کے دہن مبارک سے سنے وہ یہی افشاء سلام اور اطعام طعام کے کلمات تھے نیز آپ کے ایک بہت اہم خواب میں جن اعمال کو رفع درجات کا موجب بتایا گیا تھا ان میں سب سے درخشاں عمل اسی افشاء سلام اور اطعام طعام کو قرار دیا گیا ہے

(۴۴۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَلَامٍ قَالَ لَمَّا قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ جِئْتُ فَلَمَّا تَبَیَّنْتُ وَجْھَہٗ عَرَفْتُ اَنَّہٗ لَیْسَ بِوَجْہِ کَذَّابٍ فَکَانَ اَوَّلُ مَا قَالَ یَا اَیُّھَا النَّاسُ اَفْشُوا السَّلَامَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَصِلُوا الْاَرْحَامَ وَصَلُّوْا بِاللَّیْلِ وَالنَّاسُ نِیَامٌ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِسَلَامٍ (رواہ الترمذی وابن ماجۃ والدارمی)

(۴۴۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اُعْبُدُوا

(۴۴۶) عبداللہ بن سلام کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں بھی آپ کی خدمت میں حاضر ہوا جس وقت میں نے آپ کا چہرۂ مبارک دیکھا اسی وقت پہچان گیا کہ یہ چہرہ تو کسی جھوٹے شخص کا ہو نہیں سکتا جو سب سے پہلی بات اس وقت آپ نے فرمائی وہ یہ تھی لوگو باہم خوب سلام کیا کرو۔ محتاجوں کو کھانے کھلایا کرو۔ رشتہ داری کے تعلقات میں حسن سلوک کی رعایت رکھا کرو اور جب لوگ سوتے پڑے ہوں تو تم راتوں کو نمازیں پڑھا کرو جنت میں سلام کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے (ترمذی وغیرہ)

(۴۴۷) عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا رحمٰن کی عبادت کیا

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) جیسا کہ وہ حدیث ترجمان السنہ ص۱۳۵ پر گذر چکی ہے۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ مخلوق کی ہمدردی اور باہمی مساوات کا جذبہ صرف جبر واکراہ کی راہ سے پیدا نہیں ہو سکتا۔ اس کے لئے دماغی تربیت اور عملی ٹریننگ کی بھی ضرورت ہے اس لئے اسلام نے لوگوں کو اپنی قوت بازو سے کمایا ہوا مال ان سے زبردستی چھین کر دوسروں کے حوالہ کر دینے کا حکم نہیں دیا بلکہ اس کا حل یہ پیش کیا ہے کہ ایک طرف تو کچھ حقوق فرض و واجب قرار دیئے ہیں اور ان کا ادا کرنا ہر شخص پر طوعاً و کرہاً لازم کر دیا ہے دوسری طرف اسی کے ہم جنس بہت سے اور حقوق رکھے ہیں جن کو ادا کرنا اس پر لازم مقرر نہیں دیا بلکہ صرف ان کی ترغیب دیکر ان کو اس کی خوشی پر چھوڑ دیا ہے اس کا مقصد اصل آزمائش کرنی ہے کہ فرض و واجبات کی اس عملی ٹریننگ کے بعد اب اس کی فطرت میں انفاق و ایثار کی کتنی اسپرٹ پیدا ہو گئی ہے اور کسی کے جبر واکراہ کے بغیر اب وہ اپنی خوشی سے دوسروں کی ہمدردی کا کتنا عادی بن چکا ہے۔

اسلام کے یہ دو مختصر شعبے اجتماعی حیات کے لئے دو اہم رکن ہیں اگر تنہا خوری اور ترک سلام کی مغرورانہ عادتیں آج بھی چھوڑ دی جائیں تو ہماری اجتماعی حیات کے چمن میں نفاق و شقاق کے بجائے پھر کھلائے انس و محبت کھل سکتے ہیں۔

(۴۴۷) یہاں عبادت کے ساتھ رحمٰن کا اسم مبارک اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ چند حقیر اعمال کے ساتھ جنت جیسی بے بہا متاع کا ہاتھ آجانا رحمت ہی کا کرشمہ ہو سکتا ہے۔ ورنہ سہ

کہاں میں اور کہاں یہ نکہت گل　　نسیم صبا سب تری مہربانی

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ ملائکۃ اللہ اہل جنت کو سلام کریں گے اور اہل جنت باہم ملاقات کے وقت ایک دوسرے کو سلام کیا کریں گے حتی کہ رب العزت بنفس قدسی اہل جنت کیلئے ان کو سلام فرمائیگا۔ جو لوگ اس روش کو دنیا میں قائم کرتے ہیں وہ یہاں بھی اہل جنت کے قدم پر ہیں اور فردائے قیامت میں خدائے تعالیٰ کی جنت میں داخل ہوں گے۔

الرَّحْمٰنَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّةَ بِسَلَامٍ (رواہ الترمذی وابن ماجہ)

(۴۴۸) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا الْاِیْمَانُ فَقَالَ اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَبَذْلُ السَّلَامِ۔ (رواہ الشیخان)

(۴۴۹) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحَجُّ الْمَبْرُوْرُ لَیْسَ لَہٗ جَزَاءٌ اِلَّا الْجَنَّۃُ فَقِیْلَ مَا بِرُّ الْحَجِّ قَالَ اِطْعَامُ الطَّعَامِ وَطِیْبُ الْکَلَامِ (اخرجہ احمد)

(۴۵۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِذَا رَاَیْتُکَ طَابَتْ نَفْسِیْ وَقَرَّتْ عَیْنِیْ فَاَنْبِئْنِیْ عَنْ کُلِّ شَیْءٍ قَالَ کُلُّ شَیْءٍ خُلِقَ مِنْ مَاءٍ قُلْتُ اَنْبِئْنِیْ بِشَیْءٍ اِذَا فَعَلْتُہٗ دَخَلْتُ الْجَنَّۃَ قَالَ اُعْبُدُوا الرَّحْمٰنَ وَاَطْعِمُوا الطَّعَامَ وَاَفْشُوا السَّلَامَ تَدْخُلُوا الْجَنَّۃَ بِسَلَامٍ۔

(اخرجہ الامام احمد والترمذی عن ابی ہریرۃ وفی روایتہ احمد بصیغۃ الافراد واخرجہ البخاری فی الادب والطبرانی فی الکبیر وابونعیم فی الحلیۃ وابن حبان فی صحیحہ عن عبداللہ بن عمرو ولفظہ تدخلوا الجنان۔

---

کرو اور محتاجوں کو کھانا کھلایا کرو اور کسی تعارف کے بغیر ایک دوسرے کو سلام کیا کرو، جنت میں سلام کے ساتھ داخل ہو جاؤ گے۔ (ترمذی ابن ماجہ)

(۴۴۸) ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ ایمان کی باتیں کیا کیا ہیں ارشاد فرمایا کھانا کھلانا اور کسی تعارف کے بغیر سلام کرنا (بخاری مسلم)

(۴۴۹) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حج مبرور کا بدلہ جنت کے سوا اور کچھ نہیں پھر آپ سے پوچھا گیا حج مبرور میں نیک کام کیا ہیں فرمایا کھانا کھلانا اور نرم گفتگو کرنا (مسند احمد)

(۴۵۰) ابوہریرۃؓ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میری حالت یہ ہے کہ جب آپ کو دیکھ لیتا ہوں تو میرا دل باغ باغ ہو جاتا ہے اور میری آنکھیں ٹھنڈی ہو جاتی ہیں مجھے یہ تو بتا دیجئے کہ یہ تمام مخلوق کس چیز سے پیدا کی گئی ہے فرمایا پانی سے پھر میں نے عرض کیا اچھا اب مجھے کوئی ایسا عمل بتا دیجئے جسے میں کرلوں تو یقیناً جنت میں داخل ہو جاؤں فرمایا رحمٰن کی عبادت کر (لوگوں کو) خوب کھانا کھلایا کر، اور باہم ایک دوسرے کو کسی تعارف کے بغیر سلام کیا کر اور پھر جاؤ جنت میں سلامتی کے ساتھ داخل ہو جاؤ۔ (مسند احمد وغیرہ)

---

(۴۵۰) اس قسم کی حدیثوں کی اصل روح یہ ہے کہ تم یہ سمجھتے ہو کہ جنت تم سے کہیں بہت دور ہے، وہ تم سے صرف چند قدم کے فاصلہ پر ہے، قدم اٹھاؤ اور بڑے اطمینان کے ساتھ اس میں چلے جاؤ۔ مگر واضح رہے کہ یہ چند قدم بھی حقوق اللہ اور حقوق العباد کے جامع ہیں۔ پہلا قدم حقوق اللہ سے متعلق ہے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

(۴۵۱) عَنْ مِينَاءَ قَالَ سَمِعْتُ أَبَا هُرَيْرَةَ يَقُولُ كُنَّا عِنْدَ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَاءَ رَجُلٌ أَحْسِبُهُ مِنْ قَيْسٍ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ الْعَنْ حِمْيَرَ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشِّقِّ الْآخَرِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ ثُمَّ جَاءَ مِنَ الشِّقِّ الْآخَرِ فَأَعْرَضَ عَنْهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَحِمَ اللّٰهُ حِمْيَرًا أَفْوَاهُهُمْ سَلَامٌ وَأَيْدِيهِمْ طَعَامٌ وَهُمْ أَهْلُ أَمْنٍ وَإِيمَانٍ (رواہ احمد والترمذی)

(۴۵۲) عَنْ هَانِئٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَخْبِرْنِي بِشَيْءٍ يُوجِبُ الْجَنَّةَ قَالَ عَلَيْكَ بِحُسْنِ الْكَلَامِ وَبَذْلِ الطَّعَامِ۔ اخرجہ البخاری فی الادب المفرد والحاکم عن ھانی ابی شریح قال الحاکم صحیح ولا علۃ لہ وعلتہ عندھا ان ھانئا لیس لہ راو غیر ابنہ لکن لہ نظائر عندھا واقرہ الذھبی وقال الحافظ العراقی فی امالیہ حدیث حسن واخرج ابن ابی شیبۃ واحمد والطبرانی والخرائطی والبیہقی بلفظ ان من موجبات المغفرۃ بذل السلام وحسن الکلام قال العراقی اسنادہ جید وقال الہیثمی رجال احمد رجال الصحیح۔

(۴۵۱) مینا روایت کرتے ہیں کہ میں نے یہ بات ابوہریرہ کو فرماتے خود سنا ہے کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر تھے کہ ایک شخص آیا جہاں تک میرا گمان ہے وہ قبیلہ قیس کا آدمی معلوم ہوتا تھا، اس نے کہا یا رسول اللہ قبیلہ حمیر پر لعنت فرمائیے، آپ نے اس کی طرف سے منہ پھیر لیا وہ دوسری طرف سے پھر آیا، آپ نے پھر اس کی طرف سے منہ پھیر لیا۔ وہ تیسری طرف سے پھر آیا آپ نے پھر منہ پھیر لیا اور فرمایا اللہ تعالیٰ قبیلہ حمیر پر رحم فرمائے ان کے منہ پر السلام علیک کا لفظ رہتا ہے، ان کے ہاتھ غریبوں کو کھانا کھلانے میں مشغول رہتے ہیں، یہی لوگ ہیں جو بڑے امن اور ایمان والے ہیں (مسند احمد و ترمذی)
(سبحان اللہ خاتم المرسلین کیسی رحمت مجسم بن کر آئے لوگ ان سے لعنتوں کی درخواست کرتے تھے وہ رحموں کی دعائیں کر دیتے تھے۔)

(۴۵۲) ہانی روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ کوئی ایسا عمل ارشاد فرمائیے جو جنت کا یقینی سبب ہو، فرمایا نرم گفتگو کرنا اور خدا کی راہ میں کھانے کھلانا۔ (مسند احمد وغیرہ)

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) اور آخر کے دو قدم حقوق العباد سے جس نے یہ دو قدم اٹھائے سمجھو کہ اس نے تمام حقوق ادا کر دیئے اور جس نے حقوق العباد اور حقوق اللہ ادا کر دیئے وہ جنت میں داخل ہوگا۔ معلوم رہے کہ عمل کوئی بھی ایسا نہیں جس کے صلہ میں جنت جیسی متاع بے بہا کا ملنا ضروری ہو، البتہ رحمت خداوندی نے معمولی معمولی اعمال پر جنت کا وعدہ کر کے اپنی جنت کو ارزاں کر دیا ہے اور اسی وعدہ کے بھروسہ پر لوگوں نے اس قسم کے سوالات کی جرأت کی ہے۔

(۴۵۳) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْإِسْلَامُ قَالَ طِيْبُ الْكَلَامِ وَإِطْعَامُ الطَّعَامِ فَقُلْتُ مَا الْإِيْمَانُ قَالَ الصَّبْرُ وَالسَّمَاحَةُ قُلْتُ أَيُّ الْإِسْلَامِ أَفْضَلُ قَالَ مَنْ سَلِمَ الْمُسْلِمُوْنَ مِنْ لِسَانِهٖ وَيَدِهٖ قُلْتُ أَيُّ الْإِيْمَانِ أَفْضَلُ قَالَ خُلُقٌ حَسَنٌ (رواہ احمد)

(۴۵۴) عَنْ أَبِيْ مَالِكٍ الْأَشْعَرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ فِي الْجَنَّةِ غُرَفًا يُرٰى ظَاهِرُهَا مِنْ بَاطِنِهَا وَبَاطِنُهَا مِنْ ظَاهِرِهَا أَعَدَّ اللّٰهُ لِمَنْ أَلَانَ الْكَلَامَ وَأَطْعَمَ الطَّعَامَ وَتَابَعَ الصِّيَامَ وَصَلّٰى بِاللَّيْلِ وَالنَّاسُ نِيَامٌ. (رواہ البیہقی فی شعب الایمان وروی الترمذی عن علی نحوہ)

(۴۵۵) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (فی قصۃ) قَالَ بَيْنَ يَدَيِ السَّاعَةِ تَسْلِيْمُ الْخَاصَّةِ وَفُشُوُّ التِّجَارَةِ حَتّٰى تُعِيْنَ الْمَرْأَةُ زَوْجَهَا عَلَى التِّجَارَةِ

(۴۵۳) عمرو بن عبسہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ اسلام کیا چیز ہے فرمایا نرم گفتگو کرنا، اور خدا تعالیٰ کی راہ میں کھانا کھلانا، میں نے عرض کیا اچھا ایمان کیا ہے فرمایا صبر کرنا اور سخاوت کرنا، پھر میں نے پوچھا کونسا اسلام افضل ہے فرمایا جس شخص کی زبان اور ہاتھ سے مسلمان تکلیف نہ اٹھائیں، میں نے پوچھا اور ایمان کونسا افضل ہے فرمایا اعلیٰ اخلاق۔ (مسند احمد)

(۴۵۴) ابو مالک اشعری بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں بہت سے بالاخانے ایسے ہیں جو اتنے شفاف ہوں گے کہ ان کا بیرونی حصہ اندرونی حصہ سے اور ان کا اندرونی حصہ بیرونی حصہ سے نظر آئیگا ان کو اللہ تعالیٰ نے ان لوگوں کے لئے تیار کر رکھا ہے جو نرم گفتگو کے عادی ہوں، کھانے کھلائیں، پے درپے روزے رکھا کریں اور جب شب میں اور لوگ غفلت کی نیند سوتے رہیں تو یہ نمازیں پڑھا کریں۔ (شعب الایمان)

(۴۵۵) عبد اللہ بن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے قیامت سے قبل منجملہ اور علامات کے چند یہ علامات بھی ضروری ہیں۔ سلام کا رواج خاص خاص دائروں میں

(۴۵۳) حسن بصریؒ صبر و سماحت کی تفسیر کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ صبر سے مراد ان باتوں پر صبر کرنا ہے جن کو اللہ تعالیٰ نے حرام کر دیا ہے اور سماحۃ سے مراد یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے فرائض ذوق و شوق اور فراخ دلی کے ساتھ ادا کرنا۔

(۴۵۵) یوں تو ان علامات میں ایک ایک علامت اپنی اپنی جگہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک ایک معجزہ ہے ان پیش شہادت کا حال جس درجہ ظاہر ہو چکا ہے وہ آنکھوں کے سامنے ہے باہم رشتہ و ناتے کے تعلقات ختم ہو ہی چکے ہیں تجارت کیلئے عورتیں صرف مددگار کی حیثیت سے ہی نہیں نکل پڑیں بلکہ ساہوکار کی حیثیت سے مستقل تاجر بنی بیٹھی نظر آ رہی ہیں تصنیف

وَقَطْعُ الْاَرْحَامِ وَفُشُوُّ الْقَلَمِ وَظُهُوْرُ الشَّهَادَةِ بِالزُّوْرِ وَكِتْمَانُ شَهَادَةِ الْحَقِّ۔
(رواہ البخاری فی الادب المفرد)

(۴۵۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ اَشْرَاطِ السَّاعَةِ اَنْ يُّسَلِّمَ الرَّجُلُ عَلَى الرَّجُلِ لَا يُسَلِّمُ اِلَّا بِمَعْرِفَةٍ۔ (رواہ احمد)

(۴۵۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ السَّلَامَ اِسْمٌ مِّنْ اَسْمَاءِ اللّٰهِ تَعَالٰى وَضَعَهُ اللّٰهُ فِى الْاَرْضِ فَاَفْشُوا السَّلَامَ بَيْنَكُمْ (رواہ البخاری فی الادب المفرد)

(۴۵۸) عَنْ عَائِشَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَسَدَكُمُ الْيَهُوْدُ عَلٰى

---

محدود ہو جانا۔ تجارت کا اتنا عام طور پر رواج پا جانا کہ بی بی بھی اس میں اپنے شوہر کی مدد کرنے لگے۔ اہل و نا اہل سب کا قلم چل پڑنا۔ جھوٹی شہادت ادا کرنے میں بہادر بن جانا اور سچی شہادت کا اخفا کرنا (الادب المفرد)

(۴۵۶) عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں علامات قیامت میں ایک علامت یہ بھی ہے کہ ایک شخص دوسرے شخص کو سلام صرف اپنے تعارف کی بنیاد پر کریگا (نہ کہ اسلامی اخوت کی بنا پر) (مسند احمد)

(۴۵۷) انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سلام اللہ تعالیٰ کے اسماء مبارکہ میں ایک اسم مبارک ہے اس کو اللہ تعالیٰ نے زمین میں نازل فرمایا ہے لہذا تم لفظ السلام کا باہم بکثرت استعمال کیا کرو۔ (الادب المفرد)

(۴۵۸) حضرت عائشہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتی ہیں کہ یہود تم پر جتنا

---

کا تو یہ حال ہو چکا ہے کہ اس کے لئے علم کی بھی کوئی قید نہیں رہی بس جس نے چند ناول لکھ لئے وہ انشاء پردازوں کی فہرست میں داخل ہو گیا۔ اب قرآن و حدیث میں بھی اسی کا قلم بے جھجک تا ہے۔ لیکن ان سب میں اہم ہمارے موضوع کے مناسب آپ کی وہ پیشگوئی ہے جو سلام کے بارے میں پوری ہو رہی ہے یعنی اب سلام کی بنیاد رشتۂ اسلامی کی بجائے صرف سوسائٹی پر رہ گئی ہے۔ صرف اتنا ہی نہیں کہ اپنی سوسائٹی کے سوا دوسری سوسائٹی کو سلام کرنا ختم ہو گیا ہو بلکہ ایک اخلاقی جرم شمار ہونے لگا ہے حتی کہ ایسا سلام کرنے والا شخص جواب کا مستحق بھی نہیں سمجھا جاتا اور جس مختصر طبقہ میں سلام کی یہ سنت رہ بھی گئی ہے اس میں بھی سلام کا وہ طریقہ نہیں رہا جو اسلام نے تعلیم کیا تھا بلکہ اس کے کچھ اور نئے نئے طریقے رواج پا گئے الا ما شاء اللہ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

(۴۵۷) سلام کے فضائل کچھ آپ سن چکے اور ابھی بہت کچھ آپ کو آداب کی بحث میں سننا باقی ہیں۔ رہ گیا کلمۂ آمین تو اس کی ایک مختصر فضیلت یہ ہے کہ نماز میں امام اور مقتدیوں کی آمین اگر بیک وقت ادا ہو جاتی ہے تو قدرت کو یہ اجتماعی ادا اتنی محبوب ہوتی ہے کہ اس کی رحمت کا دریا بے توقف جوش

شَیْءٍ مَا حَسَدَکُمْ عَلَی السَّلَامِ وَالتَّأْمِیْنِ۔ (رواہ البخاری فی الادب المفرد)

(۴۵۹) أَخْبَرَ الطُّفَیْلُ بْنُ أُبَیِّ بْنِ کَعْبٍ أَنَّہٗ کَانَ یَأْتِیْ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ رض فَیَغْدُوْا مَعَہٗ إِلَی السُّوْقِ لَمْ یَمُرَّ عَبْدُ اللّٰہِ بْنُ عُمَرَ عَلٰی سَقَّاطٍ وَلَا صَاحِبِ بَیْعَۃٍ وَلَا مِسْکِیْنٍ وَلَا أَحَدٍ إِلَّا یُسَلِّمُ عَلَیْہِ قَالَ الطُّفَیْلُ فَجِئْتُ عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ عُمَرَ یَوْمًا فَاسْتَتْبَعَنِیْ إِلَی السُّوْقِ فَقُلْتُ مَا تَصْنَعُ بِالسُّوْقِ وَأَنْتَ لَا تَقِفُ عَلَی الْبَیْعِ وَلَا تَسْئَلُ عَنِ السِّلَعِ وَلَا تَسُوْمُ بِھَا وَلَا تَجْلِسُ فِیْ مَجَالِسِ السُّوْقِ فَاجْلِسْ بِنَا ھٰھُنَا نَتَحَدَّثُ فَقَالَ لِیْ عَبْدُ اللّٰہِ یَا أَبَا بَطْنٍ وَکَانَ الطُّفَیْلُ ذَا بَطْنٍ إِنَّمَا نَغْدُوْا مِنْ أَجْلِ السَّلَامِ عَلٰی مَنْ لَقِیْنَا۔

(رواہ البخاری فی الادب المفرد)

حسد سلام اور آمین کے بارے میں کرتے ہیں اتنا کسی اور بات پر نہیں کرتے۔ (ادب المفرد)

(۴۵۹) طفیل بیان کرتے ہیں کہ وہ عبد اللہ بن عمرؓ کی خدمت میں آیا کرتے وہ ان کو صبح صبح اپنے ہمراہ بازار لیجاتے جس خردہ فروش یا تاجر یا مسکین یا اور کسی شخص پر بھی ان کا گذر ہوتا وہ اس کو ضرور سلام کر لیتے۔ طفیل کہتے ہیں کہ ایک دن میں ان کی خدمت میں حاضر ہوا وہ پھر حسب دستور مجھے بازار لیجانے لگے میں نے کہا آپ بازار جا کر کیا کریں گے نہ تو آپ کسی خرید و فروخت کے لئے کہیں کھڑے ہوتے ہیں اور نہ کسی چیز کے متعلق کچھ دریافت کرتے ہیں نہ اس کا بھاؤ پوچھتے ہیں اور نہ بازار کی کسی اور مجلس ہی میں بیٹھتے ہیں۔ پھر آئیے یہاں بیٹھکر ہم کچھ باتیں ہی کریں۔ اس پر حضرت عبد اللہؓ نے فرمایا اے ابو بطن (اس کنیت سے ان کو اس لئے خطاب فرمایا کیونکہ ان کا پیٹ ذرا بھاری تھا) ہم (صبح کو اس لئے بازار نہیں جاتے جس کے لئے تو نے سمجھا) ہم تو صرف اس لئے جاتے ہیں کہ جس سے ملاقات ہو جایا کرے اس کو سلام کر لیا کریں۔ (الادب المفرد)

میں آجاتا ہے اور سب کے گناہوں کی مغفرت ہو جاتی ہے۔ یہود امت محمدیہ کے لئے یہ فضائل دیکھ دیکھکر اپنی حاسدانہ خصلت کی بنا پر جلا ہی کرتے تھے اس کے سوا بھی ان کے جلنے کے کچھ اور اسباب بھی تھے بہر حال آپ نے متنبہ کیا کہ امت محمدیہ ان خصال کو ہلکا نہ سمجھے یہ خصائل دوسری امتوں کے لئے قابل حسد ہیں۔

# الحیاء

حیار کی دو قسمیں ہیں ایک خلقی، دوم کسبی۔ پہلی قسم پیدائشی اخلاق میں شمار ہے اس میں انسان کے کسب واکتساب کو کچھ دخل نہیں ہوتا لیکن حیار و شرم چونکہ ایسی صفت کا نام ہے جو بلند اخلاق کی محرک ہوتی ہے اور رذیل اخلاق سے روکتی ہے اس لحاظ سے اس فطری صفت کو بھی ایمان کا ایک جزر شمار کر لیا گیا ہے۔ عمران بن حصین کی حدیث "الحیاء لا یاتی الا بخیر" اسی فطری حیار کا ذکر ہے۔ یعنی یہ صفت خلقۃً بھلی باتوں ہی کی محرک ہوتی ہے۔ دوسری قسم وہ ہے جو بڑے ریاضات اور مجاہدات کے بعد پیدا ہوتی ہے وہ اللہ تعالیٰ کی معرفت، اس کی عظمت وجلال، اس کا بندوں سے قرب، اور ان کے احوال پر پورے علم کے استحضار کا ثمرہ ہوتی ہے۔ یہ ایمان بلکہ مرتبہ احسان کا بھی اعلیٰ درجہ ہے اس کی طرف حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی حدیث میں اشارہ ہے جو چند حدیثوں کے بعد آپ کے سامنے آرہی ہے۔ (جامع العلوم)

---

(۴۶۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَرَّ عَلٰی رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ وَهُوَ یَعِظُ فِی الْحَیَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعْهُ فَاِنَّ الْحَیَاءَ مِنَ الْاِیْمَانِ۔ (متفق علیہ)

(۴۶۱) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَیْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحَیَاءُ لَا یَاْتِیْ اِلَّا بِخَیْرٍ وَفِیْ رِوَایَۃٍ اَلْحَیَاءُ خَیْرٌ کُلُّہٗ۔ (متفق علیہ)

---

## شرم وحیار کرنا

(۴۶۰) ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک انصاری شخص کے پاس سے گذرے وہ اس کو زیادہ شرم کرنے پر سمجھا رہا تھا (کہ زیادہ شرم نہ کرنی چاہئے) آپ نے فرمایا رہنے دے (اور اسے غلط نصیحت نہ کر) کیونکہ شرم کرنا بھی ایمان کا ایک شعبہ ہے۔ (متفق علیہ)

(۴۶۱) عمران بن حصینؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرم کا نتیجہ بہتر ہی بہتر نکلتا ہے اور ایک روایت میں ہے شرم وحیار تو سب ہی بہتر ہوتی ہے۔ (بخاری ومسلم)

(۴۶۲) عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِمَّا اَدْرَکَ النَّاسُ مِنْ کَلَامِ النُّبُوَّۃِ الْاُوْلٰی اِذَا لَمْ تَسْتَحْیِ فَاصْنَعْ مَا شِئْتَ (رواہ البخاری)

(۴۶۳) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مِنْ سُنَنِ الْمُرْسَلِیْنَ اَلْحَیَاءُ ویروی والتعطر وَالْمِسْوَاکُ وَالنِّکَاحُ (رواہ الترمذی)

(۴۶۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْحَیَاءُ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْاِیْمَانُ فِی الْجَنَّۃِ وَالْبَذَاءُ مِنَ الْجَفَاءِ وَالْجَفَاءُ فِی النَّارِ (رواہ احمد والترمذی)

(۴۶۵) عَنْ زَیْدِ بْنِ طَلْحَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِکُلِّ دِیْنٍ خُلُقًا وَخُلُقُ الْاِسْلَامِ الْحَیَاءُ۔ (رواہ مالک مرسلا وابن ماجۃ والبیھقی فی شعب الایمان عن انس وابن عباس۔

(۴۶۲) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پہلی نبوتوں کی جو صحیح اور غیر منسوخ باتیں لوگوں تک پہنچی ہیں ان میں ایک متفق علیہ بات یہ ہے کہ جب شرم وغیرت باقی نہ رہے تو پھر جو تمہارا جی چاہے کرتے رہو۔ بے حیا باش ہرچہ خواہی کن۔ (بخاری)

(۴۶۳) ابوایوبؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا چار باتیں رسولوں کے طریقے میں داخل ہیں شرم وحیا، (اور ایک روایت میں ختنہ کرنا ہے) خوشبو لگانا، مسواک کرنا اور نکاح کرنا۔ (ترمذی)

(۴۶۴) ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حیا وشرم ایمان سے پیدا ہوتی ہے اور ایمان کا نتیجہ جنت ہے اور بے حیائی وفحش کلامی درشتی فطرت سے ناشی ہوتی ہے اور اس کا نتیجہ دوزخ ہے۔ (احمد، ترمذی)

(۴۶۵) زید بن طلحہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر دین کا ایک نہ ایک اخلاق ممتاز ہوتا ہے۔ ہمارے دین کا ممتاز اخلاق شرم کرنا ہے۔ (مالک)

(۴۶۲) یعنی جب انسان میں نہ حیا مکتسب ہو نہ فطری حیا تو اب اسے ذلیل حرکات اور برے کام کے کرنے کو کوئی امر مانع نہیں رہتا۔

(۴۶۴) انسان جنت یا دوزخ تک یک بارگی نہیں پہنچتا بلکہ درمیان میں کچھ اعمال کا سلسلہ بھی ہوتا ہے اس میں ایک عمل دوسرے عمل کے ساتھ اسی طرح وابستہ ہوتا ہے جس طرح زنجیر کی کڑیاں۔ ایک سلسلہ کی ابتدا کچھ ہوتی ہے اور انتہا کچھ۔ شریعت اس سلسلہ کو بتا کر تنبیہ کرتی ہے کہ بہت سے اعمال دیکھنے میں تو معمولی ہوتے ہیں مگر وہ کسی ایسے سلسلہ کی کڑی ہوتے ہیں جس کا منتہی جنت یا دوزخ ہوتا ہے اس لئے ان کو معمولی نہ سمجھنا چاہئے۔ حیا وشرم بھی اسی قسم کی ایک کڑی ہے جو بظاہر معمولی ہے اور در اصل بہت اہم ہے۔

(۴۶۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَیَاءَ وَالْاِیْمَانَ قُرِنَا جَمِیْعًا فَاِذَا رُفِعَ اَحَدُھُمَا رُفِعَ الْاٰخَرُ وَفِیْ رِوَایَۃِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَاِذَا سُلِبَ اَحَدُھُمَا تَبِعَہُ الْاٰخَرُ رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔ والحاکم فی المستدرک ص۲۲ وقال الذہبی علی شرطہما۔

(۴۶۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا کَانَ الْفُحْشُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا شَانَہٗ وَمَا کَانَ الْحَیَاءُ فِیْ شَیْءٍ اِلَّا زَانَہٗ (رواہ الترمذی)

(۴۶۸) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ عَزَّوَجَلَّ اِذَا اَرَادَ

---

(۴۶۶) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ حیاء اور ایمان دونوں ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ ہیں جب ان میں ایک اٹھالیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اٹھالیا جاتا ہے اور ابن عباسؓ کی روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ جب ان میں ایک چھین لیا جاتا ہے تو دوسرا بھی اس کے پیچھے پیچھے روانہ ہو جاتا ہے۔ (شعب الایمان)

(۴۶۷) انسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا فحش اور بے حیائی جس چیز میں بھی پیدا ہو جائے اسے عیب دار اور بدنما کر دیتی ہے اور شرم و حیا جس چیز میں پیدا ہو جائے اسے خوشنما بنا دیتی ہے۔ (ترمذی)

(۴۶۸) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کسی بندہ کو ہلاک کرنے کا ارادہ فرما لیتا ہے تو پہلے

---

(۴۶۶) حمید بن زنجویہ نے کتاب الادب میں حضرت ابن عباس سے نقل کیا ہے الحیاء والایمان فی قرن فاذا نزع الحیاء تبعہ الآخر۔ (جامع ص ۱۲۲) حیاء و ایمان دونوں کے ہونے کی صورت میں ایک کے اٹھ جانے سے دوسرے کا اٹھ جانا تو حدیثوں میں آتا ہے مگر دونوں کے نہ ہونے کی صورت میں صرف ایک کے آجانے سے دوسرے کا آجانا اب تک کسی حدیث میں ہماری نظر سے نہیں گذرا بظاہر اس کی وجہ یہ ہے کہ اصل مقصد مومن کو شرم و حیا کی ترغیب دینا ہے اور بے حیائی کی صورت میں اس امر سے ڈرانا ہے کہ کہیں اصل متاع ایمانی بھی اس کے ہاتھوں سے کھوئی نہ جائے اس کے لئے یہی تعبیر مناسب تھی صرف ایمان و حیاء کا وجوداً و عدماً فلسفہ بیان کرنا مقصود نہیں ہے تاکہ محض فلسفیانہ پہلو سے اس کا دوسرا رخ بھی زیر بحث لایا جاتا۔

(۴۶۷) حضرت شاہ ولی اللہ تحریر فرماتے ہیں کہ رکنیت کی حیثیت صرف ان اعمال کو حاصل ہو سکتی ہے جن کا انضباط اور صحیح اندازہ ممکن ہو حیاء اور دیگر اخلاقیات چونکہ پورے طور پر منضبط نہیں ہو سکتے۔ اس لئے ان کو رکن قرار نہیں دیا گیا باوجودیکہ ان کی اہمیت ظاہر ہے۔ (حجۃ اللہ ص ۹۲)

(۴۶۸) سبحان اللہ۔ حیاء بھی اسلام کا کتنا اہم شعبہ ہے جس کے نزع کا نتیجہ سلب اسلام بھی نکل سکتا ہے مگر یہ نتیجہ یکلخت نہیں نکلتا بلکہ اس کے درمیان میں بہت سی کڑیاں ہیں ہر بعد کی کڑی پہلی سے شدید تر ہے جو پہلی کڑی کو پکڑ لیتا ہے اس کے لئے دوسری کا پکڑنا بھی لازم ہو جاتا ہے اور اس تدریجی تنزل کی وجہ سے اس کو اپنے امروز و فردا کا

أَنْ يُهْلِكَ عَبْدًا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ فَإِذَا نَزَعَ مِنْهُ الْحَيَاءَ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا مَقِيتًا مُمَقَّتًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا مَقِيتًا مُمَقَّتًا نُزِعَتْ مِنْهُ الْأَمَانَةُ فَإِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الْأَمَانَةُ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا خَائِنًا مُخَوَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ فَإِذَا نُزِعَتْ مِنْهُ الرَّحْمَةُ لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا رَجِيمًا مُلَعَّنًا فَإِذَا لَمْ تَلْقَهُ إِلَّا رَجِيمًا مُلَعَّنًا نُزِعَتْ مِنْهُ رِبْقَةُ الْإِسْلَامِ۔ (رواہ ابن ماجہ)

(۴۶۹) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ كُنْتُ رَجُلًا مَذَّاءً فَكُنْتُ أَسْتَحْيِي أَنْ أَسْأَلَ النَّبِيَّ صلی اللہ علیہ وسلم لِمَكَانِ ابْنَتِهِ فَأَمَرْتُ الْمِقْدَادَ فَسَأَلَهُ فَقَالَ يَغْسِلُ ذَكَرَهُ وَيَتَوَضَّأُ (متفق علیہ)

اس سے حیا و شرم چھین لیتا ہے جب اس میں شرم و غیرت نہیں رہتی تو وہ لوگوں کی نظروں میں حقیر اور مبغوض بن جاتا ہے جب اس کی حالت اس نوبت کو پہنچ جاتی ہے تو پھر اس سے امانت کی صفت بھی چھین لی جاتی ہے جب اس میں امانت داری نہیں رہتی تو وہ خیانت در خیانت میں مبتلا ہونے لگتا ہے اس کے بعد اس سے صفت رحمت اٹھالی جاتی ہے پھر تو وہ پھٹکارا ہوا مارا مارا پھرنے لگتا ہے جب تم اس کو اس طرح مارا مارا پھرتا دیکھو تو وہ وقت قریب آجاتا ہے کہ اب اس سے رشتۂ اسلام ہی چھین لیا جائے (ابن ماجہ)

(۴۶۹) حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ میں ایک شخص تھا جس کے مذی بڑی کثرت سے خارج ہوتی تھی چونکہ آپ کی صاحبزادی میرے نکاح میں تھیں اس لئے آپ سے براہ راست مسئلہ پوچھنے سے تو مجھے حیا دامنگیر ہوئی اس لئے میں نے مقداد سے کہا کہ تم اس کا مسئلہ دریافت کرلو انھوں نے پوچھا تو آپ نے فرمایا صرف عضو خاص کو دھو کر وضو کرلینا کافی ہے۔ (متفق علیہ)

تنزل کا احساس بھی نہیں ہوتا حتی کہ شدہ شدہ وہ اسلام کے خصوصی صفات سے خالی ہوتا چلا جاتا ہے اور ایک دن وہ آجاتا ہے کہ اسلام کا عروۃ وثقیٰ اس کے ہاتھوں سے چھوٹ جاتا ہے انا للہ وانا الیہ راجعون۔

اگر حدیث کے الفاظ پر نظر ڈالو تو ایمان سے قبل تم کو تین صفتوں کا ذکر ملے گا۔ حیاء، امانت، رحمت۔ ان کے بعد اسلام کا نمبر ہے۔ ان صفتوں میں حیاء و امانت کا اسلام سے بہت گہرا ربط ہے اس کا تذکرہ اور مختلف حدیثوں میں بھی آتا ہے، اب رہ گئی رحمت تو یہ وہ آخری صفت ہے کہ جو اس سے محروم ہوگیا سمجھ لو کہ اس کے پلے اب کچھ نہیں رہا۔

(۴۶۹) اتنی شرم جو اہل مروت میں کمال شمار ہو اور مسئلہ معلوم کرنے میں حائل بھی نہ ہو قابل مدح ہے اور وہ شرم جو اہل دنیا کی رسم میں داخل ہو اور شرعی حکم معلوم کرنے سے مانع ہوجائے قابل مذمت ہے۔ اسلام نے بیباکی اور گستاخی کی تعلیم بھی نہیں دی اور ادب و تعظیم میں اتنے غلو سے بھی روکا ہے جو انسان کو عبادت کے قریب کردے اور افراط و تفریط کی دونوں راہوں سے بچا کر اس کے لئے متوسط حدود مقرر کردی ہیں جن سے اخلاقیات کی پوری پوری تکمیل ہوجاتی ہے۔

(۴۷۰) عَنْ اُمِّ سَلَمَۃَ قَالَتْ قَالَتْ اُمُّ سُلَیْمٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَسْتَحْیِیْ مِنَ الْحَقِّ فَھَلْ عَلَی الْمَرْاَۃِ مِنْ غُسْلٍ اِذَا احْتَلَمَتْ قَالَ نَعَمْ اِذَا رَاَتِ الْمَاءَ (متفق علیہ)

(۴۷۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَتْ اِمْرَاۃٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَعْرِضُ عَلَیْہِ نَفْسَھَا فَقَالَتْ ھَلْ لَکَ حَاجَۃٌ فِیَّ فَقَالَتْ اِبْنَتُہٗ مَا اَقَلَّ حَیَاءَھَا فَقَالَ ھِیَ خَیْرٌ مِنْکِ عَرَضَتْ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَفْسَھَا (رواہ البخاری)

(۴۷۲) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ نِعْمَ النِّسَاءُ نِسَاءُ الْاَنْصَارِ لَمْ یَمْنَعْھُنَّ الْحَیَاءُ اَنْ یَتَفَقَّھْنَ فِی الدِّیْنِ۔ (رواہ البخاری فی ترجمۃ الباب)

---

(۴۷۰) ام سلمہؓ روایت کرتی ہیں کہ ام سلیم نے پوچھا یا رسول اللہ دین کی بات بیان کرنے میں اللہ تعالیٰ بھی شرم نہیں کرتا (فرمائیے) اگر عورت کو احتلام ہو جائے تو کیا اس پر بھی غسل فرض ہے آپ نے فرمایا جی ہاں بشرطیکہ منی دیکھ لے۔ (متفق علیہ)

(۴۷۱) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں وہ اپنے آپ کو آپ کے نکاح کے لئے پیش کرنا چاہتی تھیں وہ بولیں کیا میرے معاملہ میں آپ کچھ غور فرما سکتے ہیں؟ یہ سن کر انسؓ کی صاحبزادی کہنے لگیں یہ عورت کیسی بے شرم ہے حضرت انسؓ نے فرمایا تجھ کو تو زیادہ سعادتمند ہے اپنے نفس کو خدا کے رسول کی خدمت ہی کے لئے تو پیش کر رہی ہے۔ (بخاری شریف)

(۴۷۲) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ انصار کی عورتیں بھی کیا خوب عورتیں ہوتی ہیں جن کو دین کے مسائل سیکھنے میں ذرا شرم دامنگیر نہیں ہوتی۔ (بخاری)

---

(۴۷۰) یہاں ام سلیم نے جس جملہ سے اپنے سوال کی ابتداء کی ہے وہ قرآن کریم کی ایک آیت بھی ہے اور ان کے آئندہ سوال کے ایک مناسب تمہید بھی یہ عرب کی فطری بلاغت تھی کہ اتنے مختصر جملے اسپر اتنے زور دار کہ اس پر اعتراض کی کسی کو گنجائش بھی نہ ہو۔ جو حیاء حقوق اللہ یا حقوق العباد میں تقصیر کا موجب ہو وہ حیا نہیں وہ ضعف اور بزدلی پر وہ عجز اور احساس کمتری ہے۔

(۴۷۱) شرم و حیا میں اپنے اپنے ملک کے رسم و رواج کے لحاظ سے بڑا فرق ہوتا ہے پھر زمانہ کی ترقی کے ساتھ ساتھ اس کی تہذیب بھی بدلتی رہتی ہے اور ان سب سے بڑھکر یہ کہ انسانوں کے مزاجوں میں بڑا تفاوت ہوتا ہے جہاں تک شرعی حدود نہ ٹوٹیں اس بارے میں شریعت نے پوری آزادی دی ہے یہاں کسی کو کسی پر اعتراض کا کوئی حق حاصل نہیں ہے اگر ایک عورت کسی عام شخص سے شادی کرنے کی خواہش ظاہر کر سکتی ہے تو اس عورت پر کسی کو اعتراض کا کیا حق تھا جس نے اپنے حق میں سب سے بڑی سعادت حاصل کرنے کا ارادہ کیا تھا۔

(۴۷۳) حَدَّثَنَا بَهْزُ بْنُ حَكِيمٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ عَوْرَاتُنَا مَا نَأْتِي مِنْهَا وَمَا نَذَرُ قَالَ احْفَظْ عَوْرَتَكَ إِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ أَوْ مِنْ مَا مَلَكَتْ يَمِينُكَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِذَا كَانَ الْقَوْمُ بَعْضُهُمْ فِي بَعْضٍ قَالَ إِنْ اسْتَطَعْتَ أَنْ لَا يَرَاهَا أَحَدٌ فَلَا تُرِيَنَّهَا قَالَ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ إِذَا كَانَ أَحَدُنَا خَالِيًا قَالَ فَاللّٰهُ أَحَقُّ أَنْ يُسْتَحْيَى مِنَ النَّاسِ۔ رواہ الترمذی وقال حدیث حسن۔

(۴۷۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِيَّاكُمْ وَالتَّعَرِّيَ فَإِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَا يُفَارِقُكُمْ إِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِينَ يُفْضِي الرَّجُلُ إِلَى أَهْلِهِ فَاسْتَحْيُوهُمْ وَأَكْرِمُوهُمْ

(رواہ الترمذی وقال حدیث غریب لا معرفۃ الا من ھذا الوجہ)

---

(۴۷۳) بہز بن حکیم اپنی سند سے بیان کرتے ہیں کہ ہم نے پوچھا یا نبی اللہ ہم اپنے ستر کا کونسا حصہ کھول سکتے ہیں اور کونسا نہیں کھول سکتے، آپ نے فرمایا اپنا ستر چھپاؤ بجز اپنی بی بی یا لونڈی باندی کے میں نے عرض کیا یا رسول اللہ فرمایئے اگر اس وقت لوگ موجود ہوں (اور ضرورت پیش آئے تو میں کیا کروں آپ نے فرمایا (مختصر بات یہ ہے) کہ اگر تم یہ کر سکتے ہو کہ کسی شخص کی نظر تمہارے ستر پر نہ پڑے تو نہ پڑنے دو، میں نے پوچھا اچھا تو یہ فرمایئے کہ جب ہم میں ایک شخص تنہا ہو وہاں کوئی اور نہ ہو (کیا وہ تنہائی میں ننگا ہو سکتا ہے) فرمایا اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تو ہر جگہ حاضر و ناظر ہے اس سے شرم و لحاظ کرنا انسانوں سے زیادہ ضروری ہے۔ (ترمذی)

(۴۷۴) ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خبردار عریانی سے بچنا کیونکہ تمہارے ساتھ خدائے تعالیٰ کے وہ فرشتے بھی رہتے ہیں جو کسی وقت تم سے جدا نہیں ہوتے بجز دو وقتوں کے ایک پاخانہ جانے کے وقت دوسرے اس وقت جبکہ آدمی اپنی بی بی سے ہمبستر ہوتا ہے تو ان سے شرم کرو اور ان کا لحاظ رکھو۔ (ترمذی)

---

(۴۷۴) یہ دونوں حدیثیں حیاء اکتسابی سے متعلق ہیں پہلی حدیث میں اسلام کے مرتبہ احسان کی طرف اشارہ ہے اور اس میں یہ سمجھا دیا گیا ہے کہ مومن کے قلب و دماغ میں اپنے خالق کا تصور اس درجہ غالب اور قوی رہنا چاہئے کہ اپنی خلوتوں میں بھی جہاں عام لوگ خدائے تعالیٰ کے تصور سے خالی الذہن ہوتے ہیں یا ایسا مغلوب ہو کہ جو کام دنیا مخلوق کے خوف سے جلوت میں نہ کرتی ہو خدائے تعالیٰ کے خوف سے خلوت میں بھی نہ کر سکے۔ یہ سچ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی نظر میں ستر و غیر ستر سے کوئی فرق نہیں پڑتا مگر بندہ کے اختیاری آداب میں تو فرق پڑتا ہے اس پر بس اتنا ہی لازم ہے کہ اپنی حدود آداب سے تجاوز نہ کرے —— دوسری حدیث سے یہ بھی معلوم ہوا کہ فرشتے اللہ تعالیٰ کی ایسی مخلوق ہیں جن کا احترام کرنا ہمارے ذمہ لازم ہے ان کے ساتھ اس آداب اور شائستگی کے ساتھ پیش آنے میں انسانی خلافت کی لاج بھی رہ جاتی ہے اور ہم پر ان کے وحشت و بدتہذیبی کے اعتراض کا جواب بھی ہو جاتا ہے اسی لئے جہاں کہیں ہمارا فرشتوں سے سابقہ پڑنے کا موقعہ آتا ہے شریعت وہیں ہم کو مؤدب اور مطیع رہنے کی ہدایت کر دیتی ہے تاکہ ان کو معلوم ہو جائے کہ ہم اتنے ناشائستہ بھی نہیں اور نہ ایسے عاصی ہیں جتنی کہ ان کو ہماری نسبت بدظنی ہو گئی تھی۔

(٤٧٥) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ رَبَّكُمْ حَيِيٌّ كَرِيْمٌ يَسْتَحْيِيْ مِنْ عَبْدِهٖ إِذَا رَفَعَ يَدَيْهِ إِلَيْهِ أَنْ يَرُدَّهُمَا صِفْرًا۔ (رواہ الترمذی و ابوداؤد والبیہقی فی الدعوات الکبیر)

(٤٧٦) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ اِسْتَحْيُوْا مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ حَقَّ الْحَيَاءِ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّا نَسْتَحْيِيْ وَالْحَمْدُ لِلّٰهِ قَالَ

(٤٧٥) سلمان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو شرم کی صفت بہت محبوب ہے، وہ بڑا کریم ہے اس کو اپنے بندہ سے شرم آتی ہے کہ جب وہ اس کے سامنے اپنی حاجت کے لئے اپنے دونوں ہاتھ اٹھادے تو وہ ان کو خالی واپس کردے۔ (ترمذی)

(٤٧٦) عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ رضی اللہ عنہم سے فرمایا، اللہ تعالیٰ سے ایسے شرماؤ جیسا اس سے شرمانا چاہیے ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ خدا تعالیٰ کا

(٤٧٥) خدائے قادر توانا جب اپنے بندہ کو خالی ہاتھ واپس کرنے سے شرماتا ہے تو بندۂ عاجز کو بھی لازم ہے کہ وہ اپنے مولیٰ کے سامنے بے حیائی کرنے سے شرمائے۔ خلاصہ یہ کہ حیا ان معالی اخلاق میں سے ہے جس کی نسبت قدوسیوں اور خود عالم قدس کی طرف بھی آگئی ہے اس لئے اس صفت کی جتنی نگہداشت کی جائے وہ انسان کیلئے اتنی ہی تقدیس کا موجب ہے اور جتنی اس میں غفلت برتی جائے وہ اتنی اس کے تنزل کا باعث ہے۔

(٤٧٦) ہم نے بار بار آپ کو اس طرف توجہ دلائی ہے کہ اسلام میں احسان کا مرتبہ سب سے اہم مقصد ہے اور یہی ہر عبادت کی روح ہے۔ تمام عبادات اسی کیفیت کے پیدا کرنے کے لئے ہیں اگر عبادت سے یہ تصور پیدا نہیں ہوتا تو سمجھو کہ اس کی ادائیگی میں ضرور کوئی قصور رہ گیا ہے اس حدیث کا مقصد بھی نسبت احسان کی تربیت ہے۔ صحابہ نے آپ کے سوال کا جواب حیا کے عام مفہوم کے مطابق دیدیا تھا لیکن آپ نے سمجھایا کہ میرا مقصد یہاں احسان کا وہ مرتبہ نہیں جس پر پہنچکر اللہ تعالیٰ کے احکام کے انحراف سے شرم آنے لگتی ہے بلکہ اس سے بڑھ کر وہ دائمی استحضار اور پختہ تصور مراد ہے جس کے بعد انسان کے جسم کا ایک ایک حصہ اس کی فرمانبرداری کے لئے مضطر اور اس کی معصیت سے لرزاں و ترساں نظر آنے لگتا ہے۔ قلب و دماغ میں شریعت کے خلاف سوچنے کی ہمت نہیں رہتی کانوں میں ناجائز امور کے سننے آنکھوں میں غیر محرموں کی طرف نظر کرنے اور زبان میں شریعت کے خلاف جنبش کرنے کی طاقت نہیں رہتی آخرت کا مقصد نظر دل کے سامنے اتنا بلند ہو جاتا ہے کہ دنیا کی تمام عارضی زینت ایک لہو و لعب نظر آنے لگتی ہے، موت اور ما بعد الموت کے مناظر اس طرح پیش نظر رہنے لگتے ہیں کہ متاع دنیا سے کوئی لگاؤ نہیں رہتا۔ جب نسبت احسان کے اثرات کا دائرہ اتنا قوی اور وسیع ہو جائے تو اب سمجھو کہ جتنا تم کو اس سے شرمانا چاہیے تھا اب تم اتنا شرمانے لگے ہو یوں عام طور پر اس کی معصیت سے احتراز کرنا بھی گو اس کی دلیل ہے کہ کسی نہ کسی مرتبہ میں اللہ تعالیٰ سے حیا کرنے کی صفت تم میں پیدا ہو چکی ہے لیکن دنیوی لذتوں میں گرفتار رہنا اپنے جوارح پر پورا محاسبہ قائم نہ رکھنا اور موت اور ما بعد الموت کے تصور سے گاہ گاہ غافل ہو جانا اس کی دلیل ہے کہ یہ صفت ہنوز پورے طور پر راسخ نہیں ہوئی اور اللہ تعالیٰ سے شرمانے کا جو حق تھا وہ ابھی پورا

لَيْسَ ذٰلِكَ وَلٰكِنْ مَنِ اسْتَحْيٰى مِنَ اللّٰهِ حَقَّ الْحَيَاءِ فَلْيَحْفَظِ الرَّأْسَ وَمَا حَوٰى وَلْيَحْفَظِ الْبَطْنَ وَمَا وَعٰى وَلْيَذْكُرِ الْمَوْتَ وَالْبِلٰى وَمَنْ اَرَادَ الْاٰخِرَةَ تَرَكَ زِيْنَةَ الدُّنْيَا فَمَنْ فَعَلَ ذٰلِكَ فَقَدِ اسْتَحْيَا مِنَ اللّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ حَقَّ الْحَيَاءِ (رواہ احمد فی مسندہ و رواہ الترمذی مع بعض تغیر وصاحب المشکوۃ فی باب تمنی الموت)

## الغيرة

(۴۷۷) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يَغَارُ وَاِنَّ الْمُؤْمِنَ يَغَارُ وَغَيْرَةُ اللّٰهِ اَنْ لَّا يَاْتِيَ الْمُؤْمِنُ مَا حَرَّمَ اللّٰهُ۔ (متفق علیہ)

شکر، کہ ہم اس سے شرماتے ہیں، آپ نے فرمایا یہ اصل شرمانا نہیں ہے جو شخص اللہ تعالیٰ سے دراصل شرماتا ہے اسے چاہیے کہ اپنے دماغ کو، اپنے گوش وچشم کو، اپنی زبان ودہن کو اور اپنے شکم وفرج کو تمام ناجائز باتوں سے محفوظ رکھے موت اور اس کے بعد اپنے جسم کی خستگی کو پیش نظر رکھے جو آخرت کا ارادہ کرلے اسے لازم ہے کہ دنیا کی زینت چھوڑ بیٹھے جس نے یہ سب مراحل طے کرلئے اسے سمجھو کہ اس نے اللہ تعالیٰ سے شرمانے کا حق ادا کیا۔ (احمد)

## غیرت

(۴۷۷) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کو بھی غیرت آتی ہے اور بندۂ مومن کو بھی غیرت آتی ہے مگر اللہ تعالیٰ کی غیرت یہ ہے کہ اس کا مومن بندہ اس چیز کا ارتکاب کرے جس کو اللہ تعالیٰ نے حرام کیا ہے۔ (متفق علیہ)

ادا نہیں ہوا۔ یاد رہے کہ اگر بالفرض کوئی خوش نصیب اس نعمت عظمیٰ سے فائز ہوجائے تو بھی اسے یہ سمجھنا چاہیے کہ یہ ایک بے مایہ انسان کی صرف ایک بے قیمت جدوجہد ہے اور اس مغالطہ میں نہ پڑنا چاہیے کہ اپنی اس بے قیمت جدوجہد سے اس نے مالک علی الاطلاق کے حق کا کوئی حصہ ادا کر دیا ہے یہ اس کا کرم ہے کہ وہ ایک عاجز انسان کی صرف سعی ناتمام پر اپنے حقوق سے بے باقی کا اعلان کردیتے ہیں ؎

جان دی۔ دی ہوئی اسی کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

(۴۷۷) حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں کہ انسان غیرت ضرور کرتا ہے مگر اس میں وہ راہ اعتدال پر قائم نہیں رہتا جیسا کہ حضرت سعدؓ کے آئندہ قصہ سے واضح ہے لیکن اللہ تعالیٰ کی شان اعلیٰ وارفع ہے اس کی ہر شان کمال پر ہے اس کی غیرت کا مصداق ہر حال قابل مدح رہتا ہے۔ (الجواب الکافی ص۲)

(۴۷۸) عَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ رَأَيْتُ رَجُلًا مَعَ امْرَأَتِي لَضَرَبْتُهُ بِالسَّيْفِ غَيْرُ مُصْفَحٍ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ وَاللّٰهِ لَاَنَا اَغْيَرُ مِنْهُ وَاللّٰهُ اَغْيَرُ مِنِّيْ وَمِنْ اَجْلِ غَيْرَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا اَحَدَ اَحَبُّ اِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ بَعَثَ الْمُنْذِرِيْنَ وَالْمُبَشِّرِيْنَ وَلَا اَحَدَ اَحَبُّ اِلَيْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ وَعَدَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ۔ (متفق علیہ)

(۴۷۹) عَنْ عَائِشَةَ نَحْوَ حَدِيْثِ ابْنِ عَبَّاسٍ وَقَالَتْ ثُمَّ سَجَدَ فَاَطَالَ السُّجُوْدَ ثُمَّ انْصَرَفَ وَقَدِ انْجَلَتِ الشَّمْسُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَحَمِدَ اللّٰهَ وَاَثْنٰى عَلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ اٰيَتَانِ مِنْ اٰيَاتِ اللّٰهِ لَا يَخْسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَلَا لِحَيٰوتِهٖ فَاِذَا رَاَيْتُمْ ذٰلِكَ فَادْعُوا اللّٰهَ وَكَبِّرُوْا وَصَلُّوْا وَتَصَدَّقُوْا ثُمَّ قَالَ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ وَاللّٰهِ مَا مِنْ اَحَدٍ اَغْيَرَ

---

(۴۷۸) مغیرہ روایت کرتے ہیں کہ سعد بن عبادہ نے فرمایا اگر کہیں میں اپنی بی بی کو کسی اجنبی مرد کے ساتھ مشتبہ حالت میں دیکھ پاؤں تو میں تو فوراً اس کے تلوار ماردوں وہ بھی چپٹی نہیں بلکہ دھار کی طرف سے۔ ان کی یہ بات آپ کو بھی پہنچ گئی آپ نے فرمایا تم کو سعد کی غیرت پر کیا تعجب ہے بخدا میں ان سے کہیں زیادہ باغیرت ہوں اور مجھ سے کہیں زیادہ اللہ تعالیٰ کو غیرت کرنا پسند ہے یہی تو وجہ ہے کہ اس نے کھلے اور ڈھکے تمام بیحیائیوں سے منع فرمایا ہے اور خدا سے بڑھ کر کوئی ایسا نہیں جس کو عذر کرنا زیادہ پسند ہو یہی تو وجہ ہے کہ اس نے پہلے سے اپنی جانب سے خدا تعالیٰ کے عذاب سے ڈرانے والے اور اس کے ثواب کی بشارت دینے والے رسول بھیجدیئے ہیں۔ اور خدا تعالیٰ سے بڑھکر کسی کو اپنی تعریف بھی پسند نہیں یہی تو وجہ ہے کہ اس نے جنت کا وعدہ فرمایا ہے۔ (متفق علیہ)

(۴۷۹) حضرت عائشہؓ نے (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سورج گرہن میں نماز کا قصہ) حضرت ابن عباسؓ کی حدیث کے مطابق ذکر فرمایا۔ اس میں یہ بھی ذکر کیا کہ آپ نے اس نماز میں سجدہ کیا اور بڑا لمبا سجدہ کیا اس کے بعد جب آپ فارغ ہو گئے تو آفتاب صاف ہو چکا تھا۔ آپ نے خطبہ دیا اور خدا کی حمد وثنا کے بعد فرمایا کہ آفتاب و ماہتاب خدا کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں نہ تو ان کو کسی کی موت پر گرہن لگتا ہے نہ پیدائش پر جب تم ان کو اس حالت میں دیکھو تو خدا کی یاد اور اس کی بزرگی بیان کرو، نماز پڑھو، اور صدقہ دو، اس کے بعد فرمایا اے امت محمد خدا تعالیٰ سے زیادہ غیرت کی صفت کسی کو محبوب نہیں اس کو بڑی غیرت آتی ہے کہ کوئی عورت یا مرد اس کی

مِنَ اللّٰهِ اَنْ يَّزْنِيَ عَبْدُهٗ اَوْ تَزْنِيَ اَمَتُهٗ يَا اُمَّةَ مُحَمَّدٍ لَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا اَعْلَمُ لَضَحِكْتُمْ قَلِيْلًا وَلَبَكَيْتُمْ كَثِيْرًا۔ (متفق علیه)

(۴۸۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عِنْدَ بَعْضِ نِسَائِهٖ فَاَرْسَلَتْ اِحْدٰى اُمَّهَاتِ الْمُؤْمِنِيْنَ بِصَحْفَةٍ فِيْهَا طَعَامٌ فَضَرَبَتِ الَّتِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بَيْتِهَا يَدَ الْخَادِمِ فَسَقَطَتِ الصَّحْفَةُ فَانْفَلَقَتْ فَجَمَعَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِلَقَ الصَّحْفَةِ ثُمَّ جَعَلَ يَجْمَعُ فِيْهَا الطَّعَامَ الَّذِيْ كَانَ فِي الصَّحْفَةِ وَيَقُوْلُ غَارَتْ اُمُّكُمْ ثُمَّ حَبَسَ الْخَادِمَ حَتّٰى اُتِيَ بِصَحْفَةٍ مِنْ عِنْدِ الَّتِيْ هُوَ فِيْ بَيْتِهَا فَدَفَعَ الصَّحْفَةَ الصَّحِيْحَةَ اِلَى الَّتِيْ كُسِرَتْ صَحْفَتُهَا وَاَمْسَكَ الْمَكْسُوْرَةَ فِي الَّتِيْ كَسَرَتْ۔ (رواہ البخاری)

مخلوق ہو کر زنا کرے اے امت محمدؐ جو جو پیش آمدنی خطرات میں جانتا ہوں اگر تم بھی جان لیتے تو ہنستے بہت کم اور روتے بہت۔ (متفق علیہ)

(۴۸۰) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی کسی بی بی کے گھر تھے اس وقت امہات المومنین میں سے کسی نے آپ کی خدمت میں ایک پیالہ میں کچھ کھانا بھیجا جس بی بی صاحبہ کے گھر میں آپ رونق افروز تھے، انھوں نے خادم کے ہاتھ کو ذرا اشارہ دیدیا پیالہ اس کے ہاتھ سے گر گیا اور ٹکڑے ٹکڑے ہو گیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پیالے کے ٹکڑے جوڑنے لگے اس کے بعد جو کھانا اس پیالہ میں رکھا ہوا تھا اس کو جمع کیا اور فرمایا (کچھ نہیں) تمہاری ماں کو اس وقت سوتن کی فطری غیرت آ گئی تھی اس کے بعد خادم کو ٹھیرا لیا اور جن کے گھر اس وقت آپ تشریف فرما تھے ان کے یہاں سے ایک اچھا پیالہ منگا کر جن کا پیالہ ٹوٹ گیا تھا ان کے لئے دیدیا اور ٹوٹا ہوا پیالہ ان کے گھر رکھ لیا جنھوں نے توڑا تھا۔ (بخاری شریف)

(۴۸۰) غیرت حیا کے علاوہ ایک اور صفت ہے اور وہ بھی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں ایسی ہی مطلوب ہے جیسی حیا۔ اور افراط و تفریط...... اس میں بھی ایسی ہی ناپسندیدہ ہے جیسی حیا میں اسلام نے خلقی اور طبعی صفتوں میں ترمیم نہیں کی بلکہ صرف ان کی حد مقرر فرما دی ہیں۔ ان صفات کے عالم قدس کی طرف انتساب میں ان کی برتری اور پسندیدگی کا اظہار منظور ہے اور یہ سمجھانا ہے کہ جو صفت اس بے نیاز کی جناب میں ثابت ہو کے ایک نیاز والی مخلوق کے لئے وہ کس درجہ موجب فخر ہونی چاہئے مگر اسی کے ساتھ یہ بھی واضح رہنا چاہئے کہ کمال یہ نہیں کہ اس میں اپنے نفس کی آزادی قائم رکھی جائے وہ اسی حد تک قابل تعریف ہے جہاں دوسرے کے حقوق اس کی زد میں نہ آجائیں اور جب اس میں دوسروں کے حقوق تلف ہونے لگیں تو اب وہی صفت قابل تعریف ہونے کی بجائے قابل مذمت ہو جائے گی۔ سعدؓ کی غیرت بیشک بڑی قابل تعریف تھی اگر شرعی حدود سے متجاوز نہ ہو جاتی اسی لئے آپ کا انداز بیان یہاں وہ نہیں جو صریح منکرات پر ہونا چاہئے بلکہ اس میں

## النصیحۃ للہ ولرسولہ ولعامۃ المسلمین

(۴۸۱) عَنْ تَمِیْمِ الدَّارِیِّ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الدِّیْنُ النَّصِیْحَۃُ ثَلَاثًا

## خدائے تعالیٰ اس کے رسول اور عام مسلمانوں کے حق میں مجسم خیر خواہی بن جانا

(۴۸۱) تمیم داری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے تین بار فرمایا خیر خواہی کرنا دین ہے۔

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) مدح کا بھی ایک پہلو نکل رہا ہے اسی طرح آپ نے ایک بی بی صاحبہ کے ایسے فعل پر جو اگر اس محل کے سوا کسی اور محل پر ہوتا تو شاید زیادہ قابل نکیر ہوتا زیادہ سخت گیری نہیں فرمائی بلکہ ایک سوتن کے لئے صبر آزما منظر کا عذر پیش کر کے جو اضطراری طور پر ان سے دوسرے کی حق تلفی ہوگئی تھی اس کی مکافات فرمادی یہاں انبیاء علیہم السلام دنیا میں خدائے تعالیٰ کی میزان ہوتے ہیں یہاں ایک ایک ذرہ عدل و انصاف کی ترازو میں برابر رہتا ہے۔ معقول عذر قبول نہیں ہوتا، کیسا نقصان گوارا نہیں ہوتا اور کسی کی مجبوری کو بالکل نظر انداز کردینا بھی پسند نہیں ہوتا۔

(۴۸۱) لغت میں "نصحت العسل" اس وقت کہا جاتا ہے جب شہد کو موم سے صاف کرلیا جائے امام ماتدی فرماتے ہیں کہ نصح کے معنی کسی چیز کا کھوٹ نکال دینا ہے یہ معنی اسی محاورہ سے ماخوذ ہیں۔ محکم میں ہے کہ نصح کھوٹ کی ضد ہے۔ ابن طریف لکھتا ہے کہ "نصح قلب الانسان" اس وقت بولتے ہیں جب دل میں کوئی کھوٹ باقی نہ رہے۔ اس بنا پر نصیحت للہ کے معنی یہ ہیں کہ بندہ اپنے اور خدا کے مابین کوئی کھوٹ کا معاملہ نہ رکھے اس کا سب سے بڑا کھوٹ یہ ہے کہ کسی کو اس کا شریک ٹھیرائے۔ اس کی صفات جلال و جمال کا پوری تنزیہ کے ساتھ اعتراف کرے اور اس کے اوامر و نواہی میں پوری مستعدی کا اظہار کرے علماء نے لکھا ہے کہ نصیحت للہ کا حاصل بالفاظ دیگر اپنے ہی نفس کی نصیحت اور اپنی ہی خیر خواہی کرنی ہے۔

کتاب اللہ کی نصیحت کے معنی یہ ہیں کہ پورے آداب کے ساتھ اس کی تلاوت کی جائے، بدل و جان اس کے معانی کی تصدیق کی جائے، اس کے علوم کی نشر و اشاعت کی جائے، اس کے پیروی کی تمام عالم کو دعوت دیجائے اور اس کے ہر ہر امر و نہی کے سامنے اعتراف و تسلیم کا سر خم کر دیا جائے۔

رسول کی نصیحت یہ ہے کہ اس کی رسالت کی تصدیق کی جائے جو دین وہ لیکر آیا ہے اس کا ایک ایک حرف مانا جائے ہر موقعہ پر اس کی نصرت کے لئے سر بکف حاضر رہے اس کے صحابہ اور اس کے اہل بیت کی محبت اور ان کا ادب پورے طور پر ملحوظ رہے۔

ائمہ مسلمین کی نصیحت یہ ہے کہ ہر حق معاملے میں ان کی اعانت کی جائے، ان کے ساتھ جہاد میں شرکت کی جائے، ان کے پیچھے نمازیں ادا کی جائیں جو صدقات بیت المال کا حق ہیں وہ ان کو ایمانداری کے ساتھ بآسانی پہنچا دیئے جائیں اور ان کے ساتھ غداری نہ کی جائے۔

عام مسلمانوں کی نصیحت کے یہ معنی ہیں کہ دنیوی اور اخروی سب مصلحتیں ان کو بتا دی جائیں، ان کو ایذا نہ دی جائے، ان کے عیوب کی پردہ پوشی کی جائے اور خیر خواہی میں ان کو اپنے نفس کے برابر سمجھا جائے۔

قُلْنَا لِمَنْ قَالَ لِلّٰهِ وَلِكِتَابِهٖ وَلِرَسُوْلِهٖ وَلِاَئِمَّةِ الْمُسْلِمِيْنَ وَعَامَّتِهِمْ۔ (رواہ مسلم)

خلاصہ یہ ہے، ہم نے عرض کیا کس کی۔ فرمایا اللہ کی، اس کی کتاب کی، اس کے رسول کی، ائمہ مسلمین کی، اور سب مسلمانوں کی۔ (مسلم شریف)

قرآن کریم میں نصح وخیر خواہی کرنا انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا جزء اہم قرار دیا گیا ہے۔

حضرت نوح علیہ السلام فرماتے ہیں۔

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ ضَلٰلَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنْصَحُ لَكُمْ وَاَعْلَمُ مِنَ اللّٰهِ مَا لَا تَعْلَمُوْنَ (اعراف)

اس پر (حضرت) نوح (علیہ السلام) نے کہا بھائیو مجھ میں تو گمراہی کی کوئی بات ہے نہیں بلکہ میں تو پروردگار عالم کا بھیجا ہوا ہوں تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچاتا ہوں اور تمہارے حق میں خیر خواہی کر رہا ہوں اور میں اللہ کے بتانے سے ایسی ایسی باتیں جانتا ہوں جن کو تم نہیں جانتے۔

حضرت ھود علیہ السلام فرماتے ہیں۔

قَالَ یٰقَوْمِ لَیْسَ بِیْ سَفَاهَةٌ وَّلٰكِنِّیْ رَسُوْلٌ مِّنْ رَّبِّ الْعٰلَمِیْنَ اُبَلِّغُكُمْ رِسٰلٰتِ رَبِّیْ وَاَنَا لَكُمْ نَاصِحٌ اَمِیْنٌ۔ (اعراف)

(حضرت) ہود علیہ السلام نے کہا بھائیو مجھ میں بیوقوفی کی تو کوئی بات ہے نہیں بلکہ میں پروردگار عالم کا بھیجا ہوا رسول ہوں تم کو اپنے پروردگار کے احکام پہنچاتا ہوں اور میں بھروسے کے قابل تمہارا خیر خواہ ہوں۔

حضرت صالح علیہ السلام نے فرمایا۔

فَتَوَلّٰی عَنْهُمْ وَقَالَ یٰقَوْمِ لَقَدْ اَبْلَغْتُكُمْ رِسَالَةَ رَبِّیْ وَنَصَحْتُ لَكُمْ وَلٰكِنْ لَّا تُحِبُّوْنَ النّٰصِحِیْنَ۔ (اعراف)

جب ثمود پر عذاب نازل ہو چکا تو حضرت صالح (علیہ السلام) ان کے پاس سے چلے گئے اور چلتے وقت ان کو مخاطب ہو کر فرمایا بھائیو میں نے تو اپنے پروردگار کے احکام تم کو پہنچا دیئے اور تمہاری خیر خواہی کرنی تھی کر دی تھی مگر تم پر کچھ ایسی شامت سوار تھی کہ تم کب اپنے خیر خواہوں کی قدر کرتے۔

حافظ ابن رجب فرماتے ہیں کہ حدیث بالا میں نصیحت وخیر خواہی کو دین فرمایا گیا ہے اور حدیث جبرئیل کے آخر میں اسلام و ایمان واحسان کے مجموعہ کو بھی دین فرمایا گیا ہے۔ دونوں حدیثوں کو ملاؤ تو نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اسلام وایمان واحسان سب "نصیحت" ہی کے اجزاء ہیں اور جس طرح ان کا مجموعہ دین ہے اسی طرح خدا ورسول کی خیر خواہی بھی دین ہے۔

محمد بن نصر نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ نصح للہ کی دو قسمیں ہیں (۱) فرض (۲) نفل۔ فرض یہ ہے کہ اس کی حرام کردہ چیزوں سے پرہیز کیا جائے اور اس کے احکام کی بجا آوری میں بدل وجان سعی کی جائے اگر کسی عذر کی وجہ سے ادا نہ کر سکے تو اس کا عزم رکھے کہ جب کبھی موقع ملے گا اس کی تلافی کرے گا۔ قرآن عزیز میں ارشاد ہے۔

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

(۴۸۲) عَنْ حُذَیْفَۃَ بْنِ الْیَمَانِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَا یَھْتَمُّ بِاَمْرِ الْمُسْلِمِیْنَ فَلَیْسَ مِنْھُمْ وَمَنْ لَمْ یُمْسِ وَیُصْبِحْ نَاصِحًا لِلّٰہِ وَلِرَسُوْلِہٖ وَلِکِتَابِہٖ وَلِاِمَامِہٖ وَلِعَامَّۃِ الْمُسْلِمِیْنَ فَلَیْسَ مِنْھُمْ۔ (اخرجہ الطبرانی)

(۴۸۳) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اَحَبُّ مَا تَعَبَّدَنِیْ بِہٖ عَبْدِیْ النُّصْحُ لِیْ۔ (اخرجہ احمد)

(۴۸۲) حذیفہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص مسلمانوں کے معاملات کی کوئی پرواہ نہیں کرتا اس کا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں اور جس شخص نے صبح سے شام یا شام سے صبح تک خدائے تعالیٰ، اس کے رسول، اس کی کتاب اور عام مسلمانوں کی خیر خواہی سے غفلت اختیار کی اس کا بھی مسلمانوں سے کوئی رشتہ نہیں۔ (طبرانی)

(۴۸۳) ابو امامہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ایک حدیث قدسی میں ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ فرماتا ہے وہ سب سے زیادہ پیارا طریقہ جو میرا بندہ میری فرمانبرداری کے لئے اختیار کرتا ہے میری خیر خواہی کرنی ہے۔ (مسند احمد)

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ)

لَیْسَ عَلَی الضُّعَفَاءِ وَلَا عَلَی الْمَرْضٰی وَلَا عَلَی الَّذِیْنَ لَا یَجِدُوْنَ مَا یُنْفِقُوْنَ حَرَجٌ اِذَا نَصَحُوْا لِلّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ مَا عَلَی الْمُحْسِنِیْنَ مِنْ سَبِیْلٍ وَاللّٰہُ غَفُوْرٌ رَّحِیْمٌ۔ (توبۃ)

کمزوروں اور بیماروں پر کچھ گناہ نہیں اور نہ ان پر جن کو خرچ میسر نہیں بشرطیکہ جہاد سے پیچھے بیٹھ رہ کر بھی اللہ اور اس کے رسول کی خیر خواہی میں لگے رہیں، ان نیک کاروں پر کوئی الزام نہیں اور اللہ تعالیٰ بخشنے والا مہربان ہے۔

گویا جن لوگوں کے قلوب میں نصح للہ کا مضمون باقی رہا وہ جہاد میں شریک نہ ہو کر بھی محسنین کی فہرست سے خارج نہیں ہوئے۔ آیت بالا سے معلوم ہوا کہ عذر کی بنا پر اعمال جوارح اور فریضہ جہاد جیسا اہم فرض بھی ساقط ہو سکتا ہے مگر نصح للہ کا مطالبہ کسی وقت بھی قابل سقوط نہیں۔ ایک معذور شخص سے نماز جیسے اہم فرض کی ادائیگی موخر ہو سکتی ہے مگر قلبی ندامت اور آئندہ ادائیگی کا پورا پورا عزم ......... اس کے ذمہ سے ساقط نہیں ہو سکتا بس نصح للہ کا خلاصہ یہ ہے کہ اس کی رضا سے راضی اور نارضائی سے ناراض ہو جائے۔

(۲) نصیحت نافلہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی محبت اپنے نفس کی محبت پر اس درجہ غالب کر دے کہ جب کسی چیز میں اپنے نفس اور شریعت کا مقابلہ آپڑے تو شریعت ہی کی جانب کو ترجیح دے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ اپنی تمام مرغوبات کو اللہ تعالیٰ کی محبت پر قربان کر ڈالے۔ (جامع العلوم والحکم ص ۵۶)

(۴۸۴) عَنْ حَكِيْمِ بْنِ اَبِيْ يَزِيْدَ عَنْ اَبِيْهِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اسْتَنْصَحَ اَحَدُكُمْ اَخَاهُ فَلْيَنْصَحْ لَهٗ۔ (اخرجہ احمد)

(۴۸۵) عَنْ جُبَيْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِيْ خُطْبَتِهٖ بِالْخَيْفِ مِنْ مِنًى ثَلَاثٌ لَا يَغِلُّ عَلَيْهِنَّ قَلْبُ امْرِئٍ مُسْلِمٍ اِخْلَاصُ الْعَمَلِ لِلّٰهِ وَمُنَاصَحَةُ وُلَاةِ الْاَمْرِ وَلُزُوْمُ جَمَاعَةِ الْمُسْلِمِيْنَ۔ (رواہ احمد وقد اخرجہ الدارقطنی فی الافراد باسناد جید)

(۴۸۶) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَرْضٰى لَكُمْ ثَلَاثًا يَرْضٰى لَكُمْ اَنْ تَعْبُدُوْهُ وَلَا تُشْرِكُوْا بِهٖ شَيْئًا وَاَنْ تَعْتَصِمُوْا بِحَبْلِ اللّٰهِ جَمِيْعًا وَلَا تَفَرَّقُوْا وَاَنْ تَنَاصَحُوْا مَنْ وَلَّاهُ اللّٰهُ اَمْرَكُمْ۔ (رواہ مسلم)

(۴۸۷) عَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ عَبْدٍ يَسْتَرْعِيْهِ اللّٰهُ رَعِيَّةً لَمْ يَحُطْهَا بِنَصِيْحَتِهٖ اِلَّا لَمْ يَدْخُلِ الْجَنَّةَ۔ (متفق علیہ)

(۴۸۴) ابویزیدؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم میں کوئی شخص اپنے بھائی کی خیرخواہی کا مشورہ طلب کرے تو اسے لازم ہے کہ اس سے وہی بات کہے جو اس کی خیرخواہی کی ہو۔ (مسند احمد)

(۴۸۵) جبیر بن مطعم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے منیٰ کی مسجد خیف کے خطبہ میں فرمایا تین باتیں ایسی ہیں جن پر مسلمان آدمی کا دل کبھی کینہ نہیں رکھ سکتا، خالص اللہ تعالیٰ کے لئے عمل کرنا حکام کی خیرخواہی کرنا اور مسلمانوں کی جماعت کے ساتھ شامل رہنا۔ (مسند احمد۔ دارقطنی)

(۴۸۶) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے تین باتیں پسند فرمائی ہیں۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم اسی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ دوسرے یہ کہ سب مل کر اللہ تعالیٰ کی رسی کو مضبوط پکڑے رہو اور آپس میں پھوٹ نہ ڈالو اور تیسرے یہ کہ جو تمہارا حاکم ہو اس کی خیرخواہی کرتے رہو۔ (مسلم)

(۴۸۷) معقل بن یسار روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا کوئی بندہ ایسا نہیں جس کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے کسی قسم کی نگرانی سپرد کی ہو پھر وہ اس میں پوری پوری خیرخواہی کا لحاظ نہ رکھے مگر یہ کہ اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں داخل نہیں کرے گا۔ (متفق علیہ)

(۴۸۷) ان احادیث میں کچھ حدیثیں عام مسلمانوں سے متعلق ہیں اور کچھ حکام سے ان سب کا خلاصہ یہ ہے کہ بادشاہ سے لیکر رعایا تک فریضہ خیرخواہی میں سب مشترک ہیں اگر رعایا میں کوئی شخص اس میں غفلت اختیار کرتا ہے تو وہ قصوروار ہے اور اگر حاکم وقت اس میں غفلت کرتا ہے تو وہ قصوروار ہے جس مذہب میں باہم خیرخواہی کرنا اتنا اہم فرض ہو آج وہی قوم خیرخواہی سے اتنی خالی ہوجائے کہ کوئی کسی کا خیرخواہ ہی نظر نہ آئے۔ ؎ ایں چہ بوالعجبی است۔

(۴۸۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا نَصَحَ لِسَیِّدِہٖ وَاَحْسَنَ عِبَادَۃَ اللّٰہِ فَلَہٗ اَجْرُہٗ مَرَّتَیْنِ۔ (متفق علیہ)

## محبة المرء لاخيه ما يحب لنفسه

(۴۸۹) عَنْ اَنَسٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یُؤْمِنُ اَحَدُکُمْ حَتّٰی یُحِبَّ لِاَخِیْہِ مَا یُحِبُّ لِنَفْسِہٖ۔ (رواہ الخمسة الا ابوداؤد)

(۴۹۰) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ یَّاْخُذُ عَنِّیْ ھٰؤُلَاءِ الْکَلِمَاتِ فَیَعْمَلُ بِھِنَّ اَوْ یُعَلِّمُ مَنْ یَّعْمَلُ بِھِنَّ قُلْتُ اَنَا یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَعَدَّ خَمْسًا فَقَالَ اِتَّقِ الْمَحَارِمَ تَکُنْ اَعْبَدَ النَّاسِ وَارْضَ بِمَا قَسَمَ اللّٰہُ لَکَ تَکُنْ اَغْنٰی

---

(۴۸۸) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ غلام جب اپنے آقا کی خیرخواہی کرتا ہے اور اپنے اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی اچھی طرح کرتا ہے تو اس کو دوگنا ثواب ملتا ہے۔ (متفق علیہ)

## خیرخواہی کرنے میں اپنے اور بیگانہ کا امتیاز اٹھا دینا

(۴۸۹) حضرت انس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے ارشاد فرمایا ہے تم میں کوئی شخص اس وقت تک پورا پورا مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے نفس کے لئے پسند کرتا ہے۔ (بخاری و مسلم وغیرہ)

(۴۹۰) ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی ہے ایسا شخص جو ان باتوں پر خود عمل کرے یا کم از کم ان لوگوں ہی کو بتادے جو ان پر عمل کریں میں بولا یا رسول اللہ میں حاضر ہوں آپ نے میرا ہاتھ پکڑا اور یہ پانچ باتیں شمار کرائیں فرمایا حرام باتوں سے دور رہنا بڑے عبادت گذار بندے شمار ہوگے

---

(۴۸۹) کہنے کو تو یہ مختصر سی بات ہے لیکن اس پر عمل کی توفیق اس وقت تک میسر نہیں آسکتی جب تک کہ انسان کا ایمان کامل نہ ہو جائے۔ یہ صفت انسانی کمالات کی ایک معراج ہے اور اس کی دلیل ہے کہ اب اس کا نفس پورے طور پر مدارج تہذیب طے کر چکا ہے اس میں خود غرضی اور طمع کا کوئی شائبہ باقی نہیں رہا۔ اسی کے لئے تمام ریاضات مجاہدات کئے جاتے ہیں اور یہی شریعت کے اوامر و نواہی کا بلند مقصد ہے۔ غالباً صوفیاء کرام اسی کو مرتبۂ فنا سے تعبیر کرتے ہیں میرا مطلب یہ ہے کہ یہ صفت بھی فنا کے اثرات میں ایک اثر ہے۔

النَّاسِ وَاَحْسِنْ اِلٰی جَارِكَ تَكُنْ مُؤْمِنًا وَاَحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ تَكُنْ مُسْلِمًا وَلَا تُكْثِرِ الضِّحْكَ فَاِنَّ كَثْرَةَ الضِّحْكِ تُمِيْتُ الْقَلْبَ۔ (رواہ احمد والترمذی وقال ھذا حدیث غریب)

(۴۹۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهٗ سَاَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اَفْضَلِ الْاِيْمَانِ قَالَ اَنْ تُحِبَّ لِلّٰهِ وَتُبْغِضَ لِلّٰهِ وَتُعْمِلَ لِسَانَكَ فِيْ ذِكْرِ اللّٰهِ قَالَ وَمَاذَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَاَنْ تُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا تُحِبُّ لِنَفْسِكَ وَتَكْرَهَ لَهُمْ مَا تَكْرَهُ لِنَفْسِكَ۔ (رواہ احمد)

(۴۹۲) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحَاسِنُهُمْ اَخْلَاقًا الْمُوَطَّئُوْنَ اَكْنَافًا لَمْ يَبْلُغْ عَبْدٌ حَقِيْقَةَ الْاِيْمَانِ حَتّٰى يُحِبَّ لِلنَّاسِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهٖ وَحَتّٰى يَاْمَنَ جَارُهٗ بَوَائِقَهٗ۔ اخرجه ابن عساکر وفیه کوثر بن حکیم متروك لکن له شواھد بلغه مرتبة الحسن۔

(۴۹۳) عَنْ يَزِيْدَ بْنِ اَسِيْدٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتُحِبُّ

---

اللہ تعالیٰ جو تمہاری تقدیر میں لکھ چکا ہے اس پر راضی رہنا بڑے بے نیاز بندوں میں ہو جاؤگے اپنے پڑوسی سے اچھا سلوک کرتے رہنا مومن بن جاؤگے اور جو بات اپنے لئے چاہتے ہو وہی دوسروں کے لئے پسند کرنا کامل مسلمان بن جاؤگے اور بہت قہقہے نہ لگانا کیونکہ یہ دل کو مردہ بنا دیتا ہے۔ (مسند احمد۔ ترمذی)

(۴۹۱) معاذ بن جبلؓ روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس ایمان کے متعلق دریافت کیا جو بہتر سے بہتر ہو، آپ نے فرمایا اللہ کے لئے محبت کرنا اور اللہ ہی کے لئے بغض رکھنا اور اپنی زبان کو ہمہ وقت یاد الٰہی میں لگائے رکھنا، پھر عرض کیا یا رسول اللہ اور کیا عمل بہتر ہے فرمایا جو اپنے لئے پسند کرنا وہی سب کے لئے پسند کرنا اور جو اپنے لئے برا سمجھنا وہی سب کے لئے برا سمجھنا۔ (مسند احمد)

(۴۹۲) ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا تمام مومنوں میں ایمان کے لحاظ سے سب سے افضل مومن وہ شخص ہے جس کے اخلاق سب سے اچھے ہوں یہ وہ لوگ ہیں جو ہر ایک کے سامنے متواضع اور جھکنے والے ہیں۔ کوئی شخص ایمان کی حقیقت تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا جب تک کہ وہ سب کیلئے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے اور جب تک کہ اس کا پڑوسی اس کی ایذاؤں سے مامون نہ ہو جائے۔ (ابن عساکر)

(۴۹۳) یزید بن اسید کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا تم کو جنت پسند ہے

---

(۴۹۲) اپنے نفس اور عام مسلمانوں کو ایک نظر سے دیکھنا درحقیقت نصح اور خیر خواہی کا سب سے بڑا جزء ہے یہ صفت اسی وقت پیدا ہو سکتی ہے جبکہ سینہ حسد، البغض، کینہ اور ہر قسم کے کھوٹ سے پاک و صاف ہو جائے گویا اس ایک ہی صفت کا ظہور

الجنة قلت نعم قال احب لاخيك ما تحب لنفسك۔ (اخرجه البخاری فی التاریخ الکبیر واصحاب السنن الاربعة والطبرانی فی الکبیر والحاکم والبیهقی فی الشعب وهو فی المسند لاحمد ایضا کما فی الجامع)

(۴۹۴) عن ابی ذر قال دخلت علی رسول الله صلی الله علیه وسلم فذکر الحدیث بطوله الی ان قال قلت یا رسول الله اوصنی قال اوصیك بتقوی الله فانه ازین لامرك کله قلت زدنی قال علیك بتلاوة القرآن وذکر الله عز وجل فانه ذکر لك فی السماء ونور لك فی الارض قلت زدنی قال علیك بطول الصمت فانه مطردة للشیطان وعون لك علی امر دینك قلت زدنی قال وایاك وکثرة الضحك فانه یمیت القلب ویذهب بنور الوجه قلت زدنی قال قل الحق وان کان مرا قلت زدنی قال لا تخف فی الله لومة لائم قلت زدنی قال لیحجزك عن الناس ما تعلم من نفسك۔ (رواه البیهقی فی شعب الایمان)

---

میں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا اچھا تو جو بات اپنے لئے پسند کرتے ہو وہی اپنے مسلمان بھائی کے لئے پسند کیا کرو۔ (مسند احمد، تاریخ کبیر، سنن اربعہ، طبرانی، حاکم، بیہقی)

(۴۹۴) ابوذر روایت کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا پھر اس کی پوری تفصیل بیان کی، اس سلسلہ میں یہ بات بھی ذکر کی کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھے کچھ نصیحت فرمائیے آپ نے فرمایا میں تجھے یہ نصیحت کرتا ہوں کہ ہر معاملہ میں خدا تعالیٰ کا خوف رکھنا۔ بس اسی ایک بات سے تیرا سب دین مزین ہو جائیگا میں نے عرض کیا اور نصیحت فرمائیے ارشاد فرمایا قرآن کی تلاوت اور ذکر اللہ کیا کرنا کیونکہ یہ عادت آسمان میں تمہارے ذکر کا موجب اور زمین میں نور کا سبب ہوگی میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے ارشاد فرمایا اکثر اوقات خاموشی کے ساتھ بسر کرنا کیونکہ یہ عادت شیطان کو پاس پھٹکنے نہیں دیتی اور تمہارے لئے دین کے ہر معاملہ میں معاون ہوگی، میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے ارشاد فرمایا زیادہ قہقہے نہ لگانا کیونکہ اس حرکت سے دل مردہ ہو جاتا ہے اور چہرہ کا نور جاتا رہتا ہے میں نے عرض کیا اور نصیحت فرمائیے ارشاد فرمایا حق بات کہنا اگرچہ تلخ ہی کیوں نہ ہو میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے، ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں کسی ملامت کرنے والے کی ملامت کا خوف نہ کھانا میں نے عرض کیا کچھ اور فرمائیے ارشاد ہوا اچھا جو عیب تم جانتے ہو کہ خود تم میں موجود ہیں اس پر نکتہ چینی سے لوگوں کو بھی معاف رکھنا (بیہقی)

---

بہت سے کمالات کے ثبوت اور بہت سی عیوب کے ازالہ کا محتاج ہر اسی لئے اس صفت کو ایمان کی حقیقت جنت کیلئے موقوف علیہ کمال ایمانی کا معیار اور آپ کی وصیت میں جزء اہم قرار دیا گیا ہے۔ یہ مختلف الفاظ نہیں بلکہ متعدد حقیقتیں ہیں جو اسی ایک صفت میں پنہاں ہیں۔

(۴۹۵) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ سِتٌّ بِالْمَعْرُوفِ يُسَلِّمُ عَلَيْهِ إِذَا لَقِيَهُ وَيُجِيبُهُ إِذَا دَعَاهُ وَيُشَمِّتُهُ إِذَا عَطَسَ وَيَعُودُهُ إِذَا مَرِضَ وَيَتْبَعُ جَنَازَتَهُ إِذَا مَاتَ وَيُحِبُّ لَهُ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ (رواه الترمذی والدارمی)

(۴۹۶) عَنْ أَبِي الْوَلِيدِ الْقُرَشِيِّ قَالَ كُنْتُ عِنْدَ بِلَالِ بْنِ أَبِي بُرْدَةَ فَجَاءَ رَجُلٌ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ فَقَالَ أَصْلَحَ اللهُ الْأَمِيرَ إِنَّ أَهْلَ الطَّفِّ لَا يُؤَدُّونَ زَكَاتَهُمْ وَقَدْ عَلِمْتُ ذَلِكَ فَأَخْبَرْتُ الْأَمِيرَ قَالَ بِلَالٌ مِمَّنْ أَنْتَ قَالَ مِنْ عَبْدِ الْقَيْسِ قَالَ مَا اسْمُكَ قَالَ فُلَانٌ فَكَتَبَ لِصَاحِبِ شُرْطَتِهِ يَسْأَلُ عَنْهُ عَبْدَ الْقَيْسِ فَقَالَ وَجَدْتُهُ نَعِمَّ فِي حُسْبَتِهِ فَقَالَ اللهُ أَكْبَرُ حَدَّثَنِي أَبِي عَنْ جَدِّي أَبِي مُوسَى عَنْ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُؤْمِنُ أَحَدُكُمْ حَتَّى يُحِبَّ لِأَخِيهِ مَا يُحِبُّ لِنَفْسِهِ (رواه الطبرانی)

---

(۴۹۵) حضرت علیؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اسلامی آئین میں ایک مسلمان کے ذمہ دوسرے مسلمان کے چھ حقوق ہیں جب ملاقات ہو تو اس کو سلام کرنا، جب بلائے تو اس کے یہاں چلا جانا، جب چھینکے اور الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہنا، جب بیمار پڑے تو اس کی عیادت کرنا جب مرجائے تو اس کے جنازہ کے ساتھ ساتھ جانا اور جو بات اپنے لئے پسند کرتا ہے وہی اپنے بھائی کے لئے پسند کرنا۔ (ترمذی۔ دارمی۔)

(۴۹۶) ابو الولید قرشی بیان کرتے ہیں کہ میں بلال بن ابی بردہ کے پاس بیٹھا ہوا تھا کہ قبیلہ عبد القیس کا ایک شخص آیا اور اس نے کہا اللہ تعالیٰ امیر المومنین کو ہمیشہ صحیح و سلامت رکھے، مجھے معلوم ہوا ہے کہ طف کے باشندے اپنی زکوٰۃ ادا نہیں کرتے اس لئے (ازراہ خیر خواہی) میں نے اس بات کی امیر المومنین کو اطلاع کردی ہے۔ اس پر بلال بن ابی بردہ نے پوچھا تو کس قبیلہ کا آدمی ہے اس نے کہا قبیلہ عبد القیس کا پھر پوچھا تیرا نام کیا ہے اس نے کہا فلاں۔ اس کے بعد انھوں نے اپنے گورنر کو لکھ بھیجا کہ وہ اس کے متعلق عبد القیس سے تحقیق کریں انھوں نے جواب دیا میں نے ان کو بہت نیک نیت پایا ہے۔ اس پر انھوں نے تعجب سے اللہ اکبر کہا اور ابو موسیٰ کی روایت سے یہ حدیث بیان کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم میں کوئی شخص اس وقت تک پورا مومن نہیں ہوسکتا جب تک اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہی بات پسند نہ کرنے لگے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

(طبرانی)

(۴۹۷) عَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ أَحَبَّ أَنْ يُزَحْزَحَ عَنِ النَّارِ وَيَدْخُلَ الْجَنَّةَ فَلْتُدْرِكْهُ مَنِيَّتُهُ وَهُوَ مُؤْمِنٌ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَيَأْتِي إِلَى النَّاسِ الَّذِي يُحِبُّ أَنْ يُؤْتَى إِلَيْهِ۔ (رواه مسلم)

(۴۹۸) عَنْ أَبِي ذَرٍّ قَالَ قَالَ لِي رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ إِنِّي أَرَاكَ ضَعِيفًا وَإِنِّي أُحِبُّ لَكَ مَا أُحِبُّ لِنَفْسِي لَا تَأَمَّرَنَّ عَلَى اثْنَيْنِ وَلَا تَوَلَّيَنَّ مَالَ يَتِيمٍ (مسلم)

(۴۹۹) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَلِيُّ إِنِّي أُحِبُّ لَكَ

---

(۴۹۷) عبداللہ بن عمرو بن العاص روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص یہ بات پسند کرتا ہے کہ اس کو دوزخ سے بہت دور رکھا جائے اور جنت میں داخل کر دیا جائے تو اس کو یہ کوشش کرنی چاہیے کہ اس کی موت اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان کے ساتھ ہو اور لوگوں کے ساتھ اس کو وہی معاملہ کرنا چاہیے جو وہ چاہتا ہے کہ لوگ اس کے ساتھ کریں۔ (مسلم)

(۴۹۸) ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ابوذر! تم مجھے ایک سیدھے سادے انسان معلوم ہوتے ہو اور میں تمہاری ذات کے لئے وہی بات پسند کرتا ہوں جو اپنی ذات کے لئے دیکھو دو شخصوں کبھی ہرگز امیر نہ بننا اور کسی یتیم کا مال اپنی ذمہ داری میں کبھی نہ لینا۔ (مسلم شریف)

(۴۹۹) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے علیؓ دیکھو جو میں اپنے لئے پسند کرتا ہوں وہی تمہارے لئے پسند کرتا ہوں اور جو اپنے حق میں ناپسند کرتا ہوں وہ تمہارے حق میں بھی

---

(۴۹۸) ابوذر فطرۃً ایک نہایت عابد و زاہد اور یکسو مزاج صحابی تھے کسی مال کی تولیت کی ذمہ داری کے لئے جن اوصاف کی ضرورت ہوتی ہے وہ ان میں پورے طور پر موجود نہ تھے اسی کو آپ نے ان کے ضعف سے ادا فرمایا ہے اور یہ ضعف جس میں بھی ہوگا اس کے لئے تولیت کا منصب مناسب نہیں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ تعالیٰ نے سارے جہان کی تولیت کا بار اٹھانے کی استعداد عطا فرمائی تھی اس لئے آپ نے اس بار کو اٹھایا اور اس خوبی سے اٹھایا جو اس کا حق تھا۔ اگر ابوذر میں بھی آپ کسی مرتبہ کی تولیت سنبھال لینے کی استعداد دیکھ لیتے تو کوئی ذمہ داری ان کے بھی سپرد کر دی جاتی۔ پس آپ کی خیرخواہی کا اصل نقطہ تمام صحابہ میں مشترک تھا اگر کسی کو کوئی ولایت دی گئی تو وہ بھی اس کے نفس کی خیرخواہی پر مبنی تھی اور اگر نہیں دی گئی تو اس کو بھی یقین رکھنا چاہئے کہ اس میں بھی اسی کی خیرخواہی مضمر تھی۔

(۴۹۹) اسلامی مساوات صرف دوسری مخلوق کے دائرہ تک ہی محدود ہو کر نہیں رہ جاتی بلکہ اس کو یہ ثابت کرنا ہوتا ہے کہ وہ خود اپنی جان اور دوسری مخلوق کے درمیان بھی اس کا پورا لحاظ رکھتا ہے اسی لئے بڑی سی بڑی خصوصیت کے موقعہ پر بھی اسلام کی یہ عمومی سنت غیر اختیاری طور پر زبان سے نکل چلی جاتی ہے گویا اہم سے اہم بات ذہن نشین کرنے کے لئے مؤثر سے مؤثر تعبیر صرف یہ ہے کہ مخاطب کو یقین دلا دیا جائے کہ متکلم اس کے اور اپنے نفس میں ایک ذرہ برابر دوئی نہیں سمجھتا

مَا أُحِبُّ لِنَفْسِيْ وَأَكْرَهُ لَكَ مَا أَكْرَهُ لِنَفْسِيْ لَا تُقْعِ بَيْنَ السَّجْدَتَيْنِ. (رواه الترمذی)

## حسن العهد

(۵۰۰) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ جَاءَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَجُوْزٌ فَقَالَ مَنْ أَنْتِ قَالَتْ جَثَّامَةُ الْمُزَنِيَّةُ قَالَ بَلْ أَنْتِ حَسَّانَةُ الْمُزَنِيَّةُ كَيْفَ حَالُكُمْ كَيْفَ كُنْتُمْ بَعْدَنَا قَالَتْ بِخَيْرٍ فَلَمَّا خَرَجَتْ قُلْتُ تُقْبِلُ هٰذَا الْإِقْبَالَ عَلٰى هٰذِهٖ قَالَ إِنَّهَا كَانَتْ تَأْتِيْنَا أَيَّامَ خَدِيْجَةَ وَإِنَّ حُسْنَ الْعَهْدِ مِنَ الْإِيْمَانِ.
(اخرجه الحاکم وقال علی شرطہا ولا علۃ لہ واقرہ الذہبی)

---

ناپسند کرتا ہوں۔ دونوں سجدوں کے درمیان اس طرح نہ بیٹھا کرو جیسا کتا اپنے سرین زمین پر رکھکر دونوں پیر کھڑے کر کے بیٹھتا ہے

## محبت کا نباہ اور اس کا لحاظ پاس رکھنا

(۵۰۰) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک بوڑھی عورت آپ کی خدمت میں حاضر ہوئیں آپ نے پوچھا تم کس قبیلہ کی ہو اس نے عرض کیا میں جثامہ مزنیہ ہوں آپ نے فرمایا بلکہ تم تو حسانہ مزنیہ ہو اچھا کہو ہمارے بعد تمہارے حالات کیسے گذرے اس نے عرض کیا سب خیریت رہی۔ جب وہ چلی گئیں تو میں نے عرض کیا ایک معمولی بڑھیا اور اس کی طرف آپ کی اتنی توجہ، آپ نے فرمایا کہ یہ (حضرت) خدیجہؓ کی زندگی میں ہمارے گھر آیا کرتی تھیں اور قدیم شناسائی کے حقوق کی رعایت کرنی بھی ایمان کی ایک بات ہے۔ (حاکم)

---

جب تک اغراض نفسانی کا کوئی شائبہ بھی باقی ہے اس مقام رفیع تک رسائی مشکل ہے۔

(۵۰۰) حدیث مذکورسے معلوم ہوا کہ ایمان کے شعبے کچھ عبادات کے ساتھ ہی مخصوص نہیں بلکہ ان سے گذر کر حسن معاملہ اور حسن معاشرت جیسی جزئیات تک بھی پھیلتے ہیں۔ اس قسم کی حدیثوں سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ ایمان و اسلام کا احاطہ کتنا وسیع ہے۔

آئندہ حدیثوں سے بھی اس مضمون کی اور زیادہ تصدیق ہوگی۔

# البذاذة

(۵۰۱) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ إِيَاسِ بْنِ ثَعْلَبَةَ قَالَ ذَكَرَ أَصْحَابُ رَسُولِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَوْمًا عِنْدَهُ الدُّنْيَا فَقَالَ أَلَا تَسْمَعُونَ أَلَا تَسْمَعُونَ الْبَذَاذَةُ مِنَ الْإِيْمَانِ إِنَّ الْبَذَاذَةَ مِنَ الْإِيْمَانِ. (اخرجه احمد وابوداود وابن ماجه والحاكم وقال العراقی حدیث حسن وقال الذہبی ھو صحیح وکذلک قال الحافظ ابن حجر)

## گاہ بگاہ ترکِ زینت

(۵۰۱) ابوامامہ کہتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں دنیا کا ذکر آگیا تو آپ نے فرمایا سن لو اور خوب غور سے سن لو کہ زینت نہ کرنا اور گاہ گاہ شکستہ حالت میں رہنا بھی ایمان کا اثر ہے۔ ابن ماجہ۔ حاکم)

(۵۰۱) اسلام نے بناؤ سنگھار کرنا کسی وقت بھی پسند نہیں کیا اور ناز و نعمت اور عیش و طرب کی زندگی اگرچہ جائز حدود میں نہ کر ہو، اس کو بھی مکروہ سمجھا ہے اسی طرح اس کے مقابلہ میں رہبانیت اور بدحالی اور عام طور پر تقشف سے بھی روکا ہے۔ جمال کی ترغیب دی ہے اور اسی کے ساتھ گاہ گاہ ایسی زندگی گذارنے کی بھی ہدایت کی ہے جس کی وجہ سے جمال و زینت کے ساتھ تکبر و غرور کی صفت پیدا نہ ہونے پائے اسلام جہاں غرور و تکبر سے روکتا ہے اسی کے ساتھ ذلت و خواری کی زندگی سے بھی منع کرتا ہے وہ یہ تعلیم دیتا ہے کہ خدا تعالیٰ کی دی ہوئی عزت صرف مسلمان کے لئے ہے اس لئے نہ وہ ایسے عمل کو پسند کرتا ہے جو اپنے نفس میں غرور و تکبر کا اثر پیدا کرے اور نہ اس کو جو انسان کے لئے سوسائٹی میں موجب ذلت ہو۔ اس دعاء کو ملاحظہ فرمائیے اور اسلام کے اصلی مقصد کو پہنچ جائیے۔ اللھم اجعلنی فی عینی صغیرا و فی اعین الناس کبیرا۔ اے اللہ تو مجھے اپنی نظروں میں تو پست کردے اور اپنی مخلوق کی نظروں میں معزز و بلند کردے! پس تواضع کی نیت سے گاہ بگاہ زینت ترک کر دینا یقیناً انسان کے ایمان ہی کا تقاضہ ہو سکتا ہے۔ اس باب میں دونوں قسم کی حدیثیں ملتی ہیں اور ان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر زینت اختیار کرو تو اس میں تحدیث نعمت کی نیت ہونی چاہئے اور اگر اس کو ترک کرو تو اس میں تواضع اور اپنے نفس کی شکستگی کی نیت ہونی چاہئے۔ کبر کی نیت سے زینت اور احساس کمتری کی بنا پر بذاذت دونوں بلند اخلاق سے گری ہوئی باتیں ہیں۔ بالفاظ دیگر یوں سمجھ لو کہ جب انسان کی عملی حالت میں گاہ گاہ بذاذت نظر آنے لگے تو سمجھ لینا چاہئے کہ اب اس کے نفس میں اصلاح کے آثار نمایاں ہونے لگے ہیں اس کی یہ ترک زینت احساس کمتری کی بنا پر نہیں بلکہ اس کی نظروں میں دنیا کی حقارت کا اثر ہے اور اسی طرح اس کی زینت تکبر کی بنا پر نہیں۔ بلکہ ایک عبد کی اپنے مولیٰ کی نعمتوں کی شکر گذاری کے لئے ہے پس اپنے نفس کو ذلیل کرنا اور اس میں ذلیل خصائل و ملکات پیدا کرنا ہرگز اسلام کا مقصد نہیں۔ ان اللہ یحب معالی الھمم۔ اللہ تعالیٰ علو ہمت کو پسند کرتا ہے اور ایک مسلمان کے نفس میں بلند حوصلگی پیدا کرنے کا حکم دیتا ہے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

# السمت الحسن والتؤدۃ والاقتصاد

(۵۰۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ سَرْجِسَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ السَّمْتُ الْحَسَنُ وَالتُّؤَدَۃُ وَالْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِّنْ اَرْبَعٍ وَّعِشْرِیْنَ جُزْءً مِّنَ النُّبُوَّۃِ (رواہ الترمذی)

(۵۰۳) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْھَدْیَ الصَّالِحَ وَ

# اچھا طور وطریق، متانت اور میانہ روی

(۵۰۲) عبد اللہ بن سرجس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے اچھا طور وطریق متانت اور میانہ روی نبوۃ کا چوبیسواں جزء ہے۔ (ترمذی)

(۵۰۳) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اچھا طریقہ اور سمت حسن

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) یہ یاد رکھنا چاہئے کہ تکبر و وقار اور تواضع و ذلت میں بڑا فرق ہے ان میں ایک دوسرے کے ساتھ التباس پڑجاتا ہے۔ حالانکہ وقار ایک مطلوب صفت ہے اور تکبر انتہا درجہ مذموم اسی طرح تواضع انتہا درجہ مطلوب ہے اور ذلت اسی درجہ مکروہ حتی کہ ایک حدیث میں یہ لفظ ہیں ان المؤمن لا یذل نفسہ۔ مومن اپنے نفس کو ذلیل نہیں کرتا اور کیسے ذلیل کرسکتا ہے جبکہ خود رب العزت نے اس کو عزیز بنایا ہے۔ مومن کے متعلق ذلت کا تخیل نفاق کا ایک شعبہ ہے۔ جب رئیس المنافقین نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ کے متعلق یہ کلمہ زبان سے نکالا لئن رجعنا الی المدینۃ لیخرجن الاعز منھا الاذل۔ تو ان کے بیٹے جو اس وقت حلقہ بگوش اسلام ہوچکے تھے فوراً تلوار کھینچ کر سامنے آگئے اور فرمایا خدا کی قسم جب تک تو یہ اقرار نہ کرلے کہ ذلیل تو ہے اور عزت والے صرف آپ کے صحابہ ہیں اس وقت تک تیری خیر نہیں۔ آخر اس سے یہ اقرار لیکر چھوڑا پس تواضع اور ذلت میں بڑا فرق ہے۔

(۵۰۲) انسان کی معاشی اور معاشرتی زندگی ان ہی اجزاء کے اختیار کرنے سے سنور جاتی ہے اور ان کے ترک کرنے سے بگڑ جاتی ہے۔ اس حدیث کا ایک ایک لفظ انسان کی معاش اور معاشرت کا مستقل ایک ایک باب ہے۔

(۵۰۳) ان دونوں روایتوں میں صرف ایک جزء کا اختلاف ہے، یہ کوئی بڑا اختلاف نہیں ہے دوسری احادیث میں سچے خوابوں کو نبوۃ کا چھیالیسواں جزء قرار دیا گیا ہے۔ ختم نبوت کے باب میں اس قسم کی حدیثوں کی مفصل شرح گذر چکی ہے اس جگہ ملاحظہ کرلینی چاہئے۔

سمت حسن انسان کی قوت عاملہ کی تکمیل کا نتیجہ ہے حضرت شاہ ولی اللہ رحمہ فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| و ہمچنیں در قوت عاملہ او مدے میدہد کہ بسبب آں | حق تعالیٰ جس طرح نبی کی قوت عاقلہ میں زیادتی عطا فرماتا ہے |
| سمت صالح نصیب او گردد و رعایات آداب عادات | اسی طرح اس کی قوت عاملہ میں بھی زیادتی مرحمت فرماتا ہے |
| و تدبیر منزل و سیاست مدینہ بطورے کہ ازاں خوبتر نشود | اور اسی وجہ سے سمت صالح اس کے نصیب میں آجاتی ہے |

السَّمْتُ الْحَسَنُ وَالْاِقْتِصَادُ جُزْءٌ مِنْ خَمْسٍ وَعِشْرِيْنَ جُزْءً مِنَ النُّبُوَّةِ - (رواہ ابوداؤد)

## الحلم والاناءة

(۵۰۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِاَشَجِّ عَبْدِ الْقَيْسِ اِنَّ فِيْكَ لَخَصْلَتَيْنِ يُحِبُّهُمَا اللهُ الْحِلْمُ وَالْاَنَاءَةُ - (رواہ مسلم)

(۵۰۵) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ السَّاعِدِيِّ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاَنَاةُ

اور میانہ روی نبوت کا پچیسواں جزء ہے۔ (ابوداؤد)

## حلم وبردباری

(۵۰۴) ابن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ...اشج عبدالقیس سے فرمایا تجھ میں دو عادتیں ہیں جو اللہ تعالیٰ کو بہت پسند ہیں بردباری اور متانت۔ (مسلم)

(۵۰۵) سہل بن سعدؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا متانت اور بردباری

اہتمام فرماید وخلق وشجاعت وسیاستُ عدالتُ کفایت وشناختن مصلحت ہر وقتے ادا عطا میکند وبسوئے ایں جز اشارت واقع شدہ در حدیث السمت الصالح جزء من خمسة وعشرين جزء من اجزاء النبوة۔

(قرۃ العینین ص۲۲۲)

پھر وہ سیاست مدنیہ، تدبیر منزل اور جملہ آداب و علامات کی رعایت اس طور پر کرنے لگتا ہے کہ اس سے بڑھ کر کسی کے خیال میں نہیں آسکتی اسکو اخلاق، بہادری اور سیاست وعدالت اور ہر وقت وعمل کے مناسب نامناسب مصلحتوں کی معرفت بھی بخشد یتا ہے اسی جزء کی طرف حدیث السمت الصالح میں اشارہ کیا گیا ہے۔

شاہ صاحبؒ کے اس بیان سے سمت حسن کی تفسیر معلوم ہو گئی اور اسی سے اس کے اجزاء نبوت ہونے کے معنی بھی واضح ہو گئے۔ شاہ صاحب موصوف نے کتاب مذکور کے ص۲۲۲ پر اس کی مزید تشریح فرمائی ہے ملاحظہ کی جائے۔

یہ بات قابل یادداشت ہے کہ شعب اسلامیہ میں جن اعمال کو اجزاء نبوت یا سنت نبوت کہا گیا ہے اس پر عمل پیرا ہونا سہل ممتنع کے قریب ہے ان اعمال کا خاصہ قرب ولایت نہیں قرب نبوت ہے ارباب حقائق نے اعمال صالحہ سے جو قرب نصیب ہوتا ہے اس کی بھی دو قسمیں کی ہیں اس لئے جن سعید اور بلند طبائع میں قرب نبوت سے مناسبت ہو انھیں ان اعمال کا خصوصیت کے ساتھ لحاظ رکھنا چاہئے اور ان حدیثوں کو محض ایک اسلوب تاکید خیال کر کے معمولی نہ سمجھنا چاہئے۔

(۵۰۵) روایت میں موجود ہے کہ انھوں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ خصلتیں مجھ میں فطری ہیں یا کسبی آپ نے فرمایا فطری اس سے معلوم ہوا کہ جو اخلاق حسنہ انسان کی فطرت میں ہوں اگرچہ وہ اس کے اختیاری نہیں ہوتے تاہم وہ بھی اس کیلئے قابل مدح اور اس کی سعادت کی علامت ہیں۔

مِنَ اللّٰہِ وَالْعَجَلَۃُ مِنَ الشَّیْطَانِ۔ (رواہ الترمذی وقال هذا حدیث غریب وقد تکلم بعض اهل الحدیث فی عبد المهیمن بن عباس الراوی من قبل حفظه

## علامات الایمان والاسلام

(۵۰۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلْاِسْلَامِ صُوًی وَّ مَنَارًا کَمَنَارِ الطَّرِیْقِ۔ (المستدرك).

---

اللہ تعالیٰ کی توفیق سے نصیب ہوتی ہے اور جلد بازی شیطان کی حرکت ہے۔ (ترمذی)

## ایمان اور اسلام کی چند نشانیاں

(۵۰۶) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایمان کی بھی ایک چمک اور روشنی ہوتی ہے اور راستوں کے نشانات کی طرح اس کی بھی کچھ نمایاں علامتیں ہیں (مستدرک)

---

(۵۰۵) تعجیل کارِ شیاطین بود۔ تقریباً اسی حدیث کا ترجمہ ہے۔ یہاں عجلت سے مراد متانت کی ضد ہے تساہل بالکل علیحدہ چیز ہے عبادات میں تساہل عیب اور اس کے خلاف عجلت پسندیدہ ہے۔ مگر یہ وہ عجلت نہیں جس میں متانت ہاتھوں سے جاتی رہے۔

(۵۰۶) عرب کی سرزمین ایک چٹیل میدان تھی اس میں کسی علامت کے بغیر راستہ چلنا مشکل تھا اس لئے ان کا دستور تھا کہ راستوں کی شناخت کے لئے وہ جا بجا پتھر نصب کردیا کرتے تھے۔ اسی دستور کے مطابق حدیث نے اسلام کو ایک میدان اور مومن کو اس کے مسافر سے تشبیہ دی ہے اور یہ سمجھایا ہے کہ اس میدان میں بھی صحیح راستہ پر گامزن رہنا اسی وقت ممکن ہے جبکہ اس کے نشانات قائم ہوں اگر خدانہ کردہ یہ نشانات مٹ جائیں تو پھر صحیح راستہ کا پتہ ملنا ہی مشکل ہے اس تعبیر میں یہ تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ جس طرح تم دنیا کے عام راستوں کے نشانات کی حفاظت کرتے ہو اسی طرح تم کو ایمان و اسلام کے ان احکام کی حفاظت کرنی بھی ضروری ہے جو علامات اور نشانات کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ہم پہلے بیان کرچکے ہیں کہ حدیثوں میں جن اعمال کو ارکان اور جن کو شعبے کہا گیا ہے یہ صرف عبارت کا تفنن نہیں ہے اسی طرح یہاں جن اعمال کو منار اور علامت قرار دیا گیا ہے یہ بھی صرف مجازو شاعریت نہیں بلکہ ان کی اپنی اپنی خاص خاص حیثیتوں پر مبنی ہے مثلاً جن اعمال کو ارکان قرار دیا گیا ہے ان کی حقیقت یہ ہے کہ وہ دین کے لئے ایک بنیاد کی حیثیت رکھتے ہیں ان کا قائم رہنا دین کا قائم رہنا اور ان کا گر جانا دین کے سقوط اور گر جانے کے مرادف ہے اسی طرح جن کو فروع اور شعب کہا گیا ہے ان کی حقیقت میں دین اسلام سے پھوٹ کر نکلنے کی خصوصیت نمایاں ہے پس نماز اور حیا میں شریعت کے نزدیک فرق یہ ہے کہ حیا ایک ایسی چیز ہے جس کا شجرۂ اسلامی سے پھوٹ کر نکلنا ضروری ہے۔

(باقی حاشیہ برصفحۂ آئندہ)

# الیقین بان اللہ تعالیٰ معہ حیث ما کان

(۵۰۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مُعَاوِیَۃَ الْعَامِرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ فَعَلَھُنَّ فَقَدْ طَعِمَ طَعْمَ الْاِیْمَانِ مَنْ عَبَدَ اللّٰہَ وَحْدَہٗ بِاَنَّہٗ لَآ اِلٰہَ اِلَّا ھُوَ

# اس بات کا یقین ہو جانا کہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک ہر جگہ حاضر و ناظر ہے

(۵۰۷) عبداللہ بن معاویہ عامری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے تین کام کر لئے اس نے ایمان کا ذائقہ چکھ لیا۔ اس تصور کے ساتھ خدا کی عبادت کی کہ اس کے سوا معبود

(بقیہ از صفحۂ گذشتہ) مگر نماز صرف اتنی حیثیت نہیں رکھتی۔ وہ ایک اوپر کے درجہ کا رکن ہے جس پر دین کی بنیاد قائم ہے۔ اگر وہ متزلزل ہو تو دین کی ساری عمارت متزلزل ہو جاتی ہے اسی طرح جن اعمال کو منار اور علامت قرار دیا گیا ہے ان میں انسان کی تصدیق باطن یا انقیاد ظاہر پر علامت ہونے کی خصوصیت نمایاں ہونی چاہئے جس کی بنا پر وہ اس کے صداقت کی دلیل بن سکیں۔ اگر آپ ارکان و شعب اور علامات کی ان جدا جدا خصوصیات کو پورے طور پر سمجھ جائیں اور اجزاء دین میں صحیح صحیح ان کا ادراک بھی کر لیں تو یہ ایک بہت بڑا علم ہوگا مگر نہ ہم مختصر الفاظ میں اس کو مفصل طور پر سمجھا سکنے پر قادر ہیں اور نہ ان مختصر اوراق میں اس کو پھیلانے کی ہمارے پاس گنجائش ہے اس لئے ہم نے صرف اشارہ کر دیا ہے کہ ہر ذی فہم اپنی اپنی مقدار فہم کے مطابق اس غور و خوض میں حصہ لے اور حدیث کے عمیق سمندروں میں سے ان بے بہا حقیقتوں کو نکال نکال کر اپنے خزانۂ دل میں جمع کرتا رہے ؎

دادیم ترا ز گنج مقصود نشاں — گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

واضح رہے کہ احادیث میں ایمان کا عام استعمال قلبی تصدیق میں اور اسلام کا اعمالِ ظاہرہ میں کیا گیا ہے اس لحاظ سے علامات کی بھی دو قسمیں ہو گئی ہیں بعض قسمیں وہ ہیں جن کا تعلق قلب سے ہے اور انسان کے خود اپنے ہی فیصلہ کرنے کی باتیں ہیں اور بعض وہ ہیں جن کا تعلق جوارح کے ساتھ ہے ان میں دوسروں کی شہادت کا بھی دخل ہے اور بہر صورت علامت کا مرتبہ صرف اتنا ہی ہے کہ اسے دیکھ کر یہ ظن پیدا ہونے لگتا ہے کہ جس چیز کے لئے اس کو علامت مقرر کیا گیا ہے وہ بھی یہاں موجود ہے اگرچہ اس کا ہونا قطعی اور ضروری نہیں ہو سکتا ہے کہ کسی مانع کی وجہ سے اس علامت کی موجودگی کے باوجود اس شے کا وجود نہ ہو۔ بادل آتے ہیں اور بارش ہوتی ہے مگر کبھی بادلوں کے باوجود بارش نہیں ہوتی اس کے بھی کچھ قریب یا بعید اسباب ہوتے ہیں۔ مگر اس کے باوجود بادلوں کے بارش کی علامت ہونے میں کوئی کلام نہیں ہوتا۔ بس زیر عنوان احادیث کا منشا یہ نہیں کہ ان امور کے بعد ایمان و اسلام کا وجود کسی شک و شبہ کے بغیر ثابت ہو جاتا ہے۔ بلکہ یہ صرف اس کی علامات ہیں کو ان احادیث کا منشا یہ ہے کہ ایک مسلمان اور ایک مومن کیلئے یہ جائے شرم ہے کہ وہ ایمان و اسلام کا دعویٰ تو کرے مگر اس میں ایمان و اسلام کی ایک علامت بھی نہ پائی جائے۔ آپ ان علامات کو اپنے قلب و قالب میں پیدا تو کیجئے پھر تجربہ کیجئے کہ آپ کا ظاہر و باطن ایمان و اسلام کی حقیقت سے بھی رنگین ہوتا ہے یا نہیں۔

وَاَعْطٰی زَکٰوۃَ مَالِہٖ طَیِّبَۃً بِھَا نَفْسُہٗ فِیْ کُلِّ عَامٍ فَذَکَرَ الْحَدِیْثَ وَفِیْ اٰخِرِہٖ فَمَا تَزْکِیَۃُ الْمَرْءِ نَفْسَہٗ یَارَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ اَنْ یَّعْلَمَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَہٗ حَیْثُمَا کَانَ (رواہ البزار فی مسندہ)

(۵۰۸) عَنْ عُبَادَۃَ بْنِ الصَّامِتِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَفْضَلَ الْاِیْمَانِ اَنْ تَعْلَمَ اَنَّ اللّٰہَ مَعَكَ حَیْثُمَا کُنْتَ ۔ (رواہ الطبرانی)

(۵۰۹) عَنْ اَبِیْ مُوْسَی الْاَشْعَرِیِّ قَالَ کُنَّا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ سَفَرٍ فَجَعَلَ النَّاسُ یَجْھَرُوْنَ بِالتَّکْبِیْرِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا اَیُّھَا النَّاسُ

---

اور کوئی نہیں۔ اور اپنے مال کی زکوٰۃ نہایت فراخ دلی اور خوشی کے ساتھ سال بہ سال ادا کی اس کے بعد انھوں نے آپ کی پوری حدیث ذکر کی اور اس کے آخر میں یہ بات بیان کی کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ یہ تو مال کی زکوٰۃ ادا کرنے کا طریقہ تھا اپنے نفس کی زکوٰۃ دینے کا طریقہ کیا ہے فرمایا یہ کہ اس بات کا یقین حاصل ہو جائے کہ انسان جس جگہ بھی ہو اللہ کی ذات پاک اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ (بزار)

(۵۰۸) عبادہ بن صامتؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سب سے افضل ایمان یہ ہے کہ تو اس کا یقین رکھے کہ بلاشبہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک تیرے ساتھ ہی جہاں بھی تو ہو (طبرانی)

(۵۰۹) ابو موسیٰؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ ایک سفر میں تھے لوگ چیخ چیخ کر تکبیریں کہنے لگے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگو اپنی جانوں پر رحم کھاؤ تم اس کو تو

---

(۵۰۹) علماء کو قول فی النفس اور قرارت فی النفس کے معنی سمجھنے کے لئے اس حدیث کو بھی پیش نظر رکھنا چاہئے بعض لوگ اس کے معنی صرف قلبی تصور سمجھتے ہیں ہمارے نزدیک لغت کے لحاظ سے یہ مشکل ہے جو ترجمہ ہم نے اوپر کیا ہے۔ ہمارے نزدیک وہی مختار ہے۔ یہ حقیقت بار بار آپ کے سامنے پیش کی جا چکی ہے کہ اسلام صرف زبانی اقرار کا نام نہیں، صرف تصدیق کا نام بھی نہیں بلکہ ان سے گذر کر مرتبہ احسان تک رسائی حاصل کرنے کا نام ہے۔ مرتبہ احسان اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے اس استحضار کو کہتے ہیں جس میں غیبت و شہادت کا فرق باقی نہ رہے۔ اس کا تصور اس درجہ غالب آجائے کہ ہمہ وقت یہ محسوس ہونے لگے گویا وہ تمہارے ساتھ ہے اس کا قرب اس درجہ مستولی ہو جائے کہ شتر سوار کو جو چیز سب سے زیادہ نزدیک نظر آرہی ہو وہ اس کو اس سے بھی زیادہ نزدیک نظر آنے لگے۔ اسلام میں اللہ تعالیٰ کا پاک تصور جس طرح مادیت کی ہر ظلمت سے منزہ و مبرا ہے اسی طرح اتنا مجرد بھی نہیں ہے کہ اس کے متعلق سمیع و بصیر کا تصور اس کے تجرد کے منافی ہو یہاں داعی اسلام نے یہ ہدایت فرمائی کہ اسلام میں اللہ تعالیٰ کے متعلق جو تصورات بتائے گئے ہیں وہ فرضی نہیں بڑی حقیقت رکھتے ہیں اگر اس پر سمیع و بصیر کا اطلاق کیا گیا ہے تو اس کی حقیقت بھی ہمیشہ تمہارے زیر نظر رہنی چاہئے۔ تمہاری یہ چیخ و پکار یہ بتہ دیتی ہے کہ تم نے اپنے خدا کو شاید اصم اور غائب سمجھ رکھا ہے اس لئے تم اس ادب و متانت کے ساتھ اس کو یاد کیا کرو کہ صرف تمہارے ذہن میں ہی اس کے سمیع و بصیر ہونے کا تصور نہ رہے بلکہ ہر دیکھنے والا بھی یہی سمجھے کہ تم ایسے خدا کو یاد کر رہے ہو جس میں یہ دونوں صفتیں

اِرْبَعُوْا عَلٰی اَنْفُسِکُمْ اِنَّکُمْ لَا تَدْعُوْنَ اَصَمَّ وَلَا غَائِبًا اِنَّکُمْ تَدْعُوْنَ سَمِیْعًا بَصِیْرًا وَھُوَ مَعَکُمْ وَالَّذِیْ تَدْعُوْنَہٗ اَقْرَبُ اِلٰی اَحَدِکُمْ مِنْ عُنُقِ رَاحِلَتِہٖ قَالَ اَبُوْ مُوْسٰی وَاَنَا خَلْفَہٗ اَقُوْلُ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ فِیْ نَفْسِیْ فَقَالَ یَا عَبْدَ اللّٰہِ بْنَ قَیْسٍ اَلَا اَدُلُّکَ عَلٰی کَنْزٍ مِنْ کُنُوْزِ الْجَنَّۃِ فَقُلْتُ بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ لَا حَوْلَ وَلَا قُوَّۃَ اِلَّا بِاللّٰہِ (متفق علیہ)

نہیں پکار رہے ہو جو سنتا نہ ہو یا یہاں موجود نہ ہو تم تو اس کو پکار رہے ہو جو شنوا اور بینا ہے اور جو تمہارے ساتھ ہے جس کو تم پکار رہے ہو وہ تو تم سے تمہارے اونٹ کی گردن سے بھی زیادہ نزدیک ہے۔ ابو موسیٰؓ کہتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے تھا اور آہستہ آہستہ یہ کلمات کہہ رہا تھا لا حول ولا قوۃ الا باللہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عبداللہ بن قیسؓ (ابو موسیٰ کا نام ہے) کیا میں تم کو جنت کے خزانوں میں سے ایک خزانہ کی اطلاع نہ دوں میں نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور۔ آپ نے فرمایا وہ کلمہ لاحول ولا قوۃ الا باللہ ہے۔ (متفق علیہ)

حد یہ تم موجود ہے تمہاری لسانی حرکت کا منشا صرف اس مضغہ لحمی کو وظائف بندگی میں مشغول کرنا اور اس کی یاد میں تر رکھنا ہے اور بس۔ جب تم اس درجہ پر پہنچ جاؤ گے تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ اب تم میں مرتبۂ احسان کے اثرات پیدا ہو گئے ہیں اور اسلام کی بلند چوٹیوں پر تمہاری رسائی ہونے والی ہے۔ مومن کامل میں جب یہ نسبتِ احسان راسخ ہو جاتی ہے تو پھر نوبت یہ آجاتی ہے کہ اگر تمام جہاں بھی زیر و زبر ہو جائے جب بھی اس کے اس استحضار میں کوئی فرق پیدا نہیں ہوتا اس لئے اس مومن کی شان یہ ہو جاتی ہے "لا یحزنھم الفزع الاکبر" یعنی ہنگامۂ قیامت بھی ان کے لئے غم کا موجب نہیں ہوگا اور اس عظیم ہنگامہ میں بھی پورے مطمئن نظر آئیں گے خاتم الانبیاء علیہ الصلوۃ والسلام جب غارِ ثور میں تشریف لائے اور دشمن سر پر کھڑا تھا اس خطرناک موقعہ پر آپ کے لئے موجب اطمینان یہی تسلی بخش تصور تھا لا تحزن ان اللہ معنا۔ یعنی اے رفیقِ غار تم غم نہ کھاؤ کہ اللہ ہمارے ساتھ ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ السلام بھی دریائے نیل کو اسی طاقت سے عبور کر رہے تھے۔ ان معی ربی سیھدین۔

# صیرورۃ الاعمال کلہا للہ سبحانہ

(۵۱۰) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ وَاَعْطٰی لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَکْمَلَ الْاِیْمَانَ (رواہ ابوداود والترمذی وزاد احمد انکح للّٰہ)

(۵۱۱) عَنْ عَمْرِو بْنِ الْجَمُوْحِ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَا یَسْتَحِقُّ الْعَبْدُ صَرِیْحَ الْاِیْمَانِ حَتّٰی یُحِبَّ لِلّٰہِ وَیُبْغِضَ لِلّٰہِ فَاِذَا اَحَبَّ لِلّٰہِ وَاَبْغَضَ لِلّٰہِ فَقَدِ اسْتَحَقَّ الْوَلَایَۃَ مِنَ اللّٰہِ تَعَالٰی (رواہ احمد)

# تمام اعمال کا رخ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف پلٹ جانا

(۵۱۰) ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اللہ تعالیٰ کی خاطر محبت رکھے اور اللہ تعالیٰ ہی کی خاطر دشمنی رکھے۔ کسی کو دے تو اسی کے نام پر نہ دے تو اسی کی وجہ سے تو اس شخص نے اپنا ایمان کامل کرلیا۔ امام احمدؒ کی روایت میں اتنی زیادتی اور ہے کہ نکاح کرے تو اللہ تعالیٰ ہی کے لئے (یعنی عفت فرج مقصود ہو)۔ (ابوداؤد ترمذی)

(۵۱۱) عمرو بن جموح روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ بندہ کا ایمان اس وقت تک خالص اور کامل نہیں ہوسکتا جب تک کہ وہ خدائے تعالیٰ ہی کے نام پر دوستی اور اسی کے نام پر دشمنی کرنے کا عادی نہ ہوجائے پھر جب وہ اس کا عادی بن جاتا ہے تو اب اس کا مستحق ہوجاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ اس کو اپنی ولایت سے نوازدے۔ (احمد)

(۵۱۱) ان دونوں حدیثوں کا خلاصہ یہ ہے کہ جب دواعی قلب اور حرکات جوارح سب رضاء الٰہی کے تابع بنجائیں تو یہ اس بات کی علامت ہوگی کہ اب ایمان اس کے ظاہر و باطن میں رچ چکا ہے قلب و زبان میں پوری یک رنگی پوری صداقت پیدا ہوچکی ہے اور اس میں نفاق کے کسی شعبہ کی گنجائش باقی نہیں رہی۔ عمرو بن جموح کی روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ نفس انسانی جب ترقی کی اس معراج پر جا پہنچتا ہے تو وہ اس قابل ہوجاتا ہے کہ فضل ایزدی اس کو اپنی ولایت خاصہ کا خلعت پہنا دے شاید صوفیاء کرام اسی کو فناء و بقاء کے نام سے یاد کرتے ہیں اور یہی نسبت احسان کا خلاصہ ہے ؎

گفت قدسی فقیری در فناء و در بقا

نفاق کے باب کے تفصیلی نوٹ میں اس پر سیر حاصل بحث موجود ہے ملاحظہ کیجئے۔

# الجهاد باليد واللسان والقلب

(۵۱۲) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ نَبِیٍّ بَعَثَهُ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ اُمَّةٍ قَبْلِیْ اِلَّا کَانَ لَهٗ مِنْ اُمَّتِهٖ حَوَارِیُّوْنَ وَاَصْحَابٌ یَاْخُذُوْنَ

## امر بالمعروف ونہی عن المنکر میں کوئی دقیقہ فروگذاشت نہ کرنا

(۵۱۲) عبداللہ بن مسعودؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھ سے پہلے کسی امت میں اللہ تعالیٰ نے کسی نبی کو نہیں بھیجا مگر اس کی امت میں ایسے لوگ ضرور گذرے ہیں جو اس کے

(۵۱۲) امام مسلمؒ نے اس حدیث کو طارق بن شہاب کے واسطہ سے بھی روایت کیا ہے اس میں ان مراتب ثلاثہ کو وقتی استطاعت و قدرت کے ساتھ مقید کیا گیا ہے ان کی تفصیل حسب ذیل ہے۔

"تم میں جو شخص کوئی بات شریعت کے خلاف دیکھے اسے چاہئے کہ اپنے ہاتھ سے اس کی اصلاح کرے۔ اگر اتنی قدرت نہ ہو تو زبان سے اس کی مخالفت کرے اور اگر یہ بھی نہ کر سکے تو اس سے کم کم کہ اپنے دل میں اس کی ناگواری برابر محسوس کرتا رہے اور یہ درجہ ایمان کا سب سے کمزور درجہ ہے"

اس حدیث میں ایمان کے تین درجے قائم کئے گئے ہیں قوی، درمیانہ، اور ضعیف ان میں ہر ایک درجہ کا اقتضاء جداجدا اور ہر ایک کی علامت علیحدہ علیحدہ ہے۔ سب سے ضعیف درجہ کی علامت یہ ہے کہ خلاف شرع امور سے قلب میں ہمہ وقت نفرت وکراہت محسوس ہو یعنی جب کہیں کوئی منکر نظر آئے تو فوراً قلب میں اس پر ناگواری محسوس ہو۔ قرآن کریم میں بھی اس کی طرف اشارہ موجود ہے "وکرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان" (اللہ تعالیٰ نے (صرف اپنی مہربانی سے) تمہارے دلوں میں کفر، فسق، اور اپنی نافرمانی سے کراہت ڈالدی ہے) اس کراہت کے بھی ضعف وقوت کے لحاظ سے تین مراتب نکل سکتے ہیں سب سے اعلیٰ تو یہ ہے کہ خدا کی زمین سے کفر وفسق کو اپنی قوت بازو سے مٹا ڈالے ورنہ اس سے تو کیا کم کہ دل میں اس کی ناگواری محسوس کرتا رہے اگر اتنا احساس بھی نہیں تو سمجھ لینا چاہئے کہ اب اس میں ایمان کی کوئی نشانی بھی نہیں۔

اس حدیث کی شرح میں علماء نے بہت کچھ لکھا ہے ہمارے نزدیک سب سے اچھی شرح حافظ ابن تیمیہ کی ہے لیکن وہ محدثین کی اس تحقیق پر مبنی ہے کہ ایمان صرف تصدیق کا نام نہیں بلکہ تصدیق واعمال کے مجموعہ کا نام ہے اسی مجموعہ پر اجر وثواب کا وعدہ کیا گیا ہے اس بناء پر حدیث کا مطلب یہ ہو گا کہ اس مجموعہ میں جن باتوں پر ثواب کا وعدہ ہے وہ امر بالمعروف کے سلسلہ میں صرف یہی تین باتیں ہیں۔ تغییر بالید ان میں سب سے اعلیٰ ہے اور انکار قلبی سب سے ادنیٰ۔ پس اگر کسی کا ہاتھ ازالۂ منکر کے لئے حرکت نہیں کرتا، اس کی زبان روکنے کے لئے نہیں ہلتی اور اس کا قلب اندرونی طور پر بھی انکار کے لئے آمادہ نہیں ہوتا تو اس کے بعد اب اعمال ایمانی میں ایسا کوئی عمل نہیں ہے جس کی ادائیگی پر اس کو کسی ادنیٰ ثواب کا بھی استحقاق ہو۔ محدثین کے نزدیک چونکہ اعمال ایمان کے اجزاء شمار ہوتے ہیں اس لئے اس حدیث میں اجزاء ایمان کی نفی سے اعمال ہی کی نفی مراد ہے۔ ولیس وراء ذلك من الایمان حبة خردل کی ٹھیک شرح یہ ہے یعنی انکار قلبی کے بعد اب رائی کے

بِسُنَّتِهٖ وَيَقْتَدُوْنَ بِاَمْرِهٖ ثُمَّ اِنَّهَا تَخْلُفُ مِنْ بَعْدِهِمْ خُلُوْفٌ يَقُوْلُوْنَ مَالَا يَفْعَلُوْنَ وَيَفْعَلُوْنَ مَالَا يُؤْمَرُوْنَ فَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِيَدِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ

معین و مددگار، اس کے طریقہ کار کے تبع و پیروکار اور اس کے ہر حکم کے مقتدی و فرمانبردار ہوا کرتے تھے پھر ان کے بعد ان کے جانشین کچھ ایسے بداطوار لوگ ہوئے (جن کے قول و عمل میں بڑا فرق تھا) وہ جو بات اپنی زبانوں سے کہتے اس پر عمل نہ کرتے اور وہ حرکتیں کرتے جن کا ان کو حکم نہیں دیا گیا تھا۔ جو شخص

دانہ کے برابر بھی ایمان کا کوئی جز ایسا نہیں رہا جس پر کوئی اجر مرتب ہوسکے اس کے معنی نہیں ہیں کہ اس کے بعد وہ شخص مومن ہی باقی نہیں رہے گا۔ (دیکھو کتاب الایمان ص۱۳ و ص۱۳۲)

اصل حقیقت یہ ہے کہ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کو ایمان باللہ کے ساتھ بہت گہرا ربط ہے حسب ذیل آیت پر غور کیجئے کنتم خیر امۃ اخرجت للناس تامرون بالمعروف وتنھون عن المنکر وتومنون باللہ۔ یعنی اس امت کی خیریت جن امور کے ساتھ وابستہ کی گئی ہے، ان میں سب سے ممتاز ایمان باللہ کی صفت ہے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر اسی کے لوازم میں ہیں اس سے پہلی امتیں اگر ایمان باللہ میں ہم سے پیچھے رہیں تو امر بالمعروف میں بھی ان کا قدم ہم سے پیچھے ہی تھا اور یہ امت اگر ایمان باللہ میں سب سے فائق رہی تو امر بالمعروف میں بھی اس کا قدم سب سے آگے ہے۔ بہرحال ایمان باللہ کے ساتھ کسی نہ کسی مرتبہ میں امر بالمعروف ہونا بھی ضروری ہے جس کا سب سے ضعیف درجہ انکار قلبی ہے اگر یہ بھی نہیں ہے تو پھر یہ غور کرنا ہوگا کہ اب اس میں ایمان باللہ کی کتنی روح اور اس کی کیا علامت باقی ہے —— اسلام میں ایمان کی علامت صرف پیشانی پر نماز کا نشان، ہونٹوں پر روزوں کی خشکی اور بروقت زکوٰۃ کی ادائیگی قرار نہیں دی گئی بلکہ اس کی ایک بڑی علامت امر بالمعروف اور نہی عن المنکر بھی قرار دی گئی ہے۔ اس سے واضح ہوتا ہے کہ ایمان باللہ اور امر بالمعروف میں بڑا گہرا ربط ہے۔ ایمان صرف ان اعمال کے ادا کرنے سے کامل نہیں ہوتا جن سے کہ ایک انسان کے نفس کی صرف ذاتی تکمیل ہو جاتی ہے بلکہ اس کا معیار وہ اعمال ہیں جن سے تمام مخلوق کے نفوس کی تکمیل ہوتی ہے یعنی امر بالمعروف اور نہی عن المنکر۔ اس امت کی خلقت کا اصل منشاء صرف اپنے کمالات علمیہ و عملیہ کی تکمیل نہیں بلکہ خدا کے تمام مخلوقات کے تکمیل کی ذمہ داری بھی اسی کے سر ہے اور یہی اس کا طغرۂ امتیاز ہے اور اسی بنا پر اس کو تمام امتوں پر فضیلت دی گئی ہے۔

یہ بات بہت زیادہ قابل غور ہے کہ جب ایک انسان کی ذاتی تکمیل کے لئے بھی قوت ایمانی کی ضرورت ہے تو اس امت کے لئے جس کو یہ دعوت دی گئی ہو کہ وہ تمام دنیا کی طاقتوں کو چیلنج دیکر ان کی نفسیاتی اور اخلاقی تکمیل کر دے، کتنے عزم، کتنی قوت ایمانی اور کتنے وثوق باللہ کی ضرورت ہوگی، ایمان باللہ کے بغیر امر بالمعروف ہو ہی نہیں سکتا۔ اور یہ صفت جتنی کامل ہوگی انسان اتنا ہی امر بالمعروف کے لئے مضطر ہوگا اور اگر بدنصیبی سے وہ اس اضطرار سے خالی ہو چکا ہے تو جب تک اس میں نور ایمانی کا کوئی ذرہ موجود ہے اس کے لئے ضروری ہے کہ اس کا مل احساس ناگواری سے تو خالی نہ رہے اگر اس میں یہ احساس ناگواری بھی نہیں تو پھر سمجھنا چاہئے کہ اس میں غیرت ایمانی کا کوئی شائبہ بھی نہیں۔ یہ تھی اس حدیث کی مختصر شرح اب امر بالمعروف کے متعلق چند اور اہم کلمات سنئے۔

حدیث کے لفظ اذا رأی منکرا "جب کوئی برائی دیکھے" میں رویت سے مراد برائی کا ثبوت اور یقین ہے

بِلِسَانِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَمَنْ جَاهَدَهُمْ بِقَلْبِهٖ فَهُوَ مُؤْمِنٌ وَلَيْسَ وَرَاءَ ذٰلِكَ مِنَ الْاِيْمَانِ حَبَّةُ خَرْدَلٍ۔ (رواہ الخمسہ غیر البخاری)

بھی ایسے لوگوں کا اپنے ہاتھ سے مقابلہ کرے وہ مومن اور جو زبان سے ان کی تردید کرے وہ مومن اور جو صرف قلبی ناگواری پر کفایت کرلے وہ بھی ایک درجہ کا مومن ہے اس کے بعد ایک رائی کے دانہ برابر بھی ایمان کا کوئی جزء نہیں۔ (مسلم وغیرہ)

اس کا آنکھوں سے دیکھنا مراد نہیں ہے تاہم صاحب بحر الرائق نے پانچویں جلد میں لکھا ہے کہ اگر کوئی شخص کسی شخص کو کسی معصیت میں مبتلا دیکھے تو اس کو اپنے ہاتھ سے بھی ازالہ کا حق حاصل ہے اور اگر وہ اس معصیت سے فارغ ہو چکا ہے تو اب اس کو صرف یہ حق ہوگا کہ اس معاملہ کو قاضی تک پہنچا دے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عملی طور تعزیر صرف قاضی کا وظیفہ ہے اور دفعات تعزیر کا اجراء عوام کا حق نہیں ہاں امر بالمعروف ہر شخص کا فرض ہے اس میں کسی کی تخصیص نہیں ہے۔

یہ بات قابل فراموشی نہیں ہے کہ شریعت میں جتنا امر بالمعروف کی ترغیب ہے اتنا ہی تجسس احوال کی ممانعت بھی ہر قاضی اس کا مامور نہیں ہے کہ وہ لوگوں کے حالات کا زبردستی تجسس کیا کرے اس کا فرض صرف یہ ہے کہ جب اس کے سامنے کوئی معاملہ آجائے تو وہ اس کی تحقیق کر کے مناسب فیصلہ صادر کردے۔ یہاں کتاب الاحکام السلطانیہ میں قاضی ابو یعلی نے بہت خوب تفصیل کی ہے وہ لکھتے ہیں کہ اگر واقعہ ایسا ہے جس کا تجسس نہ کرنے سے کسی کی جان، آبرو یا مال ضائع ہو جانے کا خطرہ ہوتا ہے جیسا زنا، چوری اور قتل تو ان معاملات کا تجسس کرنا امام کا فرض ہے اور اگر ایسا معاملہ نہ ہو تو پھر عام حالات میں تجسس کرنا مناسب نہیں ہو ــــ دوم یہ کہ جن منکرات کا ازالہ کرنا واجب ہے وہ ایسے منکرات ہوں جو بالاتفاق منکر ہوں۔ مختلف فیہ مسائل میں ایک دوسرے پر انکار کرنا قلتِ علم اور تنگ نظری ہے قاضی ابو یعلی اس کی اور تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہاں اس اختلاف کا استثناء کرنا ضروری ہے جو جمہور کے بالمقابل ہو یا کسی متفق علیہ حرام کا ذریعہ بن جائے۔ جیسے سود کہ جمہور کے نزدیک نقد ہو یا ادھار دونوں صورتوں میں حرام ہے۔ اس مسئلہ میں اگرچہ بعض سلف کا کچھ خلاف منقول ہے لیکن چونکہ یہ جمہور کے خلاف ہے اس لئے اس پر بھی انکار کرنا ضروری ہوگا۔ امام احمدؒ نے یہاں ایک اور دلچسپ تفصیل کی ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے مسئلہ پر عمل کرنے والے کو سزا تو دیجائے مگر بعض سلف کے خلاف کی وجہ سے اس کو فاسق نہ کہا جائے۔ نکاح متعہ بھی اسی قسم میں داخل ہے یہ بھی جمہور کے خلاف ہے اور اگر اس کی اجازت دیدی جائے تو یہ صریح زنا کا ذریعہ بن سکتا ہے جو متفق علیہ حرام ہے اس لئے اس کی بھی ممانعت کی جائے اور اس کے مرتکب کو سزا بھی دیجائے۔ اور اگر یہ ثابت ہو جائے کہ سلف میں کوئی اس کا قائل نہ تھا تو اس کو فاسق بھی کہا جائے۔ (اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲۵۲)

اسلام میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کی جتنی اہمیت ہے اس سے زیادہ اہمیت مواقع انکار جاننے کی ہے بسا اوقات بے محل انکار خود ایک منکر کی صورت بن جاتا ہے۔ حافظ ابن قیم نے اس کی چار صورتیں تحریر فرمائی ہیں (۱) منکر اور برائی کو روکنے سے اصلاح کی توقع ہو اور اس کی بجائے نیکی پیدا ہونے کی امید ہو۔ (۲) اگر اس کے ازالہ کی توقع نہ ہو تو کم از کم اس میں خفت کی امید ہو۔ (۳) یا اس کے ہم وزن دوسری برائی پیدا ہونے کا خطرہ ہو۔ (۴) یا اس سے بدتر برائی کا خطرہ ہو۔

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

# الاجتناب عن الشبہات

(۵۱۳) عَنْ اَبِیْ عَبْدِ اللّٰہِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہما قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ یَقُوْلُ اِنَّ الْحَلَالَ بَیِّنٌ وَاِنَّ الْحَرَامَ بَیِّنٌ وَبَیْنَهُمَا اُمُوْرٌ مُشْتَبِهَاتٌ

## جن باتوں کا ٹھیک حکم معلوم نہ ہو ان کو ترک کر دینا

(۵۱۳) نعمان بن بشیر بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ (دین میں) حلال بھی واضح ہے اور حرام بھی واضح ہے ہاں ان دونوں کے درمیان کچھ باتیں مشتبہ ہیں

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) صرف پہلی دو صورتوں میں امر بالمعروف اور نہی عن المنکر ضروری ہے۔ تیسری صورت خود انسان کے احساس و تمیز پر موقوف ہے اور چوتھی صورت حرام ہے۔ اس تفصیل کے مطابق اگر ایک جماعت شطرنج کھیل رہی ہے اور امید یہ ہے کہ اگر اس کو روکا گیا تو وہ کسی اور بہتر مشغلہ میں لگ جائے گی تو اس کو منع کرنا ضروری ہوگا ورنہ نہیں۔ اسی طرح اگر ایک شخص ناول دیکھتا ہے اور خطرہ یہ ہے کہ اس کو روکا گیا تو وہ اور بددین اور فاسد العقائد مصنفین کی کتابوں کے دیکھنے میں مشغول ہو جائے گا تو اس کو ناول دیکھنے سے منع نہ کرنا ضروری ہوگا۔ حتیٰ کہ اگر ایک شخص شراب نوشی اور قمار بازی میں مشغول ہو اور اس کی فاسد فطرت سے یہ اندیشہ ہے کہ اس کو روکا گیا تو وہ قتل و غارت میں مشغول ہو جائے گا تو ایسے شخص کو ان شاغل میں رہنے دینا مناسب ہے۔ (اعلام الموقعین ج ۳ ص ۲)

عالم وہ ہے جو ان مراتب کو پہچانے اور ان کی صحیح رعایت بھی رکھے ؎ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند۔

(۵۱۳) حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ دین کا بڑا حصہ کھلا ہوا حلال یا کھلا ہوا حرام ہے۔ اس پر عمل کرنا تو کوئی بڑے کمال کی بات نہیں یہ تو ہر شخص کا فرض ہے البتہ اس کا ایک حصہ وہ ہے جس کے متعلق اکثر لوگ کھلے طور پر نہیں جانتے کہ وہ حلال ہے یا حرام۔ مخصوص اور بڑے درجہ کے علماء اگرچہ اس کا بھی حکم جانتے ہیں لیکن متوسط طبقہ کے نزدیک اس کا حکم مشتبہ ہوتا ہے یہی حصہ انسان کی کمزور فطرت کی آزمائش گاہ ہے جس شخص نے اس اشتباہ سے ناجائز فائدہ اٹھایا، اس نے دیندار طبقہ کی نظروں میں اپنی دینی عظمت و محبت کا معاملہ مشتبہ کر دیا اور ایک حد تک انھیں نکتہ چینی کرنے کا حق دیدیا لیکن جس شخص نے یہاں استقامت دکھلائی اس نے اپنی دینی شخصیت صاف کر دی اور یہ ثابت کر دیا کہ اس کے قلب میں دین کا درحقیقت بہت بڑا احترام ہے۔ تیسری قسم وہ ہے جس کو مشتبہات کا اصل حکم معلوم ہے وہ اس جگہ زیر بحث ہی نہیں وہ ان سب میں کامل تر انسان ہے وہ علمی ذوق پیدا کر کے اشتباہ کی ظلمت سے نکل چکا ہے اس لئے اس کے حق میں کمال یہ ہے کہ جو اس کی تحقیق ہو اسی پر عمل کرے . . . . . . . . . . کیونکہ جب اس کے حق میں یہاں کوئی اشتباہ ہی نہیں تو اس کے لئے اتقاء عن الشبہات کا حکم بھی نہیں۔ چونکہ ورع اور احتیاط کی اس منزل تک رسائی آسان امر نہیں یہاں صرف ظاہری اعضاء کی سلامتی سے کام نہیں چلتا بلکہ قلب انسانی کی سلامتی کی ضرورت ہوتی ہے اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تنبیہ فرمائی کہ اگر تم اس وادی کو عبور کرنا چاہتے ہو تو پہلے اپنے قلب کی سلامتی پیدا کرو۔ قلب کی سلامتی یہ ہے کہ اس میں ایک ذات پاک وحدہ لاشریک لہ کی محبت کے سوا کسی

لَا يَعْلَمُهُنَّ كَثِيْرٌ مِّنَ النَّاسِ فَمَنِ اتَّقَى الشُّبُهَاتِ فَقَدِ اسْتَبْرَأَ لِدِيْنِهٖ وَعِرْضِهٖ وَمَنْ وَقَعَ فِي الشُّبُهَاتِ وَقَعَ فِي الْحَرَامِ ـ كَالرَّاعِيْ حَوْلَ الْحِمٰى يُوْشِكُ اَنْ يَّرْتَعَ فِيْهِ

جن کا صحیح حکم اکثر لوگ نہیں جانتے جو شخص ان باتوں سے بچتا رہے اس نے تو اپنے دین اور آبرو کی طرف سے صفائی پیش کردی اور جو ان میں مبتلا ہوگیا وہ یقیناً حرام میں بھی مبتلا ہو کر رہے گا۔ اس کی مثال اُس چرواہے کی سی ہے جو اپنے جانوروں کو کسی (مخصوص) جنگل کے اردگرد چراتا رہے۔ قریب ہے کہ اس کے

غیر کی محبت کی سمائی نہ رہے اور ان اعمال کے سوا جن میں اس کی رضامندی ہو کسی اور عمل کا جذبہ نہ رہے جب اس میں یہ صفت پیدا ہو جائے گی تو ظاہری اعضاء خود بخود اوامر شرعیہ کی بجا آوری کے لئے مضطرب ہو جائیں گے اور منہیات شرعیہ تو درکنار امور مشتبہ سے بھی طبعاً متنفر ہو جائیں گے اور یہ کٹھن منزل ذوق و شوق کے ساتھ طے ہونا شروع ہو جائے گی۔ لیکن اگر قلب میں اس طرح صفت سلامتی پیدا نہیں ہوئی اور وہ بدستور خواہشاتِ نفسانی کا گرفتار رہا تو اس کا اثر انسان کے ظاہری اعضاء میں بھی نمودار ہوئے بغیر نہیں رہے گا کیونکہ انسانی اعضاء میں قلب کی مثال ایسی ہے جیسی فوج میں ایک بادشاہ کی جس طرح فوج کی صلاح و فساد کا مدار بادشاہ کے صلاح و فساد پر ہوتا ہے اسی طرح اعضاء ظاہری کی صلاح و فساد کا مدار قلب کی صلاح و فساد پر ہوتا ہے۔ پس اصل اہتمام کے قابل نکتہ اصلاح قلب ہے اسی لئے مسند امام احمد میں حضرت انسؓ مرفوعاً روایت کرتے ہیں " لا یستقیم ایمان عبد حتی یستقیم قلبہ " کسی بندہ کا ایمان اس وقت تک درست نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا قلب درست نہ ہو جائے۔ یہاں استقامتِ ایمان میں اعمال کی استقامت بھی داخل ہے۔ اسی اہمیت کے پیش نظر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے۔ اللھم انی اسالك قلبا سلیما اے اللہ میں تجھ سے ایسا قلب مانگتا ہوں جو سلیم ہو۔ آیت ذیل میں بھی اسی طرف اشارہ کیا گیا ہے یوم لا ینفع مال ولا بنون الا من اتی اللہ بقلب سلیم۔

یہ صفت انبیاء علیہم السلام کو کسب و مجاہدہ کے بغیر ہنگامۂ طفولیت ہی میں اس کمال کے ساتھ عطا کردی جاتی ہے کہ وہ شرک و کفر کی خوفناک سے خوفناک وادیوں سے بھی اس طرح پاک و صاف گذر جاتے کہ ان کے دامنِ اعتقاد میں شک و شبہات کا ایک کانٹا بھی نہیں چبھتا۔

عالم کے موحد اعظم یعنی حضرت خلیل نے جب دنیا میں قدم رکھا تو اپنے چاروں طرف بت پرستی اور کواکب پرستی کا ماحول دیکھا مگر قدرت نے ان کو ایسا سلیم قلب مرحمت فرمایا تھا کہ پہلی ہی نظر میں ان کو ستاروں کی چمک دمک اور بتوں کی رعنائی ایک منظر کاذب نظر آئی اور ان تمام معبودانِ باطل سے انھوں نے بیک آواز اپنے ان الفاظ میں بیزاری کا اعلان کردیا " انی وجہت وجھی للذی فطر السموات والارض حنیفا وما انا من المشرکین " ان کی اسی فطری سلامتی قلب کو حسب ذیل آیت میں ذکر کیا گیا ہے۔ اذ جاء ربہ بقلب سلیم۔

خلاصہ یہ ہے کہ اعمال ظاہری کی سلامتی کا راز قلب کی سلامتی میں مضمر ہے۔ اگر قلب ماسوا اللہ کی گرفتاری سے نجات حاصل کرچکا ہے تو یقیناً وہ مشتبہات کی طرف قدم اٹھانے سے بھی انتہا درجہ کارہ ہو جائیگا۔ جوارح انسانی ممنوعات شرعیہ کے ارتکاب میں بے حس و حرکت بن جائیں گے ورنہ مشتبہات کیا صریح ممنوعات کے ارتکاب سے بھی کوئی امر مانع نہ ہوگا۔

أَلَا وَإِنَّ لِكُلِّ مَلِكٍ حِمًى أَلَا وَإِنَّ حِمَى اللّٰهِ مَحَارِمُهُ أَلَا وَإِنَّ فِي الْجَسَدِ مُضْغَةً إِذَا صَلَحَتْ صَلَحَ الْجَسَدُ كُلُّهُ، وَإِذَا فَسَدَتْ فَسَدَ الْجَسَدُ كُلُّهُ أَلَا وَهِيَ الْقَلْبُ (رواہ البخاری ومسلم)

جانور اس کے اندر بھی جا پڑیں۔ خوب سن لو کہ ہر بادشاہ کا ایک نہ ایک جنگل ریزرو اور مخصوص ہوتا ہے اور اللہ تعالیٰ کے ریزرو کردہ جنگل اس کے محرمات ہیں۔ خوب سن لو کہ انسان کے جسم میں گوشت کا ایک لوتھڑا ہے کہ اگر وہ سنور گیا تو سارا جسم سنور جاتا ہے اور اگر وہ بگڑ گیا تو سارا جسم بگڑ جاتا ہے وہ گوشت کا لوتھڑا انسان کا دل ہے۔ (متفق علیہ)

اس ذیل میں چند اور امور بھی قابل تنبیہ ہیں۔

(۱) تحقیق بالا کی روشنی میں مشتبہات کے بارے میں دو قسم کے انسان ہو جاتے ہیں۔ ایک ان کا حکم جاننے والے دوسرے نہ جاننے والے۔ حکم نہ جاننے والوں کی دو صورتیں ہیں یا تو ان کو دو طرفہ کوئی حکم معلوم نہیں یا اگر کسی جانب کوئی حکم معلوم ہے تو وہ خلاف واقع ہے ظاہر ہے کہ اس تقدیر پر وہ بھی نہ جاننے والوں ہی کے برابر ہیں۔

(۲) قرآن وحدیث نے اگرچہ دین کی تمام حلال یا حرام اشیاء کو صاف صاف بیان کر دیا ہے لیکن پھر بھی بیان و توضیح کے لحاظ سے ان میں مراتب کا تفاوت ضروری ہے مثلاً بعض حلال وحرام تو ایسے ہیں جو خواص وعوام تک بذریعہ تواتر پہنچ چکے ہیں ان میں نہ کوئی اشتباہ ہو سکتا ہے نہ کچھ اختلاف اور کچھ ایسے بھی ہیں جو اس شہرت کے ساتھ پہنچ نہیں سکے اس حصہ میں علماء کے اختلاف یا دلائل کے تعارض سے کہیں کہیں شبہ پیدا ہو سکتا ہے مثلاً گھوڑے کا گوشت کھانا یا وہ نبیذ پینا جس کا زیادہ حصہ نشہ آور ہو جائے یہاں قطعیت کے ساتھ کسی جانب بھی حکم نہیں لگایا جا سکتا یہ تو اس صورت کی مثال تھی جہاں صحیح علم نہ ہونے کی وجہ سے اشتباہ پیدا ہو گیا ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ علم حاصل ہونے کے باوجود پھر اشتباہ ہو جاتا ہے مثلاً جہاں اباحت اور ظاہر کی شہادت میں تعارض واقع ہو جائے مثلاً غیر محتاط کافر کے برتن اگر یہ دیکھا جائے کہ اصل اشیاء میں طہارت ہے تو اس کے برتن پاک ہونے چاہئیں اور ان کے استعمال کرنے میں کوئی مضائقہ نہ ہونا چاہیے اور اگر اس کے غیر محتاط ہونے کی طرف نظر کی جائے تو ظاہر یہ ہے کہ وہ ناپاک ہونے چاہئیں اور پاک کئے بغیر ان کو استعمال نہ کرنا چاہیے اس قسم کے مقامات پر حدیث مذکور یہی واحد حل پیش کرتی ہے کہ یہ سب محل شبہات ہیں ان سے اجتناب کرنا ہی دینی پختگی کی علامت ہے۔

(۳) ہرچند کہ میدان شبہات کے ترک کرنے کا حکم اسی کے حق میں ہے جس کے حق میں اشتباہ موجود ہو لیکن وہ شخص جس کے حق میں کوئی اشتباہ نہ ہو اگر اپنی دینی آبرو کے تحفظ کی خاطر محل شبہ ترک کر دے تو یہ بھی ایک خوبی کی صفت ہے اور مطلوب ہے۔

ایک مرتبہ آپ اعتکاف میں تھے آپ کی زوجہ مطہرہ حضرت صفیہؓ آپ کی زیارت کیلئے تشریف لائیں واپسی میں ان کے رخصت کرنے کے لئے آپ بھی چند قدم ان کے ہمراہ تشریف لائے۔ اتفاقاً بعض صحابہ ادھر سے گذرے تو آپ نے ان کو ٹھہرا لیا اور فرمایا یہ میری زوجہ صفیہؓ ہیں۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بھلا آپ کے متعلق بھی کوئی بدگمانی ہو سکتی ہے۔

(باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

# اطمینان النفس بالبر وترددها بالاثم

(۵۱ء) عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سِمْعَانَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْبِرُّ حُسْنُ الْخُلُقِ وَالْاِثْمُ مَا حَاكَ فِي نَفْسِكَ وَكَرِهْتَ اَنْ يَّطَّلِعَ عَلَيْهِ النَّاسُ۔ (رواہ مسلم)

# نیک بات پر دل کا مطمئن ہو جانا اور گناہ میں خلش کا باقی رہنا

(۵۱ء) نواس بن سمعان رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ نیکی صرف اچھے اخلاق کا نام ہے اور گناہ کی علامت یہ ہے کہ وہ بات تمہارے دل میں کھٹکتی رہے اور تمہیں یہ پسند نہ ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو۔ (مسلم)

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) آپ نے فرمایا درست ہے مگر شیطان انسان کی رگ و پے میں اس طرح دوڑتا پھرتا ہے جس طرح خون رگوں میں۔ میں نے اس کی وسوسہ اندازی کے خطرہ سے یہ صفائی پیش کی ہے۔

ظاہر ہے کہ اس واقعہ میں اشتباہ کا کوئی محل ہی نہ تھا لیکن جو بات کسی غلط فہمی کے بنا پر بھی شبہ کا موجب بن سکتی تھی اس کو بھی آپ نے صاف کر دیا۔ نبی کا یہ بھی ایک بڑا کمال ہوتا ہے کہ عصمت کے بلند سے بلند مقام پر کھڑے ہونے کے باوجود وہ اپنے نفس کو شرعی احکام میں عوام کی صف میں برابر رکھتا ہے۔

شریعت میں مقامات تہمت سے بچنا تو ایک عام بات ہے لیکن نبی کا معاملہ اس بارے میں اور زیادہ نازک ہوتا ہے اگر اس کی طرف سے کسی کے قلب میں کوئی وسوسہ گذر جائے تو اس شخص کے ایمان ہی کی خیر نہیں تھی اس لیے نبی کی یہ بہت کوشش رہتی ہے کہ اس کی طرف سے کسی کے قلب میں کوئی وسوسہ نہ گذرنے پائے۔

مسند احمد کی ایک روایت میں ہے کہ حضرت انسؓ جمعہ کی نماز کے لئے تشریف لے گئے دیکھا تو لوگ نماز سے فارغ ہو ہو کر اپنے گھروں کو رخصت ہو چکے تھے اس لئے انھوں نے ایک گوشہ میں نظریں بچا کر چپکے سے اپنی نماز ادا فرمائی اور کہا جو شخص خدا تعالیٰ سے شرم نہیں کرتا وہ اس کی مخلوق سے بھی شرم نہیں کرتا۔ (جامع العلومؒ) اس واقعہ سے یہ سبق ملتا ہے کہ فرائض و واجبات میں کسی اتفاقی کوتاہی کو منظر عام پر لانا کمال کی بات نہیں شرم کی بات ہے۔

بہر حال ان دونوں واقعات میں اگرچہ در اصل شبہ کا کوئی محل نہ تھا اس کے باوجود صرف عوام کی غلط فہمی اور اس پر ان کے طعن و تشنیع کے خطرہ سے بچنے کی خاطر احتیاط کی گئی۔ معلوم ہوا کہ کسی غلط فہمی کے ازالہ کی رعایت سے مشتبہات کو ترک کر دینا بھی مستحسن امر ہے۔

(۵۱۵) عَنْ وَابِصَةَ بْنِ مَعْبَدٍؓ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ جِئْتَ تَسْاَلُ عَنِ الْبِرِّ وَالْاِثْمِ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اِسْتَفْتِ قَلْبَکَ اَلْبِرُّ مَا اطْمَاَنَّتْ اِلَیْہِ النَّفْسُ

(۵۱۵) وابصہ بن معبد بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ نے فرمایا کیا گناہ اور نیکی کی تعریف پوچھنے آئے ہو؟ میں نے عرض کیا جی ہاں۔ فرمایا تو اپنے دل کی

(۵۱۵) اللہ تعالیٰ نے تمام انسانوں کو فطرت اسلام پر پیدا کیا ہے ان میں حق و ناحق کا احساس اور اس کا امتیاز اسی طرح ودیعت فرمایا ہے جس طرح حواس خمسہ میں اشیاء ظاہری کا احساس جب تک انسان اپنی اصل فطرت پر قائم رہتا ہے اس کا حاسۂ فطری بھی ظاہری حواس کی طرح صحیح صحیح کام کیا کرتا ہے جس طرح کان ایک اچھے نغمے کی طرف بلا ارادہ لگ جاتے ہیں اور بُرے نغمے سے غیر اختیاری طور پر ہٹ جاتے ہیں۔ اسی طرح انسان کا حاسۂ فطرت بھی اوامر الٰہیہ سے طبعاً مانوس اور منہیات شرعیہ سے فطرۃً متنفر ہو جاتا ہے اسی بنا پر اوامر شرعیہ کو معروف اور منہیات کو منکرات سے تعبیر کیا جاتا ہے حسب ذیل آیات میں انسان کی اسی سلامتی فطرت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

(۱) انما المؤمنون اذا ذکر اللہ وجلت قلوبھم واذا تلیت علیھم ایاتنا زادتھم ایمانا۔ — سچے مسلمان تو بس وہی ہیں کہ جب خدا تعالیٰ کا نام لیا جاتا ہے تو ان کے دل دہل جاتے ہیں اور جب آیات الٰہی ان کو پڑھ کر سنائی جاتی ہیں تو وہ ان کے ایمان کو اور بھی زیادہ کر دیتی ہیں۔

(۲) الا بذکر اللہ تطمئن القلوب۔ — سن لو کہ خدا کی یاد سے دلوں کو تسلی ہو جاتی ہے۔

مذکورہ بالا حدیث بھی قلب کی اسی فطری سلامتی پر مبنی ہے۔

لیکن جب فطرتِ انسانی کچھ خارجی اسباب کی بنا پر آفت زدہ ہو جاتی ہے تو اس میں وہ احساس بھی باقی نہیں رہتا اور جس طرح بیمار حواس صحیح صحیح کام نہیں کرتے اس کی فطرت بھی پورے طور پر کام نہیں کرتی اور شدہ شدہ ایسے اسٹیج پر پہنچ جاتی ہے جہاں اسے حق و ناحق کا کوئی امتیاز ہی باقی نہیں رہتا یہ انسان اس نابینا کی طرح ہو جاتا ہے جو سرخ و سفید کا صرف نام تو سنتا ہے مگر ان میں طبعی طور پر ادراک نہیں کرتا اسی طرح وہ انسان جس کی فطرت آفت رسیدہ ہو جاتی ہے، حق و باطل کا فرق صرف دلائل کی قوت سے ہی سنتا یا سمجھتا ہے مگر بدیہی طور پر اس کا ادراک نہیں کر سکتا۔ اس کو اسلام سے رغبت اور کفر سے نفرت طبعی نہیں ہوتی صرف استدلالی ہوتی ہے۔ یہ انسان صحیح فطرت سے ہٹا ہوا انسان ہے۔ یہ تندرست نہیں بیمار ہے اس لئے اس کے احساس کا بھی کوئی اعتبار نہ ہوگا۔ حضرت شیخ مجدد صاحبؒ نے اپنے مکتوب ۲۶ جلد اول میں اس کی خوب تحقیق فرمائی ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی فرماتے ہیں کہ حدیث کا دوسرا جملہ "وکرھت ان یطلع علیہ الناس" اور تجھے یہ ناپسند ہو کہ لوگوں کو اس کی خبر ہو کسی امر کے گناہ ہونے کی سب سے کھلی ہوئی علامت ہے کیونکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ بات ایسی ہے کہ اس کی برائی تمام لوگوں پر اتنی عیاں ہے کہ اگر ان کو اطلاع ہو جائے تو وہ اس پر بے توقف اعتراض کریں۔ بس کسی مشتبہ امر کے گناہ ہونے کی اس سے بڑھ کر اور کیا دلیل ہوگی کہ وہ عوام و خواص سب کے نزدیک موجب اعتراض ہو اب اگر کسی حیلہ سے تم اسے جائز بنانا چاہتے ہو تو یہ تمہارے نفس کی خیانت ہوگی۔ اسی لئے حضرت ابن مسعودؓ نے فرمایا ہے کہ جن باتوں کے متعلق

وَاطْمَأَنَّ إِلَيْهِ الْقَلْبُ وَالْإِثْمُ مَا حَاكَ فِي النَّفْسِ وَتَرَدَّدَ فِي الصَّدْرِ وَإِنْ أَفْتَاكَ النَّاسُ وَأَفْتَوْكَ۔ (رواہ احمد والدارمی فی مسندیہما باسناد حسن)

فتویٰ لے لیا کر جس بات پر دل ٹھک جائے وہ تو نیکی کی بات سمجھو اور جس میں کھٹک اور تردد باقی رہے وہ گناہ کی بات سمجھو اگرچہ لوگ تجھے کتنے ہی فتوے دیتے رہیں۔ (مسند احمد و دارمی)

کوئی حدیث نہ ملے ان کے متعلق قاعدہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ کے نیک بندے اس کو بہ نگاہِ استحسان دیکھیں تو اسے اچھی بات سمجھو اور اگر بہ نظر کراہت دیکھیں تو بری سمجھو۔ اس تحقیق سے حضرت ابن مسعودؓ کی حدیث کا مصداق بھی معلوم ہو گیا پھر حافظ مذکور فرماتے ہیں کہ کسی امر کے گناہ ہونے کی دوسری علامت یہ ہے کہ مفتی اگرچہ اس کے متعلق یہ فتویٰ دے سکتا ہو کہ وہ گناہ نہیں مگر دل پھر بھی اس پر مطمئن نہ ہو اور برابر اس میں گناہ ہونے کی خلش محسوس کرتا رہے اس کا مطلب یہ ہے کہ وہ اتنا کھلا ہوا گناہ نہیں ہے کہ عام طور پر اس کو گناہ کی بات سمجھا جائے۔ (جامع العلوم ص۱۶۱)

خلاصہ یہ کہ نیک انسان کو نیکی کے ساتھ ایک فطری تناسب ہوتا ہے ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ لوہے کو مقناطیس سے۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کسی امر کا نیکی ہونا شرعاً معلوم ہو جائے تو ایک انسان کے فطرت کی سلامتی کی علامت یہ ہے کہ اس کی طرف وہ اپنی قلبی کشش محسوس کرے اسی طرح اگر کسی شخص کا شرعاً نیک ہونا ثابت ہو جائے تو کسی مشتبہ امر کے نیک و بد ہونے کی علامت اس کی فطرت ہے اگر اس کی جانب اس کے دل میں کشش موجود ہے تو سمجھنا چاہیے کہ وہ نیکی کا عمل ہے ورنہ نہیں۔ قرآن و حدیث کے تصریح کردہ کام میں بھی اسی معیار کو درجہ اولیٰ سمجھنا چاہیے۔ وانها لكبيرة الا على الخاشعين۔

مذکورہ بالا بیان سے یہ ظاہر ہے کہ مفتی کے فتوے کے مقابلہ میں قلبی فتوے کی ترجیح کے لئے دو شرطیں ہیں۔ (۱) مستفتی کا قلب نور ایمان سے منور ہو۔ (۲) مفتی کا فتویٰ محض اس کے ظن یا خواہش نفسانی پر مبنی ہو۔ پس اگر مستفتی کا قلب سلیم ہے تو بلاشبہ اس کا فتویٰ ان مفتیوں کے فتووں سے ہزاروں درجہ وزنی ہوگا جو صرف اپنی رائے سے فتوے دیتے ہیں وہ خود بھی بیمار ہیں اور ان کے فتوے بھی بیمار ——— لیکن اگر مفتی کے پاس دلیل شرعی موجود ہے تو پھر ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اگر اس کا دل بخوشی اس پر راضی نہیں ہوتا تو بہ جبر اسی پر اس کو راضی کرے بعض مسائل میں صرف جذبہ اتباع کی بنا پر بعض صحابہ کرامؓ نے آپ کی تعمیل ارشاد میں تامل کیا تھا تو آپ کو سخت ناگوار گذرا اس وقت ان کو اپنی غلطی کا احساس ہوا اور وہ سمجھ گئے کہ آپ کا حکم محض شفقت یا سہولت کی رعایت کی وجہ سے نہ تھا بلکہ درحقیقت آپ ان سے وہ عمل کرانا ہی چاہتے تھے پس جب دلیل شرعی سامنے آجائے تو انشراح صدر اور قلبی فتوے سب غیر معتبر ہو جاتے ہیں۔ اس مفتی کا فتوے اور فطری نور اسی جگہ کار آمد ہوتا ہے جہاں حدیث و قرآن کا نور موجود نظر نہ آئے۔ جہاں یہ نور موجود ہو وہاں کسی اور نور کی ضرورت نہیں ہے۔

آب آمد تیمم برخاست

حضرت شیخ مجدد الف ثانی سرہندی شیخ اکبر کی تصنیف فتوحات مکیہ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: "فتوحات مدنیہ مارا از فتوحات مکیہ بے نیاز کردہ"۔ سبحان اللہ اصل ایمان اور قلب کی صحیح شہادت صرف یہی ہے۔

# الترك لما فيه ريب والاختيار لما لا ريب فيه

(۵۱۶) عَنْ اَبِیْ مُحَمَّدٍ الْحَسَنِ بْنِ عَلِیِّ بْنِ اَبِیْ طَالِبٍ سِبْطِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم وَرَیْحَانَتِہٖ قَالَ حَفِظْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ دَعْ مَا یُرِیْبُكَ اِلٰی مَا لَا یُرِیْبُكَ رواہ النسائی والترمذی وقال حسن صحیح قال ابن رجب وقد روی ھذا الکلام موقوفا علی جماعۃ من الصحابۃ منھم عمرو وابن عمرو ابو الدرداء رضی اللہ تعالٰی عنھم)

# ترك مالا بأس به حذرا لما به باس

(۵۱۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ یَزِیْدَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَبْلُغُ الْعَبْدُ

## جس جانب میں تردد ہو اسے چھوڑ دینا اور جس میں تردد نہ ہو اسے اختیار کر لینا

(۵۱۶) حضرت حسنؓ روایت فرماتے ہیں کہ مجھے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنی ہوئی یہ بات خوب یاد ہے کہ آپ نے فرمایا جو بات تمہیں شک میں ڈالے اسے چھوڑ کر وہ بات اختیار کرو جس میں تمہیں کوئی کھٹکا نہ ہو (ترمذی، نسائی)

## حرام میں مبتلا ہو جانیکے خوف سے بعض حلال کو بھی ترک کر دینا

(۵۱۷) عبداللہ بن یزید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کوئی بندہ متقین کے بلند مقام کو نہیں پہنچ سکتا جب تک کہ وہ ناجائز میں مبتلا ہونے کے

(۵۱۷) ابو الدرداءؓ فرماتے ہیں کہ پورا تقوی یہ ہے کہ بندہ بعض حلال چیزوں کو بھی ترک کر دے اس خوف سے کہ کہیں وہ حرام نہ ہو تاکہ حرام اور حلال کے درمیان ایک پردہ باقی رہ جائے۔

ابن عمرؓ فرماتے ہیں میں پسند کرتا ہوں کہ اپنے اور حرام کے درمیان ایک حجاب قائم رکھوں اور اسے چاک نہ کروں۔

میمون بن مہران فرماتے ہیں کہ آدمی صرف حلال پر اس وقت تک رک نہیں سکتا جب تک کہ حلال کے ایک حصہ کو اپنے اور حرام کے درمیان حائل نہ بنائے رہے۔ سفیان بن عیینہ کا مقولہ بھی اسی کے قریب ہے۔

حافظ ابن رجب حنبلی نے یہاں ایک نہایت اہم دقیقہ کی طرف توجہ دلائی ہے ہم ان کی اصل عبارت مع ترجمہ کے ذیل میں درج کرتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| وھاھنا امر ینبغی التفطن لہ وھو ان التدقیق فی التوقف عن الشبھات | یہاں ایک بات سمجھ لینی ضروری ہے اور وہ یہ کہ شبہات کے بارے میں زیادہ باریکیاں نکالنی اسی شخص کیلئے مناسب ہے |

أَنْ يَكُوْنَ مِنَ الْمُتَّقِيْنَ حَتّٰى يَدَعَ مَا لَا بَأْسَ بِهٖ حَذَرًا لِّمَا بِهٖ بَأْسٌ (رواه الترمذی و ابن ماجه)

## المسرة بالحسنات والمساءة على السيئات

(٥١٨) عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُئِلَ مَا الْإِيْمَانُ فَقَالَ

خطرہ سے بہت سی جائز باتوں کو بھی چھوڑ نہ دے۔ (ترمذی)

## نیکی سے خوش ہونا اور بدی سے غمگین ہونا

(٥١٨) ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا ایمان کی کیا علامت ہے

انما یصلح لمن استقامت احواله کلها
وتشابهت اعماله فی التقوی والورع فاما
من یقع فی انتهاک المحرمات الظاهرة ثم
یرید ان یتورع عن شیء من دقائق الشبهة
فانه لا یحتمل له ذلك بل ینکر علیه کما قال
ابن عمر لمن سأله عن دم البعوض من اهل
العراق یسألوننی عن دم البعوض وقد قتلوا
الحسین۔ وسمعت النبی صلی الله علیه وسلم
یقول هما ریحانتای من الدنیا وسأل رجل
بشر بن الحارث عن رجل له زوجة و
امه تأمره بطلاقها فقال ان کان
بر امه فی کل شیء ولم یبق من برها
الا طلاق زوجته فلیفعل۔

(جامع العلوم ص [illegible])

جس کے اور حالات بھی بلند ہوں اس کے ورع و تقوی کا پایہ
بھی اونچا ہو لیکن جو شخص کھلم کھلا محرمات کا ارتکاب کرے
اس کے بعد باریکیاں نکال نکال کر متقی بننے کا شوق رکھے تو
اس کیلئے یہ صرف ناموزوں ہی نہیں بلکہ قابل مذمت ہوگا۔
ایک مرتبہ حضرت ابن عمرؓ سے ایک عراقی شخص نے پوچھا کہ اگر
حالت احرام میں مچھر مار دے تو اس کی کیا جزا دینی چاہیے۔
آپ نے فرمایا حضرت حسینؓ کو تو شہید کر ڈالا اب مجھ سے مچھر
کے خون کا فتوی پوچھنے چلے ہیں۔ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم
سے اپنے کانوں سے سنا ہے کہ دنیا میں وہ میرے دو پھول ہیں۔
اسی طرح بشر بن الحارث سے مسئلہ پوچھا گیا کہ ایک شخص کی
والدہ یہ کہتی ہے کہ تو اپنی بی بی کو طلاق دیدے اب اسے کیا
کرنا چاہیے فرمایا اگر وہ شخص اپنی والدہ کے تمام حقوق ادا
کر چکا ہے اور اس کی فرمانبرداری میں اس معاملہ کے سوا اور
کوئی بات باقی نہیں رہی تو اسے طلاق دیدینی چاہیے اور اگر
ابھی کچھ اور مراحل بھی باقی ہیں تو طلاق نہ دینی چاہیے۔

(٥١٨) یہ حدیث بھی انسان کے حاسۂ فطرت کی سلامتی پر مبنی ہے جس طرح صحت کی ایک نشانی یہ بھی ہے
کہ زبان کا ذائقہ درست ہو میٹھی چیز میٹھی معلوم ہو اور کڑوی چیز کڑوی۔ اسی طرح حاسۂ فطرت کے صحت کی علامت یہ ہے
کہ قلب کا ذائقہ درست ہو اور اس میں حسنہ اور سیئہ کا صحیح صحیح امتیاز باقی ہو۔ اگر یہ امتیاز باقی نہ رہے تو سمجھ لینا چاہیے کہ
اب کسی مرض نے اس کو گھیر لیا ہے۔ افمن زین له سوء عمله فرآه حسنا۔ کیا وہ شخص جس کے برے عمل اس کے

مَنْ سَرَّتْہُ حَسَنَتُہٗ وَسَاءَتْہُ سَیِّئَتُہٗ فَھُوَ مُؤْمِنٌ (الحاکم فی المستدرک)

(۵۱۹) عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ کَیْفَ لِیْ اَنْ اَعْلَمَ اِذَا اَحْسَنْتُ وَاِذَا اَسَاْتُ قَالَ اِذَا سَمِعْتَ جِیْرَانَکَ یَقُوْلُوْنَ قَدْ اَحْسَنْتَ فَقَدْ اَحْسَنْتَ وَاِذَا سَمِعْتَھُمْ یَقُوْلُوْنَ قَدْ اَسَاْتَ فَقَدْ اَسَاْتَ۔ (اخرجہ احمد وابن ماجۃ والطبرانی فی الکبیر قال العراقی اسنادہ جید واخرجہ ابن ماجۃ ایضا عن کلثوم الخزاعی قال المناوی فی الکبیر رجال ابن ماجۃ رجال الصحیح الا شیخہ محمد بن یحیی فلم یخرج لہ مسلم ورواہ ایضا البزار قال الھیثمی ورجالہ رجال الصحیح)

---

آپؐ نے ارشاد فرمایا جس شخص کو اپنی نیکی بھلی لگے اور برائی بری معلوم ہو پس یہ اس کی علامت ہے کہ وہ مؤمن ہے۔ (مستدرک)

(۵۱۹) ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا میں کیسے سمجھوں کہ میں نے یہ کام اچھا کیا ہے اور یہ برا۔ انھوں نے جواب دیا کہ جب تو اپنے ہمسایوں کی زبان سے یہ سنے کہ تو نے اچھا کام کیا ہے تو (سمجھ لینا کہ) یقیناً تو نے وہ کام اچھا ہی کیا ہے اور جب یہ سنے کہ وہ کہتے ہیں کہ تو نے برا کام کیا ہے تو (مان لینا کہ) یقیناً تو نے وہ کام برا ہی کیا ہے۔ (احمد۔ ابن ماجہ طبرانی)

---

سامنے بھلے بنا دئے گئے ہوں اور اس لئے وہ ان کو بھلا دیکھنے لگا ہو (اس کی برابر ہو سکتا ہے جس کا حاسۂ فطرت تندرست ہو اور وہ برائی اور بھلائی کی حقیقت کا صحیح صحیح ادراک کرتا ہو) اس آیت میں یہی بتا دیا گیا ہے کہ جس کا حاسہ فطرت مریض ہو جاتا ہے خود اس کو اپنے ذائقہ کی غلطی کا احساس نہیں ہوتا وہ غلبہ مرض کی وجہ سے یہی سمجھتا رہتا ہے کہ جو احساس وہ کر رہا ہے درحقیقت وہی امر واقعہ ہے حالانکہ یہ تزئین شیطان کا اثر ہوتا ہے۔ پس اب مابہ الفرق صرف یہ ہے کہ سب سے پیشتر یہ دیکھنا چاہئے کہ سیئہ اور حسنہ کے بیان کی جو اصل قرار یافتہ ہے یعنی شریعت اس نے کس امر کے متعلق کیا حکم لگایا ہے اس کے بعد اگر اپنا ذوق بھی اس کی موافقت کرتا ہے تو یہ اس کے صحت کی علامت سمجھنی چاہئے اور اگر اس کے خلاف ہے تو یہ مرض کی علامت سمجھنی چاہئے ورنہ تو ہر فاسق کو اپنا فسق اچھا ہی لگتا ہے۔

یاد رہے کہ یہ احادیث صرف ایک تمثیل نہیں بلکہ جس طرح عوام الناس کا قلب عداوت و محبت اور فرحت و غم کی کیفیات حقیقۃً محسوس کرتا ہے اسی طرح ایک مومن کا قلب نیکی سے مسرت اور برائی سے انقباض کی کیفیات حقیقۃً محسوس کرتا ہے بلکہ اس سے کہیں زیادہ کیونکہ عالم ملویت میں اگر احساس ہے تو بواسطہ اکی روحانیۃ کے ہے پس جب بالواسطہ کیفیات کا احساس ہے تو جو کیفیات بلا واسطہ اس کی روحانیت پر وارد ہوں ان کا احساس کس درجہ قوی ہونا چاہئے۔

(۵۱۹) اس حدیث میں صرف حسن جوار کی تعلیم دینا مقصود ہے انسانی معاشرت کا یہ ایک بہت اہم باب ہے۔ حق جوار کی ترغیب دینے کے لئے یہ صرف ایک پیرایہ بیان ہے جو اس زمانہ کے حالات کے لحاظ سے عین واقعہ کے مطابق تھا۔ تغیر حالات اور انحطاط دین کے دور میں اگرچہ احسان اور اساءت کا مدار صرف ہمسایہ کی شہادت پر قائم نہیں کیا جا سکتا۔

(باقی حاشیہ برصفحہ آئندہ)

(۵۲۰) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ خَطَبَ النَّاسَ بِالْجَابِيَةِ فَقَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَقَامِیْ فِیْکُمْ فَقَالَ اِسْتَوْصُوْا بِاَصْحَابِیْ خَیْرًا ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ الَّذِیْنَ یَلُوْنَھُمْ ثُمَّ یَفْشُوا الْکِذْبُ حَتّٰی اِنَّ الرَّجُلَ یَبْدَأُ بِالشَّھَادَۃِ قَبْلَ اَنْ یُّسْأَلَھَا وَبِالْیَمِیْنِ قَبْلَ اَنْ یُّسْأَلَھَا فَمَنْ اَرَادَ مِنْکُمْ بُحْبُوْحَۃَ الْجَنَّۃِ فَلْیَلْزَمِ الْجَمَاعَۃَ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ مَعَ الْوَاحِدِ وَھُوَ مِنَ الْاِثْنَیْنِ اَبْعَدُ وَلَا یَخْلُوَنَّ اَحَدُکُمْ بِامْرَأَۃٍ فَاِنَّ الشَّیْطَانَ ثَالِثُھُمَا وَمَنْ سَرَّتْہُ حَسَنَتُہٗ وَسَاءَتْہُ سَیِّئَتُہٗ فَھُوَ مُؤْمِنٌ۔ (اخرجہ الطحاوی فی مشکل الآثار وعند النسائی نحوہ)

(۵۲۰) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ حضرت عمرؓ نے مقام جابیہ میں ایک تقریر کے دوران میں فرمایا کہ جس طرح اس وقت میں تمہارے سامنے تقریر کے لئے کھڑا ہوا ہوں، اسی طرح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بھی ہمارے سامنے تقریر کرنے کے لئے کھڑے ہوئے اور آپ نے فرمایا میرے صحابہ کے ساتھ ہمیشہ اچھا سلوک کرنا اور ان لوگوں کے ساتھ جو ان کے متصل آئیں گے یعنی طبقہ تابعین پھر جو لوگ ان کے متصل آئیں گے یعنی طبقہ تبع تابعین اس کے بعد ایسا زمانہ آئے گا کہ کھلم کھلا جھوٹ رائج ہو جائیگا اور نوبت یہاں تک آجائے گی کہ طلب کرنے سے پہلے آدمی شہادت دینے کے لئے تیار ہوگا اور قسم کی درخواست سے پہلے قسم کھانے کے لئے آمادہ ہوگا۔ پس تم میں جو شخص بھی جنت کا درمیانی اور بہتر سے بہتر طبقہ حاصل کرنا چاہے اُسے امیر کی جماعت کے ساتھ لگا رہنا چاہئے کیونکہ شیطان ہمیشہ اکیلے ہی شخص کا ساتھی ہوتا ہے اور جہاں دو ہوئے وہ ان سے دور ہوا۔ تم میں کسی شخص کو کسی غیر محرم عورت کے ساتھ تنہا نہ ملنا چاہئے کیونکہ شیطان (آکر) ان میں تیسرا بن جاتا ہے (اور دلوں میں برائی کے وسوسے ڈالتا ہے) اور جس شخص کو اپنی بھلائی بھلی لگے اور برائی بری لگے وہ شخص بلاشبہ پکا مومن ہے۔ (مشکل الآثار)

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) مگر حسنِ جوار کی تعلیم جو اس حدیث کی اصل روح ہے وہ اب بھی اپنی جگہ بدستور موجود ہے۔ حدیثوں کا طرزِ خطاب اپنے ماحول کے لحاظ سے ہوتا ہے اور اس کی اصل تعلیم عام ہوتی ہے۔ لوگ اس طرزِ خطاب کو بھی آخر دورِ فساد میں سمجھنے کی کوشش کرتے ہیں اور جب نہیں سمجھ سکتے تو پھر مفت کی تاویل کرتے ہیں اور بالآخر حدیث کی اصل روح سے بھی دستبردار ہو بیٹھتے ہیں۔

(۵۲۱) عَنْ اَبِیْ رَزِیْنِ الْعُقَیْلِیِّ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَیْفَ لِیْ بِاَنْ اَعْلَمَ اَنِّیْ مُؤْمِنٌ قَالَ مَا مِنْ اُمَّتِیْ عَبْدٌ یَعْمَلُ حَسَنَۃً فَیَعْلَمُ اَنَّھَا حَسَنَۃٌ وَاَنَّ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ جَازِیْہِ فِیْھَا خَیْرًا وَلَا یَعْمَلُ سَیِّئَۃً فَیَعْلَمُ اَنَّھَا سَیِّئَۃٌ وَیَسْتَغْفِرُ اللّٰہَ عَزَّ وَجَلَّ مِنْھَا وَیَعْلَمُ اَنَّہٗ لَا یَغْفِرُ الذُّنُوْبَ اِلَّا اللّٰہُ اِلَّا وَھُوَ مُؤْمِنٌ۔ (اخرجہ احمد والطبرانی فی الاوسط)

(۵۲۲) عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اَللّٰھُمَّ اجْعَلْنِیْ مِنَ الَّذِیْنَ اِذَا اَحْسَنُوْا اسْتَبْشَرُوْا وَاِذَا اَسَاءُوْا اسْتَغْفَرُوْا۔ (رواہ ابن ماجہ و البیہقی فی الدعوات الکبیر)

---

(۵۲۱) ابورزین عقیلی کہتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ میں یہ کیسے سمجھوں کہ اب میں مؤمن ہوگیا، آپ نے فرمایا میری امت میں کوئی بندہ ایسا نہیں ہے کہ جب وہ کوئی نیک کام کرے اور یہ محسوس کرے کہ یہ کام نیک ہے اور یہ یقین رکھے کہ اللہ تعالیٰ ضرور اس کا بدلہ دے گا اور جب برائی کرے تو یہ محسوس کرے کہ یہ کام برا ہے اور اللہ تعالیٰ سے معافی مانگے اور اس کا یقین رکھے کہ گناہوں کی معاف کرنے والی صرف اسی کی ایک ذات ہے تو وہ شخص ضرور پکا مومن ہے۔ (احمد۔ طبرانی)

(۵۲۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا فرمایا کرتے تھے اے اللہ مجھے ان لوگوں میں شمار کرلے جو نیک کام کریں تو خوش ہوں اور جب برا کام کریں تو استغفار کریں۔ (ابن ماجہ۔ دعوات کبیر)

---

(۵۲۱) اس حدیث میں احساس حسنہ اور احساس سیئہ کے ساتھ ایمان والقان کے چند گوشے اور بھی مذکور ہیں جن حدیثوں میں ان کا ذکر نہیں ہے ان میں بھی آپ ان کو ملحوظ رکھئے تو آپ کو یہ سمجھنا آسان ہو جائے گا کہ ان صفات کے بعد ایمان کا حکم لگادینا کتنا مناسب ہے۔

(۵۲۲) دراصل انبیاء علیہم السلام کی دعائیں ان کی صفت عبدیت کا تقاضہ ہوتی ہیں اور ان کی امت کے لئے ان میں بڑا سبق ہوتا ہے ان کا یہ مطلب نہیں ہوتا کہ یہ صفت ان میں موجود نہیں ہوتی اور دعائیں کرکے وہ اس صفت کو حاصل کرنا چاہتے ہیں البتہ وہ اس کی دلیل ہوتی ہیں کہ بارگاہ ایزدی میں وہ صفت اتنی محبوب ہے کہ انبیاء علیہم السلام بھی اس کے لئے دست بدعا ہوتے ہیں یہاں حسنہ سے استبشار اور سیئہ سے استغفار بھی اسی قسم کی ایک صفت ہے۔

# شرح الصدر

(۵۲۳) عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ تَلَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَمَنْ یُّرِدِ اللّٰہُ اَنْ یَّھْدِیَہٗ یَشْرَحْ صَدْرَہٗ لِلْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ النُّوْرَ اِذَا دَخَلَ الصَّدْرَ انْفَسَحَ فَقِیْلَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ ھَلْ لِتِلْکَ مِنْ عَلَمٍ یُعْرَفُ بِہٖ قَالَ نَعَمْ اَلتَّجَافِیْ مِنْ دَارِ الْغُرُوْرِ وَالْاِنَابَۃُ اِلٰی دَارِ الْخُلُوْدِ وَالْاِسْتِعْدَادُ لِلْمَوْتِ قَبْلَ نُزُوْلِہٖ۔ (شعب الایمان)

(۵۲۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ وَاَبِیْ خَلَّادٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا

## احکام اسلامیہ کے لئے قلب میں کشادگی پیدا ہو جانا

(۵۲۳) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے یہ آیت تلاوت فرمائی من یرد اللہ الخ یعنی جس کے متعلق اللہ تعالیٰ خیر کا ارادہ کرتا ہے اس کا سینہ اسلام کے لئے کھول دیتا ہے پھر اس کی یہ تفسیر فرمائی کہ نور ایمانی جب مسلمان کے سینہ میں داخل ہو جاتا ہے تو وہ پھیلنا شروع ہوتا ہے۔ آپ سے پوچھا گیا یا رسول اللہ اس کی کوئی علامت بھی ہے جس سے یہ بات معلوم ہو سکے۔ فرمایا ہے۔ دنیا سے (جو دھوکے کی ٹٹی ہے) بیزاری۔ آخرت کی طرف (جو دائمی اور ہمیشہ ہمیشہ رہنے کی جگہ ہے) توجہ۔ اور موت کے لئے اس کی آمد سے قبل تیاری۔ (شعب الایمان)

(۵۲۴) ابوہریرۃؓ اور ابو خلاد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دیکھو کہ

(۵۲۳) دنیا اور آخرت دو متضاد مقصد ہیں حدیث میں ان دکو دو سوکنوں سے تشبیہ دی گئی ہے "ان رضیت احدٰھما سخطت الاخریٰ" کہ اگر ان میں ایک خوش ہو تو دوسری اس سے ناراض ہو جاتی ہے۔ اس لئے ایک کی طرف میلان کے لئے دوسری سے کشیدگی اختیار کرنی پڑتی ہے۔ اس لئے دار غرور سے بیزاری اور انابۃ الی اللہ درحقیقت ایک ہی حقیقت کے دو عنوان ہیں اور اس کے لئے موت کی تیاری کرنا لازم ہے۔ یہ تینوں عنوانات عقائد اور علوم نہیں کیفیات قلبی ہیں جیسا نور ایمانی کہ وہ بھی کیفیت کا نام ہے علوم کے میدان جب طے ہو جاتے ہیں تو کیفیات کے میدان شروع ہو جاتے ہیں۔ ارباب حقائق کی نظروں میں یہ انسانی ترقیات کی علامات ہیں اور یہیں سے صبغۃ اللہ ومن احسن من اللہ صبغۃ کی صحیح تفسیر کا انکشاف ہونا شروع ہو جاتا ہے ؎

دایم ترا ز گنج مقصود نشاں | گر ما نرسیدیم تو شاید برسی

(۵۲۴) علماء نے حکمت کی تفسیر میں مختلف اقوال لکھ لکھ کر ڈھیر لگا دیا ہے۔ آپ اس حدیث کے ساتھ آیۃ قرآنی ولقد اٰتینا لقمان الحکمۃ کو پڑھئے تو آپ کو معلوم ہوگا کہ حکمت وہ سچی سچی اور پکی پکی باتیں ہیں جو روحی کے طفیل میں

رَأَيْتُمُ الْعَبْدَ يُعْطَى زُهْدًا فِي الدُّنْيَا وَقِلَّةَ مَنْطِقٍ فَاقْتَرِبُوا مِنْهُ فَإِنَّهُ يُلَقَّى الْحِكْمَةَ۔ (شعب الایمان)

# تعاهد المسجد

(۵۲۵) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِذَا رَأَيْتُمُ الرَّجُلَ يَتَعَاهَدُ الْمَسْجِدَ فَاشْهَدُوا لَهُ بِالْإِيمَانِ فَإِنَّ اللهَ تَعَالَى يَقُولُ ۚ إِنَّمَا يَعْمُرُ مَسَاجِدَ اللهِ مَنْ آمَنَ بِاللهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَأَقَامَ الصَّلٰوةَ وَآتَى الزَّكٰوةَ ۚ (الآیۃ رواہ الترمذی بسند حسن)

---

کسی بندہ کے دل میں دنیا سے بے رغبتی اور اس میں کم سخنی کی صفت پیدا کردی گئی ہے تو (اس کی مجالست اختیار کرو اور) اس کے قریب آکر بیٹھو کیونکہ (وقت آگیا ہے) کہ اب اس کو علم لدنی اور سماوی طور پر حکمت سکھادی جائے (شعب الایمان)

## نمازوں کیلئے مسجد کی پابندی

(۵۲۵) ابو سعید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ جب تم کسی شخص کو دیکھو کہ وہ ہمہ وقت نماز کے لئے مسجد کا خیال رکھنے لگا ہے تو اس کے متعلق اب ایمان کی گواہی دے سکتے ہو (باوجودیکہ ایمان ایک قلبی چیز ہے) کیونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے کہ حقیقت میں خدا کی مسجدوں کو وہی لوگ آباد کر سکتے ہیں جو اللہ تعالیٰ اور قیامت پر ایمان رکھتے ہیں نماز پڑھتے اور زکوٰۃ ادا کرتے ہیں۔ (ترمذی شریف)

---

اللہ تعالیٰ اپنے علوم صالحین کے قلوب میں اپنی جانب سے القا فرماتا ہے پھر وہ جو کچھ کہتے ہیں وہ سب حکمت ہی حکمت ہوتا ہے جس طرح ان کا باطن آثار و برکات ایمانی سے منور ہوتا ہے اسی طرح ان کی زبان کلمات حکمت سے مزین ہو جاتی ہے اور اب اس کے برکات صنت لازمہ نہیں رہتے بلکہ متعدی ہونے لگتے ہیں جو ان کے پاس آبیٹھا ان کو برکات ایمانی اسی طرح لگ جاتی ہیں جیسا ڈاکٹروں کی نظروں میں متعدی امراض۔

(۵۲۵) جو آیت آپ نے تلاوت فرمائی اس کا پہلا حصہ یہ ہے "ما کان للمشرکین ان یعمروا مساجد اللہ" الخ مشرکوں کا کوئی حق نہیں ہے کہ وہ اپنے جیسے کافروں سے اللہ تعالیٰ کی مسجدیں آباد رکھیں الخ یہ حق صرف ان لوگوں کا ہے جو اللہ تعالیٰ پر اور قیامت کے دن پر ایمان لانے والے ہیں۔ واضح رہے کہ ایمان کو نماز کے ساتھ بڑا علاقہ ہے اور نماز کو مسجد کے ساتھ بڑی خصوصیت ہے اس لئے مسجد سے تعلق نماز سے تعلق کی علامت ہے اور نماز سے تعلق ایمان سے تعلق کی نشانی ہے۔ جیسا حج کہ اس کا تعلق بیت اللہ سے ہے اور بیت اللہ کی نسبت اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کی طرف ہے پس جو شخص قدرت و استطاعت کے باوجود حج نہیں کرتا یہ اس کی بیت اللہ کے ساتھ بے تعلقی کی کھلی نشانی ہے اور جو شخص بیت اللہ سے اپنی بے تعلقی کے اظہار میں نہیں شرماتا یہ اللہ تعالیٰ کی ذات پاک کے ساتھ اس کی بے تعلقی کی علامت ہے اسی ربط کی وجہ سے قرآن کریم میں نماز کو ایمان اور حج نہ کرنے کو کفر سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔ اللہ تعالیٰ ایسا نہیں کہ تمہارے ایمان ضائع کردے ۲۳

۲۳ (یعنی وہ نمازیں جو بیت المقدس کی طرف پڑھیں) وللہ علی الناس حج البیت من استطاع الیہ سبیلا ومن کفر فان اللہ غنی عن العالمین۔ لوگوں کے ذمہ خدا کے لئے بیت اللہ کا حج کرنا فرض ہے اب اگر کوئی کفر کرے (یعنی حج نہ کرے) تو یاد رکھے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات تمام جہاں سے بے نیاز ہے۔

(۵۲۶) عَنْ سَلْمَانَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ غَدَا اِلَى الصَّلٰوةِ الصُّبْحِ غَدَا بِرَايَةِ الْاِيْمَانِ وَمَنْ غَدَا اِلَى السُّوْقِ غَدَا بِرَايَةِ اِبْلِيْسَ۔ (رواہ ابن ماجہ)

## المحافظۃ علی الطہارۃ

(۵۲۷) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِسْتَقِيْمُوْا وَلَنْ تُحْصُوْا وَاعْلَمُوْا اَنَّ خَيْرَ اَعْمَالِكُمُ الصَّلٰوةُ وَلَا يُحَافِظُ عَلَى الْوُضُوْءِ اِلَّا مُؤْمِنٌ (رواہ مالک واحمد وابن ماجہ والدارمی)۔

(۵۲۶) سلمانؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ خود سنا ہے آپ فرماتے تھے جو شخص صبح صبح فجر کی نماز کو گیا وہ (گویا) ایمان کا جھنڈا لے کر گیا اور جو (نماز کی بجائے) بازار گیا، وہ (گویا) ابلیس کا جھنڈا لیکر گیا۔ (ابن ماجہ)

## طہارت کی نگہداشت

(۵۲۷) ثوبان روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صحیح راستہ پر جمے رہو مگر اس کا حق ادا نہیں کر سکتے۔ اور خوب سمجھ لو کہ تمہارے دین میں سب سے افضل عمل نماز ہے اور وضو کی نگرانی بجز مومن کامل کے اور کوئی شخص نہیں کر سکتا۔ (مالک۔ احمد۔ ابن ماجہ۔ دارمی)

(۵۲۶) عرب میں جھنڈا حکومت کا آدمی ہونے کی خاص علامت سمجھی جاتی تھی اب جس شخص نے صبح ہوتے ہی خدا کی فرض نماز ادا کر لی تو اس کے ہاتھ میں ایمان کی سب سے بڑی علامت آگئی اور اس نے اس کا بین ثبوت پیش کر دیا کہ وہ ایمان کی حکومت میں رہنے والا شخص ہے اس کے برخلاف جس نے نماز نہ ادا کی اس نے اس کا ثبوت دیدیا کہ وہ شیطان کے لشکر کا آدمی ہے ہر صبح جب آفتاب نکلتا ہے تو خدا کی مخلوق میں یہ عبرتناک تفریق دیکھتا ہوا نکلتا ہے ؎

نقاب چہرہ سے خورشید جب اٹھاتا ہے — کوئی حرم کو کوئی بتکدہ کو جاتا ہے
جو دل سے پوچھتا ہوں تو کدھر کو جاتا ہے — تو بھر کے آنکھوں میں آنسو یہ کہہ سناتا ہے
علی الصباح چو مردم بکار و بار روند — بلاکشان محبت بکوئے یار روند

(۵۲۷) نماز مسلمان کے اسلام کی سب سے بڑی علامت ہے اور منافق کے نفاق کی سب سے سچی پہچان۔ اسی لئے نفاق کا سب سے کھلا ہوا معیار نماز ہی کو قرار دیا گیا ہے جیسا کہ نفاق کے باب میں آئندہ آئیگا اسی مناسبت سے یہاں مومن کی ایک علامت اس کا وضو بھی قرار دی گئی ہے۔ ظاہر ہے کہ جتنا جو شخص نماز میں پختہ ہوگا اتنا ہی وہ وضو کی نگہداشت میں چست ہوگا استقامت کا حکم تمام شریعت پر حاوی ہے ان میں جب نماز سب سے بہتر عمل ٹھہرا تو اس کے ارکان و آداب کی رعایت میں استقامت بھی سب سے اہم ہوگی۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

# الفرار من الفتن

(۵۲۸) عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُوْشِكُ أَنْ يَكُوْنَ خَيْرَ مَالِ الْمُسْلِمِ غَنَمٌ يَتْبَعُ بِهَا شَعَفَ الْجِبَالِ وَمَوَاقِعَ الْقَطْرِ يَفِرُّ بِدِيْنِهٖ مِنَ الْفِتَنِ۔ (متفق علیہ)

(۵۲۹) عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْأَسْوَدِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ إِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ إِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ إِنَّ السَّعِيْدَ لَمَنْ جُنِّبَ الْفِتَنَ وَلَمَنِ ابْتُلِيَ فَصَبَرَ فَوَاهًا۔ (رواہ ابوداؤد)

## دین کی حفاظت کی خاطر فتنوں سے بچتے پھرنا

(۵۲۸) ابو سعید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ زمانہ قریب ہے جبکہ مسلمان کے لئے سب سے بہتر مال چند بکریاں ہوں گی جنھیں لے کر وہ اپنے دین کو فتنوں سے بچانے کے لئے پہاڑوں کی چوٹیوں اور جنگلوں میں بھاگ جائے گا۔ (متفق علیہ)

(۵۲۹) مقداد بن اسود روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو فتنوں سے محفوظ رہا وہ بڑا خوش نصیب ہے (تین بار فرمایا) اور جو شخص ان میں پھنس گیا پھر اس نے ان پر صبر کیا اس کے تو کیا ہی کہنے۔ (ابوداؤد)

(بقیہ حاشیہ از صفحۂ گذشتہ) اور نماز کی استقامت میں جتنی حضور کی محافظت معین ہو سکتی ہے ظاہر ہے اس لئے یہ کام تو کسی کامل ہی مومن کا ہو سکتا ہے یاد رہے کہ وضو کی نگہداشت کا حکم صرف نماز کے وقت پر منحصر نہیں بلکہ عام حالات میں بھی با وضو رہنا مطلوب اور ایمان کی علامت ہے۔ رہا خاص نماز کے وقت کا وضو، وہ تو نماز کی شرط ہی ہے آپ کسی غلط فہمی کی بنا پر اس عام حکم کو کہیں صرف نمازوں کے اوقات میں منحصر نہ سمجھ لیں۔

(۵۲۹) فتنوں کی ذات میں خود بڑی کشش ہوتی ہے۔ بے دین ناسمجھی سے یا ان کو دین سمجھ کر ان کی طرف کھنچے چلے جاتے ہیں اور جو دیندار ہیں وہ ان میں شرکت کے لئے مجبور ہو جاتے ہیں ان کی مثال ان متعدی امراض کی سی ہوتی ہے جو فضاء عالم میں دفعۃً پھیل جائیں ایسی فضاء میں جا جا کر گھسنا صحت کی قوت کی علامت نہیں بلکہ اس سے لاپرواہی کی بات ہے۔ عافیت اسی میں ہوتی ہے کہ اس فضاء ہی سے نکل بھاگے۔ اس حقیقت پر امام بخاریؒ نے ایک مستقل باب قائم کر کے متنبہ کیا ہے اس کے بعد اگر گذشتہ فتنوں کی تاریخ پر نظر ڈالو گے تو تم کو سلف صالح کا یہی طرز عمل نظر آئے گا، جب کبھی ان کے دور میں فتنوں نے سر نکالا اگر وہ ان کو کچل نہیں سکے تو ان میں کودنے کی بجائے ہمیشہ ان سے کنارہ کش ہو گئے۔ اگر امت اسی ایک حدیث کو سمجھ لیتی تو کبھی فتنے زور نہ پکڑتے اور اگر بے دین اس میں مبتلا ہو بھی جاتے تو کم از کم دینداروں کا دین تو ان کی مضرتوں سے محفوظ رہ جاتا۔ (باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

# صفات المومن

## الحزم والاحتیاط

(۵۳۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَایُلْدَغُ الْمُؤْمِنُ مِنْ جُحْرٍ وَاحِدٍ مَرَّتَیْنِ۔ اخرجه احمد والشیخان وابوداؤد وابن ماجة)

# مومن کی صفات

## احتیاط اور ہوشیاری

(۵۳۰) ابوہریرۂ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار آدمی ایک سوراخ سے دو بار ڈسا نہیں جاتا۔ (احمد۔ بخاری ومسلم وغیرہما۔)

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) مگر جب اس حدیث کی رعایت نہ رہی تو بے دینوں نے فتنوں کو ہوا دی اور دینداروں نے اصلاح کی خاطر ان میں شرکت کی پھر ان کی اصلاح کرنے کی بجائے خود اپنا دین بھی کھو بیٹھے۔ واللہ المستعان۔ امت میں سب سے بڑا فتنہ دجال کا ہے اس کے بارے میں یہ خاص طور پر تاکید کی گئی ہے کہ کوئی شخص اس کو دیکھنے کے لئے نہ جائے کہ اس کے چہرہ کی نحوست بھی مومن کے ایمان پر اثر انداز ہوگی۔

یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جہاد باللسان اور بالسنان دونوں اس امت کے فرائض میں سے ہیں مگر یہاں وہ زمانہ مراد ہے جبکہ خود مسلمانوں میں انتشار پیدا ہوجائے، حق و باطل کی تمیز باقی نہ رہے اور اصلاح کا قدم اٹھانا الٹا فساد کا باعث بن جائے چنانچہ جب حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے صحابہ کے اندرونی مشاجرات میں جنگ کی شرکت کے لئے کہا گیا اور ان کے سامنے آیت پڑھی گئی کہ قاتلوھم حتی لاتکون فتنة۔ کافروں سے اس وقت تک جنگ کرتے رہو جب تک کہ فتنہ نہ رہے۔ تو انھوں نے فرمایا فتنوں کے فرو کرنے کے لئے جو جنگ تھی وہ تو ہم کر چکے اب تم اس جنگ کا آغاز کر رہے ہو جس سے اور فتنے پیدا ہوں گے۔ اپنی مادی اور روحانی طاقت کا اندازہ کئے بغیر فتنوں سے زور آزمائی کرنا صرف ایک جذبہ ہے اور فتنوں کو کچلنے کے لئے پہلے سامان مہیا کرلینا عقل اور شریعت کا حکم ہے۔ جذبات جب انجام بینی سے یکسر خالی ہوں تو دائمی ناکامی کا پیش خیمہ ہوتے ہیں۔ اسی طرح جب عقل جذبات سے کوری ہوجاتی ہے تو وہ بھی صرف دماغی فلسفہ میں مبتلا ہو کر رہ جاتی ہے کامیابی کا راز جوش کے ساتھ ہوش میں پنہاں ہے۔

(۵۳۰) امام احمد نقل فرماتے ہیں کہ ابوعزہ جمحی شاعر جب جنگِ بدر میں قید ہو کر آیا تو آپ کے سامنے اپنی تنگدستی اور اپنے بچوں کا رونا رونے لگا آپ نے ترس کھا کر فدیہ لئے بغیر اس کو رہا فرما دیا لیکن جب یہ کم ظرف وہاں چلا گیا تو پھر آپ کی ہجو کہنے لگا۔ تقدیر الٰہی کہ جنگ احد میں پھر یہ قید ہو کر آگیا اور آپ کے سامنے پھر رحم کی درخواست پیش کرنے لگا۔ اس مرتبہ آپ نے اس کی کوئی پرواہ نہ کی اور فرمایا کہ تو واپس جا کر یہ کہے گا کہ میں نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کا مذاق بنا رکھا ہے۔ (باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

# الغرارة والکرم

(۵۳۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلْمُؤْمِنُ غِرٌّ کَرِیْمٌ

# سادگی و شرافت

(۵۳۱) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے ایماندار آدمی بھولا سیدھا

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) مومن کی شان سے یہ بعید ہے کہ جب وہ ایک بار کسی سوراخ سے ڈس لیا جائے تو تجربہ کے لئے اس میں دوبارہ انگلی ڈالے اور پھر دھوکا کھائے اور اس کے قتل کا حکم دیدیا۔ ابن ہشام نے تہذیب سیرت میں لکھا ہے کہ یہ فقرہ سب سے پہلے آپ ہی کی زبان سے نکلا تھا اس سے قبل عرب میں کسی سے نہیں سنا گیا اس کے بعد پھر اس قسم کے مواقع میں ضرب المثل بن گیا ہے۔ امام طحاوی نے ابن وہب سے اس کی یہی شرح نقل کی ہے وسئل ابن وهب عن تفسیرہ فقال الرجل یقع فی الشئ یکرهه فلا یعود فیه المعتصر ص۲۰۵۔

(۵۳۱) ملا علی قاری فرماتے ہیں ومعنی غر کریم ای لیس بذی مکر وهو ینخدع لانقیادہ ولینه موضوعات ص۲۹ مومن مکار نہیں ہوتا ہاں اپنی طبیعت کی نرمی کی وجہ سے دیدہ دانستہ دھوکا کھا لیتا ہے۔

بخاری ومسلم میں حضرت ابوہریرہؓ سے جنت وجہنم کے ایک طویل مکالمہ کے ذیل میں نقل کیا ہے کہ جنت کہے گی فمالی لایدخلنی الا ضعفاء الناس وسقطهم وغرتهم۔ مجھ میں کیا کمی ہے کہ میرے اندر صرف وہی لوگ آئیں گے جو سب سے کمزور گرے پڑے اور بھولے بھالے ہوں گے۔ اس حدیث میں غرارۃ مومن کی اسی صفت کی طرف اشارہ ہے۔

صاحب مجمع البحار اس کی تفسیر میں لکھتے ہیں ای من طبعه الغرارة وقلة الفطنة للشر وترك البحث عنه ولیس ذا منه جهل بل کرم وحسن خلق۔ یعنی مومن طبعاً اس کو ناپسند کرتا ہے کہ لوگوں کی عیب جوئی میں لگا رہے۔ یہ نہیں کہ وہ بیوقوف اور جاہل ہوتا ہے اس کا بھولاپن اور سادگی اس کی طبیعت کی شرافت کا تقاضہ ہوتی ہے وہ اس کو ناپسند کرتا ہے کہ لوگوں کے عیوب نکال نکال کران کے منہ پر مارتا رہے اسی کے قریب ایک اور حدیث ہے جو ان الفاظ مروی ہے "اکثر اهل الجنة البله" اکثر اہل جنت بھولے اور سادہ لوگ ہیں حافظ سخاوی نے المقاصد الحسنہ میں اس کے جملہ طرق نقل کر کے سب کو ضعیف قرار دیا ہے۔ ملا علی قاری لکھتے ہیں وهو للبزار مضعفا والقرطبی مصححا (المصنوع)

حسب الانصاف اگرچہ حدیث مذکور بالفاظہ ضعیف سہی لیکن بڑے بڑے علماء و محدثین کا اس کی شرح کے درپے رہنا اس کی دلیل ہے کہ محض بے اصل بھی نہیں۔

حافظ سخاوی تستری سے نقل کرتے ہیں۔ هم الذین ولهت قلوبهم وشغلت بالله عز وجل۔ یہ وہ لوگ ہیں جن کے قلوب ذکر اللہ میں فنا ہو کر اسواء سے غافل ہو چکے ہیں۔

۱۔ ابو عثمان فرماتے ہیں هو الابله فی دنیاہ الفقیه فی دینه۔ یہ وہ شخص ہے جو دنیا کے معاملہ میں ناسمجھ اور آخرت کے معاملہ میں سمجھدار ہے۔

۲۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں۔ هو الاعمی عن الشر البصیر بالخیر (البیہقی فی الشعب) یہ وہ شخص ہے جو بری

وَالْمُنَافِقُ خَبٌّ لَئِيْمٌ۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک واحمد وابوداؤد والترمذی قال المناوی اسنادہ جید۔ وفی الموضوعات الکبیر للقاری قال الصغانی موضوع من احادیث المصابیح ولم یصب فقد رواہ احمد عن ابی ہریرۃ بہ مرفوعا ولفظہ الفاجر بدل المنافق۔

اور شریف الطبع ہوتا ہے اور منافق دھوکے باز اور ذلیل الطبع ہوتا ہے۔ (مستدرک)

باتوں کے لئے نابینا اور عملی باتوں کے لئے بینا ہے (المقاصد الحسنہ)

۳۔ امام ابن قتیبہ لکھتے ہیں۔ وجاء فی الحدیث " اکثر اھل الجنۃ البلہ " یراد الذی سلمت صدورھم للناس وغلبت علیھم الغفلۃ ...... وقال معاذ بن جبل عن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان اللہ یحب الاخفیاء الاتقیاء الابریاء الذین اذا غابوا لم یفتقدوا واذا حضروا لم یعرفوا۔ (تاویل مختلف الحدیث ص۳۸۹) یعنی البلہ سے یہاں وہ لوگ مراد ہیں جن کے سینے لوگوں کی طرف سے صاف ہوں اور مخلوق کی عیب جوئی کی عادت سے وہ اتنے دور ہوں گویا غافل نظر آئیں ..... ان ہی لوگوں کی شان میں معاذ بن جبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ ایسے بندوں کو پسند کرتا ہے جو گمنام، پرہیزگار اور لوگوں کے حقوق سے بری ہوں اگر مجلس میں نظر نہ آئیں تو ان کی تلاش نہ ہو اور اگر موجود ہوں تو انہیں کوئی شناخت نہ کرے کہ یہ کون صاحب ہیں۔

اسی مضمون کو صاحب مجمع البحار نے اور واضح الفاظ میں ادا کیا ہے۔

۴۔ امام طحاوی نقل فرماتے ہیں۔ وقیل المراد بالبلہ عن محارم اللہ ھو الذی لا یخطر المحارم علی قلبہ لاشتغالہ بعبادۃ اللہ وقد روی عن رجل من اھل العلم انہ قال ھذا علی التشاغل باللذات وھو تأویل حسن (المعتصر ص۲۳) یہ وہ شخص ہے جس کے قلب میں عبادت الٰہی میں مشغول رہنے کی وجہ سے خدا تعالیٰ کے محارم کا خطرہ بھی نہیں گذرتا

۵۔ صاحب مجمع البحار فرماتے ہیں۔ ھو الغافل عن الشر المطبوع علی الخیر وقیل من غلبت علیھم سلامۃ الصدر وحسن الظن بالناس لانھم اغفلوا امر دنیاھم فجھلوا حذق التصرف فیھا واقبلوا علی اٰخرتھم فاما الابلہ وھو من لاعقل لہ فغیر مراد (مجمع البحار ج۱ ص۱۱۶) یہاں البلہ سے مراد وہ لوگ ہیں جو صاف سینہ ہوتے ہیں اور لوگوں کی طرف ہمیشہ نیک ہی گمان رکھتے ہیں۔ کیونکہ آخرت کی طرف ہمہ تن متوجہ رہنے کی وجہ سے وہ دنیا کے اینچ پینچ سے ناواقف ہو جاتے ہیں۔ نہ یہ کہ صاحب فہم نہیں ہوتے۔

حضرت ابوہریرۃ سے مرفوعا روایت ہے المؤمن لین تخالہ من اللین احمق۔ (کنوز الحقائق للمناوی) ایماندار آدمی نرم خو ہوتا ہے مگر تم اس کی نرم مزاجی کی وجہ سے اس کو احمق تصور کر لیتے ہو۔

صاحب مقاصد حضرت انسؓ سے مرفوعا نقل فرماتے ہیں۔ المؤمن کیّس، فطن، حذر، وقاف لا یعجل (الدیلمی والقضاعی) ایماندار آدمی ہشیار، سمجھدار، انجام بین اور سوچ سمجھ کر کام کرنے والا ہوتا ہے جلد بازی نہیں کیا کرتا۔

خلاصہ کہ یہ احادیث اگرچہ بلحاظ اسانید ضعیف ہوں مگر حضرت ابوہریرہ کے مذکورہ بالا حدیث کی شرح کرنے کے لئے کافی ہیں۔

# الفراسة

(۵۳۲) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِتَّقُوْا

## دانائی اور مردم شناسی

(۵۳۲) ابوسعید خدری ؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے مومن کی فراست

(۵۳۲) حضرت شاہ ولی اللہ ؒ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ فراست مؤمن میں نبی کی قوت عاقلہ کا ایک فیض ہوتا ہے وہ فرماتے ہیں:۔

اما تشبہ کہ در جزء علمی نفس ناطقہ دہند باین وجہ تواند بود کہ کسے را از امت محدث وملہم کنند واین معنی بدو طریق تواند بود ․․․․․ دوم آنکہ فراست صادقہ او را نصیب کنند وعقل او را از حظیرۃ القدس تائید دہند کہ غالباً اصابہ کند در مجتہدات خود واز لوازم این معنی است کہ وحی بر حسب رائے او نازل شود۔

یعنی امتی کے اپنے نبی کے ساتھ اس کے علمی جزء میں تشبہ کے معنی یہ ہیں کہ اس کی امت میں سے کسی کو محدث وملہم کا منصب عنایت فرمادیں اس کے دو طریقے ہیں ․․․․․ دوسرا طریقہ یہ ہے کہ سچی فراست اس کو مرحمت فرمادیں اور حظیرۃ القدس سے اس کی اس طرح تائید فرمائیں کہ اپنے اجتہادیات میں اس کی رائے اکثر صحیح ہوا کرے اور اسی صفت کے لوازم میں سے یہ ہے کہ وحی اس کی رائے کے موافق نازل ہو۔ (قرۃ العینین ص ۴۴)

شاہ صاحب کی اس تحقیق سے واضح ہوگیا کہ مومن کی فراست کو کیا اہمیت ہے اور یہ کہ وحی کی حضرت عمر ؓ کی موافقت کرنا بھی درحقیقت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا کمال تھا اگر آپ کی قوتِ عاقلہ اتنی بلند نہ ہوتی تو آپ کے ہم جلیسوں میں یہ کمال فراست بھی نمایاں نہ ہوتا۔ حضرت شاہ اسمٰعیل ؒ نے فراست کی حسب ذیل تشریح فرمائی ہے:۔

"اما فراست پس عبارت است از مردم شناسی کہ از قرائن حالیہ ومقالیہ واز رفتار وگفتار صادق را از منافق ممتاز نمیدہ وخیر خواہ وطامع را از بدخواہ وطامع را از مخلص وخائن را از امین وپست ہمت وتنگ حوصلہ را از بلند ہمت وفراخ حوصلہ وعقل وکیاست ہر کس را بمیزان فراست خود بسنجد کہ کدام کس لائق کدام خدمت است وکدام کس لائق کدام منصب۔" (منصب امامت ص ۲۷ و ۲۸) زیر تقسیم سیاست ایمانی وسیاست ملی۔

یعنی فراست ایسی مردم شناسی کو کہتے ہیں جس کی وجہ سے آدمی حالیہ اور مقالیہ قرائن کی مدد سے سچے اور منافق میں تمیز کرلیتا ہے اور بدخواہ لالچی اور مخلص وخائن اور پست ہمت وبلند ہمت کا امتیاز کرلیتا ہے اور اپنی اسی فراست کی وجہ سے ہر شخص کی عقل وفہم کا اندازہ بھی لگا لیتا ہے کہ کون شخص کس خدمت اور کس منصب کے لائق ہے۔

غرض ان تمام حدیثوں سے مومن کی سادگی اور اسی کے ساتھ اس کے فہیم ہونے کی حقیقت واضح ہوگئی لہٰذا کسی صالح مومن کو اس کی سادہ لوحی کی بنا پر بیوقوف سمجھنا خود سب سے بڑی بیوقوفی ہوگی۔ درحقیقت سب سے بڑا فہیم شخص وہی ہے جس نے دنیا کی متاع کاسد کو آخرت کی بے بہا دولت پر قربان کردیا۔ دنیا کی طرف رغبت اور آخرت سے بے رغبتی بھی ایک عام سے عام انسان کی ذہنیت ہوتی ہے اس کو بھلا معیار فہم کیا بنایا جائے۔ البتہ جو لوگ اس سطحی ذہنیت سے

فِرَاسَةَ الْمُؤْمِنِ فَإِنَّهُ يَنْظُرُ بِنُوْرِ اللهِ ثُمَّ قَرَأَ اِنَّ فِيْ ذٰلِكَ لَاٰيٰتٍ لِّلْمُتَوَسِّمِيْنَ (رواه الترمذی فی تفسیر سورۃ الحجر) وقال هذا حديث غريب وقال الحافظ السخاوي روی من طرق كلها ضعيفة وفی بعضها ما هو متماسك لا يليق مع وجوده الحكم على الحديث بالوضع لا سيما وللبزار والطبرانی وغيرهما كابی نعيم فی الطب بسند حسن عن انس رفعه ان الله عبادا يعرفون الناس بالتوسم۔ ونحوه قول النبی صلی الله عليه وسلم لعمران بن حصين وقد اخذ بطرف عمامته من ورائه واعلم ان الله يحب الناظر الناقد عند مجئ الشبهات۔ (المقاصد الحسنہ)

---

اور مردم شناسی سے ڈرتے رہو کیونکہ وہ اللہ تعالیٰ کے نور سے دیکھتا ہے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی ان فی ذالك لآیٰت۔ بہت بڑی نشانی ہے شناخت والوں کے لئے۔ (ترمذی شریف)

---

نکل کر اس سے ایک اور بالاتر ذہنیت پیدا کر چکے ہیں ان کی ذہنیت کو معیار فہم بنایا جا سکتا ہے۔ منافقوں نے اپنی ذہنیت اور اپنے ہی احساسات کو معیار فہم سمجھ کر اپنے آپ کو دانشمند اور مسلمانوں کو سفیہ کا لقب دیدیا تھا۔

وَاِذَا قِيْلَ لَهُمْ اٰمِنُوْا كَمَآ اٰمَنَ النَّاسُ قَالُوْٓا اَنُؤْمِنُ كَمَآ اٰمَنَ السُّفَهَآءُ ۭ اَلَآ اِنَّهُمْ هُمُ السُّفَهَآءُ وَلٰكِنْ لَّا يَعْلَمُوْنَ۔

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ جس طرح اور لوگ ایمان لے آئے ہیں تم بھی ایمان لے آؤ تو کہتے ہیں کہ ہم بھی اسی طرح ایمان لے آئیں جس طرح اور احمق ایمان لے آئے ہیں۔ سن لو یہی لوگ احمق ہیں لیکن جانتے نہیں۔

لیکن قرآن کریم نے واضح کر دیا کہ سب سے بڑے بیوقوف وہی ہیں جنھوں نے دنیا کے ان سب سے بڑھ کر دانشمندوں کو بیوقوف سمجھا۔ منافقین کا فہم تھی کیا یہی کہ وہ اپنی دو رخی پالیسی سے دو طرفہ نفع حاصل کرنے کی طمع میں رہا کرتے اور حق و ناحق کی تلاش سے آنکھیں بند کر لیتے۔ اور مسلمانوں کی فہم یہ تھی کہ وہ تلاش حق کے لیے سرگرداں پھرتے اور جب حق کا دامن ان کے ہاتھ میں آجاتا تو اس کے پیچھے آنکھ بند کر کے اپنی جان کی بازی لگا دیتے۔ منافقوں کی فہم تو یہ تھی کہ وہ خدا و رسول کے احکام کے سامنے بے چون و چرا اعتراف و تسلیم کا سر جھکا دینا سب سے بڑی بے وقوفی سمجھتے اور مسلمانوں کی فہم یہ تھی کہ وہ ان کے احکام کی تعمیل میں ادنیٰ توقف کرنا بھی سب سے بڑا جرم تصور کرتے۔ قرآن کریم نے جہاں پہلی قسم کے ان دانشمندوں کو سفہاء قرار دیا ہے وہاں احکام اسلامیہ کے سامنے ان چون و چرا کرنے والوں کو بھی بیوقوف قرار دیا ہے۔

سَيَقُوْلُ السُّفَهَاۗءُ مِنَ النَّاسِ مَا وَلّٰىهُمْ عَنْ قِبْلَتِهِمُ الَّتِيْ كَانُوْا عَلَيْهَا ۔

جن لوگوں کی عقل ماری گئی ہے وہ تو کہیں گے ہی کہ مسلمان جس قبلہ پر پہلے تھے یعنی بیت المقدس اس سے انکے دوسری طرف کو مڑ جانے کی کیا وجہ ہے۔

خلاصہ یہ کہ ابلہ اور سفیہ کا لقب کچھ ابتدا ہی سے صالح مسلمانوں کے حصہ میں آرہا ہے اور تعجب کیا ہے جبکہ رسولوں کے حصہ میں مجنون و ساحر کا لقب رہا ہو۔ مگر افسوس تو یہ ہے کہ پہلے ہم کو یہ لقب منافقوں کی زبان سے ملا کرتا تھا اور اب خود مسلمانوں ہی کی زبان سے ملتا ہے اور ٹھیک اسی فرزانگی کی بدولت ملتا ہے جس کی بنا پر منافقوں نے تجویز کیا تھا۔ خدارا اگر آپ اس فرزانگی میں ہمارے حصہ دار نہیں بنتے تو کم از کم منافقوں کی دیوانگی میں تو حصہ دار نہ بنئے۔

(۵۴۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ رَجُلًا یَسْرِقُ فَقَالَ لَهٗ عِیْسَی بْنُ مَرْیَمَ سَرَقْتَ قَالَ کَلَّا وَالَّذِیْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا هُوَ فَقَالَ عِیْسٰی اٰمَنْتُ بِاللّٰهِ وَکَذَّبْتُ نَفْسِیْ۔ (رواہ مسلم)

(۵۴۴) ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مرتبہ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے ایک شخص کو چوری کرتے ہوئے اپنی آنکھ سے دیکھا تو اس سے فرمایا ارے تونے چوری کی ہے۔ بولا اس ذات کی قسم جس کے سوا معبود کوئی نہیں میں نے ہرگز چوری نہیں کی۔ (اس کی اس دیدہ دلیری کے بعد) حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا اچھا بھئی میں اللہ پر ایمان لایا اور اپنی آنکھ کی تکذیب کرتا ہوں۔ (مسلم شریف)

(۵۴۴) معلوم نہیں کہ خدا کے اس اولوالعزم رسول کے قلب میں عظمت الٰہی کا عالم کیا ہوگا جس کے سامنے اس کا باعظمت نام آجانے کے بعد کسی انسان کے متعلق یہ تصور ہی نہیں آسکتا کہ وہ اس کا واسطہ دیکر بھی جھوٹ بول سکتا ہے اس لئے وہ متحیر ہو کر اپنی آنکھوں کے بدیہی مشاہدہ کی تکذیب پر آمادہ ہو جاتا ہے۔

ایک حدیث میں آتا ہے کہ جب تمہارا غلام سزا کے وقت اللہ کے نام کا واسطہ دے تو فوراً اپنا ہاتھ روک لو، ہر حال خدا تعالیٰ کے نام پاک کی عظمت اس کو مقتضی ہے کہ جب کہیں اس کا واسطہ آجائے تو فوراً اپنے حق سے دست بردار ہو جانا چاہیے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے بھی اتنی بھاری قسم سن کر اس چور کے ساتھ الجھنے کے بجائے یہ اچھا سمجھا کہ اس کو اپنا یہ نقشۂ عظمت دکھا کر یہ سمجھا دیں کہ اس ذات کا نام لے کر جھوٹ بولنا انسان کا کام نہیں۔ وقتی حالات اور انتظامی معاملات میں فرق کرنا چاہیے۔ ایک وقت یہ اغماض قابل تعریف ہوتا ہے اور بعض حالات ایسے بھی ہوتے ہیں کہ مخاطب کی قسم میں کھود کرید بھی کرنی پڑجاتی ہے یہ باب اللہ کی بارگاہ میں بھی ہے کبھی ننانوے انسانوں کا قاتل بخش دیا جاتا ہے اور کبھی ایک بلی کو بھوکا رکھنے والا دوزخ میں ڈال دیا جاتا ہے۔ ہمارا یہاں مقصد یہ ہے کہ خدائی عظمت کے استحضار کی وجہ سے کسی مسلمان میں کسی کے پیچھے نہ پڑنے کی جو ایک صفت ہوتی ہے وہ انبیاء کے اخلاق فاضلہ کا ایک اثر ہے دراصل یہ صفت ان کی ہوتی ہے۔ پھر امت میں ان کی اتباع کے ثمرہ میں بقدر نصیب منتقل ہو جاتی ہے۔ ناواقف دین کی ہر بات کو اپنے اندازہ فکر کے مطابق سمجھتا ہے پھر اس کا مذاق اڑانے لگتا ہے۔ مثل مشہور ہے الناس اعداء ما جھلوا۔ لوگ جس بات کو نہیں جانتے اس کے دشمن بن جاتے ہیں۔

# المؤمن لا ینجس

(۵۳۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ لَقِیَنِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَاَنَا جُنُبٌ فَاَخَذَ بِیَدِیْ فَمَشَیْتُ مَعَہٗ حَتّٰی قَعَدَ فَانْسَلَلْتُ فَاَتَیْتُ الرَّحْلَ فَاغْتَسَلْتُ ثُمَّ جِئْتُ وَھُوَ قَاعِدٌ فَقَالَ اَیْنَ کُنْتَ یَا اَبَا ھُرَیْرَۃَ فَقُلْتُ لَہٗ فَقَالَ سُبْحَانَ اللّٰہِ اِنَّ الْمُؤْمِنَ لَا یَنْجُسُ (رواہ البخاری)

(۵۳۵) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُنَجِّسُوْا مَوْتَاکُمْ فَاِنَّ الْمُسْلِمَ لَیْسَ بِنَجَسٍ حَیًّا وَلَا مَیِّتًا۔ (رواہ الدار قطنی)

## مومن نجس نہیں ہوتا مشرک نجس ہوتا ہے

(۵۳۴) ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ (راستہ میں) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے میری ملاقات ہوگئی اس وقت میں جنابت کی حالت میں تھا آپ نے میرا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لے لیا میں آپ کے ساتھ ساتھ چلتا رہا یہاں تک کہ جب آپ آکر بیٹھ گئے تو میں اس وقت (وہاں سے) کھسک گیا اپنے گھر آیا اور غسل کیا پھر غسل کرکے آپ کی خدمت میں حاضر ہوگیا، آپ اس وقت تک بیٹھے ہوئے تھے، آپ نے پوچھا ابوہریرہ کہاں گئے تھے میں نے اصل ماجرا عرض کردیا آپ نے ازراہِ تعجب سبحان اللہ کہا اور فرمایا مومن کہیں ایسا ناپاک ہوتا ہے (بخاری)

(۵۳۵) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مردوں کو ناپاک مت سمجھو کیونکہ مسلمان کی شان یہ ہے کہ وہ نہ زندگی میں ناپاک سمجھا جاتا ہے اور نہ مرنے کے بعد۔ (دارقطنی)

(۵۳۴) ابوہریرہؓ نے اپنی حسن فطرت سے جتنی بات سمجھی وہ قابل داد تھی یعنی بحالت جنابت آپ کی مقدس محفل میں حاضری نامناسب ہے مگر خاتم الانبیاء علیہم السلام کو آداب سے بڑھ کر عقائد کی رعایت مقدم تھی، قرآن میں مشرک کو نجس فرمایا گیا تھا جس کے معنی یہ تھے کہ مومن اس قسم کا نجس نہیں اس کی ناپاکی عارضی ہوتی ہے اور مشرک کی ناپاکی نجاست کی طرح ذاتی ہوتی ہے اس لئے آپ نے مومن کی اس خصوصی شان کو واضح فرما دیا گویا قرآنی نظر میں مومن مشرک میں ایسا فرق ہے جیسا نجاست وغیر نجاست میں۔ نجاست سے جتنا دور رہنا ممکن ہو بہتر ہے مومن ناپاک ہوکر بھی نشست و برخاست کے قابل رہتا ہے اور مشرک پاک وصاف ہوکر بھی اس قابل نہیں ہوتا اگر آپ ان کے حسن ادب پر خاموشی اختیار فرماتے تو یہ اہم نکتہ مخفی رہ جاتا۔

(۵۳۵) اس حدیث میں بھی مرد مومن کی اُسی خصوصیت کا اظہار کیا گیا ہے شہید کو شریعت نے طہارت کا ایک اور بلند مقام دیدیا ہے وہ یہ کہ اس کا خون بھی ناپاک نہیں ہوتا اس لئے اس کو غسل بھی نہیں دیا جاتا۔

# الهون واللين والتألف

(۵۳۶) عَنْ مَكْحُوْلٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُؤْمِنُوْنَ هَيِّنُوْنَ لَيِّنُوْنَ كَالْجَمَلِ الْاَنِفِ اِنْ قِيْدَ انْقَادَ وَاِنْ اُنِيْخَ عَلٰى صَخْرَةٍ اِسْتَنَاخَ (رواه الترمذی مرسلاً)

(۵۳۷) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِمَنْ يَحْرُمُ عَلَى النَّارِ وَبِمَنْ تَحْرُمُ النَّارُ عَلَيْهِ عَلٰى كُلِّ هَيِّنٍ لَيِّنٍ قَرِيْبٍ سَهْلٍ. (رواہ احمد والترمذی وقال هذا حديث حسن غريب۔

(۵۳۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ مَأْلَفٌ وَلَا خَيْرَ فِيْمَنْ لَا يَأْلِفُ وَلَا يُؤْلَفُ۔ (رواہ احمد البیهقی فی شعب الایمان الحاکم فی المستدرک وقال علی شرطهما ولا اعرف له علة وقال الذهبی فیه انقطاع ونصله فی المقاصد بان اباحازم هو المدینی لا الاشجعی وهو لم یلق اباهریرة ولا لقیه وذکره السیوطی فی الجامع الصغیر وجانبه علامة الصحة۔

# نرم مزاجی اور ہر دلعزیزی

(۵۳۶) مکحول روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو لوگ ایمان والے ہیں وہ بہت کہنا ماننے والے اور نہایت نرم خو ہوتے ہیں جیسے نکیل پڑا اونٹ جدھر اس کو گھسیٹا جائے چلا جائے اور اگر اس کو کسی پتھر پر بٹھا دیا جائے تو وہیں بیٹھ جائے۔ (ترمذی شریف)

(۵۳۷) عبداللہ بن مسعودؓ روایت کرتے ہیں کیا میں تمہیں وہ لوگ نہ بتا دوں جو آتشِ دوزخ پر حرام ہیں اور آتشِ دوزخ ان پر حرام ہے یہ وہ لوگ ہیں جو نہایت فرمانبردار، نرم خو، ہر دلعزیز اور با اخلاق ہوں۔ (احمد۔ ترمذی)

(۵۳۸) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندار آدمی تو وہ ہے جو مجسم پیکرِ محبت ہو جو شخص کسی سے الفت نہ رکھے اور نہ اس سے کوئی الفت رکھے اس میں تو بھلائی کی بو بھی نہیں۔ (احمد۔ حاکم۔ بیہقی)

(۵۳۶) امام احمدؒ نے حضرت ابوذرؓ سے روایت کیا ہے الاسلام ذلول لا یرکب الا ذلولا۔ اسلام کا مزاج خود نرم ہے اور وہ اسی کے قلب میں اچھی طرح سرایت کرتا ہے جو نرم خو ہوتا ہے۔ اس کی اسناد میں ایک راوی ابو خلف ہیں اس کو متروک کہا گیا ہے۔ قرآن میں اسی مخصوص صفت کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔ وعباد الرحمن الذین یمشون علی الارض هونا واذا خاطبهم الجاهلون قالوا سلاما۔ اور خدائے رحمٰن کے خاص بندے تو وہ ہیں جو زمین پر فروتنی کے ساتھ چلیں اور جب جاہل ان سے (۵۳۷) حافظ نے اس کے قریب المعنی الفاظ حضرت ابو امامہ سے بھی روایت کئے ہیں اور فرمایا ہے کہ اس کے راوی وہی ہیں جو صحیحین کے راوی ہیں۔

(۵۳۹) عَنْ حَارِثَةَ بْنِ وَهْبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ الْجَنَّةِ كُلُّ ضَعِيْفٍ مُتَضَعَّفٍ لَوْ اَقْسَمَ عَلَى اللّٰهِ لَاَبَرَّهٗ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَهْلِ النَّارِ كُلُّ عُتُلٍّ جَوَّاظٍ مُسْتَكْبِرٍ۔ (متفق علیه)

(۵۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعِسَ عَبْدُ الدِّيْنَارِ وَعَبْدُ الدِّرْهَمِ وَعَبْدُ الْخَمِيْصَةِ اِنْ اُعْطِيَ رَضِيَ وَاِنْ لَّمْ يُعْطَ سَخِطَ تَعِسَ وَانْتَكَسَ وَاِذَا شِيْكَ فَلَا انْتُقِشَ طُوْبٰى لِعَبْدٍ اٰخِذٍ بِعِنَانِ فَرَسِهٖ فِیْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَشْعَثَ رَأْسُهٗ مُغْبَرَّةٍ قَدَمَاهُ اِنْ كَانَ فِی الْحِرَاسَةِ كَانَ فِی الْحِرَاسَةِ وَاِنْ كَانَ فِی السَّاقَةِ

(۵۳۹) حارثہ بن وہبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ جنتی لوگ کون ہیں۔ ہر وہ شخص جو اپنی نظر میں اور لوگوں کی نظروں میں کمزور اور بے سہارا ہو۔ اگر وہ کسی معاملہ میں اللہ تعالیٰ پر قسم کھا بیٹھے تو اللہ تعالیٰ اس کی قسم کو ضرور پورا کرے گا۔ (اس کے بعد فرمایا) سنو، کیا میں تمہیں نہ بتادوں کہ دوزخی کون ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو سرکش منہ پھٹ اور مغرور ہوں۔ (متفق علیہ)

(۵۴۰) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہلاک ہو جو دینار کا بندہ، درہم کا بندہ اور کملی کا بندہ ہو (اس کی دون ہمتی کا یہ حال ہو) کہ اگر اس کو کچھ دیدیا جائے تو خوش ہو جائے اور اگر نہ دیا جائے تو روٹھ جائے ایسا کم ہمت خدا کرے ہلاک اور ذلیل ہو اور اگر اس کے کوئی کانٹا چبھے تو نہ نکلے۔ وہ بندہ مبارک ہے جو اللہ تعالیٰ کے راستہ میں اپنے گھوڑے کی باگیں سنبھالے ہمہ وقت (خدمت دین کے لئے) تیار ہے۔ اس کے سر کے بال پراگندہ اور پیر غبار آلودہ ہیں (اس کی نرم خوئی اور للہیت کا یہ عالم ہے) کہ اگر اسے اگلے دستہ میں محافظ کی حیثیت سے جگہ دی جائے تو

(۵۳۹) ان احادیث سے واضح ہوگیا کہ مسلمان کی نرم مزاجی سے مراد کیا ہے۔ اس کے بعد حضرت عمر فاروقؓ کی شدتِ طبع کو ان سے کوئی تعارض نہیں رہتا وہ حدید الطبع ہو کر بھی اتنے نرم تھے کہ ایک عام سے عام شخص بھی برسر منبر ان کو ٹوک دیتا اور وہ خوشی سے اس کو جواب دیدیتے۔ بہرحال مومن کا وجود صفحۂ عالم پر قدرت کی صناعی کا وہ عجیب ترمجموعہ ہوتا ہے جس میں بیک وقت خدمت ولین، سادگی وفہم، زینت وبذاذت اور فصاحت وکم سخنی کی تمام متضاد صفتیں جمع نظر آتی ہیں۔ اس تضاد کے جمع کی صورت گذشتہ احادیث کے ضمن میں اپنی اپنی جگہ ملاحظہ سے گذر چکی ہے۔

كَانَ فِي السَّاقَةِ إِنِ اسْتَأْذَنَ لَمْ يُؤْذَنْ لَهُ وَإِنْ شَفَعَ لَمْ يُشَفَّعْ۔ (رواه البخاری)

(۵۴۱) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَدْخُلُ الْجَنَّةَ أَقْوَامٌ أَفْئِدَتُهُمْ مِثْلُ أَفْئِدَةِ الطَّيْرِ (رواہ مسلم)

(۵۴۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُولُوا الْكَرْمَ فَإِنَّ الْكَرْمَ قَلْبُ الْمُؤْمِنِ (رواہ مسلم وفی روایۃ ولکن قولوا العنب والحبلۃ)

حفاظت کی خدمت انجام دے اور اگر اس کو پچھلے حصہ میں ڈالدیا جائے تو پیچھے رہ کر بھی بخوشی اپنی ڈیوٹی کو پورا کرے (غرض نہایت مطیع مزاج ہو اور صرف دین کی خدمت اس کا مطمح نظر ہو) بخاری شریف)

(۵۴۱) ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت میں ایسے لوگ جائیں گے جن کے دلوں کی کیفیت پرندوں کے دلوں سے بہت مشابہ ہوگی۔ (مسلم)

(۵۴۲) ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا انگور کو کرم نہ کہا کرو کیونکہ کرم تو مومن کے قلب کا نام ہے (انگور میں کرم کہاں اس سے تو شراب بنتی ہے جو بے حیائیوں کا سرچشمہ ہی (مسلم)

(۵۴۱) علماء نے یہاں وجہ تشبیہ رقت ولین تحریر فرمائی ہے یعنی پرندوں میں چوپایوں کی نسبت یہ صفت عام طور پر زیادہ پائی جاتی ہے وہ ہر اثر کو نسبتہً جلد قبول کر لیتے ہیں کینہ پرور نہیں ہوتے۔ چند تنکوں کا آشیانہ بنا کر عمر گذار دیتے ہیں، روزی جمع کرنے کی فکر نہیں کرتے صبح کو تلاشِ رزق میں نکلے اور شام کو پیٹ بھر کر واپس آگئے ان کو دیکھو تو نہایت بھولے بھالے نظر آتے ہیں یہ تمام صفتیں ایک مسلمان کی بھی ہوتی ہیں۔

(۵۴۲) نہایہ میں لکھا ہے کہ چونکہ انگور سے شراب بنائی جاتی ہے اور عرب کے مذاق کے مطابق شراب سخاوت و کرم کی محرک ہوتی ہے اس لئے وہ انگور کو کرم کہدیتے تھے۔ آپ نے اس غلط اشتقاق کو ناپسند کیا اور فرمایا کہ اس خوبصورت اور معنی خیز نام کا زیادہ مستحق مومن کا قلب ہے شراب کا مادہ یعنی انگور نہیں۔

یہاں قلب کو کریم کہنے کی بجائے مبالغہ کے طور پر عین کرم کہدیا گیا ہے۔ جیسے زید کو مبالغہ میں عین انصاف کہدیا جائے۔ زمخشری اس کی شرح میں یوں رقمطراز ہیں کہ یہاں دراصل انگور کا نام رکھنے سے ممانعت کرنا مقصود ہی نہ تھا بلکہ اس طرف اشارہ کرنا مقصود تھا کہ جب قرآن کریم کا ارشاد یہ ہے کہ

ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم

تو اس کا حق ہونا چاہئے کہ اب اس مقدس نام میں متقی مسلمان کے سوا کسی اور چیز کو شریک نہ کیا جائے تاکہ ذہنوں میں یہ بات نقش کالحجر ہوجائے کہ کریم درحقیقت صرف متقی ہوتا ہے۔ اس کے سوا کہیں اور کرم کا نام و نشان نہیں ہوتا۔ غیر متقی کا کرم صرف نمائشی ہوتا ہے اس میں صورت ہی صورت ہوتی ہے معنی کچھ نہیں ہوتے۔

# سلامۃ الصدر

(۵۴۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ اَفْضَلُ قَالَ کُلُّ مَخْمُوْمِ الْقَلْبِ صَدُوْقِ اللِّسَانِ قَالُوْا صَدُوْقُ اللِّسَانِ نَعْرِفُہٗ فَمَا مَخْمُوْمُ الْقَلْبِ قَالَ ھُوَ النَّقِیُّ التَّقِیُّ لَا اِثْمَ عَلَیْہِ وَلَا بَغْیَ وَلَا غِلَّ وَلَا حَسَدَ (رواہ ابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان)

(۵۴۴) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یُبَلِّغُنِیْ اَحَدٌ مِنْ اَصْحَابِیْ عَنْ اَحَدٍ شَیْئًا فَاِنِّیْ اُحِبُّ اَنْ اَخْرُجَ اِلَیْکُمْ سَلِیْمَ الصَّدْرِ۔ (رواہ ابوداؤد)

# صاف سینہ ہونا

(۵۴۳) عبداللہ بن عمرو بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا لوگوں میں کون شخص سب سے بہتر ہے آپ نے فرمایا ہر وہ شخص جو مخموم القلب اور زبان کا سچا ہو۔ صحابہ نے عرض کیا۔ صدوق اللسان (زبان کا سچا) شخص تو ہم سمجھ گئے مخموم القلب ہماری سمجھ میں نہیں آیا اس کی تشریح آپ فرماویں۔ فرمایا یہ وہ دل کا صاف اور طاہر انسان ہے جس پر نہ گناہوں کا بوجھ ہو۔ ظلم تعدی کا بار نہ اس کے دل میں کسی کا کینہ ہو اور نہ حسد۔ (ابن ماجہ۔ شعب الایمان)

(۵۴۴) ابن مسعودؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی تاکید فرمائی کہ میرے صحابہ میں سے مجھ سے کوئی شخص کسی کی کوئی بات نہ پہنچایا کرے کیونکہ میرا دل چاہتا ہے کہ جب میں تمہارے پاس آؤں تو میرا دل تم سب کی طرف سے صاف ہو۔ (ابوداؤد)

(۵۴۴) نبی اپنی سلامتی صدر اپنے ہی فائدہ کے لئے نہیں چاہتا بلکہ اپنی امت کے فائدہ کے لئے بھی چاہتا ہے کیونکہ اس کے قلب مبارک میں اگر کسی امتی کی طرف سے کوئی ادنیٰ خلش بھی پڑ جائے تو وہ بھی اس امتی کے لئے ایمانی ضعف کا موجب ہو سکتی ہے اعوذ من غضب اللہ وغضب رسولہ وغضب اولیاءہ۔ حدیث میں ارشاد ہے من عادی لی ولیا فقد اذنتہ بالحرب۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ نبی کا قلب مبارک ساری نزاہتوں اور پورے تقدس کے باوجود غلط خبروں سے متاثر بھی ہو سکتا ہے اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اس کے لئے یہ بھی ضروری نہیں ہے کہ اس کو ہمہ وقت ہر ہر چیز کا علم حاصل ہو وہ روزمرہ کے معاملات سے بھی بے خبر رہ سکتا ہے اور اگر وہ غلط طور پر اس کے پاس پہنچ جائیں تو ان کا اثر بھی لے سکتا ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ سلامتی صدر کا سب سے بہتر طریقہ یہ ہے کہ غیر ضروری باتیں کسی کے متعلق نہ سنی جائیں۔ باقی جو باتیں نظم امور کے متعلق ہیں ان کا باب ہی علیحدہ ہے۔

# تألم المؤمن لاھل الایمان

(۵۴۵) عَنِ النُّعمَانِ بنِ بَشِیرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ تَرَی المُؤمِنِینَ فِی تَرَاحُمِھِم وَتَوَادِّھِم وَتَعَاطُفِھِم کَمَثَلِ الجَسَدِ اِذَا اشتَکٰی عُضوًا تَدَاعٰی لَہٗ سَائِرُ الجَسَدِ بِالسَّھَرِ وَالحُمّٰی۔ (متفق علیہ)

(۵۴۶) وَعَنہُ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ المُؤمِنُونَ کَرَجُلٍ وَاحِدٍ اِنِ اشتَکٰی عَینُہٗ اشتَکٰی کُلُّہٗ وَاِنِ اشتَکٰی رَأسُہٗ اشتَکٰی کُلُّہٗ۔ (رواہ مسلم)

(۵۴۷) عَن اَبِی مُوسٰی عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ قَالَ المُؤمِنُ لِلمُؤمِنِ کَالبُنیَانِ یَشُدُّ بَعضُہٗ بَعضًا ثُمَّ شَبَّکَ بَینَ اَصَابِعِہٖ (متفق علیہ)

(۵۴۸) عَن سَھلِ بنِ سَعدٍ رضی اللہ تعالیٰ عنہ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیہِ وَسَلَّمَ قَالَ

## مسلمانوں کی تکلیف کا اپنی تکلیف کی برابر احساس کرنا

(۵۴۵) نعمان بن بشیرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایماندروں کو باہم رحمدلی، باہم محبت اور ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس کے بارے میں تم ایسا دیکھو گے جیسا ایک قالب ایک عضو بیمار پڑ جائے تو سارا جسم بخار میں مبتلا ہو جاتا اور بیداری کیلئے تیار ہو جاتا ہے۔ (متفق علیہ)

(۵۴۶) نعمان بن بشیر روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تمام مومن شخصِ واحد کی طرح ہیں اگر اس کی آنکھ دکھتی ہے تو اس کا تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے اگر اس کا سر دکھتا ہے تو بھی اس کا تمام جسم بیمار پڑ جاتا ہے۔ (مسلم)

(۵۴۷) ابو موسیٰ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ایک مومن دوسرے مومن کے حق میں ایک عمارت کی طرح ہونا چاہئے اور ایک دوسرے کے لئے اس طرح مضبوطی اور قوت کا باعث ہونا چاہئے جیسا مکان کی ایک اینٹ دوسری اینٹ کے لئے۔ اس کے بعد آپ نے اپنے ایک ہاتھ کی انگلیاں دوسرے ہاتھ کی انگلیوں میں ڈالدیں۔ (اور اس کا نقشہ دکھانے کے لئے فرمایا کہ اس طرح)۔ (متفق علیہ)

(۵۴۸) سہل بن سعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مومنوں کی جماعت میں ایماندار آدمی کی مثال ایسی ہونی چاہئے جیسی سارے جسم میں سر کی۔ جیسا دردِ سر کی وجہ سے تمام جسم تکلیف میں

الْمُؤْمِنُ فِیْ اَھْلِ الْاِیْمَانِ بِمَنْزِلَۃِ الرَّأْسِ مِنَ الْجَسَدِ یَأْلَمُ الْمُؤْمِنُ لِاَھْلِ الْاِیْمَانِ کَمَا یَأْلَمُ الْجَسَدُ لِمَا فِی الرَّأْسِ (رواہ احمد)

(۲۴۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَیْسَ الْمُؤْمِنُ

مبتلا ہو جاتا ہے اسی طرح ایماندار آدمی کو بھی اور مومنوں کی تکلیف سے تکلیف ہوتی ہے۔ (احمد)

(۲۴۹) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے وہ بھی کیا

(۲۴۹) بےحسی اور بے دردی کا سب سے بڑا اور سب سے بُرا مظاہرہ یہ ہے کہ ایک انسان خود تو اپنا پیٹ بھرتا رہے اور اس کے پاس ہی اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔ اسلام اس حسن اخلاق کی تعلیم دیتا ہے کہ اگر یہ اپنے بھائی کا پیٹ نہیں بھر سکتا تو اس کو چاہیے کہ اپنا پیٹ کاٹ کر اس کی بھوک میں اس کا حصہ دار بن جائے۔ دیوار کی حقیقت بھی یہی ہے کہ اس کی اینٹیں باہم بھی ایک دوسرے کے لئے باعث استحکام ہوتی ہیں اور چھت کا بوجھ بٹانے میں بھی برابر کی شریک رہتی ہیں۔ مسلمانوں کو بھی چاہئے کہ وہ باہمی اور قومی بار کو اسی طرح باہم تقسیم کر لیا کریں اگر وہ ایسا کر لیں تو ان کا منتشر شیرازہ دنیا کے سامنے ایک مضبوط دیوار کی طرح بن جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ ایمان وحدت واجتماع کی دعوت دیتا ہے اور کفر تحزب وتشتت کی۔ اسی لئے قرآن کریم نے جب صحابہ کے دور کفر کا نقشہ کھینچا تو اس کا جو پہلو سب سے نمایاں فرمایا وہ ان کی باہمی عداوت وتحزب تھا۔ پھر اسلام کے بعد جس نعمت کا سب سے زیادہ احسان جتایا وہ ان کی باہمی وحدت اور محبت واخوت تھی ایسی وحدت واخوت کہ اگرچہ ان کے قالبوں کے مابین مشرق ومغرب کا فاصلہ بھی ہوتا مگر پھر بھی وہ ایک دوسرے کی تکلیف کے احساس میں اتنے قریب ہوتے کہ مشرق کے ایک مسلمان کے پیر کے کانٹے کی چبھن مغرب کا رہنے والا مسلمان اپنے دل میں محسوس کرتا ان کا یہ رشتۂ محبت واخوت صرف مبالغہ اور محض ایک رنگ آمیزی نہیں بلکہ ان کے احساسات کی صحیح ترجمانی ہے۔

| | |
|---|---|
| وَاذْكُرُوْا اِذْ كُنْتُمْ اَعْدَاۤءً فَاَلَّفَ بَیْنَ قُلُوْبِكُمْ فَاَصْبَحْتُمْ بِنِعْمَتِهٖۤ اِخْوَانًا۔ | یاد کرو جب تم ایک دوسرے کے دشمن تھے پھر اللہ تعالیٰ نے تمہارے درمیان ایسی محبت پیدا کر دی کہ محض اس کی مہربانی کی بدولت تم ایک دوسرے کے بھائی بن گئے۔ |

دوسری جگہ کفار کے ظاہری اتحاد واتفاق کی حقیقت اس طرح واشگاف فرما دی۔

| | |
|---|---|
| تَحْسَبُهُمْ جَمِیْعًا وَّقُلُوْبُهُمْ شَتّٰى۔ | آپ تو ان کو متحد خیال کرتے ہیں مگر ان کے دل سب پراگندہ ہیں۔ |

اس کے بعد آپ ہی غور کیجئے کہ اگر درحقیقت ہمارے قلوب میں وہ اخوتِ ایمانی موجود ہے تو اس میں وہ محبت ووحدت کیوں نہیں بلکہ اس کے برعکس کفار کے تفرق وتشتت کا نقشہ کیوں ہے۔ اللھم الف بین قلوبنا واصلح ذات بیننا۔ یاد رکھئے کہ آپ کا ایمان جتنا کامل اور مستحکم ہوتا چلا جائے گا اتنا ہی آپ کا اتحاد اور قومی تعمیر بھی مستحکم ہوتی چلی جائیگی اور جتنا اس میں نقصان پیدا ہوتا رہے گا اسی قدر آپ کے اتحاد اور قومی تعمیر میں بھی ضعف پیدا ہوتا رہے گا۔ آپ نقصان ایمانی کے ساتھ اپنے اتحاد پر مغرور نہ ہوں وہ صرف آپ کے قالب کا اتحاد ہوگا قلب کا نہیں اور اگر آپ کے قلوب رشتۂ ایمانی کی بدولت وحدت کا رنگ اختیار کر چکے ہیں تو قالب کے انتشار سے مغموم نہ ہوں کہ وہ صرف آپ کے جسموں کا

بِالَّذِیْ یَشْبَعُ وَجَارُہٗ جَائِعٌ اِلٰی جَنْبِہٖ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان۔

## الخوف من المعاصی

(۵۵۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ الْمُؤْمِنَ یَرٰی ذُنُوْبَہٗ کَاَنَّہٗ قَاعِدٌ تَحْتَ جَبَلٍ یَخَافُ اَنْ یَقَعَ عَلَیْہِ وَاِنَّ الْفَاجِرَ یَرٰی ذُنُوْبَہٗ کَذُبَابٍ مَرَّ عَلٰی اَنْفِہٖ فَقَالَ بِہٖ ھٰکَذَا۔ ای بیدہ فذبہ عنہ (رواہ البخاری وذکر معہ الحدیث الآخر المرفوع ایضاً۔

## حفاظۃ عزۃ النفس

(۵۵۱) عَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَنْبَغِیْ لِلْمُؤْمِنِ اَنْ

---

مومن ہے جو اپنا تو پیٹ بھرلے اور اس کے قریب اس کا پڑوسی بھوکا پڑا رہے۔ (شعب الایمان)

## گناہوں سے ڈرنا

(۵۵۰) حضرت ابن مسعودؓ فرماتے ہیں مومن اپنے گناہوں سے اس طرح ڈرتا ہے جیسا وہ پہاڑ کے نیچے بیٹھا ہو اور ڈرتا ہے کہ وہ اب اس پر گرا اور فاجر آدمی ان کو اس طرح حقیر سمجھتا ہے جیسا مکھی اس کے ناک کے پاس گذری اور اس نے اپنے ہاتھ کی حرکت سے اس طرح اڑادی۔ (بخاری شریف)

## اپنی عزتِ نفس کی حفاظت کرنا

(۵۵۱) حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے لئے یہ مناسب نہیں

---

انتشار ہے۔ قلوب کا انتشار نہیں تعجب ہے کہ وحدت و افتراق کے جو بنیادی اسباب ہیں کم از کم مسلمان اس سے کچھ نکر غافل ہیں۔ وہ جس مجمع میں اتحاد و اخوت کی دعوت دیتے ہیں اسی میں اصل رشتۂ ایمانی پر ضرب بھی لگاتے جاتے ہیں اور نہیں سمجھتے کہ نعمت اخوت صرف عطاء ربانی ہے ان کی تقریروں اور تحریروں سے حاصل نہیں ہو سکتی۔

لَوْ اَنْفَقْتَ مَا فِی الْاَرْضِ جَمِیْعًا مَّآ اَلَّفْتَ بَیْنَ قُلُوْبِھِمْ وَلٰکِنَّ اللّٰہَ اَلَّفَ بَیْنَھُمْ۔

اے پیغمبر اگر آپ ساری زمین کا مال بھی خرچ کر ڈالتے تو بھی ان کے دلوں میں ایسی الفت و محبت پیدا نہ کرسکتے یہ تو صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات ہے جس نے ان میں باہم یہ الفت ڈالدی ہے۔

(۵۵۱) صحابہ کی فہم میں اپنے نفس کے ذلیل کرنے کی کوئی صورت ہی نہ آسکی وہ فطرۃً ذلت سے نفور تھے اور اسلام نے

يُذِلَّ نَفْسَهُ قَالُوْا وَكَيْفَ يُذِلُّ نَفْسَهُ قَالَ يَتَعَرَّضُ مِنَ الْبَلَاءِ لِمَا لَا يُطِيقُ۔ (رواہ الترمذی وابن ماجہ والبیہقی فی شعب الایمان۔)

## لزوم التوبۃ

(۵۵۲) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْعَبْدَ الْمُؤْمِنَ الْمُفَتَّنَ التَّوَّابَ۔ (رواہ احمد)

کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل کرے صحابہ نے عرض کیا بھلا اپنے نفس کو کوئی کیسے ذلیل کر سکتا ہے فرمایا ایسا بار اٹھا لینا جس کے اٹھانے کی اس میں طاقت نہ ہو (یہ ذلیل ہی کرنا ہے۔ ترمذی۔ ابن ماجہ۔ شعب الایمان)

## ہمیشہ توبہ کرتے رہنا

(۵۵۲) حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے اس مومن بندے سے محبت رکھتا ہے جو فتنوں میں مبتلا ہوتا رہے اور ہمیشہ توبہ کرتا رہے۔ (احمد)

آکر ان کو احساس کمتری سے اور بھی دور کر دیا تھا آپ نے ان کو بتایا کہ کبھی عزت کے کام میں بھی ذلت کا خمیازہ بھگتنا پڑ جاتا ہے براہ راست ذلت کے کاموں سے بچنا سب جانتے تھے لیکن خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو ایک قدم اور آگے بڑھا کر سمجھایا کہ ایسے عزت کے کاموں میں پھنسنا جن کا انجام ذلت ہو یہ بھی مومن کا کام نہیں پھر معلوم نہیں ذلت کا جو تعلق بعد کے ساتھ تھا وہ مسلمانوں نے اپنے ساتھ کیسے سمجھ رکھا ہے شاید تکبر اور عزت کے مفہوم سمجھنے میں غلط فہمی ہو گئی ہو۔ اللہ تعالیٰ تکبر اور ذلت سے ہم کو بچائے اور اپنی صحیح عزت نفس محفوظ رکھنے کی توفیق بخشے۔ آمین۔

(۵۵۲) جب گناہ بندہ کی فطرت ہو تو پھر توبہ ضرور اس کی صفت ہونی چاہئے پس اگر وہ اپنی فطرت کی بناء پر طرح طرح کے فتنوں میں گرفتار ہوتا رہتا ہے مگر ہر بار اپنی صفت توبہ واستغفار کو فراموش نہیں کرتا تو وہ ارحم الراحمین کی نظروں میں کیوں نہ پیارا ہو یہاں محبت اس کے تکرار جرم پر نہیں بلکہ ہر بار اس کی صفت توبہ واستغفار پر ہے۔ یہ اسلوب بیان اس لئے اختیار نہیں کیا گیا کہ گنہگار اپنے گناہوں پر اصرار کریں بلکہ اس لئے اختیار کیا گیا ہے کہ جو نادم و شرمسار ہیں وہ زیادہ دل شکستہ نہ ہوں اور اپنی اس ندامت کی بدولت عصیاں کے بعد بھی خدا تعالیٰ کی محبت کی خوشخبری سن لیں ندامت پر خدا تعالیٰ کی محبت کی خوشخبری بندہ میں گناہ کی جرأت پیدا نہیں کرتی بلکہ اس کی فطرت سے معصیت کا تخم جڑ سے نکال پھینکتی ہے۔

## تقیدہ بشرائع الاسلام مثل تقید الفرس باٰخیتہ

(۵۵۳) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَنَّہٗ قَالَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ کَمَثَلِ الْفَرَسِ عَلٰی اٰخِیَتِہٖ یَجُوْلُ ثُمَّ یَرْجِعُ عَلٰی اٰخِیَتِہٖ وَاِنَّ الْمُؤْمِنَ یَسْھُوْ ثُمَّ یَرْجِعُ اِلَی الْاِیْمَانِ۔ (رواہ احمد وسندہ جید واخرجہ ایضاء الضیاء المقدسی فی المختارہ وحسنہ الحافظ السیوطی)

## کونہ نصحاً خالصاً ونفعاً محضاً

(۵۵۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ اَنَّہٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ وَالَّذِیْ نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِیَدِہٖ اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَکَمَثَلِ الْقِطْعَۃِ مِنَ الذَّھَبِ نَفَخَ عَلَیْھَا صَاحِبُھَا

## احکام اسلامی کا اس طرح پابند رہنا جیسا گھوڑا اپنے کھونٹے کا

(۵۵۳) ابوسعید خدری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مومن کی مثال اس گھوڑے کی سی ہے جو اپنے کھونٹے سے بندھا ہوا ہو وہ اِدھر اُدھر پھر پھرا کر آخر اپنے کھونٹے کے پاس ہی آجاتا ہے اسی طرح مومن سے بھی بھول چوک ہوجاتی ہے آخر کار وہ پھر کر اِدھر ہی آجاتا ہے جو ایمان کی بات ہوتی ہے۔ (احمد)

## از سرتا قدم خیرخواہی اور نفع محض بن جانا

(۵۵۴) عبداللہ بن عمرو بن العاص سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے کہ مومن کی مثال سونے کی

(۵۵۳) یعنی مومن دین اسلام کا ایسا پابند ہوتا ہے جیسا گھوڑا کھونٹے کا نہ یہ اپنے کھونٹے سے علیحدہ جا سکتا ہے نہ وہ شعب ایمان سے کہیں علیحدہ ہو سکتا ہے۔ سہو و نسیان کی بات دوسری ہے اگر غلطی ہو جائے تو پھر لوٹ کر اسے آنا اِدھر ہی پڑتا ہے۔ حریت کیسی اور آزادی کہاں ؎

عاشقی چیست ؟ بگو بندۂ جاناں بودن — دل بدست دگرے دادن و حیراں بودن

(۵۵۴) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہاں مومن کی چند صفتیں بیان فرمائی ہیں۔ اس کی پہلی صفت یہ ہے کہ اس میں کھوٹ بالکل نہیں نکلتا جتنا اس کو آزماؤ اتنا ہی وہ اور نکھر کر نکلتا ہے وہ اس نقلی سونے کی طرح نہیں ہوتا جس کا تپانے سے رنگ بدل جائے یا اس کا وزن گھٹ جائے۔ اس کی دوسری صفت یہ ہے کہ وہ شہد کی مکھی کی طرح صاف ستھری غذا کے سوا کوئی مشتبہ کھانا نہیں کھاتا۔ اس کی تیسری صفت یہ ہے کہ وہ شہد کی مکھی کی طرح جہاں بیٹھتا ہے کسی کو مضر نہیں ہوتا۔

فَلَمْ تَغَيَّرْ وَلَمْ تَنْقُصْ وَالَّذِي نَفْسُ مُحَمَّدٍ بِيَدِهٖ اِنَّ مَثَلَ الْمُؤْمِنِ لَكَمَثَلِ النَّحْلَةِ اَكَلَتْ طَيِّبًا وَوَضَعَتْ طَيِّبًا وَوَقَعَتْ فَلَمْ تُكْسِرْ وَلَمْ تُفْسِدْ۔ (رواہ احمد ذکرہ السیوطی فی الجامع الصغیر وقال المناوی اسناد احمد صحیح)

(۵۵۵) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنَ الشَّجَرِ شَجَرَةً لَا يَسْقُطُ وَرَقُهَا وَاِنَّهَا مَثَلُ الْمُسْلِمِ حَدِّثُوْنِيْ مَا هِيَ فَوَقَعَ النَّاسُ فِيْ شَجَرِ الْبَوَادِيْ قَالَ عَبْدُ اللّٰهِ فَوَقَعَ فِيْ نَفْسِيْ اَنَّهَا النَّخْلَةُ فَاسْتَحْيَيْتُ ثُمَّ قَالُوْا حَدِّثْنَا مَا هِيَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ هِيَ النَّخْلَةُ۔ (متفق علیہ)

---

اس ڈلی کی سی ہے جس کے مالک نے اس کو تپایا پھر نہ تو اس کا رنگ بدلا اور نہ وزن گھٹا۔ اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کی جان ہے مومن کی مثال ٹھیک اس شہد کی مکھی کی سی ہے جس نے عمدہ پھول چوسے، اچھا شہد بنایا۔ اور جس شاخ پر وہ بیٹھی نہ تو اپنے وزن سے اس کو توڑا نہ خراب کیا۔ (احمد)

(۵۵۵) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ درختوں میں ایک درخت ایسا ہے جس کے پتے کبھی نہیں جھڑتے اور وہی درخت ہے جو مومن کی مثال ہے۔ اچھا بتاؤ وہ کونسا درخت ہے لوگوں کا خیال تو جنگل کے اور اور درختوں کی طرف چلا گیا۔ ابن عمرؓ فرماتے ہیں مگر میرے دل میں آیا کہ یہ کھجور کا درخت ہوگا۔ لیکن مجھے (اپنے سے بزرگ ہستیوں کے سامنے بولتے) شرم آئی۔ اس کے بعد لوگوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ ہی ارشاد فرمائیں (وہ درخت کونسا ہے) فرمایا وہ کھجور کا درخت ہے۔ (متفق علیہ)

---

(۵۵۵) عرب کی سرزمین میں کھجور کے درخت سے بڑھ کر کوئی اور درخت پُر از منافع نہیں ہوتا۔ یہ اپنی پوری دورِ زندگی میں مجسم نفع ہی نفع ہوتا ہے اس کا کوئی جز ایسا نہیں ہوتا جو نفع سے خالی ہو حتی کہ اس کی گٹھلیاں بھی بیکار نہیں ہوتیں وہ بھی اونٹوں کے چارے کے کام آتی ہیں۔ یہ ہمیشہ سرسبز اور سایہ دار رہتا ہے اور جب تک خشک نہیں ہو جاتا ہمیشہ پھل دیتا رہتا ہے خشک ہونے کے بعد بھی اس کا تنا چھتوں کی کڑیوں کے کام آتا ہے اور اس کے پتوں کی رسیاں بنتی ہیں وغیرہ وغیرہ۔ یہی صفت ایک مسلمان کی ہے جو سر سے لے کر قدم تک دورِ طفولیت سے لیکر پیری تک سرتاسر نفع ہی نفع ہوتا ہے۔

## الحمد والشکر للہ عزوجل فی الاحوال کلھا

(۵۵۶) عن سعد بن ابی وقاص قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عجبا للمؤمن ان اصابہ خیر حمد اللہ وشکر وان اصابتہ مصیبۃ حمد اللہ وصبر فالمؤمن یؤجر فی کل امرہ حتی فی اللقمۃ یرفعھا الی فی امرأتہ۔
(رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

(۵۵۷) عن صھیب قال قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عجبا لامر المؤمن ان امرہ کلہ لہ خیر ولیس ذلک لاحد الا للمؤمن ان اصابتہ سراء شکر فکان خیرا لہ وان اصابتہ ضراء صبر فکان خیرا لہ۔ (رواہ مسلم)

## ہر حالت میں خدائیتعالیٰ کا شکر گذار رہنا

(۵۵۶) سعد بن ابی وقاص روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا حال بھی قابل تعجب ہے اگر اس کو کوئی بھلائی پہنچتی ہے تو اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا ہے اور اس کا شکر ادا کرتا ہے اور اگر اس کو مصیبت پیش آجاتی ہے تو بھی اللہ تعالیٰ کی تعریف کرتا اور اس پر صبر کرتا ہے خلاصہ یہ کہ مومن کو ہر حال میں ثواب ملتا ہے حتی کہ اس لقمہ میں بھی جو وہ اٹھا کر اپنی بیوی کے منہ میں ڈالتا ہے۔ (شعب الایمان)

(۵۵۷) صہیبؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کا ہر معاملہ تعجب خیز اور حیرت انگیز ہے۔ مسرت کی بات ہو یا غم کی اس کے حق میں سب بہتر ہی بہتر ہوتی ہے، یہ مومن کے سوا کسی اور کو نصیب نہیں۔ اگر اس کو کوئی خوشی کی بات پیش آجائے تو وہ شکر کرتا ہے، یہ بھی اس کے لئے بہتر ہوتی ہے اور اگر کوئی تکلیف پیش آجائے تو صبر کر لیتا ہے یہ بھی اس کے حق میں بہتر ہوتی ہے۔ (مسلم شریف)

(۵۵۶) فراخی و تنگی اور صحت و مرض کے ہر حال میں اسی مدح سرائی کی بدولت اس امت کا لقب حمادون مشہور ہو گیا ہے۔ کیوں نہ ہو جس امت کا رسول احمد و محمد ہوں (صلی اللہ علیہ وسلم فداہ ابی وامی) اس کی امت کا لقب حمادون ہونا چاہیے۔ وہ افراد کتنے بدنصیب ہیں جو اپنی اس شہرت کے ساتھ نہ نعمت میں حمد کرنا یاد رکھیں اور نہ مصیبت میں حمد و شکر بجا لا سکیں۔

# رقة القلب

(۵۵۸) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ جَاءَ اَهْلُ الْیَمَنِ هُمْ اَرَقُّ اَفْئِدَةً اَلْاِیْمَانُ یَمَانٍ وَالْفِقْهُ یَمَانٍ وَالْحِکْمَةُ یَمَانِیَةٌ (رواہ مسلم)

# نرم دلی

(۵۵۸) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لو اہل یمن آگئے یہ لوگ نہایت رقیق القلب ہوتے ہیں، ایمان اور دین کی سمجھ اور حکمت تو یمن ہی کا حصہ ہے۔ (مسلم شریف)

(۵۵۸) صحیح بخاری میں اس حدیث کو ذرا زیادہ تفصیل کے ساتھ روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک مرتبہ قبیلہ بنو تمیم کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا اے بنو تمیم تم کو بشارت ہو۔ ان بد قسمتوں نے اس کو مال کی بشارت سمجھا اور کہا اچھا تو دلوایئے کیا دلواتے ہیں آپ کو ان کی یہ پست فطرتی پسند نہ ہوئی۔ اتنی دیر میں یمن کی ایک جماعت آنکلی آپ نے ان سے مخاطب ہو کر فرمایا کہ بنو تمیم نے تو بشارت قبول نہ کی لو تم اسے قبول کر لو۔ انھوں نے کہا یا رسول اللہؐ ہم نے بسر و چشم قبول کی۔ اس کے بعد عرض کیا۔ جئنا لنتفقہ فی الدین ہم اس لئے حاضر ہوئے ہیں کہ اپنے دین کے کچھ مسائل سیکھیں۔ الخ اس واقعہ سے یہ اندازہ ہو سکتا ہے کہ ان کے قلب میں دین اور احکام دین کے قبول کرنے کی کتنی صلاحیت تھی جو بشارت انھیں سنائی گئی وہ کسی بحث اور کسی تفصیل کے بغیر انھوں نے قبول کر لی اور اپنے آنے کا جو نیز مقصد آپ کے سامنے رکھا وہ صرف ایک فقہ فی الدین یعنی دین کی طلب تھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے اس طرح بے چون و چرا بشارت نبوی کو لپک لیجانے سے بہت محظوظ ہوئے اور ان کی اس صلاحیت اور علو استعداد کو دیکھکر فرمایا کہ ایمان اور فقہ اور حکمت تو درحقیقت ان لوگوں کا حصہ ہے اور اسی کو یہاں رقتِ قلب سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے بالمقابل قلبی قساوت ہے وہ یہ کہ نصیحت کے نفوذ کرنے کی اس میں کوئی صلاحیت نہ ہو بلکہ وہ اس خشک پتھر کی طرح ہو جس سے پانی کی ایک بوند بھی نہیں ٹپکتی۔

ثُمَّ قَسَتْ قُلُوْبُکُمْ فَهِیَ کَالْحِجَارَةِ اَوْ اَشَدُّ قَسْوَةً وَاِنَّ مِنَ الْحِجَارَةِ لَمَا یَتَفَجَّرُ مِنْهُ الْاَنْهَارُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَشَّقَّقُ فَیَخْرُجُ مِنْهُ الْمَاءُ وَاِنَّ مِنْهَا لَمَا یَهْبِطُ مِنْ خَشْیَةِ اللّٰهِ۔

پھر اس کے بعد تمہارے دل ایسے سخت ہوگئے کہ گویا وہ پتھر ہیں یا ان سے بھی سخت تر اور پتھروں میں تو بعضے ایسے بھی ہوتے ہیں کہ ان سے نہریں نکلتی ہیں اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو پھٹ جاتے ہیں اور ان سے پانی جھرتا ہے اور بعض پتھر ایسے بھی ہوتے ہیں جو اللہ تعالیٰ کے ڈر سے گر پڑتے ہیں۔

آیت بالا میں قلوب کی قساوۃ اور اس کے مختلف مدارج کو ایک بلیغ تشبیہ دیکر سمجھایا گیا ہے کہ قلب کی قساوت یہ ہے کہ اس میں اثر پذیری اور تاثر کی کوئی صلاحیت نہ رہے، دین کی فہم کے لئے اس میں کوئی حرکت نہ ہو اور خشیۃ الٰہی سے وہ یکسر خالی ہوجائے۔ یہی بے فیض قلوب جن سے ہدایت کے چشمے تو کیا بہتے اس کا کوئی قطرہ بھی ان سے نہیں ٹپکتا قلوب قاسیہ ہیں جو سختی میں پتھروں سے بھی بڑھ کر ہیں کہ پتھروں میں کچھ نہ کچھ آثار تاثر کچھ نہ کچھ حرکت تو نظر آتی ہے۔

(باقی بر صفحہ آئندہ)

# نزاهۃ اللسان

(۵۵۹) عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْمُؤْمِنُ بِالطَّعَّانِ وَلَا بِاللَّعَّانِ وَلَا الْفَاحِشِ وَلَا الْبَذِیِّ۔ رواہ الترمذی والبیھقی فی شعب الایمان وفی اخری لہ ولا الفاحش البذی وقال الترمذی ھذا حدیث غریب وفی روایۃ لا ینبغی للمومن ان یکون لعانا۔

(۵۶۰) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا یَنْبَغِیْ لِصِدِّیْقٍ اَنْ یَکُوْنَ لَعَّانًا۔ (رواہ مسلم)

(۵۶۱) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَبِیْ بَکْرٍ وَھُوَ یَلْعَنُ بَعْضَ رَقِیْقِہٖ فَالْتَفَتَ اِلَیْہِ فَقَالَ لَعَّانِیْنَ وَصِدِّیْقِیْنَ کَلَّا وَرَبِّ الْکَعْبَۃِ فَاَعْتَقَ اَبُوْبَکْرٍ یَوْمَئِذٍ بَعْضَ رَقِیْقِہٖ ثُمَّ جَاءَ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا اَعُوْدُ۔ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)۔

# پاکیزہ زبان ہونا

(۵۵۹) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کے لئے نہ یہ مناسب ہے کہ وہ ہر وقت لعن طعن کرتا رہے اور نہ یہ کہ فحش کلامی اور بدزبانی کرتا رہے۔ (ترمذی۔ بیہقی)

(۵۶۰) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا صدیق ہو کر یہ بات اس کی شایانِ شان نہیں کہ ہر وقت لعنت برسایا کرے۔ (مسلم)

(۵۶۱) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ابوبکرؓ کے پاس سے گذرے وہ اتفاقاً اپنے کسی غلام کے متعلق لعنت کا لفظ استعمال فرما رہے تھے آپ ان کی طرف متوجہ ہوئے اور فرمایا ربِّ کعبہ کی قسم یہ ہرگز نہیں ہوگا کہ جو لوگ لعنتیں برسائیں وہ صدیق بھی شمار ہوں۔ اس واقعہ کے بعد ابوبکرؓ نے اس غلام کو آزاد کر دیا اور آپ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ اب آئندہ ایسا قصور نہیں ہوگا۔ (بیہقی)

(بقیہ از صفحۂ گذشتہ) اس کے برخلاف مومن کے قلب میں رقت ولین کی صفت ہوتی ہے یہ صفت صرف اس کے قلب تک محدود نہیں رہتی بلکہ اس کے اعضاء وجوارح تک بھی سرایت کر جاتی ہے۔ وہ نرم خو، نرم مزاج، خیر پر طبیعت، صاحب محبت ومروت اور سرکس وناکس کی بات سننے اور ماننے والا ہوتا ہے حتی کہ مسلمانوں کے لئے ہمہ تن رحمت اور کفار کے مقابلہ میں مجسم شدت بن جاتا ہے۔ اسی صفت کو اشداء علی الکفار رحماء بینھم میں ذکر کیا گیا ہے اور ذیل کی حدیث میں بھی اس کے اسی رقت ولین کے اثرات کا ذکر ہے۔

(۵۶۲) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اِنَّ اللَّعَّانِیْنَ لَا یَکُوْنُوْنَ شُھَدَاءَ وَلَا شُفَعَاءَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (رواہ مسلم)

(۵۶۲) ابوالدرداء روایت کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے سنا ہے کہ ہر وقت لعنت برسانے والوں کو نہ شہادت کا حق دیا جائے گا نہ شفاعت کا۔ (مسلم)

(۵۶۲) لعنت لغت میں اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کو کہتے ہیں۔ جو شخص دنیا میں دوسروں کو اللہ تعالیٰ کی رحمت سے دور کرنے کا عادی ہو قیامت میں اسے شفاعت اور شہادت کا بھلا کیا حق ہو سکتا ہے۔ شفاعت لعنت کے برعکس اللہ تعالیٰ کی رحمت کے طلب کا نام ہے۔ دنیا میں قانون شہادت یہ ہے کہ مقدمہ میں گواہ وہ ہو سکتا ہے جو اس کا دشمن نہ ہو۔ پھر دنیا میں جو شخص خدا تعالیٰ کی رحمت سے دور کرکے اپنی دشمنی کا ثبوت دے چکا ہے وہ آخرت میں کب کسی کا گواہ بن سکتا ہے۔

نبی کے بعد صدیق کی شفاعت کا درجہ ہے اور اس کے بعد شہداء وصالحین کی شفاعت کا صاحب نبوت نے سمجھایا کہ آخرت میں جس امت کو شفاعت اور شہادت دونوں کا منصب عطا ہوا ہو جب اس کے لئے بالعموم لعنت کا استعمال کرنا ناموزوں ہے تو پھر ان میں جو صدیق کہلائیں ان کے لئے تو کتنا کچھ ناموزوں ہوگا۔ صدیق اکبرؓ نے اس نکتہ کو خوب سمجھ لیا اور اسی لئے اس غلطی کی ہر ممکن طریقہ پر تلافی کرنے کی کوشش بھی کی۔ اس ضمن میں آپ کو باہم اسباب افتراق مٹانے کا بھی ایک بڑا سبق دیا گیا ہے۔ فرق یہ ہے کہ دنیا ان ظاہری مضرتوں کو اہمیت دیتی ہے اور شریعت آخرت کی مضرتوں کو۔ اس لئے شریعت اپنی نظر حقیقت میں کے مطابق ان اسباب واثرات کا ذکر کرتی رہتی ہے اور ظاہر بین ان آثار ظاہری کے درپے رہتا ہے اور اسی کو فلسفہ سے تعبیر کرتا رہتا ہے۔ پس ایک ظاہر پرست کے نزدیک تو نزاہت لسان کا فلسفہ صرف دعوت اتحاد اور باہمی اسباب منافرت کا ترک کرنا ہے۔ اور حدیث کی نظر میں یہ سب ضمنی اور سطحی نفع نقصان ہیں۔ ان کو سمجھنے سمجھانے کے لئے انسان کی عقل خود بھی کافی ہے جو اصل اور دائمی نقصان ہے اور ہماری ادراک عقل سے بالاتر ہے۔ وہ امت کی امتیازی خصوصیت یعنی شفاعت سے محرومی ہے۔ حدیث اس کا انکار نہیں کرتی تم اس کا انکار مت کرو بلکہ اس حقیقت کو حاصل کرنے کی کوشش کرو جس کے پا جانے کے بعد تمہارا بنایا ہوا فلسفہ — بلا تعب ومشقت خود بخود حاصل ہو جائے گا۔

## الصدق ووفاء العهد واداء الامانة

(۵۶۳) عَنْ اَبِي اُمَامَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُطْبَعُ الْمُؤْمِنُ عَلَى الْخِلَالِ كُلِّهَا اِلَّا الْخِيَانَةَ وَالْكَذِبَ۔ (رواہ احمد والبیہقی فی شعب الایمان عن سعد بن ابی وقاص)

(۵۶۴) عَنْ صَفْوَانَ بْنِ سُلَيْمٍ اَنَّهُ قِيْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ جَبَانًا قَالَ نَعَمْ فَقِيْلَ لَهُ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ بَخِيْلًا قَالَ نَعَمْ فَقِيْلَ لَهُ اَيَكُوْنُ الْمُؤْمِنُ كَذَّابًا قَالَ لَا۔ (رواہ مالک والبیہقی فی شعب الایمان مرسلاً)

## راست گو، امانت دار اور وفا شعار رہونا

(۵۶۳) ابوامامہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی فطرت میں تمام عادتیں ہوسکتی ہیں مگر خیانت اور جھوٹ کی عادت نہیں ہوسکتی۔ (احمد۔ بیہقی)

(۵۶۴) صفوان بن سلیم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کیا مومن بزدل ہوسکتا ہے فرمایا جی ہاں۔ پھر پوچھا گیا، کیا بخیل ہوسکتا ہے فرمایا جی ہاں۔ پھر پوچھا گیا اچھا کیا اول نمبر کا جھوٹا بھی ہوسکتا ہے۔ فرمایا جی نہیں۔ (مالک۔ شعب الایمان)

(۵۶۳) واضح رہے کہ اتفاقیہ خیانت اور اتفاقیہ جھوٹ مومن سے بھی سرزد ہوسکتا ہے لیکن وہ اس کا عادی نہیں ہوسکتا۔ اگر اس میں یہ عادت پیدا ہوگئی ہے تو اس کو یقین کرلینا چاہئے کہ اب اس میں نفاق کے جراثیم داخل ہونے لگے ہیں اور اس کا ایمان زخمی ہوچکا ہے۔ رہ گئی خیانت تو وہ تو امانت و ایمان کی ضد ہے یہ صفات ذمیمہ بھی اس میں پیدائشی نہیں ہوسکتیں۔ عارضی اثرات سے سب کچھ ممکن ہے۔ یہاں حدیث خلقت کی نفی کررہی ہے۔

(۵۶۴) حدیث کی مراد یہ ہے کہ بزدلی اور شجاعت فطرت کی ایک تقسیم ہے جیسا سخاوت و بخل اس لئے بزدلی اور بخل اگرچہ مذموم صفات ہیں مگر ہے غیر اختیاری۔ اس لئے اگر ایک مومن میں بہادری نہ ہو یا حقوق اسلام ادا کرنے کے بعد اس میں سخاوت کا مضمون نہ ہو تو وہ مواخذہ سے بری ہوسکتا ہے لیکن خیانت اور جھوٹ کی عادتیں غیر اختیاری صفات نہیں۔ ایمان امانت سے مشتق ہے جو خیانت کی ضد ہے اس لئے ایمان اور خیانت جمع نہیں ہوسکتے۔ اسی طرح دروغگوئی کی عادت نفاق کا شعبہ ہے ایمان یک رُخی کا طالب ہے اس لئے دورخا پن اسلام و ایمان کے ساتھ جمع نہیں سکتا۔ اس لئے مومن نہ خیانت کا عادی ہوسکتا ہے نہ دروغ گوئی کا۔

(۵۶۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَلَّمَا خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلَّا قَالَ لَا اِيْمَانَ لِمَنْ لَا اَمَانَةَ لَهٗ وَلَا دِيْنَ لِمَنْ لَا عَهْدَ لَهٗ۔ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

(۵۶۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ جَرَادٍ قَالَ قَالَ اَبُو الدَّرْدَاءِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ يَكْذِبُ الْمُؤْمِنُ قَالَ لَا يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَلَا بِالْيَوْمِ الْاٰخِرِ مَنْ اِذَا حَدَّثَ كَذَبَ۔ (الجامع الکبیر)

(۵۶۷) عَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّهٗ قِيْلَ لِلُقْمَانَ الْحَكِيْمِ مَا بَلَغَ بِكَ مَا نَرٰى يَعْنِي الْفَضْلَ قَالَ صِدْقُ الْحَدِيْثِ وَاَدَاءُ الْاَمَانَةِ وَتَرْكُ مَا لَا يَعْنِيْنِيْ۔ (رواہ فی الموطا)

(۵۶۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ كُنْتُ اَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ اَسْمَعُهٗ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُرِيْدُ حِفْظَهٗ فَنَهَتْنِيْ قُرَيْشٌ وَقَالُوْا اَتَكْتُبُ كُلَّ شَيْءٍ تَسْمَعُهٗ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

(۵۶۵) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ہمارے سامنے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے کوئی خطبہ ایسا کم دیا ہوگا جس میں یہ نہ فرمایا ہو کہ جس شخص میں امانت نہیں اس کا ایمان بھی کچھ نہیں اور جس میں وفاءِ عہد نہیں اس کا دین بھی کچھ نہیں۔ (شعب الایمان)

(۵۶۶) عبداللہ بن جراد روایت کرتے ہیں کہ ابوالدرداءؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ کیا مومن جھوٹ بولتا ہے آپ نے ارشاد فرمایا جس شخص کی عادت یہ ہو کہ جب بات کرے تو جھوٹ ہی بولے وہ نہ تو اللہ تعالیٰ پر ایمان رکھتا ہے اور نہ آخرت کے دن پر۔ (جامع کبیر)

(۵۶۷) امام مالکؒ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ بات پہنچی ہے کہ لقمان حکیم سے پوچھا گیا فرمائیے کہ یہ رتبۂ بلند آپ کو کیسے نصیب ہوا انھوں نے جواب دیا۔ راست گوئی۔ ادائے امانت۔ اور بیکار باتوں سے کنارہ کشی کی بدولت۔ (موطا)

(۵۶۸) عبداللہ بن عمروؓ روایت کرتے ہیں کہ جو کچھ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سن پاتا وہ سب کچھ لکھ لیا کرتا تھا اس سے میرا مقصد آپ کے کلمات کی حفاظت کرنی تھی۔ قریش نے مجھے اس بات سے

(۵۶۶) اس حدیث میں اس امر کی وضاحت ہوگئی کہ اوپر کی حدیثوں میں کذب سے مراد اتفاقاً جھوٹ بولنا نہیں بلکہ اس کا عادی ہونا مراد ہے اسی لئے صحیح حدیثوں میں جھوٹ کی عادت نفاق کی ایک خصلت قرار دی گئی ہے۔

(۵۶۷) لایعنی اور بیکار باتوں کی شرح حدیث من حسن اسلام المرء ترکہ ما لا یعنیہ کے ضمن میں مفصل گذر چکی ہے۔ ترجمان السنہ جلد اول میں ملاحظہ کرلی جائے۔

(۵۶۸) انبیاء علیہم السلام کا کلام صرف سچا ہی نہیں ہوتا بلکہ وہ جو کچھ بولتے ہیں وہ حق ہی ہوتا ہے سبحان اللہ! وہ دہن مبارک بھی کتنا مقدس دہن ہوگا جس میں مزاح اور غصہ کے بشری حالات میں بھی ملکی نطق کی صفات موجود رہتی تھیں

بَشَرٌ يَتَكَلَّمُ فِي الْغَضَبِ وَالرِّضَا فَأَمْسَكْتُ عَنِ الْكِتَابِ فَذَكَرْتُ ذٰلِكَ إِلٰى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَوْمَأَ بِإِصْبَعِهِ إِلٰى فِيْهِ فَقَالَ اُكْتُبْ فَوَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهٖ مَا يَخْرُجُ مِنْهُ إِلَّا الْحَقُّ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۵۶۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالُوْا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّكَ تُدَاعِبُنَا قَالَ إِنِّي لَا أَقُولُ إِلَّا حَقًّا۔ (رواہ الترمذی)

(۵۷۰) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو أَنَّ رَجُلًا جَاءَ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللّٰهِ مَا عَمَلُ الْجَنَّةِ قَالَ الصِّدْقُ وَإِذَا صَدَقَ الْعَبْدُ بَرَّ وَآمَنَ فَإِذَا آمَنَ دَخَلَ

روکا اور کہا کہ تم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے جو بات بھی سنتے ہو وہ سب قلمبند کر لیتے ہو حالانکہ آپ ایک بشر ہی تو ہیں کبھی کوئی بات غصہ کی حالت میں بھی فرما دیتے ہیں۔ (ہو سکتا ہے کہ اس حالت میں وہ مقام نبوت کے معیار اعتدال سے اتری ہوئی بات ہو) اس کے بعد میں نے لکھنا بند کر دیا اور اس قصہ کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کیا۔ آپ نے اپنے دہن مبارک کی طرف اشارہ کر کے فرمایا (بے خوف و خطر) سب کچھ لکھو۔ اس خدائے تعالیٰ کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے اس منہ سے بجز حق کے اور کچھ نہیں نکلتا۔ (ابوداؤد)

(۵۶۹) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ صحابہؓ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تعجب کے طور پر سوال کیا۔ آپ بھی ہم سے خوش طبعی فرماتے ہیں؟ آپ نے جواب دیا مگر میں کوئی کلمہ حق کے سوا زبان سے نہیں نکالتا۔ (ترمذی شریف)

(۵۷۰) عبداللہ بن عمروؓ سے روایت ہے کہ ایک شخص آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ جنت کا عمل کیا ہے؟ فرمایا سچ بولنا۔ جب بندہ سچ بولتا ہے تو نیک بن جاتا ہے اور ایماندار

جب تک خدائے برحق کی عصمت کسی کی اس طرح نگرانی نہ رکھے اس وقت تک کسی بشر کے لئے مقام صدق وصفا کی اس منزل تک رسائی ناممکن ہے۔ متکلم کی نیت کے لحاظ سے اس کو صادق تو کہہ سکتے ہیں مگر جب تک اس کا کلام حقیقت کے مطابق نہ ہو اس کو حق نہیں کہہ سکتے۔

(۵۶۹) آپ نے اس مختصر جواب میں یہ مسئلہ حل کر دیا کہ نبی فرشتہ نہیں ہوتا وہ بشر کے تمام خواص اپنے اندر رکھتا ہے مگر فرق یہ ہوتا ہے کہ اس کی تربیت نظر ربوبیت کے تحت ہوتی ہے اس لئے وہ رضا و غضب اور جد و مزاح کے تمام حالات میں کہیں لغزش نہیں کرتا حتی کہ اگر اس پر نسیان بھی طاری ہوتا ہے تو وہ بھی کسی حکمت الٰہیہ پر مبنی ہوتا ہے۔ خوش طبعی اگر لایعنی اور خلاف واقع یا خفیف حرکات پر مشتمل ہو تو بیشک وہ نقصان کا موجب ہے لیکن اگر کوئی اس غفلت کی حالت میں بھی وقار و متانت اور صدق وحقانیت سے سر مو ادھر ادھر نہیں ہوتا تو یہی انسان کامل کا زیور بھی ہے۔ اب تم میرے اور اپنے مزاح کا موازنہ کر کے دیکھو تمہارا تعجب جاتا رہے گا۔

الْجَنَّةَ۔ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللهِ مَا عَمَلُ النَّارِ قَالَ الْكِذْبُ اِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ فَجَرَ وَاِذَا فَجَرَ كَفَرَ وَاِذَا كَفَرَ دَخَلَ يَعْنِي النَّارَ۔ (رواہ احمد)

(۵۷۱) عَنْ عَبْدِ اللهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالصِّدْقِ فَاِنَّ الصِّدْقَ يَهْدِيْ اِلَى الْبِرِّ وَاِنَّ الْبِرَّ يَهْدِيْ اِلَى الْجَنَّةِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَصْدُقُ وَيَتَحَرَّى الصِّدْقَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ صِدِّيْقًا وَاِيَّاكُمْ وَالْكِذْبَ فَاِنَّ الْكِذْبَ يَهْدِيْ اِلَى الْفُجُوْرِ وَاِنَّ الْفُجُوْرَ يَهْدِيْ اِلَى النَّارِ وَمَا يَزَالُ الرَّجُلُ يَكْذِبُ وَيَتَحَرَّى الْكِذْبَ حَتّٰى يُكْتَبَ عِنْدَ اللهِ كَذَّابًا۔ (متفق علیہ)

ہو جاتا ہے اور جب ایماندار بن جاتا ہے تو جنت میں داخل ہو جاتا ہے۔ پھر اس نے پوچھا اچھا دوزخ کا عمل کیا ہے فرمایا جھوٹ بولنا جب بندہ جھوٹ بولتا ہے تو حدود شریعت سے تجاوز کرنے لگتا ہے اور جب تجاوز کرنے لگتا ہے تو کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے اور جب کفر میں گرفتار ہو جاتا ہے تو دوزخ میں داخل ہو جاتا ہے۔ (احمد)

(۵۷۱) عبداللہ بن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا راست گوئی کی عادت اختیار کرو کیونکہ راست گوئی سے نیکی کرنے کی توفیق نصیب ہوتی ہے اور نیکی انسان کو جنت تک پہنچا دیتی ہے۔ آدمی سچ بولتا رہتا ہے اور تلاش کر کر کے سچ بولتا رہتا ہے نتیجہ یہ ہو جاتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب صدیق پڑجاتا ہے اور دیکھو جھوٹ سے بچنا کیونکہ جھوٹ فسق میں مبتلا کر دیتا ہے اور فسق دوزخ میں پہنچا کر چھوڑتا ہے۔ انسان جھوٹ بولتا رہتا ہے اور ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر جھوٹ بولتا رہتا ہے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اس کا لقب کذاب پڑجاتا ہے۔ (متفق علیہ)

(۵۷۱) یہ تنبیہ کی جا چکی ہے کہ خیر و شر کے علیحدہ علیحدہ دو سلسلے ہیں اور ان دونوں میں ایک کڑی اپنی دوسری کڑی سے متصل ہے۔ پھر سلسلۂ خیر کے منتہی پر جنت ہے اور سلسلۂ شر کے آخر میں دوزخ پس کوئی انسان بھی دفعۃً جنت یا دوزخ میں نہیں چلا جاتا اولاً اس کے ہاتھ میں خیر و شر کی کوئی معمولی سی کڑی آجاتی ہے پھر اس کی وجہ سے اس میں اسی سلسلہ کی دوسری کڑی کی استعداد پیدا ہو جاتی ہے اور اس طریق سے وہ بتدریج جنت یا دوزخ میں جا پہنچتا ہے پس نہ کسی خیر کو معمولی سمجھنا چاہئے نہ کسی شر کو معمولی۔ ترمذی میں سلمہ بن اکوع سے روایت ہے کہ تکبر کرتے کرتے ایک دن ایسا آجاتا ہے کہ آدمی اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں جبارین کی فہرست میں درج ہو جاتا ہے آخر اس پر بھی وہ عذاب آجاتا ہے جو ان پر آیا تھا۔ قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ صدیقین اور کاذبین کی ایک فہرست ہے یہ حدیث بتاتی ہے کہ انسان کو یہ کوشش کرنی چاہئے کہ اس کا نام صدیقین کی فہرست میں آجائے یا ایھا الذین اٰمنوا کونوا مع الصادقین۔ اور اس سے ڈرنا چاہئے کہ اس کا نام کہیں کاذبین کی فہرست میں درج نہ ہو جائے۔ ان لعنۃ اللہ علی الکاذبین۔ اور یہ اس لئے کہ صدق و کذب صرف معمولی خیر و شر نہیں بلکہ ان کا ثمرہ جنت اور دوزخ بھی ہو سکتا ہے۔

(۵۷۲) عَنْ اُمِّ کُلْثُوْمٍ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَیْسَ الْکَذَّابُ الَّذِیْ یُصْلِحُ بَیْنَ النَّاسِ وَیَقُوْلُ خَیْرًا اَوْ یَنْمِیْ خَیْرًا۔ (متفق علیہ)

وزاد مسلم قَالَتْ وَلَمْ اَسْمَعْہُ یَعْنِیْ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُرَخِّصُ فِیْ شَیْءٍ مِّمَّا یَقُوْلُ النَّاسُ اِنَّہٗ کَذِبٌ اِلَّا فِیْ ثَلَاثٍ اَلْحَرْبُ۔ وَالْاِصْلَاحُ بَیْنَ النَّاسِ وَحَدِیْثُ الرَّجُلِ اِمْرَاَتَہٗ وَحَدِیْثُ الْمَرْاَۃِ زَوْجَہَا (وروی احمد والترمذی عن اسماء بنت یزید مثلہ)

(۵۷۲) حضرت ام کلثومؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کذاب وہ نہیں جو لوگوں میں صلح جوئی کے ارادہ سے کوئی کلمۂ خیر زبان سے کہدے اور کسی کو کسی دوسرے شخص کی طرف سے کوئی بھلی بات پہنچا دے۔ (متفق علیہ)

مسلم میں اتنا مضمون اور ہے کہ حضرت ام کلثومؓ فرماتی ہیں جو باتیں لوگوں کے درمیان جھوٹ شمار ہوتی ہیں ان میں سے صرف تین موقعہ پر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے اجازت سنی ہے۔ جنگ میں۔ لوگوں کے درمیان صلح جوئی کے لئے۔ اور تیسرے شوہر کا اپنی بی بی اور بی بی کا اپنے شوہر کی رضا مندی کے لئے۔ (مسند احمد)

(۵۷۲) صریح جھوٹ بولنے کی اجازت تو مشکل ہے کہ کہیں ثابت ہو البتہ کسی اہم مصلحت کے لئے ایسی ذو معنیین بات کہدینے کی اجازت ہے جس پر بظاہر جھوٹ کا گمان ہو سکے مگر اصلی مراد کے لحاظ سے وہ صحیح ہو اس کا نام توریہ ہے۔ پس توریہ کذب نہیں وہ صدق ہی کی ایک کذب نما صورت ہے مسلم کی روایت میں مما یقول الناس انہ کذب" کے لفظ میں غالباً اسی طرف اشارہ ہے۔ ایسے کلمات کے استعمال کی اجازت بھی عام طور پر نہیں بلکہ اس میں بھی صرف تین مقامات کا استثنار کیا گیا ہے۔ جنگ کی حالت میں (اس کی تفصیل جنگ کے بیان میں آئے گی) اور دوسرے دو مقام ایسے ہیں جن میں صاف گوئی موجب فتنہ ہو۔ اسی لئے مشہور ہے :۔

دروغ مصلحت آمیز بہ از راستی فتنہ انگیز

شافعیہ کے نزدیک یہاں کچھ زیادہ وسعت ہے۔ شیخ محی الدین نووی ؒ نے امام غزالی ؒ سے نقل کیا ہے کہ اگر کسی اچھے مقصد کے لئے صدق و کذب کے دونوں راستے ہوں تو ظاہر ہے کہ اب کذب بلا حاجت ہوگا اس لئے یہاں جھوٹ بولنا حرام ہے لیکن اگر اس کے حصول کی جھوٹ کے سوا کوئی صورت نہیں تو دیکھنا چاہئے کہ وہ مقصد مباح ہے یا واجب۔ اگر مباح ہے تو جھوٹ بھی مباح رہے گا ورنہ واجب ہو جائے گا مثلاً ایک مسلمان کسی ظالم سے بچ کر کہیں چھپا ہوا ہے تو واجب ہے کہ اس کو اس ظالم سے بچانے کے لئے جھوٹ بولدیا جائے یہ اس وقت ہے جبکہ توریۃ سے کام نہ چلے ورنہ احتیاط اسی میں ہے کہ توریہ کرلے۔ مختصر کتاب الاذکار ص ۱۳۹) ابن قتیبہ نے کتاب مختلف الحدیث میں اس کی خوب تفصیل کی ہے۔ دیکھو ص ۴۲)

(۵۷۳) عَنْ سُفْیَانَ بْنِ اَسِیدِ الْحَضْرَمِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ کَبُرَتْ خِیَانَۃً اَنْ تُحَدِّثَ اَخَاکَ حَدِیْثًا ھُوَ لَکَ بِہٖ مُصَدِّقٌ وَاَنْتَ بِہٖ کَاذِبٌ۔ (رواہ ابوداؤد وسکت علیہ قال النووی وفی اسنادہ ضعف)۔

## ان فی المعاریض لمندوحۃ عن الکذب

(۵۷۴) عَنْ سُوَیْدِ بْنِ حَنْظَلَۃَ قَالَ خَرَجْنَا نُرِیْدُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَمَعَنَا وَائِلُ بْنُ حُجْرٍ فَاَخَذَہٗ عَدُوٌّ لَہٗ فَتَحَرَّجَ الْقَوْمُ اَنْ یَّحْلِفُوْا وَحَلَفْتُ اَنَّہٗ اَخِیْ فَخَلّٰی سَبِیْلَہٗ

---

(۵۷۳) سفیان بن اسید بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ یہ بھی ایک بڑی خیانت کی بات ہے کہ تم اپنے بھائی سے اس طرح کی ذومعنیین باتیں بناؤ کہ وہ تو تم کو سچا سمجھ رہا ہو اور تم اس سے جھوٹ بول رہے ہو۔ (ابوداؤد)

## مجبوری میں توریہ کرلینا جھوٹ سے بچنے کا ایک صحیح طریقہ ہے

(۵۷۴) سوید بن حنظلہ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضری کے ارادہ سے نکلے ہمارے ہمراہ وائل بن حجر بھی تھے (راستہ میں) ان کو ان کے کسی دشمن نے پکڑ لیا اور لوگوں نے تو قسم کھانے میں

---

(۵۷۳) نوویؒ فرماتے ہیں کہ توریہ یہ ہے کہ تم ایسا لفظ بولو جو ایک معنی میں ظاہر ہو مگر تم اس کے دوسرے ایسے معنے مراد لو جو اگرچہ اس لفظ سے مفہوم تو ہوں مگر اس کے ظاہر معنی کے خلاف ہوں چونکہ یہ بھی ایک قسم کا دھوکا ہے اس لئے حاجت کے بغیر یہ بھی ممنوع ہے۔ تفصیل یہ ہے کہ اگر توریہ کا مقصد کسی کا حق تلف کرنا ہو جب تو یہ حرام ہوگا ورنہ پھر بھی بے جا بات ہے اس لئے مکروہ رہے گا اور اگر کسی صحیح مقصد کے لئے ہو تو جائز ہوگا۔ (کتاب الاذکار ص ۱۶۷)

ابن قتیبہؒ نے توریہ کی چند مثالیں سلف کے درمیان بھی پیش کی ہیں قابل مراجعت ہیں اور حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا قصہ بھی اسی فہرست میں شمار کیا ہے۔ (دیکھو ازص ۴۴ تا ۴۷)

یہ بات یاد رکھنی چاہئے کہ مبالغہ اگرچہ فی نفسہٖ کذب میں شمار نہیں مگر جب بے محل اور اپنی حد سے تجاوز کر جائے تو وہ بھی کذب کی تعریف میں آسکتا ہے مثلاً آپ نے کسی شخص کو صرف ایک بار بلایا ہو اور آپ اس سے یہ کہیں کہ ہم نے تجھے سینکڑوں بار بلایا۔ مگر تو نہیں آیا اب یہاں سینکڑوں بار کا لفظ اگرچہ بطریق مبالغہ ہی استعمال کیا گیا ہے مگر اس موقعہ پر یہ کذب شمار ہوگا۔ اس کو مبالغہ نہیں کہتے۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ اس قسم کے کذب میں عام ابتلاء ہے لہٰذا اس سے بھی احتراز لازم ہے۔ (دیکھو کتاب الاذکار ص ۱۶۷)

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

فَاَتَیْنَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرْتُہٗ اَنَّ الْقَوْمَ تَحَرَّجُوْا اَنْ یَّحْلِفُوْا وَحَلَفْتُ اَنَّہٗ اَخِیْ فَقَالَ صَدَقْتَ الْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یَخْذُلُہٗ وَلَا یُسْلِمُہٗ۔ (رواہ ابوداؤد واخرجہ احمد الشیخان وعن ابن عمر۔

(۵۷۵) عَنْ اَنَسِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ اشْتَکٰی ابْنٌ لِاَبِیْ طَلْحَۃَ قَالَ فَمَاتَ وَاَبُوْطَلْحَۃَ خَارِجٌ فَلَمَّا رَاَتْ اِمْرَاَتُہٗ اَنَّہٗ قَدْ مَاتَ ھَیَّأَتْ شَیْئًا وَنَحَّتْہُ فِیْ جَانِبِ الْبَیْتِ فَلَمَّا جَاءَ اَبُوْطَلْحَۃَ

---

کچھ تامل سا کیا مگر میں نے قسم کھا کر کہہ دیا کہ یہ میرا بھائی ہے اس نے میری وجہ سے ان کو چھوڑ دیا جب ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے تو میں نے عرض کیا کہ ان لوگوں نے تو قسم کھانے میں گناہ محسوس کیا مگر میں نے تو قسم کھالی کہ یہ میرے بھائی ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے سچ تو کہا ایک مسلمان دوسرے مسلمان کا بھائی ہی ہوتا ہے نہ اس کی حق تلفی کرتا ہے، نہ بروقت اس کی مدد کرنے سے پیچھے ہٹتا ہے اور نہ اس کو کسی مصیبت میں گرفتار کرسکتا ہے۔ (ابوداؤد)

(۵۷۵) انس بن مالکؓ بیان فرماتے ہیں کہ ابوطلحہ کا ایک بچہ بیمار ہوا اور اس کا انتقال ہوگیا اس وقت یہ کہیں باہر گئے ہوئے تھے۔ ان کی بی بی نے جب دیکھا کہ اس کا انتقال ہوگیا ہے تو اس کو نہلا دھلا کر مکان کے

---

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کذب بھی ایک قسم کی خیانت ہے۔ خیانت صرف ہاتھ کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ انسانی تمام اعضا کی صفت ہوسکتی ہے۔ ہاتھ کی خیانت ناجائز مال حاصل کرنا، زبان کی خیانت واقعہ کے خلاف بات زبان سے نکالنا اور آنکھ کی خیانت خلاف شرع نظر اٹھانا ہے۔ آیہ یعلم خائنۃ الاعین میں آنکھ کی اسی خیانت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔ ایمان جب قلب میں سرایت کرجاتا ہے تو ہر رگ رگ میں امانت سماجاتی ہے اور عضو عضو سے خیانت نکل جاتی ہے۔ جب تک مومن کی رگ رگ میں اس طرح امانت سرایت نہیں کرتی وہ پورا مومن نہیں کہلاتا اسی لئے حدیث میں ہے۔ لا ایمان لمن لا امانۃ لہ۔

(۵۷۴) ایک موقعہ پر حضرت ابراہیم خلیل اللہ کی زبان مبارک سے بھی حضرت سارہ کے حق میں انہا اختی کا کلمۂ حق نکلا تھا وہ بھی ایک ظالم بادشاہ سے اپنی تحفظ ناموس وآبرو کی خاطر تھا اور بلاشبہ سچا تھا لیکن جب کسی کو اس قسم کے نازک مواقع پر کوئی صحیح لیت ولعل نہ آتی ہو تو وہ بیچارہ اپنے دامن تقدس کو سنبھالنے کے سوا اور کر ہی کیا سکتا تھا انصاف کیجئے کہ مذکورہ بالا واقعہ میں اگر اخوت اسلامی کی بنا پر یہ قسم کھانے والا شخص نہ نکل آتا تو کیا ایک صحابی کا خون ناحق نہ بہادیا گیا ہوتا، اسی لئے مفسدہ اور مصلحت کا علم نہایت اہم اور نازک ہے دینداریوں تو منہ کے بل پڑجائے تو نہ معلوم وہ کتنے ناحق خون کرادے اور بے دین سمجھدار کے ہاتھ آجائے تو مصلحت کے پردوں میں نہ معلوم وہ کتنے احکام اسلامیہ کی بساط الٹ دے۔

یہاں امام بخاریؒ نے بھی باب فی المعاریض لمندوحۃ عن الکذب رکھ کر اسی تحقیق کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اس کے تحت میں حسب ذیل واقعہ نقل کیا ہے۔ ابن قتیبہ نے تاویل مختلف الحدیث میں اس کی بہت سی امثلہ ذکر فرمائی ہیں دیکھو از ص ۲۶۲ تا ۲۴۷)

(۵۷۵) صحیح مسلم میں اس واقعہ کی اتنی تفصیل اور مذکور ہے کہ جب صبح ہوئی تو ان کی بی بی نے پوچھا۔ ابوطلحہ بتاؤ

قَالَ كَيْفَ الْغُلَامُ قَالَ هَدَأَ نَفْسُهُ وَأَرْجُوْ أَنْ يَكُوْنَ قَدِ اسْتَرَاحَ وَظَنَّ أَبُوْ طَلْحَةَ أَنَّهَا صَادِقَةٌ قَالَ فَبَاتَ فَلَمَّا أَصْبَحَ اغْتَسَلَ فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يَخْرُجَ أَعْلَمَتْهُ أَنَّهُ قَدْ مَاتَ فَصَلَّى مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ أَخْبَرَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا كَانَ مِنْهُمَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَعَلَّ اللّٰهَ أَنْ يُبَارِكَ لَهُمَا فِيْ لَيْلَتِهِمَا قَالَ سُفْيَانُ فَقَالَ رَجُلٌ مِنَ الْأَنْصَارِ فَرَأَيْتُ تِسْعَةَ أَوْلَادٍ كُلُّهُمْ قَدْ قَرَؤُوا الْقُرْآنَ۔ (رواہ البخاری)

(۵۷۶) عَنْ أَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَمْ يَكْذِبْ إِبْرَاهِيْمُ إِلَّا ثَلَاثَ كَذَبَاتٍ ثِنْتَيْنِ مِنْهُ فِيْ ذَاتِ اللّٰهِ قَوْلُهُ إِنِّيْ سَقِيْمٌ وَقَوْلُهُ بَلْ فَعَلَهُ كَبِيْرُهُمْ هٰذَا. وَقَالَ

---

ایک گوشہ میں رکھدیا۔ (شب میں) جب ابو طلحہ آئے تو انھوں نے پوچھا بچہ کی طبیعت کیسی ہے؟ یہ بولیں وہ خاموش ہو گیا ہے اور میرا خیال ہے کہ اب اسے بالکل آرام ہوگا۔ ابو طلحہ نے اپنی فہم کے مطابق یہ خیال کیا کہ بچہ صحتیاب ہو گیا ہوگا۔ (حالانکہ ان کا مقصد کچھ اور تھا) اور مطمئن ہو کر اپنی بی بی کے ساتھ ہمبستری کی جب صبح ہوئی تو غسل فرمایا جب باہر جانے لگے تو بی بی نے صاف بات کہدی کہ اس کا انتقال ہو گیا ہے انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ نماز ادا کی اس کے بعد ان کی بی بی کے واقعہ کی آپ کو اطلاع ہوئی آپ نے فرمایا کہ (اس کی حسن نیت) کی بدولت اس شب میں جو حمل اس کے استقرار پا گیا ہے امید ہے کہ اس میں بڑی برکت ہو۔ سفیان راوی حدیث کہتا ہے کہ ایک انصاری شخص نے بیان کیا کہ میں نے ان کی نو اولاد دیکھی ہیں سب کی سب حافظ تھیں۔ (بخاری شریف)

(۵۷۶) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے اپنی تمام عمر میں صرف تین مقامات پر توریہ سے کام لیا ہے جن میں دو تو خدا تعالیٰ ہی کی راہ میں ہیں۔ ایک اُن کا

---

اگر کسی نے کسی کے پاس اپنی کوئی چیز بطور عاریۃ رکھی ہو پھر وہ اسے مانگے تو کیا اس شخص کو اس کے روکنے کا کوئی حق ہے انھوں نے کہا نہیں وہ بولیں تو پھر اپنے بچہ پر صبر کرو (وہ بھی خدا کی امانت تھی اس نے لے لی ہے) اس پر انھیں غصہ آیا اور فرمایا مجھے یہ پہلے کیوں نہ بتایا تھا کہ اس غم کے حال میں میں ہمبستری نہ کرتا۔ اس حدیث سے عرب کے سلیقہ کا پتہ چلتا ہے کہ اس مہذب عورت نے شب میں دفعۃً ایسے اضطراب انگیز حادثہ کی خبر دینا بھی نامناسب سمجھی اور جھوٹ بولنا بھی گوارا نہ کیا اس لئے ایک ایسا ذومعنی فقرہ کہدیا جو اپنی جگہ درست بھی تھا اور اس کے شوہر کے لئے اس میں کسی اور معنے سمجھنے کی گنجائش بھی نہ تھی۔

(۵۷۶) حضرت ابراہیم علیہ السلام کے زمانہ میں کواکب پرستی کا زور تھا ایک دن ان کی قوم نے عید منانے کے لئے باہر جانے کا ارادہ کیا اور چاہا کہ ان کو بھی اپنے ہمراہ لیتے جائیں انھوں نے پہلے سے اپنے دل میں بتوں کے خلاف ایک اسکیم تیار کر رکھی تھی جب چلتے وقت انھوں نے اصرار کیا تو انھوں نے ان کے دستور کے مطابق پہلے تو ذرا آسمان

بَيْنَا هُوَ ذَاتَ يَوْمٍ وَسَارَةُ إِذْ أَتَى عَلَى جَبَّارٍ مِنَ الْجَبَابِرَةِ فَقِيلَ لَهُ إِنَّ هٰهُنَا رَجُلًا مَعَهُ امْرَأَةٌ مِنْ أَحْسَنِ النَّاسِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهِ فَسَأَلَهُ مَنْ هٰذِهِ قَالَ أُخْتِي فَأَتَى سَارَةَ فَقَالَ لَهَا إِنَّ هٰذَا الْجَبَّارَ إِنْ يَعْلَمْ أَنَّكِ امْرَأَتِي يَغْلِبْنِي عَلَيْكِ فَإِنْ سَأَلَكِ فَأَخْبِرِيهِ أَنَّكِ أُخْتِي فِي الْإِسْلَامِ لَيْسَ عَلَى وَجْهِ الْأَرْضِ مُؤْمِنٌ غَيْرِي وَغَيْرُكِ فَأَرْسَلَ إِلَيْهَا فَأُتِيَ بِهَا قَامَ إِبْرَاهِيمُ يُصَلِّي فَلَمَّا دَخَلَتْ عَلَيْهِ ذَهَبَ يَتَنَاوَلُهَا بِيَدِهِ فَأُخِذَ وَيُرْوَى فَغُطَّ حَتَّى رَكَضَ بِرِجْلِهِ فَقَالَ ادْعِي اللّٰهَ لِي وَلَا أَضُرُّكِ فَدَعَتِ اللّٰهَ فَأُطْلِقَ ثُمَّ تَنَاوَلَهَا الثَّانِيَةَ فَأُخِذَ مِثْلَهَا أَوْ أَشَدَّ فَقَالَ ادْعِي اللّٰهَ لِي وَلَا أَضُرُّكِ فَدَعَتِ اللّٰهَ فَأُطْلِقَ فَدَعَا بَعْضَ حَجَبَتِهِ فَقَالَ

قول انی سقیم (میں بیمار پڑنے والا ہوں) دوسرا بل فعلہ کبیرھم (یہ کام اس نے کیا ہے جو ان میں بڑا ہے) اور تیسرا اس وقت جبکہ وہ ایک دن سفر کر رہے تھے اور ان کی بی بی سارۃ ان کے ہمراہ تھیں راستہ میں ان کا ایک ظالم بادشاہ کے ملک سے گذر ہوا اس بادشاہ سے کسی نے ذکر کیا کہ آپ کی قلمرو میں ایک شخص آیا ہوا ہے، اس کے ساتھ اس کی بی بی ہے اور وہ بڑی حسینہ ہے۔ یہ سن کر اس نے حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے پاس اپنا آدمی بھیجا اس نے پوچھا تمہارے ساتھ یہ کون ہیں انھوں نے فرمادیا میری بہن۔ اس کے بعد حضرت سارۃ کے پاس تشریف لائے اور فرمایا اگر یہاں کے بادشاہ کو یہ علم ہوگیا کہ تم میری بی بی ہو تو وہ تم کو مجھ سے زبردستی چھین لے گا لہٰذا اگر وہ تم سے پوچھے تو کہدینا کہ تم میری (اسلامی) بہن ہو کیونکہ اس خطہ زمین پر میرے اور تمہارے سوا اس وقت کوئی اور مومن نہیں ہے بادشاہ نے حضرت سارۃ کو بلا بھیجا وہ حاضر کردی گئیں ادھر حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز کے لئے کھڑے ہوگئے جب وہ اس کے سامنے پیش کی گئیں تو اس بدبخت نے بدنیتی سے ان کی طرف اپنا ہاتھ بڑھایا فوراً اس کا گلہ پکڑا گیا اور ایک روایت میں ہے کہ گھٹ گیا یہانتک کہ وہ اپنے پیر پٹخنے لگا اور کہنے لگا میرے واسطے دعا کریں تجھے کچھ نہ ستاؤں گا۔ حضرت سارۃ نے دعا فرمائی فوراً وہ درست ہوگیا

کی طرف نظر اٹھا کر دیکھا گویا انہیں بھی علم نجوم میں بڑا دخل تھا ادھر ادھر دیکھکر فرمایا کہ "انی سقیم" میں تو بیمار پڑنے والا ہوں۔ اب بھلا ایسا انسان کون سا ہے جو کبھی بیمار نہ پڑے۔ بات تو بالکل صاف اور سچی تھی لیکن وہ یہ سمجھے کہ انھوں نے یہ بات ستاروں کو دیکھکر کہی ہے جب وہ چلے گئے تو ان کے پیچھے انھوں نے بتوں کو توڑ تاڑ برابر کیا واپس آکر جب انھوں نے یہ ماجرا دیکھا تو اس وقت ان کے سوا وہاں اور کوئی نہ تھا اس لئے ان ہی سے اس کا سبب دریافت کیا۔ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے بڑی سادگی سے فرمایا کہ یہ کام تو اس کا معلوم ہوتا ہے جو ان سب میں بڑا ہے۔ یہ بات بھی بالکل صاف تھی کہ میرا ہے اور ظاہر ہے کہ انسان کو پتھر پر یوں بھی قدرتی بزرگی حاصل ہے مگر ایسا لفظ استعمال فرمایا جس کے یہ معنی بھی ہوسکتے تھے کہ یہ سب سے بڑے بت کا کام ہے اس سے پوچھ دیکھو اس طریقہ سے ان کو قائل کرنا منظور تھا کہ جو بت

إِنَّكَ لَمْ تَأْتِنِيْ بِإِنْسَانٍ إِنَّمَا أَتَيْتَنِيْ بِشَيْطَانٍ فَأَخْدَمَهَا هَاجَرَ فَأَتَتْهُ وَهُوَ قَائِمٌ يُصَلِّيْ فَأَوْمَأَ بِيَدِهٖ مَهْيَمْ قَالَتْ رَدَّ اللّٰهُ كَيْدَ الْكَافِرِ فِيْ نَحْرِهٖ فَأَخْدَمَ هَاجَرَ قَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ تِلْكَ أُمُّكُمْ يَا بَنِيْ مَاءِ السَّمَاءِ۔ (متفق علیہ)

بدبخت نے پھر ہاتھ بڑھایا اور پہلے کی طرح پھر اس کا گلا گھٹنے لگا بلکہ اس سے بھی زیادہ سخت۔ وہ پھر چیخا میرے لئے دعا کریں تجھے کچھ نہ کہوں گا۔ حضرت سارہ نے دعا فرمائی فوراً وہ درست ہوگیا۔ اس کے بعد اس نے اپنے ایک دربان کو بلا کر کہا تو تو میرے پاس کوئی انسان نہیں لایا کسی بلا کو لے آیا ہے اور رخصت کے وقت حضرت سارہؑ کی خدمت میں حضرت ہاجرہ کو پیش کیا۔ جب سارہ آئیں تو حضرت ابراہیم علیہ السلام نماز میں مشغول تھے اشارے سے پوچھا کہو کیا حال رہا انھوں نے عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اس کی بدنیتی کا نتیجہ اس کو دکھا دیا اور اس نے ہاجرہ کو بطور نذر پیش کیا ہے۔ ابوہریرہؓ فرماتے ہیں اے (پانی پر بسر کرنے والے) عرب یہ تمہیں تمہاری ماں۔ (متفق علیہ)

نہ اپنے آپ کو بچا سکیں اور نہ دوسرے کی مدد کو پہنچ سکیں اور نہ ایک حرف بول سکیں ان کی عبادت کتنی کتنی نامعقول بات ہے یہ دو واقعہ تو وہ تھے جو خالص اللہ تعالیٰ کی راہ میں پیش آئے۔ تیسرا واقعہ بھی خالص دینی ہی معاملہ تھا۔ عصمت ایک شرعی حق ہے اور اس کا بچانا بھی شرعی فرض ہے لیکن اس کا ایک گونہ تعلق خود انسان کے ساتھ بھی تھا۔ یہ تینوں واقعات دینی اور دنیوی نظر سے جتنے اہم تھے اس کے لحاظ سے حضرت ابراہیم علیہ السلام نے ان کے لئے جو توریہ کے الفاظ استعمال فرمائے وہ تو ہی ثنا کے قابل تھے مگر اس کو کیا کیا جائے کہ ابراہیم علیہ السلام کی بلند نظر میں یہ توریہ بھی ایک جھوٹ نظر آیا اور وہ اس کی بھی اتنے نادم ہوں کہ مارے شرم کے محشر میں نظریں اونچی نہ کر سکیں اور جب اہل محشر ان کی خدمت میں شفاعت کے لئے حاضر ہوں تو وہ یہ عذر کردیں کہ مجھ سے دنیا میں تین جھوٹ سرزد ہو چکے ہیں آج بھلا میں اس قابل کہاں۔ بہرحال جب اس پیکر حق و صداقت کی نظروں میں اس توریہ کو کذب سمجھا گیا تو ان کے سب سے لائق فرزند رسول جناب محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ضروری ہوا کہ وہ دنیا میں تشریف لا کر اپنے والد بزرگوار کی اس عظمت کو ظاہر کردیں کہ جن کو وہ روز محشر کذب تصور فرمائیں گے اول تو وہ خالص اللہ تعالیٰ کی راہ میں تھے پھر ان کی حقیقت بھی اتنی تھی اس لئے حدیث میں اس توریہ کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کے لفظوں میں کذب ہی سے تعبیر کیا گیا ہے۔ بعض علماء کو یہ مشکل پیش آگئی ہے کہ جب ان کی حقیقت صرف توریہ تھی تو پھر حدیث میں ان پر کذب کا اطلاق کیوں ہوا۔ اور ذرا سے اس عقلی شبہ کی بنیاد پر انھوں نے ایک متفق علیہ حدیث کا انکار کردیا ہے۔ یہ طریقہ صحیح نہیں ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ چونکہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے خود اپنے شان کے نامناسب سمجھ کر اپنے حق میں ان کو کذب شمار کیا تھا تو حدیث میں بھی اس نقطہ کو ملحوظ رکھا گیا ہے تاکہ صفائی جرم سے قبل فرد جرم معلوم ہو جائے اس کے بعد یہ واضح کردیا جائے کہ جن واقعات کی حقیقت صرف ایک مستحسن توریہ ہو وہ بھی بانی ملت حنیفہ کی نظر میں کتنی اہمیت اختیار کر گئے تھے حتی کہ محشر میں بھی ان کی نظریں نیچی تھیں ان کے علاوہ انبیاء علیہم السلام میں سے جس جس نے بھی اپنی تقصیرات کا ذکر کرکے شفاعت سے انکار کیا ہی کیا وہ سب اسی درجہ کی تقصیرات تھیں کہ اگر ان حضرات کے سوا کسی اور بشر سے سرزد ہوتیں تو وہ ان کو اپنے حسنات کے دفتر میں ایک زرخندہ حسنہ شمار کرتا اس سے زیادہ تفصیل کی یہاں گنجائش نہیں ہے۔ والعاقل تکفیہ الاشارہ۔

(۵۷۷) عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ قُرَادٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ تَوَضَّأَ یَوْمًا فَجَعَلَ اَصْحَابُہٗ یَتَمَسَّحُوْنَ بِوَضُوْئِہٖ فَقَالَ لَھُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یَحْمِلُکُمْ عَلٰی ھٰذَا قَالُوْا حُبُّ اللّٰہِ وَرَسُوْلِہٖ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ سَرَّہٗ اَنْ یُّحِبَّ اللّٰہَ وَرَسُوْلَہٗ اَوْ یُحِبَّہُ اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ فَلْیَصْدُقْ حَدِیْثَہٗ اِذَا حَدَّثَ وَلْیُؤَدِّ اَمَانَتَہٗ اِذَا اؤْتُمِنَ وَلْیُحْسِنْ جِوَارَ مَنْ جَاوَرَہٗ۔ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

(۵۷۸) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَفٰی بِالْمَرْءِ کَذِبًا اَنْ یُّحَدِّثَ بِکُلِّ مَا سَمِعَ۔ (رواہ مسلم)

(۵۷۹) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ اِنَّ الشَّیْطَانَ لَیَتَمَثَّلُ فِیْ صُوْرَۃِ الرَّجُلِ فَیَأْتِی الْقَوْمَ

---

(۵۷۷) عبدالرحمٰن بن قراد بیان کرتے ہیں کہ ایک روز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے وضو فرمایا تو صحابہ کرام آپ کے وضو کا پانی لے لیکر اپنے جسموں پر ملنے لگے، آپ نے پوچھا تم یہ حرکت کیوں کر رہے ہو؟ انھوں نے عرض کیا صرف خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کی محبت کے جذبہ میں اس پر آپ نے فرمایا۔ اچھا تو جس کو یہ بات اچھی معلوم ہو کہ وہ ٹھیک ٹھیک خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول سے محبت کرے یا یہ کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول خود اس سے محبت کرنے لگیں تو اسے چاہئے کہ جب بات کیا کرے تو سچی بات کیا کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس کو پورا پورا ادا کیا کرے اور جو شخص بھی اس کا پڑوس اختیار کرے یہ اس کے ساتھ اچھا ہی معاملہ کیا کرے۔ (شعب الایمان)

(۵۷۸) ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا آدمی کے جھوٹ بولنے کے لئے اتنی سی بات کافی ہے کہ وہ جو سن پائے اسی کو (قبل تحقیق) دوسروں سے نقل کردے۔ (مسلم)

(۵۷۹) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (بعض مرتبہ) شیطان لوگوں کے

---

(۵۷۷) حدیث بالا میں محبوب رب العالمین نے مجذوبین راہ محبت کو سالک بننے کی تعلیم دی ہے اور فرمایا ہے کہ تمہارا یہ جذبۂ محبت بیشک بہت مبارک ہے مگر راہ محبت صرف جذب سے طے نہیں ہوگی۔ اس کے لئے سلوک بھی درکار ہے وہ چند پاکیزہ صفات اختیار کرنے سے ہوگی جن میں سب سے پہلی صفت صدق اور راست گوئی ہے۔ دوسری صفت امانتداری اور تیسری خدائے تعالیٰ کے بندوں کے ساتھ ہمدردی ہے اس صفت میں سب سے زیادہ نمایاں یہ ہے کہ جو شخص بھی تمہاری دیوار کے سایہ کے نیچے آجائے وہ کسی تفریق کے بغیر تمہاری ہمدردیوں کا مرکز بن جائے۔ ان تین صفتوں کے بالمقابل جو صفتیں ہیں وہ مومن کی نہیں منافق کی صفتیں ہیں جیسا کہ نفاق کے باب میں آئندہ آپ کے ملاحظہ سے گذرے گا۔

(۵۷۹) حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ اول تو ہر بات میں اور خاصکر حدیث رسول سننے میں بڑی احتیاط لازم ہے۔ جو شخص

فَيُحَدِّثُهُمْ بِالْحَدِيْثِ مِنَ الْكَذِبِ فَيَتَفَرَّقُوْنَ فَيَقُوْلُ الرَّجُلُ مِنْهُمْ سَمِعْتُ رَجُلًا اَعْرِفُ وَجْهَهُ وَلَا اَدْرِیْ مَا اسْمُهُ يُحَدِّثُ۔ (رواہ مسلم)

(۵۸۰) عَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ لِاَبِیْ عَبْدِ اللّٰهِ اَوْ قَالَ اَبُوْ عَبْدِ اللّٰهِ لِاَبِیْ مَسْعُوْدٍ مَا سَمِعْتَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ فِیْ زَعَمُوْا قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ بِئْسَ مَطِيَّةُ الرَّجُلِ۔ (رواہ ابوداؤد قال ان اباعبد اللہ حذیفۃ)

## الکف عن الفتك

(۵۸۱) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْاِيْمَانُ قَيْدُ الْفَتْكِ

---

سامنے ایک آدمی کی شکل بنا کر آتا ہے اوران سے ایک جھوٹی بات کہہ دیتا ہے جب وہ اس مجلس سے اِدہر اُدھر جاتے ہیں تو ان میں کا کوئی شخص کہتا ہے کہ (آج) میں نے ایک آدمی کو یہ بات کہتے خود سنا تھا جس کو میں شناخت تو کر سکتا ہوں مگر اس کا نام نہیں جانتا کیا تھا۔ (مسلم)

(۵۸۰) ابومسعودؓ اور حذیفہؓ نے باہم ایک گفتگو میں یہ سوال کیا۔ (راوی کو شک ہے کہ یہ سوال کس نے کیا، ابومسعودؓ نے حذیفہ سے یا حذیفہ نے ابومسعودؓ سے) کہ آپ نے کلمہ زعموا (لوگوں کا گمان ہے) کے متعلق رسول اللہؐ سے کیا سنا ہے انھوں نے جواب دیا کہ یہ کلمہ بے تحقیق باتوں کے چلتا کرنے کا بہت بُرا ذریعہ ہے۔ (ابوداؤد)

## اچانک قتل کرنے سے بچنا

(۵۸۱) ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ایمان بے تحقیق اور اچانک قتل کرنے میں

---

حدیث بیان کرنے سے پہلے اس کے متعلق پوری تحقیق کرلینی چاہئے وہ کون سی سچا ہے یا جھوٹا ہے بے تحقیق بات کو چلتا کر دینا بے وجہ اشاعت کذب کا موجب ہوتا ہے۔ اب رہا شیطان کا تمثل تو جو لوگ عالم ارواح کی کیفیات کا کچھ علم رکھتے ہیں ان کے نزدیک یہ بدیہیات میں سے ہے اور جو اس کے اب تک منکر ہیں ان سے یہاں خطاب لاحاصل ہے۔

(۵۸۰) ابن قتیبہ نے مختلف الحدیث میں اور امام طحاوی نے مشکل الآثار میں اس روایت پر طویل کلام کیا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ جب تک کسی بات کا خود یقین نہ ہو جائے اس وقت تک صرف اپنی گردن کو دروغگوئی سے رہا کرنے کے لئے اس کو لوگوں کی طرف نسبت کرکے بیان کر دینا کافی نہیں۔ شریعت کی نظر میں یہ بھی قابلِ مواخذہ ہے۔ اس سے اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ کذب اور اشاعت کذب کی شرعاً کتنی اہمیت ہے۔

(۵۸۱) قتل کرنا کوئی کار ثواب نہیں اور اچانک قتل کر ڈالنا جس میں گناہ و بے گناہ کی کوئی تحقیق نہ ہو اور ایمان و کفر

لَا یَفْتِكُ مُؤْمِنٌ (رواہ ابوداؤد)

## لایفرک مؤمن مؤمنۃ

(۵۸۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ کَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِیَ مِنْهَا اٰخَرَ۔ (رواہ مسلم)

---

مومن کے ہاتھوں کی ہتھکڑی بن جاتا ہے۔ مومن کبھی اچانک قتل کر سکتا ہی نہیں۔ (ابوداؤد)

## مومن مرد کا مومنہ بی بی سے بغض نہ رکھنا

(۵۸۲) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مرد مومن کی یہ شان نہیں کہ وہ اپنی مومنہ بی بی سے بغض رکھے اگر اس کی ایک عادت اسے ناپسند ہوگی تو دوسری پسندیدہ بھی ہوگی۔ (مسلم)

---

کی کوئی تیزی ہو یہ تو انتہائی درندگی اور بدترین قسم کی معصیت ہے۔ مومن قتل کے معاملہ میں کبھی جری نہیں ہوتا بعض مرتبہ حالتِ جنگ میں اس کا دل بے اختیار چاہتا ہے کہ وہ اپنے کافر دشمن کا سر اڑا دے اگرچہ وہ ایکہزار بار بھی کلمۂ اسلام پڑھتا رہے لیکن اس کا ایمان آکر اس کے ہاتھوں کی قید بن جاتا ہے۔ وہ قتل کرنا چاہے بھی تو وہ ان کو جنبش کرنے نہیں دیتا۔ جب حالتِ جنگ میں اس کی تلوار اتنی مقید ہے تو عام حالات میں بھلا وہ کہاں بیباک ہو سکتی ہے صحابہ کرام کے جنگی کارنامے پڑھو تو تم کو معلوم ہوگا کہ جہادوں میں جو تلواریں نیام سے نکلنے کے بعد نیام میں جانے نہیں کبھی تھیں جب مسلمانوں میں باہمی جنگ شروع ہوگئی تو وہی تلواریں نکالنے سے بھی باہر نہ نکلتی تھیں اگر کافر و مسلمان اس ایک حدیث کو بغور پڑھ لیتے تو اسلام کی طرف جوابدہی کے لئے یہی ایک حدیث کافی ہو جاتی۔

(۵۸۲) حسن معاشرت شریعت میں ایک بہت بڑا باب ہے اور اس میں میاں بی بی کی معاشرت کو خاص طور پر اہمیت حاصل ہے حتی کہ اس کی تحسین و تکمیل کو شریعت نے انسان کے ایمانی کمال کا معیار قرار دیدیا ہے گویا اس سے تغافل برتنا مومن کی شان ہی نہیں ہو سکتی اور اس کی تسلی کے لئے یہ موثر اور مختصر اصول بتادیا ہے کہ ایک انسان میں اگر کچھ خوبیاں بھی ہوں تو اس کی برائیاں قابل چشم پوشی ہونی چاہئیں۔ یہی مقتضائے انصاف ہے۔ ایسا کون ہوگا جس میں کوئی برائی نہ ہو۔ پس ایک شوہر کے لئے یہ امر قابلِ تسلی ہونا چاہئے کہ اس کی بی بی میں کچھ خوبیاں بھی تو ہیں مگر یہ واضح رہے کہ یہ حسن معاشرت اسی حد تک ہے جب تک بی بی مومنہ کا مصداق ہے اگر وہ اس لقب سے نکل کر فاسقہ یا فاجرہ بن چکی ہے تو اس کے احکام اب دوسرے ہیں۔

## لا يروع مسلماً لاعباً او جاداً

(۵۸۳) عن عبد الرحمن بن ابی لیلی عن رجال من الصحابة ان الصحابة کانوا یسیرون مع النبی صلی الله علیه وسلم فقام رجل منهم فانطلق بعضهم الی حبل معه فاخذه ففزع فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم لا یحل لمسلم ان یروع مسلماً۔ (اخرجه الامام احمد وابوداؤد والطبرانی قال الدین العراقی حدیث حسن ورمز السیوطی لصحته)

(۵۸۴) عن الواقدی قال اول مشهد شهده زید بن ثابت مع رسول الله صلی الله علیه وسلم الخندق وهو ابن خمس عشرة سنة وکان ممن ینقل التراب یومئذ مع المسلمین وغلبته عیناه یومئذ فرقد فجاء عمارة بن حزم فاخذ سلاحه وهو لا یشعر فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم من له علم بسلاح هذا الغلام فقال عمارة بن حزم یا رسول الله انا اخذته فرده فنهی رسول الله صلی الله علیه وسلم ان یروع المؤمن او ان یؤخذ متاعه لاعباً ولا جاداً۔ (اخرجه ابن عساکر)

## کسی مسلمان کو ہنسی مذاق میں بھی پریشان نہ کرنا

(۵۸۳) عبد الرحمٰن بن ابی لیلی متعدد صحابہ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ کے صحابہ ایک مرتبہ آپ کے ساتھ شب کے وقت سفر کر رہے تھے (جب کسی مقام پر قافلہ ٹھہرا) تو ان میں ایک شخص اٹھا اور دوسرے شخص کی رسی جو وہ اپنے ساتھ لیکر (سو رہا) تھا اٹھالی اور اس طرح (مذاق میں) اس کو پریشان کیا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا مسلمان کے لئے یہ بات حلال نہیں ہے کہ وہ کسی مسلمان کو (ہنسی مذاق میں بھی) پریشان کرے۔ (احمد، ابوداؤد)

(۵۸۴) واقدی بیان کرتے ہیں کہ سب سے پہلا غزوہ جس میں زید بن ثابت شریک ہوئے۔ غزوۂ خندق تھا اس وقت ان کی عمر صرف پندرہ سال کی تھی۔ عام مسلمانوں کے ساتھ یہ بھی (خندق کھودنے اور) مٹی ڈھونے کی خدمت انجام دے رہے تھے اتفاقاً انھیں نیند آگئی اور یہ سو رہے۔ کہیں عمارہ بن حزم (ادھر) آنکلے اور ان کی بے خبری میں (چپکے سے) ان کے ہتھیار لے لئے۔ (جب وہ بیدار ہوئے تو آپ کی خدمت میں آکر ماجرا بیان کیا) آپ نے پوچھا اس نوجوان کے ہتھیاروں کی کسی کو خبر ہے؟ اس پر عمارہ بن حزم بولے یا رسول اللہ جی ہاں، میں نے لئے ہیں اور فوراً ان کو واپس کر دیئے۔ اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس بات کی ممانعت فرما دی کہ (آئندہ) کسی مومن کو ڈرایا جائے اور ہنسی میں یا واقعی طور پر کسی کا کوئی سامان لیا جائے۔ (ابن عساکر)

# حقوق المسلم

(۵۸۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اُنْصُرْ اَخَاكَ ظَالِمًا اَوْ مَظْلُوْمًا فَقَالَ رَجُلٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَنْصُرُهٗ مَظْلُوْمًا فَکَیْفَ اَنْصُرُهٗ ظَالِمًا قَالَ تَمْنَعُهٗ مِنَ الظُّلْمِ فَذٰلِكَ نَصْرُكَ اِیَّاهُ۔ (متفق علیه)

(۵۸۶) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَحَدَکُمْ مِرْاٰةُ اَخِیْهِ فَاِنْ رَاٰی بِهٖ اَذًی فَلْیُمِطْ عَنْهُ رواه الترمذی وضعّفه وفی روایة له ولابی داؤد اَلْمُؤْمِنُ مِرْاٰةُ الْمُؤْمِنِ وَالْمُؤْمِنُ اَخُو الْمُؤْمِنِ یَکُفُّ عَنْهُ ضَیْعَتَهٗ وَیَحُوْطُهٗ مِنْ وَّرَائِهٖ۔

## مسلمانوں کے حقوق

(۵۸۵) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے مسلمان بھائی کی ہر حال میں مدد کیا کرو۔ خواہ وہ ظالم ہو یا مظلوم۔ ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہؐ مظلوم ہونے کی حالت میں تو میں اس کی مدد کرتا ہوں، ظالم ہونے کی صورت میں اس کی کیسے مدد کروں۔ آپ نے فرمایا اس طرح کہ اس کو ظلم کرنے سے روکو، کیونکہ ظالم کو ظلم کرنے سے روک دینا بس یہی اس کی مدد کرنی ہے۔ (متفق علیہ)

(۵۸۶) ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں ہر شخص اپنے بھائی مسلمان کے لئے آئینہ کی مثل ہونا چاہئے پس اگر وہ اس میں کوئی عیب کی بات دیکھے تو اس کو چاہئے کہ اس کا ازالہ کرے (ترمذی) ابوداؤد میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ ایک مومن دوسرے مومن کا آئینہ ہوتا ہے اور مومن مومن کا بھائی ہوتا ہے جو بات اس کے نقصان کی ہو وہ اس کو روکتا ہے اور اس کی غیبت میں اس کی نگرانی کیا کرتا ہے۔ (ابوداؤد)

(۵۸۶) بعض علماء نے اسی حدیث کا مضمون حسب ذیل اشعار میں بصورت نظم یوں ادا کیا ہے۔

صدیقی مراٰۃ امیط بها الاذی     وعضبٌ حسامٌ ان منعت حقوقی

میرے لئے میرا دوست آئینہ کی طرح ہے جسے دیکھ کر میں اپنی بدنمائی کی اصلاح کر لیتا ہوں اور ایک تیز تلوار کی طرح ہے جبکہ کوئی شخص میرے حقوق ادا کرنے سے انکار کرے۔

وان ضاق امرٌ او المّت ملمّةٌ     لجأت الیه دون کل شقیق

اگر کوئی کڑا وقت آجائے یا مصیبت درپیش ہو تو میں اپنے حقیقی بھائی کو چھوڑ کر اس کی پناہ لیتا ہوں۔

خلاصہ کلام یہ ہے کہ جس طرح آئینہ انسان کے عیوب دکھا کر اس کی اصلاح کا موجب ہوتا ہے اسی طرح ایک مسلمان کو اپنے بھائی مسلمان کے لئے ہونا چاہئے۔

(۵۸۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یُسْلِمُہٗ وَمَنْ کَانَ فِیْ حَاجَۃِ اَخِیْہِ کَانَ اللّٰہُ فِیْ حَاجَتِہٖ وَمَنْ فَرَّجَ عَنْ مُسْلِمٍ کُرْبَۃً فَرَّجَ اللّٰہُ عَنْہُ کُرْبَۃً مِّنْ کُرُبَاتِ یَوْمِ الْقِیَامَۃِ وَمَنْ سَتَرَ مُسْلِمًا سَتَرَہُ اللّٰہُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (متفق علیہ)

(۵۸۸) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَحِلُّ لِمُؤْمِنٍ اَنْ یَّھْجُرَ مُؤْمِنًا فَوْقَ ثَلٰثٍ فَاِنْ مَرَّتْ بِہٖ ثَلَاثٌ فَلْیَلْقَہٗ فَلْیُسَلِّمْ عَلَیْہِ فَاِنْ رَدَّ عَلَیْہِ السَّلَامَ فَقَدِ اشْتَرَکَا فِی الْاَجْرِ وَاِنْ لَّمْ یَرُدَّ عَلَیْہِ فَقَدْ بَاءَ بِالْاِثْمِ وَخَرَجَ الْمُسْلِمُ مِنَ الْھِجْرَۃِ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۵۸۹) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِلْمُسْلِمِ عَلَی الْمُسْلِمِ سِتُّ خِصَالٍ یَعُوْدُہٗ اِذَا مَرِضَ وَیَشْھَدُہٗ اِذَا مَاتَ وَیُجِیْبُہٗ اِذَا دَعَاہُ وَیُسَلِّمُ عَلَیْہِ اِذَا لَقِیَہٗ وَیُشَمِّتُہٗ اِذَا عَطَسَ وَیَنْصَحُ لَہٗ اِذَا غَابَ اَوْ شَھِدَ۔ (ذکرہ صاحب المشکوۃ بروایۃ النسائی)

(۵۸۷) ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ نہ ایک دوسرے پر ظلم کرتا ہے نہ اس کو کسی مصیبت میں ڈال سکتا ہے۔ جو اپنے کسی بھائی کی حاجت روائی کی فکر میں رہتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی حاجت روائی کرتا رہتا ہے اور جو کسی مسلمان کی کوئی مشکل آسان کر دیتا ہے اللہ تعالیٰ قیامت کی مشکلات میں اس کی مشکل آسان کر دیتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان کی پردہ پوشی کر لیتا ہے اللہ تعالیٰ بھی آخرت کے دن اس کی پردہ پوشی فرما لیتا ہے۔ (متفق علیہ)

(۵۸۸) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کو یہ اجازت نہیں کہ وہ تین دن سے زیادہ اپنے مومن بھائی سے بات چیت کرنا بند کرے اگر اس درمیان میں اس کو ملاقات کی نوبت نہ آئے تو اسے چاہیئے کہ قصداً اس سے ملاقات کرے اور اس کو سلام کرے اب اگر وہ اس کے سلام کا جواب دیدے تو دونوں ثواب میں شریک ہو گئے ورنہ تو گناہ اسی کے سر رہے گا اور سلام کرنے والا گناہ سے بری الذمہ ہو جائے گا۔ (ابوداؤد)

(۵۸۹) ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مسلمان کے دوسرے مسلمان پر چھ حق واجب ہیں بیمار ہو تو اس کی عیادت کرے، مرجائے تو اس کے جنازہ میں شرکت کرے، اگر بلائے تو اس کے یہاں چلا جائے، ملاقات ہو تو اس کو سلام کرے، چھینکے اور الحمد للہ کہے تو اس کے جواب میں یرحمک اللہ کہے اور حاضر و غائب یکساں اسکی خیر خواہی کرتا ہے۔ (نسائی)

(۵۸۷) حدیث میں جزاء من جنس العمل کا ایک بہت بڑا وسیع باب ہے یہ حدیث بھی اسی باب کی ایک جزئی ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ عمل اور اس کی جزاء میں صورۃً بھی تناسب کی رعایت رکھی جاتی ہے۔ جیسا انسان عمل کرتا ہے اس کی جزاء بھی اسی عمل کے مناسب اس کو دیجاتی ہے۔

# توقیر المسلم

(۵۹۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ لَمْ يَرْحَمْ صَغِيْرَنَا وَلَمْ يُوَقِّرْ كَبِيْرَنَا وَيَأْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَيَنْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ رواه الترمذی وقال هذا حدیث غریب)

(۵۹۱) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَكْرَمَ شَابٌّ شَيْخًا مِنْ أَجْلِ سِنِّهٖ إِلَّا قَيَّضَ اللّٰهُ لَهٗ عِنْدَ سِنِّهٖ مَنْ يُكْرِمُهٗ. (رواه الترمذی)

(۵۹۲) عَنْ أَبِيْ مُوْسٰى قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّ مِنْ إِجْلَالِ اللّٰهِ إِكْرَامُ ذِي الشَّيْبَةِ الْمُسْلِمِ وَحَامِلِ الْقُرْاٰنِ غَيْرِ الْغَالِيْ فِيْهِ وَلَا الْجَافِيْ عَنْهُ وَإِكْرَامُ

## مسلمانوں کا اکرام

(۵۹۰) ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنے چھوٹوں پر رحم نہ کھائے، بڑوں کی تعظیم نہ کرے اور امر بالمعروف اور نہی عن المنکر نہ کرے وہ ہمارے مشرب کا انسان نہیں۔ (ترمذی)

(۵۹۱) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی نوجوان کسی بوڑھے شخص کی صرف اس کے بڑھاپے کی خاطر تعظیم نہیں کرتا، مگر اللہ تعالیٰ اس کے لئے بھی ایسا شخص مقدر فرما دیتا ہے جو اس کی ضعیفی میں اس کی تعظیم کرتا ہے۔ (ترمذی)

(۵۹۲) ابو موسیٰؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی مسلمان کی تعظیم کرنا اور ایسے حافظ قرآن کی جو اس میں افراط و تفریط سے کام نہ لے۔ یہ درحقیقت اللہ تعالیٰ ہی کی تعظیم کرنے میں شامل ہے

(۵۹۰) اسلام میں چھوٹے کا حق شفقت اور بڑے کا تعظیم مقرر کیا گیا ہے۔ امر بالمعروف اور نہی عن المنکر تو ملکہ عام اسلامی حق ہے اس میں چھوٹے بڑے کی قید نہیں صرف اسلامی شرکت کافی ہے۔

(۵۹۲) وہ حافظ جو قرآن شریف کے بارے میں اور وہ بادشاہ جو عدل و انصاف میں راہ اعتدال پر قائم ہو خدا تعالیٰ کی صفت کلام اور اس کی صفت عدل کے خاص مظہر ہوتے ہیں۔ اسی طرح وہ مسلمان جو خدا تعالیٰ کی فرمانبرداری میں بوڑھا ہو گیا ہے وہ بھی اللہ تعالیٰ کی رحمت کا خاص مورد ہوتا ہے۔ اس لئے ان تینوں کا اکرام حقیقت میں اللہ تعالیٰ ہی کے اکرام کرنے میں شامل ہے لیکن مشکل یہ ہے کہ بندہ براہ راست خدا تعالیٰ کا اکرام کرنے میں تو فطرۃً پس و پیش نہیں کرتا شیطان کو بھی حق تعالیٰ کو سجدہ کرنے سے کوئی انحراف نہ تھا ہاں اس کو کچھ تامل ہوتا ہے تو اپنے ہم جنس کے اکرام میں ہوتا ہے۔ اس لیے اس اسلوب بیان میں اس کی فطرت کو اپنے ہم جنس کے اکرام کرنے پر اس طرح ابھارا گیا ہے کہ اس اکرام کو بھی اللہ تعالیٰ ہی کے اکرام میں شمار کرے کیونکہ حافظ کے اکرام میں خدا کے کلام کا اکرام اور منصف بادشاہ کے اکرام میں خدا تعالیٰ

السُّلْطَانِ الْمُقْسِطِ۔ (رواہ ابوداؤد والبیہقی فی شعب الایمان)

(۵۹۳) عَنْ اُسَامَۃَ بْنِ شَرِیْکٍ قَالَ خَرَجْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ حَاجًّا فَکَانَ النَّاسُ یَأْتُوْنَہٗ فَمِنْ قَائِلٍ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ سَعَیْتُ قَبْلَ اَنْ اَطُوْفَ اَوْ اَخَّرْتُ شَیْئًا اَوْ قَدَّمْتُ شَیْئًا فَکَانَ یَقُوْلُ لَا حَرَجَ اِلَّا عَلٰی رَجُلٍ اِقْتَرَضَ عِرْضَ رَجُلٍ مُسْلِمٍ وَھُوَ ظَالِمٌ فَذٰلِکَ الَّذِیْ حَرِجَ وَھَلَکَ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۵۹۴) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَلْمُسْلِمُ اَخُو الْمُسْلِمِ لَا یَظْلِمُہٗ وَلَا یَخْذُلُہٗ وَلَا یَحْقِرُہٗ۔ اَلتَّقْوٰی ھٰھُنَا وَیُشِیْرُ اِلٰی صَدْرِہٖ ثَلٰثَ مِرَارٍ بِحَسْبِ اِمْرِءٍ

---

اسی طرح اس بادشاہ کی تعظیم کرنا بھی جو منصف ہو۔ (ابوداؤد۔ بیہقی)

(۵۹۳) اسامہ بن شریک بیان کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حج کے لئے آیا تھا میں نے کیا دیکھا کہ لوگ آپ کی خدمت میں حاضر ہو رہے ہیں پھر کوئی تو یہ پوچھ رہا ہے کہ میں نے طواف سے پہلے سعی کرلی ہے یا فلاں کام پہلے کرلیا فلاں بعد میں کرلیا ہے (تو اب مجھے کیا کرنا چاہئے) آپ نے سب کے جواب میں یہی فرمایا کہ اس میں بھی کوئی حرج نہیں۔ اس میں بھی کچھ حرج نہیں۔ حرج تو بس اس میں ہے کہ ظلم کی راہ سے اپنے ایک مسلمان بھائی کی آبروریزی کرے یہ ہے وہ شخص جو حرج میں پڑگیا اور ہلاک ہوگیا۔ (بخاری شریف)

(۵۹۴) ابوہریرہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان مسلمان سب بھائی بھائی ہیں۔ ایک مسلمان دوسرے مسلمان پر نہ ظلم کرسکتا ہے نہ بروقت اس کی امداد سے دست کش ہوسکتا ہے اور نہ اس کی تحقیر کرسکتا ہے اس کے بعد آپ نے سینہ کی طرف تین بار اشارہ کرکے فرمایا کہ تقویٰ صرف ظاہری افعال میں منحصر نہیں) اصل تقویٰ یہاں ہے (اس لئے دل کا حال بھی دیکھنا چاہئے) برائی کے لئے بس اتنی ہی

---

خلیفہ عدل کا اکرام ہے ــــــ رہا بوڑھا مسلمان تو اس میں ایک خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور نیت کی گنجائش ہی نہیں یہ تعلیم بڑی ایک بڑی گہری حکمت لئے ہوئے ہے جس قوم کے عادل بادشاہ اور اس کے دین کے حاملین اور اس کے کمزور مکرم و معزز رہ کر زندگی بسر کریں گے۔ وہ قوم کبھی دنیا میں ذلت کی زندگی بسر نہیں کرسکتی۔ ذلت کی ابتدا ان ہی تین گوشوں سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان کی نظر میں ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اور کچھ نہیں رہتا اس لیے جو حرکت بھی کوئی کسی کے لئے کرتا ہے اسی کا نام مرتبہ احسان ہے۔

(۵۹۴) یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہئے کہ خدا تعالیٰ کی نظر میں عزت و احترام صرف ایک اللہ اور اس کے رسول یا پھر مسلمان کا حق ہے اس کی جان ہی کا نہیں بلکہ اس کی آبرو اور اس کے مال کا بھی جو شخص اس کے خلاف ایک قدم بھی اٹھاتا ہے وہ معمولی مجرم نہیں بلکہ ایک شرعی نصب العین کا مخالف ہے حتی کہ ترمذی اور نسائی کی ایک حدیث میں ہے

مِنَ الشَّرِّ اَنْ يَّحْقِرَ اَخَاهُ الْمُسْلِمَ كُلُّ الْمُسْلِمِ عَلَى الْمُسْلِمِ حَرَامٌ دَمُهٗ وَمَالُهٗ وَعِرْضُهٗ (رواہ مسلم)

(۵۹۵) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ فِى الْمَسْجِدِ قَاعِدًا فَتَزَحْزَحَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ الرَّجُلُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فِى الْمَكَانِ سَعَةً فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ لِلْمُسْلِمِ لَحَقًّا اِذَا رَاٰهُ اَخُوْهُ اَنْ يَّتَزَحْزَحَ لَهٗ۔ (

---

بات بہت کافی ہے کہ اپنے کسی مسلمان بھائی کو ذلیل اور حقیر سمجھ (بطور رکھو) کہ ہر مسلمان پورا کا پورا قابل احترام ہوتا ہے اس کی جان بھی، اس کا مال بھی اور اس کی آبرو بھی۔ (مسلم)

(۵۹۵) واثلہ بن الخطاب روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا آپ اس وقت مسجد میں تشریف فرما تھے آپ نے اس کے احترام میں اپنی جگہ سے کچھ حرکت کی وہ بولا یا رسول (آپ تکلیف نہ فرمائیے) صف میں کافی گنجائش ہے۔ آپ نے فرمایا (میرا حرکت کرنا جگہ کی تنگی کی وجہ سے نہیں) بلکہ مسلمان کے لئے یہ ضروری ہے کہ جب کوئی مسلمان بھائی اس کے پاس آئے تو اس کے احترام میں وہ تھوڑی سی حرکت کر جائے۔ (بیہقی)

---

کہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک مسلمان کی جان اتنی قیمتی ہے کہ اس کے مقابلہ میں تمام دنیا کا فنا ہو جانا بھی معمولی بات ہے۔ ابو سعید خدری اور ابو ہریرہؓ کی حدیث سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے۔ یہ ایک احمقانہ خیال ہے کہ اسلام پستی و ذلت کی تعلیم دیتا ہے۔ یہاں نرمی و تواضع اور تکبر و ذلت کے مابین فرق نہیں کیا گیا۔ اب اگر کسی فرقہ کے طرزِ عمل سے تم کو یہ شبہ ہو گیا ہے تو اس کی ذمہ داری اسلام پر نہیں اس پر ہے اور اگر عزت کے مفہوم سمجھنے میں تم ہی نے غلطی کھائی ہے تو پھر اس کی ذمہ داری تم پر ہوگی۔ عزت وہ نہیں جو دنیا کی کسی برآوردہ قوم کی نظروں میں عزت شمار ہو جائے بلکہ دراصل عزت وہ صحیح اخلاق و ملکات ہیں جو انسان کی علمی و عملی قوت کے ثمرات ہو سکتے ہیں ان ہی سے انسان کے ظاہر و باطن کو عزت حاصل ہو سکتی ہے اور یہی اسلام کی نظر میں بھی عزت کا موجب ہیں صرف کسی متغلب قوم کے آداب و معاشرت اختیار کر لینے کا نام عزت نہیں ہے۔ سوچو کہ قومی سربلندی کے لئے اس سے بڑھ کر سبق اور کیا ہو سکتا ہے کہ تحقیر مسلم کو مذہب کی سب سے سخت دفعہ قرار دیدیا جائے۔ حقیقت یہ ہے کہ جس قوم میں باہم ایک دوسرے کی عزت کرنے کی عادت نہیں ہوتی وہ دوسروں کی نظروں میں کبھی معزز نہیں ہو سکتی اس لئے اسلام یہ تاکید کرتا ہے کہ تم باہم ایک دوسرے کی عزت کرنا اپنا اولین فرض سمجھو تاکہ خود بخود دنیا کی نظروں میں معزز بن جاؤ۔ رہبانیت کا دور ختم ہوا، یہ دین محمدی کا دور ہے اب تم میں حاکمیت اور عزت کے جذبات پیدا ہو جانے چاہئیں۔ خود با عزت بنو اور دنیا کو عزت کی زندگی بسر کرنے کی دعوت دو تاکہ دنیا کی خلقت کا مقصد پورا ہو اور خدا کی دی ہوئی عزت سے تمام جہان معزز بن جائے۔

(۵۹۵) انبیاء علیہم السلام کا طریق تعلیم سب عملی ہوتا ہے صرف زبانی نہیں ہوتا خلاصہ یہ کہ اکرام مسلم اسلام کی سب سے اہم تعلیم ہے، اب بادشاہ ہو یا عالم، والد ہو یا مولود، بھائی بھائی اور اجنبی سے اجنبی کے ساتھ اکرام کے طور و طریق کیا ہیں اس کیلئے مفصل ابواب کو دیکھنا چاہئے۔

(۵۹۶) عَنْ سَعِیْدِ بْنِ زَیْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ مِنْ اَرْبَی الرِّبٰوا الْاِسْتِطَالَۃَ فِیْ عِرْضِ الْمُسْلِمِ بِغَیْرِ حَقٍّ۔ (رواہ ابوداؤد والبیہقی فی شعب الایمان)

(۵۹۷) عَنْ خَالِدِ بْنِ مَعْدَانَ عَنْ مُعَاذٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ عَیَّرَ اَخَاہُ بِذَنْبٍ لَمْ یَمُتْ حَتّٰی یَعْمَلَہٗ یَعْنِیْ مِنْ ذَنْبٍ قَدْ تَابَ مِنْہُ رواہ الترمذی و قال ھذا حدیث غریب ولیس اسنادہ بمتصل لان خالدا لم یدرک معاذ بن جبل)

(۵۹۸) عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ حَمٰی مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ بَعَثَ اللّٰہُ مَلَکًا یَحْمِیْ لَحْمَہٗ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ مِنْ نَارِ جَہَنَّمَ وَمَنْ رَمٰی مُسْلِمًا

---

(۵۹۶) سعید بن زید روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (ایک سود تو تم جانتے ہی ہو لیکن) سب سے بدتر سود مسلمان کی عزت برباد کرنے میں ناحق زبان چلانا ہے۔ (ابوداؤد، بیہقی)

(۵۹۷) خالد بن معدان معاذ سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے اپنے مسلمان بھائی کو کسی بری حرکت پر عار دلائی تو وہ اس وقت تک ہرگز نہیں مرے گا جب تک کہ اسی حرکت کو خود بھی نہ کرے۔ راوی اس کی تشریح کرتے ہوئے کہتا ہے کہ یہاں اس حرکت پر عار دلانا مراد ہے جسے وہ غلطی سے کر گزرا تھا اور اس پر اظہار ندامت اور توبہ بھی کر چکا تھا (توبہ کے بعد اب پھر عار دلانا اخوت اسلامی کے خلاف ہے)۔ (ترمذی)

(۵۹۸) معاذ بن انس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مؤمن کو کسی منافق کی نکتہ چینی سے بچا لیا اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کرے گا کہ وہ قیامت میں اس کے

---

(۵۹۶) اس اسلوب بیان میں ایک طرف مسلمان کے آبرو کی حفاظت کی ترغیب دینا تو ظاہر ہی ہے مضمون ہے دوسری طرف اس کی آبروریزی کو سود سے تشبیہ دے کر سود کی حرمت کو پورے طور پر ذہن نشین کرنا بھی ایک اہم مقصد ہے۔ گویا دین میں یہ ایسی قابل نفرت چیز ہے کہ جب کسی بات سے روکنا منظور ہو تو اس سے ممانعت کے لئے جو سب سے قابل نفرت مثال ہو سکتی ہے وہ سود کی ہے۔

(۵۹۷) حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں پر جب ندامت کے آثار ظاہر ہونے لگے تو حضرت یوسف علیہ السلام نے پیش قدمی کر کے فرمایا لا تثریب علیکم الیوم یغفر اللہ لنا ولکم۔ خدا مجھے اور تمہیں معاف کرے اب میں تمہیں ملامت کرنا نہیں چاہتا۔ اسی طرح آپ نے ارشاد فرمایا کہ جب غلام پر حد جاری کر دی جائے تو اس کے بعد (ولا یثرب) اب اس کو ملامت نہ کرو، اس حدیث کی شرح اور ہے جو بھی کی گئی ہے۔

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

بِشَیْءٍ یُرِیْدُ بِہٖ شَیْنَہٗ حَبَسَہُ اللّٰہُ عَلٰی جِسْرِ جَہَنَّمَ حَتّٰی یَخْرُجَ مِمَّا قَالَ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۵۹۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ صَعِدَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمِنْبَرَ فَنَادٰی بِصَوْتٍ رَفِیْعٍ فَقَالَ یَا مَعْشَرَ مَنْ اَسْلَمَ بِلِسَانِہٖ وَلَمْ یُفْضِ الْاِیْمَانُ اِلٰی قَلْبِہٖ لَا تُؤْذُوا الْمُسْلِمِیْنَ وَلَا تُعَیِّرُوْھُمْ وَلَا تَتَّبِعُوْا عَوْرَاتِہِمْ فَاِنَّہٗ مَنْ یَّتَّبِعْ عَوْرَۃَ اَخِیْہِ الْمُسْلِمِ یَتَّبِعِ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ وَمَنْ یَّتَّبِعِ اللّٰہُ عَوْرَتَہٗ یَفْضَحْہُ وَلَوْ فِیْ جَوْفِ رَحْلِہٖ۔ (رواہ الترمذی)

---

گوشت کو آتش دوزخ سے بچائے گا اور جس نے کسی مسلمان پر عیب لگانے کیلئے کوئی تہمت رکھی اللہ تعالیٰ اس کو جنت میں جانے نہیں دیگا اور پل صراط پر روکے رکھے گا جب تک کہ وہ اس کی سزا نہ بھگت لے۔ (ابوداؤد)

(۵۹۹) ابن عمر روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم منبر پر تشریف لائے اور بلند آواز سے فرمایا اے وہ جماعت جن کا اسلام صرف زبانوں پر ہے اور ابھی دلوں میں نہیں اترا (دیکھو) مسلمانوں کو تکلیف نہ دو، ان کو عار نہ دلاؤ، اور ان کے عیب جوئی کے درپے نہ ہو کیونکہ جو شخص اپنے بھائی کی عیب جوئی کے درپے ہوگا اللہ تعالیٰ اس کے عیوب کے درپے ہو جائے گا اور (یہ ظاہر ہے) کہ جس کی عیب جوئی کے خدا درپے ہوگا پھر (وہ کہاں چھپ سکتا ہے) وہ اس کو رسوا کر کے چھوڑیگا اگرچہ وہ اپنے گھر کے اندر گھس کر کیوں نہ بیٹھ رہے۔ (ترمذی)

---

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) خلاصہ یہ کہ توبہ کے بعد اس گناہ پر عار دلانے کا تمہیں کیا حق ہے جبکہ صاحب حق ہی اس سے درگذر کر چکا پھر نفسیاتی لحاظ سے اس کا اثر ایک مجرم کی نظر میں اس کے جرم کی اہمیت کو کم کرتا ہے اور اپنے حق میں بدخلقی کا ثبوت ہے شریعت چاہتی ہے کہ تم بار بار عار دلا کر اس کو بے غیرت نہ بناؤ اور جب مقصد حاصل ہو چکا تو اب اس فضول تذکرہ سے اپنی بداخلاقی کا ثبوت بھی نہ دو۔

(۵۹۸) احادیث سے ثابت ہے کہ پل صراط سے گذر کر جنت سے قبل ایک مختصر پل اور ہے اس پر کچھ لوگوں کو روک لیا جائے گا اور جو سزا اللہ تعالیٰ کے علم میں ان کے لئے مقدر ہے یہاں اس کو بھگتا کر جنت میں داخلہ کی اجازت دیجائیگی اہل جنت کو بھی باہم قلوب کی رنجشیں یہاں صاف کر لینی ہوں گی اسی لئے دنیا میں صاف سینہ رہنا بہت مفید ہے۔ باہمی عداوت کے نتیجہ میں جنت سے نکلنا ہوا تھا اسی عیب کو پھر ساتھ لیکر جانا کیسے ہو سکتا ہے۔ قلنا اھبطوا منھا جمیعا بعضکم لبعض عدو۔

(۵۹۹) انسان کمزوریوں کا مجموعہ ہے ایسا کون شخص ہے جس کے احوال کا تفقد کیا جائے تو اس میں کچھ نہ کوئی عیب اور خامی نہ نکل آئے اس لئے شریعت نے اس عادت ہی کو مذموم قرار دیا ہے پس اگر کسی شریف الطبع انسان سے کوئی لغزش ہو جائے تو اس سے چشم پوشی کر لینی چاہیے لیکن اگر کوئی بدطینت دن دہاڑے بےحیائی کا عادی ہو چکا ہے تو اس کے لئے سنت ستر نہیں ہے اس کے جرم سے چشم پوشی کرنا خود جرم ہے اس کا معاملہ حکومت تک پہنچا دینا چاہیئے تاکہ وہ اس کی مناسب پاداش کو پہنچ جائے۔ حدیث کے لفظ "اتباع عورت" اس طرف اشارہ کرتے ہیں کہ قابل مذمت بات یہ ہے کہ کسی کو رسوا کرنے کیلئے اس کے عیوب کے پیچھے لگ جانا کھلے ہوئے مجرم کا معاملہ بالکل جداگانہ ہے مجرم کسی رحم کا مستحق نہیں۔

(۶۰۰) عَنْ جَابِرٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنِ امْرِءٍ مُسْلِمٍ یَخْذُلُ امْرَءً مُسْلِمًا فِیْ مَوْضِعٍ یُنْتَھَکُ فِیْہِ حُرْمَتُہٗ وَیُنْتَقَصُ فِیْہِ مِنْ عِرْضِہٖ اِلَّا خَذَلَہُ اللّٰہُ تَعَالٰی فِیْ مَوْطِنٍ یُحِبُّ فِیْہِ نُصْرَتَہٗ وَمَا مِنِ امْرِءٍ مُسْلِمٍ یَنْصُرُ مُسْلِمًا فِیْ مَوْضِعٍ یُنْتَقَصُ مِنْ عِرْضِہٖ وَیُنْتَھَکُ فِیْہِ مِنْ حُرْمَتِہٖ اِلَّا نَصَرَہُ اللّٰہُ فِیْ مَوْطِنٍ یُحِبُّ فِیْہِ نُصْرَتَہٗ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۶۰۱) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَا مِنْ مُسْلِمٍ یَرُدُّ عَنْ عِرْضِ اَخِیْہِ اِلَّا کَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ اَنْ یَّرُدَّ عَنْہُ نَارَ جَھَنَّمَ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ ثُمَّ تَلَا ھٰذِہِ الْاٰیَۃَ وَکَانَ حَقًّا عَلَیْنَا نَصْرُ الْمُؤْمِنِیْنَ۔ (رواہ فی شرح السنہ)

---

(۶۰۰) جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو مسلمان کسی مسلمان کی امداد کرنے سے ایسے موقعہ پر بیٹھ جاتا ہے جہاں اس کی عزت کی دھجیاں اڑائی جارہی ہوں اور اس کی آبرو ریزی کی جارہی ہو تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے (تارک) مقام پر اس کی اعانت اور نصرت ترک کردیتا ہے جہاں یہ چاہتا ہو کہ کوئی شخص اس کی طرف سے جواب کے لئے کھڑا ہو جاتا۔ اور جو مسلمان کسی مسلمان کی مدد کرنے کے لئے ایسی جگہ کھڑا ہو جاتا ہے جہاں اس کی آبرو ریزی کی جارہی ہو اور اس کی مٹی خراب کی جارہی ہو تو اللہ تعالیٰ بھی ایسے مقام پر اس کی نصرت و مدد فرماتا ہے۔ جہاں یہ چاہتا ہو کہ کوئی اس کی نصرت و مدد کردیتا۔ (ابوداؤد)

(۶۰۱) ابوالدرداءؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو مسلمان کسی مسلمان بھائی کی آبرو کی حفاظت کے لئے جوابدہی کرتا ہے تو اللہ تعالیٰ پر یہ حق ہو جاتا ہے کہ قیامت کے دن وہ آتشِ دوزخ سے اس کی حفاظت کرے۔ اس کے بعد آپ نے یہ آیت تلاوت فرمائی۔ کہ مومنین کی مدد کرنا ہمارے ذمہ لازم ہے۔ (شرح السنہ)

---

(۶۰۱) ان جملہ حدیثوں سے ایک مسلمان کا دوسرے مسلمان پر سب سے بڑا حق یہی ثابت ہوتا ہے کہ وہ حاضر و غائب اس کی آبرو و عزت کا نگران بنا رہے جس دن سے مسلمانوں نے اس سبق کو فراموش کیا ہے ان کی حالت دن بدن زبوں ہوتی چلی جارہی ہے۔ اللہ تعالیٰ ہم کو تعلیماتِ اسلامی پر صحیح صحیح عمل پیرا ہونے کی توفیق ارزانی فرمائے۔

# الاشراك باللہِ تعالٰی واقسامہ

## شرک کی حقیقت اور اس کی اقسام

دین اسلام کے بدیہی مسلمات کو دل سے ماننا اور زبان سے ان کا اقرار کرنا ایمان ہے اور ان بدیہی مسلمات میں کسی ایک بات کے انکار کا نام کفر ہے پس ایمان کی صرف یہی ایک صورت ہے کہ دین کے تمام بدیہی مسلمات قلب وزبان سے مان لئے جائیں۔ اور کفر کی صورتیں بہت ہیں۔ لیکن دین کی بدیہیات میں سے اگر کسی ایک بات کا بھی انکار کر دیا جائے خواہ بقیہ سب کا اقرار موجود رہے تو بھی کفر عائد ہو جاتا ہے اس کی مثال ترازو کے دو پلڑوں کی سی ہے کہ ان کے اعتدال کی صرف ایک ہی صورت ہوتی ہے اور اختلاف کی بہت۔ عجب نہیں کہ عالم میں مومنوں کی قلت اور کافروں کی کثرت کا ایک راز یہ بھی ہو، ورنہ بظاہر عالم میں مومنوں کی تعداد کافروں سے زیادہ ہونی مناسب تھی۔ پھر علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ کفر صرف قول ہی کے ساتھ خاص نہیں بعض افعال بھی موجبِ کفر ہو سکتے ہیں۔ جو خاص خاص افعال انسان کے قلبی کفر کے صریح ترجمان سمجھے گئے ہیں ان کے صدور کے بعد زبانی انکار کی ضرورت نہیں بلکہ ان کا صدور ہی کفر کی مستقل دلیل ہے۔ اسی لئے ہمارے فقہاء ایسے افعال کے صدور سے بھی کفر کا حکم لگا دیتے ہیں۔ بعض افعال ایسے ہوتے ہیں جو قلبی کفر کی گو صریح دلیل تو نہیں ہوتے مگر وہ صریح کافروں کے افعال سمجھے جاتے ہیں۔ ایسے افعال پر فقیہ تو کفر کا حکم نہیں لگاتا مگر حدیث ان پر بھی کفر کا اطلاق کر دیتی ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ تمام احادیث کا اسلوب بیان صرف وہ نہیں جو ایک آئینی کتاب کا ہوتا ہے بلکہ ان میں اکثر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عام گفتگو کا مجموعہ بھی ہیں اس لئے ان کا اسلوب بیان بھی وہی ہے جو عام گفتگو کا ہوا کرتا ہے۔ اس میں ترغیب وترہیب کے موقعہ پر تمام شروط وقیود کا استیفاء نہیں ہوتا بلکہ ایسی تعبیرات اختیار کی جاتی ہیں جو متکلم کے مقصد پر عمل پیرا ہونے کے لئے زیادہ سے زیادہ محرک ہوں حضرت شاہ اسمٰعیلؒ نے انبیاء علیہم السلام کے اظہار دعوت کے ذیل میں جو کچھ لکھا ہے وہ بہت زیادہ قابلِ قدر تحقیق ہے۔ اس میں نبی کی طرز دعوت کی بڑی تفصیل کی ہے اور خوب سمجھایا ہے کہ ان کے کلام کا اسلوب بیان کیا ہوتا ہے اور اسی طرح اس کے سمجھنے کا اسلوب کیا ہونا چاہیے۔ (دیکھو منصب امامت ص ۳۰)

حدیث وقرآن میں کفر کا اطلاق کچھ لغت کے قریب قریب ہے۔ کفر لغت میں حق ناشناسی کو کہتے ہیں اس لئے جہاں جہاں حق شناسی کی زیادہ ضرورت ہے اگر وہاں اس فریضہ کی ادائیگی میں کوتاہی ہو جائے تو

حدیث ایسی حق ناشناسی کو کفر کہدیتی ہے۔ مثلاً ایک بی بی اگر اپنے شوہر کے احسانات کا حق نہیں پہچانتی تو وہ بھی بے شبہ بڑی حق ناشناسی کی مرتکب ہے اس لئے اس کو بھی حدیث میں کفر کہا گیا ہے اسی طرح ایک غلام اگر اپنے آقا سے منہ موڑ کر بھاگ جاتا ہے تو اس کی حق ناشناسی بھی کفر سے تعبیر کی گئی ہے اور سب سے بڑی حق ناشناسی یہ ہے کہ بندہ اپنے مولیٰ حقیقی سے منہ پھیر کر بھاگ جائے۔ بارش وہ برسائے یہ ستاروں کا شکر گذار ہو، تمام بزرگیوں اور عظمتوں کا مرکز تو اس کی ذات ہو اور یہ دوسروں کی جبہ سائی میں مستغرق ہو ان کی ناموں کی قسمیں اٹھائے اور ان کے ناموں کے جانور ذبح کرے۔ تمام نفع و نقصان کا مالک تو وہ ہو اور یہ مصیبتوں میں اس کی بنائی ہوئی مخلوق کو پکارے ان ہی سے مرادیں مانگے اور اپنی رغبت و رہبت کا اصل رشتہ ان ہی کے ساتھ قائم رکھے۔ اس قسم کی تمام باتیں حدیث و قرآن میں کفر کے ذیل میں آجاتی ہیں خواہ ان میں نیت کچھ رہے اس تحقیق کی بنا پر کفر کی بہت سی اقسام اسلام و ایمان کے ساتھ بھی جمع ہو سکتی ہیں۔ لیکن ہمارے فقہاء صرف اسی قسم کے کفر سے بحث کرتے ہیں جس سے ایک انسان ملت اسلام سے خارج ہو جاتا ہے اس لئے ان کے نزدیک اسلام اور کفر کی کوئی قسم قابل اجتماع نہیں۔

اس کے علاوہ حدیثوں میں ایسے افعال جو کافروں میں بہ نیت شرک و کفر کئے جاتے تھے مطلقاً کفر ہی کے افعال سمجھے گئے ہیں خواہ ان میں اس درجہ کی فاسد نیت نہ ہو جن افعال کا قالب اتنا خطرناک ہو کہ ان میں صریح کفر کی اتنی قریب استعداد موجود ہو کہ ذرا غفلت کرنے سے وہ کھلا کفر و شرک بن جائیں۔ شریعت ان میں منطقی تحلیل کرنی پسند نہیں کرتی بلکہ ان کو بھی کفر ہی کے ذیل میں شمار کر لیتی ہے۔ اس اختلاف نظر اور اختلاف اسلوب کی وجہ سے فقیہ مزاج اس قسم کی بہت سی حدیثوں میں تاویل کرتا نظر آتا ہے۔ ناواقف یہ دیکھ کر سمجھتا ہے کہ شاید یہاں درحقیقت مسئلہ کا کوئی اختلاف ہو گا، حالانکہ یہاں مسئلہ کا کوئی اختلاف نہیں ہوتا اپنے اپنے موضوع فن کے لحاظ سے صرف اختلاف نظر اور طریقۂ تعبیر کا اختلاف ہوتا ہے۔ مثلاً وہ محدث جو ایک ناشکری بی بی کی ناشکری پر کفر کا اطلاق کر دیتا ہے اگر آپ اس سے پوچھیں کہ کیا یہ عورت دائرۂ اسلام سے خارج ہو گئی تو اس کے جواب میں وہ آپ کو ٹھیک ایک فقیہ کے ہم آہنگ نظر آئے گا اور جواب نفی ہی میں دے گا۔ اسی طرح محدث کے نزدیک ایک مسلمان میں کفر کی باتیں پائی جا سکتی ہیں مگر اس کے باوجود اس کو کافر نہ کہا جائے گا بلکہ یوں کہا جائے گا کہ اس مسلمان میں یہ خصلت کفر کی ہے اسی طرح ایک کافر میں اسلام کے شعبے پائے جا سکتے ہیں مگر صرف ان شعبوں کی وجہ سے اس کو مسلمان نہ کہا جائے گا۔ ہاں یہ کہا جائے گا کہ اس کافر کے بہت سے کام اسلام کے ہیں۔ محدث کے نزدیک اسلام اور کفر علیحدہ علیحدہ عقائد اور اعمال کا ایک ایک مجموعہ ہیں۔ اس مجموعہ میں بہت سے اجزاء ہیں اور یہ اجزاء بیش و کم ہوتے رہتے ہیں بلکہ کبھی اسلام کے

اجزاء کافر میں اور کفر کے مسلمان میں بھی پائے جاتے ہیں مگر نہ صرف ان اجزاء کے ہونے سے ایک کافر مسلمان بنتا ہے اور نہ کوئی مسلمان کافر۔ ہاں ان کی یہ دو زندگیاں ضرور کافر یا مسلمان کی زندگیوں کے مشابہ بن جاتی ہیں۔ البتہ جب ان اجزاء میں اشتراک ہوتے ہوتے عقائد میں بھی اشتراک کی نوبت آجاتی ہے۔ تو اس مرحلہ پر پہنچکر اسلام وکفر کی سرحدیں پھٹ جاتی ہیں اب یا کافر ٹھیٹ مسلمان کہلانے لگتا ہے اور یا مسلمان پر صاف ارتداد کا حکم لگا دیا جاتا ہے۔ فقیہ کے زیر بحث کفر واسلام کا صرف وہی ایک نقطہ ہوتا ہے جس میں کفر واسلام کے مابین اشتراک کا کوئی احتمال نہیں ہوتا کیونکہ جس جزء کے لحاظ سے احکام دنیا میں فرق پیدا ہوتا ہے وہ یہی ایک نقطہ ہوتا ہے۔ بقیہ اجزاء اگر مسلمان یا کافر میں کم وبیش ہوتے رہیں تو ان سے احکام دنیا میں کوئی تفاوت نہیں پڑتا یعنی مسلمان پر اسلام کے اور کافر پر کفر ہی کے احکام چلتے رہتے ہیں۔ علاوہ ازیں محدث کی نظر میں صرف دنیوی احکام نہیں ہوتے وہ بارگاہ خداوندی کی پسندیدگی، ناپسندیدگی اور جنت کے مراتب پر بھی حاوی ہوتی ہے۔ اس لئے جن اجزاء سے اس بارے کوئی تفاوت پیدا ہو سکتا ہے وہ بھی دنیوی احکام کی طرح اس کے زاویہ نظر میں داخل رہتے ہیں۔

اس کی نظر میں مسلمان وکافر کی دو زندگیاں بالکل جداگانہ ہیں۔ عبادات ہی میں نہیں بلکہ باہم معاشرت کے ایک ایک جزء میں بھی۔ اس لئے وہ کبھی ایک مسلمان میں کافر کی زندگی کے مشابہت دیکھنا برداشت نہیں کر سکتا خواہ دنیوی احکام کے لحاظ سے اس کا حکم کچھ بھی رہے۔ اگر فقیہ بھی ان حدیثوں کو محدثانہ نقطۂ نظر سے دیکھے تو وہ بھی ان میں کبھی تاویل نہیں کرے گا اور اگر یہاں ایک محدث فقیہ کی جگہ آجائے تو وہ بھی وہی رنگ اختیار کرلے گا جو یہاں ایک فقیہ اختیار کرتا پس ان دونوں فرقوں مابین مسئلہ کا کوئی اختلاف نہیں، ان میں اختلاف صرف تعبیرات اور اپنے اپنے موضوع فن کا ہے۔

اس تحقیق کے بعد اب یہ غلط فہمی نہ رہنی چاہئے کہ فلاں کافر سے جبکہ بہت سے نیک کام سرزد ہوتے ہیں بلکہ بعض مرتبہ ایسے اچھے اچھے کام صادر ہوتے ہیں جو مسلمانوں سے بھی صادر نہیں ہوتے تو پھر ایسے انسان کو کافر کیسے کہا جا سکتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ جتنے اچھے کام ہیں بلاشبہ وہ اچھے ہی کام ہیں بلکہ ہو سکتا ہے کہ بعض مرتبہ وہ اسلام کے شعبے بھی ہوں مگر سوال یہ ہے کہ اسلام کے بنیادی عقائد کے بغیر کیا صرف ان شعبوں کے وجود سے کسی پر اسلام کا حکم لگایا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس بعض مسلمانوں میں کافروں سے بدتر زشت کاریاں نظر آتی ہیں مگر دیکھنا تو یہ ہے کہ کیا وہ مرحلہ بھی آگیا ہے جس کے بعد ایک شخص حریم اسلام سے حتمی طور پر باہر ہو جاتا ہے۔ اگر ایسا نہیں ہے تو ان تمام زشت کاریوں کے باوصف اس کو مسلمان ہی کہا جائے گا۔ اگرچہ اس کا یہ اسلام کتنا ہی ناقص ہو مگر اس کو ہرگز کافر نہیں کہا جا سکتا۔ یہ اختلاف نظر

تو وہ تھا جو علمی دائرہ میں داخل تھا۔ اس سے آگے چل کر اختلاف جذبات و مذاق کا نمبر آتا ہے۔ ایک دور وہ تھا جبکہ ہمارا اسلامی مذاق اتنا بلند تھا کہ حنظلہؓ جیسے صحابی کو اپنے نفس کے متعلق نفاق کا شبہ ہونے لگتا تھا اور ان کو اتنا مضطرب بنا دیتا تھا کہ اس کی شکایت دربارِ نبوت تک میں پیش کرنے کی نوبت آجاتی تھی اور ایک دورِ انحطاط یہ ہے جبکہ ہمارا اسلامی مذاق اتنا گر چکا ہے کہ اس میں عقائد کی کوئی بحث ہی باقی نہیں رہی ایک شخص کا معاملہ اللہ تعالیٰ کے ساتھ خواہ کتنا ہی گندا ہو، اس کی ذات و صفات سے وہ کتنا ہی جاہل ہو، رسول کے مقام رفیع سے وہ کتنا ہی ناواقف ہو، عالم غیب اور اس کے ایک ایک جزء کا وہ کتنا ہی منکر ہو اور اعمال شرعیہ کی ادائیگی میں وہ کتنا ہی مقصر ہو، نماز کے قریب نہ جاتا ہو، ساغرِ مے منہ سے جدا نہ کرتا ہو، مگر منصف ہو، ہمدرد ہو، متواضع ہو، ایثار پیشہ ہو اور نوعِ انسانی کا خادم کہلاتا ہو تو وہ ایک پکا مسلمان کہلا سکتا ہے بلکہ اس کا یہ اسلام ایک پکے مسلمان سے کہیں زیادہ ارفع و اعلیٰ سمجھا جا سکتا ہے۔ حضرت حذیفہؓ کی ایک صحیح حدیث میں اس دور کا نقشہ ان الفاظ میں کھینچا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| ویقال للرجل ما اعقله وما اظرفه وما اجلده وما فی قلبه حبة خردل من ایمان۔ | یعنی ایک زمانہ آئے گا جبکہ آدمی کی تعریف صرف اس پر ہوا کرے گی کہ وہ کتنا بڑا عاقل، کیسا خوش مزاج اور کتنا قوی و بہادر ہے لیکن اس کے دل میں ایک رائی کے دانہ کے برابر بھی ایمان کا پتہ نہ ہوگا۔ |

یہ اسی دورِ انحطاط۔۔۔ کی طرف اشارہ ہے اس لئے جو حدیثیں صحابہ کے ارفع و اعلیٰ مذاق پر آئی ہیں وہ بھی ہمارے دور میں قابل تاویل نظر آنے لگی ہیں ان کی تاویل کرنی بھی غلط ہے۔ اگر آج ہمارا مذاق پھر اتنا ہی بلند ہو جائے تو ہم بھی وہی تعبیرات اختیار کر لیں گے جو صحابہ نے کی تھیں۔ خلاصہ یہ کہ محدثین و فقہاء کے اختلاف نظر یا ہمارے اور سلف کے اختلاف مذاق کی وجہ سے جو حدیثیں زیر بحث آگئی ہیں ان میں اصل مقصد کا اختلاف نہیں ہے وہ سب ایک ہی اصول کے ماتحت ہیں۔ ان میں کسی قسم کا اختلاف سمجھنا خلافِ واقع ہے۔

یوں تو کفر کی ہر قسم انسانیت کے لئے سب سے بدنما داغ ہے لیکن اس کی جو قسم سب سے بدتر ہے وہ شرک ہے یعنی خدا تعالیٰ کی ذات، اس کی صفات، اس کی عبادت اور اس کی حدودِ عظمت میں کسی اور کو شریک بنا لینا قرآن و حدیث اس کا اعلان کرتے ہیں کہ قدرت نے ہر انسان کی فطرت شرک کی ہر قسم کی آلودگی سے پاک و صاف بنائی ہے اس کو اس قسم کی نجاستوں سے ملوث کرنے کا مجرم یا تو وہ خود ہے یا اس کے والدین ہیں۔ پروردگار عالم نے تخلیق عالم سے پہلے یہ طے کر دیا ہے کہ اس کی بارگاہ میں ہر کوتاہی و لغزش

قابلِ معافی ہو سکتی ہے مگر کفر و شرک کا جرم ہرگز قابلِ معافی نہیں ہوگا۔ اس کی سزا اس کو ضرور بھگتنی ہوگی اور خدائیتعالیٰ کی پاک جنت میں اس کے لئے کوئی جگہ نہ ہوگی۔

(۱) اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ وَیَغْفِرُ مَا دُوْنَ ذَالِکَ لِمَنْ یَّشَآءُ۔

اللہ تعالیٰ اس بات کو نہیں بخشیگا کہ اس کے ساتھ کسی کو شریک ٹھرایا جائے، ہاں اس کے سوا اور جس گناہ کو چاہیگا بخش دیگا۔

(۲) اِنَّہٗ مَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَقَدْ حَرَّمَ اللّٰہُ عَلَیْہِ الْجَنَّۃَ وَمَاْوٰہُ النَّارُ۔ (المائدہ)

بیشک جس نے اللہ تعالیٰ کا شریک ٹھیرایا سو اللہ تعالیٰ نے اس پر جنت حرام کی اور اس کا ٹھکانا دوزخ رہے گا اور صرف اتنا ہی نہیں بلکہ اس کے حق میں شفاعت کی اجازت بھی نہ ہوگی۔

قرآن کریم کہتا ہے کہ شرک خدائیتعالیٰ پر سب سے بڑا افترا، سب سے بڑھ کر بے دلیل بات اور نفسِ انسانی کے لئے ایک ابدی موت ہے جو روح قالبِ انسانی جیسے اشرف قالب میں بھی شرک کرنے سے نہیں شرمائی وہ اس قابل نہیں ہے کہ نفس عنصری سے آزادی کے بعد اس کو کوئی عروج میسر ہو۔ اب وہ ذلتوں کی تاریک گہرائیوں میں ہمیشہ ہمیشہ گرتی ہی چلی جائے گی۔ اسی لئے قرآنِ عزیز میں مشرک کی مثال ان الفاظ میں بیان فرمائی گئی ہے۔

وَمَنْ یُّشْرِکْ بِاللّٰہِ فَکَاَنَّمَا خَرَّ مِنَ السَّمَآءِ فَتَخْطَفُہُ الطَّیْرُ اَوْ تَھْوِیْ بِہِ الرِّیْحُ فِیْ مَکَانٍ سَحِیْقٍ۔

اور جس کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے تو اس کا حال ایسا ہے جیسا وہ آسمان پر سے گرا پھر یا تو اس کو پرندے اچک لیجائیں یا ہوا اس کو کسی دور جگہ لیجا کر ڈالدے۔

شرک انسانی فطرت سے سعادت کا تخم جڑ سے فنا کر دیتا ہے اور اس کی روحانی ترقی کی تمام استعدادیں باطل کر دیتا ہے شدہ شدہ اس کی فطرت کا یہ استعدادی فقدان اس کے حواس ظاہرہ کو بھی اتنا متاثر کر دیتا ہے کہ وہ پوری صحت و سلامتی کے باوجود اپنے فطری احساس سے بھی یکسر معری اور معطل ہو کر رہ جاتے ہیں اسی کو قرآن کریم نے یوں ادا فرمایا ہے۔

لَھُمْ قُلُوْبٌ لَّا یَفْقَھُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ اَعْیُنٌ لَّا یُبْصِرُوْنَ بِھَا وَلَھُمْ اٰذَانٌ لَّا یَسْمَعُوْنَ بِھَا اُولٰٓئِکَ کَالْاَنْعَامِ بَلْ ھُمْ اَضَلُّ۔

ان کے دل ہیں مگر وہ ان سے سمجھتے نہیں، ان کی آنکھیں ہیں مگر وہ ان سے دیکھتے نہیں اور ان کے کان ہیں مگر وہ ان سے سنتے نہیں۔ یہی لوگ چوپایوں کی طرح ہیں بلکہ ان سے بھی زیادہ بہکے ہوئے۔

چونکہ ان کے حواس ظاہرہ کا یہ تعطل ان کے قلبی استعداد کے فقدان سے شروع ہوتا ہے اسی لئے آیتِ بالا

میں سب سے پہلے ان کی قلبی موت اور قلبی بے حسی کو ذکر کیا گیا ہے۔ جب کسی کے ظاہری اور باطنی حواس اس طور پر معطل ہو جاتے ہیں تو اب اس سے عالم قدس کی طرف طیران کی کوئی توقع باقی نہیں رہتی اسی کو ختم اور قلبی مہر سے تعبیر کیا گیا ہے اسی حقیقت کو ذیل کی آیت میں ادا فرمایا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| صُمٌّ بُكْمٌ عُمْيٌ فَهُمْ لَا يَرْجِعُوْنَ۔ | وہ بہرے ہیں، گونگے ہیں، اور اندھے ہیں، سو وہ ہدایت کی طرف لوٹ نہیں سکتے۔ |

حضرت شاہ عبدالقادرؒ تحریر فرماتے ہیں اگر راہ گیر کے کان ہوں تو وہ کسی کے بتائے سے راستہ پر آسکتا ہے اگر منہ میں زبان ہو تو وہ از خود پوچھ سکتا ہے۔ اور اگر اس کی آنکھیں ہوں تو خود راستہ دیکھ بھی سکتا ہے لیکن جس کے یہ تمام حواس بیکار ہو چکے ہوں اس کے لئے راہ یاب ہونے کی کیا صورت ہے اس کے لئے تو یہی ایک صورت ہے کہ وہ ہمیشہ کے لئے اسفل السافلین میں جا پڑے اور ان حیوانات سے بھی نیچے کے طبقے میں چلا جائے، جن کے حواس اپنے آقا کی شناخت میں اس درجہ تو معطل نہیں ہوتے۔

حافظ ابن قیمؒ نے شرک پر ایک بسیط مقالہ سپرد قلم کیا ہے مختصر لفظوں میں اس کا خلاصہ یہ ہے کہ شرک کی اصل حقیقت، کسی مخلوق کو خالق کے مشابہ بنا دینا یا اپنے نفس کو خالق کے مشابہ سمجھ لینا ہے۔ یہ مشابہت ان صفات کی وجہ سے پیدا ہوتی ہے جو خدائے قدوس کی خصوصیات میں شمار ہوتی ہیں۔ مثلاً اس کی ایک خصوصیت یہ ہے کہ نفع و نقصان اور عطاء و منع کا مالک وہی ہے۔ اس خصوصیت کو قرآن کریم میں جگہ جگہ نمایاں کیا گیا ہے اور مشرکین کو یہی الزام دیا گیا ہے کہ جب تمہارے معبود اس خصوصیت کے حامل نہیں تو تم نے کیوں کر ان کو خدا کا شریک تسلیم کر لیا ہے۔

| | |
|---|---|
| قُلْ أَتَعْبُدُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَمْلِكُ لَكُمْ ضَرًّا وَّلَا نَفْعًا۔ (مائدہ) | آپ کہدیجئے کہ کیا تم اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اس کی عبادت کرتے ہو جو نہ تمہارے برے کا مالک ہو نہ نفع کا۔ |
| قُلِ ادْعُوا الَّذِيْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا يَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِيْلًا۔ (بنی اسرائیل) | آپ کہدیجئے جن کو تم اللہ کی ذات پاک کے سوا معبود سمجھتے ہو ان کو پکارو تو سہی وہ نہ تو تمہاری کوئی تکلیف دور کرسکتے ہیں اور نہ اس کے بدلنے کی قدرت رکھتے ہیں۔ |
| وَلَا تَدْعُ مِنْ دُوْنِ اللّٰهِ مَا لَا يَنْفَعُكَ وَلَا يَضُرُّكَ۔ (یونس) | اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا، کسی کو نہ پکارو جو تم کو نفع دے سکتا ہے نہ نقصان۔ |
| قُلِ اللّٰهُ يُنَجِّيْكُمْ مِّنْهَا وَمِنْ كُلِّ كَرْبٍ ثُمَّ أَنْتُمْ تُشْرِكُوْنَ۔ (الانعام) | آپ کہدیجئے کہ اللہ تعالیٰ ہی تم کو اس سے اور ہر سختی کو بچاتا ہے اس پر بھی تم شرک کرتے ہو۔ |

ان آیات سے یہ بھی ظاہر ہوتا ہے کہ اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ مصیبتوں میں اسی کو پکارا جائے، خوف و رجا کا تعلق اسی کی ذات کے ساتھ رکھا جائے اور اسی کی ایک ذات وحدہٗ لاشریک پر بھروسہ کیا جائے۔

خدا تعالیٰ کی ایک اور خصوصی صفت اس کے سامنے اظہار بندگی بھی ہے۔ عبودیت اور بندگی کی حقیقت دو چیزیں ہیں انتہائی محبت اور انتہائی عجز و نیاز۔ اس صفت کا تقاضا یہ ہے کہ اسی کو سجدہ کیا جائے، اسی کے نام کی قسم کھائی جائے اور اسی کی ذات پر بھروسہ کیا جائے۔

اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ کی ذات وہ ہے جو ہر پہلو سے کامل ہی کامل ہو اور اس میں عیب و نقصان کا کوئی شائبہ نہ ہو اس لئے انتہائی محبت اور انتہائی عجز و نیاز بھی اسی کا حق ہو سکتا ہے اسی کا نام عبادت ہے۔ نہ اس کمال میں اس کا کوئی شریک ہے نہ عبادت میں اس کا کوئی اور شریک ہونا چاہیے۔ اب اگر کوئی شخص مذکورہ بالا امور میں کسی مخلوق کو اس کا شریک ٹھہراتا ہے تو اس کے معنی یہی ہوں گے کہ وہ اس میں اس کی الوہیت کی صفت بھی تسلیم کرتا ہے۔ شرک کی یہ صورت تو مخلوق کو خالق کے ساتھ مشابہ بنانے کی تھی۔ اب خود خالق کے مشابہ بننے کی صورت یہ ہے کہ غرور و تکبر کی وجہ سے لوگوں سے اپنی مدح سرائی کا طلبگار ہے، اس کا خواہشمند ہو کہ وہ اس سے خوف کھائیں، اس سے امیدیں وابستہ رکھیں، اور اسی کو مشکلات میں اپنا مرجع و ماویٰ سمجھیں۔ یہ تو خاص الوہیت کی خصوصیات میں تشبیہ یا تشبہ کی صورتیں تھیں۔ خدائے قدوس کی بارگاہ بلند میں تو رسمی تشبہ کی بھی اجازت نہیں ہے۔ اسی بنا پر حدیثوں میں ملک الاملاک (شاہان شاہ) نام رکھنے کی ممانعت کی گئی ہے۔ (الجواب الکافی ص ۱۸۲ تا ۱۸۴)

شرک کی انواع و اقسام اور عالم کے مختلف فرقوں پر اگر تفصیلی نظر ڈالی جائے تو ہمارا مضمون بہت طویل ہو جائے گا اس لئے ہم یہاں صرف اس مختصر بیان پر کفایت کرتے ہیں جو حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے تفسیر فتح العزیز میں تحریر فرمایا ہے اس کا خلاصہ یہ ہے کہ مشرکین عالم کے مشہور فرقے یہ ہیں۔

ثنویہ۔ یہ دو خالق مانتا تھا ایک خیر کا خالق دوسرا شر کا۔ اس کے سوا کوئی فرقہ خدا تعالیٰ کی ذات میں شرکت کا قائل نہ تھا۔ البتہ شرک کی اور بہت سی مختلف صورتوں میں گرفتار تھا۔

صابئیہ۔ ان کا عقیدہ تھا کہ خدا تعالیٰ کی خاص صفات جیسے صفتِ وجوب، قدرت اور علم و حکمت میں اگرچہ اس کا کوئی شریک و سہیم نہیں مگر چونکہ اسی نے عالم کا نظم و نسق ارواح کواکب کے حوالہ کر دیا ہے اس لئے تعظیم و تکریم اور عبودیت و نیاز کے جتنے آداب ہیں وہ سب ان ہی کے سامنے ادا کرنے چاہئیں۔ اس فرقے کی مفصل تحقیق ابوبکر رازیؒ نے جن کو جصاص بھی کہا جاتا ہے احکام القرآن میں بیان فرمائی ہے وہاں دیکھ لی جائے۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے صابئین اور اہلِ اسلام کی عبادت میں ایک اہم فرق پر تنبیہ کی ہے وہ تحریر فرماتے ہیں کہ یہ گروہ کواکب اور ملائکہ کی عبادت میں مبتلا تھا اور ان کا نام عقول اور نفوس رکھا کرتا تھا اور خالق و مخلوق کے مابین ان کو ایک واسطہ تصور کرتا تھا ان کے مقابلہ میں ملت حنیفیہ تھی۔ جب ملت حنیفیہ نے ان کو خدا تعالیٰ کی عبادت اور رسولوں کی اطاعت کا حکم دیا تو انھوں نے الزام کے طور پر کہا کہ خدا اور مخلوق کے درمیان واسطہ تو تم بھی تسلیم کرتے ہو۔ فرق یہ ہے کہ تم بشر کا واسطہ مانتے ہو یعنی رسول کا اور ہم روحانیات کا۔ اس لئے ہم تم سے افضل رہے۔ شہرستانی نے اپنی کتاب ملل ونحل میں ان کے جواب میں یہ ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ روحانیات کی نسبت سے بشری کو واسطہ بنانا افضل ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ ان کے اس معارضہ سے یہ ظاہر ہوتا ہے کہ شہرستانی کو بھی دین حنیف کی پوری حقیقت منکشف نہیں ہوئی حقیقت یہ ہے کہ دین حنیف میں خدا تعالیٰ کی عبادت میں واسطہ کسی کو بھی نہیں بنایا جاتا نہ کسی ملک کو نہ کسی بشر کو اور نہ کسی کی روحانیت کو۔ یہاں اگر رسولوں کا واسطہ ہوتا ہے تو صرف خدا تعالیٰ کے امر و نہی پہنچانے کے لئے ہوتا ہے نہ کہ اس کی عبادت کے لئے۔ رسول کی مثال ایسی ہوتی ہے جیسے نماز کے امام کی یا حاجی کے ساتھ مسئلہ بتانے والے معلم کی جیسا معلم حاجی کو صرف احکام حج بتاتا چلتا ہے ایسا ہی رسول بھی صرف خدا تعالیٰ کی عبادت کے طریقوں کی تعلیم کرتا ہے۔ حاجی کا معلم ہو یا نماز کا امام دونوں خدا تعالیٰ کی عبادت میں قطعاً واسطہ نہیں ہوتے بلکہ وہ خود بھی اور لوگوں کے ساتھ خدا تعالیٰ کی بلا واسطہ عبادت کرنے میں شریک ہوتے ہیں اس کے برعکس صابئین عبادت ہی میں روحانیات کا واسطہ تعلیم کرتے ہیں۔ کتاب الرد علی البکری ص۳۰۲

حافظ ابن تیمیہؒ کی یہ تحقیق نہایت قابل قدر ہے اور اس سے اسلام کی توحید کی پاکیزگی اور زیادہ واضح ہو جاتی ہے۔ آج مسلمانوں میں بھی بعض جاہل فرقے صابئین کی طرح انبیاء اور اولیاء کو خدا تعالیٰ کی عبادت میں شریک کرتے ہیں اور اسی کو اپنی عبادت کی قبولیت کا معیار سمجھتے ہیں بلکہ ان کا شرک صابئین سے بھی زیادہ عبرتناک ہے ان کا حال ان مشرکین سے بہت ہی مشابہ ہے جو یہ کہتے تھے کہ

| مَا نَعْبُدُهُمْ اِلَّا لِيُقَرِّبُوْنَا اِلَى اللّٰهِ زُلْفٰى۔ | ہم ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ ہم کو خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں ذرا قریب کر دیں۔ |
| --- | --- |

ہنود۔ ان میں جو فرقہ ذرا ترقی یافتہ تھا اس کا عقیدہ یہ تھا کہ مدبر عالم درحقیقت حسین و جمیل روحانیات ہیں چونکہ وہ ہمیں آنکھوں سے نظر تو آتی نہیں اس لئے ہم پر لازم ہے کہ ہم ان کے نام کے سونے اور چاندی کے خوبصورت خوبصورت بت تراش کر ان کے سامنے آداب عبودیت بجا لائیں تاکہ ان کا تقرب حاصل ہو اور وہ ہم سے خوش ہو کر ہمارے کاموں میں ہماری مدد کیا کریں۔

دوسرا فرقہ جو ان میں ذرا جاہل ہے اس کا خیال یہ ہے کہ خدائےتعالیٰ کی ذات پاک خود تو اپنی برتری و تجرد کی وجہ سے ہماری عبادت سے مستغنی اور بے نیاز ہے۔ اب اس کی عبادت کی یہی ایک صورت ہو سکتی ہے کہ اس کی مخلوق میں سے کسی کو ہم اپنا قبلہ توجہ بنا لیں لہذا حیوانات، نباتات اور جمادات میں جو بھی انھیں آثار عجیبہ اور خواص غریبہ کا حامل نظر آیا اسی کو انھوں نے اپنی عبادت کا قبلہ توجہ مقرر کر لیا جیسے دریا، گنگا، یا کسی کا درخت یا طاؤس وغیرہ

ایک فرقہ کا عقیدہ یہ ہے کہ خدائےتعالیٰ کے مقدس و بزرگ بندے ریاضات و مجاہدات کے بعد جب منازلِ قرب طے کر لیتے ہیں تو وفات کے بعد ان کی روحوں کو ایسی وسعت اور قدرت حاصل ہو جاتی ہے کہ وہ ہر جگہ حاضر و ناظر بن جاتے ہیں اور عالم میں پورے پورے تصرف کے مالک ہو جاتے ہیں اس لئے وفات کے بعد ان کی خوشنودی کے لئے ان کی تعظیم و تکریم کرنی چاہئے اور ان کو سجدہ کرنا چاہئے تاکہ وہ ہم سے خوش رہیں اور دین و دنیا میں ہماری امداد کریں۔ ان سب فرقوں کا شرک یہ نہیں تھا کہ وہ خدا کی ذات میں تعدد کے قائل تھے بلکہ توحید کے قائل ہو کر خدائی تصرفات اور خدا کی صفات میں دوسروں کو شریک کیا کرتے تھے چنانچہ قرآن کریم میں ہے۔

| | |
|---|---|
| وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ خَلَقَ السَّمٰوٰتِ وَالْأَرْضَ وَسَخَّرَ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ | اگر آپ ان سے پوچھیں بولو کس نے زمین اور آسمانوں کو بنایا اور کس نے سورج اور چاند کو کام میں لگایا تو یہی جواب دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔ |
| وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ مَنْ نَزَّلَ مِنَ السَّمَاءِ مَاءً فَأَحْيَا بِهِ الْأَرْضَ مِنْ بَعْدِ مَوْتِهَا لَيَقُوْلُنَّ اللّٰهُ۔ (العنکبوت) | اور اگر آپ ان سے پوچھیں کس نے آسمان سے بارش نازل کی پھر اسی سے زمین کو زندہ کیا تو یہی کہیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے۔ |

اس مضمون کی آیات قرآنِ کریم میں متعدد جگہ موجود ہیں ان میں کفار کو یہی الزام دیا گیا ہے کہ جب خالق کی اصل صفات تمہارے نزدیک بھی ایک ہی ذات میں منحصر ہیں تو پھر تم الوہیت اور خالقیت کے حقوق میں دوسروں کو کیسے شریک کرتے ہو۔

قرآن کریم میں جو بات بہت صاف صاف اور بار بار دہرائی گئی ہے وہ یہ ہے کہ خدائےتعالیٰ کے سوا نفع و نقصان پہنچانے کی طاقت اور کسی میں نہیں اس کی مالک صرف اللہ تعالیٰ ہی کی ذات پاک ہے یہ طاقت نہ کسی دوسرے میں بالذات موجود ہے اور نہ اپنی جانب سے خدائےتعالیٰ نے کسی اور مخلوق کے حوالہ کی ہے حتیٰ کہ دنیا میں سب سے بزرگ ہستیاں انبیاء علیہم السلام کی ہوتی ہیں پھر ان میں سب سے بزرگ تر

ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے مگر یہ طاقت وقدرت آپ کو اپنے جان ومال کے بارے میں بھی عطا نہیں کی گئی۔ بلکہ آپ کو یہ حکم دیا گیا کہ آپ اس بارے میں اپنے عجز کا دنیا کے سامنے صاف صاف اعلان کردیں تاکہ عجائب پرست دنیا نہ تو آپ سے اس قسم کے تصرفات کی فرمائش کرکے آپ کو تنگ کرے اور نہ آپ کی زندگی میں حوادثات کا مشاہدہ کرکے آپ کی رسالت میں شکوک وشبہات نکالے۔ شاید انبیاء علیہم السلام کی شکست میں ایک بڑی حکمت ان کے اسی عجز کا اظہار بھی ہو۔ اسی لئے فتح وظفر کے عظیم الشان مظاہرے اور ہزیمت وشکست کے حوصلہ شکن مواقع پر ہمیشہ یہی ایک بات دہرائی جاتی تھی کہ وَمَا النَّصْرُ اِلَّا مِنْ عِنْدِ اللّٰہِ اترانے یا گھبرانے کی ضرورت نہیں اگر کامیابی ہو تو یہ مت سمجھو کہ تمہاری طاقت کے بل بوتے پر ہوئی ہے اور اگر ناکامی ہو تو بھی بدگمان مت کرو کہ فتح کے اسباب مہیا نہ ہونے کی وجہ سے ہوئی۔ فتح ونصرت کا تمام معاملہ صرف اسی کی ذات پر منحصر ہے وہ چاہے تو تیرتے کو ڈبا دے اور چاہے تو ڈوبتے کو ترا دے۔ اور یہ خوب سمجھ لو کہ جو تھوڑی بہت قدرت تم کو عطا ہوئی ہے وہ صرف تمہارے کام چلانے کے لئے عطا ہوئی ہے وہ اتنی نہیں کہ تم دنیا کے تمام فائدوں کو حاصل کرسکو یا اس کے نقصانات سے اپنی کمزور جان کو بچا سکو۔

| | |
|---|---|
| قُلْ لَّا اَمْلِكُ لِنَفْسِیْ نَفْعًا وَّلَا ضَرًّا اِلَّا مَا شَآءَ اللّٰہُ۔ (الاعراف) | آپ کہہ دیجئے کہ میں تو اپنی جان کے نفع ونقصان کا بھی مالک نہیں ہوں مگر جتنا اللہ تعالیٰ چاہے صرف اتنے ہی پر میرا قابو ہے۔ |

اسی کے ساتھ دوسری جگہ یہ بھی واشگاف کردیا گیا کہ جن کے متعلق تمہارا یہ خیال خام ہو وہ بھی اس کے مالک نہیں بلکہ خود الٹے خوف وہراس کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔

| | |
|---|---|
| قُلِ ادْعُوا الَّذِیْنَ زَعَمْتُمْ مِّنْ دُوْنِهٖ فَلَا یَمْلِكُوْنَ كَشْفَ الضُّرِّ عَنْكُمْ وَلَا تَحْوِیْلًا۔ اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ یَدْعُوْنَ یَبْتَغُوْنَ اِلٰی رَبِّهِمُ الْوَسِیْلَةَ اَیُّهُمْ اَقْرَبُ وَیَرْجُوْنَ رَحْمَتَهٗ وَیَخَافُوْنَ عَذَابَهٗ ۭ اِنَّ عَذَابَ رَبِّكَ كَانَ مَحْذُوْرًا۔ (بنی اسرائیل) | کہہ دو (ذرا ان کو) پکارو جن کو تم نے اس کے سوا (خدا) سمجھ رکھا ہے وہ اس کا اختیار نہیں رکھتے کہ تم سے تکلیف کو دور کردیں اور نہ اس کا کہ اس کو بدل کر کسی دوسرے پر ڈالدیں یا اس کو ہلکا ہی کردیں جن کو یہ لوگ پکارتے ہیں وہ تو خود ہی اپنے پروردگار تک وسیلہ ڈھونڈھتے ہیں کہ کون سا بندہ بہت نزدیک ہے اور اس کی مہربانی کی امید رکھتے ہیں اور اس کے عذاب سے ڈرتے ہیں۔ |

صحیح بخاری میں روایت ہے کہ کچھ لوگ جنات کی عبادت کرتے تھے وہ جن تو مسلمان ہوگئے اور یہ اپنی قدیم جہالت پر قائم رہے اس پر یہ آیت اتری یا یوں کہا جائے کہ جن، فرشتے اور حضرت مسیح علیہ السلام وغیرہ سب

اس میں شامل ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ جن کو تم خدا کے سوا معبود سمجھ کر پکارتے ہو وہ نہ مستقل کوئی اختیار رکھتے ہیں اور نہ تمہارے نفع ونقصان پہنچانے کی ان میں قدرت ہے وہ تو خود اللہ تعالیٰ کے تقرب کی تلاش میں لیل ونہار سرگرداں ہیں اور اس فکر میں رہتے ہیں کہ کس عمل کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے لئے تقرب کا ذریعہ اور وسیلہ بنائیں جو خود اپنی فکر میں ہیں وہ تمہارے تفکرات بھلا کیا دور کر سکتے ہیں وہ تو خود ہی رجاء وبیم کے چکر میں پڑے ہوئے ہیں۔

اصل یہ ہے کہ انسان کی فطرت میں خدا تعالیٰ کی غیب در غیب ذات کی طرف اگر کوئی میلان انجذاب پیدا ہوتا ہے تو وہ صرف اسی لئے کہ اس کے نزدیک اس کے نفع ونقصان کا رشتہ اسی کی قادر وتوانا ذات کے ساتھ وابستہ ہے اور اگر اس کے اس اعتقاد میں ضعف پیدا ہو جاتا ہے تو اس کا یہ میلان بھی ختم ہو جاتا ہے اور وہ بندۂ خدا ہونے کے بجائے بندۂ اسباب بن جاتا ہے۔ اس کی زبان پر اگر ذکر ہوتا ہے تو اسباب کا، اس کے قلب میں اگر محبت ہوتی ہے تو ان ہی کی، خوف ہوتا ہے تو ان ہی سے۔ حتیٰ کہ اس کے جملہ عواطف وحیاتات کا مرکز یہی اسباب بن جاتے ہیں اور شدہ شدہ نوبت یہاں تک پہنچ جاتی ہے کہ نفع ونقصان کے اصلی مالک کو اس کو ایسا ذہول ہو جاتا ہے کہ اس کے تذکرہ سے ہی اُسے کوئی لگاؤ نہیں رہتا بلکہ اور انقباض ہونے لگتا ہے جو کیف اور جو ذوق وشوق اس کو یا رسول اللہ اور یا غوث کے نعروں میں میسر آتا ہے وہ نعرہ یا اللہ میں نصیب نہیں ہوتا جس محبت سے وہ بزرگوں کی نذر ونیاز کرتا ہے اس کے عشر عشیر سے خدا کی واجب کردہ قربانی ادا نہیں کرتا، یہ توحید کا عشق نہیں بلکہ مبادی کفر وشرک ہیں۔ ذیل کی آیات میں اسی طرف اشارہ ہے۔

| | |
|---|---|
| وَمِنَ النَّاسِ مَنْ يَتَّخِذُ مِنْ دُونِ اللهِ أَنْدَادًا يُحِبُّونَهُمْ كَحُبِّ اللهِ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَشَدُّ حُبًّا لِلّٰهِ۔ | انسانوں میں کچھ افراد ایسے بھی ہیں جو بتوں سے اتنی محبت کرتے ہیں جتنی خدا تعالیٰ کی ذات سے مگر جو لوگ ایمان لا چکے ہیں ان کو سب سے زیادہ محبت اللہ تعالیٰ کی ذات سے ہے۔ |
| وَإِذَا ذُكِرَ اللهُ وَحْدَهُ اشْمَأَزَّتْ قُلُوبُ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ (الزمر) | اور جب نام لیا جاتا ہے ایک اللہ کا تو جو لوگ آخرت پر ایمان نہیں رکھتے ان کے دل رک جاتے ہیں اور جب اس کے سوا اوروں کا نام لیا جائے تو خوش ہونے لگتے ہیں۔ |
| وَجَعَلُوا لِلّٰهِ مِمَّا ذَرَأَ مِنَ الْحَرْثِ وَالْأَنْعَامِ نَصِيبًا فَقَالُوا هٰذَا لِلّٰهِ بِزَعْمِهِمْ وَهٰذَا لِشُرَكَائِنَا فَمَا كَانَ لِلّٰهِ فَهُوَ يَصِلُ إِلَى | اور وہ اللہ تعالیٰ کی پیدا کی ہوئی کھیتی اور مویشیوں میں اس کے نام کا ایک حصہ رکھتے ہیں پھر اپنے خیال کے مطابق یہ کہتے ہیں کہ یہ حصہ (نیاز) تو اللہ تعالیٰ کا ہے اور یہ ہمارے شریکوں کا سو جو حصہ (نیاز) ان کے شریکوں کا ہوتا وہ تو اللہ تعالیٰ کی طرف نہ پہنچتا |

شُرَكَائِهِمْ وَمَا كَانَ لِشُرَكَائِهِمْ فَلَا يَصِلُ إِلَى اللّٰهِ - (الانعام)

اور جو اللہ تعالیٰ کا ہوتا وہ ان کے شریکوں کی طرف پہنچ جاتا کیسا برا فیصلہ کرتے ہیں۔

اسفل السافلین اسی وادی شرک کا نام ہے جو ضلالت کی لڑھکائی میں جا پڑا۔ سمجھ لو کہ وہ مخلوقات کے سب سے نیچے طبقے میں جا پہنچا۔ اب وہ اشرف المخلوقات نہیں رہا بلکہ سب سے رذیل تر مخلوق بن گیا ہے۔ سورۂ والتین میں انسان کے اس سوء انجام کی طرف اشارہ کیا گیا ہے۔

خلاصہ یہ کہ عالم میں ایسے نادان فرقے بہت ہی شاذ و نادر گذرے ہیں جو خدا تعالیٰ کی ذات میں شرکت کے قائل ہوں۔ اکثر فرقے عبادت ہی میں شرک کیا کرتے تھے اور اس ضلالت میں یہاں تک تجاوز کر گئے تھے کہ ان کے نزدیک معبود حقیقی کا نمبر باطل معبودوں سے بھی نیچے گر گیا تھا۔ اس تمام گمراہی کی بنیاد صرف یہی تھی کہ ان کے عقیدے میں ان کے نفع و نقصان کا رشتہ غیر اللہ کے ساتھ قائم ہو گیا تھا اسی لئے انبیاء علیہم السلام کی دعوت کا اصل مرکز بھی شرک فی العبادۃ کی تردید ٹھہر گیا تھا۔ قرآن کریم میں ارشاد ہے۔

وَمَا أَرْسَلْنَا مِن قَبْلِكَ مِن رَّسُولٍ إِلَّا نُوحِي إِلَيْهِ أَنَّهُ لَا إِلٰهَ إِلَّا أَنَا فَاعْبُدُونِ -

یعنی اس جہان میں جو رسول بھی آیا وہ یہی ایک سبق لیکر آیا کہ جب اللہ ایک ہی ہے اور اس کا شریک کوئی نہیں تو پھر تم صرف اسی ایک ہی کی عبادت کیوں نہیں کرتے اور اس میں دوسروں کو کیوں اس کا شریک ٹھہراتے ہو۔

آیت بالا میں یہ بتایا گیا ہے کہ توحید الوہیۃ کا اصل منشا توحید فی العبادۃ ہی کی تعلیم تھی۔ الوہیت کی توحید امر مسلم ہونے کی وجہ سے اس وقت ایک تمہیدی چیز سمجھی گئی تھی۔ مشرکین عرب اگرچہ بہت سے خدا تسلیم کرتے تھے مگر صاحب تصرف ایک ہی کو مانتے تھے بقیہ سب کو اس کا ماتحت سمجھتے تھے۔ چنانچہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے عمران بن حصین سے پوچھا بتاؤ کفر کے زمانہ میں تم کتنے خداؤں کی پوجا کیا کرتے تھے انہوں نے عرض کیا سات خداؤں کی چھ زمین میں اور ایک آسمان میں آپ نے فرمایا اچھا تو امید و بیم کے مواقع پر کس کو یاد کیا کرتے تھے انہوں نے عرض کیا اس کو جو آسمان میں ہے۔

وَإِذَا رَكِبُوا فِي الْفُلْكِ دَعَوُا اللّٰهَ مُخْلِصِينَ لَهُ الدِّينَ فَلَمَّا نَجَّاهُمْ إِلَى الْبَرِّ إِذَا هُمْ يُشْرِكُونَ -

جب کشتی میں سوار ہوتے ہیں تو بڑے خلوص سے خدا ہی کو پکارتے ہیں پھر جب وہ ان کو نجات دیکر خشکی پر لے آتا ہے تو نجات پاتے ہی شرک کرنے لگتے ہیں۔

اس آیت میں بتایا گیا ہے کہ جب کبھی کفار کسی نرغے میں پھنس جاتے تو اس وقت سب کو بھول کر اللہ ہی کی ذات پاک کو یاد کرتے۔

ہمارا منشاء یہ نہیں کہ قرآن کریم یا انبیاء علیہم السلام کی دعوت میں شرک فی الذات کی تردید شامل ہی نہ تھی بلکہ مقصد یہ ہے کہ ان کے کلام میں جس امر پر زیادہ زور دیا گیا تھا وہ شرک فی العبادت کی تردید تھی۔ اسلام کے جملہ ابواب میں اور ہر باب کے جملہ فصول میں جس نکتہ کی ہر ہر جگہ رعایت ملحوظ رہی ہے وہ بھی شرک فی العبادۃ ہے۔ اس کا راز یہ ہے کہ مخلوق کی پیدائش سے اصل مقصد توحید فی العبادۃ ہے۔

وَمَا خَلَقْتُ الْجِنَّ وَالْاِنْسَ اِلَّا لِیَعْبُدُوْنِ ہم نے جنات اور انسانوں کو صرف عبادت کے لئے بنایا ہے۔

اس لئے شیطانی طاقتیں ہمیشہ اسی مقصد میں خلل اندازی کی فکر میں رہتی ہیں اور اسی لیے انبیاء علیہم السلام بھی کو بھی ہمیشہ اسی کے مقابلہ کے لئے آنے چاہئیں اور ان کی بساط شریعت بھی اتنی صاف ہونی چاہئے کہ اس میں شرک فی العبادۃ کی کوئی ادنیٰ سی شکن بھی پیدا ہونے کا امکان نہ رہے۔ اسی لئے شرائع سماویہ میں سب سے کامل شریعت وہی ہونی چاہئے جس کے حدود توحید سب سے زیادہ مستحکم ہوں۔ اسی نکتہ کے پیش نظر اسلام نے ہر اس رگ کو جڑ سے کاٹ دیا ہے جس میں کفر و شرک کی ادنیٰ رمق بھی پیدا ہونے کا احتمال تھا۔ عیسائی حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی تعظیم میں حد سے تجاوز کرنے کی بدولت شرک میں مبتلا ہوئے تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صرف اپنی ذات کے متعلق اطراء اور مبالغہ آمیز کلمات سے ہی نہیں روک دیا بلکہ عام توقیر و تعظیم کی بھی ایسی حد بندی فرما دی کہ پھر اس راستہ سے کفر و شرک کا کوئی احتمال ہی نہ رہا۔ اسلام میں الوہیت کا تخیل صرف مجرد ہی مجرد نہ تھا اس میں خوف و طمع کے دونوں جذبات بھی شامل تھے۔ اس لئے یہاں بھی ایسے مضبوط بند لگا دیئے کہ اب نفع و نقصان اور خوف و طمع کے لئے ایک مسلم کی نظر میں کوئی دوسری چوکھٹ ہی باقی نہ رہی مگر اس کو یہ نہیں سکھایا کہ وہ کسی سے محبت نہ کرے کسی کا خوف نہ رکھے بلکہ یہ سکھایا کہ محبت کرے تو خدا کی خاطر اور ڈرے تو اسی ایک خدا کی خاطر۔ اس نے غیر اللہ سے نفع و نقصان کے تمام رشتے توڑ ڈالے اور صرف مالک حقیقی سے بیم و رجاء کا ایک رشتہ اس کے قلب میں راسخ فرما دیا اس کے دماغ کو صرف صریح شرک و کفر کی نجاستوں ہی سے پاک وصاف نہیں کیا بلکہ اس کو ایسا نازک بنا دیا کہ اگر اس کے گرد و پیش میں کہیں کفر و شرک کا احتمال بھی ہو تو مارے تعفن کے اس کا دماغ پھٹنے لگتا۔ وہ اپنا نام غلام غوث اور عبد النبی رکھنے میں وہی ناگواری محسوس کرنے لگا جو عبد المطلب یا عبد شمس یا عبد مناف یا عبد العزیٰ جیسے نام رکھنے میں محسوس کرتا۔ اس کی نظر میں سب سے پیارا نام وہ بن گیا جس میں اس کی نسبت عبدیت اسی ذات کی طرف ہو، جس کا وہ درحقیقت عبد تھا یعنی عبد اللہ اور عبد الرحمن اسے جان آفریں کے سوا کسی اور کے نام پر جان قربان کرنے میں غیرت آنے لگی۔ وہ خدا کے گھر کی طرح اپنے گھروں کو لباس پہنانے سے شرمانے لگا بتوں کی طرح اینٹوں اور پتھروں پر غلاف چڑھانے سے نفرت کرنے لگا جب اس کے کان میں ہوا الباری

المصور کی آواز آئی تو مصورِ حقیقی کی نقالی کرنے سے اس کی آنکھیں نیچی ہوگئیں اس کے ہاتھوں میں رعشہ پیدا ہوگیا اور اس کا قلمِ تصویر ہاتھوں سے چھوٹ گیا۔

اسلامی توحید کی ان نزاکتوں کا اندازہ آپ کو ذیل کی احادیث سے ہوگا۔ نسائی شریف میں حضرت ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ ایک دن کسی شخص نے آپ کے سامنے یہ لفظ کہدیا ماشاء اللہ وشئت (جو اللہ تعالیٰ چاہے اور آپ چاہیں) آپ نے فوراً اس کو منع کیا اور ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی "جعلتنی للہ نداً" "تو نے تو مجھے اللہ تعالیٰ کا ایک شریک ٹھہرادیا" قل ماشاء اللہ وحدہ (بس یوں کہہ جو صرف ایک اللہ چاہے۔)

امام احمد، ابوداؤد، اور نسائی وغیرہ نے حذیفہؓ سے روایت کی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لاتقولوا ماشاء اللہ وشاء فلان قولوا ماشاء اللہ ثم شاء فلان۔ یعنی اگر سبب حقیقی کے ساتھ تم کسی وقت سبب ظاہری کا بھی ذکر کرنا چاہو تو اس کا طریقہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ کے نام کے بالکل برابر اس شخص کا نام ذکر کرو جو ظاہر میں اس کا سبب بنا ہے۔ بلکہ اللہ تعالیٰ کی توحید کا ادب یہ ہے کہ پہلے تم صرف اللہ تعالیٰ کا نام لو اس کے بعد پھر دوسرے نمبر میں اس شخص کا نام بھی لے سکتے ہو۔ حدیث شریف میں تین آدمیوں کے امتحان کا ایک طویل قصہ مذکور ہے ان میں ایک مبروص تھا دوسرا گنجا اور تیسرا اندھا۔ ان کا امتحان یوں مقدر ہوا کہ اللہ تعالیٰ کا ایک فرشتہ بصورت آدمی ہر ایک کے پاس علیحدہ علیحدہ آیا اور ان سے اپنی حاجت ان الفاظ میں ظاہر کی فلا بلاغ لی الیوم الا باللہ ثم بک۔ آج کے دن میری حاجت روائی کے لئے پہلے اللہ تعالیٰ کی ذات ہے یا پھر اس کے بعد ظاہری اسباب میں آپ کی ذات نظر آتی ہے۔ پس جب اسلامی توحید کی نزاکت اتنا بھی برداشت نہیں کرتی کہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کے ساتھ کسی مخلوق کے نام کی صرف عبارتی اور لفظی مساوات بھی گوارا کی جائے تو اس کے حقوق میں کسی کی مساوات کب برداشت کرسکتی ہے۔ اسلام نے توحید صرف علمی دائرہ میں نہیں سکھلائی بلکہ اس کو عملی جامہ پہنانے کی بھی تاکید کی ہے اور قدم قدم پر اس کا لحاظ رکھا ہے کہ کس طرح اس کا نقش انسان کے قلب و دماغ پر جم سکتا ہے اس لئے اس نے عام گفتگو میں بھی کسی کو یہ آزادی نہیں دی کہ وہ خدا تعالیٰ کے اسم مبارک کو دوسرے ناموں کی طرح جس طرح جی چاہے زبان پر لے آئے بلکہ یہ تنبیہ کی ہے کہ اس کی ہستی کا نقشِ عظمت اس کے قلب میں اتنا گہرا ہونا چاہئے کہ جب کبھی بات کرتے کرتے وہ اس کے باعظمت نام پر جا پہنچے تو یہاں پہنچکر اس کی زبان لکنت کرجائے اور وہ کسی بڑے سے بڑے شخص کے نام کے ساتھ اس کی تعبیری مساوات بھی گوارا نہ کرسکے یہ ایک حقیقت ہے کہ جب تک مسلمان کے ایک ایک عمل سے توحید اس طرح نہ ٹپکنے لگے اس وقت تک

اس کی توحید بھی صرف ایک دماغی فلسفہ کہلائے گی، عملی دائرہ میں اس کو شرک سے کیا امتیاز ہوگا۔
ایک سطحی نظر کا شخص تو حدیث مذکور کو صرف ایک تعبیری اصلاح سمجھے گا مگر ایک علم النفس کا ماہر اس کا پورا ادراک کرلے گا کہ فطری طور پر کسی حقیقت کے ذہن نشین کرنے کی اس سے زیادہ مؤثر کوئی اور صورت نہیں نکل سکتی۔ اگر آپ کو کتاب الایمان میں احسان کی بحث فراموش نہیں ہوئی تو اتنا اور سمجھ لیجئے کہ آپ کو اس مقام پر احسان کا ایک اور سبق دیا گیا ہے اور مقصد یہ ہے کہ ایک مومن کے قلب و دماغ پر حق تعالیٰ کی ذات قدسی صفات کی محبت کا اس درجہ استحضار اور غلبہ ہو جانا چاہئے کہ کچھ عبادات ہی میں نہیں بلکہ عام بات چیت میں بھی اس کی غیرت - اس کی عظمت و توحید کے خلاف کوئی ادنیٰ ٹھیس برداشت نہ کرسکے۔ بقول شخصے ؎

شرکت غم بھی نہیں چاہتی غیرت میری　　　غیر کی ہو کے رہے یا شب فرقت میری

؎ غیرت از چشم برم روئے تو دیدن ندہم　　　گوش را نیز حدیثے تو شنیدن ندہم

جب تک ایک مومن کا قلب خدا تعالیٰ کے شریک ٹھہرانے پر اسی درجہ غیور نہ ہو جائے وہ مقام محبت سے آشنا نہیں ہوتا اور جب تک وہ اس وادی سے آشنا نہیں ہوتا اس وقت تک ذوق احسان سے بھی آشنا نہیں ہوتا۔ جب اس تصور کے ساتھ آپ اپنی زبان سے ماشاء اللہ و شاء فلاں کا فقرہ ادا کریں گے تو اس وقت اس معمولی سے کلمہ کی تلخی آپ کی زبان محسوس کرلے گی اور اسی وقت حدیث کی اس تعبیری گرفت کی حکمت بھی آپ پر روشن ہو سکے گی۔ اسی قسم کے ضمنی مقامات سے ایک فہیم شخص کو یہ اندازہ لگانا چاہئے کہ اس نبی عظیم الشان کی معرفت کا عالم کیا ہوگا جس کی شریعت میں توحید ربانی کا ایک عام ادب یہ ہو کہ سرسری بول چال میں بھی خدا تعالیٰ کے نام کے ساتھ شرکت و مساوات قائم کرنا حقیقی شرک کی برابر مکروہ سمجھا جاتا ہو۔ اسلام کی توحید سمجھنے کے لئے آپ کھلی کھلی آیات اور واضح احادیث کی طرف مت جائیے یہ تو اس کے ابتدائی اسباق ہیں بلکہ ان عملی گوشوں کو بڑے غور سے ملاحظہ کیجیے جن کی سطح میں بظاہر توحید کا کوئی سبق نظر نہیں آتا مگر جب ذرا غور کیجئے تو اس کے عمق میں اصل مقصد ہی ایک درس توحید ثابت ہوتا ہے۔ انسان کی فطرت ہے کہ وہ مسلسل ایک نوع کا عمل نہیں کرسکتا اس کی طبیعت اکتا جاتی ہے اس لئے شریعت نے اس کے لئے مختلف لذتوں کی مختلف عبادتیں مقرر فرما دی ہیں لیکن ان سب کا اصل مقصد ہی ایک نشۂ توحید پیدا کرنا ہے اب آپ ذرا جنازہ کی نماز ہی کو ملاحظہ کیجئے وہ بھی ایک قسم کی نماز ہی تو ہے اور اسی ذات پاک کے لئے ہوتی ہے جس کے لئے اور فرض نمازیں پھر کیا بات ہے کہ رکوع اور سجود جو نماز کی اصل روح تھے وہ یہاں سے غائب ہیں۔ اگر آپ غور سے کام لیں گے تو آپ کو معلوم ہوگا

کہ اس میں ایک حکمت یہ بھی ہو سکتی ہے کہ ایک جسدیت کو سامنے رکھکر اس کی طرف رکوع و سجود کرنا شاید اسلام کی توحید برداشت نہیں کرتی۔ خیر، تو ایک انسان تھا جس کو جاہل قومیں کبھی سجدہ کر بھی لیتی ہیں مگر ایک معمولی خشک لکڑی جس کی کوئی عبادت نہیں کرتا اگر سترہ کے لئے سامنے گاڑدی جائے تو اس کے متعلق بھی مقدس اسلام کی ہدایت یہ ہے کہ وہ بھی ٹھیک سامنے نہ ہونی چاہئے بلکہ ذرا دائیں بائیں سمت مائل ہونی چاہئے تاکہ اس قوم کے سامنے جس کو پتھروں کو سجدہ کرنے کی عادت تھی کوئی عمل بھی ایسا نہ آنے پائے جو ان کی قدیم خصلت کی یاددہانی میں ذرا بھی ممد و معاون ہو۔

حضرت موسیٰ علیہ السلام جب قوم بنی اسرائیل کو دریائے نیل کے پار لیکر اتر آئے تو یہاں ان کی قوم نے دیکھا کہ کچھ لوگ بت پرستی میں مشغول ہیں یہ دیکھ کر ان کے منہ میں پانی بھر آیا اور بڑے حسرت کے انداز میں وہ یہ درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے۔

| | |
|---|---|
| قَالُوْا يٰمُوْسَى اجْعَلْ لَّنَآ اِلٰهًا كَمَا لَهُمْ اٰلِهَةٌ قَالَ اِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُوْنَ۔ | وہ کہنے لگے اے موسیٰ ہماری عبادت کیلئے بھی ایسا ہی ایک بت بنا دیجئے جیسے بت ان کے ہیں انھوں نے |
| (اعراف ۱۴) | فرمایا تم لوگ بڑے ہی جاہل ہو۔ |

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زیر صحبت تربیت یافتہ صحابہ اتنے تو نہیں گرے لیکن ایک موقعہ پر جب انھوں نے دیکھا کہ مشرکین نے ایک درخت مقرر کر رکھا ہے جس پر وہ اپنے ہتھیار لٹکا دیا کرتے ہیں اور اسی مناسبت سے اس کو ذات انواط کہا کرتے ہیں تو وہ بھی بے ساختہ یہ درخواست کرنے پر مجبور ہو گئے کہ یا رسول اللہ ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی درخت مقرر فرما دیجئے ہم بھی اس پر اپنے ہتھیار لٹکایا کریں گے ذرا سوچئے اس میں شرک کی کیا بات تھی لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اتنی سی بات کو بھی نہایت اہمیت دی اور بہت تشدید آمیز لہجہ میں اس طرح تنبیہ کی کہ تمہاری یہ فرمائش ٹھیک ایسی ہی ہے جیسی حضرت موسیٰ علیہ السلام سے بنی اسرائیل کی وہ فرمائش تھی اجعل لنا الٰھا کما لھم اٰلھۃ۔ یہی راز تھا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان سب معاملات میں جہاں آپ کی کوئی خاص شریعت نازل نہ ہوتی مشرکین عرب کی نسبت اہل کتاب کی موافقت کرنی زیادہ پسند فرماتے۔ پس اسلام نے ہر ہر موقعہ پر جہاں کسی دور کے علاقہ سے بھی شرک کی رگ متحرک ہو سکتی تھی اس کو بھی جڑ سے کاٹ دینے کی کوشش کی ہے۔ ہمارے فقہاء اس حقیقت کو خوب سمجھے تھے اور اسی لئے انھوں نے فرمایا کہ جو حیوان کبھی کسی قوم کا معبود رہ چکا ہو یا کوئی اور ایسی چیز جو کبھی معبود لغیر اللہ بن چکی ہو اس کو بھی سترہ نہ بنانا چاہئے اور اس کی طرف بھی نماز نہ ادا کرنی چاہئے۔ اسی طرح طلوع و غروب میں نماز سے ممانعت کی حکمت بھی یہی ہے کہ یہ اوقات بھی مشرکین کی عبادت کے اوقات ہیں ہماری عبادت جہاں ان سے مقصد،

نیت اور اپنی ترتیب و صورت میں ممتاز ہے اسی طرح وقت میں بھی ممتاز رہنی چاہئے یہ کوئی تنگ نظری نہیں بلکہ شرک فی العبادۃ کے بعید سے بعید رشتوں کے قطع کرنے کی سب سے بہتر صورت ہے۔

ایک حدیث میں ارشاد ہے لا تأتوا الصلوۃ وانتم تسعون وأتوھا وعلیکم السکینۃ الخ نماز کے لئے دوڑتے بھاگتے نہ آیا کرو بلکہ اس طور پر وقار کے ساتھ آیا کرو گویا تم سرتاپا سکون و وقار ہو۔

شیخ اکبرؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اس مخصوص ادب میں جو بڑی حقیقت پنہاں ہے وہ یہ ہے کہ نماز کے لئے جب ایک مخصوص مکان مقرر کر دیا گیا، اس کے لئے ایک اعلان بھی کیا گیا اور اس کے بعد یہ نظر آنے لگا کہ مختلف سمتوں سے مختلف جماعتیں کسی ایک مقصد کے لئے کسی ایک جگہ جمع ہونے جارہی ہیں اگر وہ بہت زیادہ بھاگ بھاگ کر جائیں گی تو دیکھنے والوں کے دماغ میں یہ نقشہ آسکتا ہے کہ جس طرح اور مذاہب کو ان کے معبود کسی ایک جگہ رکھے ہوئے مل جاتے ہیں شاید ان کو بھی اپنا معبود کسی مسجد وغیرہ میں رکھا ہوا مل گیا ہے جس کی طرف یہ ایسے والہانہ انداز میں بھاگے جارہے ہیں اس لئے فرمایا کہ تم بھاگا مت کرو بلکہ اس طرح جایا کرو کہ ہر دیکھنے والا سمجھ جائے کہ جہاں تم جارہے ہو وہاں کچھ بھی نہیں ہے تم کسی ایسے معبود کی تلاش میں ہو جو اس مکان میں بھی ہے اور اس سے باہر بھی، ہر حال میں وہ تمہارے ساتھ ہے۔ وہ تمہاری رگ جان سے بھی زیادہ تم سے قریب ہے۔ شیخ اکبرؒ کے اس مضمون کی تائید ایک اور حدیث سے بھی ہوتی ہے ایک مرتبہ صحابہ کرام شدت شوق میں کسی سفر میں چیخ چیخ کر نعرہائے تسبیح و تہلیل لگا رہے تھے آپ نے ان کو اتنے چیخنے سے منع فرمایا اور کہا کہ تمہاری اس حرکت سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ تمہارا رب شاید تمہارے پاس نہیں کہیں غائب ہے یا اگر موجود ہے تو سنتا نہیں ہے اس کو آہستہ پکارو کیونکہ وہ تمہارے اونٹ کی گردن سے بھی تمہارے قریب ہے اونٹ پر سواری کے وقت جو چیز سوار کو سب سے قریب نظر آتی ہے وہ اس کی گردن ہی ہوتی ہے اس لئے نفسیاتی طور پر اس کے قرب کا نقشہ جمانے کے لئے یہی سب سے عمدہ مثال تھی فرمایا انکم لا تدعون اصم ولا غائبا۔ تم تو اس کو پکارتے ہو جو ہمہ وقت سنتا ہے اور جواب دیتا ہے پس اسلامی توحید تو اس کو بھی برداشت نہیں کرتی کہ تمہارے کسی عمل سے خدائے تعالیٰ کی ذات یا اس کی صفات کے متعلق کوئی ایسا موہوم سے موہوم نقش بھی پیدا ہو سکے جو اس کی شان تقدیس و تنزیہ کے خلاف ہو۔ چہ جائیکہ اس میں شرک کے آثار صاف صاف نمایاں ہو رہے ہوں۔ کیا ایسا مقدس مذہب جو نماز جنازہ میں رکوع و سجود سے منع کرے قبور کو سجدہ کرنا برداشت کر سکتا ہے حالانکہ وہ قابل تعظیم جسد اب زمین میں مدفون ہو چکا ہے۔

یہی حقیقت مشرکین کے لباس، وضع و قطع اور معاشی و معاشرتی مخالفت میں بھی پنہاں ہے اس کا مقصد

بھی یہ ہے کہ توحید و شرک کا امتیاز صرف علمی مرتبہ میں نہ رہے بلکہ ایک موحد و مسلم کی رگ رگ سے بھی ٹپکنے لگے۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ جو حق تعالیٰ کا مقرر کردہ طریقۂ عبادت ہو اگر مشرکین بھی اسے اختیار کرلیں تو ہمیں اس کو چھوڑ دینا چاہئے کیونکہ اس کے معنی تو یہ ہوئے کہ ہمارا خود کوئی اصل مرکز اور مقام ہی نہیں بلکہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جس راہ مستقیم کے ہم مالک ہیں اگر اس میں دوسرے لوگ ہماری اتباع کرتے ہیں تو یہ ان کے شرک میں اسلامی تعلیم کا ایک عکس ہوگا اگر اس میں کچھ ناگواری کی بات ہو تو ان کے لئے ہونی چاہئے نہ یہ کہ ہمیں اپنا مقام چھوڑ کر اس سے ہٹ جانا چاہئے۔ اسی لئے مشرکین کی مخالفت میں اسلام نے ملتِ حنیفیہ کی اتباع ترک نہیں کی بلکہ الٹا ان کو یہ الزام دیا ہے کہ یہ تو ہمارا حق ہے اس میں تم ہمارے تبع ہو اگر تم اس کی اتباع کرتے ہو تو اس وجہ سے ہم اپنے اصل حق سے دست بردار نہیں ہوں گے۔

| | |
|---|---|
| اِنَّ اَوْلَى النَّاسِ بِاِبْرَاهِيْمَ لَلَّذِيْنَ | ابراہیم کے ساتھ خصوصیت کے بڑے حقدار تو وہ لوگ |
| اتَّبَعُوْهُ وَهٰذَا النَّبِيُّ وَالَّذِيْنَ | تھے جنھوں نے ان کی پیروی کی اور یہ پیغمبر (آخر الزماں) |
| اٰمَنُوْا۔ (آل عمران) | اور مسلمان (جو ایمان لائے) |

یہ فرق اس سے ظاہر ہو سکتا ہے کہ تم ملت حنیفیہ کا دعویٰ تو کرتے ہو مگر اس کے ساتھ شرک بھی کرتے ہو اور ہم بھی دعویٰ کرتے ہیں مگر اس کے ساتھ شرک سے اپنی بیزاری کا اظہار کرتے ہیں آؤ دیکھیں ملت حنیفیہ کی صحیح اتباع کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| قَالُوْا كُوْنُوْا هُوْدًا اَوْ نَصَارٰى تَهْتَدُوْا | کہتے ہیں کہ یہودی یا نصرانی ہو جاؤ تو تم راہ یاب ہوگے |
| قُلْ بَلْ مِلَّةَ اِبْرَاهِيْمَ حَنِيْفًا وَمَا كَانَ | آپ کہہ دیجئے کہ ہرگز نہیں بلکہ ہم نے حضرت ابراہیم کی راہ |
| مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (بقرہ) | اختیار کی جو ایک ہی طرف کے تھے اور وہ مشرک نہ تھے۔ |

اس بیان سے واضح ہو گیا کہ تم تو صرف مدعی ہو مگر ان کے تبع ہم ہیں بلکہ ان کی اتباع کا بڑا حق ہمارا ہے اس لئے ہم کسی حالت میں اپنے حق سے دست بردار نہیں ہو سکتے۔ جو نعرۂ مستانہ حضرت خلیلؑ اپنی ذریت میں بطور یادگار چھوڑ گئے وہ تو یہ ہے۔

| | |
|---|---|
| قُلْ اِنَّ صَلَاتِيْ وَنُسُكِيْ وَمَحْيَايَ | آپ کہہ دیجئے کہ میری نماز، میری عبادت، میرا جینا اور میرا |
| وَمَمَاتِيْ لِلّٰهِ رَبِّ الْعَالَمِيْنَ لَا شَرِيْكَ | مرنا سب اللہ ہی کے لئے ہے جو سارے جہان کا پروردگار ہے |
| لَهٗ وَبِذٰلِكَ اُمِرْتُ وَاَنَا اَوَّلُ | کوئی اس کا شریک نہیں اور مجھکو ایسا ہی حکم دیا گیا ہے اور |
| الْمُسْلِمِيْنَ۔ | میں اس کے فرمانبرداروں میں پہلا فرمانبردار ہوں۔ |
| مَا كَانَ اِبْرَاهِيْمُ يَهُوْدِيًّا وَّلَا نَصْرَانِيًّا | (حضرت) ابراہیمؑ تو یہودی تھے نہ نصرانی لیکن حنیف تھے |
| وَّلٰكِنْ كَانَ حَنِيْفًا مُّسْلِمًا وَمَا كَانَ | یعنی سب جھوٹے مذہبوں سے بیزار اور حکم کے بڑے فرمانبردار |

مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ اور مشرک نہ تھے۔

ان عمیق اور حقیقت سے لبریز کلمات سے ظاہر ہوتا ہے کہ اسلامی توحید کا پورا پورا نقشہ صرف زبان سے کلمہ توحید پڑھ لینے سے عیاں نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ انسانی زندگی کے ہر ہر چھوٹے بڑے گوشے سے بھی ظاہر نہ ہونے لگے اور اس کا ہر ہر عمل اسی ایک ذات پاک کے لئے اس طرح خالص ہو کر رہ جائے کہ اس میں للہ اور لاشریک لہ کے مثبت اور منفی ہر دو پہلو جدا جدا ممتاز نظر نہ آنے لگیں یعنی اس کا للہ ہونا بھی نمایاں ہو جائے اور شرک کے خلاف ہونا بھی اسی درجہ پر نمایاں ہو جائے۔ توحید کے دعوے کے ساتھ جہاں پہنچکر مداہنت کی ادنیٰ سی ادنیٰ گنجائش بھی ختم ہو جاتی ہے وہ اس کا یہی منفی پہلو ہے اور اسی پہلو کے نمایاں ہو جانے سے اسلام و کفر میں کھلا ہوا امتیاز ہو جاتا ہے۔ شرک کی عام فضاؤں میں جب کبھی خدا کے برگزیدہ نبی آئے تو ان کا مقصد صرف توحید کا پرچم لہرا دینے سے پورا نہیں ہوا جب تک کہ انھوں نے علم کفر کو سرنگوں بھی نہیں کر دیا۔ اس لئے ان کے دعووں میں کبھی کوئی ایسا تخلخل نہیں ہوا جس کے بعد کفر کو ان سے اپنے ساتھ سازگاری کی کوئی ادنیٰ سی طمع بھی باقی رہ گئی ہو۔ وہ ہمیشہ ایک ٹھوس اور علیحدہ جماعت بنانے کا پروگرام لے کر دنیا میں آئے اور جب تک ان کا یہ مقصد پورا نہ ہو لیا روز و شب اسی کے لئے سرگرم عمل رہے ان کی اس پالیسی سے اگر کسی فرد یا جماعت نے اتفاق نہ کیا اور دونوں طرف لگے رہنے کا ارادہ کیا تو انھوں نے ان کو منافق کا لقب دیکر اپنی جماعت سے ہمیشہ ایک علیحدہ جماعت سمجھا۔ خلاصہ یہ کہ توحید کے مرحلے پر جتنا اس کا مثبت پہلو اہم ہوتا ہے اتنا ہی اہم اس کا منفی پہلو ہو جاتا ہے اگر آپ اتنی بات سمجھ گئے ہیں تو اب سورۂ قل یاایہا الکافرون میں ایک ہی مضمون کو دو دو پہلوؤں سے ادا کرنے کا راز بھی سمجھ گئے ہوں گے یعنی کفر و اسلام کے دو راستوں کی واضح علیحدگی کے لئے یہی ایک تعبیر تھی جس کے بعد ان کے مابین سازگاری کی کوئی توقع باقی نہیں رہ سکتی۔

یہ بات اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ اسلام و کفر کے درمیان کوئی نقطہ مشترک نہیں نکلتا جس جگہ کفر ہو وہاں اسلام نہیں اور جہاں اسلام ہے وہاں کفر کی کوئی گنجائش نہیں۔ اسلام کے ساتھ ساتھ کفر کی کسی ایک ادا کو بھی نبھایا نہیں جا سکتا اسی لئے قرآن کریم نے ایمان پر امن مرتب ہونے کے لئے یہ شرط لگا دی ہے کہ اس میں شرک کا کوئی میل نہ ہونا چاہئے۔

| | |
|---|---|
| اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْٓا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ اُولٰٓئِكَ لَھُمُ الْاَمْنُ وَھُمْ مُّھْتَدُوْنَ۔ (انعام) | جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے اپنے ایمان میں شرک کی آمیزش نہیں کی بس یہی لوگ امن کے مستحق ہیں اور یہی لوگ ہدایت یافتہ بھی ہیں۔ |

ایک نصرانی شخص صرف کلمۂ توحید پڑھ کر مسلمان نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کا بھی صاف و صریح اقرار نہ کرلے کہ حضرت مسیح علیہ السلام اللہ تعالیٰ کے ایک بندہ ہی تھے یہ اسی حقیقت پر مبنی ہے کہ توحید الٰہی کے ساتھ لاشریک لہٗ کا مظاہرہ ہونا بھی ضروری ہے۔ جب تک جملہ شرکاء پر "لا" کی شمشیر نہیں چلائی جاتی اس وقت تک صحیح طور پر نعرۂ توحید بلند نہیں ہوتا۔

اسلام نے جہاں ظاہری افعالِ شرک سے منع کیا ہے اسی طرح ان باریک باریک فروگذاشتوں سے بھی روکا ہے جن سے ایک موحد کا اچھا خاصا عمل مشرک کے عمل کے مشابہ بن جاتا ہے مثلاً ریاء و شہرت پسندی جو عمل خواہ وہ اپنی شکل و صورت میں کتنا ہی توحید کا عمل سمجھا جائے لیکن اگر وہ ریاء و شہرت پسندی سے آلودہ ہو جائے تو اسلامی نظر میں وہ بھی ایک قسم کا شرکیہ عمل سمجھا جاتا ہے اسی اہمیت کے پیش نظر قرآن کریم نے عمل کے صالح ہونے کے لئے یہ شرط لگا دی ہے کہ وہ شرک کی اس قسم سے بھی پاک و صاف ہونا چاہئے اور ایسے ہی عمل کا نتیجہ لقاء رب ہو سکتا ہے۔

| | |
|---|---|
| فَمَنْ كَانَ يَرْجُوا لِقَاءَ رَبِّهِ فَلْيَعْمَلْ | تو جس کو اپنے پروردگار سے ملنے کی آرزو ہو |
| عَمَلًا صَالِحًا وَّلَا يُشْرِكْ بِعِبَادَةِ | تو اسے چاہئے کہ نیک عمل کرے اور کسی کو اپنے |
| رَبِّهٖٓ اَحَدًا۔ (کہف) | پروردگار کی عبادت میں شریک نہ کرے۔ |

یہاں "لایشرک" کی تفسیر لایرائی سے کی گئی ہے یعنی جس شخص کے پیش نظر لقاء رب جیسا اہم مقصد ہو اس کے لئے لازم ہے کہ نیک عمل کیا کرے اور اپنی عبادت میں کسی کو بھی شریک نہ بنایا کرے۔ اس آیت میں یہ امر بھی قابلِ غور ہے کہ جس امر پر یہاں زیادہ زور دیا گیا ہے وہ وہی خدا تعالیٰ کی عبادت میں شرکت کی ممانعت ہے۔ ذاتی شرکت کا مسئلہ بھی گو کم اہمیت نہیں رکھتا وہ بھی ایک بدترین کفر ہے لیکن شرک کی جس خطرناک جھاڑی میں ایک مدعی توحید بھی الجھ سکتا ہے وہ صرف شرک فی العبادۃ ہے اور اس کی ایک نہایت دقیق اور باریک قسم ریاء و شہرت پسندی ہے قرآن کریم نے شرک میں عام ابتلاء کا شکوہ ان الفاظ میں کیا ہے۔

| | |
|---|---|
| وَمَا يُؤْمِنُ اَكْثَرُهُمْ بِاللّٰهِ اِلَّا | اور اکثر لوگوں کا حال یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ پر ایمان بھی |
| وَهُمْ مُّشْرِكُوْنَ۔ (یوسف) | رکھتے ہیں اور اس کے ساتھ ہی شرک بھی کرتے رہتے ہیں۔ |

یعنی ایسے لوگ بہت ہی کم ہیں جو ایمان کے زبانی دعوے کے ساتھ شرک جلی اور شرک خفی کے ہر ہر شعبے سے احتراز رکھتے ہوں۔ غرض قرآن عزیز یہ اعلان کرتا ہے کہ محبوب حقیقی کے متلاشی کہاں مارے مارے پھرتے ہیں ان کے لئے اس کی ملاقات کا صرف یہی ایک راستہ ہے کہ نیک عمل کریں یہ تو اس کا مثبت پہلو ہوا اور

اس کا منفی پہلو ہے کہ اس کی عبادت میں شرک کے کسی نوع کی آلودگی بھی پیدا نہ ہونے دیں یہ منفی پہلو اس لئے ضروری ہے کہ بسا اوقات نیک عمل میں بھی شرک خفی کے جراثیم پیدا ہو جاتے ہیں ایسا عمل گو نیک نظر آئے مگر درحقیقت نیک نہیں ہوتا۔ ٹھیک اسی طرح خدائے تعالیٰ کی توحید بھی اس وقت تک خالص توحید نہیں کہلاتی جب تک کہ اس کے ساتھ لاشریک لہٗ اور ما انا من المشرکین کا اعلان بھی صاف صاف نہیں کر دیا جاتا۔ آج بھی اگر آپ اپنے ایمانوں کا جائزہ لیں تو اس میں بھی آپ کو توحید کا مثبت پہلو جتنا صاف اور واضح نظر آئے گا اتنا واضح اس کا دوسرا منفی پہلو نظر نہیں آئے گا خوب یاد رکھئے جب تک کہ اس کا یہ پہلو بھی اتنا ہی واضح نہ ہو جائے اس وقت تک آپ کی توحید کا نقشہ بھی نامکمل رہے گا۔ مشکل دعویٰ توحید نہیں اس میں تو اکثر قومیں آپ کی ہم آہنگ ہیں جو مرحلہ مشکل ہے وہ تمام شرکاء اور باریک سے باریک شرکیوں سے بیزاری ہے اور اس سے بڑھ کر اس بیزاری کا اعلان ہے اسی لئے کلمۂ لا الٰہ الا اللہ میں مثبت پہلو کی بنیاد منفی پہلو پر قائم کی گئی ہے۔ اتنی وضاحت کے بعد غالباً اب آپ خوب سمجھ گئے ہوں گے کہ اسلامی توحید کو اور مذاہب کی توحید سے کتنا امتیاز ہے ان کی توحید تو ابنیت اور تثلیث کے عقیدہ کے باوجود قائم رہ سکتی ہے مگر اسلام کی توحید ریا و شہرت پسندی کے بار کی بھی متحمل نہیں ہو سکتی پس جس شرک سے ایک مسلمان کو بچنا ہے وہ صرف خدا کی ذات میں شرک نہیں اس کی عبادت میں شرک بھی نہیں بلکہ شرک کی وہ نوع بھی ہے جو اس کے خالص سے خالص عمل میں بھی خفیہ طور پر پیدا ہو جاتی ہے اور ایک مسلم کو بھی اس سے رستگاری نصیب نہیں ہوتی ؎

برا ہی نظر پیدا مگر مشکل سے ہوتی ہے  ہوس چھپ چھپ کے سینہ میں بنا لیتی ہے تصویریں

خلاصہ کلام یہ ہے کہ شرک فی الذات، شرک فی الصفات (یعنی خدا تعالیٰ کی مخصوص صفات میں کسی کو اس کے برابر سمجھنا) اور شرک فی العبادت تو حقیقی شرک کے اقسام تھے۔ شرک فی القسمیہ، شرک خفی (یعنی ریاء و شہرت پسندی) اور عقیدۂ توحید کے ساتھ بعض اور ناز یبا طریقے جو اگرچہ شرک نہ ہوں مگر عملاً شرک حقیقی کے مشابہ ہوں یہ سب شرک اور قابل ترک ہی سمجھنے چاہئیں۔ کیونکہ ان کی سرحدیں حقیقی شرک کے ساتھ اتنی ملی جلی ہوتی ہیں کہ ان میں ذرا سی لغزش سے حقیقی شرک میں جا پڑنے کا ہر وقت احتمال ہوتا ہے اس لئے مذہب کی صحیح اتباع یہ نہیں کہ ایسے افعال کو تاویل کر کے کیا جائے اور خوب اصرار کے ساتھ کیا جائے صحیح اتباع یہ ہے کہ جن افعال سے کفر کی بو بھی آئے ان کو بھی کفر کی طرح ترک کر دیا جائے تاکہ وما انا من المشرکین کا پہلو اپنی پوری حقیقت کے ساتھ نمایاں ہو جائے اور کرہ الیکم الکفر والفسوق والعصیان کا پورا پورا نقشہ سامنے آ جائے۔ اس کے بعد یہاں شرک کی ایک قسم اور بھی ہے جس کی طرف عام نظریں نہیں پہنچیں اس پر محقق امت

حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے خاص طور پر تنبیہ فرمائی ہے۔

شاہ صاحب موصوف فرماتے ہیں کہ شرک کی ایک قسم شرک فی الطاعت بھی ہے اس کی حقیقت یہ ہے کہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی مخلوق کی اطاعت کرنی ایسی اطاعت کہ اس میں خدا تعالیٰ کے رسول اور اس کے مبلغ ہونے کی حیثیت بھی ملحوظ نہ ہو حتیٰ کہ اگر اس کا حکم خداوندی حکم کے خلاف بھی ہو جب بھی اسی کی اطاعت کی جائے اس کا نام مستقل اطاعت ہے یہ صرف ایک خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کا حق ہے اس لئے اس میں بھی کسی کو شریک بنانا ایک قسم کا شرک ہی ہے۔ اسی لئے قرآنِ کریم نے اہلِ کتاب کی اس نوع کی اطاعت کو شرک ہی سے تعبیر کیا ہے۔

اِتَّخَذُوْٓا اَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ اَرْبَابًا مِّنْ دُوْنِ اللّٰهِ۔ (۱۰ توبہ نصف) — ان لوگوں نے (اللہ تعالیٰ کو چھوڑ کر اپنے) عالموں اور درویشوں کو خدا بنا رکھا ہے۔

آیتِ بالا کی تفسیر میں منقول ہے کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا گیا کہ اہلِ کتاب نے تو اپنے احبار و علماء کو کبھی ارباب نہیں بنایا تھا اس کے جواب میں آپ نے فرمایا کیوں نہیں، کیا انھوں نے اپنے احبار کو مستقل مطاع کی حیثیت نہیں دی کیا جس کو انھوں نے حلال کہدیا انھوں نے اس کو حلال نہیں سمجھ لیا اور جس کو حرام بنا دیا اس کو حرام نہیں سمجھ لیا۔ اطاعت کا یہ منصب صرف ایک رب العزت کے لئے زیبا تھا جب انھوں نے یہ منصب اٹھا کر اپنے احبار کے سپرد کر دیا تو یہی اتخاذ ارباب اور شرک ہے۔ اس مضمون سے حضرت شاہ صاحبؒ نے یہ استنباط فرمایا کہ قرآنی نظر میں اس درجہ کی اطاعت بھی شرک کی ایک قسم ہے جس کو مستقل اطاعت کہا جاتا ہے۔ اسی قسم کی اطاعت کو قرآن کریم نے شرک سے تعبیر فرمایا ہے۔

وان اطعتموھم انکم لمشرکون۔ — اگر تم ان کی اطاعت کروگے تو تم مشرک ہوگے۔

رہی غیر مستقل اطاعت جس میں مطاع کی کوئی مستقل حیثیت نہیں ہوتی بلکہ یہ اطاعت رب العزت کے حکم کے ماتحت ہوتی ہے جیسے رسول، مجتہدینِ امت، سلاطین و امراء، شوہر، والدین اور غلام کی اپنے مالک کی اطاعت اس لئے یہ شرک بھی نہیں بلکہ بعض مرتبہ فرض اور واجب بھی ہوتی ہے۔ عبادت اور اطاعت میں فرق کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کی حقیقت غایت تذلل اور انتہائی خشوع و خضوع کا اظہار ہے۔ یہ اسی کے لئے مناسب ہے جس میں غایت درجہ عظمت موجود ہو، ایسی عظمت کہ اس سے برتر وہم و گمان میں نہ آسکے۔ اس درجہ کی عظمت صرف ایک ذات میں منحصر ہے اس لئے اس میں غیر مستقل طور پر بھی کسی کی شرکت کے لئے گنجائش نہیں اس میں ہر قسم کی شرکت شرک ہے۔ اور اطاعت کے لئے صرف حکمرانی کی لیاقت درکار ہے یہ بطریق نیابت مخلوق میں بھی پیدا ہو سکتی ہے اس لئے نیابۃً غیر اللہ کی اطاعت

شرک نہیں۔ اس فرق کو نہ سمجھنے کی وجہ سے امت کے چند فرقے افراط و تفریط میں مبتلا ہو گئے ہیں ایک تو تاویل کر کے غیر اللہ کی عبادت جائز سمجھنے لگا اور دوسرا اطاعت مجتہدین کو شرک سمجھنے لگا اور کوئی اطاعتِ رسول کو بھی شرک کا ایک شعبہ قرار دے بیٹھا۔ یہ تمام راہیں حقیقت سے نا آشنا ہونے کی دلیل ہیں۔ قرآن کریم نے اس مسئلہ کو علمی اور عملی ہر دو پہلوؤں سے پورے طور پر صاف کر دیا ہے۔ علمی لحاظ سے تو اس نے یہ واضح کر دیا ہے کہ رسول کی اطاعت اللہ تعالیٰ کی اطاعت سے علیحدہ اطاعت نہیں ہوتی اس کو مستقل اطاعت سمجھنا ہی غلط ہے اس لئے وہ شرک کیسے ہو سکتی ہے۔

مَنْ یُّطِعِ الرَّسُوْلَ فَقَدْ اَطَاعَ اللّٰهَ — جس نے رسول کا کہا مانا اس نے خدا ہی کا حکم مانا۔

اور عبادت کے متعلق اس قسم کا کہیں ایک حرف بھی نہیں فرمایا جس سے یہ خطرہ بھی گذر سکے کہ غیر اللہ کی عبادت کسی حالت میں بھی اللہ تعالیٰ کی عبادت کہی جا سکتی ہے اور عملی دائرہ میں رسول کی اطاعت اور اولو الامر کی اطاعت کو خود قرآن ہی نے فرض و واجب قرار دیدیا پھر اس کو شرک کیسے کہا جا سکتا ہے۔ اس کے برعکس عبادت میں کسی کی شرکت کو کسی نہج سے بھی گوارا نہیں کیا بلکہ ایک ادنیٰ سی ریاء کی نیت کو بھی شرک سے تعبیر فرمادیا اور فوز و فلاح کے لئے اس سے بھی احتراز کرنا شرط اول قرار دیدیا پس جتنی بات قرآن کریم سے کسی تاویل کے بغیر صاف اور صریح طور پر سمجھی جا سکتی ہے وہ یہ ہے کہ اس کے حکم کے ماتحت کچھ اشخاص یا جماعتوں کی اطاعت تو جائز ہے اور عبادت میں اس کا حکم ہی یہ ہے کہ اس میں کسی کو شریک بھی نہ کیا جائے۔

اَمَرَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِیَّاهُ — اللہ تعالیٰ نے اس بات کا حکم دیدیا ہے کہ عبادت بجز اس کے اور کسی کی نہ کی جائے۔

پس مسئلہ تو اتنا صاف اور واضح ہے جتنا کہ ہو سکتا ہے لیکن تاویل کا دروازہ کب بند ہوا اس کو عبادت لغیر اللہ کے مشتاق اور اطاعت رسول سے بیزار دونوں جماعتیں کھڑی کھٹکھٹا رہی ہیں اللہ تعالیٰ دونوں کو صحیح فہم مرحمت فرمائے اطاعت رسول کے متعلق ہم حجیت حدیث کے ذیل میں زیادہ بسط کے ساتھ گفتگو کر چکے ہیں ملاحظہ کیجئے۔

## الاشراك باللہ تعالیٰ مما لم یفطر علیہ الانسان

(۶۰۲) عَنْ عِيَاضِ بْنِ حِمَارٍ الْمُجَاشِعِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ فِي خُطْبَتِهِ أَلَا إِنَّ رَبِّي أَمَرَنِي أَنْ أُعَلِّمَكُمْ مَا جَهِلْتُمْ مِمَّا عَلَّمَنِي يَوْمِي هٰذَا كُلُّ مَالٍ نَحَلْتُهُ عَبْدًا حَلَالٌ وَإِنِّي خَلَقْتُ عِبَادِي حُنَفَاءَ كُلَّهُمْ وَإِنَّهُمْ أَتَتْهُمُ الشَّيَاطِينُ فَاجْتَالَتْهُمْ عَنْ دِينِهِمْ وَحَرَّمَتْ عَلَيْهِمْ مَا أَحْلَلْتُ لَهُمْ وَأَمَرَتْهُمْ أَنْ يُشْرِكُوا بِي مَا لَمْ أُنْزِلْ بِهِ سُلْطَانًا وَأَنَّ اللهَ نَظَرَ إِلَى أَهْلِ الْأَرْضِ فَمَقَتَهُمْ عَرَبَهُمْ وَعَجَمَهُمْ إِلَّا بَقَايَا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ وَقَالَ إِنَّمَا بَعَثْتُكَ لِأَبْتَلِيَكَ وَأَبْتَلِيَ بِكَ وَأَنْزَلْتُ عَلَيْكَ كِتَابًا لَا يَغْسِلُهُ الْمَاءُ تَقْرَأُهُ نَائِمًا وَيَقْظَانَ وَأَنَّ اللهَ أَمَرَنِي أَنْ

## شرک انسان کی فطرت نہیں

(۶۰۲) عیاض بن حمار مجاشعی سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے خطبہ میں فرمایا سن لو میرے پروردگار نے مجھے حکم دیا ہے کہ جو کچھ آج اس نے مجھے بتایا ہے اس میں کوئی حصہ میں تم کو بھی بتا دوں (اس نے فرمایا ہے) کہ جو مال میں نے کسی بندہ کو دیا وہ اس کے لئے حلال ہے اور فرمایا کہ میں نے اپنے تمام بندوں کو دین فطرت پر پیدا کیا ہے پھر ان کے پاس شیطان آئے اور ان کو اپنے دین سے ہٹا کر جو چیزیں میں نے ان کے لئے حلال بنائی تھیں حرام کر دیں اور اس پر ابھارا کہ میرا شریک ٹھیرائیں جس کی میں نے کوئی دلیل نہیں اتاری اور فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے تمام روئے زمین پر نظر ڈالی تو عرب و عجم سب کو قابل نفرت سمجھا بجز ان چند لوگوں کے جو اہل کتاب میں سے باقی رہ گئے تھے اور فرمایا کہ میں نے تم کو رسول بنا کر اس لئے بھیجا ہے تاکہ تمہاری بھی آزمائش کروں اور تمہارے ذریعہ سے دوسروں کی بھی آزمائش کروں اور میں نے تم پر ایسی کتاب نازل کی ہے جس کو پانی دھو نہیں سکتا، تم سوتے جاگتے ہر وقت اس کو پڑھ سکتے ہو۔ (قرآن حافظ کے سینہ میں ہوتا ہے نہ پانی اسے دھو سکتا ہے نہ اس کے پڑھنے کے لئے آنکھوں سے دیکھنے کی ضرورت ہے) اور اللہ تعالیٰ نے مجھے اس کا بھی حکم دیا کہ

(۶۰۲) عرب بحیرہ اور سائبہ اور وصیلہ بتوں کے نام کے بہت سے جانور اپنے اوپر حرام کر لیا کرتے تھے حدیث کہتی ہے کہ جو جانور اللہ تعالیٰ نے حلال کئے ہیں ان کو حرام کرنے کا حق کسی کو بھی نہیں ہے۔ دوم یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ہر شخص کی فطرت شرک و کفر سے پاک پیدا فرمائی ہے اس لئے شرک کرنے میں کسی کا کوئی عذر مسموع نہیں۔ یہ

أَحْرِقَ قُرَيْشًا فَقُلْتُ رَبِّ إِذًا يَثْلَغُوا رَأْسِي فَيَدَعُوهُ خُبْزَةً قَالَ اسْتَخْرِجْهُمْ كَمَا أَخْرَجُوكَ وَاغْزُهُمْ نُغْزِكَ وَأَنْفِقْ فَسَنُنْفِقُ عَلَيْكَ وَابْعَثْ جَيْشًا نَبْعَثْ خَمْسَةً مِثْلَهُ وَقَاتِلْ بِمَنْ أَطَاعَكَ مَنْ عَصَاكَ۔ (رواہ مسلم)

(۶۰۳) عَنْ زَيْدِ بْنِ سَلَّامٍ أَنَّ أَبَا سَلَّامٍ حَدَّثَهُ أَنَّ الْحَارِثَ الْأَشْعَرِيَّ حَدَّثَهُ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ اللهَ أَمَرَ يَحْيَى بْنَ زَكَرِيَّا بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ يَعْمَلَ بِهَا وَيَأْمُرَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا وَأَنَّهُ كَادَ أَنْ يُبْطِئَ بِهَا قَالَ عِيسَى

میں قریش کو جلا کر تباہ کر ڈالوں اس پر میں نے عرض کیا وہ تو میرے سر کو کچل ڈالیں گے اور اس کو ایک روٹی کی طرح بنا کر رکھ دیں گے فرمایا تم ان کو نکال باہر کرو جیسا انھوں نے تم کو وطن سے نکالا اور ان سے جنگ کرو ہم تمہاری مدد کریں گے اور خوب لشکر پر خرچ کرو ہم تمہیں خرچ دیں گے اور ان پر فوج کشی کرو ہم اُن کی پانچ گنی اپنی جانب سے اور بھیجیں گے اور اپنے تابعداروں کو ساتھ لیکر ان سے جنگ کرو جو تمہاری نافرمانی کرے۔ (مسلم شریف)

(۶۰۳) زید بن سلام سے روایت ہے کہ ان سے ابو سلام نے کہا کہ حارث اشعری نے ان سے بیان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے حضرت یحیٰی علیہ السلام کو پانچ باتوں کے متعلق حکم دیا تھا کہ ان پر وہ خود بھی عمل کیا کریں اور بنی اسرائیل سے کہدیں کہ وہ بھی ان پر عمل کریں حضرت یحیٰی علیہ السلام کو بنی اسرائیل سے کہنے میں کچھ تاخیر ہونے لگی تو حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے فرمایا

آپ پہلے معلوم کر چکے ہیں کہ کسی کے کہنے پر حلال کو حرام سمجھ لینا بھی خدا کے شریک ٹھہرانے کے ہی مرادف ہے اسی کو شرک فی الطاعۃ کہا جاتا ہے۔ خلاصہ یہ کہ شرک فی الذات ہو یا فی العبادت یا فی الطاعت یہ سب انواع انسانی فطرت کے خلاف ہیں ان کا بانی صرف شیطان ہے اور جو اس کی تقلید کرتا ہے وہ عبدرحمٰن نہیں اسی کا بندہ ہے۔ جب خارجی اثرات یا والدین کی تعلیم سے فطرت مسخ ہو جاتی ہے تو پھر عقائد شرکیہ فطرت کا تقاضہ معلوم ہونے لگتے ہیں۔

(۶۰۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی امت کو ان پانچ باتوں کا امر فرمایا ہے جن کے بغیر پہلی باتوں پر بھی پورا عمل نہیں ہو سکتا۔ نماز، روزہ اور بالخصوص زکوٰۃ و صدقات یہ مسلمانوں کی صرف انفرادی عبادتیں نہیں بلکہ ان کی اجتماعی عبادتیں بھی ہیں اور اجتماعی عبادتوں کا نظم و نسق بلا جماعت کے قائم نہیں رہ سکتا اور کوئی جماعت بلا کسی امام و امیر کے زندہ نہیں رہ سکتی اس لئے آپ نے ان اجزاء پر زیادہ زور دیا ہے جن کے بغیر اللہ تعالیٰ کی خالص عبادتیں پوری طاقت اور آزادی کے ساتھ ادا نہیں کی جا سکتیں آخری شریعت درحقیقت پہلی شریعتوں کے لئے تکمیل ہے۔

إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَكَ بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ لِتَعْمَلَ بِهَا وَتَأْمُرَ بَنِي إِسْرَائِيلَ أَنْ يَعْمَلُوا بِهَا فَإِمَّا أَنْ تَأْمُرَهُمْ وَإِمَّا أَنْ آمُرَهُمْ فَقَالَ يَحْيَى أَخْشَى إِنْ سَبَقْتَنِي بِهَا أَنْ يُخْسَفَ بِي أَوْ أُعَذَّبَ فَجَمَعَ النَّاسَ فِي بَيْتِ الْمَقْدِسِ فَامْتَلَأَ وَقَعَدُوا عَلَى الشُّرَفِ فَقَالَ إِنَّ اللّٰهَ أَمَرَنِي بِخَمْسِ كَلِمَاتٍ أَنْ أَعْمَلَ بِهِنَّ وَآمُرَكُمْ أَنْ تَعْمَلُوا بِهِنَّ أَوَّلُهُنَّ أَنْ تَعْبُدُوا اللّٰهَ وَلَا تُشْرِكُوا بِهِ شَيْئًا وَإِنَّ مَثَلَ مَنْ أَشْرَكَ بِاللّٰهِ كَمَثَلِ رَجُلٍ اشْتَرَى عَبْدًا مِنْ خَالِصِ مَالِهِ بِذَهَبٍ أَوْ وَرِقٍ فَقَالَ هٰذِهِ دَارِي وَهٰذَا عَمَلِي فَاعْمَلْ وَأَدِّ إِلَيَّ فَكَانَ يَعْمَلُ وَيُؤَدِّي إِلَى غَيْرِ سَيِّدِهِ فَأَيُّكُمْ يَرْضَى أَنْ يَكُونَ عَبْدُهُ كَذٰلِكَ وَإِنَّ اللّٰهَ أَمَرَكُمْ بِالصَّلٰوةِ فَإِذَا صَلَّيْتُمْ فَلَا تَلْتَفِتُوا فَإِنَّ اللّٰهَ يَنْصِبُ وَجْهَهُ لِوَجْهِ عَبْدِهِ فِي صَلٰوتِهِ مَا لَمْ يَلْتَفِتْ وَأَمَرَكُمْ بِالصِّيَامِ فَإِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ فِي عِصَابَةٍ مَعَهُ صُرَّةٌ فِيهَا مِسْكٌ وَكُلُّهُمْ يَعْجَبُ أَوْ يُعْجِبُهُ رِيحُهَا وَإِنَّ رِيحَ الصَّائِمِ أَطْيَبُ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ

اللہ تعالیٰ نے آپ کو پانچ باتوں کے متعلق یہ حکم دیا تھا کہ آپ خود بھی ان پر عمل کیا کریں اور بنی اسرائیل سے بھی عمل کرنے کے لئے کہدیں تو یا تو آپ ہی ان سے کہدیجئے یا پھر میں ان سے کہدوں۔ حضرت یحییٰ علیہ السلام نے فرمایا کہ (چونکہ حکم مجھے ہوا ہے اس لئے) مجھے خطرہ ہے اگر اس بارے میں آپ نے سبقت کی تو کہیں میں زمین میں دھنسا نہ دیا جاؤں یا کسی اور عذاب میں گرفتار نہ ہو جاؤں اس کے بعد انہوں نے فوراً لوگوں کو بیت مقدس میں جمع کیا جب وہ خوب بھر گیا اور لوگ گیلریوں تک میں بیٹھ گئے تو فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے پانچ باتوں پر خود عمل کرنے کا حکم دیا ہے اور اس کا کہ میں تم کو بھی ان پر عمل کرنے کی تاکید کردوں۔ پہلی بات یہ ہے کہ تم اللہ تعالیٰ ہی کی عبادت کرو اور کسی کو اس کا شریک نہ ٹھیراؤ کیونکہ جو شخص کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک بنائے اس کی مثال ایسی ہے جیسی اس غلام کی جس کو ایک شخص صرف اپنے سونے چاندی کے مال سے بلاشرکت غیرے خریدے اور اس کو یہ بتادے کہ دیکھ یہ تو میرا گھر ہے اور یہ میرا کام ہے تو مزدوری کرنا اور اس کی اجرت مجھے دیدیا کرنا۔ یہ غلام مزدوری تو کرے مگر اس کی اجرت اپنے آقا کی بجائے کسی اور شخص کو دیدیا کرے بھلا تم میں کون شخص یہ پسند کرسکتا ہے کہ اس کا غلام ایسا ہو۔ دوسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو نماز کا حکم دیا ہے لہذا جب تک نماز میں رہو ادھر ادھر دیکھا نہ کرو کیونکہ اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کی طرف پورا پورا متوجہ رہتا ہے جب تک وہ ادھر ادھر نہیں دیکھتا۔ تیسری بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو روزہ کا حکم دیا ہے

رِیْحِ الْمِسْكِ وَاٰمُرُكُمْ بِالصَّدَقَةِ فَاِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ اَسَرَهُ الْعَدُوُّ فَاَوْثَقُوْا يَدَهٗ اِلٰى عُنُقِهٖ وَقَدَّمُوْهُ لِيَضْرِبُوْا عُنُقَهٗ فَقَالَ اَنَا اَفْدِيْهِ مِنْكُمْ بِالْقَلِيْلِ وَالْكَثِيْرِ فَفَدٰى نَفْسَهٗ مِنْهُمْ وَاٰمُرُكُمْ اَنْ تَذْكُرُوا اللّٰهَ فَاِنَّ مَثَلَ ذٰلِكَ كَمَثَلِ رَجُلٍ خَرَجَ الْعَدُوُّ فِيْ اَثَرِهٖ سِرَاعًا حَتّٰى اِذَا اَتٰى عَلٰى حِصْنٍ حَصِيْنٍ فَاَحْرَزَ نَفْسَهٗ مِنْهُمْ كَذٰلِكَ الْعَبْدُ لَا يُحْرِزُ نَفْسَهٗ مِنَ الشَّيْطَانِ اِلَّا بِذِكْرِ اللّٰهِ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَنَا اٰمُرُكُمْ بِخَمْسٍ اَللّٰهُ اَمَرَنِيْ بِهِنَّ. اَلسَّمْعُ وَالطَّاعَةُ وَالْجِهَادُ وَالْهِجْرَةُ وَالْجَمَاعَةُ فَاِنَّهٗ مَنْ فَارَقَ الْجَمَاعَةَ قِيْدَ شِبْرٍ فَقَدْ خَلَعَ رِبْقَةَ الْاِسْلَامِ مِنْ عُنُقِهٖ اِلَّا اَنْ يُّرَاجِعَ وَمَنِ ادَّعٰى دَعْوَى الْجَاهِلِيَّةِ فَاِنَّهٗ مِنْ جُثٰى جَهَنَّمَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَاِنْ صَلّٰى وَصَامَ فَقَالَ وَاِنْ صَلّٰى وَصَامَ فَادْعُوْا بِدَعْوَى اللّٰهِ الَّذِيْ سَمَّاكُمُ الْمُسْلِمِيْنَ الْمُؤْمِنِيْنَ عِبَادَ اللّٰهِ۔ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح غریب)

روزہ کی مثال ایسی ہے جیسی کسی جماعت میں اس شخص کی جس کے پاس ایک تھیلی ہو اس تھیلی میں مشک ہو تو ہر شخص کو اس کی خوشبو اچھی معلوم ہوگی اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تو روزہ دار کے منہ کی بو مشک سے بھی زیادہ پیاری ہوتی ہے۔ چوتھی بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو صدقہ کا حکم دیا ہے اس کی مثال ایسی ہے جیسی اس شخص کی جس کو دشمن نے قید کر لیا ہو اور اس کے ہاتھ اس کی گردن سے باندھ دیئے ہوں اور اس کی گردن مارنے کے لئے اس کو لئے جارہے ہوں۔ یہ شخص کہے کہ میں اپنی جان کے عوض میں تھوڑا بہت مال (جو کچھ مال میرے پاس ہے) سب دیتا ہوں اور اس طرح فدیہ دے کر اپنی جان کو ان سے چھوڑا لے اور پانچویں بات یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے تم کو ذکر اللہ کا حکم دیا ہے کیونکہ ذکر کی مثال ایسی ہے جیسی اس شخص کی جس کے تعاقب میں دشمن تیزی کے ساتھ آرہا ہو اور یہ دوڑتے دوڑتے کسی مضبوط قلعہ کے اندر آجائے اور اس میں آکر اپنی جان کو دشمن سے بچالے اسی طرح بندہ بجز ذکر اللہ کے اور کسی طرح اپنے آپ کو شیطان سے بچا نہیں سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اب میں تم کو ان پانچ باتوں کا حکم دیتا ہوں جن کا حکم خدا تعالیٰ نے مجھکو دیا ہے۔ اپنے حاکم کا حکم بغور سننا اور بخوشی ماننا جہاد کرنا، ہجرت اور مسلمانوں کی جماعت جو اپنے امام کے ساتھ رہے اسی کے ساتھ تم بھی لگے رہنا کیونکہ جو امام وقت کی جماعت سے بالشت بھر بھی علیحدہ رہا اس نے گویا اسلام کا طوق اپنی گردن سے اتار پھینکا مگر یہ کہ وہ اپنی اس حرکت سے باز آجائے اور پھر اس کی اطاعت کرنے لگے اور پانچویں بات یہ کہ جس نے اسلام میں پھر زمانۂ جاہلیت کی آوازیں لگانی شروع کیں وہ شخص دوزخ کے خس وخاشاک میں داخل ہوا ہوگا ایک شخص بولا یا رسول اللہ اگرچہ وہ نمازیں بھی پڑھے اور روزے بھی رکھے۔ فرمایا اگرچہ نمازیں بھی پڑھے اور روزے بھی رکھے۔ اس لئے اللہ کے بندو! تم اسی اللہ کی مرضی کے مطابق نعرے لگاؤ جس نے پہلے سے تمہارا نام مسلم اور مومن رکھدیا ہے۔ (ترمذی شریف)

## الاشراك باللہ اقبح الاشیاء عند اللہ

(۶۰۴) عن عمرو بن شرحبیل عن عبد اللہ قال قلت یا رسول اللہ ای الذنب اعظم قال ان تجعل للہ ندا وھو خلقک ثم قال ای قال ان تقتل ولدک خشیۃ ان یاکل معک ثم قال ای قال ان تزانی حلیلۃ جارک فانزل تصدیق قول النبی صلی اللہ علیہ وسلم والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا اٰخر۔ (بخاری شریف)

(۶۰۵) عن عبد اللہ قال سألت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ای الذنب اعظم عند اللہ قال ان تجعل للہ ندا وھو خلقک قال قلت لہ ان ذلک لعظیم قال قلت ثم ای قال ثم ان تقتل ولدک مخافۃ ان یطعم معک قال قلت ثم ای قال ثم ان تزانی حلیلۃ جارک۔ رواہ مسلم وفی طریق اخر فانزل اللہ عز وجل تصدیقھا والذین لا یدعون مع اللہ الٰھا اٰخر ولا یقتلون النفس التی حرم اللہ الا بالحق ولا یزنون ومن یفعل ذالک یلق اثاما)

## شرک اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بدتر جرم ہے

(۶۰۴) عبد اللہ بن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا سب سے بڑا گناہ کون سا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اس خدا کا شریک ٹھیرائے جس نے تجھ کو تنہا بلا شرکت پیدا کیا ہے پوچھا اس کے بعد، فرمایا یہ کہ تو اپنے جگر گوشہ کو اس خوف سے مار ڈالے کہ کہیں وہ تیرے ساتھ تیرے کھانے میں شریک نہ ہو جائے۔ اس نے کہا پھر اس کے بعد، فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بیوی سے زنا کرے۔ آپ کے اس کلام کی تصدیق میں آیت ذیل بھی نازل ہوگئی۔ والذین لا یدعون الخ

(۶۰۵) عبد اللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا اللہ کے نزدیک سب سے بڑا گناہ کونسا ہے؟ فرمایا یہ کہ تو اس کا شریک ٹھیرائے حالانکہ تجھ کو پیدا اسی نے کیا ہے میں نے کہا بیشک یہ تو بہت بڑا جرم ہے۔ میں نے عرض کیا اس کے بعد فرمایا یہ کہ تو اپنی اولاد کو اس خطرہ سے مار ڈالے کہ وہ (بڑا ہو کر) کھانے میں تیرا شریک ہوگا۔ میں نے عرض کیا پھر، فرمایا یہ کہ تو اپنے پڑوسی کی بی بی سے زنا کرے۔ صحیح مسلم کے دوسرے طریقے میں ہے کہ آپ کے اس ارشاد کی تصدیق اللہ تعالیٰ نے آیت ذیل میں نازل فرمائی۔ والذین لا یدعون مع اللہ الخ

(۶۰۶) عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِیْ خَلِیْلِیْ اَنْ لَّا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَیْئًا وَّاِنْ قُطِعْتَ وَحُرِقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ۔ (رواہ ابن ماجہ)

(۶۰۷) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَا مِنْ عَبْدٍ یَعْبُدُ اللّٰهَ وَلَا یُشْرِكُ بِهٖ شَیْئًا وَیُقِیْمُ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتِی الزَّكٰوةَ وَیَجْتَنِبُ الْكَبَائِرَ اِلَّا دَخَلَ الْجَنَّةَ قَالَ فَسَاَلُوْهُ مَا الْكَبَائِرُ قَالَ الْاِشْرَاكُ بِاللّٰهِ وَالْفِرَارُ مِنَ الزَّحْفِ وَقَتْلُ النَّفْسِ۔ (رواہ الحاکم فی المستدرک)

(۶۰۸) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰی لَیَغْفِرُ لِعَبْدِہٖ مَالَمْ یَقَعِ الْحِجَابُ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الْحِجَابُ قَالَ اَنْ تَمُوْتَ نَفْسٌ وَّهِیَ مُشْرِكَةٌ۔ (رواہ البیہقی فی کتاب البعث والنشور)

(۶۰۹) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَّقِیَ اللّٰهَ لَا یَعْدِلُ بِهٖ شَیْئًا فِی الدُّنْیَا ثُمَّ كَانَ عَلَیْهِ مِثْلُ جِبَالٍ ذُنُوْبٌ غَفَرَ اللّٰهُ لَهٗ۔ ( " " )

(۶۰۶) ابوالدرداءؓ سے روایت ہے کہ میرے سب سے بزرگ محبوب نے یہ وصیت فرمائی ہے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ تمہاری بوٹی بوٹی کردی جائے اور تم کو جلا کر خاک بھی کردیا جائے اور دیکھو جان بوجھ کر کوئی فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص جان کر نماز چھوڑ بیٹھتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہوجاتا ہے اور شراب کبھی نہ پینا کیونکہ اس سے تمام برائیوں کا دروازہ کھل جاتا ہے۔ (ابن ماجہ)

(۶۰۷) ابوایوب انصاریؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کوئی بندہ ایسا نہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت کرے اور اس میں کسی کو اس کا شریک نہ ٹھہرائے، نماز اچھی طرح پڑھے زکوٰۃ ادا کرے، کبائر سے بچتا رہے مگر وہ ضرور بالضرور جنت میں جائے گا۔ لوگوں نے دریافت کیا یارسول اللہ کبائر کی تفصیل کیا ہے فرمایا خدا کے ساتھ کسی کو شریک کرنا جہاد سے بھاگ جانا اور کسی کو ناحق قتل کرنا یہ سب کبیرہ ہیں۔ (مستدرک)

(۶۰۸) ابوذرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ اپنے بندہ کے گناہ برابر بخشتا رہتا ہے جب تک اللہ تعالیٰ کی رحمت (اور اس کے بندہ کے درمیان) پردہ نہیں پڑتا صحابہؓ نے پوچھا وہ پردہ کیا چیز ہے فرمایا وہ پردہ یہ ہے کہ شرک کے عقیدہ پر کسی کی موت آجائے (کتاب البعث والنشور)

(۶۰۹) ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں کسی کو اللہ تعالیٰ کے برابر سمجھے بغیر مرجائے اللہ تعالیٰ اس کی بخشش فرمادیگا اگرچہ اس کے سر پر پہاڑوں کے برابر بھی گناہ ہوں۔ ( " )

(۶۱۰) عَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ مَاتَ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا دَخَلَ الْجَنَّۃَ۔ (رواہ احمد والشیخان)

(۶۱۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی مَنْ عَلِمَ اَنِّیْ ذُوْ قُدْرَۃٍ عَلٰی مَغْفِرَۃِ الذُّنُوْبِ غَفَرْتُ لَہٗ وَلَا اُبَالِیْ مَا لَمْ یُشْرِکْ بِیْ شَیْئًا (رواہ شرح السنۃ)

(۶۱۲) عَنْ عَائِشَۃَ رضی اللّٰہ عنہا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الدَّوَاوِیْنُ ثَلَاثَۃٌ دِیْوَانٌ لَا یَغْفِرُ اللّٰہُ۔ اَلْاِشْرَاکُ بِاللّٰہِ یَقُوْلُ اللّٰہُ عَزَّ وَجَلَّ اِنَّ اللّٰہَ لَا یَغْفِرُ اَنْ یُّشْرَکَ بِہٖ۔ وَدِیْوَانٌ لَا یَتْرُکُہُ اللّٰہُ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیْمَا بَیْنَھُمْ حَتّٰی یَقْتَصَّ بَعْضُھُمْ مِنْ بَعْضٍ وَدِیْوَانٌ لَا یَعْبَأُ اللّٰہُ بِہٖ ظُلْمُ الْعِبَادِ فِیْمَا بَیْنَھُمْ وَبَیْنَ اللّٰہِ فَذٰلِکَ اِلَی اللّٰہِ اِنْ شَاءَ عَذَّبَہٗ وَاِنْ شَاءَ تَجَاوَزَ عَنْہُ۔ (رواہ البیہقی فی شعب الایمان)

(۶۱۳) عَنْ مُعَاذٍ قَالَ اَوْصَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِعَشْرِ کَلِمَاتٍ قَالَ

---

(۶۱۰) ابو ایوب انصاری روایت فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کہتے خود سنا ہے جو شخص شرک سے پاک وصاف مرجائے گا وہ ضرور جنتی ہوگا۔ (احمد و شیخین)

(۶۱۱) ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایک حدیث قدسی نقل فرماتے ہیں اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے جو شخص یہ یقین رکھے کہ میں تمام گناہوں کی بخشش پر قدرت رکھتا ہوں میں اس کو بخشدوں گا بشرطیکہ اس نے کسی کو میرا شریک نہ ٹھہرایا ہو اور میں بڑا بے نیاز ہوں۔ (شرح السنۃ)

(۶۱۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اعمال کے دفاتر تین قسم کے ہیں ایک شرک کا دفتر اس کی بخشش کا تو کوئی امکان ہی نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرما چکا ہے "خدا تعالیٰ اس بات کی ہرگز مغفرت نہیں کرے گا کہ اس کے ساتھ شرک کیا جائے"۔ دوسرا دفتر وہ ہے جس کا انتقام لئے بغیر اللہ تعالیٰ نہیں چھوڑے گا۔ یہ بندوں کے باہم ایک دوسرے پر حقوق ہیں۔ تیسرا دفتر ان حقوق کا ہے جو اللہ اور اس کے بندوں کے درمیان ہیں۔ اس کا معاملہ اللہ تعالیٰ کی مرضی پر موقوف ہے چاہے تو ان پر گرفت فرمائے اور چاہے درگذر فرمادے۔ (شعب الایمان)

(۶۱۳) معاذؓ سے روایت ہے کہ مجھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے دس باتوں کی وصیت فرمائی ہے آپ نے فرمایا ہے۔ (۱) اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا اگرچہ تمہیں جان سے مار ڈالا جائے اور جلا کر خاک بھی کر دیا جائے۔ (۲) اپنے والدین کی نافرمانی نہ کرنا اگرچہ وہ بیوی اور مال چھوڑ دینے کا

لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَاِنْ قُتِلْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَعُقَّنَّ وَالِدَيْكَ وَاِنْ اَمَرَاكَ اَنْ تَخْرُجَ مِنْ اَهْلِكَ وَمَالِكَ وَلَا تَتْرُكَنَّ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً فَاِنَّ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ ذِمَّةُ اللّٰهِ وَلَا تَشْرَبَنَّ خَمْرًا فَاِنَّهٗ رَأْسُ كُلِّ فَاحِشَةٍ وَاِيَّاكَ وَالْمَعْصِيَةَ فَاِنَّ بِالْمَعْصِيَةِ حَلَّ سَخَطُ اللّٰهِ وَاِيَّاكَ وَالْفِرَارَ مِنَ الزَّحْفِ وَاِنْ هَلَكَ النَّاسُ وَاِذَا اَصَابَ النَّاسَ مَوْتٌ وَاَنْتَ فِيْهِمْ فَاثْبُتْ وَاَنْفِقْ عَلٰى عِيَالِكَ مِنْ طَوْلِكَ وَلَا تَرْفَعْ عَنْهُمْ عَصَاكَ اَدَبًا وَاَخِفْهُمْ فِي اللّٰهِ۔ (رواه احمد)

(۶۱۴) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَهْوَنُ اَهْلِ النَّارِ عَذَابًا اَبُوْطَالِبٍ وَهُوَ مُنْتَعِلٌ بِنَعْلَيْنِ يَغْلِيْ مِنْهُمَا دِمَاغُهٗ۔ (رواه البخاری)

---

بھی حکم دیں۔ (۳) کوئی فرض نماز نہ چھوڑنا کیونکہ جو شخص قصداً نماز چھوڑتا ہے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہوجاتا ہے۔ (۴) شراب نہ پینا کیونکہ یہ تمام بے حیائیوں کا سرچشمہ ہے۔ (۵) خدا کی نافرمانی سے دور رہنا کیونکہ نافرمانی کرنے سے خدا کا غصہ اتر آتا ہے۔ (۶) جہاد میں ہرگز نہ بھاگنا اگرچہ اور لوگ بھاگ جائیں۔ (۷) جب لوگوں میں وبا پھیلے اور تم ان میں موجود ہو تو ثابت قدم رہنا اور بھاگنا مت (۸) اپنی اولاد پر اپنی وسعت کے موافق خرچ کرتے رہنا۔ (۹) بنظرِ ادب اپنا ڈنڈا ان سے نہ ہٹانا (۱۰) اور اللہ تعالیٰ کے معاملہ میں انھیں ڈراتے بھی رہنا۔ (احمد)

(۶۱۴) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ دوزخیوں میں سب سے زیادہ ہلکا عذاب ابوطالب کو ہوگا وہ صرف آگ کے دو چپل پہنے ہوئے ہوں گے اس کی وجہ سے ان کا دماغ کھولتا رہے گا۔ (اعاذنا اللہ منہ) (بخاری شریف)

---

(۶۱۴) اگر شرک کے متعلق حتمی وعید میں قدرت کوئی استثناء گوارا کرتی تو شاید ان سے بڑھ کر اس کا کوئی اور محل نہ ہوتا مگر یہاں بھی صحیح حدیثوں میں خدا کی وعید میں کوئی استثناء ثابت نہیں ہوتا۔ بعض روایات میں جو تفصیلات مذکور ہیں وہ حد ثبوت کو نہیں پہنچتیں۔ یہ حدیث بالفاظِ مختلفہ وارد ہوئی ہے ہم نے اس کے مختلف الفاظ سے مختلف فوائد اخذ کئے ہیں اس لئے اس کو کئی جگہ ذکر کیا ہے مگر ہر جگہ لفظ نئے ہیں۔

(۶۱۵) عَنْ اَبِیْ مُوْسیٰ الْاَشْعَرِیِّ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰہَ تَعَالٰی لَیَطَّلِعُ فِیْ لَیْلَۃِ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ فَیَغْفِرُ لِجَمِیْعِ خَلْقِہٖ اِلَّا لِمُشْرِکٍ اَوْ مُشَاحِنٍ (رواہ ابن ماجۃ ورواہ احمد عن عبد اللہ بن عمرو بن العاص وفی روایتہ الا اثنین مشاحن وقاتل نفس.)

(۶۱۶) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُفْتَحُ اَبْوَابُ الْجَنَّۃِ یَوْمَ الْاِثْنَیْنِ وَیَوْمَ الْخَمِیْسِ فَیُغْفَرُ لِکُلِّ عَبْدٍ لَا یُشْرِکُ بِاللّٰہِ شَیْئًا اِلَّا رَجُلٌ کَانَتْ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اَخِیْہِ شَحْنَاءُ فَیُقَالُ دَعُوْا ھٰذَیْنِ حَتّٰی یَصْطَلِحَا. (رواہ مسلم)

## لا ینفع الایمان مع الاشراک باللّٰہ

(۶۱۷) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ اَلَّذِیْنَ اٰمَنُوْا وَلَمْ یَلْبِسُوْا اِیْمَانَھُمْ بِظُلْمٍ

---

(۶۱۵) ابوموسیٰ اشعری رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپؐ نے فرمایا کہ اللہ تعالیٰ نصف شعبان کی شب میں اپنے بندوں کی طرف خاص طور پر توجہ فرماتا ہے اور سب کی مغفرت کر دیتا ہے بجز مشرک اور کینہ ور کے۔ (ابن ماجہ - احمد)

(۶۱۶) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جنت کے دروازے پیر اور جمعرات کے دن کھولے جاتے ہیں اور ان میں تمام ان بندوں کی بخشش کر دی جاتی ہے جو کسی کو خدا تعالیٰ کا شریک نہیں ٹھہراتے بجز ان کے جن کے دل میں اپنے بھائی کا کینہ ہو۔ ایسے دو شخصوں کے متعلق یہ کہدیا جاتا ہے کہ ان کا معاملہ ملتوی رکھو تا آنکہ وہ دونوں صلح کرلیں۔ (مسلم)

## شرک وکفر کی ملاوٹ کے ساتھ ایمان بھی سود مند نہیں

(۶۱۷) ابن مسعودؓ سے روایت ہے کہ جب آیت الذین آمنوا الخ (جو لوگ ایمان لائے اور انھوں نے

---

(۶۱۶) آسمانوں میں دروازے ہیں وہ کھولے بھی جاتے ہیں اور بند بھی کئے جاتے ہیں یہ سب عالم غیب کے حقائق ہیں ان میں جگہ جگہ نہ الجھئے اگر کلی طور پر آپ کو عالم غیب کا وجود مسلم ہو چکا ہے تو یہ سب اسی کی معمولی جزئیات ہیں اور اگر ابھی اس کے وجود ہی میں کچھ تردد ہے تو پہلے اسی کو طے کر لیجئے ــــــ یہاں مقصد یہ ہے کہ ارحم الراحمین کی مہربانیوں کی ایسی ایسی ساعات میں بھی شرک کرنے والا محروم ہی رہتا ہے اپنے ایک مسلمان بھائی سے بغض رکھنے والا شخص بھی کتنا بدنصیب ہے جو محرومی میں ایک مشرک کا شریک بن رہا ہے۔

(۶۱۷) ایمان میں شرک ملانے کی مختلف صورتیں ہیں۔ سب سے خطرناک یہ ہے کہ زبان پر تو خدا کی توحید کا دعویٰ

شَقَّ ذَالِكَ عَلٰى اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَيُّنَا لَمْ يَظْلِمْ نَفْسَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ ذَاكَ اِنَّمَا هُوَ الشِّرْكُ اَلَمْ تَسْمَعُوْا قَوْلَ لُقْمَانَ لِابْنِهٖ يَا بُنَيَّ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ اِنَّ الشِّرْكَ لَظُلْمٌ عَظِيْمٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ لَيْسَ هُوَ كَمَا تَظُنُّوْنَ اِنَّمَا هُوَ كَمَا قَالَ لُقْمَانُ لِابْنِهٖ۔ (متفق علیہ)

(۶۱۸) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ امْرَءَةَ ثَابِتِ بْنِ قَيْسٍ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ثَابِتُ بْنُ قَيْسٍ مَا اَعْتِبُ عَلَيْهِ فِيْ خُلُقٍ وَّلَا دِيْنٍ وَلٰكِنِّيْ اَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْاِسْلَامِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتَرُدِّيْنَ عَلَيْهِ حَدِيْقَتَهٗ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِقْبَلِ الْحَدِيْقَةَ وَطَلِّقْهَا تَطْلِيْقَةً۔ (رواہ البخاری)

---

اپنے ایمان میں کسی قسم کا ظلم شامل نہیں کیا الخ) نازل ہوئی تو آپ کے صحابہؓ کو سخت پریشانی لاحق ہوئی اور انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ بھلا ہم میں ایسا کون شخص ہوگا جس نے کوئی بھی ظلم (گناہ) نہ کیا ہو۔ آپ نے فرمایا یہاں ظلم سے یہ ظلم مراد نہیں بلکہ (سب سے بڑا ظلم) شرک مراد ہے۔ کیا تم نے لقمان کا وہ قول نہیں سنا جو انھوں نے بطور وصیت اپنے لڑکے سے فرمایا تھا اے ولد عزیز دیکھو شرک نہ کرنا کیونکہ یہ بڑا ظلم ہے۔ (متفق علیہ)

(۶۱۸) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ ثابت بن قیس کی زوجہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے ثابت بن قیس اپنے شوہر کی عادت یا ان کے دین پر کوئی اعتراض نہیں ہے لیکن مجھے اسلام میں کفر کرنا گوارا نہیں۔ آپ نے فرمایا کیا ان کا وہ باغ جو انھوں نے تم کو مہر میں دیا تھا واپس کر سکتی ہو انھوں نے عرض کیا جی ہاں۔ آپ نے ثابت بن قیس سے فرمایا میرا مشورہ یہ ہے کہ تم وہ باغ لے لو اور ان کو ایک طلاق دیدو۔ (بخاری شریف)

---

اور عملاً اس کی عبادت میں کسی کو اس کا شریک بھی بنایا جائے۔ قرآن کریم نے حسب ذیل الفاظ میں ایسے ہی ایمان کا شکوہ فرمایا ہے۔ وما یؤمن اکثرھم باللہ الا وھم مشرکون۔ ان میں اکثر لوگ اللہ تعالیٰ پر ایمان نہیں رکھتے مگر وہ اس کے ساتھ ساتھ شرک بھی کرتے جاتے ہیں۔ جس کے ایمان میں کسی قسم کا بھی شرک شامل ہوگا وہ نہ تو ہدایت یافتہ ہے اور نہ آخرت میں اسے امن و اطمینان نصیب ہوگا۔ ایمان اسی وقت نجات بخش ہوتا ہے جبکہ اس میں شرک کا کوئی شائبہ نہ ہو حتی کہ جس عمل میں شرک خفی یعنی ریاء کی بھی بو ہو وہ بھی آخرت میں کالعدم ہو جائے گا۔

(۶۱۸) ثابت بن قیس پست قد تھے ان کی بی بی کا دل ان سے لگتا نہ تھا جب دل نہیں لگتا تو معاشرتی زندگی میں بے سبب اختلافات پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ (باقی برصفحہ آئندہ)

## لا تقبل الشفاعة فی المشرک

(٦١٩) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَتَانِي آتٍ مِنْ عِنْدِ رَبِّي فَخَيَّرَنِي بَيْنَ أَنْ يَدْخُلَ نِصْفُ أُمَّتِي الْجَنَّةَ وَبَيْنَ الشَّفَاعَةِ فَاخْتَرْتُ الشَّفَاعَةَ وَهِيَ لِمَنْ مَاتَ لَا يُشْرِكُ بِاللّٰهِ شَيْئًا. (رواه الترمذی وابن ماجہ)

(٦٢٠) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ يَلْقَى إِبْرَاهِيمُ أَبَاهُ آزَرَ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ وَعَلٰى وَجْهِ آزَرَ قَتَرَةٌ وَغَبَرَةٌ فَيَقُولُ لَهُ إِبْرَاهِيمُ أَلَمْ أَقُلْ لَكَ لَا تَعْصِنِي فَيَقُولُ لَهُ

## مشرک کے حق میں شفاعت قبول نہیں

(٦١٩) عوف بن مالک روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے پاس میرے پروردگار کی طرف سے ایک فرشتہ آیا اور اس نے مجھے اختیار دیا کہ اگر میں چاہوں تو میری نصف امت جنت میں داخل ہوجائے اور چاہوں تو امت کیلئے شفاعت اختیار کرلوں۔ میں نے شفاعت کو پسند کرلیا ہے اور یہ ہر اس شخص کیلئے ہوکر رہے گی جو اس حالت پر مرجائے کہ کسی کو اللہ تعالیٰ کا شریک نہ ٹھہرائے۔ (ترمذی۔ ابن ماجہ)

(٦٢٠) ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ محشر میں حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد آزر سے جب اس حالت میں ملاقات ہوگی کہ ان کے چہرہ پر تاریکی چھائی ہوگی اور وہ غبار آلود

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) یہ بی بی کتنی سچی، کتنی دانا اور کتنی دیانتدار تھیں کہ اپنی مقصد براری کیلئے اپنے شوہر کے سر کوئی جھوٹا مقدمہ بنا کر کھڑا نہیں کرتیں نہ ان پر کوئی تہمت لگاتی ہیں بلکہ بڑی صفائی سے اپنے قلبی اختلاف کا اظہار کردیتی ہیں کتنی دیندار ہیں کہ جدائی کی درخواست اس لئے پیش نہیں کرتیں کہ کوئی دنیوی نفع ان کے پیش نظر ہے بلکہ اس لئے کہ وہ اپنے اسلام میں کفر کی ادنیٰ آمیزش بھی برداشت نہیں کرسکتیں۔ جس انس و محبت کو ان کا اسلام تقاضا کرتا ہے وہ بصورت موجودہ اس کو نباہ نہیں سکتیں ایک محسن کے ساتھ قلبی کراہت بھی ایک قسم کا کفر ہے جو اسلام خدا تعالیٰ کے ساتھ کفر سے روکتا ہے وہی اپنے شوہر کے ساتھ بھی کفر سے روکتا ہے اسلام کے ساتھ کفر کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا شعبہ بھی ہو تو وہ انسان کے اسلام کو بدنما کردیتا ہے۔ مسلمان کو چاہئے کہ وہ اپنے اسلام سے کفر نما افعال کی جڑ بنیاد نکال پھینکے۔ اسی وقت اس کا اسلام سچا اور پکا اسلام کہلانے کا مستحق ہے۔

(٦١٩) یعنی آپ کی شفاعت کیلئے اور کسی تفصیل کی ضرورت نہیں صرف اتنی بات کافی ہے کہ شرک سے کلیتہً اجتناب رہے کیونکہ شرک آپ کی شفاعت کیلئے بھی حجاب ہوگا۔

(٦٢٠) یہ والد بزرگوار کے لئے سفارش نہیں تھی اس کی ممانعت تو پہلے ہوچکی تھی بلکہ یہ اس وعدہ کی یاددہانی پر

أَبُوْهُ فَالْيَوْمَ لَا أَعْصِيْكَ فَيَقُوْلُ إِبْرَاهِيْمُ يَارَبِّ إِنَّكَ وَعَدْتَنِيْ أَلَّا تُخْزِيَنِيْ يَوْمَ يُبْعَثُوْنَ فَأَيُّ خِزْيٍ أَخْزَى مِنْ أَبِي الْأَبْعَدِ فَيَقُوْلُ اللّٰهُ إِنِّيْ حَرَّمْتُ الْجَنَّةَ عَلَى الْكَافِرِيْنَ ثُمَّ يُقَالُ لِإِبْرَاهِيْمَ مَا تَحْتَ رِجْلَيْكَ فَيَنْظُرُ فَإِذَا هُوَ بِذِيْخٍ مُتَلَطِّخٍ فَيُؤْخَذُ بِقَوَائِمِهٖ فَيُلْقٰى فِي النَّارِ۔ (رواہ البخاری)

(۶۲۱) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ سَمِعْتُ رَجُلًا يَسْتَغْفِرُ لِأَبَوَيْهِ وَهُمَا مُشْرِكَانِ فَقُلْتُ لَا تَسْتَغْفِرْ لِأَبَوَيْكَ وَهُمَا مُشْرِكَانِ فَقَالَ أَلَيْسَ قَدِ اسْتَغْفَرَ إِبْرَاهِيْمُ لِأَبِيْهِ وَهُوَ مُشْرِكٌ فَذَكَرْتُهٗ

ہوگا تو وہ فرمائیں گے کیا میں نے آپ سے دنیا میں نہیں کہدیا تھا کہ میری نافرمانی نہ کیجئے وہ جواب دیں گے اچھا اب نہیں کروں گا اسوقت حضرت ابراہیم علیہ الصلوۃ والسلام (جوشِ محبت میں) دعا فرمائیں گے پروردگار تونے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا کہ محشر میں مجھے رسوا نہ کرے گا۔ آج میرے اس رحمت سے دور افتادہ والد کی حالت سے بڑھ کر میری رسوائی اور کیا ہوگی۔ ارشاد ہوگا میں تو جنت کو کافرین پر حرام کرچکا ہوں۔ اس کے بعد ان سے کہا جائے گا اچھا ذرا اپنے پیروں کے پاس تو دیکھو کیا چیز ہے وہ دیکھیں گے تو ایک کیچڑ میں لتھڑی ہوئی بنڈار کی مسخ شدہ صورت ان کو نظر آئے گی (یہ مکروہ صورت دیکھ کر تکوینی طور پر ان کے قلب سے شفقت پدری نکل جائے گی) پھر آزر کے پیروں کو پکڑ کر دوزخ میں ڈالدیا جائے گا۔ (بخاری شریف)

(۶۲۱) حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ میں نے ایک شخص کو اپنے مشرک والدین کے لئے استغفار کرتے سنا تو میں نے کہا کہ تو ان کیلئے استغفار نہ کر کیونکہ وہ مشرک تھے اس نے کہا کیا حضرت ابراہیم علیہ السلام نے

جوان کی رسوائی سے حفاظت کے متعلق کیا جاچکا تھا۔ قدرت نے اس کا یوں ایفاء کردیا کہ آزر کی شکل ہی کو مسخ کردیا تاکہ پہشناخت ہی نہ ہوسکے کہ یہ کون ہیں اگرچہ اس یاددہانی میں دوسرے پیرایہ سے سفارش کی بو بھی آرہی تھی مگر یہ ایسا ہی تھا جیسا حضرت عیسٰی علیہ السلام نے اپنی مشرک امت کے حق میں شفاعت سے بچ بچ کر فرمایا اِنْ تُعَذِّبْهُمْ فَإِنَّهُمْ عِبَادُكَ وَإِنْ تَغْفِرْ لَهُمْ فَإِنَّكَ أَنْتَ الْعَزِيْزُ الْحَكِيْمُ یعنی میں آج بحق نبوت تو کچھ بول نہیں سکتا مگر تیری خدائی اور ان کے رشتۂ بندگی کو یاد دلاتا ہوں اب تو چاہے تو اپنے بندے سمجھ کر ان کو عذاب دیدے اور چاہے تو بخشدے اسی طرح یہاں ابراہیم علیہ السلام براہ راست تو کافر باپ کی سفارش نہیں کرتے مگر یوں فرماتے ہیں کہ پروردگارا ان کی اس حالت کا اثر آج کچھ تیرے خلیل پر بھی پڑتا ہے ان کو رسوائی سے بچانا نہ بچانا یہ تیری مرضی مگر اپنے خلیل کو تو بچالے اس کے متعلق تو تیرا وعدہ ہے۔ قدرت نے اپنے دونوں وعدے پورے کردیئے۔ کافر کو بخشا نہیں اور خلیل کو رسوا نہیں کیا۔ ولہ الحمد فی الاولیٰ والآخرۃ

(۶۲۱) اس روایت سے معلوم ہوا کہ کافر کے لئے دعاء مغفرت بھی نہ کرنی چاہئے کیونکہ جس کے حق میں عدم مغفرت کا اعلان کردیا گیا ہے ان اللہ لا یغفر ان یشرک بہ اس کیلئے مغفرت کی دعا کرنی قرآن کریم سے گویا معارضہ ہے۔ ابوطالب کے حق میں آپ کی سفارش صرف عذاب کے تخفیف کیلئے ہوگی اسکو بھی علماء نے آپ کی خصوصیت پر محمول کیا ہے بہرحال مغفرت کا دروازہ کافر کیلئے بند ہے۔

النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنَزَلَتْ مَا كَانَ لِلنَّبِيِّ وَالَّذِينَ آمَنُوا أَنْ يَسْتَغْفِرُوا لِلْمُشْرِكِينَ وَلَوْ كَانُوا أُولِي قُرْبَى مِنْ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ أَنَّهُمْ أَصْحَابُ الْجَحِيمِ وَمَا كَانَ اسْتِغْفَارُ إِبْرَاهِيمَ لِأَبِيهِ إِلَّا عَنْ مَوْعِدَةٍ وَعَدَهَا إِيَّاهُ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهُ أَنَّهُ عَدُوٌّ لِلّٰهِ تَبَرَّأَ مِنْهُ إِنَّ إِبْرَاهِيمَ لَأَوَّاهٌ حَلِيمٌ۔ (رواہ الحاکم فی التفسیر وصححہ الذھبی ایضا والحدیث یروی فی الصحاح)

(۶۲۲) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ زَارَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَبْرَ أُمِّهِ فَبَكَى وَأَبْكَى مَنْ حَوْلَهُ فَقَالَ اسْتَأْذَنْتُ رَبِّي فِي أَنْ أَسْتَغْفِرَ لَهَا فَلَمْ يُؤْذَنْ لِي وَاسْتَأْذَنْتُهُ فِي أَنْ أَزُورَ قَبْرَهَا فَأَذِنَ لِي

---

اپنے باپ کیلئے مغفرت طلب کی تھی حالانکہ وہ بھی تو مشرک تھے۔ یہ بات میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے ذکر کی اس پر یہ آیت نازل ہوئی۔ نبی اور مومنین کے لئے یہ شایانِ شان نہیں کہ وہ مشرکین کے حق میں استغفار کریں اگرچہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بالخصوص جبکہ ان پر یہ واضح ہو چکا ہو کہ مشرکین سب دوزخی ہیں۔ رہا ابراہیم علیہ السلام کا اپنے والد کیلئے استغفار کا معاملہ تو وہ صرف ایک وعدہ کی بنا پر تھا جو انھوں نے پہلے سے کر رکھا تھا لیکن جب ان کو یہ واضح ہو گیا کہ ان کا والد خدا تعالیٰ کا دشمن تھا تو وہ بھی ان سے الگ ہو گئے (اور سفارش ترک کر دی) ابراہیم مزاج کے نہایت نرم اور بڑے گریہ وزاری کرنیوالے نبی تھے۔ (حاکم)

(۶۲۲) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں نے اپنے پروردگار سے اجازت مانگی تھی کہ اپنی والدہ کی قبر کی زیارت کر لوں، تو مجھکو دیدی اور میں نے اس کی اجازت مانگی کہ ان کی

---

(۶۲۲) اس قسم کی احادیث سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ شرک کا جرم اللہ تعالیٰ کے نزدیک اتنا بڑا ہے کہ اس پر کے باشندے سب یکساں ماخوذ ہوں گے اب اگر فرض کر لیجئے کہ کسی کی خاطر رحمت کوئی کرشمہ قدرت دکھا دے اور کسی کو اسی عالم میں دوبارہ زندہ کر کے ایمان کی توفیق بخشدے تاکہ مشرک کے حق میں اس کا آئین بھی محفوظ رہے اور رعایت کرنے کا ایک سبب بھی پیدا ہو جائے تو یہ اس کی مرضی کی بات ہے اس میں کون مداخلت کر سکتا ہے لیکن اس قسم کا مضمون صحت کے ساتھ ثابت نہیں ہوتا صحیح حدیثوں سے جتنا ثابت ہوتا ہے وہ یہی ہے کہ خدا تعالیٰ کی توحید کے معاملہ میں کسی کے ساتھ بھی نرمی نہیں کی گئی۔ واللہ تعالیٰ اعلم بحقیقۃ الحال۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے خدا تعالیٰ کی بارگاہ میں شفاعت کی اہم خصوصیت پر حسب ذیل الفاظ میں تنبیہ فرمائی ہے۔

| | |
|---|---|
| واصل ضلال المشرکین انھم ظنوا ان الشفاعۃ عند اللہ کالشفاعۃ عند غیرہ وھذا اصل ضلال النصاری ایضا ۔ ۔ ۔ ۔ فمن ظن ان الشفاعۃ المعھودۃ من الخلق للخلق تنفع عند اللہ مثل ان یشفع الانسان عند من | یعنی مشرکین اور نصاریٰ کی گمراہی کی اصل حقیقت یہی تھی کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش کا معاملہ بھی مخلوق کی سفارش پر قیاس کر رکھا تھا جیسے یہاں ایک انسان اپنی سفارش کیلئے ایسے شخص کا انتخاب کرتا ہے جس کے متعلق وہ یہ سمجھتا ہے کہ اس کی سفارش کا اثر پڑیگا |

فَزُوْرُوا الْقُبُوْرَ فَاِنَّهَا تُذَكِّرُ الْمَوْتَ - (رواہ مسلم)

(٦٢٣) عَنْ اِبْنِ الْمُسَيَّبِ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ اَبَا طَالِبٍ لَمَّا حَضَرَتْهُ الْوَفَاةُ دَخَلَ عَلَيْهِ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم

مغفرت کیلئے درخواست پیش کروں تو مجھ کو اسکی اجازت نہ دی۔ تم قبروں کی زیارت کرو کیونکہ یہ موت کو یاد دلاتی ہیں۔ (مسلم)

(٦٢٣) ابن المسیب اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ جب حضرت ابو طالب کی وفات کا وقت آیا تو

یرجوہ المشفوع الیہ او یخافہ کما یشفع عند الملك ابنہ او اخوہ او اعوانہ او نظرائہ الذین یخافہما و یرجوہم فیجیب سؤالہم۔ لاجل رجائہ وخوفہ منہم۔ فیمن یشفعون فیہ عندہ وان کان الملك او الامیر او غیرہما یکرہ الشفاعۃ فیمن شفعوا فیہ فیشفعہم فیہ علی کراہۃ منہ ویشفعون عندہ ایضا بغیر اذنہ فاللہ تعالیٰ ہو رب کل شیٔ وملیکہ وخالقہ فلا یشفع احد عندہ الا باذنہ ولا یشفع احد فی احد الا لمن اذن اللہ للشفیع ان یشفع فیہ فاذا اذن للشفیع شفع وان لم یسألہ الشفیع۔ ولو سأل الشفیع الشفاعۃ ولم یأذن اللہ لہ لم تنفع شفاعتہ کما لم تنفع شفاعۃ نوح فی ابنہ ولا ابراہیم فی ابیہ ولا مراجعۃ لوط فی قومہ ولا صلوۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم علی المنافقین واستغفارہ لہم (الرد علی البکری ص)

یا تو اس لئے کہ اس کا اُس سے کوئی تعلق ہے یا وہ اس سے ڈرتا ہے مثلاً بادشاہ کے سامنے اس کے بیٹے یا بھائی یا کسی اس کے مشیر کی سفارش لیجاتا ہے یا پھر اس کے کسی ایسے ہمعصر کی سفارش لیجاتا ہے جس سے بادشاہ کو کوئی خوف ہوتا ہے تو یہ سفارشیں بادشاہ کو بعض اوقات اپنی طبیعت کے خلاف بھی سننی پڑتی ہیں پس جس نے اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں سفارش بھی اسی نوع کی سمجھی اس نے سخت غلطی کی کیونکہ اللہ تعالیٰ سب کا پروردگار سب کا مالک اور خالق ہے اس کے سامنے اس کی اجازت کے بغیر سفارش کرنے کی کسی کو تاب و طاقت نہیں وہاں اجازت ملنے پر شفاعت ہو سکتی ہے خواہ شفیع نے اپنی جانب سے درخواست بھی نہ کی ہو اور اگر اجازت نہ ملے تو اگر شفیع سو بار بھی سفارش کرے تو اس کی سفارش قبول نہیں ہوتی جیسی حضرت نوح علیہ السلام کی سفارش اپنے بیٹے کیلئے اور حضرت ابراہیم علیہ السلام کی اپنے والد کیلئے اور حضرت لوط علیہ السلام کی اپنی قوم کے حق میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی منافقین پر نماز اور استغفار کرنا منع

خلاصہ کلام یہ ہے کہ حق تعالیٰ کی بارگاہِ بلند میں سفارش کا معاملہ بھی ان ہی کی مرضی پر موقوف ہے انبیاء علیہم السلام کی بھی یہ تاب و طاقت نہیں کہ وہ کسی کے معاملہ میں قدرت کو مجبور کر سکیں جب تک اس طرف سے ممانعت کے آثار نہیں پاتے یہ بھی اپنے عجز و نیاز کے ہاتھ پھیلائے رہتے ہیں اور جب ذرا آثارِ ممانعت نظر آنے لگتے ہیں تو پھر وہ بھی اپنی بیزاری کا اعلان کر دیتے ہیں خواہ وہ اپنا والد ہی کیوں نہ ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی شان میں ارشاد ہے۔ فَلَمَّا تَبَيَّنَ لَهٗ اَنَّهٗ عَدُوٌّ لِّلّٰهِ تَبَرَّاَ مِنْهُ۔

وَعِنْدَہٗ اَبُوْ جَهْلٍ فَقَالَ اَىْ عَمِّ قُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ كَلِمَةً اُحَاجُّ لَكَ بِهَا عِنْدَ اللّٰهِ فَقَالَ اَبُوْ جَهْلٍ وَعَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُمَيَّةَ يَا اَبَا طَالِبٍ اَتَرْغَبُ عَنْ مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَلَمْ يَزَالَا يُكَلِّمَانِهٖ حَتّٰى قَالَ اٰخِرَ شَيْءٍ كَلَّمَهُمْ بِهٖ عَلٰى مِلَّةِ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ فَقَالَ النَّبِىُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَاَسْتَغْفِرَنَّ لَكَ مَا لَمْ اُنْهَ عَنْهُ فَنَزَلَتْ ــــ مَا كَانَ لِلنَّبِىِّ وَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا اَنْ يَّسْتَغْفِرُوْا لِلْمُشْرِكِيْنَ وَلَوْ كَانُوْا اُولِىْ قُرْبٰى مِنْۢ بَعْدِ مَا تَبَيَّنَ لَهُمْ اَنَّهُمْ اَصْحٰبُ الْجَحِيْمِ ـ وَنَزَلَتْ ـ اِنَّكَ لَا تَهْدِىْ مَنْ اَحْبَبْتَ ـ (رواہ البخاری)

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان کے گھر تشریف لے گئے۔ اس وقت ان کے پاس ابوجہل بھی موجود تھا، آپ نے ان سے کہا چچا جان لا الہ الا اللہ کہہ لیجئے تاکہ اس کلمہ کی وجہ سے مجھے اللہ تعالیٰ کی جناب میں آپ کے لئے کچھ گفت وشنید کا موقعہ مل جائے اس پر ابوجہل اور عبداللہ بن امیہ فوراً بولے ابوطالب! کیا تم عبدالمطلب کا آبائی دین چھوڑ دوگے اور اس سلسلہ میں وہ ابوطالب کو اتنا ورغلاتے رہے یہاں تک کہ انھوں نے جو سب سے آخری بات اپنی زبان سے کہی وہ یہ تھی کہ میں عبدالمطلب ہی کی ملت پر ہوں آپ نے فرمایا اس کے باوجود میں آپ کے حق میں استغفار کرتا رہوں گا تا آنکہ مجھے اس سے صاف طور پر روک نہ دیا جائے اس پر یہ آیت اتری ۔ نبی اور مومنوں کے لئے یہ نامناسب ہے کہ وہ مشرکوں کیلئے استغفار کریں خواہ وہ ان کے قریبی رشتہ دار ہی کیوں نہ ہوں بعد اس کے کہ ان پر یہ بات واضح ہوچکی ہو کہ مشرک دوزخی جماعت ہیں نیز یہ آیت بھی نازل ہوئی جسے آپ چاہیں اسے ہدایت نہیں دے سکتے ۔ (بخاری شریف)

# الکافر یجازی بحسناتہ فی الحیوۃ الدنیا

## کافروں کی نیکیوں کا بدلہ دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے

قرآن کریم نے اس حقیقت کا بار بار اعلان کر دیا ہے کہ کافر کے اعمال آخرت میں سب اکارت ہو جائیں گے کیونکہ عمل صالح کی ہستی صرف ان کو عملی جامہ پہنا دینے سے قائم نہیں ہوتی بلکہ روحِ ایمانی سے قائم ہوتی ہے ... .. .. .. .. .. روح ایمانی کے بغیر وہ صرف ایک بے جان قالب اور عمل صالح کا ایک خول رہتا ہے جس میں نہ تو کچھ حقیقت ہوتی ہے نہ وزن، اسی کو قرآن میں حبط سے تعبیر کیا گیا ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ کافر کے وہ اعمال جو دنیا میں بظاہر حسنات نظر آتے تھے قیامت میں روشن ہو جائے گا کہ وہ اس کی شامتِ کفر کی وجہ سے حسنات کا صرف ایک ڈھانچا تھے ان میں حقیقت کی کوئی روح نہ تھی اسی لئے ان اعمال پر وہ کسی ثواب کے مستحق بھی نہ ہوں گے اور اسی لئے ان کو میزانِ آخرت میں تولا بھی نہیں جائے گا کیونکہ وزن ہمیشہ اسی چیز کا ہوا کرتا ہے جو ذی مقدار ہو۔ جو ذی مقدار نہیں اس کا وزن کرنا بھی ممکن نہیں، ہاں ان کے اعمال چونکہ حسنات کی صورت ضرور رکھتے ہیں اس لئے آئینِ رحمت کے ماتحت ان کا بھی کچھ نہ کچھ فائدہ حاصل ہو جائے گا، اب وہ خواہ دنیوی وسعت کی شکل میں ہو یا عذابِ اخروی کی تخفیف کی صورت میں بہر حال نجاتِ ابدی جس کو قرآن کریم میں فوز عظیم کہا گیا ہے، کافر کے اعمال پر کبھی مرتب نہیں ہو سکتی ہاں تخفیف عذاب ہو سکتی ہے اور یہ بھی ان کے اعمال کے صلہ میں نہیں بلکہ محض فضلِ ایزدی کے صدقہ میں اور وہ بھی ہر کس و ناکس کیلئے نہیں بلکہ اسی کے لئے جس کے حق میں مولائے کریم فضل کرنا چاہے۔ کافر و مومن کے درمیان اس تفریق کی وجہ بھی خود قرآنِ کریم نے وضاحت سے بیان کر دی ہے۔ پہلے آپ ان آیات کو ملاحظہ کیجئے جن میں اعمالِ کفار کی حیثیت اور ان کے حبط ہونے کی تصریح کر دی گئی ہے اس کے بعد وہ آیات ذکر کی جائیں گی جن میں اس تفریق کی وجہ بیان کی گئی ہے۔

(۱) وَمَنْ يَّرْتَدِدْ مِنْكُمْ عَنْ دِيْنِهٖ فَيَمُتْ وَهُوَ كَافِرٌ فَاُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَاُولٰٓئِكَ اَصْحٰبُ النَّارِ هُمْ فِيْهَا خٰلِدُوْنَ (البقرہ ۲۷)

اور جو تم میں اپنے دین سے برگشتہ ہوگا اور کفر ہی کی حالت میں مر جائے گا تو ایسے لوگوں کا کیا کرایا (دنیا اور دین) آخرت دونوں میں اکارت ہوا اور یہی ہیں دوزخی اور یہ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ ہی میں رہیں گے۔

| | |
|---|---|
| (۲) اِنَّ الَّذِيْنَ يَكْفُرُوْنَ بِاٰيٰتِ اللّٰهِ وَ يَقْتُلُوْنَ النَّبِيّٖنَ بِغَيْرِ حَقٍّ وَّيَقْتُلُوْنَ الَّذِيْنَ يَاْمُرُوْنَ بِالْقِسْطِ مِنَ النَّاسِ فَبَشِّرْهُمْ بِعَذَابٍ اَلِيْمٍ اُولٰٓئِكَ الَّذِيْنَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فِي الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ وَ مَا لَهُمْ مِّنْ نّٰصِرِيْنَ۔ (آل عمران - ۲) | جو لوگ اللہ کی آیتوں سے انکار کرتے اور ناحق پیغمبروں کو قتل کرتے اور نیز ان لوگوں کو قتل کرتے جو انھیں انصاف کرنے کو کہتے ہیں تو (اے پیغمبر) ایسے لوگوں کو دردناک عذاب کی خوشخبری سنا دیجئے۔ یہی ہیں جن کا سارا کیا دھرا دنیا اور آخرت دونوں میں اکارت ہوا اور خدا تعالیٰ (کے مقابلے) میں ان کا کوئی مددگار نہ ہوگا۔ |
| (۳) وَمَنْ يَّكْفُرْ بِالْاِيْمَانِ فَقَدْ حَبِطَ عَمَلُهٗ وَهُوَ فِي الْاٰخِرَةِ مِنَ الْخٰسِرِيْنَ۔ (المائدہ - ۱) | اور جو ایمان کی (ان باتوں کو) نہ مانے تو اس کا کیا دھرا اکارت ہوا اور آخرت میں بھی وہ نقصان اٹھانے والوں میں ہوگا۔ |
| (۴) وَيَقُوْلُ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْٓا اَهٰٓؤُلَآءِ الَّذِيْنَ اَقْسَمُوْا بِاللّٰهِ جَهْدَ اَيْمَانِهِمْ اِنَّهُمْ لَمَعَكُمْ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ فَاَصْبَحُوْا خٰسِرِيْنَ (المائدہ - ۷) | اور مسلمان (کفار کے حال پر افسوس کر کے) کہیں گے کیا یہی وہ لوگ ہیں جو ظاہر میں بڑے زور سے اللہ تعالیٰ کی قسمیں کھا کر ہم سے کہا کرتے تھے کہ ہم تمہارے ساتھ ہیں (اور اندر اندر یہود کی تائید میں کوشش کرتے تھے) تو ان کا سارا کیا دھرا اکارت ہوا اور وہ سراسر نقصان میں آ گئے۔ |
| (۵) ذٰلِكَ هُدَى اللّٰهِ يَهْدِيْ بِهٖ مَنْ يَّشَآءُ مِنْ عِبَادِهٖ وَلَوْ اَشْرَكُوْا لَحَبِطَ عَنْهُمْ مَّا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (الانعام - ۹) | یہ ہے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی اپنے بندوں میں سے جس کو چاہے اس طرح کی ہدایت دے اور اگر یہ پیغمبر شرک کرتے تو ان کا سارا کیا دھرا ضائع ہو جاتا۔ |
| (۶) وَالَّذِيْنَ كَذَّبُوْا بِاٰيٰتِنَا وَلِقَآءِ الْاٰخِرَةِ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ هَلْ يُجْزَوْنَ اِلَّا مَا كَانُوْا يَعْمَلُوْنَ۔ (الاعراف - ۶۰) | اور جن لوگوں نے ہماری آیتوں کو اور آخرت کی پیشی کو نہ مانا ان کا کیا دھرا سب اکارت ہوا۔ سزا ان کو ان ہی اعمال بد کی دی جائیگی جو دنیا میں وہ کرتے تھے۔ |
| (۷) مَا كَانَ لِلْمُشْرِكِيْنَ اَنْ يَّعْمُرُوْا مَسٰجِدَ اللّٰهِ شٰهِدِيْنَ عَلٰٓى اَنْفُسِهِمْ بِالْكُفْرِ اُولٰٓئِكَ حَبِطَتْ اَعْمَالُهُمْ وَفِي النَّارِ هُمْ خٰلِدُوْنَ۔ (التوبۃ - ۲) | مشرکوں کو کوئی حق نہیں کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مسجدوں کو آباد رکھیں اور شرک کے افعال (و اقوال) سے اپنے اوپر کفر کی شہادت بھی دیئے جائیں یہی لوگ ہیں جن کا کیا دھرا سب اکارت ہوا اور یہی لوگ ہمیشہ ہمیشہ دوزخ میں رہنے والے ہیں۔ |
| (۸) وَعَدَ اللّٰهُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْمُنٰفِقٰتِ وَ | منافق مردوں اور منافق عورتوں اور کافروں کے حق |

الکفار نار جہنم خالدین فیہا ھی حسبھم ولعنھم اللہ ولھم عذاب مقیم ...... أولئک حبطت أعمالھم فی الدنیا والآخرۃ واولئک ھم الخاسرون۔

(التوبہ - ۹)

ہیں خدا نے دوزخ کی آگ کی قرارداد کرلی ہے کہ یہ لوگ ہمیشہ ہمیشہ اس میں رہیں گے اور یہی ان کو بس کرتی ہے اور خدا نے ان کو پھٹکار دیا ہے اور ان کیلئے دائمی عذاب ہے...... یہی وہ لوگ ہیں کہ دنیا اور آخرت دونوں میں ان کا کیا دھرا سب اکارت ہوا اور یہی نقصان [illegible] بھی رہے۔

(۹) من کان یرید الحیوۃ الدنیا وزینتھا نوف الیھم اعمالھم فیھا وھم فیھا لا یبخسون۔ اولئک الذین لیس لھم فی الآخرۃ الا النار وحبط ما صنعوا فیھا وباطل ما کانوا یعملون۔

(ہود - ۱)

جن کا مطلب دنیا کی زندگی اور دنیاوی رونق ہوتی ہے ہم ان کے عملوں کا بدلہ یہیں دنیا میں ان کو پورا پورا بھر دیتے ہیں اور وہ دنیا میں کسی طرح گھاٹے میں نہیں رہتے لیکن یہ وہ لوگ ہیں جن کیلئے آخرت میں دوزخ کے سوا اور کچھ نہیں اور جو نیک عمل انھوں نے دنیا میں کئے وہ آخرت میں سب گئے گذرے ہوئے اور ان کا جو کیا دھرا تھا سب لغو تھا۔

(۱۰) اولئک الذین کفروا بآیات ربھم ولقائہ فحبطت اعمالھم فلا نقیم لھم یوم القیمۃ وزنا۔

(الکہف - ۱۱)

جنھوں نے اپنے پروردگار کی آیتوں کا اور قیامت کے دن اس کے حضور میں حاضر ہونے کا انکار کیا تو ان کے عمل اکارت ہوگئے اور ہم قیامت کے دن ان کے نیک اعمال کیلئے کوئی وزن قائم نہیں کریں گے۔

(۱۱) اولئک لم یؤمنوا فاحبط اللہ اعمالھم۔ (احزاب - ۱)

یہ لوگ ایمان ہی نہیں لائے تو اللہ تعالیٰ نے ان کے عمل (جو کچھ بھی کئے تھے) اکارت کر دیئے۔

(۱۲) ولقد اوحی الیک والی الذین من قبلک۔ لئن اشرکت لیحبطن عملک ولتکونن من الخاسرین۔

(الزمر - ۱۱)

اے پیغمبر بلاشبہ تمہاری طرف اور ان پیغمبروں کی طرف جو تم سے پہلے ہو گذرے وحی بھیجی جا چکی ہے کہ اگر تم نے شرک کیا تو تمہارے سارے عمل حبط ہو جائیں گے اور ضرور تم گھاٹے میں آجاؤ گے۔

(۱۳) والذین کفروا اعمالھم کسراب بقیعۃ یحسبہ الظمآن ماء حتی اذا جاءہ لم یجدہ شیئا ووجد اللہ عندہ

اور جو لوگ منکر اسلام ہیں ان کے اعمال نرے دھوکے کی ٹٹی ہیں جیسے چٹیل میدان میں چلکتا ہوا ریت کہ پیاسا اس کو دور سے پانی خیال کرتا ہے یہانتک کہ جب اس کے

فَوَفّٰهُ حِسَابَهٗ وَاللّٰهُ سَرِيْعُ الْحِسَابِ۔
(النور - ۴)

پاس آیا تو اس کو کچھ بھی نہ پایا اور (پیاسا تڑپ تڑپ کر مر گیا) اور دیکھا تو خدا تعالیٰ نے اس کے اعمال کا حساب پورا پورا چکا دیا۔

(۱۴) كَمَثَلِ غَيْثٍ اَعْجَبَ الْكُفَّارَ نَبَاتُهٗ ثُمَّ يَهِيْجُ فَتَرٰىهُ مُصْفَرًّا ثُمَّ يَكُوْنُ حُطَامًا وَفِي الْاٰخِرَةِ عَذَابٌ شَدِيْدٌ۔
(الحدید - ۲)

دنیا کی زندگی کی مثال بارش کی مثال ہے کہ اس سے کھیتی لہلہانے لگتی ہے اور کاشتکار کھیتی کو دیکھ کر خوشیاں منانے لگتا ہے پھر پک کر خشک ہو جاتی ہے تو اے مخاطب تو دیکھیگا کہ وہ پیلی پڑ گئی ہے پھر وہ آخر کار روندی میں آجاتی ہے مگر

ان آیات میں صاف طور پر یہ بتا دیا گیا ہے کہ کافروں کی سب نیکیاں آخرت میں اکارت ہو جائیں گی اور ان کیلئے ہرگز نجات بخش نہ ہوں گی ان کی امیدیں سب غلط ہیں۔ ان کو نقصان ہی نقصان اور خسارہ ہی خسارہ رہے گا۔ اس کی وجہ یہ نہیں کہ اللہ تعالیٰ ان کے قابلِ قبول اعمال کو بے وجہ یونہی رد کر دے گا بلکہ اس کی وجہ یہ ہے کہ آخرت کے مارکیٹ میں اس بے قدر متاع کو لانے میں خود انھوں نے غلطی کی ہے۔ سورۂ محمد کی آیتوں میں کافروں کے اعمال کے نامقبول ہونے کی ذمہ داری خود ان ہی کے سر ڈالی گئی ہے اور یہ کہا گیا ہے کہ جب کافروں نے اللہ تعالیٰ کے نازل کردہ احکام کو نفرت سے دیکھا تو پھر اللہ تعالیٰ ان کے اعمال کو رغبت کی نظر سے کیسے دیکھتا انھوں نے خدا کے احکام سے نفرت اختیار کی تو اللہ تعالیٰ نے بھی ان کے اعمال سے نفرت اختیار کی۔ جب انھوں نے اس کی نارضائی کو پسند کیا اور اس کی رضاجوئی کو مکروہ سمجھا تو اس نے بھی ان کے اعمال کو مکروہ سمجھا اور ان کا اجر حبط کر دیا۔

ان کے اس معاندانہ رویہ کی سزا تو یہ تھی کہ انھیں اور الٹا عذاب دیا جاتا مگر شانِ رحمت نے ان بے روح اعمال پر بھی علی الحساب دنیوی انعامات دے کر ان کا منہ بند کر دیا ہے تاکہ آخرت میں ان کو ثواب کے مطالبہ کا کوئی حق ہی باقی نہ رہے۔ اب حسب ذیل آیات پڑھئے اس کے بعد اس باب کی حدیثوں کو مطالعہ فرمائیے:۔

(۱۵) اَلَّذِيْنَ كَفَرُوْا وَصَدُّوْا عَنْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ۔ (محمد)

جن لوگوں نے دین حق کو نہ مانا اور اللہ کے راستہ سے لوگوں کو روکا، خدا نے ان کے کئے کرائے اعمال اکارت کر دیے۔

(۱۶) ذٰلِكَ بِاَنَّ الَّذِيْنَ كَفَرُوا اتَّبَعُوا الْبَاطِلَ وَاَنَّ الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اتَّبَعُوا الْحَقَّ مِنْ رَّبِّهِمْ۔
(محمد)

مومن کے اعمال کی قبولیت اور کفار کے اعمال کی نامقبولیت اس وجہ سے ہے کہ جن لوگوں نے دین حق سے انکار کیا وہ غلط راستے پر چلے اور جو ایمان لائے وہ اپنے پروردگار کے بتائے ہوئے ٹھیک راستے پر چلے۔

| | |
|---|---|
| (۱۷) وَالَّذِیْنَ کَفَرُوْا فَتَعْسًا لَّهُمْ وَاَضَلَّ اَعْمَالَهُمْ ذٰلِكَ بِاَنَّهُمْ كَرِهُوْا مَآ اَنْزَلَ اللّٰهُ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ۔ (محمد) | اور جو لوگ دینِ حق سے منکر ہیں ان کیلئے ہلاکت اور ان کا سارا کیا دھرا خدا تعالیٰ برباد کردیگا اور یہ اس سبب سے کہ خدا نے جو دین اتارا اس کو انھوں نے پسند نہ کیا نتیجہ یہ ہوا کہ خدا نے ان کے عمل اکارت کردیئے۔ |
| (۱۸) ذٰلِكَ بِاَنَّهُمُ اتَّبَعُوْا مَآ اَسْخَطَ اللّٰهَ وَكَرِهُوْا رِضْوَانَهٗ فَاَحْبَطَ اَعْمَالَهُمْ۔ (محمد) | یہ نوبت اس لئے آئی کہ جو بات خدا کی ناراضگی کی تھی یہ لوگ اسی کے پیچھے چلے اور اس کی رضامندی کو ناپسند کیا تو خدا نے بھی ان کے اعمال ملیامیٹ کردیئے۔ |
| (۱۹) اُولٰٓئِكَ الَّذِیْنَ نَتَقَبَّلُ عَنْهُمْ اَحْسَنَ مَا عَمِلُوْا وَنَتَجَاوَزُ عَنْ سَیِّاٰتِهِمْ فِیْٓ اَصْحٰبِ الْجَنَّةِ وَعْدَ الصِّدْقِ الَّذِیْ كَانُوْا یُوْعَدُوْنَ ۔ ۔ ۔ ۔ وَیَوْمَ یُعْرَضُ الَّذِیْنَ كَفَرُوْا عَلَى النَّارِ اَذْهَبْتُمْ طَیِّبٰتِكُمْ فِیْ حَیَاتِكُمُ الدُّنْیَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَالْیَوْمَ تُجْزَوْنَ عَذَابَ الْهُوْنِ بِمَا كُنْتُمْ تَسْتَكْبِرُوْنَ فِی الْاَرْضِ بِغَیْرِ الْحَقِّ وَبِمَا كُنْتُمْ تَفْسُقُوْنَ۔ (الاحقاف ۱۰) | یہ (مسلمان) لوگ ہیں کہ جنہوں کے ساتھ ہم ان کے نیک عملوں کو قبول فرمائیں گے اور ان کی خطاؤں سے درگذر کریں گے۔ اس سچے وعدہ کے مطابق جو ان سے دنیا میں کیا گیا تھا۔ ۔ ۔ ۔ اس دن جبکہ کافر دوزخ کے سامنے لائے جائیں گے تو ان سے کہا جائیگا کہ تم دنیا کی زندگی میں اپنے اعمال کے مزے لوٹ چکے اور ان کا خاطر خواہ فائدہ حاصل کرچکے (اب ان کے بدلہ میں تمہارے لئے کیا رکھا ہے) تو آج تم کو ذلت کی سزا دیجائیگی اس لئے کہ تم ناحق زمین میں اکڑا کرتے تھے اور اس لئے کہ تم نافرمانیاں کیا کرتے تھے۔ |

(۶۲۴) عَنْ عُمَرَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاِذَا هُوَ مُضْطَجِعٌ عَلٰی رِمَالِ حَصِیْرٍ لَیْسَ بَیْنَهٗ وَبَیْنَهٗ فِرَاشٌ قَدْ اَثَّرَ الرِّمَالُ بِجَنْبِهٖ مُتَّكِئًا عَلٰی وِسَادَةٍ مِّنْ اَدَمٍ حَشْوُهَا لِیْفٌ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ادْعُ اللّٰهَ فَلْیُوَسِّعْ عَلٰی اُمَّتِكَ فَاِنَّ

(۶۲۴) حضرت عمرؓ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو آپ ایک تکیہ کا سہارا لگائے ہوئے تھے جس میں کھجور کا جال بھرا ہوا تھا اور ایک کھرّے بوریئے پر لیٹے ہوئے تھے آپ کے جسم مبارک اور بوریئے کے درمیان کوئی کپڑا تک نہ تھا اسلئے بوریئے کے بناوٹ کے نقش جسم نازک پر ابھر آئے تھے۔ یہ ساد یکھکر میں نے عرض کیا یارسول اللہؐ اللہ تعالیٰ سے دعا فرمائیے کہ آپ کی امت پر بھی کچھ

فَارِسَ وَالرُّوْمَ قَدْ وُسِّعَ عَلَيْهِمْ وَهُمْ لَا يَعْبُدُوْنَ اللّٰهَ فَقَالَ أَوَ فِي هٰذَا أَنْتَ يَا ابْنَ الْخَطَّابِ أُولٰئِكَ قَوْمٌ عُجِّلَتْ لَهُمْ طَيِّبَاتُهُمْ فِي الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا وفی روایۃ اَمَا تَرْضٰی اَنْ تَكُوْنَ لَهُمُ الدُّنْيَا وَلَنَا الْاٰخِرَةُ ۔ (متفق علیہ)

(۶۲۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ اَسْلَمَ قَالَ اِسْتَسْقٰی يَوْمًا عُمَرُ فَجِیْءَ بِمَاءٍ قَدْ شِيْبَ بِعَسَلٍ فَقَالَ اِنَّهٗ طَيِّبٌ لٰكِنِّیْ اَسْمَعُ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ نَعٰی عَلٰی قَوْمٍ شَهَوَاتِهِمْ فَقَالَ اَذْهَبْتُمْ طَيِّبَاتِكُمْ فِیْ حَيٰوتِكُمُ الدُّنْيَا وَاسْتَمْتَعْتُمْ بِهَا فَنَخَافُ اَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا فَلَمْ يَشْرَبْهُ ۔ (رواہ رزین)

(۶۲۶) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَظْلِمُ مُؤْمِنًا حَسَنَةً يُعْطٰی بِهَا فِی الدُّنْيَا وَيُجْزٰی بِهَا فِی الْاٰخِرَةِ وَاَمَّا الْكَافِرُ فَيُطْعَمُ بِحَسَنَاتِ مَا عَمِلَ بِهَا لِلّٰهِ فِی الدُّنْيَا حَتّٰی اِذَا اَفْضٰی اِلَی الْاٰخِرَةِ لَمْ يَكُنْ لَهٗ حَسَنَةٌ يُجْزٰی بِهَا ۔ (رواہ مسلم)

---

وسعت فرمادے۔ دیکھئے تو سہی آخر یہ فارس و روم بھی تو ہیں جو اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی نہیں کرتے وہ کس طرح پھل پھول رہے ہیں، آپ نے فرمایا ابن الخطاب! اچھا کیا ابھی تک تم اسی پیچیدگی میں پھنس رہے ہو، ارے بھئی یہ تو وہ قوم ہے جن کی نیکیوں کا بدلہ پیشگی طور پر دنیا ہی میں دیدیا گیا ہے۔ دوسری روایت میں ہے کیا تم اس تقسیم پر خوش نہیں کہ ان کے حصہ میں دنیا ہے اور ہمارے حصہ میں آخرت۔ (بخاری و مسلم)

(۶۲۵) زید بن اسلمؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک دن حضرت عمرؓ نے پینے کے لئے پانی مانگا تو ان کے سامنے شہد کا شربت پیش کیا گیا۔ فرمایا شربت تو بڑا مزے دار ہے لیکن کیا کروں کہ میں اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد سنتا ہوں کہ اس نے کافروں کی من مانی خواہشات ملنے پر ان کی مذمت فرمائی ہے اور کہا ہے کہ تم تو اپنی نیکیوں کے مزے دنیا ہی میں اڑا چکے، اس لئے مجھے خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ بھی کہیں جلدی جلدی دنیا ہی میں نہ دیا جا رہا ہو۔ یہ کہہ کر شربت ہرگز نہ پیا۔ (رزین)

(۶۲۶) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کسی مومن پر اس کی کسی نیکی کے بارے میں ظلم نہیں کرتا۔ اس کا بدلہ دنیا میں بھی دیا جاتا ہے اور آخرت میں بھی دیا جاتا ہے۔ رہا کافر تو جو نیکیاں اس نے اپنی دانست میں خدا تعالیٰ کے واسطے کی تھیں ان کا پورا بدلہ دنیا ہی میں نمٹا دیا جاتا ہے۔ یہاں تک کہ جب وہ آخرت میں پہنچتا ہے تو اس کی کوئی نیکی ایسی باقی نہیں ہوتی جس کا ثواب اس کو وہاں دیا جائے۔

(مسلم شریف)

(۶۲۷) عَنْ سَعْدِ بْنِ اِبْرَاهِيْمَ عَنْ اَبِيْهِ اَنَّ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ عَوْفٍ اُتِیَ بِطَعَامٍ وَّكَانَ صَائِمًا فَقَالَ قُتِلَ مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ وَّهُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ كُفِّنَ فِيْ بُرْدَةٍ اِنْ غُطِّيَ رَأْسُهٗ بَدَتْ رِجْلَاهُ وَاِنْ غُطِّيَ رِجْلَاهُ بَدَا رَأْسُهٗ وَاُرَاهُ قَالَ وَقُتِلَ حَمْزَةُ وَهُوَ خَيْرٌ مِّنِّيْ ثُمَّ بُسِطَ لَنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا بُسِطَ اَوْ قَالَ اُعْطِيْنَا مِنَ الدُّنْيَا مَا اُعْطِيْنَا وَلَقَدْ خَشِيْنَا اَنْ تَكُوْنَ حَسَنَاتُنَا عُجِّلَتْ لَنَا ثُمَّ جَعَلَ يَبْكِيْ حَتّٰى تَرَكَ الطَّعَامَ۔ (رواه البخاری)

(۶۲۸) عَنْ اِبْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَحْسَنَ مِنْ مُّسْلِمٍ وَّلَا كَافِرٍ اِلَّا اَثَابَهُ اللّٰهُ فَقُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اِثَابَةُ الْكَافِرِ قَالَ اِنْ كَانَ قَدْ وَصَلَ رَحِمًا اَوْ تَصَدَّقَ بِصَدَقَةٍ اَوْ عَمِلَ حَسَنَةً اَثَابَهُ اللّٰهُ الْمَالَ وَالْوَلَدَ وَالصِّحَّةَ وَاَشْبَاهَ ذٰلِكَ قَالَ فَقُلْنَا مَا اِثَابَتُهٗ فِی الْاٰخِرَةِ فَقَالَ عَذَابًا دُوْنَ الْعَذَابِ قَالَ وَقَرَأَ

(۶۲۷) سعد بن ابراہیم اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ عبدالرحمٰن بن عوف کا روزہ تھا جب افطار کے وقت ان کے سامنے نہایت نفیس کھانا رکھا گیا تو فرمانے لگے کہ مصعب بن عمیر شہید ہوئے اور وہ مجھ سے بہتر تھے مگر ان کو کفن کیلئے صرف ایک چادر نصیب ہوئی وہ بھی اتنی تھی کہ جب ان کا سر ڈھکا جاتا تو دونوں پیر کھل جاتے اور جب پیر ڈھکے جاتے تو سر ننگا ہو جاتا تھا (راوی کہتا ہے کہ میرے خیال میں حضرت حمزہ کا بھی ذکر فرمایا) کہ وہ بھی شہید ہوئے اور وہ بھی مجھ سے بدرجہا افضل تھے اس عسرت و تنگی کے دور کے بعد پھر ہمارے لئے دنیا کی جو کچھ فراوانی ہوئی وہ ہوئی۔ ہمیں خطرہ ہے کہ ہماری نیکیوں کا بدلہ کہیں دنیا ہی میں نہ نمٹایا جا رہا ہو، یہ کہہ کر اتنا روئے کہ کھانا اسی طرح چھوڑ دیا۔ (بخاری)

(۶۲۸) حضرت ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ مسلمان ہو یا کافر نیک عمل جو بھی کرتا ہے، اللہ تعالیٰ اس کو اس کا بدلہ ضرور دیتا ہے ہم نے پوچھا یا رسول اللہ کافر کے عمل کا بدلہ کیا ہے فرمایا جو کافر اپنے عزیزوں کے ساتھ سلوک کرتا ہے، یا صدقہ دیتا ہے یا اور کوئی بھلا کام کرتا ہے اللہ تعالیٰ اس کا بدلہ مال، اولاد، تندرستی اور اسی قسم کی دنیوی نعمتوں کی شکل میں دیدیتا ہے ہم نے عرض کیا

(۶۲۸) بظاہر آیت سے استدلال کی تقریر یہ ہے کہ جب اس آیت سے فرعونیوں کا سخت ترین عذاب میں گرفتار ہونا ثابت ہوا تو دوسروں کے حق میں ان کی نسبت سے عذاب کی تخفیف بھی مفہوم ہوئی لہذا ثابت ہوا کہ بعض کفار کو بعض کی نسبت عذاب میں تخفیف ہوگی اس تخفیف کا باعث کچھ ان کی نیکیاں بھی ہو سکتی ہیں۔

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَدْخِلُوْا اٰلَ فِرْعَوْنَ اَشَدَّ الْعَذَابِ۔ راخرجہ الحاکم فی التفسیر ص۴۵۴ وقال الذہبی فیہ عتبۃ یقظان واہ۔

## حسنات الکافر اذا اسلم

(۶۲۹) عَنْ حَکِیْمِ بْنِ حِزَامٍ اَنَّہٗ قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیْ رَسُوْلَ اللّٰہِ اَرَاَیْتَ اُمُوْرًا کُنْتُ اَتَحَنَّثُ بِھَا فِی الْجَاھِلِیَّۃِ مِنْ صَدَقَۃٍ اَوْ عَتَاقَۃٍ اَوْ صِلَۃِ رَحِمٍ اَفِیْھَا اَجْرٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَسْلَمْتَ عَلٰی مَا اَسْلَفْتَ مِنْ خَیْرٍ۔ (رواہ البخاری ومسلم والحاکم فی مستدرکہ فی مناقب حکیم)

یہ تو دنیا میں بدلا ہوا آخرت میں ان کا بدلا کیا ہوگا۔ فرمایا عذاب کی تخفیف اس کے بعد آپ نے یہ آیت پڑھی ادخلوا ال فرعون الخ فرعونیوں کو سخت عذاب میں جھونک دو۔ (مستدرک)

## اسلام قبول کرنے کے بعد کیا زمانۂ کفر کی نیکیاں بھی قبول ہوسکتی ہیں

(۶۲۹) حکیم بن حزام سے روایت ہے کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا یا رسول اللہ فرمایئے میرے وہ نیک کام جو میں زمانۂ جاہلیت میں کیا کرتا تھا جیسے صدقہ، غلام آزاد کرنا، اور عزیزوں کے ساتھ سلوک کرنا کیا ان کا بھی مجھکو ثواب ملے گا۔ آپ نے فرمایا تم جتنی نیکیاں پہلے کرچکے ہو، ان سب کے ساتھ ہی مسلمان ہوئے ہو۔ (یعنی ان کا بھی ثواب ملے گا) (بخاری مسلم مستدرک)

(۶۲۹) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ کافر کے نیک عمل اسلام کے بعد معتبر ہوسکتے ہیں لیکن بحث طلب یہ ہے کہ اگر وہ مسلمان نہ ہو جب بھی ان کا کوئی نفع ظاہر ہوگا یا نہیں۔ امام بخاریؒ نے اس حدیث کو زکوۃ، عتق اور صلہ رحمی کے مختلف ابواب میں روایت کیا ہے اور ہر جگہ اس پر صدقہ مشرک اور عتق مشرک کا عنوان قائم کرکے ثم اسلم (یعنی پھر اسلام قبول کرلے) کی قید لگادی ہے۔ یعنی اگر مشرک صدقہ یا غلام آزاد کرکے مسلمان ہوجائے تو کیا اس کے یہ اعمال موجب ثواب ہوں گے۔ حافظ ابن حجرؒ نے غالباً اسی لئے یہ تفصیل اختیار فرمائی ہے کہ کافر اگر اسلام قبول کرلے جب تو اس کے زمانۂ کفر کی نیکیوں پر اجر ملتا ہے ورنہ نہیں۔ ہمارے نزدیک امام بخاری نے ان تراجم میں اس مسئلہ کے فیصلہ کی طرف کوئی اشارہ نہیں فرمایا بلکہ اس کے پیچیدہ اور مختلف فیہ ہونے کی وجہ سے کسی ایک جانب جزم کرنا خلاف احتیاط سمجھا ہے اور اس لئے الفاظ حدیث ہی کو عنوان باب بنادیا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ کافر کے طاعات معتبر ہونے کا مطلب یہی ہوسکتا ہے کہ اس کے عذاب میں کچھ تخفیف ہوجائے یہی اس کے حق میں بہت بڑی بات ہے اس کے سوا اس کے حق میں نجات ابدی کا تو کوئی تصور ہی نہیں ہوسکتا یہ بڑی بحث عنقریب آنے والی ہے۔

# حسنات الکافر اذا لم یسلم

(۶۳۰) حَدَّثَنَا الْعَبَّاسُ بْنُ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ قَالَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا أَغْنَيْتَ عَنْ عَمِّكَ فَإِنَّهُ كَانَ يَحُوطُكَ وَيَغْضَبُ لَكَ قَالَ هُوَ فِي ضَحْضَاحٍ مِنْ نَارٍ وَلَوْلَا أَنَا لَكَانَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (رواہ البخاری فی قصۃ ابی طالب)

(۶۳۱) عَنْ أَبِي سَعِيدٍ الْخُدْرِيِّ أَنَّهُ سَمِعَ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَذُكِرَ عِنْدَهُ عَمُّهُ أَبُو طَالِبٍ فَقَالَ لَعَلَّهُ تَنْفَعُهُ شَفَاعَتِي يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَيُجْعَلُ فِي ضَحْضَاحٍ

# اگر کافر اسلام نہ لائے تو کیا اسکی نیکیاں سودمند ہیں

(۶۳۰) عباس بن عبدالمطلب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا آپ نے اپنے چچا ابوطالب کو کیا نفع پہنچایا وہ آپ کی بڑی حمایت کرتے تھے اور آپ کی خاطر دوسروں سے ناراض ہوجایا کرتے تھے۔ فرمایا دوزخ میں ان کو ٹخنوں تک عذاب ہوگا۔ اگر کہیں میری سفارش نہ ہوتی تو سب سے نیچے کے طبقے میں ہوتے۔ (بخاری)

(۶۳۱) ابوسعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی محفل میں آپ کے چچا ابوطالب کا ذکر آیا تو انھوں نے ان کے متعلق آپ کو یہ فرماتے سنا، قیامت کے دن میری سفارش شاید ان کو کچھ نفع دیدے

(۶۳۱) ان احادیث سے یہ ثابت نہیں ہوتا کہ کافر کی نیکیاں اصولی طور پر بھی تخفیف عذاب کا موجب ہوسکتی ہیں بلکہ صرف اتنا ثابت ہوتا ہے کہ خاص موقعہ پر کسی سفارش کی وجہ سے اس کے حق میں تخفیفِ عذاب ہوسکتی ہے۔ اسی لئے آپ نے فرمایا ہے کہ اگر میری سفارش نہ ہوتی تو ان کے عذاب میں تخفیف بھی نہ کی جاتی۔ مسلم شریف میں اس حدیث پر یہ باب ہے "شفاعۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم لابی طالب والتخفیف عنہ بسببہ" اس میں اسی طرف اشارہ ہے کہ ابوطالب کے حق میں جو تخفیف ہوئی وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی سفارش کی بدولت ہی ہوئی۔ یہ دوسری بات ہے کہ آپ کی سفارش میں ان کی اس جاں نثاری کا دخل بھی ضرور تھا۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے رسول کی ذات سے متمتع ہونے کی دو صورتیں تحریر فرمائی ہیں۔ الداعی انما ینتفع من وجہین اما بدعاء الرسول واما بایمان الداعی بہ وطاعتہ ومحبتہ فاذا کان الرسول لم یدع لہ وھو لم یؤمن بہ لم ینتفع بالرسول صلی اللہ علیہ وسلم فابو طالب مع کفرہ لما کان یحوط الرسول ویمنعہ شفع فیہ حتی خفف عنہ العذاب۔ (کتاب الرد علی البکری ص۶۷)

کسی دعا کرنیوالے کو رسول کی ذات سے صرف دو طرح نفع پہنچ سکتا ہے یا تو اس کے حق میں خود رسول دعا و سفارش کرے، یا یہ شخص خود اس رسول پر ایمان رکھتا ہو، اس کی اطاعت اور اس سے محبت کرتا ہو پس اگر نہ تو رسول اس کے حق میں دعا کرے اور نہ یہ اس پر ایمان رکھے تو اب رسول کی ذات سے اس کو کوئی نفع نہیں پہنچ سکتا۔

مِنَ النَّارِ يَبْلُغُ كَعْبَيْهِ تَغْلِي مِنْهُ أُمُّ دِمَاغِهِ. (رواه البخاری)

(۶۳۲) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ الطَّائِيِّ قَالَ قُلْتُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ أَبِي كَانَ يَصِلُ الرَّحِمَ وَيَفْعَلُ وَيَفْعَلُ فَهَلْ لَهُ فِي ذٰلِكَ يَعْنِي مِنْ أَجْرٍ قَالَ إِنَّ أَبَاكَ طَلَبَ أَمْرًا فَأَصَابَهُ. (رواہ احمد قال الهيثمی ورجاله ثقات والطبرانی فی الكبير)

(۶۳۳) عَنْ عَائِشَةَ أَنَّهَا قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ ابْنَ جُدْعَانَ كَانَ يَقْرِي الضَّيْفَ وَيَصِلُ الرَّحِمَ وَيَفْعَلُ وَيَفْعَلُ أَيَنْفَعُهُ ذٰلِكَ قَالَ لَا إِنَّهُ لَمْ يَقُلْ يَوْمًا قَطُّ رَبِّ اغْفِرْ لِي خَطِيْئَتِي يَوْمَ الدِّيْنِ. (رواہ مسلم وابن جرير والحاكم وصححه)

---

اور اس کی وجہ سے وہ تپتی آگ میں رکھے جائیں جو صرف ان کے ٹخنوں تک رہے لیکن اس عذاب سے بھی ان کا دماغ تک کھولتا رہے گا۔ (بخاری شریف)

(۶۳۲) عدی بن حاتم طائی سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میرے والد صلہ رحمی کرتے اور بھی بہت اچھے اچھے کام کیا کرتے تھے انھیں کچھ ملے گا؟ راوی کہتا ہے کہ کچھ ان کا ثواب ملے گا آپ نے جواب دیا کہ تمہارے والد کی جو نیت تھی وہ انھیں حاصل ہو گئی۔ (یعنی شہرت مقصود تھی وہ اتنی ہو گئی کہ دنیا میں ان کی سخاوت ضرب المثل ہو گئی یہ کمال بلاغت تھی کہ بیٹے کے منہ پر باپ کی عدم مغفرت بیان کرنے سے اعراض فرمالیا) (احمد، طبرانی)

(۶۳۳) حضرت عائشہ سے روایت ہے کہ انھوں نے پوچھا یارسول اللہ ابن جدعان بڑی مہمان نوازی، بڑی صلہ رحمی کیا کرتا تھا اور بھی بہت اچھے اچھے کام کیا کرتا تھا، کیا یہ کام اس کیلئے کچھ سودمند ہوں گے فرمایا نہیں اس نے کسی دن (بھولے سے) بھی یہ نہیں کہا میرے پروردگار قیامت میں میری خطاؤں کو درگذر کرنا۔ (ابن جریر، حاکم، مسلم)

---

ابو طالب باوجودیکہ کافر تھے لیکن چونکہ وہ آپ کی حمایت کیا کرتے تھے (اور آپ نے ان کے حق میں دعا فرمائی تھی) اس لئے ان کے حق میں آپ کی سفارش کارگر ہوئی اور ان کے عذاب میں تخفیف کردی گئی۔

یہاں ایک شبہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ احادیث بالا سے کافر کے حق میں بھی شفاعت کا نافع ہونا ثابت ہوتا ہے اس کے برخلاف قرآن کی تصریح یہ ہے کہ فَمَا تَنْفَعُهُمْ شَفَاعَةُ الشَّافِعِيْنَ۔ کافروں کو شفاعت کرنے والوں کی شفاعت سودمند نہ ہوگی ہمارے نزدیک اس کا سب سے بہتر اور بے تکلف جواب امام قرطبی کا ہے وہ فرماتے ہیں۔

| | |
|---|---|
| المراد بها في الآية الاخراج من النار وفي الحديث المنفعة بالتخفيف۔ | آیت کی مراد یہ ہے کہ شفاعت کی وجہ سے کسی کافر کو عذاب دوزخ سے نجات نہیں مل سکتی اور حدیث میں شفاعت کا جو نفع مذکور ہے اس سے مراد صرف عذاب کی تخفیف ہے نجات نہیں۔ |

(فتح الباری)

(۶۳۴) عَنِ الزُّهْرِیِّ قَالَ اَخْبَرَنِیْ عُرْوَۃُ بْنُ الزُّبَیْرِ فِیْ قِصَّۃٍ اَنَّ ثُوَیْبَۃَ مَوْلَاۃٌ لِاَبِیْ لَھَبٍ وَکَانَ اَبُوْلَھَبٍ اَعْتَقَھَا فَاَرْضَعَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا مَاتَ اَبُوْلَھَبٍ اُرِیَہٗ بَعْضُ اَھْلِہٖ بِشَرِّ حِیْبَۃٍ قَالَ لَہٗ مَاذَا لَقِیْتَ قَالَ اَبُوْلَھَبٍ لَمْ اَلْقَ بَعْدَکُمْ غَیْرَ اَنِّیْ سُقِیْتُ فِیْ ھٰذِہٖ بِعَتَاقَتِیْ ثُوَیْبَۃَ (رواہ البخاری) وفی الفتح ذکر السہیلی ان العباس قال لما مات ابولھب رأیتہ فی منامی بعد حول فی شر حال فقال مالقیت بعدکم راحۃ الا ان العذاب یخفف عنی فی کل یوم اثنین قال وذلک ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم ولد یوم الاثنین وکانت ثویبۃ بشرت ابالھب بمولدہ فاعتقہا)

(۶۳۵) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ اَنَّ الْعَاصَ بْنَ وَائِلٍ اَوْصٰی اَنْ یُّعْتَقَ عَنْہُ مِائَۃُ رَقَبَۃٍ فَاَعْتَقَ اِبْنُہٗ ھِشَامٌ خَمْسِیْنَ رَقَبَۃً فَاَرَادَ اِبْنُہٗ عَمْرٌو اَنْ یُّعْتِقَ عَنْہُ الْخَمْسِیْنَ الْبَاقِیَۃَ فَقَالَ حَتّٰی اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اَبِیْ اَوْصٰی اَنْ یُّعْتَقَ عَنْہُ مِائَۃُ رَقَبَۃٍ وَاِنَّ ھِشَامًا اَعْتَقَ عَنْہُ خَمْسِیْنَ

(۶۳۴) زہری سے روایت ہے کہ عروۃ فرماتے تھے ثویبہ ابولہب کی باندی تھی جسے ابولہب نے آپ کی ولادت کی خوشی میں آزاد کر دیا تھا۔ اس آزاد شدہ باندی نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو دودھ پلایا تھا جب ابولہب مرگیا تو اس کے گھر کے کسی آدمی نے اس کو بہت برے حال میں دیکھا اس سے پوچھا کہو کیا گذری ابولہب نے کہا تم سے جدا ہو کر مجھے کوئی راحت نہیں مل سکی بجز اس کے کہ ثویبہ کو چونکہ میں نے آزاد کیا تھا اس لئے اس کے بدلہ میں مجھ کو تھوڑا سا پانی پلا دیا جاتا ہے۔ فتح الباری میں سہیلی سے منقول ہے کہ عباسؓ کہتے ہیں جب ابولہب مرگیا تو میں نے اسے ایک سال بعد بہت خراب حال سے خواب میں دیکھا اس نے کہا تم سے جدا ہو کر میں نے راحت کا ذائقہ تک نہیں چکھا۔ صرف پیر کے دن میرے عذاب میں ذرا سی تخفیف کر دی جاتی ہے۔ عباسؓ کہتے ہیں کہ اس کی وجہ یہ تھی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ولادت باسعادت پیر ہی کے دن ہوئی تھی جب ثویبہ نے ابولہب کو آپ کی ولادت کی خوشخبری سنائی تو اس نے خوشی میں آکر اس کو آزاد کر دیا تھا۔ (بخاری شریف)

(۶۳۵) عمرو بن شعیب اپنے باپ سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ عاص بن وائل نے مرتے وقت یہ وصیت کی تھی کہ میری طرف سے سو غلام آزاد کر دیئے جائیں ان کے ایک فرزند ہشام نے تو پچاس غلام آزاد کر دیئے تھے دوسرے فرزند عمروؓ نے بقیہ پچاس ادا کرنے کا ارادہ کیا تو دل میں کہا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کئے بغیر مجھے یہ اقدام کرنا مناسب معلوم نہیں ہوتا آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے

وَبَقِيَتْ عَلَيْهِ خَمْسُونَ رَقَبَةً أَفَأُعْتِقُ عَنْهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُ لَوْ كَانَ مُسْلِمًا فَأَعْتَقْتُمْ عَنْهُ أَوْ تَصَدَّقْتُمْ عَنْهُ أَوْ حَجَجْتُمْ عَنْهُ بَلَغَهُ ذٰلِكَ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۶۳۶) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ يَزِيدَ الْجُعْفِيِّ قَالَ انْطَلَقْتُ أَنَا وَأَخِي إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُولَ اللّٰهِ إِنَّ أُمَّنَا مُلَيْكَةَ كَانَتْ تَصِلُ الرَّحِمَ وَتَقْرِي الضَّيْفَ وَتَفْعَلُ وَتَفْعَلُ هَلَكَتْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهَلْ ذٰلِكَ نَافِعُهَا شَيْئًا قَالَ لَا قَالَ قُلْنَا فَإِنَّهَا كَانَتْ وَأَدَتْ أُخْتًا لَنَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَهَلْ ذٰلِكَ نَافِعُهَا شَيْئًا قَالَ الْوَائِدَةُ وَالْمَوْؤُدَةُ فِي النَّارِ إِلَّا أَنْ تُدْرِكَ الْوَائِدَةُ الْإِسْلَامَ فَيَعْفُو اللّٰهُ عَنْهَا۔ (رواہ احمد والطبرانی قال الھیثمی رجال احمد رجال الصحیح۔ وفی مشکل الآثار عن سلمۃ بن زید بدل یزید کمافی اسباب الورود ص۹۶ وفیہ فھل ینفعھا عمل ان عملناہ عنھا الخ)

---

اور پوچھا یا رسول اللہ میرے والد ماجد نے سو غلام آزاد کرنے کی وصیت فرمائی تھی پچاس تو میرے بھائی ہشام نے آزاد کر دیئے ہیں اور پچاس ابھی باقی ہیں اجازت ہو تو ان کی طرف سے وہ میں آزاد کر دوں۔ آپ نے فرمایا اگر تمہارے والد مسلمان ہوتے پھر تم ان کی طرف سے غلام آزاد کرتے یا کچھ صدقہ دیتے یا حج کرتے تو ان اعمال کا ثواب بیشک ان کو پہنچتا۔ (ابوداؤد)

(۶۳۶) سلمہ بن یزید سے روایت ہے کہ میں اور میرا بھائی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پہنچے (حاضر ہو کر) پوچھا یا رسول اللہ ہماری والدہ ملیکہ بڑی نیک اور پارسا بی بی تھیں) صلہ رحمی کرتیں، مہمان نوازی کرتیں اور بھی اچھے اچھے کام کیا کرتی تھیں۔ کفر ہی کے زمانہ میں ان کا انتقال ہو گیا ہے کیا ان کے یہ اعمال نہیں کچھ سود مند ہوں گے آپ نے فرمایا کچھ نہیں پھر ہم نے پوچھا کہ انھوں نے ہماری ایک بہن کو زندہ درگور کر دیا تھا کیا اس معصوم کو (گناہ کی تمیز سے پہلے مرجانے سے) کوئی فائدہ ہوگا آپ نے فرمایا کہ یہ رسم بد ادا کرنے والی اور وہ لڑکی دونوں دوزخ میں ہیں ہاں اگر اس جرم کا ارتکاب کرنے والی اسلام قبول کر لیتی اور اللہ تعالیٰ اس کا یہ جرم بخش دیتا تو پھر نجات کی صورت ہو سکتی تھی۔ (احمد و طبرانی)

---

(۶۳۶) یہ حدیث مشکوٰۃ میں بھی موجود ہے مگر اس میں صرف اتنا فقرہ مذکور ہے "الوائدۃ والموؤدۃ فی النار" اس سے شبہ ہوتا ہے کہ شاید یہ کلیہ ہے اور اس وجہ کر اطفال مشرکین کے مسئلہ میں اشکال پیدا ہو جاتا ہے۔ یہاں یہ واضح ہو گیا کہ اس کا شان نزول ایک خاص واقعہ ہے لہٰذا موؤدہ سے بھی خاص موؤدہ مراد ہوگی۔ ابوداؤد میں حسناء اپنے چچا سے روایت کرتی ہیں اس میں اس کے خلاف یہ ہے "والوئید فی الجنۃ" مشکوٰۃ ص۱۳۵۲ مسئلہ کی تفصیل کتاب الجنائز میں کی جائیگی۔ آخرت میں اصل نفع چونکہ عذاب دوزخ سے نجات ہے اس لئے سائلین کے سوال پر آپ مطلقاً نفع کی نفی فرماتے رہے۔ نیز کافروں کے اعمال کے معمولی سے نفع کی بے وجہ تشریح کرنا صاحب نبوت کیلئے ذرا موزوں بھی نہ تھا۔ آپ دنیا کو شرک سے نفرت دلانے کیلئے آئے تھے خدا کی رحمتوں اور اس کی رحمتوں کے کرشموں کے بیان کرنے کا محل اور ہے۔

(۶۳۷) عَنْ اَبِيْ نُعَيْمٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اَوْ شَيْخٌ مِنْ اَهْلِ الْمَدِيْنَةِ فَنَزَلَ عَلٰى مَسْرُوْقٍ

(۶۳۷) ابو نعیم روایت کرتے ہیں کہ اہل مدینہ میں سے ایک شخص یا ایک بوڑھا شخص (راوی کو شک ہے)

(۶۳۷) یہ امر تو تقریباً طے شدہ ہے کہ کافر کی نیکیاں اس کے اسلام کے بعد معتبر ہو سکتی ہیں یعنی رحمت ان پر بھی اس کو ثواب دے سکتی ہے بحث طلب مسئلہ یہ ہے کہ اگر کافر مسلمان نہ ہو تو کیا پھر بھی اس کی نیکیوں کا کوئی ثمرہ آخرت میں ظاہر ہو سکے گا یا نہیں۔ دوسری بحث یہ ہے کہ یہ تسلیم کرنے کے بعد کہ ان کی نیکیاں کس درجہ میں قابل اعتبار ہوں کیا یہ حکم ان کی عبادتوں کو بھی شامل ہے یا عبادتیں اس سے مستثنیٰ ہیں۔ ان دونوں مسئلوں میں علماء کا اختلاف ہے۔

پہلے مسئلہ کے بارے میں محققین کے مختلف اقوال کا خلاصہ یہ ہے۔

مذهب ابن بطال وغيره من المحققين الى ان الكافر اذا اسلم ومات على الاسلام يثاب على ما فعله من الخير في حال الكفر واستدلوا بحديث ابي سعيد الخدري قال قال رسول الله صلى الله عليه وسلم اذا اسلم الكافر فحسن اسلامه كتب الله له كل حسنة زلفها ذكره الدارقطني في غريب حديث مالك ورواه عنه من تسع طرق وثبت فيها كلها ان الكافر اذا حسن اسلامه يكتب له في الاسلام كل حسنة عملها في الشرك.

(النووي ج ۱ ص ۷۷)

ابن بطال اور دوسرے محققین کا مختار یہ ہے کہ کافر اگر مسلمان ہو جائے اور اسی حالت پر اس کا انتقال ہو جائے تو جو نیک کام وہ کفر کے زمانہ میں کر چکا ہے ان کا ثواب بھی اس کو ملتا ہے اس کی دلیل ابو سعید خدریؓ کی حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کافر مسلمان ہو جائے اور خوب اچھی طرح مسلمان ہو جائے تو جو جو نیکیاں پہلے وہ کر چکا تھا اللہ تعالیٰ وہ سب نیکیاں لکھ دیتا ہے۔ دارقطنی نے اس حدیث کو مالک کی غریب حدیثوں میں ذکر کیا ہے اور نو طریقوں سے صحیح طور پر یہ مضمون نقل کیا ہے کہ جب کافر سچے طور پر مسلمان ہو جاتا ہے تو تمام وہ نیکیاں جو شرک کے زمانہ میں وہ کر چکا تھا اسلام کے بعد لکھی جاتی ہیں۔ (نووی)

قال الحافظ والحق انه لا يلزم من كتابة الثواب للمسلم في حال اسلامه تفضلا من الله واحسانا ان يكون ذلك لكون عمله الصادر في الكفر مقبولا والحديث انما تضمن كتابة الثواب ولم يتعرض للقبول ويحتمل ان يكون القبول يصير معلقا على اسلامه فيقبل ويثاب ان اسلم والا فلا وهذا قوي.

حافظ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ حدیث میں کافر کے متعلق اس کے مسلمان ہونے کے بعد اس کی نیکی کا ثواب لکھے جانے کا ذکر ہے اس سے زمانہ کفر کے عمل کا مقبول ہونا لازم نہیں آتا۔ بلکہ ہو سکتا ہے کہ اسلام کے بعد یہ کتابت اللہ تعالیٰ کی طرف سے صرف اس پر ایک انعام و احسان کی طور پر ہو اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کی قبولیت کی بنا پر مگر یہ قبولیت اس کے اسلام لانے پر موقوف رہے اگر مسلمان ہو گیا تو قبول ہو جائے ورنہ قبول نہ ہو اور یہی جواب زیادہ قوی ہے۔

قال ابن المنير المخالف للقواعد دعوى ان يكتب له ذلك في حال كفره واما ان الله يضيف الى حسناته في الاسلام ثواب

ابن منیر کہتے ہیں کہ جو بات قواعد شریعت کے خلاف ہے وہ صرف یہ ہے کہ کافر کی نیکیاں کفر ہی کے زمانہ میں لکھی جائیں رہی یہ بات کہ مسلمان ہونے کے بعد اللہ تعالیٰ اس کی نیکیوں

فقال سمعت عبد اللہ بن عمرو یقول قال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم من لقی
لا یشرک باللہ شیئا لم تضرہ معہ خطیئۃ ومن مات وھو یشرک بہ لم تنفعہ

آیا اور مسروق کے یہاں مہمان ہوا۔ اس نے بیان کیا کہ میں نے عبد اللہ بن عمرو کو یہ کہتے خود سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص اس حالت پر مر جائے کہ وہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک کرتا ہو تو کوئی گناہ اس کو جنت میں داخل ہونے سے روک نہیں سکتا اور جو شخص شرک کی حالت پر مرے تو کوئی

ماکان صدر منہ اما کان یظنہ خیرا فلا مانع منہ کما لو تفضل علیہ ابتداء من غیر عمل وکما یتفضل علی العاجز بثواب ماکان یعمل وھو قادر فاذا جاز ان یکتب لہ ثواب ما لم یعمل البتۃ جاز لہ ان یکتب لہ ثواب ما عملہ غیر موفی الشرط۔ (فتح الباری)

میں ان نیکیوں کے ثواب کا بھی اضافہ فرمادے جن کو وہ عہد کفر میں اچھے عمل سمجھ کر کر چکا ہے تو اس کے تسلیم کر لینے میں کوئی امر مانع نہیں ہے جبکہ اس کو یہ قدرت حاصل ہے کہ وہ کسی کو عمل کئے بغیر یونہی ابتداءً ثواب دیدے یا عجز و مرض کے زمانہ میں اس کی صحت و قدرت کے اعمال کے برابر ثواب بخشدے تو اس کے اسلام کے بعد زمانہ کفر کے کئے ہوئے اعمال پر ثواب دینے کی قدرت کیوں نہیں اگرچہ ان کی قبولیت کی شرط اس وقت موجود نہ تھی۔ (یعنی اسلام)۔ (فتح الباری)

اس کا حاصل یہ ہے کہ کافر کی نیکیاں اسلام کے بعد تو معتبر ہو سکتی ہیں لیکن اگر وہ مسلمان نہ ہوا تو پھر ان کا کوئی اعتبار نہیں ہوتا۔

دوسرے مسئلہ میں امام نووی کی رائے یہ ہے کہ کافر کی عبادات طاعات اور قربات ہر قسم کی نیکیاں معتبر ہو سکتی ہیں۔ اس پہلو کو یہاں تک اصرار ہے کہ وہ فقہاء کے قول میں بھی تاویل کیلئے تیار ہو گئے ہیں۔ فقہاء فرماتے ہیں

لا تصح عبادۃ الکافر ولو اسلم لم یعتد بھا۔

کافر کی عبادت صحیح نہیں ہوتی حتی کہ اگر وہ مسلمان بھی ہو جائے جب بھی اس کا اعتبار نہ ہو گا۔

شیخ اس کی یہ تاویل فرماتے ہیں:۔

مرادھم انہ لا یعتد لہ بھا فی احکام الدنیا ولیس تعرض لثواب الآخرۃ

فقہاء کی مراد یہ ہے کہ احکام دنیا میں ان کا اعتبار نہ ہو گا آخرت کے ثواب کے متعلق ان کے قول میں کوئی حکم مذکور نہیں ہے۔ گویا اسلام کے بعد کافر کی گذشتہ عبادات کا ثواب آخرت میں مل سکتا ہے)

یہاں حضرت استاد مرحوم کا فیصلہ یہ ہے کہ کافر کے نیک کام آخرت میں نفع بخش ہو سکتے ہیں گو اس کی صورت صرف تخفیف عذاب ہو۔ آخر ایک منصف اور ظالم کافر کے عذاب میں فرق بدیہی ہے۔ اس فرق کی وجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہو سکتی کہ منصف کافر کا انصاف ہی اس کے حق میں تخفیفِ عذاب کا موجب ہو ورنہ اہل کفر میں تو دونوں

لہ شیخ محی الدین نوویؒ امام بیہقیؒ سے نقل فرماتے ہیں۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

معنعن حسنة۔ قال الهیثمی رواه احمد والطبرانی فی الکبیر ورجاله رجال الصحیح ما خلا التابعی فانه لم یسم ورواه الطبرانی فجعله من روایة مسروق ورواه عن عبد الله بن عمر ایضاً کما فی رحمة المهداة۔

نیکی اس کو سود مند نہیں ہو سکتی۔ (یعنی اس کی مغفرت نہیں ہوگی)۔ (احمد، طبرانی)

ہمارے ہیں۔ بس حافظ ابن حجرؒ کا حدیثوں کی تاویل کرنا اور یہ فرمانا کہ کافر کے اعمال کا نفع ہو تو سکتا ہے مگر یہ نفع اسی وقت ظاہر ہوگا جبکہ وہ مسلمان ہو جائے ظاہر کے خلاف ہے۔ ہاں شیخ محی الدین نووی کی اتنی تعمیم کر دینی کہ ان کی سب نیکیاں معتبر ہیں یہاں تک کہ عبادتیں بھی، یہ بھی دلپذیر نہیں۔ متوسط فیصلہ یہ ہے کہ کافر کی عام نیکیاں تو معتبر ہو سکتی ہیں مگر اس کی عبادت کوئی معتبر نہیں ہوگی عبادات اور دوسرے اچھے کاموں میں فرق یہ ہے کہ عبادت خاص اللہ تعالیٰ کا حق ہے۔ عبادت میں نیت اور صاحب حق کی معرفت بھی درکار ہے۔ کافر کو خدا تعالیٰ کی صحیح معرفت کا ایک ذرہ بھی نصیب نہیں ہوتا۔ اس لئے اس کی عبادت خدا تعالیٰ کی عبادت ہی نہیں ہوتی وہ صرف اپنے ایک خیالی معبود کی عبادت ہوتی ہے۔ اور نیک کاموں سے مراد وہ کام ہیں جن کو انسان اپنی فطرت سے مذہب کی قید و بند کے بغیر بھی اچھا سمجھتا ہے ان میں نیت کرنا شرط نہیں۔ احادیث بالا میں اسی قسم کے اعمال کا ذکر ہے جیسے بنی نوع انسان کی ہمدردی، عدل و انصاف، صدقہ و خیرات، صلہ رحمی، مہمان نوازی، غلام آزاد کرنا، اور اسی قسم کے اور اعمال۔ [1]

(باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) قال البیہقی وقد یجوز ان یکون حدیث ابن جدعان وما ورد بین الآیات والاخبار فی بطلان خیرات الکافر اذا مات علی الکفر ورد فی انہ لا یکون لها موقع التخلص من النار وادخال الجنة ولکن یخفف عنہ من عذابہ الذی یستوجبہ علی جنایات ارتکبها سوی الکفر بما فعل من الخیرات ام د جنبائی ص۳۱) امام بیہقیؒ فرماتے ہیں کہ یہ بھی ہو سکتا ہے کہ ابن جدعان کی حدیث اور سب آیتیں اور حدیثیں جن میں کہ کافر کے بحالت کفر مر جانے کے بعد اس کی نیکیوں کے برباد ہو جانے کا ذکر آیا ہے وہ اس پر محمول ہوں کہ ان نیکیوں کا نتیجہ اس کے حق میں عذاب دوزخ سے نجات اور جنت نہ ہو سکے گا۔ اگرچہ یہ ممکن ہے کہ اس کی نیکیوں کی وجہ سے کفر کے علاوہ اس کے اور برے افعال کی سزا میں ایک گونہ تخفیف کر دی جائے۔

امام بیہقیؒ کی اس عبارت میں یہ اور وضاحت ہو گئی کہ تخفیف عذاب سے مراد بھی اس کے گناہوں کے عذاب میں تخفیف ہے۔ کفر کے عذاب میں نہیں۔ گویا نیکیوں کا اثر کفر کے معاملہ میں کچھ نہیں ہوگا۔

حاشیہ صفحہ ہذا۔

[1] شیخ محی الدین نووی ایک حدیث کے ضمن میں لکھتے ہیں۔ وصرح فی ہذا الحدیث بان یطعم فی الدنیا بما عملہ من الحسنات اما بما فعلہ متقربا بہ الی اللہ تعالیٰ مما لا یفتقر الی النیة کصلة الرحم والصدقة والعتق والضیافة وتسهیل الخیرات ونحوها۔ (م ج۲ ص۳۷۴)

یعنی جس حدیث میں یہ ذکر ہے کہ کافر کی نیکیوں کا بدلہ اسکو دنیا ہی میں دیدیا جاتا ہے اس میں اسی قسم کی نیکیوں کا ذکر ہے جن کو انسان ثواب کے لئے کیا کرتا ہے مگر ان میں نیت شرط نہیں ہوتی جیسے عزیزوں کے ساتھ سلوک۔ صدقہ۔ غلام آزاد کرنا اور مہمانی وغیرہ۔

## العبادة لغیر اللہ شرک وان اعتقد ان النفع والضر بید اللہ سبحانہ

(۶۳۸) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِأَبِي حُصَيْنٍ كَمْ تَعْبُدُ الْيَوْمَ إِلٰهًا قَالَ أَبِي سَبْعَةً سِتًّا فِي الْأَرْضِ وَوَاحِدًا فِي السَّمَاءِ قَالَ فَأَيُّهُمْ تَعُدُّ لِرَغْبَتِكَ وَرَهْبَتِكَ قَالَ الَّذِي فِي السَّمَاءِ قَالَ يَا حُصَيْنُ أَمَا إِنَّكَ لَوْ أَسْلَمْتَ عَلَّمْتُكَ

## غیر اللہ کی عبادت کرنی شرک ہے اگرچہ عقیدہ میں نفع ونقصان کا مالک خدا تعالیٰ کی ذات ہی کو تصور کرتا ہو۔

(۶۳۸) عمران روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے والد حصین سے پوچھا تم موجودہ حالت میں کتنے خداؤں کی پوجا کرتے ہو میرے والد نے جواب دیا سات خداؤں کی جن میں چھ تو زمین میں ہیں اور ایک آسمان میں۔ آپ نے پوچھا اچھا تو ان میں سے اپنی محبت اور خوف کے لئے تم نے کس کو بنا رکھا ہے انھوں نے جواب دیا آسمان والے کو۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا حصین! اگر تم اسلام قبول کر لیتے تو

(بقیہ از صفحۂ گذشتہ) ظاہر ہے کہ یہ کام ایک کافر کے بھی اسی طرح اچھے کہلاتے ہیں جیسے کہ ایک مسلمان کے پس اس قسم کے کام تو کافر کے بھی معتبر ہو سکتے ہیں خواہ وہ اسلام لائے یا نہ لائے۔ ہاں عذابِ دوزخ سے ابدی نجات صرف اسلام پر موقوف ہوگی۔ اسی طرح تمام عبادتوں کی قبولیت بھی بغیر اسلام کے نصیب نہیں ہو سکتی۔

اس لئے ممکن ہے کہ کافر کے نیک کام آخرت میں عذاب کی تخفیف کا فائدہ دے سکیں مگر یہ بھی مشیتہ الٰہیہ کے تابع ہے بشکل ضابطہ نہیں۔ اب رہ گئیں وہ آیات جن میں کفار کے حق میں تخفیفِ عذاب کی نفی مذکور ہے تو ان سے مراد یہ ہے کہ ان کی نیکیوں کی رعایت کر کے جو عذاب ان کے لئے مقرر کر دیا جائے گا پھر اس میں کوئی تخفیف نہ کی جائے گی اور جو تخفیف ہم نے یہاں ذکر کی ہے اس کا مطلب یہ ہے کہ اگر کافر کے پاس حسنات نہ ہوں تو جتنا عذاب اس کو اس وقت ہوتا ان حسنات کے ہوتے ہوئے اتنا عذاب نہیں ہوگا۔ یہ معنی نہیں ہیں کہ عذاب مقدر شروع ہو جانے کے بعد پھر اس میں کسی قسم کی تخفیف کی جائیگی۔ اس لئے جو تخفیف ہم نے ذکر کی ہے وہ صرف ایک ذہنی امر ہے خارج میں اس کا کوئی ثمرہ نہیں۔ خلاصہ یہ کہ شرک پر جس شدت کے ساتھ مغفرت کے دروازے بند ہیں شاید تخفیفِ عذاب کے دروازے اس شدت کے ساتھ بند نہیں۔ کسی کی سفارش یا کرشمۂ رحمت کے صدقہ میں عذابِ آخرت کے تخفیف کی گنجائش نکل سکتی ہے البتہ دنیوی فراوانی کو اس کے حق میں بھی ضابطہ کہا جا سکتا ہے۔ اس مسئلہ پر مختصر سی بحث ترجمان السنہ جلد اول ص۲۱۵ پر بھی گذر چکی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

(۶۳۸) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے اس مختصر اور سادہ سوال وجواب نے حصین کی سلیم فطرت کو یہ سوچنے پر مجبور کر دیا تھا کہ جب محبت اور خوف کا علاقہ اس کے نزدیک بھی صرف ایک ہی ذات کے ساتھ وابستہ ہے تو پھر مفت میں بقیہ چند خداؤں کے آستانہ پر جبہ سائی کا فائدہ؟ یہ صرف ہدایت کا ایک معمولی قالب تھا اس میں اصلی روح آپ کی چند لمحوں کی وہ کیمیا اثر صحبت تھی جو بجلی کی طرح سعادتمند قلوب میں دوڑ جایا کرتی تھی لو ماآن کی آن میں ان کے

كَلِمَتَيْنِ تَنْفَعَانِكَ قَالَ فَلَمَّا أَسْلَمَ حُصَيْنٌ قَالَ يَا رَسُولَ اللهِ عَلِّمْنِي الْكَلِمَتَيْنِ اللَّتَيْنِ وَعَدْتَنِي فَقَالَ قُلِ اللّٰهُمَّ أَلْهِمْنِي رُشْدِي وَأَعِذْنِي مِنْ شَرِّ نَفْسِي ۔ (رواہ الترمذی)

## ان الله لا مكره له ولا يتعاظم عنده شئ

(۴۳۹) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا دَعَا أَحَدُكُمْ فَلَا يَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِي إِنْ شِئْتَ ارْحَمْنِي إِنْ شِئْتَ ارْزُقْنِي إِنْ شِئْتَ وَلْيَعْزِمْ مَسْئَلَتَهُ إِنَّهُ يَفْعَلُ مَا يَشَاءُ وَلَا مُكْرِهَ لَهُ (رواہ البخاری)

میں تم کو دو کلمے ایسے تعلیم کرتا جو تم کو بڑے سود مند ہوتے ۔ راوی کہتا ہے کہ اس کے بعد جب حصین حلقۂ اسلام میں داخل ہوگئے تو انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو وہ بات یاد دلائی اور عرض کیا یا رسول اللہ جن دو کلموں کا آپ نے مجھ سے وعدہ فرمایا تھا اب وہ مجھے بتا دیجئے ۔ آپ نے فرمایا اچھا یہ پڑھ لیا کرو اللھم الھمنی الخ خدایا میرے مقدر کی ہدایت میرے دل میں ڈال دے (کہ میں اس پر عمل پیرا ہو جاؤں) اور میرے نفس کے فریب سے مجھے بچا لے ۔ (ترمذی)

## اللہ تعالیٰ کی ذات پر جبر کرنیوالا کوئی نہیں اور نہ کوئی بڑے سے بڑا کام اس کے نزدیک بڑا ہے

(۴۳۹) ابو ہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دعا مانگو تو یوں مت کہا کرو، اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخشدے اور تو چاہے تو مجھ پر رحم فرما دے اور تو چاہے تو مجھے روزی دیدے بلکہ خوب اصرار کے ساتھ کسی شرط و تردد کے بغیر دعا مانگا کرو کیونکہ اس پر زبردستی کرنے والا کوئی نہیں وہ خود مختار ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے ۔ (بخاری شریف)

باطن کی کایا پلٹ دیتی تھی اسی نے یہاں حصین کے باطن میں بھی انقلاب پیدا کر دیا تھا ۔ اس حدیث سے مشرکین عرب کے شرک کی کچھ تفصیل بھی معلوم ہوتی ہے اور یہ بھی پتہ چلتا ہے کہ توحید کی اصل روح توحید فی العبادت ہے جب تک رشتۂ عبادت غیر اللہ کے ساتھ وابستہ رہے توحید نصیب نہیں ہوتی اور اس کا شمار مشرکوں ہی میں رہتا ہے اگرچہ اپنے زعم میں نفع و نقصان کا مالک ایک ہی ذات کو تصور کرتا ہو اسی لئے اسلام کی توحید کا نمایاں پہلو توحید فی العبادت ہے ۔ آج بھی بہت سے مسلمان ہیں جو کلمۂ لا الہ الا اللہ زبان سے پڑھ کر غیر اللہ کی عبادت میں ڈوبے ہوئے نظر آتے ہیں ۔ درحقیقت یہ اسلام کی توحید نہیں ۔ اگر اسلامی توحید کا صحیح مفہوم دماغ میں آجائے تو پھر ان افعال کے قریب پھٹکنا بھی ممکن نہیں ہوگا جن میں عبادت لغیر اللہ کی ذرا بھی بو آسکے ۔

(۶۴۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَعَا اَحَدُکُمْ فَلَا یَقُلْ اَللّٰهُمَّ اغْفِرْ لِیْ اِنْ شِئْتَ وَلٰکِنْ لِیَعْزِمْ وَلْیُعَظِّمِ الرَّغْبَةَ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا یَتَعَاظَمُهٗ شَیْئٌ اَعْطَاهُ ۔ (رواہ مسلم)

(۶۴۱) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ اَخَذَ بِیَدِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّیْ لَاُحِبُّكَ یَا مُعَاذُ فَقُلْتُ وَاَنَا اُحِبُّكَ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ فَلَا تَدَعْ اَنْ تَقُوْلَ فِیْ دُبُرِ کُلِّ صَلٰوةٍ رَبِّ اَعِنِّیْ عَلٰی ذِکْرِكَ وَشُکْرِكَ وَحُسْنِ عِبَادَتِكَ ۔ (رواہ احمد وابوداؤد والنسائی الا ان ابا داؤد لم یذکر قال معاذ وانا احبك ۔

(۶۴۲) عَنْ رَبِیْعَةَ بْنِ کَعْبٍ قَالَ کُنْتُ اَبِیْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ

---

(۶۴۰) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تم دعا مانگا کرو تو یوں مت کہا کرو اے اللہ اگر تو چاہے تو مجھے بخش دے بلکہ بلا شرط دعا مانگا کرو اور اپنی ہمت بلند رکھا کرو، کیونکہ اللہ کو بڑی سے بڑی چیز دینی بھی کچھ بھاری نہیں ہوتی ۔ (مسلم)

(۶۴۱) معاذ بن جبل سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرا ہاتھ اپنے دست مبارک میں پکڑ کر فرمایا اے معاذ میں تم سے بہت محبت رکھتا ہوں ۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں بھی آپ سے بڑی محبت رکھتا ہوں ۔ آپ نے فرمایا تو پھر نمازوں کے بعد یہ کلمات پڑھنا نہ چھوڑنا ۔ اے اللہ اپنے ذکر و شکر اور اپنی عبادت اچھی طرح کرنے کے لئے میری مدد فرما ۔ (نسائی ۔ ابوداؤد)

(۶۴۲) ربیعہ بن کعب روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس کہیں سویا تھا

---

(۶۴۰) حدیث بالا میں کلمات دعا کے اندر اس شرط لگانے کے (اگر تو چاہے) دو ہی مفہوم نکل سکتے ہیں، یا تو متکلم اپنی شان بے نیازی کا اظہار چاہتا ہے اس لئے وہ انداز استغنا میں سوال کرتا ہے اور لازمی طور پر اپنی درخواست کی منظوری کی حاجت ظاہر کرنا پسند نہیں کرتا یا مخاطب کی سہولت کی غرض سے ان الفاظ کا اضافہ کرتا ہے گویا اس درخواست کی اجابت مخاطب کی سہولت پر چھوڑتا ہے ۔ اللہ تعالیٰ کی جناب میں یہ دونوں باتیں بے محل اور لغو ہیں اس کے سامنے نہ تو اظہار بے نیازی کا موقع ہے اور نہ اس کے لئے کسی اعلیٰ سے اعلیٰ مقصد کے بخشنے میں کوئی دشواری ہے پھر دعا کے الفاظ میں یہ کلمات شرط بے معنی اور سراسر گستاخی ہی ہوئے ۔

(۶۴۲) مطلب یہ تھا کہ بلند مقاصد صرف تمناؤں سے حاصل نہیں ہوا کرتے ان کے لئے مشقت اور مجاہدوں کی چکیوں میں پسنا پڑتا ہے مشہور ہے العطایا علی متن البلایا یعنی انعامات سخت ترین آزمائشوں میں گذر کر ہی نصیب ہوتے ہیں ۔ کامل دین یہ نہیں سکھاتا کہ فوز و فلاح کا راستہ بے عملی کے ساتھ صرف دعاؤں سے طے ہو جائے گا وہ عمل اور صرف عمل سے طے ہوگا ۔ نسبی شرافتوں اور بزرگوں کے توسل کے بھروسہ پر عمل سے تغافل برتنا اسلامی تعلیم نہیں ۔ کمال و تکمیل

فَاَتَيْتُهٗ بِوَضُوْئِهٖ وَحَاجَتِهٖ فَقَالَ لِيْ سَلْ فَقُلْتُ اَسْاَلُكَ مُرَافَقَتَكَ فِي الْجَنَّةِ قَالَ اَوْغَيْرَ ذَالِكَ قُلْتُ هُوَ ذَاكَ قَالَ فَاَعِنِّيْ عَلٰى نَفْسِكَ بِكَثْرَةِ السُّجُوْدِ۔ (رواہ مسلم)

(۶۴۳) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ لَمَّا نَزَلَتْ وَاَنْذِرْ عَشِيْرَتَكَ الْاَقْرَبِيْنَ دَعَا النَّبِيُّ صلی اللہ علیہ وسلم قُرَيْشًا فَاجْتَمَعُوْا فَعَمَّ وَخَصَّ فَقَالَ يَا بَنِيْ كَعْبِ بْنِ لُؤَيٍّ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ مُرَّةَ بْنِ كَعْبٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ عَبْدِ شَمْسٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ عَبْدِ مَنَافٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ هَاشِمٍ اَنْقِذُوْا اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ يَا بَنِيْ عَبْدِ الْمُطَّلِبِ اَنْقِذُوْا

جب آپ کے وضو کے لئے پانی اور دیگر ضرورت کی اشیاء لیکر حاضر ہوا تو آپ نے (مسرور ہوکر) مجھ سے فرمایا مانگو کیا مانگتے ہو۔ میں نے عرض کیا جنت میں آپ کے قرب میں رہنے کا سوال رکھتا ہوں۔ فرمایا یہ کیا مانگتے ہو کچھ اور مانگو میں نے عرض کیا میرا سوال تو یہی ہے۔ فرمایا تو اس اہم مقصد کے لئے اپنے نفس کے دشمن بن جاؤ اور خدائے تعالیٰ کے لئے نمازوں میں سجدے کر کرکے میری بھی کچھ مدد کرو۔ (مسلم)

(۶۴۳) ابوہریرہؓ فرماتے ہیں کہ جب آیۃ وانذر عشیرتک الاقربین نازل ہوئی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قریش کو بلایا وہ جمع ہوگئے آپ نے ان کے عام اور خاص سب قبائل کو پکار پکار کر کہا اے کعب بن لوی کی اولاد دوزخ کی آگ سے اپنی جانوں کو بچاؤ۔ اے کعب

کی اس اہل روح کے ساتھ یہاں آپ نے کس خوبی سے اپنی عبدیت و عجز کا اظہار بھی فرمادیا یعنی تمام مراتب قرب کے باوجود بارگاہ بے نیاز میں خلافِ آئین سفارش کرنے میں اور سب درماندہ ہیں۔ اگر عمل کا قدم اٹھا کر تم میری مدد کرنیکا وعدہ کرتے ہو تو سفارش کا قدم اٹھانے کا وعدہ میں کرتا ہوں۔ حسن خدمات کے ساتھ اگر یہ بھی سفارش مل جائے تو فوز و فلاح کی امید رکھنا۔ قرآن شریف میں ارشاد ہے "واسجد واقترب" سجدے کرکے آپ ہمارا قرب تلاش کیجئے۔ اس آیت میں قرب خداوندی کا جو آئین آپ کو بتایا گیا تھا وہی آئین آپ نے یہاں قرب رسول کے اس متلاشی کو بتادیا اور اس ضمن میں یہ اشارہ بھی فرمادیا کہ جنت میں تمہارے رسول کا مقام تجلیاتِ الٰہیہ کی سب سے قریب ترین منزل ہے جہاں پہنچنے کے لئے قدوسیوں کے پر جلتے اور مقربین کے ہوش اڑتے ہیں۔ اس کے قرب کی تمنا کرنا بہت بڑا سوال ہے۔ اب اگر اس سوال کی ہمت رکھتے ہو تو عمل کی ہمت بھی پیدا کرو یہی وہ حقیقت تھی جس کا اعلان آپ نے بطونِ عرب کو خطاب کرنے کے بعد اپنی سب سے محبوب ترین صاحبزادی کے سامنے کردیا تھا۔ خلاصہ یہ کہ اسلام کی توجیہ ہے کہ کامیابی ہونا کا راز کا معاملہ صرف دست قدرت میں سمجھنا چاہیے۔ عمل کا قدم اٹھائے جاؤ اور رسول کی شفاعت کے بعد اپنے ان ہیچ در ہیچ اعمال کے قبولیت کی امید رکھو۔ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کی شریعت کا خلاف کرکے یہ امید رکھنا کہ رسول خدا تعالیٰ کے ارادہ کے خلاف ہم کو زبردستی بخشوالیں گے۔ رسول کی محبت نہیں اس کی صریح مخالفت ہے۔ اسی سفاہت پر ابوہریرہؓ کی حدیث میں متنبہ کیا گیا ہے۔

اَنْفُسَكُمْ مِنَ النَّارِ یَا فَاطِمَةُ اَنْقِذِیْ نَفْسَكِ مِنَ النَّارِ فَاِنِّیْ لَا اَمْلِكُ لَكُمْ مِنَ اللّٰهِ شَیْئًا غَیْرَ اَنَّ لَكُمْ رَحِمًا سَاَبُلُّهَا بِبَلَالِهَا۔ رواہ مسلم وھو فی المتفق علیہ مع بعض تغییر

(۶۴۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَامَ فِیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ یَوْمٍ فَذَكَرَ الْغُلُوْلَ فَعَظَّمَهٗ وَعَظَّمَ اَمْرَهٗ ثُمَّ قَالَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَكُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ بَعِیْرٌ لَهٗ رُغَاءٌ یَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَكُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ فَرَسٌ لَهٗ حَمْحَمَةٌ فَیَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَكُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَةِ عَلٰی رَقَبَتِهٖ شَاةٌ لَهَا ثُغَاءٌ یَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِكُ لَكَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُكَ لَا اُلْفِیَنَّ

ابن مرہ کی اولاد اپنی جانوں کو دوزخ کی آگ سے بچاؤ۔ اے عبد شمس کی اولاد اپنی جانوں کو عذاب دوزخ سے بچاؤ۔ اے عبد المطلب کی اولاد اپنی جانوں کو عذاب دوزخ سے بچاؤ (یہ تو عام قبائل کو دعوت تھی اس کے بعد پھر اپنے خاص قبیلہ کو دعوت دی) اے فاطمہ (رضی اللہ تعالیٰ عنہا) اپنی جان کو آتش دوزخ سے بچا، کیونکہ میں اللہ تعالیٰ کے سامنے کسی کی مدد نہیں کر سکتا۔ ہاں میرے تمہارے مابین جو رشتہ کا تعلق ہے میں اس کے حقوق ضرور ادا کرتا رہوں گا۔ (مسلم شریف)

(۶۴۴) ابو ہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ ایک دن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے سامنے خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اس میں آپ نے خیانت کے معاملہ پر خاص طور سے زور دیکر فرمایا دیکھو میں ایسا نہ دیکھوں کہ قیامت کے دن تم میں کوئی شخص اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر اونٹ لدا ہوا بڑبڑا رہا ہو اور وہ شخص مجھے آواز دے یا رسول اللہ میری مدد فرمائیے تو میں اس کے جواب میں کہدوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں میں تو تجھ سے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں کوئی شخص اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر گھوڑا لدا ہوا ہو اور وہ ہنہنا رہا ہو اور وہ شخص پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمائیے تو میں اس سے کہدوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ میں تو تجھے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف

(۶۴۴) اس حدیث میں ذی روح اور غیر ذی روح دو قسم کے مالوں کا ذکر ہے ذی روح کے بولنے اور غیر ذی روح کی حرکت کے تذکرہ کرنے سے مقصد یہ ہے کہ اس دن کسی قسم کی خیانت پوشیدہ نہیں رہ سکتی۔ اول تو کاندھے پر لدا ہوا مال ہی کب پوشیدہ رہ سکتا ہے پھر اگر جانور خاموش رہے تو بھی ممکن ہے کہ اس طرف کسی کا دھیان نہ جائے لیکن جب جانور بولتا بھی رہے تو خواہ مخواہ کے لئے بھی ہر شخص کی نظر ادھر اٹھتی ہے یہی حال کپڑے کی حرکت کا ہے۔ بہرحال اس حدیث میں اس پر

اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَلٰی رَقَبَتِہٖ نَفْسٌ لَھَا صِیَاحٌ فَیَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَلٰی رَقَبَتِہٖ رِقَاعٌ تَخْفِقُ فَیَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ لَا اُلْفِیَنَّ اَحَدَکُمْ یَجِیْءُ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ عَلٰی رَقَبَتِہٖ صَامِتٌ فَیَقُوْلُ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَغِثْنِیْ فَاَقُوْلُ لَا اَمْلِکُ لَکَ شَیْئًا قَدْ اَبْلَغْتُکَ۔ (متفق علیہ وھذا لفظ مسلم وھو اتم)

(۶۴۵) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَنْ یُّنْجِیَ اَحَدًا مِّنْکُمْ

---

کہہ چکا تھا دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں کوئی قیامت کے دن اس طرح آئے کہ اس کی گردن پر بکری لدی ہوئی ہو اور وہ بول رہی ہو اور وہ شخص پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے تو میں کہدوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں۔ میں تو تجھ سے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں کوئی شخص قیامت کے دن آئے اور اس پر کوئی انسان بیٹھا چیخ رہا ہو اور یہ شخص پکار رہا ہو۔۔۔ یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے تو میں کہدوں آج بھلا میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں میں تو تجھے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔ دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں ایک شخص قیامت کے دن آئے اور اس کی گردن پر کپڑا لدا ہوا ہو اور اڑ رہا ہو اور یہ شخص پکارے یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے تو میں کہدوں بھلا آج میں تیری کیا مدد کر سکتا ہوں، میں تو تجھ سے دنیا ہی میں سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا، دیکھو ایسا نہ ہو کہ تم میں ایک شخص قیامت کے دن آئے اور اس کے اوپر سونا چاندی لدا ہوا ہو اور وہ پکار رہا ہو یا رسول اللہ میری مدد فرمایئے، تو میں کہدوں میں آج بھلا تیری کیا مدد کر سکتا ہوں میں تو دنیا ہی میں تجھ سے سب کچھ صاف صاف کہہ چکا تھا۔

(۶۴۵) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کسی کو بھی صرف

---

زور دیا گیا ہے کہ کسی کو محض رشتے ناتے کے بھروسہ پر نہ رہنا چاہیے۔ خدا تعالیٰ کی قاہر بارگاہ میں اس کے اذن کے بغیر لب کشائی کی ہمت کسی میں بھی نہیں۔ عمل کئے جاؤ اس کے بعد بھی بخشش کا بھروسہ صرف اس کی رحمت پر رکھو مگر دنیا ہے کہ وہ عمل صالح اور خدا کی رحمت کو تو فراموش کر چکی ہے اور اب محض بزرگانہ نسبتوں پر بھروسہ کئے بیٹھی ہے یہ اسلامی تعلیم نہیں نہ فوز و فلاح کا یہ راستہ ہے ؎

بندۂ عشق شدی ترک نسب کن جامی — کہ دریں راہ فلاں بن فلاں چیزے نیست

(۶۴۵) رسول بارگاہِ ایزدی میں مقرب سے مقرب ہو کر بھی سرتاپا آدابِ عبودیت میں ڈوبے ہوئے ہوتے ہیں وہ عین عالمِ استغراق میں بھی ایک حرف اپنی زبان پر ایسا نہیں لاتے جو ان کی شانِ عبدیت سے ذرا بھی اٹھا ہوا ہو۔ دیکھو

عَمَلُهُ قَالُوْا وَلَا اَنْتَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَلَا اَنَا اِلَّا اَنْ يَتَغَمَّدَنِيَ اللّٰهُ بِرَحْمَتِهٖ فَسَدِّدُوْا وَقَارِبُوْا وَاغْدُوْا وَرُوْحُوْا وَشَيْءٌ مِّنَ الدُّلْجَةِ وَالْقَصْدَ الْقَصْدَ تَبْلُغُوْا (متفق علیہ) وفی البیہقی نحوہ عن عائشۃ فی الدعوات الکبیر کما فی باب قیام شہر رمضان من المشکوٰۃ۔

## لیسأل العبد من ربہ جمیع حاجاتہ

(۶۴۶) عَنْ اَنَسٍؓ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِيَسْأَلْ اَحَدُكُمْ رَبَّهٗ حَاجَتَهٗ كُلَّهَا حَتّٰى يَسْأَلَ شِسْعَ نَعْلِهٖ اِذَا انْقَطَعَ زاد فی روایۃ عن ثابت البنانی مرسلا حَتّٰى يَسْأَلَهُ الْمِلْحَ وَحَتّٰى يَسْأَلَهٗ شِسْعَهٗ اِذَا انْقَطَعَ رواہ الترمذی)

(۶۴۷) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّكْفُلُ لِيْ اَنْ لَّا يَسْأَلَ

---

اس کا عمل آخرت میں نجات نہیں دیگا۔ لوگوں نے تعجب سے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ کو بھی فرمایا ہاں مجھکو بھی بجز اس صورت کے کہ اللہ تعالیٰ مجھکو اپنی رحمت میں گھیر لے لہذا میانہ روی کے ساتھ عمل کرتے رہو اور زیادہ بلند پروازیاں نہ کرو۔ پس کچھ صبح و شام کچھ شب کی تاریکی میں میانہ رفتار کے ساتھ چلتے رہو منزل مقصود کو جا پہنچو گے۔ (متفق علیہ)

## بندہ کو چاہئے کہ وہ اپنی سب مرادیں اللہ تعالیٰ سے مانگے

(۶۴۶) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے تم کو چاہئے کہ اپنی سب حاجتیں اللہ تعالیٰ ہی سے مانگا کرو۔ یہانتک کہ اگر چپل کا تسمہ ٹوٹ جائے تو وہ بھی خدا تعالیٰ سے مانگو۔ اور ایک روایت میں ثابت بنانی سے مرسل طور پر اتنا اور اضافہ منقول ہو کہ نمک بھی اسی سے مانگو (ترمذی)

(۶۴۷) ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس بات کا کون ضامن ہوتا ہے کہ وہ کسی شخص سے کچھ سوال نہ کیا کرے گا تو میں اس کیلئے جنت کا ضامن ہوتا ہوں۔ ثوبان نے

---

یہاں رحمۃ للعالمین کے سامنے جب بارگاہ رب العالمین کا ذکر آجاتا ہے تو وہ اس کی رحمت کی طرف احتیاج میں اپنی ذات کا بھی کوئی استثناء نہیں فرماتے اور بڑے مضطربانہ انداز میں فرماتے ہیں کہ ارحم الراحمین کی رحمت کا تو وہ بھی محتاج ہے جس کو اس نے رحمۃ للعالمین بنایا ہے۔ پس یہاں رحمت کے بغیر عملی سرگرمی کو کچھ کام بنتا ہے اور نہ صرف رحمت کا بھروسہ کچھ کارآمد ہو سکتا ہے مسافر آخرت پر لازم ہے کہ رحمت کی طرف نظر اٹھائے ہوئے میانہ روی کے ساتھ قدم بڑھائے چلے وہ اپنی منزل مقصود پر ضرور جا پہنچے گا۔

النَّاسَ شَيْئًا فَاَتَكَفَّلُ لَهٗ بِالْجَنَّةِ فَقَالَ ثَوْبَانُ اَنَا فَكَانَ لَا يَسْاَلُ اَحَدًا شَيْئًا۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

(۶۴۸) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ دَعَانِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَهُوَ يَشْتَرِطُ عَلَیَّ اَنْ لَا تَسْاَلَ النَّاسَ شَيْئًا قُلْتُ نَعَمْ قَالَ وَلَا سَوْطَكَ اِنْ سَقَطَ مِنْكَ حَتّٰی تَنْزِلَ اِلَيْهِ فَتَاْخُذَهٗ (رواہ احمد)

(۶۴۹) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ جَاعَ اَوِ احْتَاجَ فَكَتَمَهٗ النَّاسَ كَانَ حَقًّا عَلَی اللّٰہِ عَزَّ وَجَلَّ اَنْ يَّرْزُقَهٗ رِزْقَ سَنَةٍ مِنْ حَلَالٍ۔ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

---

عرض کیا میں۔ اس کے بعد وہ کسی سے کوئی چیز بھی مانگا نہیں کرتے تھے۔ (ابوداؤد۔ نسائی)

(۶۴۸) ابوذرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے بلایا اور مجھ سے یہ شرط کی کہ دیکھنا کسی سے کچھ سوال نہ کرنا میں نے کہا قبول ہے آپ نے فرمایا اگر تمہارے ہاتھ سے کوڑا گر پڑے تو اپنا کوڑا بھی نہ مانگنا یہاں تک کہ اترنا اور اس کو خود اٹھا لینا۔ (احمد)

(۶۴۹) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص کو بھوک کی تکلیف ہو یا اس کو کوئی اور حاجت پیش آجائے پھر وہ اس کو لوگوں سے پوشیدہ رکھے تو اللہ تعالیٰ پر یہ ایک حق ہوگا کہ اس کو ایک سال کی حلال روزی دیدے۔ (شعب الایمان)

---

(۶۴۸) یہ تمام مقامات وہ ہیں جہاں اگر کسی انسان سے سوال کر لیا جائے تو اس سے حدودِ اسلامی پر کوئی ضرب نہیں لگتی صرف ادبِ اسلامی میں فرق آتا ہے لیکن جہاں پہنچکر حدودِ اسلامی پر ضرب لگتی ہے وہ مُردوں سے یا غائب کو حاضر جان کر سوال کرنا ہے یہ صفت ایک خدائے قدوس کی ہے کہ اس کیلئے شہود و غیوبیۃ کا کوئی فرق نہیں وہ ہر جگہ حاضر و ناظر ہے۔ اصل یہ ہے کہ جو ذات مکان و زمان میں مقید ہے قرب و بعد اور غیوبیۃ و شہود کا فرق بھی اسی کے لئے ہے اور جو مادیۃ کی قیود سے منزہ و مبرا ہو وہ ان فروق سے بھی منزہ و مبرا ہے۔ اسی طرح اس کی ذات پاک نیند اور موت کے آثار سے بھی بالاتر ہے پس جو شخص مُردوں کو زندوں کی طرح اور بعید کو قریب کی طرح اور غائب کو حاضر کی طرح پکارتا ہے وہ گویا ایک مخلوق میں خالق کی صفات تسلیم کرتا ہے اسی حقیقت کو قرآن کریم نے ان الفاظ میں ادا کیا ہے۔

وَمَنْ اَضَلُّ مِمَّنْ يَّدْعُوْا مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ مَنْ لَّا يَسْتَجِيْبُ لَهٗۤ اِلٰی يَوْمِ الْقِيٰمَةِ وَهُمْ عَنْ دُعَآئِهِمْ غٰفِلُوْنَ۔

اس سے بڑھ کر گمراہ کون ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اس کو پکارے جو قیامت تک اس کی پکار کو نہ پہنچے اور ان کی پکار سے بھی غافل ہو (الاحقاف)

اِنَّ الَّذِيْنَ تَدْعُوْنَ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ عِبَادٌ اَمْثَالُكُمْ فَادْعُوْهُمْ فَلْيَسْتَجِيْبُوْا لَكُمْ (الاعراف)

جن کو تم اللہ تعالیٰ کے سوا پکارتے ہو وہ تم جیسے بندے ہیں بھلا انھیں پکار دیکھو تو چاہئے کہ وہ تمہارے پکارنے کو قبول کریں۔

(۶۴۹) یہ ایک وعدہ ہے اور جیسے دوسرے وعدہ وعید کے لئے قیدیں اور شرطیں ہوتی ہیں اس کے لئے بھی ہیں۔ یہاں متردد کبھی کامیاب نہیں ہوتا اور یقین رکھنے والا کبھی گھاٹے میں نہیں رہتا۔

(۶۵۰) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صلی اللہ علیہ وسلم لَا یُسْئَلُ بِوَجْہِ اللّٰہِ اِلَّا الْجَنَّۃُ (رواہ ابو داؤد)

## اسناد الامور کلہا الی اللہ سبحانہ رأس التوحید

(۶۵۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اُعْطِیْکُمْ وَلَا اَمْنَعُکُمْ اِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ اَضَعُ حَیْثُ اُمِرْتُ (رواہ البخاری)

(۶۵۰) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے روئے انور کے طفیل میں صرف ایک جنت ہی ایسی متاع ہے جو طلب کی جا سکتی ہے۔ (ابوداؤد)

## مسلمان کے قلب پر ایک اللہ تعالیٰ کی فاعلیت کا نقش ہو جانا توحید کا سب سے بلند مقام ہے

(۶۵۱) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا نہ تو میں تم کو اپنی طرف سے کچھ مال دیتا ہوں اور نہ منع کرتا ہوں میں تو صرف ایک تقسیم کرنے والا ہوں جہاں مجھے اللہ تعالیٰ کا حکم ہوتا ہے وہاں اٹھا کر بس مال کو رکھ دیتا ہوں۔ (بخاری شریف)

(۶۵۰) جنت بھی اللہ تعالیٰ کے اسم کے طفیل میں اس لئے مانگی جا سکتی ہے کیونکہ وہ اس کے دیدار کا محل ہے ورنہ مخلوقات میں ایسی چیز جس کو خالق کے روئے انور کے طفیل میں طلب کیا جا سکے کوئی بھی نہیں ہے

قیمتِ خود ہر دو عالم گفتۂ — نرخ بالا کن کہ ارزانی ہنوز

ان احادیث میں ایک موحد کو یہ سبق دیا گیا ہے کہ تا امکان وہ کسی انسان سے سوال کرنے کا خیال بھی اپنے دل سے نکال ڈالے، حتیٰ کہ اگر کوئی ابوذرؓ جیسا زاہد مزاج نظر پڑ گیا تو اس سے یہ ایک شرط ٹھہرا لی گئی۔ سوچئے کہ جس شریعت میں ادنیٰ ادنیٰ چیز مانگنے کیلئے بھی ایک رب العزت ہی کا دروازہ بتایا گیا ہو اس میں غیر اللہ سے ایسی ایسی مرادیں مانگنا جن کے پورا کرنے کی ان میں طاقت بھی نہ ہو کب گوارا ہو سکتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لوگوں کو مال تقسیم کرتے پھر خود فرما دیتے انما انا قاسم واللہ یعطی۔ دیکھو میں تو صرف ایک تقسیم کرنے والے کی حیثیت رکھتا ہوں در اصل دینے والا تو اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

(۶۵۱) یعنی جیسی رسول کی خود اپنی ہستی بندہ اور اس کے خدا تعالیٰ کے درمیان صرف ایک واسطہ ہوتی ہے ایسے ہی وہ مال کی تقسیم میں بھی صرف ایک واسطہ ہی رہتی ہے وہ خدا کے دیئے ہوئے مال کو اس کے حکم کے مطابق صرف ایک جگہ سے اٹھا کر دوسری جگہ رکھ دیتی ہے۔ سبحان اللہ جس جگہ اعطاء و منع کا فعل حقیقۃً بھی آپ کے ہاتھوں سے ہو رہا ہے اس جگہ بھی آپ مسلمان کی نظر کو اور بلند کر کے ایک ایسی عمیق حقیقت کی طرف لیجانا چاہتے ہیں جہاں حقیقت بھی مجاز بن کر رہ جاتی ہے۔ اسلام کی توحید کا یہ وہ بلند مقام ہے جہاں پہنچ کر قادر مطلق کی فاعلیت و اختیار منکشف ہوتا ہے۔ بقیہ صرف آلات و وسائل کی شکل میں نظر آنے لگتے ہیں۔

(۶۵۲) عَنْ مُعَاوِيَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يُرِدِ اللّٰهُ بِهٖ خَيْرًا يُفَقِّهْهُ فِي الدِّيْنِ وَاِنَّمَا اَنَا قَاسِمٌ وَاللّٰهُ يُعْطِيْ۔ (متفق علیہ)

(۶۵۳) عَنْ اَبِيْ بُرْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ اَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ رَهْطٍ مِنَ الْاَشْعَرِيِّيْنَ اَسْتَحْمِلُهٗ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَا اَحْمِلُكُمْ عَلَيْهِ قَالَ ثُمَّ لَبِثْنَا مَا شَاءَ اللّٰهُ اَنْ نَلْبَثَ ثُمَّ اُتِيَ بِثَلٰثِ ذَوْدٍ غُرِّ الذُّرٰى فَحَمَلَنَا عَلَيْهَا فَلَمَّا انْطَلَقْنَا قُلْنَا اَوْ قَالَ بَعْضُنَا وَاللّٰهِ لَا يُبَارَكُ لَنَا اَتَيْنَا النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَسْتَحْمِلُهٗ فَحَلَفَ اَنْ لَا يَحْمِلَنَا ثُمَّ حَمَلَنَا فَارْجِعُوْا بِنَا

(۶۵۲) حضرت معاویہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جس کے متعلق بہتری کا ارادہ فرماتے ہیں اس کو دین کی فہم عطا فرماتے ہیں اور میں تو صرف تقسیم کرنے والا ہوں دینے والا تو وہی ہے۔ (متفق علیہ)

(۶۵۳) ابوموسیٰ اشعری فرماتے ہیں کہ میں اشعریوں کی ایک مختصر جماعت کے ساتھ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں سواری مانگنے کیلئے حاضر ہوا آپ نے قسم کھا کر فرمایا میں تم کو سواری نہیں دیسکتا اور نہ اس وقت میرے پاس تم کو دینے کے لئے سواری موجود ہے۔ راوی کہتا ہے اس کے بعد پھر جتنا وقفہ اس حال پر گذرنا مقدر تھا گذر گیا پھر کہیں سے سفید کوہان والے تین اونٹ آپ کی خدمت میں آگئے آپ نے وہ ہم کو دیدیئے۔ جب ہم ان کو لیکر چلے تو ہم نے کہا یا ہم میں سے کسی نے کہا (راوی کو اس بارے میں شک ہے) خدا کی قسم ان میں کبھی ہمارے لئے برکت نہ ہوگی کیونکہ ہم آپ سے سواری مانگنے کے لئے آئے تھے اور

(۶۵۲) مال کی تقسیم سے زیادہ نازک مسئلہ فہم کی تقسیم کا ہے۔ حدیث کہتی ہے کہ یہ بھی اسی ایک ذات پاک کے ہاتھ میں ہے۔ رسول وحی الٰہی کی تبلیغ میں اپنی جانب سے کسی کی کوئی تخصیص نہیں کرسکتا وہ تو اس کو اپنے سب امتیوں کو برابر سنا دیتا ہے اب اگر مراتب فہم کے اختلاف سے ان کے علم وفضل کے مراتب میں کوئی تفاضل پیدا ہو جائے تو یہ رسول کے اختیار کی بات نہیں خدا کے دین کی بات ہے کسی کو زیادہ فہم دیدی کسی کو کم اس کو یہ حق ہے کہ وہ اپنی مخلوق میں جسے چاہے افضل اور جسے چاہے مفضول بنا دے۔ وربك يخلق ما يشاء ويختار۔ یعنی صفت خلق پھر اس میں ایک کو دوسرے پر ترجیح دینا یہ دونوں صفتیں خدا تعالیٰ ہی کی ہیں۔ خلاصہ یہ ہے کہ رسول کی ذات کو نہ مال کی تقسیم میں متہم سمجھنا چاہئے اور نہ وحی کی تقسیم میں اور یہ سب کچھ اس بنا پر کہ اصل متصرف صرف خدا تعالیٰ کی توانا اور مقتدر مطلق ذات ہے۔ رسول درمیان میں صرف ایک سبب وواسطہ کی حیثیت رکھتا ہے۔

(۶۵۳) خطابی فرماتے ہیں کہ آپ کا جملہ "ما انا حملتکم" (یہ اونٹ میں نے تم کو نہیں دیئے) ایک اخلاقی جملہ تھا اور مقصد یہ تھا کہ اس میں میرا تم پر کوئی احسان نہیں یہ اللہ تعالیٰ کا انعام ہے۔ اس کے حکم سے میں نے تم کو یہ اونٹ دیئے ہیں اور یہ مراد بھی ہوسکتی ہے کہ میرے حلف کا مطلب مطلقاً دینے سے انکار نہیں تھا بلکہ خاص اسوقت دینے سے

إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَنُذَكِّرُهُ فَأَتَيْنَاهُ فَقَالَ مَا أَنَا حَمَلْتُكُمْ بَلِ اللّٰهُ حَمَلَكُمْ وَإِنِّي إِنْ شَاءَ اللّٰهُ لَا أَحْلِفُ عَلَى يَمِينٍ فَأَرَى غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا إِلَّا كَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي وَأَتَيْتُ الَّذِي هُوَ خَيْرٌ وَكَفَّرْتُ عَنْ يَمِينِي۔ (رواہ البخاری)

(۶۵۴) عَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقُولُ فِي دُبُرِ كُلِّ صَلٰوةٍ مَكْتُوبَةٍ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللّٰهُ وَحْدَهُ لَا شَرِيكَ لَهُ۔ لَهُ الْمُلْكُ وَلَهُ الْحَمْدُ وَهُوَ عَلَى كُلِّ شَيْءٍ قَدِيرٌ اَللّٰهُمَّ لَا مَانِعَ لِمَا أَعْطَيْتَ وَلَا مُعْطِيَ لِمَا مَنَعْتَ وَلَا يَنْفَعُ ذَا الْجَدِّ مِنْكَ الْجَدُّ (متفق علیہ)

آپ نے نہ دینے کی قسم کھائی تھی پھر غالباً بھول گئے آپ نے ہم کو یہ اونٹ دیدیئے ہیں چلو پھر لوٹ چلیں تاکہ آپ کو آپ کی قسم کی یاددہانی کرادیں۔ یہ کہہ کر ہم آپ کی خدمت میں حاضر ہوئے، آپ نے ہماری گفتگو سن کر فرمایا میں نے تو تم کو یہ اونٹ نہیں دیئے یہ تو تم کو اللہ تعالیٰ نے دیئے ہیں اور اگر بالفرض میں کسی ایسی بات پر قسم کھالوں پھر اس کے خلاف میں بہتری دیکھوں تو میں یقیناً اپنی قسم کا کفارہ دیدوں گا اور جس بات میں بہتری ہوگی وہ کرلوں گا یا پہلے وہ کام کرلوں گا اس کے بعد اپنی قسم کا کفارہ ادا کروں گا۔ (راوی کو ان دو باتوں کے درمیان صحیح ترتیب یاد نہیں رہی) (بخاری شریف)

(۶۵۴) مغیرہ بن شعبہ سے روایت ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم فرض نمازوں کے بعد یہ کلمات پڑھا کرتے تھے۔ معبود کوئی نہیں مگر صرف ایک اللہ اس کا کوئی شریک نہیں ملک اسی کا ہے اور تمام تعریفیں بھی اسی کے لئے ہیں اور وہ ہر چیز پر قدرت رکھتا ہے اے اللہ جو تو دیدے اس سے روکنے والا کوئی نہیں اور جو نہ دے اس کا دینے والا کوئی نہیں اور تیرے سامنے کسی صاحب ثروت کی دولت بھی اس کیلئے کچھ سودمند نہیں۔

انکار تھا۔ جب اونٹ میرے پاس آگئے تو میں نے تم کو دیدیئے یہ ہمارے لئے ایک انعام ایزدی ہے۔

(۶۵۴) سبحان اللہ! اسلام کی توحید بھی کتنی بلند ہے جس میں منع و اعطاء کی دو صفتوں میں بھی شرکت کی کوئی گنجائش نہیں رکھی گئی۔ ایک مسلمان موحد اس کا مامور ہے کہ وہ نفی و اثبات کی صورت میں خدا کی ان صفات کو پنج وقتہ دہرایا کرے یعنی جس طرح لا الٰہ الا اللہ کی صورت میں وہ معبودان باطل کی شرکت کی نفی کرتا ہے اسی طرح لا مانع لما اعطیت کی شکل سے وہ اس کی ان دو صفتوں میں بھی شرکت کی نفی کیا کرے، کیونکہ جب ملک اس کا ہے تو حکم بھی اسی کا چلنا چاہئے، وہی دینے والا ہے اور وہی چھیننے والا۔ پھر اس کی بارگاہ دنیوی بادشاہوں کی طرح نہیں جہاں قرب کا مدار دولت پر ہو وہاں تو صرف اخلاص و عمل کارآمد ہوگا کسی کی ثروت دولت کچھ کارآمد نہ ہوگی۔

## الاعتقاد بأن لغیر اللہ اثرًا فوق ما ارادمنہ کفر

(۶۵۵) عَنْ زَیْدِ بْنِ خَالِدٍ الْجُھَنِیِّ اَنَّہٗ قَالَ صَلّٰی لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃَ الصُّبْحِ بِالْحُدَیْبِیَۃِ عَلٰی اِثْرِ السَّمَاءِ کَانَتْ مِنَ اللَّیْلَۃِ فَلَمَّا انْصَرَفَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقْبَلَ عَلَی النَّاسِ فَقَالَ ھَلْ تَدْرُوْنَ مَاذَا قَالَ رَبُّکُمْ قَالُوا اللّٰہُ وَرَسُوْلُہٗ اَعْلَمُ قَالَ اَصْبَحَ مِنْ عِبَادِیْ مُؤْمِنٌ بِیْ وَکَافِرٌ فَاَمَّا مَنْ قَالَ مُطِرْنَا بِفَضْلِ اللّٰہِ وَرَحْمَتِہٖ فَذٰلِکَ مُؤْمِنٌ بِیْ وَکَافِرٌ بِالْکَوْکَبِ وَاَمَّا مَنْ قَالَ بِنَوْءِ کَذَا وَکَذَا فَذٰلِکَ کَافِرٌ بِیْ مُؤْمِنٌ بِالْکَوْکَبِ۔ (رواہ البخاری)

(۶۵۶) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا اَنْزَلَ اللّٰہُ مِنَ السَّمَاءِ مِنْ

## کسی مخلوق کے متعلق ظاہری سببیت سے بڑھکر حقیقی تاثیر کا اعتقاد رکھنا کفر ہے

(۶۵۵) زید بن خالد جہنی کہتے ہیں کہ شب کو پانی برس چکا تھا اس کی صبح کو رسول خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے مقام حدیبیہ میں ہم لوگوں کو نماز پڑھائی۔ جب نماز سے فارغ ہو چکے تو لوگوں کی طرف متوجہ ہو کر فرمایا کچھ جانتے ہو تمہارے پروردگار نے کیا فرمایا ہے۔ سب نے عرض کیا اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول ہی زیادہ جاننے والے ہیں۔ آپ نے کہا یہ فرمایا ہے کہ آج صبح میرے بندوں میں (دو فریق ہو گئے) ایک مومن ہو گیا اور ایک کافر ہو گیا۔ جس نے یہ کہا کہ اللہ کے فضل اور اس کی رحمت سے پانی برسا وہ ہم پر ایمان لایا اور ستاروں کا منکر ہوا، اور جس نے یہ کہا کہ فلاں فلاں ستارہ کی وجہ سے پانی برسا وہ ہمارا منکر ہو گیا اور ستاروں پر ایمان لایا۔ (بخاری شریف)

(۶۵۶) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ جو برکت بھی آسمان سے

(۶۵۶) یہاں قدرت کے فیاض ہاتھوں کو ناشکر انسان سے یہ شکوہ ہے کہ وہ اس کی فیاضی کا کتنا بڑا ناقدر شناس ہے، کہ بارش تو وہ بھیجے اور یہ اس کو اس کی مخلوق کی طرف نسبت کر دے جس کو اس میں کوئی بھی دخل نہ ہو۔

واضح رہے کہ جہاں کوئی جماعت کسی مخلوق میں حقیقی یا خلاف واقع تاثیر کا اعتقاد رکھتی ہے وہاں شریعت اپنا لب و لہجہ سیاق تردید میں ذرا سخت کر دیتی ہے جیسا کہ زمانۂ جاہلیت میں ستاروں کے متعلق عرب کا اعتقاد تھا وہ محض اپنے اوہام کی بنا پر ان کو عالم کے بہت سے حوادث میں اسی طرح موثر سمجھتے تھے جیسا کہ آج بہت سے ضعیف الاعتقاد مسلمان بزرگوں کو سمجھ لیتے ہیں اور تاثیر بھی ایسی جو محض ان کے دماغوں کی تراشیدہ اور صرف وہمی ہوتی۔ شریعت نے عالم اسباب میں اشیاء کے اسباب خود مقرر فرمائے ہیں مگر اس سے روکا ہے کہ غیر سبب کو سبب یا سبب کو بڑھا کر مؤثر حقیقی کے برابر بنا دیا جائے اس نے عالم میں ایک غیر مرتبط سلسلہ کو ایک دوسرے کے ساتھ الجھا رہا ہے اور محض اپنی

بَرَكَةٍ اِلَّا اَصْبَحَ فَرِيْقٌ مِنَ النَّاسِ بِهَا كَافِرِيْنَ يُنَزِّلُ اللّٰهُ الْغَيْثَ فَيَقُوْلُوْنَ بِكَوْكَبِ كَذَا وَكَذَا۔ (رواہ مسلم)

(۶۵۷) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَخْبَرَنِيْ رَجُلٌ مِنْ اَصْحَابِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

نازل فرماتا ہے لوگوں میں ایک نہ ایک فرقہ اس کا منکر ہو کر رہتا ہے (کتنا ظلم ہے کہ) بارش تو خدا بھیجے اور لوگ یہ کہیں کہ فلاں فلاں ستارہ کی رفتار کی وجہ سے ہوئی ہے۔ (مسلم شریف)

(۶۵۷) ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی نے جو قبیلۂ انصار

قدرتِ کاملہ سے ایک کا وجود دوسرے کے ساتھ وابستہ کر کے اسی کا نام عالمِ اسباب رکھ دیا ہے اور بندہ کو یہ نمائش کر دی ہے کہ وہ اصل کارفرما اسی کی قدرت کو سمجھتا رہے۔ اسلام کی توحید اس تخلل کو برداشت نہیں کرتی کہ کوئی شخص عالم میں ایک ذرہ کی جنبش میں بھی بید قدرت کے سوا کسی اور کو حقیقۃً شریک سمجھے اس کا ایک ایک ذرہ اسی کی مخلوق ہے اور اسی کی قدرت سے حرکت کرتا ہے۔

عرب میں انسانی زندگی کے لئے سب سے ضروری چیز بارش تھی اگر اس میں بھی اس کے نزدیک تاثیر ستاروں کی رہے تو پھر اس کے قلب میں اپنے حقیقی خالق کی طرف کیا کشش باقی رہ سکتی ہے۔ دراصل خوف و خوف کے دو بازو ہی ایسے ہیں جو مخلوق کو طوعاً وکرہاً اپنے خالق کی عبادت کی طرف اڑائے لئے جاتے ہیں۔ اگر ان دونوں میں ایک بھی کمزور ہو جاتا ہے تو انسان کی وہی جانب مخلوق کی طرف جھکنے لگتی ہے پھر وہ خوف یا طمع سے اس کو خالق کے ساتھ شریک کرنے پر فطرۃً مجبور ہو جاتا ہے اس لئے شریعت نے جا بجا یہ تنبیہ کی ہے کہ حوادثِ عالم میں صرف اسی کی ذات موثر ہے اور اسی کو موثر سمجھنا چاہئے اور اس حقیقت کو اتنا ذہن نشین کیا ہو کہ جس سے بعض اوقات کسی کوتاہ اندیش کو یہ شبہ گذرنے لگتا ہے کہ شاید وہ سلسلۂ اسباب ہی کی منکر ہے جی ہاں جن مقامات پر صرف وہم پرستی ہو وہاں ایسا ہی ہونا چاہئے اگر شریعت یہاں تعبیرات میں اتنی شدت اختیار نہ کرتی تو جو قوم مخلوقات ہی کی تاثیر میں الجھکر رہ گئی تھی وہ موثر حقیقی تک کیسے پہنچتی۔

شیخ نووی فرماتے ہیں کہ اگر بارش کی نسبت ستاروں کی طرف اسی اعتقاد کے ساتھ کی ہے جب تو صریح کفر ہے اور اگر صرف ایک علامت ہونے کی بنا پر ہے جب بھی ایسے لفظ کے استعمال کی ضرورت کیا ہے جو کفر اور غیر کفر دونوں کا محتمل ہو کتاب الاذکار ص۱۵۱ جو لوگ ذوقِ ایمانی نہیں رکھتے وہ ان نزاکتوں کو بھی نہیں سمجھتے اور ان مشہور اسباب پر کلی اعتماد کا نام روشن خیالی اور علم اور دستِ قدرت کی اصلی طاقت پر بھروسہ کرنے کا نام جمود اور جہل رکھ دیتے ہیں یہ بڑا قصورِ نظر ہے۔ خدا تعالیٰ انصاف عطا فرمائے۔

(۶۵۷) آفتاب و ماہتاب اور ستاروں کے متعلق غلط اعتقادات ہی نے عرب کے قلوب میں ان کی بیجا عظمت پیدا کر دی تھی اور کسی کے متعلق اس کی حد سے زیادہ اعتقادِ عظمت ہی درحقیقت اس کی عبادت کا پیش خیمہ ہو جاتا ہے اسی لئے قرآن و حدیث نے جگہ جگہ سلسلۂ سببیہ کو اتنا بے وقعت بنایا ہے کہ بعض کوتاہ فہموں کو تو یہ شبہ پڑنے لگتا ہے کہ شاید شریعت سرے سے اس سلسلہ ہی کا انکار کرتی ہے۔ یاد رکھو خدا تعالیٰ کی

مِنَ الْاَنْصَارِ اَنَّهُمْ بَيْنَا هُمْ جُلُوْسٌ لَيْلَةً مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُمِيَ بِنَجْمٍ وَّاسْتَنَارَ فَقَالَ لَهُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا كُنْتُمْ تَقُوْلُوْنَ فِي الْجَاهِلِيَّةِ اِذَا رُمِيَ بِمِثْلِ هٰذَا قَالُوا اللّٰهُ وَرَسُوْلُهٗ اَعْلَمُ كُنَّا نَقُوْلُ وُلِدَ اللَّيْلَةَ رَجُلٌ عَظِيْمٌ وَمَاتَ رَجُلٌ عَظِيْمٌ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاِنَّهَا لَا يُرْمٰى بِهَا لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَيٰوتِهٖ وَلٰكِنْ رَبُّنَا تَبَارَكَ اسْمُهٗ اِذَا قَضٰى اَمْرًا سَبَّحَ حَمَلَةُ الْعَرْشِ ثُمَّ سَبَّحَ اَهْلُ السَّمَاءِ الَّذِيْنَ يَلُوْنَهُمْ حَتّٰى يَبْلُغَ التَّسْبِيْحُ اَهْلَ هٰذِهِ السَّمَاءِ الدُّنْيَا ثُمَّ قَالَ الَّذِيْنَ يَلُوْنَ حَمَلَةَ الْعَرْشِ لِحَمَلَةِ الْعَرْشِ مَاذَا قَالَ رَبُّكُمْ فَيُخْبِرُوْنَهُمْ مَا قَالَ فَيَسْتَخْبِرُ بَعْضُ اَهْلِ السَّمٰوٰتِ بَعْضًا حَتّٰى يَبْلُغَ هٰذِهِ السَّمَاءَ الدُّنْيَا فَيَخْطِفُ الْجِنُّ السَّمْعَ فَيَقْذِفُوْنَ اِلٰى اَوْلِيَاءِهِمْ وَيُرْمَوْنَ فَمَا جَاؤُوْا بِهٖ

میں کا تھا۔ مجھ سے بیان کیا کہ وہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بیٹھے ہوئے تھے کہ ایک ستارہ ٹوٹا اور روشن ہوگیا۔ آپ نے ان سے پوچھا جب زمانہ جاہلیت میں اس طرح کوئی ستارہ ٹوٹا کرتا تھا تو تم لوگ اس کے متعلق کیا اعتقاد رکھتے تھے؟ پہلے تو انھوں نے ادب سے کہا کہ خدا اور اس کا رسولؐ زیادہ عالم ہیں اس کے بعد کہا کہ ہمارا عقیدہ تھا کہ اس شب میں یا تو کوئی بڑا شخص پیدا ہوا ہے یا اس کی وفات ہوئی ہے۔ آپ نے فرمایا ستارہ نہ تو کسی کی پیدائش کی وجہ سے ٹوٹتا ہے نہ کسی کی موت کی وجہ سے۔ اصل حقیقت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ جب کوئی حکم صادر فرماتے ہیں تو (بارگاہِ الوہیت کے ادب کے موافق) پہلے عرش کے فرشتے تسبیح پڑھنا شروع کردیتے ہیں پھر ان کی تسبیح سن کر ان کے متصل آسمان کے فرشتے تسبیح میں مشغول ہوجاتے ہیں یہانتک کہ فرشتوں کی تسبیح کا یہ سلسلہ اس دنیا کے آسمان تک متصل اور مسلسل ہوجاتا ہے۔ اس کے بعد جو فرشتے عرش والے فرشتوں کے متصل ہیں ان سے دریافت کرتے ہیں تمہارے پروردگار نے کیا حکم صادر فرمایا وہ جو کچھ ارشاد ہوا تھا ان کو بتا دیتے ہیں۔ اس کے بعد ایک آسمان والے دوسرے آسمان والوں سے اسی طرح پوچھتے چلے آتے ہیں۔ یہانتک کہ نوبت اس آسمان والوں تک آجاتی ہے (جہاں شیاطین ان خبروں کو سننے کے لئے چھپ کر کھڑے رہتے ہیں) اور ان میں کوئی کوئی بات سن کر اچک بھی لے جاتے ہیں پھر

توحید کا اعتقاد صرف اتنا ہی نہیں کہ وہ ایک ہے بلکہ یہ ہے کہ عالم میں جو کچھ بھی ہو رہا ہے وہ درحقیقت اسی ایک کا تصرف ہے۔ حدیث کا مضمون از اول تا آخر بار بار پڑھئے تو آپ کا قلب تمام مخلوق کی عظمت سے خالی ہو کر ایک قادر علی الاطلاق ہستی کی عظمت سے معمور ہوجائے گا۔

رہی یہ بات کہ شیاطین کا آسمانوں پر جانا اور غیب کی معمولی خبریں لے بھاگنا تو جو لوگ شیاطین کے تسخیر کے اعمال

عَلٰی وَجْھِہٖ فَھُوَ حَقٌّ وَلٰکِنَّھُمْ یَقْرِفُوْنَ فِیْہِ وَیَزِیْدُوْنَ۔ (رواہ مسلم)

(۶۵۸) عَنِ النُّعْمَانِ بْنِ بَشِیْرٍ قَالَ اِنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ یَوْمًا مُسْتَعْجِلًا اِلَی الْمَسْجِدِ وَقَدِ انْکَسَفَتِ الشَّمْسُ فَصَلّٰی حَتّٰی انْجَلَتْ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اَھْلَ الْجَاھِلِیَّۃِ کَانُوْا یَقُوْلُوْنَ اِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا یَنْخَسِفَانِ اِلَّا لِمَوْتِ عَظِیْمٍ مِّنْ عُظَمَاءِ اَھْلِ الْاَرْضِ وَاِنَّ الشَّمْسَ وَالْقَمَرَ لَا یَنْخَسِفَانِ لِمَوْتِ اَحَدٍ وَّلَا لِحَیٰوتِہٖ وَلٰکِنَّھُمَا خَلِیْقَتَانِ مِنْ خَلْقِہٖ یُحْدِثُ

---

وہی بات اپنے عاملوں کے پاس لے آتے ہیں اس اثنا میں ان کو مار بھگایا جاتا ہے۔ اب جو کلمہ وہ پورا پورا لے آتے ہیں وہ تو درست نکلتا ہے لیکن وہ (اپنی طرف سے) اس میں بہت کمی بیشی کر دیتے ہیں اس لئے ان کی بہت باتیں غلط نکلتی ہیں) (مسلم)

(۶۵۸) نعمان بن بشیر سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی مسجد میں تشریف لائے اس وقت آفتاب کو گہن لگ چکا تھا آپ نے اتنی دیر تک نماز پڑھی کہ آفتاب صاف ہو گیا اس کے بعد فرمایا کہ جاہلیت کے زمانہ میں لوگوں کا یہ اعتقاد تھا کہ چاند اور سورج جب گہن ہوتے ہیں تو کسی ایسے شخص کی موت پر گہن ہوتے ہیں جو اس وقت زمین میں سب سے بڑی ہستی ہوتی ہے اور حقیقت یہ ہے کہ نہ ان کو کسی کی موت کی وجہ سے گہن لگتا ہے نہ پیدائش کی وجہ سے، وہ دونوں اللہ تعالیٰ کی بنائی ہوئی مخلوق ہیں اور اللہ تعالیٰ جو چاہتا ہے وہی تبدیلی اپنی مخلوق میں پیدا کر دیتا ہے۔ لہٰذا جب کسی کو گہن لگا کرے تو

---

کرتے ہیں ان سے آج بھی اس کی تصدیق ہو سکتی ہے۔ آپ کا علم تو بس یہ ہے کہ جس چیز کا آپ کو علم نہیں درحقیقت وہ چیز ہی نہیں بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ جس چیز کا دنیا کی ترقی یافتہ اقوام کو علم ہے وہ ایک ناقابلِ انکار حقیقت ہے گو اس کا آپ کو کوئی ادنیٰ سا علم بھی نہ ہو۔ آپ کے اقرار و انکار کے یہ دونوں پہلو آپ کی انتہائی ناانصافی پر مبنی ہیں۔

(۶۵۸) یہ ۱۰ھ کا واقعہ ہے۔ صحیح مسلم میں ہے کہ اسی دن حضرت ابراہیم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صاحبزادہ کا انتقال ہوا تھا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے اس قسم کے موقعہ پر جو آپ کی شریعت تھی وہ ادا فرمائی اس کے بعد نہایت اہتمام کے ساتھ خطبہ دیا، مبادا کوئی شخص زمانۂ جاہلیت کے خیال کے مطابق یہ سمجھ بیٹھے کہ آج بھی گرہن آپ کے صاحبزادہ کے انتقال کی وجہ سے ہوا ہے اس لئے آپ نے اس خیال کی تردید کی اور فرمایا کہ یہ بالکل خلافِ واقع بات ہے کسی مخلوق پر کسی مخلوق کی موت وحیوٰۃ سے کوئی اثر نہیں پڑتا بلکہ یہ خدائی تصرفات ہیں وہ اپنی قدرت کے کرشمے طرح طرح سے دکھایا کرتا ہے تصلاً یہ خیال مخلوق کی تعظیم میں افراط اور خدا تعالیٰ کے تصرفات کی عظمت میں تفریط پر مبنی ہے۔ خدائی تصرفات کو کسی مخلوق کا اثر قرار دینا بھی ایک قسم کا شرک و کفر ہے۔ مخلوق اور اس کے حدود اختیارات بالکل محدود ہیں اور خدا کے قادر کے تصرفات لامحدود۔ ان دونوں میں خلط کرنا بڑی جہالت ہے۔ یہ معلوم رہے کہ دنیا میں جو کچھ بھی ہے وہ سب اسباب و مسببات کے سلسلہ میں داخل ہے۔ حدیث نے یہ دعویٰ نہیں کیا کہ گرہن کا کوئی سبب نہیں ہوتا بلکہ یہ سمجھایا ہے کہ گرہن

اللہُ فِیْ خَلْقِہٖ مَا شَآءَ فَاَیُّھُمَا انْخَسَفَ فَصَلُّوْا حَتّٰی یَنْجَلِیَ اَوْ یُحْدِثَ اللہُ اَمْرًا۔ (رواہ النسائی)

(۶۵۹) عَنْ قَتَادَۃَ قَالَ خَلَقَ اللہُ تَعَالٰی ھٰذِہِ النُّجُوْمَ لِثَلَاثٍ جَعَلَھَا زِیْنَۃً لِلسَّمَآءِ وَرُجُوْمًا لِلشَّیَاطِیْنِ وَعَلَامَاتٍ یُھْتَدٰی بِھَا فَمَنْ تَاَوَّلَ فِیْھَا بِغَیْرِ ذٰلِکَ اَخْطَاَ وَاَضَاعَ نَصِیْبَہٗ وَتَکَلَّفَ مَالَا یَعْلَمُ۔ (رواہ البخاری تعلیقاً)

(۶۶۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنِ اقْتَبَسَ بَابًا

---

نمازیں پڑھا کرو تا آنکہ یا تو گہن چھوٹ جائے یا اللہ تعالیٰ کوئی دوسرا کرشمہ دکھلائے (یعنی قیامت آجائے) (نسائی)

(۶۵۹) قتادہؓ بیان کرتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ نے ستاروں کو تین فائدوں کے لئے بنایا ہے۔ آسمان کی خوشنمائی اور زینت کے لئے، غیب کی خبریں سننے والے شیطانوں کو مار بھگانے کیلئے، اور (شب میں مسافروں کے لئے) راستہ پہچاننے کی علامتیں۔ اب جس شخص نے بھی ان تین فائدوں کے سوا اس میں اور فائدے تلاش کئے اس نے غلطی کھائی، اپنا وقت ضائع کیا اور خواہ مخواہ ایسی بات کے درپے ہوا جس کا اس کو علم نہیں (تعلیقاً بخاری)

(۶۶۰) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص نے نجوم میں ان

---

خواہ کسی اسباب کی بنا پر ہو لیکن قابل عبرت امر یہ ہے کہ بہر حال وہ اسباب بھی اسی کی حکومت کے نیچے ہیں جس کے نیچے یہ شمس و قمر خود ہیں۔ قرآن کریم نے لیل و نہار کی گردش کو بھی قدرت کا بہت بڑا نشان قرار دیا ہے کیا اس کے اسباب نہیں پس یہاں اسباب سے انکار نہیں بلکہ اس کا انکار ہے کہ جہاں سببیت بھی نہ ہو وہاں حقیقی تاثیر کا اعتقاد رکھا جائے۔ یہ یاد رہے کہ آپ کی حیات میں قیامت کا اگرچہ کوئی امکان نہ تھا لیکن ایک فاعلِ مختار کی قدرت کا تماشہ دیکھنے والے کی نظروں میں آئین و ضوابط کا استحضار نہیں رہا کرتا اس لئے اس کا خوف غیر اختیاری اور اس کا اضطراب فطری ہوتا ہے۔

(۶۶۰) عرب میں عام طور پر غیب دانی کے یہی تین اسباب تھے یا سحر جس میں عموماً ارواحِ خبیثہ اور شیاطین سے استعانت ہوتی تھی یا نجوم یا کہانت۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طور و طریق چونکہ ان تینوں سے جدا تھے اس لئے وہ مبہوت ہو ہو کر کبھی تو آپ کو کاہن کبھی ساحر اور کبھی مجنوں کہا کرتے تھے بہت سے ان کو آشنائی نہ تھی کہ یہ احتمال بھی ان کے دماغوں میں آتا۔ قرآن کریم نے ان میں سے ایک ایک کی بڑے دلائل کے ساتھ تردید کی ہے۔

یہ معلوم رہنا چاہیئے کہ غیب دانی کبھی فطری بھی ہوتی ہے قدرت نے انسان کے باطن میں کچھ قوتیں ایسی ودیعت فرمائی ہیں جن کی بنا پر اس کو عالم بالا سے ایک قسم کا اتصال میسر آجاتا ہے اور اس کی استعداد کے بقدر کچھ مادی غیوب بھی اس کے آئینۂ فطرت میں منعکس ہونے لگتے ہیں۔ محقق ابن خلدون نے اس پر مفصل بحث کی ہے۔

اسلام ان بیکار مشغلوں میں ڈالنا پسند نہیں کرتا کیونکہ اول تو یہ طریقے بے بنیاد اور کلمات کفر پر مبنی ہوتے ہیں دوم انسان کی روحانی ترقیات کے لئے انتہا درجہ مضرت رساں بھی ہیں۔ یہ مشغلہ اس میں عالم قدس کی طرف طیران

مِنْ عِلْمِ النُّجُوْمِ لِغَيْرِ مَا ذَكَرَ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ فَقَدِ اقْتَبَسَ شُعْبَةً مِنَ السِّحْرِ الْمُنَجِّمُ كَاهِنٌ وَالْكَاهِنُ سَاحِرٌ وَالسَّاحِرُ كَافِرٌ (رواہ رزین)

## الاهلال بحیوان لغیر اللّٰه کفر

(۶۶۱) عَنْ أَبِي الطُّفَيْلِ قَالَ سُئِلَ عَلِيٌّ هَلْ خَصَّكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ بِشَيْءٍ فَقَالَ مَا خَصَّنَا بِشَيْءٍ لَمْ يَعُمَّ بِهِ النَّاسَ إِلَّا مَا فِي قِرَابِ سَيْفِي هٰذَا فَأَخْرَجَ صَحِيْفَةً فِيْهَا. لَعَنَ اللّٰهُ مَنْ ذَبَحَ لِغَيْرِ اللّٰهِ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ سَرَقَ مَنَارَ الْأَرْضِ وَفِي رِوَايَةٍ مَنْ غَيَّرَ مَنَارَ الْأَرْضِ

فائدوں کے سوا جن کا ذکر قرآن کریم نے کیا ہے کوئی اور نیا فائدہ حاصل کیا تو بلاشبہ اس نے سحر کا ایک شعبہ حاصل کیا نجومی کاہن کی طرح غیب کی خبریں بتاتا ہے اور کاہن ایک قسم کا جادوگر ہوتا ہے اور جادوگر کافر ہے۔ (رزین)

## غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح کرنا کفر ہے

(۶۶۱) ابوالطفیل روایت کرتے ہیں کہ حضرت علیؓ سے دریافت کیا گیا کہ کیا آپ کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تمام امت سے علیحدہ کچھ خاص خاص تعلیمات بھی دی ہیں انھوں نے فرمایا (اس بارے میں آپ نے کوئی فرق نہیں کیا) ہمیں کوئی بات ایسی نہیں بتائی جو عام لوگوں کو نہ بتائی ہو بجز ان چند امور کے جو میری اس تلوار کی میان میں لکھے ہوئے رکھے ہیں۔ اس کے بعد انھوں نے ایک تحریر نکالی جن میں یہ احکام درج تھے۔ خدا تعالیٰ اس پر لعنت کرے جو غیر اللہ کے تقرب کی نیت سے جانور ذبح کرے۔ خدا تعالیٰ لعنت کرے اس پر جو کسی راستہ کے نشانات چرائے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ ان کو ادھر ادھر کرے۔ خدا تعالیٰ

کی استعداد معطل کر دیتا ہے۔ جتنا غیب انسانی ترقیات کے لئے درکار تھا اتنا انبیاء علیہم السلام کے واسطہ سے اس کو بتا دیا گیا ہے اور جو نہیں بتایا گیا وہ نہ تو اس کی حاجت کا تھا اور نہ اس کے دریافت کرنے کا کوئی صحیح راستہ ہے پھر اس میں پڑنا غلطی اور اضاعتِ وقت سوا اور کیا ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہؒ نے نجوم میں کچھ اور تفصیلات بھی لکھی ہیں یہ سب ظنیات اور اپنی علمی کاوشوں کے ثمرات ہیں جتنی بات پر عقیدہ رکھا جا سکتا ہے اور اس کی دعوت دی جا سکتی ہے وہ صرف وہی امور ہیں جن کی طرف احادیثِ بالا میں اشارہ کر دیا گیا ہے۔

(۶۶۱) غیر اللہ کے نام کی قربانی کرنی اور غیر اللہ کے نام پر جانور چھوڑنے کی رسم بہت قدیم سے چلی آ رہی تھی۔ اسلام نے آکر دونوں کو ختم کر دیا اور سمجھایا کہ جان صرف جان آفرین کیلئے قربان کی جا سکتی ہے یہ خاص اسی کا حق ہے نہ کسی کے لئے جان آفرینی میں شرکت ہے اور نہ اس کی قربانی میں شرکت ہو سکتی ہے۔ قرآن کریم نے ایسے جانوروں کو سور کے

وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ لَعَنَ وَالِدَهٗ وَلَعَنَ اللّٰهُ مَنْ اٰوٰی مُحْدِثًا۔ (رواہ مسلم)

(٦٦٢) عَنْ طَارِقِ بْنِ شِہَابٍ یَرْفَعُہٗ قَالَ دَخَلَ رَجُلٌ الْجَنَّۃَ فِیْ ذُبَابٍ وَدَخَلَ رَجُلٌ النَّارَ فِیْ ذُبَابٍ قَالُوْا وَکَیْفَ ذَالِکَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ قَالَ مَرَّ رَجُلَانِ عَلٰی قَوْمٍ لَھُمْ صَنَمٌ لَا یُجَوِّزُہٗ اَحَدٌ حَتّٰی یُقَرِّبَ لَہٗ شَیْئًا فَقَالُوْا لِاَحَدِھِمَا قَرِّبْ فَقَالَ لَیْسَ عِنْدِیْ شَیْءٌ قَالُوْا قَرِّبْ وَلَوْ ذُبَابًا فَقَرَّبَ ذُبَابًا فَخَلُّوْا سَبِیْلَہٗ فَدَخَلَ النَّارَ وَقَالُوْا لِلْاٰخَرِ قَرِّبْ فَقَالَ مَا کُنْتُ لِاُقَرِّبَ شَیْئًا دُوْنَ اللّٰہِ عَزَّوَجَلَّ فَضَرَبُوْا عُنُقَہٗ فَدَخَلَ الْجَنَّۃَ (رواہ احمد کما فی الجواب الکافی لابن القیم ص ۳۱)

---

لعنت کرے اس پر جو اپنے والد پر لعنت کرے، اور خدا تعالیٰ لعنت کرے اس پر جو کسی مجرم کو پناہ دے۔ (مسلم)

(٦٦٢) طارق بن شہاب مرفوعاً روایت کرتے ہیں کہ صرف ایک مکھی کی بدولت ایک شخص تو جنت میں داخل ہوگیا اور دوسرا دوزخ میں، لوگوں نے تعجب سے پوچھا یا رسول اللہ یہ کیسے؟ فرمایا کسی قوم کا ایک بت تھا ان کا دستور یہ تھا کہ کوئی شخص اس پر بھینٹ چڑھائے بغیر ادھر سے گذر نہیں سکتا تھا اتفاق سے یہ دو شخص ادھر سے گذرے انھوں نے اپنے دستور کے مطابق ان میں سے ایک شخص سے کہا نیاز چڑھا وہ بولا اس کیلئے میرے پاس تو کچھ نہیں وہ بولے کچھ نہ کچھ تو ضرور چڑھا دے خواہ ایک مکھی ہی سہی۔ اس نے ایک مکھی چڑھا دی اور اس وجہ سے وہ تو دوزخ میں گیا انھوں نے اس کو تو چھوڑ دیا اب دوسرے سے کہا کہ تو بھی کچھ چڑھا وہ بولا اللہ کی ذات کے سوا میں تو کسی اور کے نام کی نیاز نہیں دے سکتا، یہ سن کر انھوں نے اس کی گردن اڑا دی اس لئے یہ جنت میں داخل ہوگیا (احمد)

---

گوشت اور سوار کی صف میں شمار کیا ہے گویا اس بے عمل نام زدگی کی وجہ سے اب وہ خنزیر کی طرح بن گیا ہے جس پر ایک ہزار بار بھی بسم اللہ پڑھو تو بھی حلال نہیں ہوسکتا —— جانوروں کے معاملہ میں تین غلط طریقے رائج تھے ان کو بت یا اور کسی غیر اللہ کے نام پر چھوڑ دینا جیسا آج کل ہندوستان میں سانڈ وغیرہ چھوڑے جاتے ہیں یا غیر اللہ کے نام پر بھینٹ چڑھانا یا ان کے ذبح کے وقت غیر اللہ کا نام لینا اسلام نے ان ہر سہ طریقوں کو قابل نفرت سمجھا ہے —— رہا اپنے والد پر لعنت کرنا تو اس کی صورت یہ ہوسکتی ہے کہ یہ شخص دوسرے کے والد پر لعنت کرے اس کے جواب میں وہ اس کے والد پر لعنت کرے۔ حدیث یہ کہتی ہے کہ چونکہ یہ شخص اپنی بداخلاقی کی وجہ سے اپنے والد پر لعنت کا سبب بنا ہے اس لئے یہ بھی اس جرم کا مرتکب شمار ہوگا اور اب اس دور جفا میں تو براہ راست والد پر لعنت کرنے پر بھی کچھ تعجب نہیں رہا —— اسی طرح کسی مجرم کو پناہ دینی خواہ اس کا جرم قتل و غارت ہو یا بد دینی و بدعت۔ یہ بھی لعنت کا موجب ہے۔ —— نسائی میں سائل کے جواب میں مذکور ہے کہ حضرت علیؓ کو اس پر اتنا غصہ آیا کہ چہرہ سرخ ہوگیا اور فرمایا کہ یہ تو ہو ہی نہیں سکتا کہ آپ پوشیدہ طور پر مجھے کوئی بات علیحدہ تعلیم فرماتے۔ ہاں صرف اتنا ہوا ہے کہ جس وقت یہ چار باتیں آپ نے فرمائی ہیں اس وقت اتفاق سے میں اور آپ ہی گھر میں موجود تھے۔ غرض ان احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت علیؓ کے سلسلہ میں جو جو افسانے تیار کئے گئے ہیں یہ سب بعد کی اختراعات ہیں تعلیم و تعلم میں منصب نبوت ہرگز کسی تفریق کو برداشت نہیں کرسکتا۔

(٦٦٣) عَنْ نُبَيْشَةَ الْهُذَلِيِّ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّا كُنَّا نَعْتِرُ عَتِيرَةً فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَمَا تَأْمُرُنَا قَالَ اذْبَحُوا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ فِي أَيِّ شَهْرٍ كَانَ وَبَرُّوا لِلّٰهِ عَزَّ وَجَلَّ وَأَطْعِمُوا۔ (رواه النسائی)

(٦٦٤) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ أَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقِيَ زَيْدَ بْنَ عَمْرِو بْنِ نُفَيْلٍ بِأَسْفَلِ بَلْدَحٍ قَبْلَ أَنْ يُنْزَلَ عَلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْوَحْيُ فَقُدِّمَتْ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سُفْرَةٌ فَأَبَى أَنْ يَأْكُلَ مِنْهَا ثُمَّ قَالَ زَيْدٌ إِنِّي لَسْتُ آكُلُ مِمَّا تَذْبَحُونَ عَلَى أَنْصَابِكُمْ وَلَا آكُلُ إِلَّا مَا ذُكِرَ اسْمُ اللّٰهِ عَلَيْهِ وَأَنَّ زَيْدَ بْنَ عَمْرٍو كَانَ يَعِيبُ عَلَى قُرَيْشٍ ذَبَائِحَهُمْ وَيَقُولُ الشَّاةُ خَلَقَهَا اللّٰهُ وَأَنْزَلَ لَهَا مِنَ السَّمَاءِ مَاءً وَأَنْبَتَ لَهَا مِنَ

(٦٦٣) نبیشہ ہذلی روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ ہم کفر کے زمانہ میں ماہِ رجب میں بتوں کے نام کی قربانی کیا کرتے تھے اب اس کے متعلق آپ کا ارشاد کیا ہے۔ فرمایا بس (جب جانور ذبح کرو) تو ایک خدا کے واسطے ذبح کیا کرو خواہ وہ کسی مہینہ میں ہو اور اللہ تعالیٰ ہی کی فرمانبرداری کیا کرو اور اسی کے نام پر کھانا کھلایا کرو۔ (نسائی)

(٦٦٤) عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ مقام بلدح کی تحتانی سمت میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زید بن عمرو بن نفیل سے ملاقات ہوئی اس وقت تک آپ پر وحی کا نزول شروع نہیں ہوا تھا آپ کے سامنے کھانے کا دسترخوان پیش کیا گیا آپ نے اس کو کھانے سے انکار فرمادیا۔ اس کے بعد زید بولے جو جانور تم لوگ اپنے بتوں کے سامنے ذبح کرتے ہو میں ان کا گوشت نہیں کھاتا میں تو صرف اس جانور کا گوشت کھاتا ہوں جو اللہ تعالیٰ کے نام پر ذبح کیا گیا ہو۔ زید قریش کے ذبیحوں پر نکتہ چینی فرمایا کرتے اور کہا کرتے تھے عجیب بات ہے کہ بکری کو پیدا تو اللہ تعالیٰ کرے اور وہی اس کے لئے آسمان سے بارش بھیجے

(٦٦٣) یعنی یہ سب مصارفِ خیر ہیں بشرطیکہ ان میں نیت اللہ تعالیٰ کی ہو۔ اگر نیت بدل جائے تو پھر یہ اچھے اچھے کام بھی نیکی نہیں رہتے۔ غیر اللہ کے نام پر قربانی کرنی کفر کی ایک قدیم رسم تھی اور اس کی مختلف صورتیں تھیں شریعت نے یہاں ایک قاعدہ کلیہ بتا کر ان سب کو رد کردیا ہے اور وہ قاعدہ یہ ہے کہ بجز اللہ تعالیٰ کے اور کسی کے نام کا جانور ذبح نہ کرنا چاہئے۔

(٦٦٤) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم تو نزولِ وحی سے قبل بھی رسوم شرکیہ سے ہمیشہ علیحدہ رہا کرتے تھے لیکن آپ کے علاوہ خال خال ایسے لوگ اب بھی موجود تھے جو ملتِ ابراہیمی کے اثر سے افعالِ شرک سے محترز رہا کرتے تھے ان ہی میں سے ایک یہ زید بن عمرو بھی تھے۔ حضرت شاہ عبدالعزیزؒ نے لکھا ہے کہ غیر اللہ کے نام کا جانور ذبح نہ کرنا بھی ملتِ ابراہیم کا ایک حکم تھا۔ (دیکھو ترجمان السنہ ج ۱ ص ۵۳۶)

الْاَرْضِ ثُمَّ تَذْبَحُوْنَهَا عَلٰى غَيْرِ اسْمِ اللّٰهِ اِنْكَارًا لِذٰلِكَ وَاعْظَامًا لَهٗ۔ (رواہ البخاری)

(۶۶۵) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عُرِضَتْ عَلَيَّ النَّارُ فَرَاَيْتُ فِيْهَا امْرَاَةً مِنْ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ تُعَذَّبُ فِيْ هِرَّةٍ لَهَا رَبَطَتْهَا فَلَمْ تُطْعِمْهَا وَلَمْ تَدَعْهَا تَاْكُلُ مِنْ خَشَاشِ الْاَرْضِ حَتّٰى مَاتَتْ جُوْعًا وَرَاَيْتُ عَمْرَو بْنَ عَامِرٍ الْخُزَاعِيَّ يَجُرُّ قُصْبَهٗ فِي النَّارِ وَكَانَ اَوَّلَ مَنْ سَيَّبَ السَّوَائِبَ۔ (رواہ مسلم)

## الحلف بغیر اللہ کفر من الشرك

(۶۶۶) عَنِ ابْنِ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا مَنْ كَانَ حَالِفًا

---

اور وہی اس کے لئے سبزہ اگائے پھر یہ کس قدر ظلم ہے کہ تم اس کو غیر اللہ کے نام پر ذبح کرو اس تعریض سے زید کا مقصد ان کے اس فعل پر انکار کرنا تھا۔ (بخاری شریف)

(۶۶۵) جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میرے سامنے دوزخ پیش کی گئی تو میں نے دیکھا کہ اس میں ایک عورت کو عذاب ہو رہا ہے اس بنا پر کہ اس نے اپنی بلی کو باندھ رکھا تھا اور نہ تو وہ اس کو خود کچھ کھانے کو دیتی اور نہ اس کو چھوڑتی تھی کہ وہ خود چل پھر کر زمین کے کیڑے مکوڑے کھا لیتی یہانتک کہ وہ بھوک کے مارے مر گئی اور میں نے اس میں عمرو بن عامر خزاعی کو بھی دیکھا کہ وہ دوزخ میں اپنی آنتیں کھینچے پھر رہا ہے یہ پہلا وہ شخص تھا جس نے بتوں کے نام پر جانور چھوڑنا ایجاد کئے۔ (مسلم شریف)

## غیر اللہ کے نام کی قسم کھانی ایک قسم کا شرک ہے

(۶۶۶) ابن عمر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا سن لو جس کو قسم کھانا ہی ہو وہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کے نام ہی کی قسم کھائے۔ قریش کی عادت تھی کہ وہ اپنے باپ

---

(۶۶۶) اس روایت سے معلوم ہوا کہ قسمیں کھانے کی عادت شریعت میں پسندیدہ نہیں ہے پس چاہیے کہ بے ضرورت قسمیں نہ کھائی جائیں لہذا اگر کسی مجبوری سے کھانا ہی ہو تو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات و صفات کی قسم کھائی جائے باپ دادے یا کسی اور کی قسم نہ کھائی جائے۔ امام بخاریؒ نے (مناقب مہاجرین کے باب سے قبل) ابراہیم نخعی سے نقل کیا ہے کانوا یضربوننا علی الشھادۃ والعھد ونحن صغار (کہ بچپن میں ہمیں اس بات پر تنبیہ کی جاتی تھی کہ ہم باہمی گفتگو میں شہادت یا عہد وغیرہ کے الفاظ بے محابا استعمال نہ کریں تاکہ ان کی اہمیت ہمارے ذہنوں سے نہ نکل جائے۔ (ج ۱ ص ۵۱۵)

فَلَا يَحْلِفُ اِلَّا بِاللّٰهِ فَكَانَتْ قُرَيْشٌ تَحْلِفُ بِاٰبَائِهَا فَقَالَ لَا تَحْلِفُوْا بِاٰبَائِكُمْ (رواہ البخاری وغیرہ)

(۶۶۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ حَلَفَ بِغَيْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ (رواہ الترمذی)

## سباب المسلم فسوق وقتاله کفر

(۶۶۸) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سِبَابُ الْمُسْلِمِ فُسُوْقٌ وَقِتَالُهٗ كُفْرٌ (رواہ البخاری وغیرہ)

(۶۶۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَرْجِعُوْا بَعْدِيْ

---

دادوں کی قسمیں کھایا کرتے تھے آپ نے منع فرمادیا کہ ان کے نام کی قسمیں مت کھایا کرو۔ (بخاری)

(۶۶۷) ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جس نے اللہ تعالیٰ کے سوا کسی اور کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ (ترمذی)

## مسلمان کو سخت و سست کہنا فسق کی بات ہے اور اس سے جنگ کرنی کفر کی حرکت ہے

(۶۶۸) عبداللہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مسلمان کو برا بھلا کہنا فسق کی بات ہے اور اس سے لڑنا تو کفر کی بات ہے۔ (بخاری)

(۶۶۹) ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے سنا ہے کہ میرے بعد

---

(۶۶۷) امام ترمذیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں حلف بغیر اللہ کو ایسا ہی شرک کہا گیا ہے جیسا دوسری حدیث میں ریا کو شرک کہا گیا ہے۔ دونوں حدیثوں کا مطلب شرک کا حقیقۃً حکم لگا دینا نہیں ہے بلکہ ان افعال کی اہمیت ذہن نشین کرنا ہے اس لئے ان کو تغلیظاً شرک کہدیا گیا ہے۔ بات یہ ہے کہ جس کی قسم کھائی جاتی ہے اس کی غیر معمولی عظمت قلب میں جاگزیں ہوتی ہے۔ اس لئے اگر کوئی شخص غیر اللہ کی قسم کھاتا ہے تو اس کے یہی معنی ہیں کہ اس کے قلب میں غیر اللہ کی عظمت اللہ تعالیٰ کے برابر ہے یہی شرک ہے۔

(۶۶۸) گویا سب وشتم کی بدنمائی تو کسی حد تک قابلِ برداشت ہو سکتی ہے لیکن مسلمان سے قتل وقتال کرنا قابلِ برداشت نہیں ہو سکتا یہ کفر کی حرکت ہے اور بڑی حد تک رشتۂ اسلامی قطع کر دیتی ہے۔

(۶۶۹) ہم بتا چکے ہیں کہ جس طرح اسلام دراصل صرف شہادتین کا نام ہے مگر اس کے کچھ مخصوص افعال بھی ہیں جو اس کی اس شہادتِ باطنی کے گواہ کہلاتے ہیں۔ ان افعال کو شہادتین کے ساتھ ایسا گہرا تعلق ہے کہ گویا یہ افعال ان کا ایک قالب ہیں اس لئے ان کا اختیار کر لینا اسلام اور ان کا ترک کرنا کفر سے موسوم ہوتا ہے اسی طرح کفر اگرچہ

كُفَّارًا يَضْرِبُ بَعْضُكُمْ رِقَابَ بَعْضٍ. (رواه البخاری عن ابن عباس وابی بکرۃ ایضا والحدیث متفق علیہ)

## صنع صور الحیوان تشبہ بخالقیۃ اللہ تعالیٰ

(۶۷۰) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَشَدُّ النَّاسِ عَذَابًا یَوْمَ الْقِیَامَۃِ الَّذِیْنَ یُضَاهِئُوْنَ بِخَلْقِ اللّٰہِ. (متفق علیہ)

(۶۷۱) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَۃَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ قَالَ اللّٰہُ تَعَالٰی وَمَنْ اَظْلَمُ مِمَّنْ ذَهَبَ یَخْلُقُ کَخَلْقِیْ فَلْیَخْلُقُوْا ذَرَّۃً اَوْ لِیَخْلُقُوْا حَبَّۃً اَوْ شَعِیْرَۃً (متفق علیہ)

(۶۷۲) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ کُلُّ مُصَوِّرٍ

---

پھر کافروں کی سی حرکتیں نہ کرنے لگنا کہ آپس ہی میں ایک دوسرے کی گردنیں مارنے لگو۔

## تصویر کشی اللہ تعالیٰ کی صفت خالقیت کی نقالی ہے

(۶۷۰) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت کے دن سب سے زیادہ سخت عذاب ان لوگوں کو ہوگا جو اللہ تعالیٰ کی خالقیت کی نقلیں اتارنا چاہتے ہیں (یعنی مصور) (متفق علیہ)

(۶۷۱) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے بھلا اس سے بڑھ کر ظالم آدمی کون ہوگا جو (مخلوق ہوکر) میری طرح خالق بننے کا ارادہ رکھتا ہے اچھا تو ایک چیونٹی ہی بنا کر دکھادے (یہ نہ سہی) ایک دانہ یا ایک جو ہی بنا کر دکھادے۔ (متفق علیہ)

(۶۷۲) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے خود سنا ہے کہ جتنے

---

اسلامی عقائد کے برخلاف عقائد کا نام ہے لیکن کفر کی زندگی کے بھی کچھ لوازم ہیں جو بعض اوقات خود تو کفر نہیں ہوتے مگر انسان کے کافر ہونے کا بین ثبوت شمار ہوتے ہیں۔ حدیث میں اس قسم کے اعمال کو بھی کفر کے اعمال کہا گیا ہے اور مومن کے لئے یہ پسند نہیں کیا گیا کہ اس کی زندگی میں یہ اعمال کفر نظر آئیں۔ اسلام کے بعد اس قسم کے اعمال سے کافر تو نہیں کہا جاسکتا مگر اس کفر نما اسلام کو اسلام کہنا بھی مشکل ہو جاتا ہے۔ مسلمان کو چاہیے کہ جس طرح وہ شرک و کفر سے بچتا ہے اسی طرح ایسے اعمال سے بھی بچتا رہے جن کو کفر کی زندگی کے اعمال سے بہت ہی قریبی علاقہ ہو۔

(۶۷۲) خلاصہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صنعت اور اس کی قدرت کاملہ کا سب سے بڑا مظہر انسان ہے اسی لئے قرآن کریم نے جابجا انسان کی پیدائش پر غور و تفکر کی دعوت دی ہے اور اس کو اپنی ہستی کا یقین دلانے کا سب سے آسان راستہ یہی بتایا ہے بت پرستی کی ابتداء تصویروں سے ہی شروع ہوئی۔ فرق صرف یہ ہے کہ وہ پتھروں سے تراشیدہ

فِي النَّارِ يُجْعَلُ لَهُ بِكُلِّ صُوْرَةٍ صَوَّرَهَا نَفْسًا فَيُعَذِّبُهُ فِي جَهَنَّمَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَإِنْ كُنْتَ لَا بُدَّ فَاعِلًا فَاصْنَعِ الشَّجَرَ وَمَا لَا رُوْحَ لَهُ فِيْهِ۔ (متفق علیہ)

(۶۷۳) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ انْطَلَقْتُ أَنَا وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِيَ اجْلِسْ وَصَعِدَ عَلَى مَنْكِبَيَّ فَذَهَبْتُ لِأَنْهَضَ بِهِ فَرَأَى مِنِّي ضُعْفًا فَنَزَلَ وَجَلَسَ لِي

---

مصور ہوں گے ان کی ہر تصویر کے مقابلہ میں جو انھوں نے دنیا میں بنائی ہوگی ایک ایک شخص مقرر کیا جائے گا جو ان کو دوزخ میں عذاب دیا کرے گا۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں اس کے بعد بھی اگر تمہیں تصویر بنانا ہی ہو تو درخت کی بنا لو اور ایسی چیزوں کی بنا لو جو جاندار نہ ہوں۔ (متفق علیہ)

(۶۷۳) حضرت علیؓ فرماتے ہیں میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم چلے، آپ نے (بیت اللہ کے اندر جا کر) مجھ سے فرمایا بیٹھ جاؤ، اور آپ میرے کاندھوں پر چڑھ گئے میں آپ کو لے کر کھڑا ہونے لگا تو آپ نے

---

ہوتے ہیں۔ اور تصویر قلم کی کشیدہ نیز اللہ تعالیٰ کے اسماء حسنیٰ میں اس کا ایک اسم مبارک "المصور" بھی ہے قدرت کو اپنی اس صفت پر بڑا ناز ہے اس نے اپنی مصوری کے کارنامے جابجا پیش کئے ہیں اور اس کا سب سے بڑا شاہکار انسان کی صورت ہی کو قرار دیا ہے جو قدرت کے اس شاہکار کی نقل اتارنا چاہتا ہے قدرت اس کو معاف نہیں کرتی۔ نیز خالقیت اس کی ایسی صفت ہے جس میں ایک موٹے دماغ کے انسان کے نزدیک بھی شرکت کا احتمال نہیں اسی لئے قرآن نے توحید فی العبادت کو معقول بنانے کے لئے جگہ جگہ اپنی خالقیت کو ہی سامنے رکھا اور یہ مطالبہ کیا ہے کہ جب کسی چھوٹی بڑی مخلوق کی پیدائش میں ہمارا کوئی شریک نہیں تو پھر ہمارے خاص حق عبادت میں کوئی شریک کیوں ہو۔ لہذا تصویر کشی میں انسانی استطاعت کی حد تک خدا کی خالقیت کا ایک قسم کا مقابلہ بھی نظر آتا ہے اور اس میں خدا تعالیٰ کے سب سے بڑے حق عبادت پر زد بھی پڑتی ہے اس لئے چاہئے تو یہ تھا کہ ہر قسم کی تصویر کشی ممنوع ہو جاتی۔ غالباً اسی لئے حضرت ابن عباسؓ نے درخت وغیرہ کی تصویر بنانے کی اجازت تو دیدی مگر با دلِ ناخواستہ دی لیکن اسلام کی یہ فراخ حوصلگی ہے کہ اس نے کسی جگہ بھی سہولت کے دروازے بند نہیں کئے اور ہر باب میں انسانی دماغ کی ترقی اور منافع دنیا سے تمتع کی بڑی حد تک اجازت دیدی ہے دیکھئے ریشم کو صرف مردوں کے حق میں حرام فرمایا پھر ان کے لئے بھی ایک خاص مقدار تک اجازت دیدی۔ اسی طرح کھانے اور پینے کی بہت چیزیں حرام کیں لیکن ان سے زیادہ حلال فرمائیں۔ سونے چاندی کے ظروف ممنوع قرار دیئے مگر عورتوں کے حق میں ان کے زیورات پھر جائز کر دیئے اور مردوں کے کھیل تماشہ کے لئے بھی چاندی کی ایک مخصوص مقدار کی اجازت دیدی۔ تعظیم و تکریم میں اگر ایک سجدہ کی ممانعت کی تو اس کے سینکڑوں اور طریقے جائز رکھے اسی طرح مصوری میں اگر ایک ذی روح کی تصویر سے روکا تو اس کے علاوہ فنِ تصویر کی ترقی کیلئے بہت سی صورتیں مباح کر دیں مگر انسان حریص ہی نہیں بلکہ ایک بدترین قسم کا باغی ہے کہ ان مباحات کی بیشمار وسعتوں سے بھی اس کی نیت نہیں بھرتی آخر وہ ٹھیک حرام میں قدم رکھ کر ہی دم لیتا ہے۔ قتل الانسان ما اکفرہ۔ یہاں مسئلہ تصویر پر بحث کرنا مقصود نہیں صرف ان اعمال کو بتانا مقصود ہے جن سے اسلام کی مقدس اور نازک توحید کو کہیں دور کے علاقہ سے بھی صدمہ پہنچ سکتا ہے۔

(۶۷۳) نبوت کے اس جبل عظیم الشان کا بار اسد اللہ بھی جلتا سنبھال گئے تعجب خیز تھا آخر اس کی تاب نہ لا سکے

نَبِیَّ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لِیْ اِصْعَدْ عَلٰی مَنْکِبِیْ فَصَعِدْتُ عَلٰی مَنْکِبَیْہِ قَالَ فَنَهَضَ بِیْ فَاِنَّہٗ یُخَیَّلُ اِلَیَّ اَنِّیْ لَوْ شِئْتُ لَنِلْتُ اُفُقَ السَّمَاءِ حَتّٰی صَعِدْتُ عَلَی الْبَیْتِ وَعَلَیْہِ تِمْثَالُ صُفْرٍ اَوْ نُحَاسٍ فَجَعَلْتُ اُزَاوِلُہٗ عَنْ یَّمِیْنِہٖ وَعَنْ شِمَالِہٖ وَبَیْنَ یَدَیْہِ وَمِنْ خَلْفِہٖ حَتّٰی اِسْتَمْکَنْتُ مِنْہُ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِقْذِفْ بِہٖ فَانْکَسَرَ کَمَا یَنْکَسِرُ الْقَوَارِیْرُ ثُمَّ نَزَلْتُ فَانْطَلَقْتُ اَنَا وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نَسْتَبِقُ حَتّٰی تَوَارَیْنَا بِالْبُیُوْتِ خَشْیَۃَ اَنْ یَّلْقَانَا اَحَدٌ مِّنَ النَّاسِ۔ (رواہ احمد)

محسوس کیا کہ مجھے اٹھنے میں کچھ دشواری ہو رہی ہے یہ دیکھ کر آپ اتر پڑے اور میرے سامنے خود بیٹھ گئے اور فرمایا اچھا تو تم میرے کاندھوں پر چڑھ جاؤ۔ میں آپ کے کاندھوں پر چڑھ گیا۔ یہ فرماتے ہیں۔ آپ مجھ کو لے کر کھڑے ہوئے تو مجھے اس وقت ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اگر میں چاہوں تو آسمان کو ہاتھ لگا سکتا ہوں۔ اتنا اونچا ہوا کہ بیت اللہ پر پہنچ گیا۔ اس وقت بیت اللہ میں پیتل یا تانبے کے بت رکھے ہوئے تھے میں ان کو اپنے دائیں، بائیں، سامنے اور پیچھے سے اٹھانے لگا یہاں تک کہ میں نے سب اٹھا لئے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا ان کو پھینکدو (میں نے ان کو پھینک دیا) اور وہ گر کر شیشے کی طرح چور چور ہو گئے پھر میں اتر آیا اور میں اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جلدی جلدی گھروں کی دیواروں میں چھپتے ہوئے واپس آ گئے کہیں ایسا نہ ہو کہ کفار ہمیں دیکھ پائیں۔ (احمد)

اور بیٹھ گئے پھر جب آپ کے کاندھوں پر جگہ مل گئی جن کی رفعت کے سامنے عرش بریں بھی نیچا تھا تو آسمانوں کی بلندیوں کو ہاتھ لگانا ایک تماشہ نظر آنے لگا اور ایسا ہی ہونا بھی چاہئے تھا۔ معلوم ہے کہ یہ خاص خاص مناظر ہیں جو خاص خاص مواقع پر ظہور پذیر ہوتے ہیں۔ بیت اللہ کی دیواروں سے بتوں کے مجسمے اتارنے کے وقت ایسے ہی نظارے کی ضرورت تھی چنانچہ قدرت نے وہی نظارہ حضرت علیؓ کے سامنے کر دیا تھا۔ اس سے قبل جب حضرت ابراہیم خلیل اللہ اور حضرت اسماعیل ذبیح اللہ علیہما الصلوٰۃ والسلام خانہ کعبہ کی بناء فرما رہے تھے تو جس پتھر پر کھڑے ہو کر خانہ کعبہ کی بنا ہو رہی تھی وہ بھی جتنی ضرورت ہوتی اونچا ہو جاتا تھا۔ یہاں جو نظارہ نظر آیا اس کا رنگ کچھ اور ہی تھا۔ اس جگہ خاتم الانبیاء علیہم السلام کی فروتنی بھی قابل دید تھی کہ خدا تعالیٰ کی راہ میں کس طرح اپنے چھوٹوں کے سامنے اپنے نفس کو پیش کر دیا تھا۔

## الضرب بکتاب اللہ بعضہ ببعض کفر

(۶۷۴) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْہِ عَنْ جَدِّہٖ قَالَ سَمِعَ النَّبِیُّ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَوْمًا یَتَدَارَءُوْنَ فِی الْقُرْاٰنِ فَقَالَ اِنَّمَا ھَلَكَ مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ بِھٰذَا ضَرَبُوْا كِتَابَ اللہِ بَعْضَہٗ بِبَعْضٍ وَاِنَّمَا نَزَلَ كِتَابُ اللہِ یُصَدِّقُ بَعْضُہٗ بَعْضًا فَلَا تُكَذِّبُوْا بَعْضَہٗ بِبَعْضٍ فَمَا عَلِمْتُمْ مِنْہُ فَقُوْلُوْا وَمَا جَھِلْتُمْ فَكِلُوْہُ اِلٰی عَالِمِہٖ (رواہ احمد۔ وابن ماجہ)

## قرآن کی آیتوں میں باہم اختلاف پیدا کرنا کفر کی بات ہے

(۶۷۴) عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے سنا کہ کچھ لوگ قرآن کریم میں اس طرح بحث کر رہے ہیں کہ ایک شخص ایک آیت پڑھتا ہے دوسرا شخص اس کے مقابلہ میں دوسری آیت پڑھتا ہے جو اس کے خیال میں اس کے مخالف مضمون پر مشتمل ہوتی ہے یہ سن کر آپ نے فرمایا کہ اسی حرکت کی بدولت تم سے پہلی قومیں گمراہ ہوئی اور ہلاک ہوئی ہیں وہ بھی یہی کیا کرتی تھیں کہ خدا کی کتاب کے ایک حصہ کو دوسرے سے ٹکرایا کرتیں حالانکہ اللہ کی تمام کتاب باہم ایک دوسرے کیلئے مصدق ہو کر اتری ہے اس لئے تم اس میں اختلاف پیدا کر کے اس کی تکذیب نہ کرو، اس کا جو حصہ سمجھ لو وہ تو بیان کرو اور جو تم نہ سمجھو اسے اس کے حوالہ کر دو جو اس کا جاننے والا ہے۔ (احمد۔ ابن ماجہ)

(۶۷۴) دارمی کی ایک طویل حدیث میں ابوالدرداء سے روایت ہے کہ جو چیزیں اسلام کو فنا کر دینے والی ہیں ان میں ایک بات منافق کا قرآن میں جھگڑا ڈالنا بھی ہے۔ امام احمد اور ابوداؤد اور حاکم ابوہریرہ سے روایت کرتے ہیں کہ المراء فی القرآن کفر۔ (قرآن میں جھگڑنا کفر ہے) ان احادیث میں جدال اور مراء کا مصداق بھی یہی تدارء اور قرآنی آیات میں اختلاف پیدا کرنا ہے۔ سبع قرأت جو بظاہر مختلف ہیں ان کے متعلق زہری ارشاد فرماتے ہیں انما ھی فی الامر تکون واحدًا لا تختلف فی حلال ولا حرام (بخاری ومسلم) یہ تمام قرأتیں صرف الفاظ میں مختلف ہیں ان میں حکم ایک ہی رہتا ہے۔ حلال وحرام کے بارے میں کوئی اختلاف نہیں ہوتا پس حدیث کی ہدایت یہ ہے کہ قرآن حکیم دوسری معمولی کتابوں کی طرح معرکۂ بحث نہ بنانا چاہیے۔ خدا کی کتاب کا معاملہ نازک ہوتا ہے یہاں جو بات طے شدہ اور سب سے پہلے مسلم ہونی چاہیے وہ یہ ہے کہ اس میں کوئی اختلاف وتناقض ممکن نہیں اس کے بعد اگر کہیں بظاہر اختلاف معلوم ہو تو اسے اپنا ہی قصور علم سمجھنا چاہیے اور اسلوب بحث وہ اختیار کرنا چاہیے جس میں ان آیات کے درمیان توافق پیدا ہو۔ علمی نہ خریج کر کے خواہ مخواہ آیتوں میں اختلاف پیدا کرنا اپنے لئے کفر اور دوسروں کے دلوں میں تذبذب پیدا کرنے والی بات ہے اسی لئے اس کو ہادم اسلام قرار دیا ہے۔

## الریاء شرک خفی

(٦٧٥) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اللّٰهُ تَعَالٰی اَنَا اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْكِ مَنْ عَمِلَ عَمَلًا اَشْرَكَ فِیْهِ مَعِیْ غَیْرِیْ تَرَکْتُهٗ وَشِرْکَهٗ وَفِیْ رِوَایَةٍ فَاَنَا مِنْهُ بَرِیْءٌ هُوَ لِلَّذِیْ عَمِلَهٗ (رواہ مسلم)

(٦٧٦) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ بْنِ اَبِیْ فَضَالَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا جَمَعَ اللّٰهُ النَّاسَ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِیَوْمٍ لَّا رَیْبَ فِیْهِ نَادٰی مُنَادٍ مَنْ کَانَ اَشْرَكَ فِیْ عَمَلٍ عَمِلَهٗ لِلّٰهِ اَحَدًا فَلْیَطْلُبْ ثَوَابَهٗ مِنْ عِنْدِ غَیْرِ اللّٰهِ فَاِنَّ اللّٰهَ اَغْنَی الشُّرَکَاءِ عَنِ الشِّرْكِ۔ (رواہ احمد)

(٦٧٧) عَنْ شَدَّادِ بْنِ اَوْسٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ صَلّٰی یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ صَامَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ وَمَنْ تَصَدَّقَ یُرَائِیْ فَقَدْ اَشْرَكَ (رواہ احمد)

## ریاکاری بھی ایک قسم کا خفی شرک ہے

(٦٧٥) ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ تمام شرکا میں سب سے زیادہ شرکت سے بے نیاز میں ہوں جو شخص کوئی عمل کرتا ہے اور اس میں میرے ساتھ کسی غیر کو بھی شریک کرلیتا ہے تو میں اس کو اس شریک ہی کے لئے چھوڑ کر علیحدہ ہو جاتا ہوں اور ایک روایت میں یوں ہے کہ میں ایسے عمل سے بیزار ہوں بس وہ اسی کے لئے رہے جس کے لئے اس نے کیا ہے۔ (مسلم شریف)

(٦٧٦) ابوسعید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں جب اللہ تعالیٰ قیامت میں سب لوگوں کو جمع کرے گا جس میں کوئی شبہ نہیں ہے تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے ایک منادی یہ اعلان کرے گا جس جس نے کوئی عمل اللہ تعالیٰ کے لئے کیا ہو پھر اس میں کسی اور کی بھی نیت کی ہو تو اسے چاہئے کہ (آج) اس کا ثواب اسی غیر سے جاکر مانگے کیونکہ تمام شریکوں میں سب سے زیادہ شرکت سے بے نیاز اللہ کی ذات پاک ہے۔ (احمد)

(٦٧٧) شداد بن اوس کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جس شخص نے نمائش کے لئے نماز پڑھی اس نے شرک کیا جس نے نمائش کے لئے روزہ رکھا اس نے شرک کیا اور جس نے نمائش کے لئے صدقہ دیا اس نے بھی شرک کیا۔ (احمد)

(۶۷۸) وَعَنْهُ اَنَّهٗ بَكٰى فَقِيْلَ لَهٗ مَا يُبْكِيْكَ قَالَ شَيْءٌ سَمِعْتُ مِنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم يَقُوْلُ فَذَكَرْتُهٗ فَاَبْكَانِيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَتَخَوَّفُ عَلٰى اُمَّتِي الشِّرْكَ وَالشَّهْوَةَ الْخَفِيَّةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَتُشْرِكُ اُمَّتُكَ مِنْ بَعْدِكَ قَالَ اَمَا اِنَّهُمْ لَا يَعْبُدُوْنَ شَمْسًا وَّلَا قَمَرًا وَّلَا حَجَرًا وَّلَا وَثَنًا وَّلٰكِنْ يُّرَاؤُوْنَ بِاَعْمَالِهِمْ وَالشَّهْوَةُ الْخَفِيَّةُ اَنْ يُّصْبِحَ اَحَدُهُمْ صَائِمًا فَتَعْرِضُ لَهٗ شَهْوَةٌ مِّنْ شَهْوَاتِهٖ فَيَتْرُكُ صَوْمَهٗ (رواه احمد والبيهقي في شعب الايمان)

(۶۷۹) عَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَخْوَفَ مَا اَخَافُ عَلَيْكُمُ الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الشِّرْكُ الْاَصْغَرُ قَالَ الرِّيَاءُ رواه احمد و زاد البيهقي في شعب الايمان يَقُوْلُ اللّٰهُ لَهُمْ يَوْمَ يُجَازِي الْعِبَادَ بِاَعْمَالِهِمْ اِذْهَبُوْا اِلَى الَّذِيْنَ كُنْتُمْ تُرَاؤُوْنَ فِي الدُّنْيَا فَانْظُرُوْا هَلْ تَجِدُوْنَ عِنْدَهُمْ جَزَاءً وَّخَيْرًا۔

---

(۶۷۸) شداد کے متعلق بیان کیا گیا کہ ایک مرتبہ ان پر گریہ طاری ہو گیا لوگوں نے سبب دریافت کیا تو انھوں نے جواب دیا کہ مجھے ایک بات یاد آگئی جس کو میں نے آپ کو فرماتے خود سنا تھا اس نے مجھے رونے پر مجبور کر دیا۔ میں نے آپ کو فرماتے سنا تھا کہ مجھے اپنی امت کے متعلق شرک خفی اور شہوت خفی کا بڑا ڈر ہے وہ کہتے ہیں میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ کے بعد آپ کی امت بھی شرک میں مبتلا ہو جائیگی آپ نے فرمایا سن لو نہ تو وہ آفتاب و ماہتاب کی عبادت کریگی اور نہ کسی پتھر اور بت کی لیکن اپنے اعمال میں ریار کاری کا شکار ہو جائے گی (یہ تو شرک خفی ہوا) اور شہوت خفیہ یہ ہے کہ کوئی شخص تم میں سے صبح کے وقت روزہ دار ہو پھر اس کے سامنے کوئی ایسی چیز آجائے جو اس کی مرغوب خاطر ہو اور صرف اتنی سی بات پر وہ اپنا روزہ توڑ ڈالے۔ (احمد۔ شعب الایمان)

(۶۷۹) محمود بن لبید سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خوب یاد رکھو مجھے تمہارے متعلق سب سے زیادہ ڈر ہے تو شرک اصغر کا ہے لوگوں نے پوچھا یا رسول اللہ شرک اصغر کیا چیز ہے فرمایا ریار اور نمائش۔ (مسند امام احمد) بیہقی نے اس میں اتنا اضافہ اور کیا ہے کہ جس دن اللہ تعالیٰ بندوں کو ان کے اعمال کا بدلہ دیگا اس دن ریار کاروں سے کہے گا جاؤ ان کے پاس جاؤ جن کی خاطر تم دنیا میں ریار کاری کیا کرتے تھے اور دیکھو کہ کیا ان کے پاس تمہیں اس عمل کا بدلہ اور کچھ ثواب ملتا ہے؟

(٦٨٠) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ خَرَجَ عَلَیْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَ نَحْنُ نَتَذَاکَرُ الْمَسِیْحَ الدَّجَّالَ فَقَالَ اَلَا اُخْبِرُکُمْ بِمَا هُوَ اَخْوَفُ عَلَیْکُمْ عِنْدِیْ مِنَ الْمَسِیْحِ الدَّجَّالِ فَقُلْنَا بَلٰی یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ الشِّرْکُ الْخَفِیُّ اَنْ یَّقُوْمَ الرَّجُلُ فَیُصَلِّیْ فَیُزَیِّنُ صَلٰوتَهٗ لِمَا یَرٰی مِنْ نَظَرِ رَجُلٍ (رواہ ابن ماجۃ)

## النہی عن السجود لغیر اللہ عزوجل

(٦٨١) عَنْ قَیْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اَتَیْتُ الْحِیْرَةَ فَرَاَیْتُهُمْ یَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَّهُمْ فَاَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنِّیْ اَتَیْتُ الْحِیْرَةَ فَرَاَیْتُهُمْ یَسْجُدُوْنَ

(٦٨٠) ابوسعید خدری روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے پاس باہر تشریف لائے اس وقت ہم مسیح دجال کا ذکر کر رہے تھے آپ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ فتنہ نہ بتاؤں جس کا مجھے تمہارے متعلق دجال سے بھی زیادہ خوف ہے۔ ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ ضرور بتایئے فرمایا وہ شرکِ خفی ہے اور شرکِ خفی یہ ہے کہ مثلاً ایک آدمی نماز پڑھنے کے لئے کھڑا ہو اور اپنی نماز کو اس لئے اور لمبا کر دے کہ کوئی دوسرا شخص اس کو دیکھ رہا ہے۔ (ابن ماجہ)

## غیر اللہ کو سجدہ کرنے کی ممانعت

(٦٨١) قیس بن سعد بیان کرتے ہیں کہ میں مقام حیرہ میں پہنچا تو میں نے وہاں کے باشندوں کو دیکھا کہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ جب میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا، میں مقام حیرہ

(٦٨٠) مسیح دجال بلاشبہ بہت بڑا فتنہ ہوگا لیکن اس کا تعلق بہت محدود زمانہ اور محدود افراد کے ساتھ ہوگا۔ بالخصوص صحابہ کرام کو تو اس فتنہ سے کوئی تعلق ہی نہیں اور شرکِ خفی کا فتنہ ہر زمانہ اور ہر فرد کیلئے ہے اس لئے جن کی زبانوں پر ایک مستقبل فتنہ کا ذکر بڑی شان کے ساتھ آرہا تھا ان کو آپ نے تنبیہ فرما کر ایک ایسے فتنہ کی طرف متوجہ کیا جس کا اندیشہ ہر زمانہ میں ہو سکتا ہے اور ان کو بھی ہو سکتا ہے۔ وقتی طور پر متاثر قلوب کو کسی اور اہم معاملہ سے متاثر کرنے کا یہی ایک فطری انداز ہے کہ جو تاثر ان میں پہلے سے موجود ہے اس کا رخ بدل کر اس کو کسی دوسرے معاملہ کے ساتھ قائم کر دیا جائے۔

(٦٨١) اسلام سے قبل اپنے بادشاہوں اور سرداروں کو سجدۂ تعظیمی بجا لانے کا عام رواج تھا قیصر روم اور ابوسفیان کے طویل واقعہ کے آخر میں اس کی قوم کا سجدہ کرنا اسی رسم کے ماتحت تھا۔ اسلام نے اس رسم کا تو

لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَأَنْتَ أَحَقُّ بِأَنْ يَسْجُدَ لَكَ فَقَالَ لِي أَرَأَيْتَ لَوْ مَرَرْتَ بِقَبْرِي أَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهُ
فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوا لَوْ كُنْتُ آمِرًا أَحَدًا أَنْ يَسْجُدَ لِأَحَدٍ لَأَمَرْتُ النِّسَاءَ أَنْ يَسْجُدْنَ

گیا تھا میں نے ان لوگوں کو دیکھا ہے کہ وہ اپنے سردار کو سجدہ کرتے ہیں۔ آپ تو اس کے سب سے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ کو سجدہ کیا جائے۔ آپ نے مجھ سے فرمایا بتاؤ اگر تم میری قبر پر گذرتے تو کیا اس کو سجدہ کرتے؟ میں نے کہا نہیں فرمایا تو پھر اب بھی مت کرو اگر میں کسی کو یہ حکم دیتا کہ وہ کسی کو سجدہ کرے تو یقیناً عورتوں

استعمال کیا ہی تھا لیکن اسی کے ساتھ اس نے اس کی بھی ممانعت کردی کہ ایک انسان دوسرے انسان کے سامنے دست بستہ کھڑا رہے یا اپنا سر جھکائے۔ ترمذی نے صحیح سند کے ساتھ حضرت انس ؓ سے روایت کیا ہے کہ صحابہ کرام ؓ کی نظروں میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑھ کر کوئی شخص بھی محبوب و محترم نہ تھا جب کبھی وہ آپ کو دیکھتے تو بے اختیار اپنی چشم وابرو کے بل کھڑا ہونا چاہتے مگر وہ اس کے باوجود کھڑے نہ ہوتے کیونکہ جانتے تھے کہ ان کا قیام آپ کو ناپسند ہے۔ دوسری روایت میں ہے کہ حضرت انس ؓ نے پوچھا یا رسول اللہ کیا ہم باہم ملاقات کے وقت ایک دوسرے کے سامنے تواضعاً جھک سکتے ہیں، آپ نے اس سے بھی منع فرمادیا۔ پس جہاں قیام اور عام ملاقاتوں میں جھکنا جھکانا بھی پسند نہ کیا گیا ہو وہاں تعظیمی سجدوں کی بھلا کیا اجازت مل سکتی ہے۔

اسلام کا بڑا کمال یہ ہے کہ اس نے ہر امر میں اعتدال ملحوظ رکھا ہے عبادات تو درکنار مسرت وغم، عداوت و محبت اور تعظیم و تکریم کی معمولی سی عادتوں میں بھی۔ سجدہ انسان کی اختیاری تعظیم کی آخری حد ہے اس لئے اسلام نے اس کو صرف اللہ تعالیٰ کی ذات کے لئے مخصوص کردیا ہے وہ توحید کا سب سے بڑا علم بردار ہے اس لئے ہر ہر نقطہ پر اس نے عبد و معبود کے حقوق ممتاز کردیئے ہیں، خالق کے حقوق مخلوق کے حقوق سے اور مخلوق کے حقوق خالق کے حقوق سے۔ ان حقوق میں عملی لحاظ سے خالق کا ایک واضح حق سجدہ بھی ہے اسی لئے قرآن حکیم نے اس حقیقت کا بار بار اعلان کیا ہے کہ سجدہ کرنا صرف ایک اپنے خالق کو ہی زیبا ہے۔ لَا تَسْجُدُوا لِلشَّمْسِ وَلَا لِلْقَمَرِ وَاسْجُدُوا لِلّٰهِ الَّذِي خَلَقَهُنَّ نہ تو آفتاب کو سجدہ کرو اور نہ ماہتاب کو بلکہ اس کو سجدہ کرو جس نے ان کو پیدا کیا ہے۔ پس سجدہ خالق اور صرف خالق کا حق ہے اس میں مخلوق کے لئے شرکت کی کوئی گنجائش نہیں۔ وہ وسعتیں جو شاید ایک کامل شریعت کے نزول سے پہلے قابل اغماض ہوں گی۔ اب سب ختم ہوگئیں اب دین ان تمام حقیقتوں کے ساتھ جلوہ گر ہوچکا ہے جو خالق کی نظر میں پسندیدہ ٹھہر چکی ہیں اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے جاں نثاروں میں کہیں اس کا ثبوت نہیں ملتا کہ انھوں نے آپ کو سجدے کرنے کی سنت قائم کی ہو۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبان فیض ترجمان سے ان یہود و نصاریٰ پر لعنت ثابت ہے جنھوں نے اپنے انبیاء کی قبور کو مسجدیں بناڈالا تھا۔ مذکورہ بالا حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ جو صحابی صرف دوسروں کی نقالی میں آپ کو سجدہ کرنے کے لئے مضطرب تھا آپ کی قبر کو سجدہ کرنا اس کے بھی وہم وگمان میں نہ تھا۔ —— یہاں آپ کے جواب سے ایک لطیف اشارہ حیوۃ النبی کے مسئلہ کی طرف بھی نکل سکتا ہے اور وہ اس طرح کہ اگر انبیاء علیہم السلام کی موت انسانوں کی موت کی طرح ہوتی تو آپ کا اس سے یہ سوال کرنا کہ اگر تو میری قبر پر گذرتا تو کیا

لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ (رواہ ابوداؤد ورواہ احمد عن معاذ بن جبل)

(۶۸۲) عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ اَنَّهٗ اَتَى الشَّامَ فَرَاَى النَّصَارٰى تَسْجُدُ لِبَطَارِقَتِهَا وَاَسَاقِفَتِهَا قَالَ فَقُلْتُ لِاَيِّ شَيْءٍ تَصْنَعُوْنَ قَالُوْا هٰذَا كَانَ تَحِيَّةً لِلْاَنْبِيَاءِ قَبْلَنَا فَقُلْتُ نَحْنُ اَحَقُّ

کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہروں کو کیا کریں کیونکہ شوہروں کا حق اپنی بیبیوں پر بڑا حق ہے۔ (ابو داؤد، احمد)

(۶۸۲) معاذ بن جبلؓ سے روایت ہے کہ وہ شام تشریف لے گئے تو انھوں نے دیکھا کہ نصاریٰ اپنے بزرگوں کو سجدے کرتے ہیں۔ یہ کہتے ہیں کہ میں نے ان سے پوچھا تم لوگ یہ سجدے کیوں کرتے ہو انھوں نے کہا کہ ہم سے پیشتر نبیوں کے سلام کرنے کا طریقہ یہی تھا۔ میں نے کہا تو پھر ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی طرح سلام کرنے کے ان سے زیادہ حقدار ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان لوگوں نے اپنے نبیوں کے سر یہ جھوٹ اسی طرح لگا دیا ہے جس طرح اپنی آسمانی کتابوں میں

اس کو سجدہ کرتا، چنداں معقول نہ ہوتا کیونکہ وہ اس پر یہ عذر کر سکتا تھا کہ قبر میں تو آپ زندہ نہ ہوں گے اور اب تو زندہ موجود ہیں اس لئے اگر قبر پر سجدہ نہ کروں تو اب سجدہ کرنے سے کیا امر مانع ہے لیکن آپ کے سوال سے کچھ ایسا مترشح ہوتا ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حیات و وفات کے تغیر سے ان کی حدودِ تعظیم و تکریم میں شاید کچھ زیادہ فرق نہیں پڑتا وہ وفات کے بعد بھی زمانۂ حیات ہی کی طرح قائم رہتی ہے۔ یہی وجہ تھی کہ صحابہ کرامؓ کے دور میں جب کوئی شخص مسجد نبوی میں ذرا آواز بلند کرتا تو اس کو تنبیہ کی جاتی تھی۔ خلاصہ یہ ہے کہ سجدۂ تعظیمی آپ نے اپنی حیات میں کبھی جائز قرار نہیں دیا۔ رہا وفات کے بعد سجدہ کرنا تو یہ تو کسی کے نزدیک قابل تصور چیز ہی نہ تھی۔ اس ممانعت کو آپ نے اس پیرایہ سے ذہن نشین کیا کہ سجدۂ تعظیمی جو قدیم سے کیا جا رہا ہے وہ درحقیقت حکومت کے درباروں کی ایک رسم ہے اگر اسلام اس رسم کو برداشت کرتا تو سب سے پہلے زن و شوہر کے مابین برداشت کرتا کیونکہ انسانی تعلقات میں جہاں حاکمیت و محکومیت کا رنگ سب سے زیادہ نمایاں ہے وہ یہی رشتہ ہے۔ والدین اگرچہ بہت بڑا حق رکھتے ہیں مگر حاکمیت اور محکومیت کا جو رنگ زن و شوہر کے درمیان ہوتا ہے وہ یہاں نہیں ہوتا۔ اسی لئے سورۂ یوسف میں حضرت یوسف علیہ السلام کے بھائیوں کا حضرت یوسف علیہ السلام کو شاہِ مصر سمجھ کر سجدہ کرنا مذکور ہے۔ بارگاہِ نبوت اپنی ساری عظمتوں کے باوجود بارگاہِ حکومت نہیں ہوتی بلکہ عبدیت کاملہ کا مظہر اتم ہوتی ہے۔ اس کا سب سے بڑا فرض یہ ہوتا ہے کہ وہ عبد و معبود کے حقوق اور ان کے صحیح صحیح امتیازات اس طرح واضح کردے کہ خدا کی ساری عظمتیں معبودِ حقیقی کے لئے مخصوص ہو جائیں اور انسانی تعظیم و تکریم کے آداب بندوں کے لئے باقی رہ جائیں۔ اگر ایسا نہ ہو تو ان کی تعلیم کردہ توحید کا نقشہ بھی صرف خیالی رہ جائے۔ عملاً اس کو شرک سے کوئی امتیاز باقی نہ رہے پس جو تعظیم سیرت اسلام میں نہیں اسے تو اسلام کے سر مت چپکاؤ اور جہاں تک تعظیم کی اس نے اجازت دیدی ہے اس کا انکار بھی نہ کرو۔ یہ ہے راہِ اعتدال۔

أَنْ نَصْنَعَ بِنَبِيِّنَا صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِنَّهُمْ كَذَبُوا عَلَى أَنْبِيَائِهِمْ كَمَا حَرَّفُوا كِتَابَهُمْ إِنَّ اللّٰهَ عَزَّ وَجَلَّ أَبْدَلَنَا خَيْرًا مِنْ ذَالِكَ السَّلَامَ تَحِيَّةُ أَهْلِ الْجَنَّةِ (رواه احمد)

(۶۸۳) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ خَرَجَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُتَّكِئًا عَلَى عَصًا فَقُمْنَا لَهُ فَقَالَ لَا تَقُومُوا كَمَا تَقُومُ الْأَعَاجِمُ يُعَظِّمُ بَعْضُهَا بَعْضًا. (رواه ابوداؤد)

(۶۸۴) عَنْ أَنَسٍ قَالَ لَمْ يَكُنْ شَخْصٌ أَحَبَّ إِلَيْهِمْ مِنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَكَانُوا إِذَا رَأَوْهُ لَمْ يَقُومُوا لِمَا يَعْلَمُونَ مِنْ كَرَاهِيَتِهِ لِذَالِكَ (رواه الترمذی وقال هذا حدیث حسن صحیح)

تحریف کی ہے اللہ تعالیٰ نے اس سے بہتر ہم کو سلام کا طریقہ تعلیم فرمایا ہے اور وہ لفظ السلام (علیکم) ہے، یہ طریقہ اہل جنت کے باہم سلام کرنے کا ہے۔ (احمد)

(۶۸۳) ابوامامہؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم لکڑی کا سہارا لئے ہوئے باہر تشریف لائے۔ ہم آپ کی تعظیم کے لئے کھڑے ہوگئے۔ فرمایا اس طرح مت کھڑے ہوا کرو جس طرح عجم کے لوگ کھڑے ہوکر بعض بعض کی تعظیم کرتے ہیں۔ (ابوداؤد)

(۶۸۴) انسؓ کہتے ہیں صحابہؓ کی نظروں میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ کوئی شخص محبوب و محترم نہ تھا، اس کے باوجود جب وہ آپ کو دیکھتے تو کھڑے نہ ہوتے کیونکہ وہ جانتے تھے کہ یہ بات آپ کو ناپسند ہوتی ہے۔ (ترمذی)

(۶۸۳) عرب کی محبت بے تکلف اور مخلصانہ ہوتی ہے اس سے اسلام کے اخلاص میں فرق نہیں پڑتا۔ عجم کی محبت پر تکلف ہوتی ہے اس میں اسلامی حدود کے ادھر اُدھر ہٹ جانے کا خطرہ ہوتا ہے آپ نے ان کو تعظیم کی اسی منزل پر روک دیا جہاں تک محبت بے لوث رہتی ہے اور عبادت کے ہمرنگ ہونے نہیں پاتی کسی کے سامنے دست بستہ کھڑا رہنا کھڑے رہنے والوں کی بھی ایک نفسی تحقیر ہے اور جس کے لئے یہ تعظیم کی جائے اس کے حدود تعظیم سے بھی زیادہ بات ہے۔

(۶۸۴) سبحان اللہ! صحیح محبت اسی کا نام ہے ؎ ارید وصاله ویرید هجری + فاترک ما ارید لما یرید

شاعر کہتا ہے کہ میں تو اپنے دل میں اس کے وصل کی تڑپ رکھتا ہوں مگر وہ میرے فراق پر تلا ہوا ہے اب میری محبت کا فیصلہ یہ ہے کہ میں اس کی آرزو کے سامنے اپنی آرزو خاک میں ملادوں اور شربت وصل کے بجائے تلخیِ فراق پر راضی ہوجاؤں۔ قیام فی نفسہ جائز ہے مگر جہاں جہاں جذباتِ محبت میں حدود سے تجاوز کرنے کا خطرہ پیدا ہوسکتا تھا۔ وہاں آپ نے اپنے جاں نثاروں کو ان کے جائز حسرت و ارمان نکال لینے کی اجازت بھی نہیں دی۔ اور ان کو یہ تلخ گھونٹ اس لئے پلادیئے کہ آئندہ کہیں امت کے نادیدہ محبین اپنی فرطِ محبت میں تعظیم کی حدود سے نکل کر عبادت کی سرحد میں نہ کود پڑیں۔

(۶۸۵) عَنْ اَبِی خُزَیْمَۃَ اَنَّہٗ یَرٰی فِیْمَا یَرَی النَّائِمُ اَنَّہٗ سَجَدَ عَلٰی جَبْھَۃِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَاَخْبَرَہٗ فَاضْطَجَعَ لَہٗ وَقَالَ صَدِّقْ رُؤْیَاکَ فَسَجَدَ عَلٰی جَبْھَتِہٖ رواہ فی شرح السنہ کمافی المشکوٰۃ)

(۶۸۶) عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ فِیْ نَفَرٍ مِّنَ الْمُھَاجِرِیْنَ وَالْاَنْصَارِ فَجَاءَ بَعِیْرٌ فَسَجَدَ لَہٗ فَقَالَ اَصْحَابُہٗ یَا رَسُوْلَ اللہِ تَسْجُدُ لَکَ الْبَھَائِمُ وَالشَّجَرُ فَنَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَّسْجُدَ لَکَ فَقَالَ اُعْبُدُوْا رَبَّکُمْ وَاَکْرِمُوْا اَخَاکُمْ وَلَوْ کُنْتُ اٰمِرُ اَحَدًا اَنْ یَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْءَۃَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِھَا وَلَوْ اَمَرَھَا اَنْ تَنْقُلَ مِنْ جَبَلٍ اَصْفَرَ

(۶۸۵) ابوخزیمہ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے ایک خواب میں یہ دیکھا کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیشانی پر سجدہ کررہے ہیں یہ خواب آپ سے یہی ذکر کیا آپ لیٹ گئے اور فرمایا لو اپنا خواب پورا کرلو، اس نے آپ کی پیشانی مبارک کے اوپر سجدہ کرلیا۔ (مشکوٰۃ شریف)

(۶۸۶) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ سرورکائنات صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار کی ایک جماعت میں تشریف فرما تھے کہ اونٹ آیا اور اس نے آپ کو سجدہ کیا یہ دیکھ کر آپ کے صحابہ نے کہا، یا رسول اللہ آپ کو جب جانور اور درخت بھی سجدہ کرتے ہیں تو ہم اس کے زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں، آپ نے فرمایا اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی تعظیم کرو، اگر میں کسی کو یہ اجازت دیتا کہ وہ خدا تعالیٰ کے سوا کسی اور کو سجدہ کرے تو عورت کو اجازت دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرلے اگر اس کا شوہر اسے یہ حکم دے کہ وہ زرد پہاڑ کو سیاہ پہاڑ کی جگہ اور سیاہ کو زرد کی جگہ اٹھا کر رکھدے

(۶۸۵) کسی کے دل کی حسرت اگر اس طرح پوری ہوتی ہے تو بھلا اس فیاض بارگاہ میں اس سے کیا بخل ہوسکتا تھا، کتنی فروتنی فرمائی کہ فوراً سے لیٹ گئے اور اپنے جسم کو بھی اسی خاک پر لٹا دیا جس پر وہ اپنے خدا کو سجدہ کیا کرتا تھا۔ پھر اس سے کہا کہ اپنے خدا کو سجدہ کر خواہ اس زمین پر ہو یا اس جسم پر گویا سجدہ کا رخ بدلنے نہ پائے بمکان سجدہ خواہ کچھ رہے سبحان اللہ وہ کیسا خوش نصیب ہوگا جسے آج اپنے بزرگ و برتر خدا کے سجدہ کے لئے وہ مکان ہاتھ آگیا جو عرش و کرسی سے بھی افضل تھا۔ جواب میں اس طرف اشارہ ہورہا ہے کہ یہ صورت بھی صرف رؤیا، مومن کی تصدیق کی خاطر گوارا کی گئی ہے ورنہ یہ نفس سجدہ کے لئے کوئی وجہ فضیلت نہیں۔ قربان جائیے ان صحابہ پر جنھوں نے یہ سارا ماجرا دیکھا اور پھر کسی نے یہ درخواست نہ کی۔ دراصل وہ اس حقیقت کو سمجھ گئے تھے کہ یہ صرف ایک امتی کی دلداری ہے شریعت نہیں۔

(۶۸۶) اس حدیث میں آپ نے بڑے ایجاز و بلاغت کے ساتھ یہ بتادیا کہ اخوت کا حق صرف تعظیم و تکریم ہے عبادت نہیں۔ یہ صرف ایک ہی کا حق ہے اور اسی کے لئے بلا شرکت ادا کرنا چاہئے۔ ایک غیر مکلف جانور کے سجدہ کی ایک مکلف انسان کو نقل اتارنا غلط ہے یہ اس کا سجدہ تھا جس سے شریعت کا کوئی خطاب نہیں

إِلَى جَبَلٍ أَسْوَدَ وَمِنْ جَبَلٍ أَسْوَدَ إِلَى جَبَلٍ أَبْيَضَ كَانَ يَنْبَغِي لَهَا أَنْ تَفْعَلَهُ۔ (رواہ احمد وروی الترمذی قولہ صلی اللہ علیہ وسلم لو کنت امر احدا الخ عن ابی ہریرۃ)

(۶۸۷) عَنْ أَنَسٍ قَالَ قَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ الرَّجُلُ مِنَّا يَلْقَى أَخَاهُ أَوْ صَدِيقَهُ أَيَنْحَنِي لَهُ قَالَ لَا قَالَ أَفَيَلْتَزِمُهُ وَيُقَبِّلُهُ قَالَ لَا قَالَ أَفَيَأْخُذُهُ بِيَدِهِ وَيُصَافِحُهُ قَالَ نَعَمْ (رواہ الترمذی)

## النهي عن اتخاذ قبور الصالحين مساجد وايقاد السرج عليها

(۶۸۸) عَنْ عَطَاءِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ لَا تَجْعَلْ قَبْرِي

---

تو اس کا یہ فرض ہوگا کہ وہ اس کام کے لئے بھی تیار ہو جائے۔ (مسند امام احمد)

(۶۸۷) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ اگر ہم میں ایک شخص اپنے بھائی یا دوست سے ملے تو کیا اس کی تعظیم کے لئے جھک سکتا ہے فرمایا نہیں۔ انھوں نے کہا اچھا تو کیا اس کو چپٹ کر بوسہ دے سکتا ہے فرمایا اس کی بھی کیا ضرورت ہے پھر انھوں نے پوچھا کیا اس سے ہاتھ ملا کر مصافحہ کر سکتا ہے فرمایا اس میں مضائقہ نہیں۔ (ترمذی)

## بزرگوں کی قبروں کو سجدے کرنے اور ان پر چراغ جلانے کی ممانعت

(۶۸۸) عطا بن یسار روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یہ دعا مانگتے تھے خدایا میری قبر کو

---

اور یہاں بحث اس کی ہے جس کی ایک ایک جنبش کراماً کاتبین کے قلم کے نیچے ہے۔ اسوۂ صحابہ چھوڑ کر اسوۂ حیوان اختیار کرنا انسانی عقل کا کام نہیں۔

(۶۸۷) اسلام نے مسرت وغم اور تعظیم وتکریم سب کی حدود مقرر فرمائی ہیں بندگی ان کی پابندی ہی میں ہے جو ان حدود سے جتنا باہر گیا یقین کر لو کہ اس نے اتنے ہی اپنے حدود بندگی توڑ ڈالے۔ اگر وہ اس پر خوش ہے تو یہ اس کی نادانی ہے۔

(۶۸۸) غضب الٰہی کا مشہور مورد فرقہ یہود ہے حتی کہ مغضوب علیہم ان کا ایک لقب بن گیا ہے پھر نصاریٰ بھی ان ہی کے نقش قدیم پر چل پڑے اور چونکہ انبیاء یہود ان کے نزدیک بھی قابل احترام تھے اس لئے انھوں نے بھی اس بدعملی میں ان کی نقل اتاری اور جب کبھی ان کے کسی بھلے آدمی کا انتقال ہوا تو انھوں نے بھی ان کی قبر کو مسجد بنا لینے کا وہی دستور جاری رکھا اسی لئے حدیث میں جب خاص نصاریٰ کی گمراہی کا ذکر آتا ہے تو رجل صالح کا لفظ آتا ہے اور جب خاص یہود کا ذکر آتا ہے تو صرف انبیاء کا تذکرہ آتا ہے اور جب ان کی مشترک گمراہی کا حال مذکور ہوتا ہے تو انبیاء اور صالحین دونوں کا ذکر ہوتا ہے جیسا کہ الفاظ ذیل سے ظاہر ہے اس کے علاوہ راوی کے توسعات ہیں۔

وَثَنًا یُعْبَدُ اِشْتَدَّ غَضَبُ اللّٰہِ عَلٰی قَوْمٍ اِتَّخَذُوْا قُبُوْرَ اَنْبِیَاءِہِمْ مَسَاجِدَ (رواہ مالک مرسلاً)

(۶۸۹) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ لَمَّا اشْتَکَی النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَکَرَ بَعْضُ نِسَائِہٖ کَنِیْسَۃً یُقَالُ لَہَا مَارِیَۃُ وَکَانَتْ اُمُّ سَلَمَۃَ وَاُمُّ حَبِیْبَۃَ اَتَتَا اَرْضَ الْحَبَشَۃِ فَذَکَرَتَا مِنْ حُسْنِہَا وَتَصَاوِیْرِہَا فَرَفَعَ رَاْسَہٗ فَقَالَ اُولٰٓئِکَ اِذَا مَاتَ فِیْہِمُ الرَّجُلُ الصَّالِحُ بَنَوْا عَلٰی قَبْرِہٖ مَسْجِدًا ثُمَّ صَوَّرُوْا فِیْہِ تِلْکَ الصُّوَرَ اُولٰٓئِکَ شِرَارُ خَلْقِ اللّٰہِ۔ (متفق علیہ)

(۶۹۰) عَنْ جُنْدُبٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَلَا وَاِنَّ مَنْ کَانَ

---

ایک بت نہ بنا دینا کہ اس کی عبادت کی جائے۔ خدائے تعالیٰ کا غصہ ان لوگوں پر بھڑک اٹھا جنھوں نے اپنے نبیوں کی قبروں کو مسجدیں بنا ڈالا۔ (مالک)

(۶۸۹) حضرت عائشہؓ بیان کرتی ہیں کہ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم علیل ہوئے تو آپ کی بعض بیبیوں نے اس گرجے کا قصہ ذکر کیا جس کا نام ماریہ تھا۔ یہ گرجا حبشہ میں تھا اور حضرت ام سلمہؓ اور حضرت ام حبیبہؓ پہلے وہاں جا چکی تھیں جب انھوں نے اس کے حسن وخوبی اور تصویروں کا حال بیان کیا تو آپ نے اپنا سر مبارک اٹھایا اور فرمایا یہ وہ لوگ تھے کہ جب ان میں کسی نیک آدمی کا انتقال ہو جاتا تو وہ اس کی قبر پر ایک مسجد بنا دیتے اور اس میں ان کی تصویر بنا دیتے تھے یہی لوگ خدا کی مخلوق میں سب سے بدتر مخلوق ہیں۔ (متفق علیہ)

(۶۹۰) جندب بیان کرتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آپ فرماتے تھے

---

(۶۸۹) حضرت ام حبیبہؓ و حضرت ام سلمہؓ اپنے اپنے پہلے شوہروں کے ساتھ مکہ مکرمہ سے ہجرت کر کے حبشہ چلی گئی تھیں۔ حضرت ام حبیبہؓ کے شوہر کا تو وہیں انتقال ہو گیا تھا پھر شاہ حبشہ نے ان کا عقد آپ کے ساتھ کر دیا تھا اور ان کا مہر بھی اپنی جانب سے ادا کر کے ان کو آپ کی خدمت میں روانہ کر دیا تھا۔ حضرت ام سلمہؓ کے شوہر کا انتقال وہاں سے واپس آکر ہوا ہے اس کے بعد وہ آپ کے نکاح میں آگئیں تھیں۔ اس تقریب سے ان دونوں نے کنیسہ ماریہ دیکھا تھا۔ مریض کی خاطر داری میں عام طور پر متفرق باتوں کا تذکرہ کیا جاتا ہے اسی طرح آپ کی محفل میں اس کا ذکر بھی آگیا تھا مگر خدا کے مقدس رسول کو جس بات سے سب سے زیادہ دلچسپی تھی وہ خدائے تعالیٰ کے بندوں کو شرک سے نجات دلانا تھا اس لیے آپ کی زبان اپنی حیوٰۃ کے آخری لمحات تک جس امر کے لئے بے اختیار متحرک رہی وہ یہی خدا کی توحید تھی۔

(۶۹۰) ابتدا میں ان بزرگوں کی تصاویر گرجوں میں محض تبرکاً رکھی جاتی تھی پھر رفتہ رفتہ جاہلوں نے ان کی عبادت بھی شروع کر دی اور ان کی قبروں پر اس طرح مسجدیں بنائیں کہ جب سجدہ کرتے تو سجدہ ان کی طرف ہوتا تھا۔ پہلی امتوں کے یہ زشت کارنامے دیکھ کر آپ نے اپنی امت کو اپنی حیات کے آخری سانس تک مذکورہ بالا الفاظ میں اس کی سخت ممانعت فرمائی۔ پھر بعد میں یہ اہتمام کیا گیا کہ آپ کی قبر مبارک کو کھلا ہوا نہیں رکھا گیا۔

قَبْلَكُمْ كَانُوْا يَتَّخِذُوْنَ قُبُوْرَ اَنْبِيَاءِهِمْ وَصَالِحِيْهِمْ مَسَاجِدَ اَلَا فَلَا تَتَّخِذُوا الْقُبُوْرَ مَسَاجِدَ اِنِّيْ اَنْهَاكُمْ عَنْ ذَالِكَ۔ (رواہ مسلم)

(۶۹۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ زَائِرَاتِ الْقُبُوْرِ وَالْمُتَّخِذِيْنَ عَلَيْهَا الْمَسَاجِدَ وَالسُّرُجَ۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی والنسائی)

## النہی عن کسوۃ الحجارۃ والطین

(۶۹۲) عَنْ عَائِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ فِيْ غَزَاةٍ فَاَخَذْتُ نَمَطًا فَسَتَرْتُهُ عَلَى الْبَابِ فَلَمَّا قَدِمَ فَرَأَى النَّمَطَ فَجَذَبَهُ حَتّٰى هَتَكَهُ ثُمَّ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَمْ

بغور سن لو کہ تم سے پیشتر امتیں اپنے نبیوں اور نیک لوگوں کی قبروں کو مسجدیں بنا لیا کرتے تھے۔ دیکھو تم قبروں کو مسجدیں نہ بنانا میں تم کو اس حرکت کی سختی سے ممانعت کئے جاتا ہوں۔ (مسلم)

(۶۹۱) ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان عورتوں پر لعنت فرمائی ہے جو قبروں پر جاتی ہیں اور جا جا کر ان کو سجدے کرتی اور چراغ جلاتی ہیں۔ (ابوداؤد، ترمذی، نسائی)

## گارے اور پتھروں کی تعمیر پر چادریں ڈالنے کی ممانعت

(۶۹۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک غزوہ کے لئے تشریف لے گئے تھے۔ میں نے (آپ کے پیچھے) ایک نقشین چادر لیکر دروازہ کے اوپر ڈال دی جب آپ تشریف لائے

صحیح مسلم کی روایت میں ہے کہ اگر جاہلوں کی مبالغہ آمیزی کا خطرہ نہ ہوتا تو آپ کی قبر مبارک کھول دی جاتی پھر جب مسجد مبارک اور وسیع کی گئی تو یہ احتیاط فرمائی گئی کہ اس کے ارد گرد مع ازواج مطہرات کے حجروں کے ایک چار دیواری بھی کھنچوا دی گئی تاکہ ان کی جانب سجدہ کی کوئی صورت ہی نہ رہے۔ سلف نے تو اتنی احتیاطیں برتیں مگر افسوس کہ امت کے ناخلف افراد نے یہ کمال دکھایا کہ جب تک زیارت کے وقت اس عمارت ہی کی طرف سجدہ نہیں کر لیتے اپنی حاضری بیکار سمجھتے ہیں۔ معلوم نہیں کہ کل اس رسول عربی کو وہ کیا جواب دیں گے جس نے جیتے جی اپنے لئے کسی کا کھڑا ہونا بھی پسند نہیں فرمایا اور دنیا سے چلتے چلتے یہ ہدایت کر دی کہ دیکھنا پہلی امتوں کی طرح تم میری قبر کو سجدہ نہ کرنا۔ واللہ المستعان علی ما تصفون۔

(۶۹۲) سوچو کہ اگر اپنی حیات میں آپ کو اپنے گھر کی در و دیوار کی یہ زینت پسند نہ آئی تو کیا یہ زینت وفات کے بعد اپنی قبر کی پسند آ سکتی ہے پھر آپ نے اس کو پھاڑ ڈالنے پر ہی کفایت نہیں فرمائی بلکہ اس کی نوبت کو اس طرح

يَأْمُرْنَا أَنْ نَكْسُوَ الْحِجَارَةَ وَالطِّيْنَ۔ (متفق علیہ)

(۶۹۳) عَنْ مُحَمَّدِ بْنِ كَعْبِ الْقُرَظِيِّ قَالَ حَدَّثَنِيْ مَنْ سَمِعَ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ قَالَ اِنَّا لَجُلُوْسٌ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمَسْجِدِ فَاطَّلَعَ عَلَيْنَا مُصْعَبُ بْنُ عُمَيْرٍ

اور آپ نے وہ چادر پڑی ہوئی دیکھی تو اس کو کھینچ کر پھاڑ ڈالا اور فرمایا اللہ تعالیٰ نے ہم کو یہ حکم نہیں دیا کہ ہم پتھر اور گارے کو لباس پہنایا کریں۔ (متفق علیہ)

(۶۹۳) محمد بن کعب قرظی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے یہ حدیث اس شخص نے ذکر کی ہے جس نے خود حضرت علیؓ کو سنا تھا۔ وہ کہتے تھے کہ ہم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مسجد میں بیٹھے ہوئے تھے کہ مصعب بن عمیر آنکلے اس وقت ان کے جسم پر صرف ایک چادر تھی جس میں چمڑے کا پیوند لگ رہا تھا

واضح بھی فرما دیا کہ جو نعمت لباس ہمارے باپ آدم کو بڑی آہ و زاری کے بعد میسر آئی تھی کیا وہ اس قابل ہے کہ اس کو سب سے ذلیل مخلوق کی نذر کر دیا جائے یعنی اینٹوں اور پتھروں کے۔ بالخصوص جبکہ اس میں اس قوم کے ساتھ پوری پوری مشابہت بھی پیدا ہوتی ہو جو اسی طرح بتوں کو بغرض تعظیم مزین کیا کرتی تھی جہاں عمل شرک کا ہو وہاں شریعت نیتوں کا فرق نہیں کرتی۔ ظاہر ہے کہ یہاں حضرت عائشہؓ کی نیت نہ تو پتھروں کی تعظیم تھی اور نہ ان کی نیت، بلکہ آپ ہی کی تعظیم اور آپ ہی کی خوشنودی مطلوب تھی۔ مگر خدائے تعالیٰ کے رسول ایسی تعظیم سے کبھی خوش نہیں ہوتے جو بے معنی ہونے کے ساتھ ان کی حدود تعظیم سے متجاوز اور اعمال شرک سے ملتبس ہوں۔ اس کے بعد اب یہ انصاف تم ہی پر ہے کہ جب خدا تعالیٰ کے سب سے برگزیدہ نبی اپنے گھر کی دیواروں پر چادریں لٹکانا پسند نہیں فرمائیں تو کیا اس کی امت کے برگزیدہ افراد اپنی قبر پر بیش قیمت دوشالے پڑے ہوئے دیکھنا پسند کریں گے۔ اللہ تعالیٰ مسلمانوں کو توفیق دے کہ وہ انبیاء کرام اور اولیاء اللہ کے ساتھ ایسی بیجا عقیدت نہ رکھیں جو ان کے لئے موجب تکلیف و ندامت ہو۔

صحیح حدیث میں موجود ہے کہ قیامت میں جب حضرت عیسیٰ علیہ السلام سے سفارش کرنے کیلئے عرض کیا جائیگا تو وہ ان الفاظ میں معذرت فرمائیں گے "انی عبدت من دون اللہ" مجھے تو ایک قوم کی قوم خدا کے سوا معبود بنائے بیٹھی ہے اس میں غلطی اگرچہ سراسر اسی کی ہے مگر چونکہ وہ ہے میری امت اس لئے ان کی غلطی سے آنکھیں میری نیچی ہیں۔ عیسائی اس فریب میں مبتلا ہیں کہ وہ عیسیٰ پرستی سے اپنی محبت کا حق ادا اور ان کا تقرب حاصل کر رہے ہیں اور واقعہ یہ ہے کہ وہ سراسر خدا کی حق تلفی اور عیسیٰ علیہ السلام کی ایذا رسانی کے جرم کے مرتکب ہیں۔ افسوس اس امت پر جو آخر میں اس لئے آئی تھی کہ پہلی امتوں کی گمراہیاں سن سنکر ان سے احتراز کرے مگر وہ چھانٹ چھانٹ کر ان میں ایک ایک کو اختیار کر رہی ہے۔ صدق اللہ و رسولہ لتتبعن سنن من قبلکم شبرا بشبر و ذراعا بذراع۔

(۶۹۳) اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ بیت اللہ کی پوشش کا دستور آپ کے زمانہ میں بھی تھا اور یہ اسی کی خصوصیت سمجھی جاتی تھی جس طرح خدا تعالیٰ کی ذات پاک کی تعظیم، بندوں کی تعظیم سے ممتاز تھی اسی طرح اس کے گھر کی تعظیم بھی بندوں کے گھروں کی تعظیم سے علیحدہ تھی۔ قبروں کے اوپر چادریں چڑھانے کا تو وہاں کوئی تخیل ہی نہ تھا آپ نے اپنے ہاتھوں سے اپنی محبوب ترین ہستیاں سپرد خاک کیں حتیٰ کہ حضرت حمزہؓ کے متعلق تو یہ فرمایا کہ اگر مجھے ان کی ہمشیرہ کا خیال

مَا عَلَيْهِ إِلَّا بُرْدَةٌ لَهُ مَرْقُوعَةٌ بِفَرْوٍ فَلَمَّا رَآهُ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَكَى لِلَّذِي كَانَ فِيهِ مِنَ النِّعْمَةِ وَالَّذِي هُوَ فِيهِ الْيَوْمَ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ بِكُمْ إِذَا غَدَا أَحَدُكُمْ فِي حُلَّةٍ وَرَاحَ فِي حُلَّةٍ وَوُضِعَتْ بَيْنَ يَدَيْهِ صَحْفَةٌ وَرُفِعَتْ أُخْرَى وَسَتَرْتُمْ بُيُوتَكُمْ كَمَا تُسْتَرُ الْكَعْبَةُ فَقَالُوا يَا رَسُولَ اللّٰهِ نَحْنُ يَوْمَئِذٍ خَيْرٌ مِنَّا الْيَوْمَ نَتَفَرَّغُ لِلْعِبَادَةِ وَنُكْفَى الْمُؤْنَةَ قَالَ لَا أَنْتُمُ الْيَوْمَ خَيْرٌ مِنْكُمْ يَوْمَئِذٍ۔ (رواہ الترمذی)

(۶۹۴) عَنْ سَعِيدِ بْنِ أَبِي هِنْدٍ عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَكُونُ إِبِلٌ لِلشَّيَاطِينِ وَبُيُوتٌ لِلشَّيَاطِينِ فَأَمَّا إِبِلُ الشَّيَاطِينِ فَقَدْ رَأَيْتُهَا يَخْرُجُ أَحَدُكُمْ بِنَجِيبَاتٍ مَعَهُ قَدْ أَسْمَنَهَا فَلَا يَعْلُو بَعِيرًا مِنْهَا وَيَمُرُّ بِأَخِيهِ قَدِ انْقَطَعَ بِهِ فَلَا يَحْمِلُهُ وَأَمَّا

آپ نے جب ان کو دیکھا تو آپ کو بے اختیار رونا آگیا ان کے اس حالت ناز و نعمت کو یاد کر کے جو کفر کے زمانہ میں ان کی تھی اور اس خستہ حالت کو دیکھ کر جو اسلام کے بعد بن گئی تھی پھر فرمایا تھا اُس زمانہ میں تمہاری دینی رفتار کیسی ہوگی جبکہ تم پر فارغ البالی کا یہ عالم ہوگا کہ صبح کو ایک لباس پہنا کرو گے اور شام کو دوسرا اور کھانے پر ایک پیالہ تمہارے سامنے سے اٹھایا جائے گا اور پھر دوسرا رکھا جائے گا۔ اور رہائش میں رفاہیت کا یہ حال ہوگا کہ اپنے گھروں کو لباس سے اس طرح آراستہ کیا کرو گے جیسا خانۂ کعبہ کیا جاتا ہے۔ انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ آج کی نسبت ایسے زمانہ میں تو ہمارا حال بہت ہی بہتر ہوگا۔ معاش کے لئے محنت، مشقت کی حاجت نہ ہوگی بس عبادت کے لئے فرصت ہی فرصت مل جائے گی۔ فرمایا نہیں اس دن کی نسبت تم اس عسرت ہی کے زمانہ میں بہتر ہو۔ (ترمذی شریف)

(۶۹۴) سعید بن ابی ہند ابو ہریرہؓ سے روایت کرتے ہیں وہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے آئندہ شیاطین کے اونٹ اور شیاطین کے مکانات ہوں گے۔ شیاطین کے اونٹ تو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھ لئے۔ شیاطین کے اونٹ تو یہی ہیں کہ تم میں ایک شخص عمدہ عمدہ اونٹنیاں لیکر نکلتا ہے

نہ ہوتا تو میں ان کی نعش کو یونہی پڑا ہوا چھوڑ دیتا تا کہ ان کا حشر درندوں کے پیٹوں سے ہوتا کہ اس بیکسی پہ ان پر تو خدا تعالیٰ کی رحمتیں اور متوجہ ہوتیں اور ان کے دشمنوں پر نگاہِ خشم اور سخت ہو جاتی مگر کہیں ثابت نہیں ہوتا کہ کسی کے لئے بھی آپ نے ایک چادر کے ٹکڑے کی بھی تمنا کی ہو جو اس کی قبر پر ڈالی جائے بلکہ کفن میں بھی یہی تاکید فرمائی کہ زیادہ قیمتی نہ ہو پھر جب براہ راست میت کے لباس کا قیمتی ہونا پسند نہ ہوا تو اس کی قبر پر بیش بہا چادروں کا خود ہی اندازہ کر لو۔

(۶۹۴) معلوم نہیں کہ جب سعید بن ابی ہند کی نظر میں ان اقفاص (کجاووں) کا نام بیوت شیطان تھا تو وہ ان قبور کو کیا کہتے جو ان اقفاص سے کہیں بیش بہا ریشمیں چادروں سے مزین ہوتی ہیں پھر یہاں تو بے جا زینت اور مالی اسراف کے سوا

بُيُوْتُ الشَّيَاطِيْنِ فَلَمْ أَرَهَا كَانَ سَعِيْدٌ يَقُوْلُ لَا أُرَاهَا إِلَّا هٰذِهِ الْأَقْفَاصَ الَّتِيْ يَسْتُرُ النَّاسُ بِالدِّيْبَاجِ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۶۹۵) عَنْ أَبِي الْهَيَّاجِ الْأَسَدِيِّ قَالَ قَالَ لِيْ عَلِيٌّ أَلَا أَبْعَثُكَ عَلٰى مَا بَعَثَنِيْ عَلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ لَا تَدَعَ تِمْثَالًا إِلَّا طَمَسْتَهٗ وَلَا قَبْرًا مُشْرِفًا إِلَّا سَوَّيْتَهٗ (رواہ مسلم)

(۶۹۶) عَنْ أَبِيْ مَرْثَدٍ الْغَنَوِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَجْلِسُوْا عَلَى الْقُبُوْرِ وَلَا تُصَلُّوْا إِلَيْهَا۔ (رواہ مسلم)

---

جن کو اس نے خوب فربہ کر رکھا ہے اور ان میں سے کسی ایک پر بھی سوار ہونے کی نوبت نہیں آتی اور اپنے ایک ایسے خستہ حال بھائی کے پاس سے گذرتا ہے جس کی سواری ہلاک ہو چکی ہے اور اس غریب کو سواری کیلئے نہیں دیتا سو گئے شیاطین کے مکانات وہ میں نے نہیں دیکھے۔ سعید (راوی حدیث) کہتے تھے میرے خیال میں ہوں نہ ہوں وہ یہی پنجرے سے کجاوہ ہیں جن کو لوگ ریشم ڈال کر مزین کرتے ہیں۔ (ابوداؤد)

(۶۹۵) ابوالہیاج اسدی بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت علیؓ نے فرمایا کیا میں تم کو بھی اسی خدمت پر مامور نہ کروں جس پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے مامور فرمایا تھا وہ یہ تھی کہ جس تصویر کو دیکھو اسے مٹا ڈالنا اور جس قبر کو اونچا دیکھو اسے نیچا کر دینا۔ (مسلم)

(۶۹۶) ابومرثد غنوی روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (دیکھو) قبروں پر نہ تو بیٹھا کرو اور نہ ان کو سامنے کر کے نماز پڑھا کرو۔ (مسلم)

---

اور کوئی جرم بھی نہیں ہے مگر وہاں رسوم شرک سے بہت کچھ مشابہت پیدا ہو رہی ہے خوب سن لو اس کی جوابدہی ہرگز ان بزرگوں کے ذمہ نہیں ہو سکتی جنھوں نے اپنی ساری زندگی ایک ایک پل میں گذار دی ہو اس کا جواب ان کو دینا ہے جنھوں نے ان کی وفات کے بعد حدود شریعت کو توڑا ہے۔

(۶۹۶) قبروں کے معاملہ میں متوسط تعلیم یہ ہے جو مُردوں کی توہین اور ان کی حد سے متجاوز تعظیم دونوں سے خالی ہے انسان ایک شرف نوع ہے توحید کا تقاضا نہ تو یہ ہے کہ اس کی قبر کی بلا وجہ توہین کی جانے اور نہ اس میں اتنا تحمل قابل تحمل ہے کہ بتوں کی طرح اس کو سامنے رکھکر اس کی طرف نمازیں ادا کی جائیں۔ افسوس کہ دنیا اس متوسط تعلیم کو بھی قائم نہ رکھ سکی یا تو اس نے قبروں کو کھود کر پھینک ڈالنا اقتضاء توحید سمجھا یا پھر اس کی طرف منہ کر کے نمازیں پڑھنا بھی خلاف توحید نہ جانا بلکہ قبروں کو سجدہ کرنا اور ان پر جا جا کر چراغ جلانا فرض و واجب کے درجہ پر سمجھ لیا۔ اسلام یہ کہتا ہے کہ جس کی قبر میں عمل کی روشنی نہ ہو اس کی قبر پر چراغ کی روشنی کر دینے سے کیا حاصل ہو۔ رہا پہلی حدیث میں قبروں کے نیچا کرنے کا مطلب۔ تو اگر ان کو مسمار کر دینا دین کی سنت ہوتی تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو صحابہ کرامؓ بھی زمین سے ایک بالشت اونچا کیوں رکھتا۔ ابوداؤد کی روایت میں قاسم بن محمد اپنا مشاہدہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے بچشم خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قبر مبارک کو جا کر دیکھا تو وہ بالکل زمین کے برابر نہ تھی۔ افراط و تفریط کے دونوں راستے غلط ہیں۔ پھر قبروں کے متعلق جو احکام بیان کئے گئے ہیں ان کی ادائیگی کی صورت کیا رہتی۔

## الصلوٰة حين يعبد الكفار تشبه بمن يعبد غير الله

(٦٩٧) عَنْ عَبْدِ اللهِ الصُّنَابِحِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الشَّمْسَ تَطْلُعُ وَمَعَهَا قَرْنُ الشَّيْطَانِ فَاِذَا ارْتَفَعَتْ فَارَقَهَا ثُمَّ اِذَا اسْتَوَتْ قَارَنَهَا فَاِذَا زَالَتْ فَارَقَهَا فَاِذَا دَنَتْ لِلْغُرُوْبِ قَارَنَهَا فَاِذَا غَرَبَتْ فَارَقَهَا وَنَهٰى رَسُوْلُ اللهِ صلى الله عليه وسلم

## کفار کی عبادتوں کے اوقات میں نماز پڑھنی غیر اللہ کی عبادت کے مشابہ ہے

(٦٩٧) عبداللہ صنابحی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب آفتاب نکلتا ہے تو اس وقت اس کے ساتھ شیطان ہوجاتا ہے پھر جب آفتاب بلند ہوجاتا ہے تو وہ اس سے علیحدہ ہوجاتا ہے۔ جب آفتاب ٹھیک درمیان میں آجاتا ہے تو پھر وہ اس کے ساتھ ہوجاتا ہے اور جب ڈھل جاتا ہے تو پھر اس سے علیحدہ ہوجاتا ہے۔ جب غروب ہونے لگتا ہے تو پھر وہ آجاتا ہے اور جب آفتاب غروب ہوجاتا ہے

(٦٩٧) لغت میں قرن کے متعدد معانی مذکور ہیں۔ امام ابن قتیبہؒ اپنی کتاب تاویل مختلف الحدیث میں لکھتے ہیں کہ یہاں اس کے معنی جانبین رأس کے ہیں اسی محاورہ کے مطابق وہ حدیث ہے جو مشرق کی مذمت کے بارے میں آئی ہے "من ھھنا یطلع قرن الشیطان" یعنی اس سمت سے شیطان کا سر ظاہر ہوگا۔ (یعنی اس کے فتنہ کا آغاز ہوگا) یہاں بھی قرن کے معنی سینگ کے نہیں بلکہ جانب رأس ہی کے ہیں اور اس حدیث کا خلاصہ یہ ہے کہ شریعت نے ہم کو اس حقیقت کی اطلاع دی ہے کہ آفتاب کے طلوع و غروب کے وقت چونکہ کفار اس کو سجدہ کرتے ہیں اس لئے شیطان اس کے ساتھ اس طرح رہتا ہے کہ آفتاب اس کے سر کے اوپر سے گذرتا ہے اس لئے شریعت ہم کو یہ حکم دیتی ہے کہ ہم ان اوقات میں نماز نہ پڑھا کریں کیونکہ ان اوقات میں کفار آفتاب اور شیطان کی عبادت کرتے ہیں۔ یہ تمام حقیقت ایک غیبی حقیقت ہے اگر عقل کے نزدیک اس میں کوئی امر قابل انکار ہوتا تو ہم اس کی تاویل کرلیتے۔ لیکن جب عقلاً ممکن ہے اور شریعت ہمیں اس کی اطلاع دیتی ہے تو جہاں اس کے اعتماد پر اور غیبی حقائق تسلیم کی گئی ہیں یہ حقیقت بھی تسلیم کرلینی چاہئے۔ (ص ۱۵۵ و ۱۵۶)

جس گرجا میں تصویریں ہوں اس میں نمازیں پڑھنے کی ممانعت کے ذیل میں حافظ ابن تیمیہؒ لکھتے ہیں: فالمصلی فیھا مشابہ لمن یعبد غیر اللہ وان کانت نیتہ الصلوٰة کما ان المصلی عند طلوع الشمس وعند غروبھا لما فیہ من یعبد غیر اللہ نھی عن ذلک سد اللذریعہ۔ (کتاب الرد علی البکری ص ۳۰۰) جو شخص باتصویر گرجا میں نماز پڑھتا ہے وہ اس شخص کے مشابہ ہوجاتا ہے جو غیر اللہ کی عبادت کرتا ہے اگرچہ اس کی نیت نماز ہی کی کیوں نہ ہو اسی طرح وہ شخص بھی جو آفتاب کے طلوع اور غروب کے وقت نماز پڑھتا ہے وہ بھی غیر اللہ کی عبادت کرنے والوں کے مشابہ بن جاتا ہے اس لئے سد ذریعہ کے لئے ان اوقات میں بھی شریعت نے نماز ادا کرنے کی ممانعت فرمادی ہے۔

حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ جو قوم بھی کسی غیر اللہ کی عبادت کرتی ہے درحقیقت وہ شیطان ہی کی عبادت کرتی ہے چنانچہ مشرکین میں ایک جماعت فرشتوں کی عبادت کی قائل تھی وہ بزعم خود یہی سمجھتی تھی کہ وہ فرشتوں کی عبادت کررہی ہے مگر درحقیقت

عَنِ الصَّلٰوۃِ فِیْ تِلْکَ السَّاعَاتِ۔ (رواہ مالک واحمد والنسائی)

(٦٩٨) عَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَۃَ قَالَ قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَدِیْنَۃَ فَدَخَلْتُ عَلَیْہِ فَقُلْتُ اَخْبِرْنِیْ عَنِ الصَّلٰوۃِ فَقَالَ صَلِّ صَلٰوۃَ الصُّبْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوۃِ حِیْنَ تَطْلُعُ الشَّمْسُ حَتّٰی تَرْتَفِعَ فَاِنَّھَا تَطْلُعُ حِیْنَ تَطْلُعُ بَیْنَ قَرْنَیِ الشَّیْطَانِ وَحِیْنَئِذٍ یَسْجُدُ لَھَا الْکُفَّارُ ثُمَّ صَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوۃَ مَشْھُوْدَۃٌ مَحْضُوْرَۃٌ حَتّٰی یَسْتَقِلَّ الظِّلُّ بِالرُّمْحِ ثُمَّ اَقْصِرْ

تو پھر اس سے علیحدہ ہو جاتا ہے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان اوقات میں نماز سے روک دیا ہے۔ (مالک۔ احمد۔ نسائی)

(٦٩٨) عمرو بن عبسہ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ منورہ تشریف لائے تو میں آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور میں نے عرض کیا مجھے نماز کے اوقات تعلیم فرمایئے آپ نے فرمایا صبح کی نماز پڑھ لو جب اس سے فارغ ہو جاؤ تو جب تک آفتاب طلوع ہو رہا ہو کوئی نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ وہ اونچا نہ ہو جائے کیونکہ جب وہ نکلتا ہے تو شیطان کی سر کی دو جانبوں کے درمیان نکلتا ہے اور اسی وقت کافر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر نماز پڑھ سکتے ہو اس وقت تک کہ نیزہ کا سایہ نیزہ سے آ لگے کیونکہ اس

ان کی جلوت شیطان کے لئے بن جاتی تھی جیسا کہ قرآن کریم میں ہے وَیَوْمَ یَحْشُرُھُمْ جَمِیْعًا ثُمَّ یَقُوْلُ لِلْمَلٰٓئِکَۃِ اَھٰٓؤُلَآءِ اِیَّاکُمْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ قَالُوْا سُبْحٰنَکَ اَنْتَ وَلِیُّنَا مِنْ دُوْنِھِمْ بَلْ کَانُوْا یَعْبُدُوْنَ الْجِنَّ اَکْثَرُھُمْ بِھِمْ مُّؤْمِنُوْنَ حق تعالیٰ جس دن ان سب کو جمع کرے گا تو فرشتوں کو کہے گا کہ یہ لوگ تمہاری عبادت کرتے تھے وہ جواب دیں گے تیری ذات پاک ہے تو ہمارا ولی ہے۔ یہ نہیں بلکہ یہ لوگ حقیقت میں شیطانوں کی پرستش کرتے تھے اور ان میں اکثر ان ہی کے معتقد تھے۔

کواکب پرست بھی اسی فریب میں مبتلا ہیں کہ وہ ان کواکب کی روحانیت کی عبادت کر رہے ہیں اور ان کے عجز و نیاز کا شایان ہی سامنے جھک رہا ہے لیکن حقیقت یہی ہے کہ یہاں بھی ان کا معبود در حقیقت شیطان ہی ہوتا ہے اسی لئے جب ان کی عبادت کا وقت آتا ہے تو شیطان آفتاب کے ساتھ ہو لیتا ہے تاکہ وہ آفتاب کو مبدأ سمجھ کر سجدہ کریں اور در حقیقت ان کا یہ سجدہ اس کے لئے ہو جائے۔ خلاصہ یہ ہے کہ ایک اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا جو کوئی بھی دوسرا معبود بنایا گیا ہے در حقیقت وہ شیطان ہی ہوا ہے۔ اسی لئے فرمایا اَلَمْ اَعْھَدْ اِلَیْکُمْ یٰبَنِیْٓ اٰدَمَ اَنْ لَّا تَعْبُدُوا الشَّیْطٰنَ اِنَّہٗ لَکُمْ عَدُوٌّ مُّبِیْنٌ اے اولادِ آدم کیا ہم نے تم کو تاکید نہیں کر دی تھی کہ شیطان کی عبادت نہ کرنا وہ تمہارا کھلا دشمن ہے۔

اس بیان سے یہ بھی ظاہر ہو گیا کہ شرک کے جملہ انواع و اصناف میں چونکہ خدا تعالیٰ کا شریک اس کو ٹھیرایا جاتا ہے جو اس کی مخلوق میں سب سے ارذل اور سب سے بدتر ہے اس لئے شرک کا گناہ بھی سب سے بدتر گناہ ہے۔ (الجواب الکافی ص١٩٢)

(٦٩٨) واضح رہنا چاہئے کہ یہاں کفار کی عبادت اور قرن شیطانی کے مجموعہ نے ایک حقیقت شرکیہ پیدا کر دی ہے اس لئے ان حدیثوں میں اسی حقیقت کے پیش نظر ہم کو عبادت سے روک گیا ہے اور اسی لئے ان اوقات کے سوا جن میں کہ کفار اس کی عبادت نہیں کرتے شیطان بھی ہمارے قبلہ کی جانب آ کر کھڑا نہیں ہوتا۔ اس کا راز یہ ہے کہ جس طرح خاص خاص اوقات باری تعالیٰ کی رحمت کے لئے مقرر ہیں ان میں اس کی رحمت سارے دنیا پر ظاہر ہوتی ہے

عَنِ الصَّلٰوةِ فَاِنَّ حِيْنَئِذٍ تُسْجَرُ جَهَنَّمُ فَاِذَا اَقْبَلَ الْفَيْءُ فَصَلِّ فَاِنَّ الصَّلٰوةَ مَشْهُوْدَةٌ مَحْضُوْرَةٌ حَتّٰى تُصَلِّيَ الْعَصْرَ ثُمَّ اَقْصِرْ عَنِ الصَّلٰوةِ حَتّٰى تَغْرُبَ الشَّمْسُ فَاِنَّهَا تَغْرُبُ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ وَحِيْنَئِذٍ يَسْجُدُ لَهَا الْكُفَّارُ قُلْتُ يَا نَبِيَّ اللّٰهِ فَالْوُضُوْءُ حَدِّثْنِيْ عَنْهُ قَالَ مَا مِنْكُمْ رَجُلٌ يُقَرِّبُ وَضُوْءَهٗ وَيَسْتَنْشِقُ فَيَسْتَنْثِرُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهٖ وَفِيْهِ وَخَيَاشِيْمِهٖ ثُمَّ اِذَا غَسَلَ وَجْهَهٗ كَمَا اَمَرَهُ اللّٰهُ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا وَجْهِهٖ مِنْ اَطْرَافِ لِحْيَتِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ يَدَيْهِ اِلَى الْمِرْفَقَيْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا يَدَيْهِ مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَمْسَحُ رَأْسَهٗ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رَأْسِهٖ مِنْ اَطْرَافِ شَعْرِهٖ مَعَ الْمَاءِ ثُمَّ يَغْسِلُ قَدَمَيْهِ اِلَى الْكَعْبَيْنِ اِلَّا خَرَّتْ خَطَايَا رِجْلَيْهِ مِنْ اَنَامِلِهٖ مَعَ الْمَاءِ فَاِنْ هُوَ

نماز میں خدائے تعالیٰ کے فرشتے آتے اور شریک ہوتے ہیں اس کے بعد نماز نہ پڑھو کیونکہ اس وقت دوزخ دہکائی جاتی ہے جب سایہ ڈھل جائے تو پھر نماز پڑھ سکتے ہو یہاں تک کہ عصر کی نماز سے فارغ ہو جاؤ کیونکہ اس نماز میں فرشتے آتے اور شریک ہوتے ہیں پھر جب تک آفتاب غروب نہ ہو جائے نماز نہ پڑھو یہاں تک کہ آفتاب غروب نہ ہولے کیونکہ جب وہ غروب ہوتا ہے تو شیطان کے سر کی دو جانبوں کے درمیان غروب ہوتا ہے اور اسی وقت کافر اس کی عبادت کرتے ہیں۔ پھر میں نے عرض کیا یا نبی اللہ اچھا وضو کے ثواب کے متعلق کچھ ارشاد فرمایئے۔ فرمایا تم میں جو شخص بھی اپنے وضو کے لئے پانی لے کر وضو کرتا اور ناک میں پانی ڈال کر ناک صاف کرتا ہے تو اس کے منہ اور اس کے نتھنوں کی ساری کوتاہیاں نکل کر گر جاتی ہیں پھر جب اس کے بعد شریعت کے حکم کے موافق مُنہ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ ساتھ اس کے چہرہ کی کوتاہیاں بھی اس کی ڈاڑھی کے کناروں سے ٹپک جاتی ہیں اس کے بعد جب وہ کہنیوں تک اپنے دونوں ہاتھ دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کی انگلیوں کے پوروں سے اس کے ہاتھوں کی کوتاہیاں بھی نکل جاتی ہیں پھر جب سر کا مسح کرتا ہے تو سر کی کوتاہیاں بھی پانی کے ساتھ اس کے بالوں کے کناروں سے نکل جاتی ہیں پھر جب وہ اپنے دونوں پیر ٹخنوں تک دھوتا ہے تو پانی کے ساتھ اس کے پیروں کی

دوزخ کے دروازے بند کر دیئے جاتے ہیں۔ بندوں کے اعمال آسمانوں پر اٹھائے جاتے ہیں اور فرشتوں کا نزول ہوتا ہے اسی طرح طاغوتی مظاہر کے بھی کچھ مخصوص اوقات مقرر ہیں شریعت نے اوقاتِ رحمت کی اطلاع دے کر ان میں عبادات کی ترغیب دی ہے اور اوقاتِ شیطان میں نمازوں سے روک دیا ہے اس کے برخلاف مشرکیہ مذاہب میں ٹھیک ان ہی اوقات کی ترغیب دی گئی ہے جن میں شیاطینی طاقتوں کا ہجوم ہوتا ہے اس روحانی اعانت و مدد کی وجہ سے دونوں جگہ ہر دو قسم کے عبادت گذار اپنی اپنی عبادتوں میں خوب لطف حاصل ہوتا رہتا ہے اور اپنے اپنے مذاق کے موافق جدا جدا دونوں اسے آثارِ قبولیت سمجھے رہتے ہیں۔

قَامَ فَصَلّٰی فَحَمِدَ اللهَ وَاَثْنٰی عَلَیْهِ وَمَجَّدَهٗ بِالَّذِیْ هُوَ لَهٗ اَهْلٌ وَفَرَّغَ قَلْبَهٗ لِلّٰهِ اِلَّا انْصَرَفَ مِنْ خَطِیْئَاتِهٖ کَهَیْئَتِهٖ یَوْمَ وَلَدَتْهُ اُمُّهٗ۔ (رواہ مسلم)

## النهی عن الصلوٰة الی السترة

(۶۹۹) عَنِ الْمِقْدَادِ بْنِ الْاَسْوَدِ قَالَ مَا رَاَیْتُ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّی اللهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ اِلٰی عُوْدٍ اَوْ عَمُوْدٍ وَلَا شَجَرَةٍ اِلَّا جَعَلَهٗ عَلٰی حَاجِبِهِ الْاَیْمَنِ اَوِ الْاَیْسَرِ وَلَا یَصْمُدُ لَهٗ صَمْدًا۔ (رواہ ابوداؤد)

کوتاہیاں اس کے پیر کی انگلیوں کے پوروں سے نکل جاتی ہیں اب اگر کہیں وہ کھڑا ہوگیا اور نماز بھی پڑھ لی اور سبحانک اللھم پڑھ کر خدا کی حمد و ثنا کی، ایسی حمد و ثنا جس کا وہ مستحق ہے اور اپنا دل اللہ کے واسطے خالی کرلیا تو جب وہ نماز سے فارغ ہوگا تو گناہوں سے ایسا پاک، صاف ہوگا جیسا اپنی ماں سے پیدائش کے دن پاک صاف تھا۔ (مسلم)

## نماز کی حالت میں سترہ ٹھیک سامنے رکھنے کی ممانعت

(۶۹۹) مقداد بن اسودؓ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو جب کسی لکڑی یا ستون یا درخت کی طرف نماز پڑھتے دیکھا تو ہمیشہ یہی دیکھا کہ آپ اس کو اپنے دائیں یا بائیں جانب کرلیا کرتے تھے اور اس کو ٹھیک اپنے سامنے نہ رکھتے۔ (ابوداؤد)

بت کا پجاری گھنٹی بجا بجا کر اس کی آواز میں مست ہے اور ایک معبودِ حقیقی کا عبادت گذار، مؤذن کی صدائے اللہ اکبر میں سرشار ہے۔ انبیاء علیہم السلام تشریف لا کر اس التباس کو دور کردیتے ہیں اور توحیدِ حقیقی کا ایسا نشہ پلا دیتے ہیں کہ پھر سوائے احد احد کے ہندل میں کسی کی سمائی رہتی ہے نہ زبان پر کسی کی گنجائش۔ اکثر مقامات پر شریعت نے صرف امر و نہی پر کفایت کی ہے لیکن انسانی معرفت اور اس کی علمی ترقی کے لئے جہاں کسی باطنی علت پر تنبیہ فرمائی ہے وہاں ہی نادان انسان اور الجھ گیا ہے۔ اب سوچو کہ اگر تمہارے خیال کے موافق شریعت ہر جگہ اسباب و علل کو واضح کرجاتی تو تمہاری ضدی طبیعت اعتماد و تسلیم کے بجائے جنگ و جدل کے کتنے راستے تلاش کرلیتی۔

(۶۹۹) کسی چیز کو سترہ بنا کر سامنے رکھ لینا بھی شرعی مصلحت کی بنا پر ضروری تھا مگر اس سے پہلے یہ ضروری تھا کہ غیر اللہ کے لئے سجدہ کرنے کی عادی قوم اسلام میں پھر اس نقشہ کو کہیں نہ دیکھنے پائے اس لئے اس مصلحت کے قائم رکھنے اور اس مفسدہ سے بچنے کے لئے یہ صورت تجویز کی گئی کہ سترہ تو رہے مگر اس کو دائیں بائیں کرلیا جائے تاکہ جس جگہ معبودِ حقیقی کے لئے سجدہ ادا کیا جارہا ہے وہاں اسی کا تصور ہو اور کوئی نہ ہو۔

## النهي عن عتق بعض العبد لئلا يكون فيه شريكا لله عز وجل

(۷۰۰) عَنْ أَبِي الْمَلِيحِ عَنْ أَبِيهِ أَنَّ رَجُلًا أَعْتَقَ شِقْصًا مِنْ غُلَامٍ فَذَكَرَ ذَالِكَ لِلنَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَيْسَ لِلّٰهِ شَرِيكٌ فَأَجَازَ عِتْقَهُ۔ (رواه ابوداؤد)

## ترك الصلوة من غير عذر كفر

(۷۰۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم بَيْنَ الْعَبْدِ وَبَيْنَ الْكُفْرِ تَرْكُ الصَّلٰوةِ (رواه مسلم)

## ناتمام غلام آزاد کرنے کی ممانعت کیونکہ اس میں غلام کی مالکیت میں اللہ تعالیٰ کیساتھ شرکت کا شبہ پڑتا ہے

(۷۰۰) ابوالملیح اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے غلام کا ایک حصہ آزاد کیا اور اس کا تذکرہ آپ کی خدمت میں کیا آپ نے فرمایا اللہ کا شریک کوئی نہیں یہ کہہ کر اس کے پورے غلام کی آزادی کا حکم دیدیا۔ (ابوداؤد)

## کسی عذر کے بغیر نماز قضا کر دینا کفر ہے

(۷۰۱) جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بندہ اور کفر کے درمیان واسطہ صرف نماز چھوڑ بیٹھنا ہے۔ (یعنی ادہر نماز چھوڑی، ادہر کفر کی سرحد میں داخل ہوا) (مسلم)

(۷۰۰) توحید کی منزل جتنی قطع ہوتی جاتی ہے۔ شامۂ مسلم کفر و شرک کی بدبو سونگھنے میں اتنا ہی نیلو نازک ہوتا چلا جاتا ہے یہاں تک حتی کہ اس کی طبعی نفرت کا عالم یہ ہوجاتا ہے کہ کسی امر سے نفرت پھیلانے کے لئے اس کے سامنے شرک کا نام آجانا ہی کافی ہوتا ہے اس مرحلہ پر پہنچکر اس کے حق میں کسی امر کی نفرت یا رغبت دلانے کا سب سے زیادہ موثر طریقہ یہ ہوتا ہے کہ اس کو یہ بتا دیا جائے کہ فلاں بات میں شرک کی بو ہے اور فلاں میں نہیں۔ دیکھئے یہاں حدیث مذکور میں بھلا شرک کی کیا بات تھی لیکن شریعت کو منظور یہ تھا کہ اس کے ہاتھوں سے اس کا بقیہ مملوک غلام بھی آزاد کرا دیا جائے مگر اس طرح آزاد کرایا جائے کہ اس کی طبیعت پر ذرا میل نہ آنے پائے بلکہ وہ خود ہی اس کے آزاد کرنے کیلئے مضطر ہوجائے اس لئے جو تعبیر اس کے سامنے اختیار کی گئی وہ یہ تھی کہ تیرے اس عمل خیر میں بڑا عیب یہ ہے کہ اب اس کی ملکیت میں تو اور خدا دونوں شریک بن گئے۔ آدھا تیرا اور آدھا اس کا۔ کیا تیری غیرت توحید اپنے لئے یہ شرکت برداشت کریگی کہ اس تعبیر کا لطف آپ اس وقت تک ہرگز نہیں اٹھا سکتے جب تک آپ کی نظر میں منظوراتِ شرعیہ مکروہاتِ طبعیہ کی جگہ نہ آجائیں۔

ذوق ایں بادہ نہ دانی بخدا تا نہ چشی

(۷۰۲) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ اَوْصَانِي خَلِيْلِي اَنْ لَا تُشْرِكْ بِاللّٰهِ شَيْئًا وَاِنْ قُطِّعْتَ وَحُرِّقْتَ وَلَا تَتْرُكْ صَلٰوةً مَكْتُوْبَةً مُتَعَمِّدًا فَمَنْ تَرَكَهَا مُتَعَمِّدًا فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَلَا تَشْرَبِ الْخَمْرَ فَاِنَّهَا مِفْتَاحُ كُلِّ شَرٍّ۔ (رواہ ابن ماجۃ)

(۷۰۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ شَقِيْقٍ قَالَ كَانَ اَصْحَابُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَرَوْنَ شَيْئًا مِنَ الْاَعْمَالِ تَرْكُهُ كُفْرٌ غَيْرَ الصَّلٰوةِ۔ (رواہ الترمذی)

(۷۰۴) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَهْدُ الَّذِيْ بَيْنَنَا وَبَيْنَهُمُ الصَّلٰوةُ فَمَنْ تَرَكَهَا فَقَدْ كَفَرَ۔ (رواہ احمد والترمذی۔ والنسائی وابن ماجۃ)

---

(۷۰۲) ابوالدرداءؓ فرماتے ہیں کہ دنیا میں سب سے زیادہ محبوب ہستی نے مجھے یہ وصیت فرمائی ہے کہ دیکھ خدا تعالیٰ کا کسی کو شریک نہ ٹھہرانا اگرچہ تیری بوٹی بوٹی اڑادی جائے یا تجھے جلا کر خاک بھی کر دیا جائے اور کوئی فرض نماز جان بوجھ کر ترک نہ کرنا کیونکہ جو قصداً نماز قضا کرے اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اور (ایک بات یہ نہ بھولنا) کہ شراب ہرگز نہ پینا کیونکہ وہ تمام گناہوں کی کنجی ہے۔ (ابن ماجہ)

(۷۰۳) عبداللہ بن شقیق بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ بجز نماز کے کسی اور چیز کو ایسا نہیں سمجھتے تھے جس کا چھوڑ دینا کفر ہو۔ (ترمذی)

(۷۰۴) بریدہؓ کہتے ہیں کہ ہمارے اور ان کے درمیان جس چیز کی بنا پر عہد ہے وہ نماز ہے تو جس نے نماز چھوڑ دی اب (اس سے عہد باقی نہیں رہا) وہ کافر ہو گیا۔ (نسائی)

---

(۷۰۲) اس حدیث میں شرب خمر اور ترک صلوٰۃ کو ایک ہی جگہ ذکر کیا گیا ہے شراب تمام برائیوں کی کنجی ہے اور نماز تمام برائیوں پر قفل ہے۔ جس نے نماز پابندی کے ساتھ شروع کر دی اس نے گویا برائیوں کے دروازوں پر قفل ڈال دیا۔ آیتِ ذیل میں نماز کی اسی خصوصیت کی طرف اشارہ ہے ان الصلوٰۃ تنھٰی عن الفحشاء والمنکر۔ اس کے برخلاف شراب کی خاصیت ہے۔ اس بیان سے ان دونوں کے درمیان مناسبت بھی ظاہر ہو گئی۔

(۷۰۴) بعض علماء کا خیال ہے کہ یہاں ضمیر کا مرجع منافقین ہیں چونکہ یہ جماعت در اصل کافر تھی مگر مسلمانوں کے ساتھ نمازوں میں شریک بھی رہتی تھی اس لئے اس روشِ عمل کے بعد ان کو کھلا کافر کہنا آئینِ اسلام کے تحت نہ آسکتا تھا، جب ان سے یہ عمل چھوٹ جائے تو اب ان کے کافر کہنے میں کوئی امر مانع نہیں رہتا۔ عقیدہ کے لحاظ سے تو وہ پہلے بھی کافر تھے اب عمل کے لحاظ سے بھی کافر ہو گئے لہٰذا اب ان کے جان و مال کے احترام کا جو عہد تھا وہ ختم ہو جاتا ہے اور ان کے ساتھ وہی معاملہ ہوتا ہے جو ایک کافر کے ساتھ ہونا چاہیے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہدِ مبارک کا جو نقشہ ہے اس کے مطابق تو ان حدیثوں میں کوئی اشکال ہی نہیں اس میں دو ہی قسم کی جماعتیں نظر آتی ہیں یا نمازی مؤمن یا کافر۔ کافر کو تو نماز سے تعلق ہی کیا ہو سکتا ہے۔ (باقی حاشیہ بر صفحہ آئندہ)

## النهی عن اطراء النبی صلی اللہ علیہ وسلم کاطراء النصاری ابن مریم علیہ الصلوٰۃ والسلام

(۷۰۵) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا تُطْرُوْنِیْ کَمَا اَطْرَتِ النَّصَارٰی ابْنَ مَرْیَمَ فَاِنَّمَا اَنَا عَبْدُہٗ وَرَسُوْلُہٗ فَقُوْلُوْا عَبْدُ اللّٰہِ وَرَسُوْلُہٗ۔ (متفق علیہ)

(۷۰۶) عَنْ مُطَرِّفِ بْنِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ الشِّخِّیْرِ قَالَ انْطَلَقْتُ فِیْ وَفْدِ بَنِیْ عَامِرٍ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقُلْنَا اَنْتَ سَیِّدُنَا فَقَالَ السَّیِّدُ اللّٰہُ فَقُلْنَا وَاَفْضَلُنَا فَضْلًا وَاَعْظَمُنَا طَوْلًا فَقَالَ قُوْلُوْا قَوْلَکُمْ اَوْ بَعْضَ قَوْلِکُمْ وَلَا یَسْتَجْرِیَنَّکُمُ الشَّیْطَانُ۔ (رواہ احمد ابوداؤد)

(۷۰۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ یَا خَیْرَ الْبَرِیَّۃِ

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی شان مبارک میں ایسی مبالغہ آمیزیاں کرنے کی ممانعت جیسی نصارٰی نے حضرت عیسٰیؑ کی شان میں کیں

(۷۰۵) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میری اتنی زیادہ مبالغہ آمیز تعریفیں نہ کیا کرو جتنی نصارٰی نے ابن مریمؑ کی شان میں کیں، میں تو صرف اللہ تعالیٰ کا بندہ اور اس کا ایک رسول ہوں لہٰذا مجھ کو عبداللہ اور رسول اللہ کہا کرو۔ (متفق علیہ)

(۷۰۶) مطرف بن عبداللہ بن شخیر روایت کرتے ہیں کہ میں وفد بنی عامر کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو ہم نے آپ سے عرض کیا کہ آپ ہمارے سید و آقا ہیں آپ نے فرمایا در اصل سید و آقا تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے ہم نے عرض کیا اچھا تو سب میں افضل اور سب سے برتر کہیں اس پر آپ نے فرمایا ہاں یہ کلمہ کہہ سکتے ہو یا اس سے بھی کچھ اور مختصر اور دیکھو کہیں شیطان تمہیں زیادہ جری اور بہادر نہ بنادے۔ (مسند احمد۔ ابوداؤد)

(۷۰۷) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ ایک آدمی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور

(بقیہ حاشیہ از صفحہ گذشتہ) اس نقشے کے مطابق کافر کی سب سے کھلی ہوئی علامت ترک صلوٰۃ ہی تھی دورِ انقلاب و اختلاط نے اب درمیان میں ایک طبقہ ایسا پیدا کردیا ہے جو مومن ہونے کے ساتھ تارک صلوٰۃ بھی ہے اس نے ان حدیثوں میں اشکال پیدا کردیا اور اتنا اشکال پیدا کردیا۔ کہ بعض علماء کے نزدیک صلوٰۃ اسلام کا ایک ایسا لازمی جزء بن گیا ہے کہ اس کے ترک سے کفر کا اطلاق کسی تاویل کے بغیر بھی جائز سمجھا گیا ہے اگرچہ اکثر کا رجحان اس کی تاویل ہی کی طرف ہے۔ بہرحال نماز کو شریعت میں اتنی اہمیت حاصل ہے جتنی کسی دوسرے عمل کو نہیں کفر کی تاویل و عدم تاویل کی بحث سے علیحدہ ہو کر مومن کا یہ تو بہرحال فرض ہونا چاہئے۔ کہ وہ ایسے عمل سے دور رہے جس پر حدیثوں میں کفر کا اطلاق آچکا ہو۔

فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ذَاکَ اِبْرَاھِیْمُ۔ (رواہ مسلم)

(۷۰۸) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ تَلَقّٰی عِیْسٰی حُجَّتَہٗ وَلَقَّاہُ اللّٰہُ فِیْ قَوْلِہٖ یَا عِیْسَی ابْنَ مَرْیَمَ ءَاَنْتَ قُلْتَ لِلنَّاسِ اتَّخِذُوْنِیْ وَاُمِّیَ اِلٰھَیْنِ مِنْ دُوْنِ اللّٰہِ قَالَ عَنِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَلَقَّاہُ سُبْحَانَکَ مَا یَکُوْنُ لِیْ اَنْ اَقُوْلَ مَا لَیْسَ لِیْ بِحَقٍّ الآیہ۔ (رواہ الترمذی)

اس نے آپ کو یوں خطاب کیا، اے مخلوق میں سب سے بہتر ہستی آپ نے (ازراہ کسر نفسی) فرمایا یہ کلمہ تو حضرت ابراہیم خلیل اللہ ہی کے شایانِ شان ہے۔ (مسلم)

(۷۰۸) ابوہریرۃ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بیان فرماتے ہیں کہ حضرت عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام سے جب محشر میں سوال ہوگا کہ اانت قلت الخ کیا لوگوں سے تم نے کہا تھا کہ خدا کو چھوڑ کر مجھے اور میری ماں کو معبود ٹھہرالو۔ تو اس کا جواب ان کو حق تعالٰی ہی کی جانب سے یہ تعلیم ہوگا کہ تیری ذات پاک ہے میری کیا مجال تھی کہ میں ایسی بات زبان سے نکال سکتا جس کا مجھے کوئی حق نہ تھا۔ (ترمذی شریف)

(۷۰۸) دیکھیے حضرت عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام کے ان عقیدتمندوں نے بات کہاں سے کہاں پہنچا دی آخر یوم حساب میں جب ان جاہلوں نے ادعاء الوہیت کی تہمت اس معصوم رسول کے سر رکھ ہی دی تو انصاف الٰہی کا تقاضا ہوا کہ مدعی علیہ سے کم از کم اس کی صفائی تو طلب کر ہی لی جائے پھر جواب دہی کا معاملہ دنیوی عدالتوں میں بھی کیا کٹھن ہو جاتا ہے یہ تو احکم الحاکمین کی بارگاہ تھی کس کے منہ میں زبان تھی کہ جواب دیتا۔ آخر جس نے حضرت آدم علیہ السلام کو کلمات توبہ کی تلقین فرمائی اور حضرت یونس علیہ السلام کو مچھلی کے شکم میں تسبیح کی تلقین فرمائی تھی۔ اسی نے آج حضرت عیسٰی علیہ الصلوۃ والسلام کی بھی راہنمائی فرمائی اور انہوں نے بڑے ادب و نیاز کے ساتھ سب سے پہلے خدائے تعالٰی کی تمام عیوب سے پاکی بیان فرماکر عرض کیا کہ ایسی بات میں بھلا کب منہ سے نکال سکتا تھا جس کا مجھے کوئی حق ہی نہیں پہنچتا۔ اس کے بعد اپنے جواب میں بڑی تفصیل فرمائی جو قرآن کریم میں مذکور ہے۔ اور اس میں اس عجیب انداز میں اپنی براءت کے ساتھ اپنی اس نااہل امت کی سفارش کی طرف بھی اشارہ فرمایا کہ یہ کلمات خاتم الانبیاء علیہم السلام کو ایسے پیارے معلوم ہوئے کہ ایک مرتبہ آپ نے ساری شب ان ہی کلمات کے تکرار میں گذار دی اور اتنا مبالغہ فرمایا کہ رکوع میں جاتے تو وہی کلمات زبان پر ہوتے اور جب سجدے میں جاتے تو بھی وہی زبان پر ہوتے۔

یہ معلوم رہے کہ محشر میں حق تعالٰی نے اپنے علم ازلی پر فیصلے صادر فرمانے کا وعدہ نہیں فرمایا بلکہ اس دن کے لئے نبوت اور جواب دہی کا آئین مقرر فرمایا ہے اور اپنا لقب احکم الحاکمین رکھا ہے۔ اس لئے اس دن رسولوں کو بھی جواب دہی کرنی ہوگی خواہ دنیا ان کو خدا کے برابر یا اس کی ابنیت کا کوئی لقب بھی دیا کرے (العیاذ باللہ)

(۷۰۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ بَنِيْ اٰدَمَ يَطْعَنُ الشَّيْطَانُ فِيْ جَنْبَيْهِ بِاِصْبَعَيْهِ حِيْنَ يُوْلَدُ غَيْرَ عِيْسَى بْنِ مَرْيَمَ ذَهَبَ يَطْعَنُ فَطَعَنَ فِي الْحِجَابِ۔ (متفق علیہ)

(۷۱۰) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اسْتَبَّ رَجُلٌ مِّنَ الْمُسْلِمِيْنَ وَرَجُلٌ مِّنَ الْيَهُوْدِ فَقَالَ الْمُسْلِمُ وَالَّذِيْ اصْطَفٰى مُحَمَّدًا عَلَى الْعَالَمِيْنَ فَقَالَ الْيَهُوْدِيُّ وَالَّذِيْ اصْطَفٰى مُوْسٰى

(۷۰۹) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا حضرت آدم علیہ الصلوٰۃ والسلام کی جتنی اولاد ہے پیدائش کے ساتھ ہر ایک کے پہلوؤں میں شیطان اپنی انگلیاں مارتا ہے بجز حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے کہ اس نے یہاں بھی اس کا ارادہ کیا تھا تو اس کے اور ان کے درمیان قدرت نے ایک حجاب ڈال دیا جس کی وجہ سے اس کی انگلیاں اس حجاب میں رہ گئیں اور ان کا اثر ان کی ذات تک نہ پہنچ سکا۔ (متفق علیہ)

(۷۱۰) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ ایک مسلمان اور ایک یہودی میں باہم کچھ تیز تیز باتیں ہوگئیں مسلمان نے کہا اس ذات کی قسم جس نے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو ساری مخلوق پر فضیلت بخشی اور یہودی بولا اس ذات کی قسم جس نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کو ساری مخلوق پر فضیلت بخشی۔ یہ سننا تھا کہ مسلمان نے

(۷۰۹) عام انسانوں کی پیدائش کے مقابلہ میں حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی اس خصوصیت کا اس لئے خاص طور پر ذکر کیا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ ان کے حق میں حسب ذیل دعا پوری ہوگئی اور اس طرح پوری ہوئی۔

اِنِّیْٓ اُعِیْذُھَا بِكَ وَذُرِّیَّتَھَا مِنَ الشَّیْطٰنِ الرَّجِیْمِ۔ — میں اس کو اور اس کی اولاد کو شیطان دھتکارے ہوئے سے تیری پناہ میں دیتی ہوں۔

خلاصہ یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام کے حق میں نہ تو کمال یہ ہے کہ سرے سے ان کی خصوصی امتیازات ہی کا انکار کر دیا جائے اور نہ یہ کہ جو کمال ان کی ذات کے لئے کوئی کمال نہ ہو اس کو محض اپنی خوش عقیدگی کی راہ سے زبردستی ان کے سر تھوپ دیا جائے۔ دیکھئے جن حدیثوں میں حضرت عیسیٰ علیہ السلام کی بندگی کا اقرار ایمان کی شرط اول قرار دیا گیا ہے ان ہی میں ان کے اس خاص کمال کا بھی برملا اظہار کیا گیا ہے انبیاء علیہم السلام کی شانوں میں ذرا سا مبالغہ اور ذرا سی گستاخی دونوں بڑی خطرناک غلطیاں ہیں یہ وہ پل صراط ہے جس کی دونوں ہی طرف آتش دوزخ ہے۔

(۷۱۰) انبیاء علیہم السلام کی صداقت کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ اس ساری جماعت میں اول سے لیکر آخر تک ایک فرد بھی ایسا نظر نہیں آتا جس کی تعلیم میں اصولاً کوئی ادنیٰ اختلاف ہو اور نہ ان میں کوئی ایسا ملتا ہے جو ایک دوسرے کے احترام کے خلاف ادنیٰ کلمہ بھی برداشت کر سکتا ہو۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ وہ سب ایک ہی صداقت کی کڑیاں ہیں ورنہ

عَلَى الْعَالَمِينَ فَرَفَعَ الْمُسْلِمُ يَدَهُ عِنْدَ ذَالِكَ فَلَطَمَ وَجْهَ الْيَهُودِيِّ فَذَهَبَ الْيَهُودِيُّ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ بِمَا كَانَ مِنْ أَمْرِهِ وَأَمْرِ الْمُسْلِمِ فَدَعَا النَّبِيُّ صلى الله عليه وسلم الْمُسْلِمَ فَسَأَلَهُ عَنْ ذَلِكَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُخَيِّرُونِي عَلَى مُوسَى فَإِنَّ النَّاسَ يُصْعَقُونَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ فَأَصْعَقُ مَعَهُمْ فَأَكُونُ أَوَّلَ مَنْ يُفِيقُ فَإِذَا مُوسَى بَاطِشٌ بِجَانِبِ الْعَرْشِ فَلَا أَدْرِي كَانَ فِيمَنْ صَعِقَ فَأَفَاقَ قَبْلِي أَوْ كَانَ فِيمَنِ اسْتَثْنَى اللهُ (متفق عليه)

فوراً ایک تھپڑ اٹھا کر اس کے منہ پر رسید کر دیا یہودی چلا اور اس نے آکر اپنا اور اس کا سارا قصہ آپ کی خدمت میں عرض کر دیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس مسلمان کو بلایا اور اس معاملہ کی تحقیق کی، اس نے جو بات تھی صاف کہدی۔ آپ نے سن کر فرمایا حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام پر تم مجھے اس طرح فضیلت مت دو کیونکہ قیامت میں ایک وقت آئے گا کہ تمام لوگ بیہوش ہو جائیں گے میں بھی ان میں ہونگا پھر سب سے پہلے ہوش مجھے آئے گا کیا دیکھوں گا کہ موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام عرش عظیم کا پایہ ہاتھ میں پکڑے ہوئے ہیں اب میں نہیں جانتا کہ وہ بیہوش ہوئے تھے، یا مجھ سے پہلے ہوشیار ہو چکے تھے، یا ان میں داخل تھے جن کو اللہ تعالیٰ نے اس بیہوشی سے مستثنیٰ قرار دیدیا تھا۔ (متفق علیہ)

جن کے مابین ہزاروں سال کی مدت حائل ہو۔ کیسے ممکن ہے کہ ان کے اصول میں سر مو بھی کوئی اختلاف نہ ہو سکے یا ان میں کا افضل سے افضل تعصب سے اتنا خالی ہو کہ اپنے کسی فرد کے متعلق کوئی ادنیٰ کلمہ سننا بھی برداشت نہ کر سکے۔ ان کے علاوہ آپ جس جماعت کو دیکھیں گے ان میں آپ کو یک رنگی نظر نہ آئیگی۔ حتیٰ کہ صوفیاء کرام کی جماعت جن کی پوری زندگی مجاہدہ وایثار کا مجسم مرقعہ ہوتی ہے ان کی تعلیمات میں بھی بڑا اختلاف نظر آتا ہے بلکہ تعلیم سے آگے چل کر ان کے مابین خود ان کی شخصیات کی مقبولیت اور نا مقبولیت کے بارے میں بھی بڑا اختلاف ظاہر ہوتا ہے۔ ان جماعتوں سے علیحدہ ہو کر یہی حال ان فلاسفروں کا ہے جو دنیوی علوم کی ریسرچ میں عمریں کھپا گئے ہیں۔ یہ ایک اور صرف ایک ہی جماعت ہے جس کا پہلا انسان اور آخری انسان نہ اپنی تعلیم میں کوئی اختلاف رکھتا ہے اور نہ اپنی جماعت میں کسی کے احترام کے خلاف کوئی ادنیٰ کلمہ برداشت کر سکتا ہے۔ دیکھئے خاتم الانبیاء علیہم السلام کو اس کلی فضیلت کے باوجود جو اللہ تعالیٰ نے آپ کو مرحمت فرمائی تھی یہ برداشت نہ ہو سکا کہ آپ کے ہوتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی فضیلت اس درجہ پامال کی جائے کہ ان کی شان میں کوئی مبالغہ کرنے والا اعتقاد رکھنے کا مستحق سمجھا جائے۔

بلاشبہ یہاں آپ نے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ایک بڑی فضیلت بیان فرمائی مگر فضیلت کلیہ تو اسی کیلئے لکھی جا چکی ہے جو عرش بریں پر یمین رحمان میں جلوہ افروز ہوگا۔ یہاں یہ امر بھی قابل غور ہے کہ ان سارے فضائل کے ہوتے ہوئے حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے اس واقعہ میں آپ کو اپنی لاعلمی کے اظہار کرنے میں ذرا تامل نہیں ہوا۔ کیونکہ آپ خوب جانتے تھے کہ جن علوم کا احاطہ خالق کے لئے کمال ہو۔ اگر وہ کسی افضل سے افضل مخلوق کے دامن میں نہ ہوں تو یہ اس کے لئے کسی ادنیٰ نقصان کا بھی موجب نہیں ہو سکتا۔

(۷۱۱) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَا عَائِشَۃُ لَوْ شِئْتُ لَسَارَتْ مَعِیَ جِبَالُ الذَّھَبِ جَاءَنِیْ مَلَکٌ وَاِنَّ حُجْزَتَہٗ لَتُسَاوِی الْکَعْبَۃَ فَقَالَ اِنَّ رَبَّکَ یَقْرَأُ عَلَیْکَ السَّلَامَ وَیَقُوْلُ اِنْ شِئْتَ نَبِیًّا عَبْدًا وَاِنْ شِئْتَ نَبِیًّا مَلِکًا فَنَظَرْتُ اِلٰی جِبْرَئِیْلَ عَلَیْہِ السَّلَامُ فَاَشَارَ اِلَیَّ اَنْ ضَعْ نَفْسَکَ وَفِیْ رِوَایَۃِ ابْنِ عَبَّاسٍ فَالْتَفَتَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلٰی جِبْرَئِیْلَ کَالْمُسْتَشِیْرِ لَہٗ فَاَشَارَ جِبْرَئِیْلُ بِیَدِہٖ اَنْ تَوَاضَعْ فَقُلْتُ نَبِیًّا عَبْدًا قَالَتْ فَکَانَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بَعْدَ ذٰلِکَ لَا یَاْکُلُ مُتَّکِئًا یَقُوْلُ اٰکُلُ کَمَا یَاْکُلُ الْعَبْدُ وَاَجْلِسُ کَمَا یَجْلِسُ الْعَبْدُ (رواہ فی شرح السنۃ)

(۷۱۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا یَنْبَغِیْ لِعَبْدٍ

---

(۷۱۱) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اے عائشہؓ اگر میں چاہتا تو سونے کے پہاڑ میرے ساتھ ساتھ چلا کرتے میرے پاس ایک فرشتہ آیا تھا اس کے تہ بند باندھنے کی جگہ کعبہ کی برابر بلند تھی، اس نے کہا آپ کا پروردگار آپ کو سلام فرماتا ہے اور کہتا ہے کیا پسند کرتے ہو نبوت کے ساتھ بندگی یا نبوت کے ساتھ بادشاہی رہے حضرت سلیمان علیہ السلام) میں نے حضرت جبرئیل علیہ السلام کی طرف دیکھا تو انھوں نے اشارہ کیا کہ تواضع اختیار کیجئے۔ ابن عباسؓ کی روایت میں یوں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جبرئیل علیہ السلام کی طرف اس طرح دیکھا جیسا کوئی مشورہ لینے والا دیکھا کرتا ہے انھوں نے اپنے ہاتھ کا اشارہ کرکے فرمایا کہ تواضع اختیار کیجئے۔ میں نے جواب میں عرض کردیا کہ میں نبوت کے ساتھ بندگی چاہتا ہوں اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کھانا کبھی سہارا لگا کر نہ کھاتے اور فرمایا کرتے تھے کہ میں اسی طرح کھاتا ہوں جیسے ایک بندہ کھایا کرتا ہے اور اسی طرح بیٹھتا ہوں جس طرح ایک بندہ بیٹھا کرتا ہے (شرح السنۃ)

(۷۱۲) ابوہریرۃؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کسی بندہ کے لئے یہ مناسب

---

(۷۱۲) حضرت یونس علیہ الصلوۃ والسلام کے بشری ضعف اور اس پر عتاب الٰہی کا ذکر خود قرآن کریم میں موجود ہے لیکن یہ بارگاہ نبوت کی شان کے مناسب خالق السموات والارضین کے مواخذہ کی باتیں ہیں۔ افضل الرسل نے اپنی امت کو یہ ادب سکھلایا کہ ان مواخذوں کو دیکھ کر کسی امتی کے لئے یہ مناسب نہیں کہ وہ اپنے ذہن میں ان کے متعلق کمتری کا کوئی ادنیٰ تصور بھی لا سکے۔ یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عقیدت میں اس کے والہانہ جذبات اس کو کسی تعصب کی طرف لے جائیں یہ اس لئے کہ انبیاء علیہم السلام کی جتنی جماعت بھی ہے اس میں افضل و مفضول تو ضرور ہیں مگر کمتر کوئی نہیں ہے اور ان میں باہم تعصب پیدا کرنے والے کے لئے بھی کوئی گنجائش نہیں۔ یہ سب ایک ہی صداقت کے مظہر مرتی ہیں۔ جن میں بڑا چھوٹا تو ضرور ہے مگر گھٹیا کوئی بھی نہیں۔ بس اس حدیث کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی افضلیت کے اجماعی عقیدے سے کوئی تعارض نہیں ہے۔ اس

اَنْ یَّقُوْلَ اِنِّیْ خَیْرٌ مِّنْ یُوْنُسَ بْنِ مَتّٰی۔ (متفق علیہ)

(۱۳ ۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النَّاسِ اَکْرَمُ قَالَ اَکْرَمُهُمْ عِنْدَ اللّٰهِ اَتْقَاهُمْ قَالُوْا لَیْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُكَ قَالَ فَاَکْرَمُ النَّاسِ یُوْسُفُ نَبِیُّ اللّٰهِ ابْنُ نَبِیِّ اللّٰهِ بْنِ نَبِیِّ اللّٰهِ بْنِ خَلِیْلِ اللّٰهِ قَالُوْا لَیْسَ عَنْ هٰذَا نَسْأَلُكَ قَالَ فَعَنْ مَعَادِنِ الْعَرَبِ تَسْأَلُوْنِیْ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ فَخِیَارُکُمْ فِی الْجَاهِلِیَّةِ خِیَارُکُمْ فِی الْاِسْلَامِ اِذَا فَقِهُوْا (متفق علیہ)

نہیں کہ وہ یہ کہے کہ میں یونس بن متی سے بہتر ہوں۔ (متفق علیہ)

(۱۳ ۷) ابوہریرہؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا لوگوں میں بزرگ تر ستی کس کی ہے۔ آپ نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بزرگ تر وہ ہے جو سب میں زیادہ متقی ہو۔ انھوں نے عرض کیا اس سوال سے ہمارا یہ منشا نہیں آپ نے فرمایا تو پھر بزرگ تر ستی حضرت یوسف علیہ السلام کی ہے جو خود نبی اور ان کی چار پشتیں نبی اور ان کی چوتھی پشت خلیل اللہ ہیں۔ انھوں نے عرض کیا ہم یہ بھی نہیں پوچھتے آپ نے فرمایا اچھا تو قبائل عرب کے متعلق پوچھتے ہو انھوں نے عرض کیا جی ہاں فرمایا جو تم میں کفر کے زمانہ میں بہتر تھا وہی اسلام میں بہتر ہے بشرطیکہ دین کی سمجھ حاصل کرے۔ (متفق علیہ)

قسم کی جتنی حدیثیں ہیں ان سب کا تعلق ایسی افضلیت اور تخییر سے ہے جس سے دوسری جانب میں کسی نقصان کا شبہ گذرنے کی گنجائش ہو سکتی ہے۔ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے قصے کے سیاق سے آپ کو اس خیال کی مزید تصدیق ہو گئی ہوگی۔ بہرحال نبی کا ذہن ہمیشہ افراط و تفریط سے خالی رہتا ہے وہ نہ کسی نبی کے متعلق اطار کا کوئی کلمہ سن سکتا ہے اور نہ اپنے نفس کے متعلق کوئی ادنیٰ مبالغہ آمیزی برداشت کر سکتا ہے اتنی احتیاطوں کے باوجود انصاف سے دیکھیے تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ امت کے بہت سے افراد ہیں جنھوں نے رسول کے صحیح مقام کو نہیں پہچانا یا ان کو خالق کی جانب میں اتنا بلند کیا کہ پھر دوئی کا تصور بھی ان کے نزدیک کلمۂ کفر بن گیا اور یا عوام بشر میں ان کو اتنا ملایا کہ مقام رسالت بھی معنی سے خالی ہو کر رہ گیا۔ واللہ یہدی الحق وہو یہدی السبیل۔

(۱۳ ۷) اس حدیث سے معلوم ہوا کہ بعض مرتبہ نبی کا ذہن خاص اپنے ماحول سے بھی اتنا لاعلم ہوتا ہے کہ اس کو اپنے مخاطب سے اس کے سوال کی بھی تشخیص کرانی پڑتی ہے۔ ہمیشہ اور ہر جزئی کا علم حاصل ہونا تو علیحدہ بات ہے یہاں یہ بات بھی خاص طور پر قابل لحاظ ہے کہ انسانی شرف کے متعلق نبی کا تخیل کتنا بلند ہوتا ہے کہ وہ صرف شخصی شرف کو شرف ہی نہیں گنتا اس کے نزدیک کسی انسان کی شرافت کا معیار اس کے کمالات اور اس کی ذاتی صفات ہوتی ہیں اور ان ہی کی بنا پر اس کی نظر میں انسانوں کی تقسیم ہوتی ہے۔ جب یہاں مخاطبین نے آپ پر اور زور دیا تب بھی ان کے جواب میں آپ نے اپنے نفس نفیس کو پیش نہیں کیا جو بلحاظ جملہ کمالات سب سے زیادہ جامع تھا بلکہ خدائے تعالیٰ کے ایک اور رسول کا ذکر فرمادیا جن میں انسان کے اور ظاہری کمالات کے سوا یہ خصوصیت بھی تھی (باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

(۱۴۷) عن عائشة ان رسول الله صلى الله عليه وسلم خرج من عندها ليلا قالت فغرت عليه فجاء فرأى ما اصنع فقال ما لك يا عائشة أغرت فقلت وما لي لا يغار مثلي على مثلك فقال رسول الله صلى الله عليه وسلم لقد جاءك شيطانك قالت يا رسول الله أمعي شيطان قال نعم قلت ومعك يا رسول الله قال نعم ولكن اعانني الله عليه

(۱۴۷) حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں کہ ایک شب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم میرے گھر سے کہیں تشریف لے گئے۔ مجھے آپ پر غیرت آئی (اور اس خیال میں پڑ گئی کہ آپ کہیں کسی دوسری بی بی کے یہاں تشریف نہ لے گئے ہوں) اتنے میں آپ تشریف لے آئے اور آپ نے میری پریشانی کا حال دیکھا تو فرمایا اے عائشہ! ایسی پریشان کیوں ہو کیا تم کو مجھ پر غیرت آگئی۔ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ مجھ جیسی بی بی آپ جیسے شوہر پر بھلا غیرت کیسے نہ کرتی آپ نے فرمایا تمہارے دل میں یہ وسوسہ شیطان نے ڈالا ہے جو تمہارے (اور ہر انسان کے ساتھ ایک ایک) رہتا ہے۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا میرے ساتھ کوئی شیطان ہے آپ نے فرمایا جی ہاں۔ پھر میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا آپ کے ساتھ بھی ہے؟ فرمایا میرے ساتھ بھی ہے مگر اللہ تعالیٰ

کہ اس کی چار پشتوں میں خدا کے مقدس رسول گذرے تھے اس پر بھی جب مخاطبین کا سوال حل نہ ہوا تو پھر آپ نے قبائل عرب کے متعلق جواب دیا مگر یہاں بھی اسی معیار کو سامنے رکھا جو انبیاء علیہم السلام کا معیار ہونا چاہئے یعنی وہی فقہ فی الدین اور تقویٰ اس کے بعد آپ نے ان کے فطری جذبات کو بھی پامال نہیں فرمایا اور انہیں مطمئن کیا کہ تمہارا قدیم شرف بھی ضرور ملحوظ ہے مگر وہ اسی شرط کے ساتھ ہے جبکہ شرافتوں کا اصلی مرکز باقی رہے۔ انصاف کیجئے کہ سارے انسانی کمالات و فضائل کے باوجود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس کتنا مقدس ہوگا جس کو تین مرتبہ میں اپنی بزرگی بیان کرنے کا ایک بار بھی خیال نہ آیا۔ ہاں خدائے تعالیٰ کی اس بخشی ہوئی نعمت کو تحدیث بالنعمۃ کے طریق پر ضرور ذکر فرمایا ہے مگر وہ بھی صرف بیان واقعہ کی حد تک اپنی مدح سرائی کی غرض سے نہیں۔ کیا اس مقدس رسول کی بزرگی اور صداقت جانچنے کے لئے اس کی یہی ایک صفت کافی نہیں ہے۔

(۱۴۷) اس حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ جس طرح اور انسانوں کی پیدائش کے ساتھ ساتھ خیر و شر کا جذبہ ابھارنے والی دو خارجی قوتیں پیدا کی جاتی ہیں اسی طرح انبیاء علیہم السلام بھی اس سے مستثنیٰ نہیں ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ انبیاء علیہم السلام عام انسانوں سے اپنی خلقت میں جدا نہیں ہوتے البتہ عصمت میں جدا ہوتے ہیں۔ خدائی مدد اس طرح ان کے شامل حال ہوتی ہے کہ گمراہی کی قوتیں ان پر کبھی غالب نہیں آسکتیں۔ دیکھئے انبیاء علیہم السلام میں سب سے مقدس ہستی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ہے مگر یہاں بھی بار بار شق صدر کا ثبوت ملتا ہے اور اس طرح شر کی طرف رجحان سے بعید سے بعید رکھنے اور خیر کی طرف میلان کی قریب سے قریب استعداد پیدا کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ آپ کی ذات ہمیشہ سے ربانی تربیت کے تحت رہی ہے۔ پس ان کا کمال یہ نہیں کہ وہ انسان نہیں ہوتے

حَتّٰی اَسْلَمَ۔ (رواہ مسلم)

(۷۱۵) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِاَسِیْرٍ فَلَھَوْتُ عَنْہُ مَعَ النِّسْوَۃِ فَذَھَبَ فَجَاءَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا فَعَلَ الْاَسِیْرُ قَالَ لَھَوْتُ عَنْہُ مَعَ النِّسْوَۃِ فَخَرَجَ فَقَالَ مَا لَكِ قَطَعَ اللّٰہُ یَدَكِ اَوْ یَدَیْكِ فَخَرَجَ فَاٰذَنَ بِہِ النَّاسَ فَطَلَبُوْہُ فَجِیْئَ بِہٖ قَالَتْ فَدَخَلَ عَلَیَّ وَاَنَا اُقَلِّبُ یَدِیْ فَقَالَ اَجُنِنْتِ قُلْتُ دَعَوْتَ وَاَنَا اُقَلِّبُ یَدِیْ اَنْظُرُ اَیُّھُمَا تُقْطَعَانِ فَحَمِدَ اللّٰہَ وَاَثْنٰی عَلَیْہِ ثُمَّ رَفَعَ یَدَیْہِ مَدًّا وَقَالَ اَللّٰھُمَّ اِنِّیْ بَشَرٌ اَغْضَبُ کَمَا یَغْضَبُ الْبَشَرُ فَاَیُّمَا مُؤْمِنٍ اَوْ مُؤْمِنَۃٍ

اس کے مقابلہ میں ہمیشہ میری مدد فرماتا ہے تو میں اس کے مکر و فریب سے ہمیشہ محفوظ رہتا ہوں (مسلم شریف)

(۷۱۵) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک قیدی لے کر میرے گھر تشریف لائے۔ میں عورتوں کے ساتھ بات چیت میں اس قیدی کی طرف سے ذرا غافل ہو گئی تو وہ چلدیا۔ آپ تشریف لائے تو آپ نے پوچھا وہ قیدی کدھر گیا۔ میں نے صاف عرض کر دیا کہ عورتوں کے ساتھ بات چیت میں مجھ سے غفلت ہو گئی اور وہ نکل بھاگا آپ نے فرمایا تم نے یہ غفلت کیوں کی، اللہ تعالیٰ تمہارے ہاتھوں کو قطع کرے۔ یہ کہہ کر آپ باہر تشریف لے گئے اور لوگوں کو اطلاع دی وہ تلاش کر کے اس کو پکڑ لائے۔ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں اس کے بعد آپ اندر تشریف لائے تو میں اپنے ہاتھوں کو لوٹ پلٹ رہی تھی۔ آپ نے فرمایا یہ کیا بے عقلی کی حرکت کر رہی ہو۔ میں نے عرض کیا جب سے کہ آپ کی

یہ اگر کمال ہوتا تو خدا کے وہ فرشتے جو خلیفہ کے وجود سے پہلے موجود تھے اس کمال کے لئے کافی تھے وہ شر سے اتنے بعید تھے کہ ان کے خمیر ہی میں شر کی کوئی استعداد موجود نہیں۔ لا یعصون اللہ ما امرہم و یفعلون ما یؤمرون۔

لیکن اگر وہ شر کی استعداد نہ رکھتے ہوئے شر کی طرف کوئی رجحان نہیں رکھتے تو یہ کمال کیا ہے وہ اگر خدائے تعالیٰ کی معصیت کرنی بھی چاہیں تو نہیں کر سکتے بلکہ چاہ بھی نہیں سکتے۔ کمال اس ضعیف انسان کا ہے جو ساری استعدادوں کا مالک ہو کر شر کی طرف اقدام سے اپنے نفس کو روکتا ہے پھر ان کی تکمیل کے لئے اللہ تعالیٰ کچھ ایسے نفوس بھی پیدا فرما دیتا ہے جو انسانوں کی طرح مخلوق ہو کر خدائی تزکیہ کے ماتحت اس طرح تربیت پاتے ہیں کہ ملائکۃ اللہ بھی ان کی صحبت سے تقدیس کے منازل طے کرنے لگتے ہیں۔ پس نبیوں کی انسانیت اور بشریت کا انکار در حقیقت آنکھوں سے نظر آنے والی حقیقت کا انکار ہی نہیں بلکہ ان کے اصل کمال کا بھی انکار ہے۔

(۷۱۵) دیکھئے فخر المرسلین اپنے ان دعائیہ کلمات کی معذرت میں خدائے تعالیٰ کے سامنے اپنی بشریت کا تذکرہ فرماتے ہوئے صرف نادانستہ طور پر حضرت عائشہؓ کے حق ہی میں دعا نہیں فرماتے بلکہ فرط محبت میں اپنی ساری امت کو یاد فرما لیتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ اگر ان مقبول ہونٹوں سے کسی اور کے حق میں بھی کوئی کلمہ نکل گیا ہو تو آج جس برکت میں

دَعَوْتُ عَلَیْہِ فَاجْعَلْہُ لَہٗ زَکٰوۃً وَّطُھُوْرًا۔ (رواہ احمد)

## لا عبرۃ لمشیۃ العبد بجنب مشیۃ اللہ تعالیٰ

(۷۱۶) عَنْ حُذَیْفَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَقُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰہُ وَشَاءَ فُلَانٌ قُوْلُوْا مَاشَاءَ اللّٰہُ ثُمَّ شَاءَ فُلَانٌ (رواہ احمد ص۳۸۴ج۵ و ص۳۹۳ج۵ و ص۳۹۸ج۵) وفی شرح السنۃ منقطعاً کما فی المشکوۃ فی باب الاسامی لا تقولوا ماشاء اللہ وشاء محمد وقولوا ماشاء اللہ وحدہٗ)

زبان سے بددعا کے کلمات نکلے ہیں میں اپنے ہاتھوں کو اسی طرح کر رہی ہوں دیکھتی ہوں کہ ان دونوں میں کونسا قطع ہوتا ہے۔ یہ سن کر آپ نے خدائے تعالیٰ کی حمد و ثنا کی اور اپنے دونوں ہاتھ دعا کیلئے پھیلا دیئے اور فرمایا اے اللہ میں ایک آدمی ہی ہوں اور جس طرح آدمی کو غصہ آتا ہے مجھے بھی غصہ آجاتا ہے تو جس کسی مومن مرد یا عورت کے متعلق میری زبان سے بددعا کے کلمات نکل گئے ہوں اس کے حق میں ان کو پاکی اور صفائی کا موجب بنا دے (احمد)

## اللہ تعالیٰ کی مشیت کے سامنے بندہ کی مشیت کچھ نہیں

(۷۱۶) حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یوں مت کہا کرو کہ جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور فلاں نے (یعنی مثلاً محمد صلی اللہ علیہ وسلم) چاہا بلکہ یوں کہو کہ پہلے جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اس کے بعد جو فلاں نے چاہا (یعنی ادب یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے اسم مبارک کے برابر کسی کا ذکر بھی نہ آئے۔ پہلے ہر چیز کی نسبت اس کے نام کی طرف ہو پھر کسی اور کی طرف ہو) (مسند احمد)

آپ کی یہ اہل بیت شریک ہوں وہ بھی شریک ہو جائے یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہئے کہ دعاؤں میں استجابت دعائیہ کلمات کے تابع رہتی ہے خواہ ان میں نیت کچھ رہے۔ ظاہر ہے کہ یہاں قطع اللہ یدک سے آپ کا منشاء مبارک یہ تو ہرگز نہیں ہو سکتا کہ در حقیقت حضرت عائشہؓ کو کوئی گزند پہنچ جائے مگر رسول کی مقبول زبان سے جو کلمات نکل گئے تھے وہ اپنا اثر دکھلائے بغیر بیان بھی نہیں رہے پس اس بارے میں بڑی احتیاط لازم ہے کہ کبھی کسی کے حق میں خراب کلمات منہ سے نہ نکالے جائیں ممکن ہے کہ اگر کوئی زبان زیادہ مقدس نہ ہو تو وہ وقت استجابت دعا کا آگیا ہو اور ان کا اثر ظاہر ہو جائے اسی بنا پر قدیم دستور تھا کہ بچوں کو غصہ میں بھی کوسا نہیں جاتا تھا اب بھی اس طریق کو اختیار کرنے کی ضرورت ہے۔

(۷۱۶) یعنی ایک مومن کی زبان کو شرک کے موہم کلمات سے بھی احتراز کرنا چاہئے اور اس کے قلب و زبان پر صرف ایک اللہ کی فاعلیت کا نقش ہونا چاہئے۔ خطابی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اسلامی آداب سے متعلق ہے عقائد سے نہیں چونکہ واو عربی زبان میں جمع اور شرکت کیلئے آتا ہے اور ثم ترتیب کیلئے۔ اس لئے آپ نے بتایا کہ اللہ کی مشیت کے ساتھ کسی اور کی مشیت کو حرف واو کے ساتھ جمع نہ کرنا چاہئے بلکہ اللہ تعالیٰ کی مشیت جیسا کہ تمام مشیتوں پر مقدم ہے اسی طرح اس کی تقدیم ثم حرف ترتیب کے ساتھ ظاہر بھی کرنا چاہئے۔ (کتاب الاذکار ص۱۵۱) حافظ ابن تیمیہ نے اس حدیث کا ایک محل اور بھی بیان کیا ہے۔ دیکھو کتاب الرد علی البکری ص۱۹۵۔ یہاں ترجمان السنہ ص۳۰ کا نوٹ بھی ملاحظہ کیا جائے۔

(۷۱۷) عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ سَرِيْعٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّیْ مَدَحْتُ اللّٰهَ بِمِدْحَةٍ وَمَدَحْتُكَ بِاُخْرٰی فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَاتِ وَابْدَاْ بِمِدْحَةِ اللّٰهِ تَعَالٰی (رواه احمد كما فى الرحمة المهداة)

(۷۱۸) عَنِ الْاَسْوَدِ بْنِ سَرِيْعٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُتِیَ بِاَسِيْرٍ فَقَالَ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ

(۷۱۷) اسود بن سریع روایت کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ میں نے ایک مدحیہ قصیدہ تو اللہ تعالیٰ کی شان میں لکھا ہے اور دوسرا آپ کی شان میں۔ آپ نے فرمایا اچھا لاؤ (سناؤ) لیکن پہلے وہ قصیدہ شروع کرو جو اللہ تعالیٰ کی شان میں ہے۔ (مسند احمد)

(۷۱۸) اسود بن سریع روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ایک قیدی

(۷۱۷) اگرچہ رسول کی تعریف میں بھی اصل تعریف خدائے تعالیٰ ہی کی ذات کی نکلتی ہے مگر جہاں دونوں تعریفیں جمع ہو جائیں وہاں آپ نے خدائے تعالیٰ کی بلاواسطہ تعریف کو مقدم کرنا طریقہ ادب سمجھا۔ اب بھی دعا کا ادب یہ ہے کہ پہلے خدائے تعالیٰ کی ثنا کی جائے پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر درود بھیجی جائے اس کے بعد اپنی حاجت کے لئے دعا کیجئے۔

(۷۱۸) حافظ ابن قیمؒ لکھتے ہیں کہ توبہ۔ حلف و نذر و سجود و طواف بیت کی طرح خاص اللہ تعالیٰ ہی کا حق ہے اس میں کسی غیر اللہ کے شرکت کی گنجائش نہیں۔ اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے اس توحید بھرے کلمہ کی داد دی۔ (دیکھو الجواب الکافی ص۱۸۱)

حافظ ابن تیمیہؒ تحریر فرماتے ہیں کہ اسی کے قریب قریب وہ کلمات ہیں جو حضرت عائشہؓ کی زبان مبارک سے قصہ افک میں نکلے تھے جبکہ قرآن کریم میں ان کی برائت نازل ہوگئی اور ان کی والدہ ماجدہ نے فرط مسرت میں آکر فرمایا قومی الی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم۔ عائشہ اٹھو اس خوشی میں کھڑی ہو کر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعریف کرو تو انہوں نے ناگواری و ناز کے مابین عالم میں یہ جواب دیا واللہ لا اقوم الیہ ولا احمدہ ولا اباکم لقد سمعتم فلا انکرتم ولا غیرتم ولا احمد الا اللہ الذی انزل براءتی۔ میں آپ کی یا اپنے والدین کی اس معاملہ میں کیا تعریف کروں آپ لوگوں نے تو جو سنا اس پر نہ تو کچھ انکار کیا نہ اس کے ازالہ کی کوئی فکر کی۔ میں تو اپنے اس خدا عزوجل کی تعریف کروں گی جس نے آسمان سے میری برأت نازل فرمائی۔ (بخاری شریف)

امام بیہقیؒ نے حضرت عائشہؓ کے ان کلمات ناز کے متعلق جو جواب حضرت عبداللہ بن المبارک سے باسناد نقل کیا ہے وہ ٹھیک یہی ہے جو اس وقت آپ کے سامنے لسانِ نبوت سے موجود ہے یعنی تعریف در اصل ایک حق سبحانہٗ تعالیٰ کا ہی حق ہے اس بیرون از قیاس و گمان انعام پر حضرت عائشہؓ کی زبان سے تعریف کا کلمہ بیساختہ اسی ذات کے لئے نکلا جو در حقیقت تعریف کی مستحق تھی اور اس وقت انھیں اس میں کسی کیلئے شرکت کی گنجائش نظر نہ آئی۔ (کتاب الرد علی البکری)

اس سلسلہ میں حافظ ابن تیمیہؒ نے ایک بلیغ تحقیق ذکر فرمائی ہے اس کا ملحوظ خاطر رکھنا ایمان و کفر میں امتیاز کا ایک اہم ترین نکتہ ہے۔ رسول کی تعظیم اور خدا کی توحید دونوں اسلامی رکن ہیں مگر یہاں بھی نافہموں نے ایک عارضی کشمکش پیدا کر دی ہے بعض موحدین تو یہ سمجھتے ہیں کہ جب تک رسول کی شان رفیع میں گستاخانہ کلمات منہ سے نہ نکالے جائیں اس وقت تک گویا خدائے تعالیٰ کی توحید کا حق ادا ہی نہیں ہوتا اور محبت رسول کے مقام کے دم بھرنے والے بعض جاہل یہ سمجھ بیٹھے ہیں کہ

أَتُوبُ إِلَيْكَ وَلَا أَتُوبُ إِلَى مُحَمَّدٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَرَفَ الْحَقَّ لِأَهْلِهِ۔

(رواہ احمد کما فی الرحمۃ المہداۃ ورواہ ابو عبید فی الاموال عن عبدالرحمن بن مہدی عن سلام)

حاضر کیا گیا۔ اس نے کہا اے اللہ میں تیرے سامنے توبہ کرتا ہوں۔ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کے سامنے نہیں کرتا۔ آپ نے فرمایا اس شخص نے تو جس کا حق تھا اس کو پہچان لیا۔ (مسند احمد)

توحید خداوندی کی زیادہ توضیح کرنے سے بھی رسول کی عظمت شان کو گویا ٹھیس لگتی ہے وہ اگر اپنی زبان سے ایک مرتبہ یا اللہ کہدیتے ہیں تو جب تک سو مرتبہ یا رسول اللہ نہیں کہہ لیتے ان کو چین نہیں پڑتا۔ حتی کہ بعض مزارات پر جا کر دیکھو تو تم کو محسوس ہوگا کہ اس فضا میں جہاں کبھی صرف ایک اللہ ہی کا نام پاک گونجا کرتا تھا آج یا اللہ کہنا سب سے بڑا کفر بنا ہوا ہے۔ یہ دونوں راہیں افراط و تفریط کی راہیں ہیں۔

حافظ ابن تیمیہؒ نے یہاں بہت بسیط بحث کی ہے اور یہ بتایا ہے کہ تعظیم کے مواضع کیا ہیں اور تنقیص کے مواضع کیا اور اس کی بڑی تفصیل کی ہے۔ بعض مرتبہ نیت کے بدل جانے سے کلمۂ تنقیص تنقیص نہیں رہتا جیسے "راعنا" یہود جب اس کلمہ کو اپنی زبان سے ادا کرتے تو چونکہ ان کی نیت فاسد ہوتی تھی اس لئے ان کی زبان سے یہ کلمہ تنقیص تھا لیکن چونکہ مسلمانوں کی یہ نیت نہ تھی اس لئے ان کی زبان سے یہی کلمہ ادنیٰ تنقیص کا موجب بھی نہ تھا۔ یہ دوسری بات تھی کہ یہود چونکہ اس کو غلط طور پر استعمال کرتے تھے اس لئے مسلمانوں کو بھی اس کے استعمال سے روک دیا گیا تھا۔

اسی طرح جبکہ گفتگو سیاق توحید میں ہو تو اس مقام پر اللہ تعالیٰ کی خصوصیات کو خاص طور پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی ذات اقدس سے سلب کرنا موجب کسر شان شمار نہیں ہو سکتا کیونکہ اللہ تعالیٰ کی ذات وہ بلند بارگاہ ہے کہ جہاں وہ ہو وہاں کوئی نہیں اس لئے اس کی ذاتی خصوصیات سلب کرنے میں کسی کی کوئی کسر شان نہیں ہوتی۔ مثلاً اگر یہ کہا جائے کہ رسول گناہوں کی مغفرت نہیں کرتا صرف اللہ تعالیٰ کی ذات گناہوں کی مغفرت کر سکتی ہے۔ (ہاں رسول مغفرت کی سفارش کر سکتا ہے اور حق تعالیٰ کی بلند بارگاہ میں رسول کی سفارش کبھی خالی نہیں جاتی۔) تو اس میں رسول کی کوئی کسر شان نہ ہوگی۔ کیونکہ یہاں جس صفت کو رسول کی ذات سے سلب کیا گیا ہے درحقیقت وہ اس کے لئے ثابت ہی نہیں تھی وہ خاص خدائے تعالیٰ کی صفت ہے۔

ہاں بے حاجت ان صفات کی نفی کا مشغلہ لگائے رکھنا بھی سوء ادب گستاخی اور انتہا درجہ خطرناک ہے مثلاً حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو نصاریٰ نے خدا بنایا تو ان کی ذات سے خدائی صفات کی نفی کرنی عین حکمت ہے۔ لیکن جن انبیاء علیہم السلام کے حق میں نہ کسی کا اس قسم کا عقیدہ ہوا نہ اس کا اندیشہ تو ان کے حق میں اس قسم کی عبارتیں توہین کی حد میں بھی داخل ہو سکتی ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم نے اس سلسلہ میں جو اسلوب بیان حضرت عیسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی شان میں اختیار کیا ہے وہ اور رسولوں کے لئے اختیار نہیں کیا حالانکہ جب متکلم خود اللہ تعالیٰ ہو اور معاملہ رسولوں کا آجائے تو وہاں توہین کا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا پس بے وجہ رسولوں کی ذات سے خدائی صفات کی نفی کا مشغلہ بھی توحید کا اقتضا نہیں اور نہ توحید کو گندہ کرنا رسول کی کوئی عظمت کی بات ہے۔

(کتاب الرد علی البکری)

(۷۱۹) عن ابی هریرة انه سمع النبی صلی الله علیه وسلم یقول ان ثلاثة من
بنی اسرائیل ابرص واقرع واعمی فاراد الله ان یبتلیهم فبعث الیهم ملکا فاتی
الابرص فقال ای شیء احب الیک قال لون حسن وجلد حسن ویذهب عنی الذی
قد قذرنی الناس قال فمسحه فذهب عنه قذره واعطی لونا حسنا وجلدا حسنا قال
فای المال احب الیک قال الابل او البقر شک اسحق الا ان الابرص والاقرع قال
احدهما الابل وقال الآخر البقر قال فاعطی ناقة عشراء فقال بارک الله لک فیها
قال فاتی الاقرع فقال ای شیء احب الیک قال شعر حسن ویذهب عنی هذا الذی
قد قذرنی الناس قال فمسحه فذهب عنه قال واعطی شعرا حسنا قال فای المال
احب الیک قال البقر فاعطی بقرة حاملا قال بارک الله لک فیها قال فاتی الاعمی
فقال ای شیء احب الیک قال ان یرد الله الی بصری فابصر به الناس قال فمسحه

(۷۱۹) ابوہریرہؓ بیان فرماتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے خود
سنا ہے کہ بنی اسرائیل میں تین شخص تھے ایک مبروص، ایک گنجا اور ایک اندھا۔ اللہ تعالیٰ نے ان کی آزمائش
کا ارادہ فرمایا تو ان کے پاس ایک فرشتہ بھیجا۔ پہلے وہ مبروص کے پاس گیا اور اس نے پوچھا کہئے!
آپ کی سب سے بڑی تمنا کیا ہے اس نے کہا خوبصورت رنگت اور خوبصورت کھال اور یہ بات کہ
جس بدنما رنگ کی وجہ سے لوگ مجھ سے نفرت کرتے ہیں یہ جاتا رہے۔ فرشتے نے اس کے جسم پر ہاتھ پھیرا
اور وہ ساری بدنمائی ختم ہوگئی اس کا رنگ اور کھال دونوں خوشنما ہوگئے۔ اس کے بعد پوچھا کہئے آپ کو
مال کونسا پسند ہے اس نے اونٹ بتائے یا گائے۔ راوی حدیث اسحٰق کو اس بارے میں شک ہے لیکن یہ
یقینی ہے کہ ابرص اور گنجے میں ایک نے اونٹ بتائے تھے تو دوسرے نے گائے۔ غرض اس کو ایک ایسی
اونٹنی مل گئی جس کے حمل کی دس ماہ کی مدت پوری ہوگئی تھی اور وہ بیانے والی تھی اس کے بعد اس فرشتے
نے یہ دعا دی۔ جائیے اللہ تعالیٰ آپ کی اونٹنی میں برکت دے۔ اس کے بعد وہ گنجے کے پاس گیا اور اس
سے پوچھا آپ کو کیا چیز سب سے زیادہ پیاری ہے اس نے کہا خوبصورت بال اور یہ بات کہ جس بیماری
کی وجہ سے لوگ مجھے گندہ سمجھتے ہیں یہ بیماری جاتی رہے۔ اس نے اس کے سر پر ہاتھ پھیرا اور وہ ساری بیماری
جاتی رہی اور اس کے بال نہایت خوبصورت ہوگئے۔ اس کے بعد پوچھا کہئے آپ کو مال کونسا پسند ہے
اس نے کہا گائے۔ اسے بھی ایک حاملہ گائے مل گئی۔ فرشتے نے اس کو بھی دعا دی کہ اللہ تعالیٰ آپ کی

فَرَدَّ اللّٰهُ إِلَيْهِ بَصَرَهٗ قَالَ فَأَيُّ الْمَالِ أَحَبُّ إِلَيْكَ قَالَ الْغَنَمُ فَأُعْطِيَ شَاةً وَالِدًا فَأُنْتِجَ
هٰذَانِ وَوَلَّدَ هٰذَا فَكَانَ لِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْإِبِلِ وَلِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْبَقَرِ وَلِهٰذَا وَادٍ مِنَ الْغَنَمِ
قَالَ ثُمَّ إِنَّهٗ أَتَى الْأَبْرَصَ فِيْ صُوْرَتِهٖ وَهَيْئَتِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِيْنٌ قَدِ انْقَطَعَتْ بِيَ
الْحِبَالُ فِيْ سَفَرِيْ فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ أَسْأَلُكَ بِالَّذِيْ أَعْطَاكَ اللَّوْنَ الْحَسَنَ
وَالْجِلْدَ الْحَسَنَ وَالْمَالَ بَعِيْرًا أَتَبَلَّغُ بِهٖ فِيْ سَفَرِيْ فَقَالَ الْحُقُوْقُ كَثِيْرَةٌ فَقَالَ إِنَّهٗ كَأَنِّيْ
أَعْرِفُكَ أَلَمْ تَكُنْ أَبْرَصَ يَقْذَرُكَ النَّاسُ فَقِيْرًا فَأَعْطَاكَ اللّٰهُ مَالًا فَقَالَ إِنَّمَا وَرِثْتُ هٰذَا
الْمَالَ كَابِرًا عَنْ كَابِرٍ فَقَالَ إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ إِلَى مَا كُنْتَ۔ قَالَ فَأَتَى الْأَقْرَعَ فِيْ
صُوْرَتِهٖ فَقَالَ لَهٗ مِثْلَ مَا قَالَ لِهٰذَا وَرَدَّ عَلَيْهِ مِثْلَ مَا رَدَّ عَلٰى هٰذَا فَقَالَ إِنْ كُنْتَ كَاذِبًا
فَصَيَّرَكَ اللّٰهُ إِلَى مَا كُنْتَ۔ قَالَ وَأَتَى الْأَعْمٰى فِيْ صُوْرَتِهٖ وَهَيْئَتِهٖ فَقَالَ رَجُلٌ مِسْكِيْنٌ

گائے میں برکت دے۔ اس کے بعد نابینا کے پاس آیا اور اس سے بھی پوچھا کہئے صاحب آپ کو سب سے
زیادہ کیا بات پسند ہے اس نے کہا، یہ کہ اللہ تعالیٰ میری بینائی پھر سے لوٹا دے اور میں لوگوں کو دیکھنے
لگوں، فرشتے نے اس کی آنکھوں پر ہاتھ پھیرا اور اس کی بینائی لوٹ آئی اس کے بعد پوچھا آپ کو کونسا
مال مرغوب ہے وہ بولا بکریاں اسے بھی ایک جننے والی تیار بکری مل گئی کچھ دنوں بعد ہی وہ اونٹنی اور گائے
بیا گئیں اور اس بکری کے بھی بچہ پیدا ہوگیا (اور ایسی برکت ہوئی) کہ ابرص کے پاس ایک وادی بھر کے
اونٹ ہوگئے اور گنجے کے پاس ایک وادی بھر کر گائیں اور اس نابینا کے پاس بھی ایک وادی بھر کر بکریاں
ہوگئیں۔ اس کے بعد وہی فرشتہ اپنی اسی شکل میں مبروص کے پاس پہنچا اور بولا میں ایک مسکین ہوں سفر
کی حالت میں جتنے اسباب و ذرائع تھے سب ختم ہوچکے ہیں اب منزل مقصود تک رسائی کا ذریعہ کوئی نہیں
رہا، سوائے اللہ تعالیٰ کے یا پھر بظاہر اسباب آپ کی ذات کے۔ میں آپ سے اس خدا کا واسطہ دیکر ایک
اونٹ مانگتا ہوں جس نے آپ کو یہ خوشنما رنگ اور یہ خوشنما کھال مرحمت فرمائی۔ اس نے کہا میری
ذمہ داریاں بہت ہیں اس نے کہا مجھے کچھ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ میں آپ کو پہچانتا بھی ہوں۔ کہئے کیا آپ
مبروص نہ تھے لوگ آپ سے نفرت کرتے تھے محتاج تھے پھر اللہ تعالیٰ نے آپ کو یہ سارا مال و دولت بخشا
اس نے کہا یہ مال تو میرے باپ دادے سے مجھے وراثت میں پہنچا ہے۔ اس نے کہا بہت اچھا اگر تو جھوٹا ہے
تو خدا تجھ کو پھر ویسا ہی کردے جیسا تو پہلے تھا اس کے بعد وہ اپنی پہلی ہی شکل میں گنجے کے پاس پہنچا اور
اور وہی سوال اس سے بھی کیا اس نے بھی وہی جواب دیا اس پر فرشتے نے کہا کہ اگر تو جھوٹا ہے تو اللہ تعالیٰ

وَابْنُ سَبِيلٍ انْقَطَعَتْ بِيَ الْحِبَالُ فِي سَفَرِي فَلَا بَلَاغَ لِيَ الْيَوْمَ إِلَّا بِاللّٰهِ ثُمَّ بِكَ أَسْأَلُكَ بِالَّذِي رَدَّ عَلَيْكَ بَصَرَكَ شَاةً أَتَبَلَّغُ بِهَا فِي سَفَرِي فَقَالَ قَدْ كُنْتُ أَعْمٰى فَرَدَّ اللّٰهُ إِلَيَّ بَصَرِي فَخُذْ مَا شِئْتَ وَدَعْ مَا شِئْتَ فَوَاللّٰهِ لَا أَجْهَدُكَ الْيَوْمَ بِشَيْءٍ أَخَذْتَهُ لِلّٰهِ فَقَالَ أَمْسِكْ مَالَكَ فَإِنَّمَا ابْتُلِيتُمْ فَقَدْ رُضِيَ عَنْكَ وَسُخِطَ عَلٰى صَاحِبَيْكَ. (متفق علیہ)

(۷۲۰) عَنْ حُذَيْفَةَ بْنِ الْيَمَانِ أَنَّ رَجُلًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ رَأٰى فِي النَّوْمِ أَنَّهُ لَقِيَ رَجُلًا مِنْ أَهْلِ الْكِتَابِ فَقَالَ نِعْمَ الْقَوْمُ أَنْتُمْ لَوْلَا أَنَّكُمْ تُشْرِكُونَ تَقُولُونَ مَا شَاءَ اللّٰهُ وَشَاءَ مُحَمَّدٌ وَذَكَرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِيِّ صلی اللہ علیہ وسلم فَقَالَ أَمَا وَاللّٰهِ إِنْ كُنْتُ لَأَعْرِفُهَا لَكُمْ قُولُوا مَا شَاءَ اللّٰهُ ثُمَّ شَاءَ مُحَمَّدٌ (رواه ابن ماجه ورواه احمد الطيالسي بتغير يسير كما في ترجمان السنة ص۳۰۱ ج ۱)

---

تجھکو ایسا ہی کردے جیسا تو پہلے تھا اس کے بعد وہ اپنی اسی صورت میں نابینا کے پاس پہنچا اور بولا میں ایک مسکین مسافر ہوں سفر کی حالت میں میرا کوئی وسیلہ باقی نہیں رہا۔ اب بجز اللہ تعالیٰ کے منزل مقصود تک پہنچنے کا کوئی ذریعہ نظر نہیں آتا یا بظاہر اسباب پھر آپ کی ذات ہے۔ میں اس خدا کا واسطہ دے کر جس نے آپ کو بینائی عطا کی ایک بکری کا سوال کرتا ہوں تاکہ اس کے ذریعہ سے اپنے اس سفر کی ضروریات پوری کرلوں اس نے کہا بیشک میں نابینا تھا اور بیشک اللہ ہی نے مجھے پھر سے بینائی بخشی، جا تو ان بکریوں میں سے جتنی چاہے لے لے اور جتنی چاہے چھوڑ دے آج جتنی بکریاں تو اللہ کے نام کی لے لیگا میں تجھے بلا کسی مشقت کے بڑی خوشی سے دیدوں گا فرشتے نے کہا جا اپنی بکریاں اپنے پاس رکھ اصل واقعہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کو صرف تمہارا امتحان منظور تھا تجھ سے تو خدائے تعالیٰ راضی ہوگیا اور تیرے ساتھ دو شخص اور تھے ان سے ناراض ہوگیا۔ (متفق علیہ)

(۷۲۰) حذیفہ بن یمان سے روایت ہے کہ ایک شخص نے مسلمانوں میں سے خواب میں دیکھا کہ کسی اہل کتاب سے اس کی ملاقات ہوئی اس نے کہا تم لوگ بہت اچھے تھے اگر کہیں تم شرک نہ کرتے تم یوں کہتے ہو جو اللہ تعالیٰ نے چاہا اور جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے چاہا (وہ ہوا) اس خواب کا ذکر انھوں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں کیا آپ نے فرمایا بخدا تمہاری اس فروگذاشت کو میں بھی محسوس کررہا تھا لہذا آئندہ اب میرا تذکرہ (ایسی عبارت کے ساتھ کیا کرو جس میں لفظی شرکت کا بھی ابہام نہ رہے) اور و شاء محمد کی بجائے ثم شاء محمد کہا کرو۔ (ابن ماجہ)

---

(۷۱۹) اس حدیث میں فرشتے کی زبان سے وہی عظمت وادب سے بھرا ہوا کلمہ نکلا ہے جو پہلی حدیثوں میں آپ کو بتایا گیا تھا یعنی اس نے بے انتہا خوشامد کے موقعہ پر بھی اللہ کے نام کے ساتھ کسی کی ایسی مساوات برداشت نہ کی اور یہی کہا کہ میری اصل مشکل کشا تو اس کی ذات ہے ہاں ظاہری اسباب میں آپ کا سہارا بھی ہے۔

(٧٢١) عن قتيلة امرأة من جهينة ان يهوديا اتى النبي صلى الله عليه وسلم فقال انكم تنددون وانكم تشركون تقولون ما شاء الله وشئت وتقولون والكعبة فامرهم النبي صلى الله عليه وسلم اذا ارادوا ان يحلفوا ان يقولوا ورب الكعبة ويقول احد ما شاء الله ثم شئت رواه النسائي ص١٩٥ واخرجه ابن سعد البسط من هذا كما في الدر المنثور ص٣٥ ج١ تحت قوله تعالى فلا تجعلوا لله اندادا۔

(٧٢٢) عن طفيل بن سخبرة انه رأى فيما يرى النائم كانه مر برهط من اليهود فقال انتم نعم القوم لولا انكم تزعمون ان عزير ابن الله فقالوا وانتم نعم القوم لولا انتم تقولون ما شاء الله وشاء محمد ثم مر برهط من النصارى فقال انتم نعم القوم لولا انكم تقولون المسيح ابن الله قالوا وانتم نعم القوم لولا انكم تقولون ما شاء الله وشاء محمد فلما اصبح اخبر النبي صلى الله عليه وسلم فخطب فقال ان طفيلا رأى رؤيا وانكم تقولون كلمة كان يمنعني الحياء منكم فلا تقولوها ولكن قولوا ما شاء الله وحده

---

(٧٢١) قبیلہ جہنیہ کی ایک بی بی مسماۃ قتیلہ بیان کرتی ہیں کہ ایک یہودی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں آیا اور اس نے کہا تم خدا تعالیٰ کا ہمسر تجویز کرتے ہو اور دوسروں کو اس کا شریک ٹھہراتے ہو، ایک تو تم یوں کہتے ہو ماشاء اللہ وشئت (یعنی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی مشیت اور اللہ کی مشیت کو برابر برابر ذکر کرتے ہو) اور دوسرے کعبہ کی قسم کھاتے ہو (حالانکہ کعبہ مخلوق ہے) اس کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے صحابہ کو حکم دیدیا کہ آئندہ جب قسم کھانے کا ارادہ کریں تو رب کعبہ کی قسم کھایا کریں اور آپ کی مشیت کا تذکرہ خدا کی مشیت کے ساتھ ہرگز ہرگز نہ کیا کریں بلکہ خدا کی مشیت کے بعد اس کا ذکر دوم نمبر میں کریں (نسائی)

(٧٢٢) طفیل بن سخبرہؓ سے روایت ہے کہ انھوں نے ایک خواب میں دیکھا کہ ان کا ایک یہود کی جماعت کے پاس سے گذر ہوا انھوں نے اس سے کہا اگر تم لوگ حضرت عزیر علیہ السلام کو خدا کا بیٹا نہ سمجھتے تو کیا اچھے لوگ ہوتے وہ بولے اگر تم مسلمان بھی اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کی مشیت کا ایک ساتھ ذکر نہ کیا کرتے تو تم بھی بہت اچھے لوگ ہوتے۔ جب صبح ہوئی تو انھوں نے اس خواب کا ذکر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کیا۔ اس پر آپ نے خطبہ دے کر فرمایا کہ طفیل نے ایک خواب دیکھا ہے تم ایک ناموزوں کلمہ کہا کرتے ہو مجھے تم کو اس سے روکنے میں ذرا لحاظ مانع آتا رہا۔ اب آئندہ یہ کلمہ نہ کہا کرو بلکہ صرف ایک اللہ تعالیٰ کی مشیت کا ذکر

لا شریک له۔ (اخرجه احمد وابن ماجة والبیهقی کما فی الدر المنثور۔ ص۳۵ ج۱)

## الجمع بین الله ورسوله فی ضمیر واحد یخالف الادب الاسلامی

(۷۲۳) عَنْ عَدِیِّ بْنِ حَاتِمٍ اَنَّ خَطِیْبًا خَطَبَ عِنْدَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ رَشَدَ وَمَنْ یَّعْصِهِمَا فَقَالَ قُمْ اَوْ قَالَ اِذْهَبْ فَبِئْسَ الْخَطِیْبُ اَنْتَ (رواه ابوداؤد کتاب الادب کتاب الجمعه) وفی روایة المسلم ومن یعصهما فقد غوی فقال رسول الله صلی الله علیه وسلم بئس الخطیب انت قل ومن یعص الله ورسوله۔

کیا کرو، جس کا کوئی شریک نہیں۔ (احمد۔ ابن ماجہ۔ بیہقی)

## خدا اور اس کے رسول کو ایک ضمیر میں جمع کرنا اسلامی ادب کے خلاف ہے

(۷۲۳) عدی بن حاتم سے روایت ہے کہ ایک خطیب نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے خطبہ دیا اور اثنا خطبہ میں یوں کہا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرے گا وہ راہ راست پر رہا اور جس نے ان دونوں کی نافرمانی کی۔ . . اس پر آپ نے فرمایا کھڑا ہو جا یا چلا جا (راوی کو اصل لفظ میں شک ہے) تو نالائق خطیب ہے۔ (ابوداؤد) مسلم کی روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ خطیب نے یوں کہا کہ جو ان دونوں کی نافرمانی کرے وہ یقیناً گمراہ ہو گیا اس پر آپ نے فرمایا تو نالائق خطیب ہے تجھے یوں کہنا چاہیے تھا کہ جو اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کرے۔

(۷۲۳) یعنی لائق خطیب وہ ہے کہ جب وہ خدا اور اس کے رسول کی اطاعت اور معصیت کا ذکر کرے تو دونوں کے ناموں کو بھی علیحدہ علیحدہ ذکر کرے صرف ایک ضمیر میں جمع نہ کر دے۔ یہاں اس خطیب نے اطاعت کے ذیل میں تو خدا اور رسول کا نام علیحدہ علیحدہ ذکر کیا تھا لیکن جب ان کی نافرمانی کے ذکر پر پہنچا تو اس نے ان کو ایک ہی ضمیر میں جوڑ دیا اس میں ایک قسم کی مساوات کی بو آتی ہے۔ اسلام کی توحید اتنی سی مساوات کی بھی روادار نہیں۔ کبھی قائل اور کبھی مخاطبین کے حالات کے لحاظ سے ذرا سی فروگذاشت اہمیت اختیار کر لیتی ہے جب تک کسی نوآموز قوم کے قلب وزبان میں خدائے تعالیٰ اور اس کے رسول کی عظمت کا امتیاز پورے طور پر قائم نہ ہو جائے اس وقت تک اس کی معمولی فروگذاشت پر بھی سخت الفاظ میں ٹوکنا ضروری ہوتا ہے ہاں جب توحید کا نقش اپنی اصل صورت پر قائم ہو جائے تو اب ضمیر کی شرکت قابل اغماض ہو سکتی ہے۔ ہمارے نزدیک یہاں امام طحاوی کا جواب بہت لطیف تھا اگر وہ ابوداؤد کے الفاظ میں تو چل سکتا ہے صحیح مسلم کے ایک لفظ میں اس کی گنجائش نہیں ہے اس لئے ہم نے اس کو اختیار نہیں کیا۔

## نهي المولى عن قوله في غلامه عبدي

(۷۲۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَقُوْلَنَّ اَحَدُکُمْ عَبْدِیْ وَاَمَتِیْ کُلُّکُمْ عَبِیْدُ اللّٰهِ وَکُلُّ نِسَائِکُمْ اِمَاءُ اللّٰهِ وَلٰکِنْ لِیَقُلْ غُلَامِیْ وَجَارِیَتِیْ وَفَتَایَ وَفَتَاتِیْ وَلَا یَقُلِ الْعَبْدُ رَبِّیْ وَلٰکِنْ لِیَقُلْ سَیِّدِیْ وَفِیْ رِوَایَةٍ وَلَا یَقُلِ الْعَبْدُ لِسَیِّدِهٖ مَوْلَایَ فَاِنَّ مَوْلَاکُمُ اللّٰهُ۔ (رواه مسلم وهو عند البخاري وابي داود وغيرهما ايضا)

(۷۲۵) عَنْ اَبِیْ رِمْثَةَ قَالَ اَتَیْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَعَ اَبِیْ فَرَاٰی

## آقا کو اپنے غلام کو عبد کہنے کی ممانعت

(۷۲۴) ابوہریرہؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم میں کوئی شخص یوں نہ بولا کرے "میرا بندہ" "میری باندی" کیونکہ تم میں جتنے مرد ہیں درحقیقت وہ سب عبد خدا کے ہیں اسی طرح جتنی عورتیں ہیں، وہ باندیاں اسی کی ہیں ہاں اس کے بجائے "میرا غلام اور میری لونڈی" کا لفظ بول سکتے ہو اسی طرح کسی غلام کو اپنے آقا کے حق میں رب کا لفظ استعمال نہ کرنا چاہیے ہاں سردار اور آقا کہہ سکتا ہے۔ ایک روایت میں یہ مضمون اس طرح ہے کہ غلام کو اپنے آقا کو میرا مولیٰ نہ کہنا چاہیے کیونکہ تم سب کا مولیٰ تو اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ (مسلم شریف)

(۷۲۵) ابورمثہ بیان کرتے ہیں کہ میں اپنے والد کے ہمراہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں

(۷۲۴) یہ حدیث بھی عقائد کے باب کی حدیث نہیں صرف ادب وتہذیب کے باب کی حدیث ہے یہاں بھی مقصود یہ ہے کہ عبدیت کی جو نسبت بڑی پر معنی ہے اس کو محل وبے محل استعمال کرکے بے معنی نہ بنا دینا چاہیے وہ حقیقی طور پر ایک ہی ذات کے ساتھ قائم ہے اور اس لئے اس کا استعمال بھی اسی کے ساتھ قائم رہنا چاہیے گو مجازی طور پر اس میں شرکت کی گنجائش بھی مگر چونکہ اس میں اصل حقیقت سے غفلت کا اندیشہ ہو سکتا ہے اس لئے اس مجاز واستعارہ سے بھی احتراز کرنا مناسب ہے۔ فیض الباری شرح صحیح بخاری میں ہم نے اس حدیث کی اور زیادہ تشریح کی ہے۔

(۷۲۵) مہر نبوت پر مرض کے اس گمان کرنے والے کے جواب میں کسی ادنیٰ ناگواری کے بجائے آپ نے اس سے ایسے بصیرت افروز کلمات فرمائے کہ خود اس طبیب کی آنکھیں کھل گئیں اور وہ سمجھ گیا کہ انسانی بہی خواہی کی حد بہت سے بہت ظاہری ہمدردی اور رفاقت تک ہو سکتی ہے اس لئے اس کی حیثیت بھی ایک رفیق کی حیثیت سے زیادہ نہیں ہو سکتی شفاء ومرض کا اصل رشتہ خدا تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے اس لئے طبیب کا اصل لقب پانے کیلئے اسی کی ذات پاک موزوں ہے وہ بھلا طبیب ہونے کا کیا دعویٰ کر سکتا ہے جس کو مرض اور منبع شفاء کے درمیان بھی تمیز نہ ہو۔

عرفی نظر میں گو کسی انسان کو طبیب کہہ دینے میں کوئی مضائقہ نہیں لیکن آپ نے تنبیہ فرمائی کہ ایک مومن کے قلب میں

الَّتِیْ بِظَهْرِهٖ فَقَالَ یَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَلَا اُعَالِجُهَا فَاِنِّیْ طَبِیْبٌ قَالَ اَنْتَ رَفِیْقٌ وَاللّٰهُ الطَّبِیْبُ وَفِیْ رِوَایَۃٍ رَأَیْتُ عَلٰی کَتِفِهٖ مِثْلَ التُّفَاحَۃِ قَالَ اَبِیْ اِنِّیْ طَبِیْبٌ اَلَا اُطِبُّهَا لَکَ

حاضر ہوا انھوں نے آپ کی پشت مبارک پر مہر نبوت دیکھی تو عرض کیا یا رسول اللہ فرمائیے تو میں اس کا علاج کردوں کیونکہ میں طبیب ہوں۔ آپ نے فرمایا کہ تم تو رفیق ہو، طبیب حقیقی تو دراصل اللہ تعالیٰ کی ذات ہے۔ دوسری روایت میں یہ مضمون اس طرح مذکور ہے کہ میں نے آپ کے بازو مبارک کی جانب سیب کی طرح ابھری ہوئی ایک چیز دیکھی (یعنی مہر نبوت) تو میرے والد نے عرض کیا میں طبیب ہوں ارشاد ہوا

توحید کا نقش ایسا گہرا ہونا چاہئے کہ اس کی نظر میں ایک قابل سے قابل طبیب کی حیثیت بھی ایک ضعیف رفیق کی رہ جائے اور طبیب کا لقب صرف اس ذات کے ساتھ مخصوص نظر آئے جو شفاء و مرض کا سر رشتہ ہے۔

طبیب و رفیق کا یہ فرق صرف وقتی اور لفظی نہ تھا بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے مخصوص صحابہ کی رگ و پے میں اس طرح سرایت کر گیا تھا کہ جب ان میں کسی کسی سے بیماری میں طبیب کی طرف مراجعت کیلئے کہا جاتا تو تمام طبیبوں سے بے نیاز ہوکر وہ صرف ایک طبیب حقیقی ہی کو یاد کرتا۔ چنانچہ شمس الائمہ کردری امام اعظمؒ کے مناقب میں لکھتے ہیں کہ جب صدیق اکبرؓ کی علالت میں کسی طبیب کے بلانے کے لئے ان سے دریافت کیا گیا تو انھوں نے یہ فرماکر روک دیا کہ الطبیب امرضنی (مناقب امام الاعظم ج ۱) طبیب (حقیقی) ہی نے تو مجھے بیمار ڈالا ہے حافظ سیوطی نے تاریخ الخلفاء میں اس واقعہ کی حسب ذیل تفصیل کے ساتھ نقل کیا ہے۔

واخرج ابن سعد وابن ابی الدنیا عن ابی السفر قال دخلوا علی ابی بکر فی مرضہ فقالوا یاخلیفۃ رسول اللہ الا ندعولک طبیبا ینظر الیک قال لا قد نظر الی فقالوا ما قال لک قال انی فعال لما یرید۔ (تاریخ الخلفاء ص ۲۰)

ابن سعد و ابن ابی الدنیا نے ابوالسفر سے روایت کی ہے کہ حضرت ابوبکر صدیقؓ کی دوران علالت میں صحابہ کرام ان کی عیادت کیلئے حاضر ہوئے اور عرض کیا اے خدا کے رسول کے خلیفہ! ارشاد ہو تو ہم کسی طبیب کو بلا کر آپ کو دکھا دیں آپ نے فرمایا نہیں، طبیب (حقیقی) مجھے دیکھ چکا ہے انھوں نے پوچھا تو پھر اس نے دیکھ کر کیا کہا۔ فرمایا یہ کہا ہے کہ جو ارادہ ہم کرلیتے ہیں پھر وہی کرکے رہتے ہیں۔

حافظ ابن کثیرؒ نے اسی قسم کا ایک واقعہ حضرت ابن مسعودؓ کا نقل کیا ہے۔

وقد شهد ابن مسعود بعد النبی صلی اللہ علیہ وسلم مواقف کثیرۃ منہا الیرموک وغیرہا وکان قدم من العراق حاجا فمر بالربذۃ فشهد وفاۃ ابی ذر ودفنہ ثم قدم الی المدینۃ فمرض بہا فجاءہ عثمان عائدا فیروی انہ قال لہ ماتشتکی قال ذنوبی قال فما تشتهی قال رحمۃ ربی قال الا امر لک بطبیب فقال الطبیب امرضنی فقال الا امر لک بعطائک وکان قد ترکہ سنتین فقال لا حاجۃ لی فیہ فقال یکون لبناتک بعدک قال اتخشی علی بناتی الفقر انی امرت بناتی ان یقرأن کل لیلۃ سورۃ الواقعۃ وانی سمعت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یقول من قرأ الواقعۃ کل لیلۃ لم تصبہ فاقۃ ابدا۔ (البدایۃ والنہایۃ ج ۷ ص ۱۶۳)

فَقَالَ طَبِيبُهَا الَّذِي خَلَقَهَا۔ (رواه احمد واخرجه صاحب المشكوة فى باب القصاص)

## النهى عن التسمية بملك الاملاك

(۷۲۶) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَخْنَى الْأَسْمَاءِ يَوْمَ الْقِيٰمَةِ عِنْدَ اللهِ رَجُلٌ يُسَمَّى مَلِكَ الْأَمْلَاكِ۔ رواه البخاری فی روایة مسلم قَالَ أَغْيَظُ

---

میں اس کا علاج کردوں آپ نے فرمایا اس کا طبیب تو وہی ہے جس نے اس کو پیدا فرمایا ہے۔ (احمد)

## شہنشاہ نام رکھنے کی ممانعت

(۷۲۶) ابوہریرۃ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ قابلِ شرم وہ شخص ہوگا جس کا نام ملک الاملاک ہو (شہنشاہ) (بخاری شریف) اور مسلم کی ایک روایت میں یوں آتا ہے قیامت میں جس شخص پر اللہ تعالیٰ کو سخت غصہ آئے گا اور وہ سب سے

---

حضرت ابن مسعودؓ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد بھی بہت سے غزوات میں شریک ہوئے ہیں ان میں سے ایک غزوۂ یرموک بھی تھا۔ یہ حج کرکے عراق سے واپس آرہے تھے جب مقام ربذہ پہنچے تو ان کو معلوم ہوا کہ ابوذرؓ اس جہانِ فانی سے گذر چکے ہیں، یہاں کی وفات میں شریک ہوئے اور ان کو دفن کرکے پھر مدینہ طیبہ آئے اور یہاں آکر بیمار پڑگئے۔ حضرت عثمان غنیؓ ان کی عیادت کیلئے تشریف لائے۔ بیان کیا جاتا ہے کہ انھوں نے ان سے پوچھا آپ کو کیا تکلیف ہے فرمایا اپنے گناہوں کی۔ حضرت عثمانؓ نے فرمایا تو پھر آپ کیا چاہتے ہیں حضرت ابن مسعودؓ نے جواب دیا اپنے پروردگار کی رحمت حضرت عثمانؓ نے فرمایا آپ کیلئے کسی طبیب کو نہ بلالیں انھوں نے جواب دیا کہ طبیب ہی نے تو مجھے بیمار ڈالا ہے پھر حضرت عثمانؓ نے فرمایا آپ کا وظیفہ نہ جاری کردوں یہ دو سال سے سرکاری وظیفہ چھوڑ چکے تھے فرمایا مجھے اس کی کوئی ضرورت نہیں ہے حضرت عثمانؓ نے فرمایا تو آپ کی لڑکیوں کے کام آجائے گا۔ فرمایا کیا آپ کو میری لڑکیوں کے متعلق احتیاج کا خطرہ ہے (سن لیجئے!) میں ان سے تاکید کرچکا ہوں کہ وہ ہر شب سورۃ الواقعہ پڑھ لیا کریں اور میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جو ہر شب سورۃ الواقعہ پڑھتا رہے گا اس کو کبھی فاقہ نہ ہوگا (البدایہ والنہایہ)

ان اولوالعزم اور مقدس ہستیوں کے بعد جب امت کے دوسرے جانثاروں کا دور شروع ہوا تو انھوں نے بھی اپنے اپنے زمانہ میں دنیا کے تمام طبیبوں سے بے نیاز ہوکر طبیبِ حقیقی ہی کو ان الفاظ میں یاد کیا ہے ؎

اے طبیب جملہ علتہائے ما ✲ اے تو افلاطون و جالینوس ما

یہ تمام تاثرات جواب تک آپ نے ملاحظہ فرمائے قرآن کی اس ایک آیت کی تفسیر ہیں۔ وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ۔ (جب میں بیمار ہوتا ہوں تو وہی مجھکو شفاء دیتا ہے۔

(۷۲۶) ہمارے مذہب میں اسماء میں کوئی تاثیر ہی نہیں سمجھی جاتی مگر شریعت یہ کہتی ہے کہ ان کو بھی نفس کی اصلاح و تخریب میں

رَجُلٍ عَلَى اللّٰهِ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ وَاَخْبَثُہٗ رَجُلٌ کَانَ یُسَمّٰی مَلِکَ الْاَمْلَاکِ لَامَلِکَ اِلَّا اللّٰہُ۔

## النھی عن التکنی بابی الحکم

(۲۷) عَنْ شُرَیْحِ بْنِ ھَانِیٍٔ عَنْ اَبِیْہِ اَنَّہٗ لَمَّا وَفَدَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَعَ قَوْمِہٖ سَمِعَھُمْ یُکَنُّوْنَہٗ بِاَبِی الْحَکَمِ فَدَعَاہُ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اللّٰہَ ھُوَ الْحَکَمُ وَاِلَیْہِ الْحُکْمُ فَلِمَ تُکْنٰی اَبَا الْحَکَمِ قَالَ اِنَّ قَوْمِیْ اِذَا اخْتَلَفُوْا فِیْ شَیْءٍ اَتَوْنِیْ فَحَکَمْتُ بَیْنَھُمْ فَرَضِیَ کِلَا الْفَرِیْقَیْنِ بِحُکْمِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَحْسَنَ ھٰذَا

بدتر ہوگا وہ شخص جس کا نام شاہانِ شاہ رکھا جائے۔ حالانکہ دراصل شاہی صرف خدا تعالیٰ کے لئے ہے۔

## ابوالحکم کنیت رکھنے کی ممانعت

(۲۷) شریح بن ہانی اپنے والد بزرگوار سے روایت کرتے ہیں کہ جب وہ اپنی قوم کے ہمراہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو آپ نے سنا کہ وہ لوگ ان کو ابوالحکم کی کنیت سے بلاتے تھے آپ نے ان کو بلایا اور فرمایا (دیکھو) الحکم تو اللہ کا نام ہے اور اسی لئے ہے کہ تمام جہان کا مقدمہ فیصلہ کرنے والا وہی ہوگا۔ تم کہو تمہاری کنیت ابوالحکم کیسے پڑی انھوں نے عرض کیا کہ قصہ یہ ہے کہ میری قوم کے لوگ جب کبھی کسی معاملہ میں اپنا جھگڑا لے کر میرے پاس آجاتے تو میں ان کے باہم ایسا فیصلہ کردیتا کہ دونوں فریق اس سے خوش ہوجاتے (اس لئے میری کنیت ابوالحکم پڑگئی) آپ نے فرمایا یہ بات تو

بہت بڑا دخل ہے انسان کو ایسے نام رکھنے چاہئیں جو اس کے ضعف و نقصان پر شاہد ہیں۔ ان کے ہمہ وقت استعمال سے ہر وقت آپ کے نفس پر نقص در نقص ہونے کا اثر پڑتا رہتا ہے اس کے برخلاف ایسے اسماء جو کمالات میں بھی اعلیٰ سے اعلیٰ کمال کے معنی پر مشتمل ہوں اس کے لئے موزوں نہیں کیونکہ پہلے تو وہ اس کی ناقص ہستی کا صحیح تعارف نہیں بن سکتے پھر اس سے بڑھ کر یہ کہ خالق کے اسماء مبارکہ کے ساتھ ٹکرا جاتے ہیں ایک ذلیل مخلوق کے لئے یہ کتنا نامناسب ہے کہ وہ اس عزیز و جبار ہستی کے ناموں میں اپنا حصہ جاری رکھے جو اس کی خالق ہے۔ خلاصہ یہ کہ جو اسماء خالق کے لئے معروف ہوچکے ہیں ان کا استعمال مخلوقات کے دائرہ میں ممنوع ہے اور اسی طرح جو اسماء مخلوق کے دائرہ میں معروف ہوچکے ہیں ان کا اطلاق بارگاہ عالی میں ممنوع ہے۔ یہاں صرف لفظی صلاحیت کافی نہیں کچھ ادب بھی ملحوظ رہنا چاہئے اور اس طرح مخلوق و خالق کے مابین جہاں ذاتی اور صفاتی شرکت نہیں وہاں اسمی شرکت بھی ختم ہوجانی چاہئے۔

فَمَا لَكَ مِنَ الْوَلَدِ قَالَ لِي شُرَيْحٌ وَمُسْلِمٌ وَعَبْدُ اللهِ قَالَ فَمَنْ أَكْبَرُهُمْ قَالَ قُلْتُ شُرَيْحٌ قَالَ فَأَنْتَ أَبُو شُرَيْحٍ۔ (رواه ابوداؤد والنسائی)

## ينبغي للمؤمن ان يجتنب رسوم الجاهلية وان لم تكن كفرا

(۷۲۸) عَنِ الْمَعْرُورِ قَالَ لَقِيتُ أَبَا ذَرٍّ بِالرَّبَذَةِ وَعَلَيْهِ حُلَّةٌ وَعَلَى غُلَامِهِ حُلَّةٌ فَسَأَلْتُهُ عَنْ ذَلِكَ فَقَالَ إِنِّي سَابَبْتُ رَجُلًا فَعَيَّرْتُهُ بِأُمِّهِ فَقَالَ لِي النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا أَبَا ذَرٍّ عَيَّرْتَهُ بِأُمِّهِ إِنَّكَ امْرُؤٌ فِيكَ جَاهِلِيَّةٌ إِخْوَانُكُمْ خَوَلُكُمْ جَعَلَهُمُ اللهُ تَحْتَ

---

بہت اچھی ہے (مگر اس پر بھی مخلوق کو اپنے خالق کے نام کی کنیت رکھنا بڑی نازیبا حرکت ہے) یہ بتاؤ کہ تمہارے کتنے بچے ہیں، یہ بولے تین ہیں۔ شریح، مسلم، عبداللہ۔ آپ نے پوچھا ان میں سب سے بڑا کون ہے یہ کہتے ہیں میں نے عرض کیا شریح۔ فرمایا اچھا جاؤ تو تمہاری کنیت ابو شریح ہے۔ (کہ یہ درست بھی ہے اور عرب کے دستور کے مطابق بھی) (ابوداؤد و نسائی)

## مومن کو چاہئیے کہ وہ زمانہ کفر کی عادتوں سے دور رہے اگرچہ وہ کفر کی حد تک نہ ہوں

(۷۲۸) معرورؓ کہتے ہیں کہ میں نے ابوذرؓ سے مقام ربذہ میں ملاقات کی۔ وہ اور ان کا غلام ایک ہی قسم کا حُلّہ پہنے ہوئے تھے (حلہ ایسی چادر اور لنگی کو کہتے ہیں جو ایک ہی قسم کی ہوں) میں نے ان سے اس یک رنگی کا سبب پوچھا، اس پر انھوں نے یہ واقعہ بیان کیا کہ ایک مرتبہ میں نے اپنے غلام کو کچھ سخت وسست کہا اور اس سلسلہ میں اس کو ماں کی عار دلائی (یہ خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی) تو آپ نے فرمایا ابوذر! کیا تم نے اس کو اس کی ماں کی عار دلائی ہے ابھی تک تم میں جاہلیت کی خو بو باقی ہے تمہارے غلام در اصل تمہارے بھائی ہیں۔ اللہ تعالیٰ نے (صرف کفر کی پاداش میں) انھیں تمہارا زیردست بنا دیا ہے تو جس شخص کا

---

(۷۲۸) ابوذرؓ کے اس واقعہ کو امام بخاریؒ نے کتاب الادب میں ذرا تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے اس میں اتنا اور مذکور ہے کان بینی وبین رجل کلام وکانت امہ اعجمیۃ فنلت منھا یعنی میرے اور ایک شخص کے درمیان کچھ تیز تیز باتیں ہو گئیں اس کی والدہ عجمی عورت تھی میں نے عرب کے خیال کے موافق اس کی نسبت کو ازراہ تحقیر ادا کیا اس پر آپ نے فرمایا انک امرؤ فیک جاھلیۃ۔ ابوذرؓ تجھ میں ابھی تک وہی زمانہ جاہلیت کی خو چلی جاتی ہے۔ میں نے عرض کیا علی ساعتی ھذہ من کبر السن، قال نعم۔ کیا اب تک جبکہ میں بوڑھا ہو گیا ہوں۔ آپ نے فرمایا جی ہاں ابھی تک۔

ماں کی عار دلانا اگرچہ کفر تو نہیں مگر اسلامی اخلاق کی بات بھی نہیں۔ اسلام یہ تقاضا کرتا ہے کہ ایک مسلمان کو کفر تو کفر

أَيْدِيكُمْ فَمَنْ كَانَ أَخُوهُ تَحْتَ يَدِهِ فَلْيُطْعِمْهُ مِمَّا يَأْكُلُ وَلْيُلْبِسْهُ مِمَّا يَلْبَسُ وَلَا تُكَلِّفُوهُمْ مِمَّا يَغْلِبُهُمْ فَإِنْ كَلَّفْتُمُوهُمْ فَأَعِينُوهُمْ. (بخاری)

(۷۲۹) عَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ يَنْحَرَ إِبِلًا بِبُوَانَةَ فَأَتَى رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَخْبَرَهُ فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ فِيهَا وَثَنٌ مِنْ أَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالُوا لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ فِيهَا عِيدٌ مِنْ أَعْيَادِهِمْ قَالُوا لَا فَقَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَوْفِ بِنَذْرِكَ فَإِنَّهُ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ

بھائی اس کے قبضہ میں ہو اسے چاہئے کہ جو خود کھائے اس کو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اس کو بھی پہنائے (اس لئے میں نے وہی حلہ اس کو پہنایا ہے جو خود پہنا ہے) اور دیکھو اپنے غلاموں سے وہ کام نہ لوجو (ان کی طاقت سے زیادہ ہو اور) انھیں عاجز کردے اور اگر کوئی ایسا کام لو تو خود بھی ان کا ہاتھ بٹاؤ۔ (بخاری شریف)

(۷۲۹) ثابت بن ضحاک روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں یہ نذر کی تھی کہ وہ مقام بُوانہ میں ایک اونٹ کی قربانی کرے گا۔ وہ آپ کے پاس آیا اور اپنی نذر کا قصہ بیان کیا آپ نے پوچھا کیا اس مقام پر زمانہ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت رکھا تھا جس کی پوجا کی جاتی ہو؟ لوگوں نے کہا نہیں پھر آپ نے پوچھا اچھا وہاں کافر کوئی عید منایا کرتے تھے؟ لوگوں نے کہا نہیں۔ آپ نے فرمایا تو جاؤ اپنی نذر ادا

عاداتِ کفر سے بھی علیحدہ رہنا چاہئے۔ اسلام و کفر صرف اچھے یا برے عقائد ہی کا نام نہیں بلکہ ان عقائد کے ساتھ کچھ مخصوص اعمال و شعائر کا نام بھی ہے جو ان عقائد کے لازمی اثرات ہوتے ہیں خدا جس کے قلب و دماغ میں توحید کا نقش قائم ہو چکا ہے ضروری ہے کہ اس کے اعمال میں بھی اس نقش کے اثرات نمایاں ہوں وہ اپنی عبادات میں ایک ہی خدا کا تصور رکھے مصیبتوں میں اسی کو پکارے اور اسی کے سامنے عجز وانکسار کا سر جھکائے۔ اس کے برخلاف جس کا نفس نجاست کفر و شرک سے آلودہ ہو چکا ہے اس کے اعمال میں بھی اس آلودگی کے نشانات پائے جانے ضروری ہیں۔ حدیث مذکور کہتی ہے کہ وہ اسلام کچھ خوشنما اسلام نہیں جس کے ساتھ رسوم جاہلیت اور زمانۂ کفر کی بدعادات بدستور قائم رہیں اب اسے چاہئے کہ ان تمام رسوم کو کلیۃً ترک کردے اور کفر کا کوئی تسمہ لگا نہ رکھے۔ آپ نے یہاں ابوذر کو یہ تنبیہ فرمائی کہ اب زیبائشِ اسلام کے بعد کفر کے دور کی خامیاں تم پر زیب نہیں دیتیں۔

(۷۲۹) اس شخص نے اللہ تعالیٰ ہی کے لئے قربانی کی نذر کی تھی مگر صرف اس لئے کہ عہد جاہلیت ابھی بہت قریب گذرا ہے کہیں ایسا نہ ہو کہ نذرِ اسلامی کی ادائیگی میں زمانۂ جاہلیت کے ساتھ کوئی مشابہت پیدا ہو جائے اس لئے آپ نے تحقیق کے بغیر اس جگہ نذر اسلامی ادا کرنے کی اجازت نہیں دی۔ اوقاتِ مکروہہ میں نماز کی ممانعت بھی اسی مشابہت سے اجتناب پر مبنی ہے۔ حدیث کہتی ہے کہ یہ کفار کی عبادت کا وقت ہوتا ہے لہٰذا تم اس وقت عبادت مت کرو۔ ایامِ حج میں کفار کا یہ دستور تھا کہ مزدلفہ سے طلوعِ آفتاب کے بعد روانہ ہوتے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان کی مخالفت کرو

اللہ ولا فیما لا یملک ابن آدم۔ (رواہ ابوداؤد وروی رزین نحوہ قصۃ امرأۃ۔

(۷۳۰) عَنْ عَمْرِو بْنِ مَیْمُوْنٍ قَالَ قَالَ عُمَرُ اِنَّ الْمُشْرِکِیْنَ کَانُوْا لَا یُفِیْضُوْنَ مِنْ جَمْعٍ حَتّٰی تُشْرِقَ عَلٰی ثَبِیْرٍ فَخَالَفَہُمُ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاَفَاضَ قَبْلَ اَنْ تَطْلُعَ الشَّمْسُ۔ (رواہ البخاری وغیرہ)

(۷۳۱) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ کَانَتْ عُکَاظُ وَمَجَنَّۃُ وَذُو الْمَجَازِ اَسْوَاقًا فِی الْجَاہِلِیَّۃِ فَلَمَّا کَانَ الْاِسْلَامُ تَاَثَّمُوْا مِنَ التِّجَارَۃِ فِیْہَا فَاَنْزَلَ اللّٰہُ لَیْسَ عَلَیْکُمْ جُنَاحٌ فِیْ مَوَاسِمِ الْحَجِّ قَرَاَ ابْنُ عَبَّاسٍ کَذَا۔ (رواہ البخاری)

---

کردو کیونکہ جو نذر اللہ تعالیٰ کی نافرمانی کے لئے ہو وہ پوری نہیں کرنی چاہئے اور نہ وہ جس کا ابن آدم خود مالک ہو۔ (ابوداؤد)

(۷۳۰) عمرو بن میمون کہتے ہیں کہ حضرت عمرؓ نے فرمایا مشرکین مزدلفہ سے اس وقت تک واپس نہیں ہوتے تھے جب تک کہ آفتاب ثبیر پہاڑ پر چمکنے نہ لگتا تھا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے طریقے کی مخالفت کی اور آپ آفتاب طلوع ہونے سے قبل مزدلفہ سے روانہ ہو گئے۔ (بخاری)

(۷۳۱) ابن عباسؓ روایت فرماتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں عکاظ، مجنہ اور ذوالمجاز میں بازار لگا کرتے تھے جب اسلام کا زمانہ آیا تو صحابہ نے ان بازاروں میں تجارت کرنا گناہ سمجھا۔ اس پر یہ آیت نازل ہو گئی۔ (اگر تم ان بازاروں میں تجارت کرو) تو تم پر کوئی گناہ نہیں ہے یعنی حج کے ایام میں۔ ابن عباسؓ اس لفظ کو (بطور تفسیر) پڑھ دیا کرتے تھے۔ (بخاری)

---

اور طلوع آفتاب سے قبل ہی روانہ ہو جایا کرو لیکن اس مخالفت کی حدود کہاں تک ہیں یہ بہت اہم مسئلہ ہے مخالفت محرف اور نامعقول امور میں کی جائے گی نہ کہ مشروع اور معقول باتوں میں بھی۔

(۷۳۱) زمانہ جاہلیت میں یہ دستور تھا کہ حج کے موسم میں مقام عکاظ میں ایک بازار یکم ذیقعدہ کو لگتا۔ بیس دن کے بعد پھر یکم ذی الحجہ تک وہ بازار مقام مجنہ میں لگتا اس کے بعد ۸ ذی الحجہ تک ذوالمجاز میں لگتا اس کے بعد لوگ منیٰ جایا کرتے تھے۔ ان بازاروں میں عرب اپنے آباء و اجداد کے مفاخر بیان کیا کرتے تھے اس لئے یہ بازار زمانۂ کفر کی ایک یادگار بن گئے تھے۔

قسطلانی لکھتے ہیں کہ یہ بازار خوارج کے زمانہ تک لگتے رہے۔ ۱۲۹ھ میں سب سے پہلے عکاظ کا بازار اکھڑا پھر مجنہ کا بازار اکھڑا اور آخر میں ذوالمجاز کا بازار بھی اکھڑ گیا۔

جب اسلام کا دور آیا تو ایام حج میں پھر ان ہی بازاروں میں تجارت کرنا صحابہ کو تشبہ بالکفار معلوم ہونے لگا۔ قرآن کریم نے یہ فیصلہ کیا کہ تجارت ایک معاشی چیز ہے عبادات سے اس کا کوئی تعلق نہیں اس لئے یہاں اپنے معاش کا سامان کرنا کوئی گناہ کی بات نہیں اور نہ تشبہ کے مسئلہ سے اس کا کچھ تعلق ہے۔

(۷۳۲) عَنْ قَيْسِ بْنِ أَبِي حَازِمٍ قَالَ دَخَلَ أَبُو بَكْرٍ عَلَى امْرَأَةٍ مِنْ أَحْمَسَ يُقَالُ لَهَا زَيْنَبُ فَرَآهَا لَا تَكَلَّمُ قَالُوا حَجَّتْ مُصْمِتَةً فَقَالَ لَهَا تَكَلَّمِي فَإِنَّ هٰذَا لَا يَحِلُّ. هٰذَا مِنْ عَمَلِ الْجَاهِلِيَّةِ فَتَكَلَّمَتْ فَقَالَتْ مَنْ أَنْتَ قَالَ امْرُؤٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ قَالَتْ أَيُّ الْمُهَاجِرِينَ قَالَ مِنْ قُرَيْشٍ قَالَتْ مِنْ أَيِّ قُرَيْشٍ أَنْتَ قَالَ إِنَّكِ لَسَئُولٌ أَنَا أَبُو بَكْرٍ قَالَتْ مَا بَقَاؤُنَا عَلَى هٰذَا الْأَمْرِ الصَّالِحِ الَّذِي جَاءَ اللّٰهُ بِهِ بَعْدَ الْجَاهِلِيَّةِ قَالَ بَقَاؤُكُمْ عَلَيْهِ مَا اسْتَقَامَتْ بِكُمْ أَئِمَّتُكُمْ قَالَتْ وَمَا الْأَئِمَّةُ قَالَ أَمَا كَانَ لِقَوْمِكِ رُؤُسٌ وَأَشْرَافٌ يَأْمُرُونَهُمْ فَيُطِيعُونَهُمْ قَالَتْ بَلٰى قَالَ فَهُمْ أُولٰئِكِ عَلَى النَّاسِ۔ (رواہ البخاری)

(۷۳۲) قیس بن ابی حازمؒ روایت فرماتے ہیں کہ حضرت ابو بکر قبیلہ احمس کی ایک عورت کی طرف گذرے اس کو زینب کہتے تھے دیکھا تو اس نے بات چیت کرنا بند کر رکھا تھا لوگوں نے کہا کہ اس نے خاموش رہ کر حج کرنے کا ارادہ کیا ہے آپ نے اس سے کہا بی بی بولو یہ خاموشی ناجائز خاموشی ہے یہ جاہلیت کی حرکت ہے اس نے بولنا شروع کر دیا اور ابو بکر سے پوچھا آپ کون ہیں انھوں نے فرمایا ایک مہاجر آدمی ہوں وہ بولی مہاجرین میں کس قبیلہ کے ہیں فرمایا قبیلہ قریش کا اس نے کہا آخر قریش میں آپ کون ہیں فرمایا تو تو بڑی سوال کرنیوالی عورت معلوم ہوتی ہے (سُن) میں ہوں ابو بکرؓ اس کے بعد اس نے پوچھا فرمائیے ہم لوگ اس عمدہ دین پر جو جاہلیت کے بعد اللہ تعالیٰ نے ہمیں مرحمت فرمایا ہے کب تک قائم رہیں گے فرمایا جب تک تمہارے امام تمہیں سیدھے سیدھے لئے چلے جائیں گے اس نے پوچھا اماموں سے آپ کی کون لوگ مراد ہیں۔ فرمایا کیا تیری قوم میں پہلے ایسے سردار نہ ہوتے تھے جو لوگوں کو حکم دیتے ہوں اور لوگ ان کے احکام مانتے ہوں، اس نے کہا بیشک ہوتے تھے فرمایا تو بس اماموں سے یہی حاکم لوگ مراد ہیں۔ (بخاری شریف)

(۷۳۲) اس عورت کی یہ جرأت آمیز گفتگو دیکھئے اور حضرت ابو بکرؓ کا عاجزانہ جواب ملاحظہ فرمائیے تو یہ بخوبی واضح ہو جائے گا کہ ملوکیت اور اسلامی خلافت میں کتنا تفاوت ہے۔ یہاں خلیفہ اول کو اپنے متعلق یہ وسوسہ بھی نہیں گذرتا کہ وہ عام انسانوں سے کوئی علیحدہ امتیازی شان بھی رکھتا ہے وہ ایک عورت کے سوال کرنے پر اپنا تعارف عام سے عام صورت میں پیش کرتا ہے اور جب بہت مجبور ہو جاتا ہے تو صرف اپنا نام بتا کر خاموش ہو جاتا ہے۔ ملوکیت کا دماغ ان عاجزانہ کلمات سے آشنا نہیں ہوتا۔ پھر ابو بکرؓ کی تقریر سے یہ بھی واضح ہوتا ہے کہ ان کی نظر قوموں کے اسباب عروج وزوال پر کتنی گہری تھی انھوں نے اسلام عروج ونزول کے متعلق چند جملوں میں وہ سب کچھ کہہ دیا جو ہزارہا ماضی کی تاریخ کے مفصل مطالعہ کے بعد کہا جا سکتا تھا۔ انھوں نے اجتماعی اور انفرادی زندگی کی خصوصیات کو بھی خوب سمجھا اور فرمایا کہ مسلمانوں کی حیاتِ اجتماعی کی ترقی ان کے امام کے دم سے وابستہ ہے جب اماموں کی رفتار بگڑ جائے تو اسلام کے اجتماعی نظام کا بھی خاتمہ سمجھ لینا چاہئے اس کے بعد اگر کوئی خیر باقی رہے گی تو وہ صرف انفرادی خیر ہو گی۔ انفرادی خیر صرف اس شخص کی ذات تک محدود ہوتی ہے، قومی حیات سے اس کا کوئی علاقہ نہیں ہوتا۔ اس سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ امام کے بغیر مسلمانوں میں اجتماعی حیات پیدا ہو سکتی ہے یا نہیں۔

(۷۳۳) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ وَاَبِیْ بَرْزَةَ قَالَا خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَاٰی قَوْمًا قَدْ طَرَحُوْا اَرْدِيَتَهُمْ يَمْشُوْنَ فِیْ قُمُصٍ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبِفِعْلِ الْجَاهِلِيَّةِ تَاْخُذُوْنَ اَوْ بِصَنِيْعِ الْجَاهِلِيَّةِ تَشَبَّهُوْنَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَدْعُوَ عَلَيْكُمْ دَعْوَةً تَرْجِعُوْنَ فِیْ غَيْرِ صُوَرِكُمْ قَالَ فَاَخَذُوْا اَرْدِيَتَهُمْ وَلَمْ يَعُوْدُوْا لِذَالِكَ (رواہ ابن ماجہ)

(۷۳۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ ضَرَبَ الْخُدُوْدَ وَشَقَّ الْجُيُوْبَ وَدَعٰی بِدَعْوَی الْجَاهِلِيَّةِ۔ (متفق علیہ)

(۷۳۵) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عَاشُوْرَاءُ يَوْمٌ تَصُوْمُهُ قُرَيْشٌ فِی الْجَاهِلِيَّةِ وَكَانَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَصُوْمُهُ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ صَامَهُ وَاَمَرَ بِصِيَامِهِ فَلَمَّا نَزَلَ

---

(۷۳۳) عمران بن حصینؓ اور ابو برزہؓ روایت فرماتے ہیں کہ وہ دونوں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کسی جنازہ میں شرکت کے لئے نکلے تو آپ نے دیکھا کہ کچھ لوگوں نے اپنی چادریں اتار کر پھینکدی ہیں اور صرف قمیصوں میں ننگے (جنازہ کے ساتھ ساتھ) جارہے ہیں آپ نے فرمایا اچھا کیا یہ جاہلیت کے طریقے سیکھ رہے ہو یا جاہلیت کے رنگ ڈھنگ سے مشابہت مقصود ہے۔ میرے دل میں آیا تھا کہ میں تمہیں ایسی بددعا دوں کہ تمہاری صورتیں بگڑ جائیں۔ راوی بیان کرتا ہے کہ (یہ سن کر انھوں نے (چپکے سے) اپنی اپنی چادریں سنبھال لیں اور پھر کبھی ایسی حرکت کی جرأت نہ کی۔ (ابن ماجہ)

(۷۳۴) عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو اپنے رخساروں کو پیٹے اور گریبان چاک کرے اور جاہلیت کے زمانہ کی طرح چیخ و پکار کی آوازیں نکالے اس کا ہم سے کوئی واسطہ نہیں۔ (متفق علیہ)

(۷۳۵) حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں قریش دسویں محرم کا روزہ رکھا کرتے تھے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم بھی خود اس دن روزہ رکھتے تھے۔ جب آپ مدینہ تشریف لائے تو آپ نے خود

---

(۷۳۳) عرب فطرۃً درشت خصلت تھے نوحہ کی رسوم ان کی رگ رگ میں سرایت کیے ہوئے تھیں۔ نباض فطرت رسول نے چاہا کہ ان کے مزاج کے مناسب ان کو تنبیہ کرے اور ایسی تنبیہ کرے کہ یہ رسوم جاہلیت ان کی سرشت سے ہمیشہ کے لئے نکل جائیں۔

(۷۳۵) یہ روزہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم از خود رکھا کرتے تھے اگر کفار کسی اچھے کام میں شریک رہیں تو ان کی مخالفت میں اچھا کام ترک نہیں کیا جائے گا۔ اسی لئے مخالفت اور موافقت کے صدود پہچاننے کے لئے بڑا علم درکار ہے

نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند

رَمَضَانُ كَانَ مَنْ شَاءَ صَامَهُ وَمَنْ شَاءَ لَا يَصُومُهُ (رواه البخاری وغیرہ)

(۷۳۶) عَنْ أَبِي وَاقِدٍ اللَّيْثِي أَنَّهُمْ خَرَجُوا مِنْ مَكَّةَ مَعَ رَسُولِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِلَى حُنَيْنٍ قَالَ وَكَانَ لِلْكُفَّارِ سِدْرَةٌ يَعْكُفُونَ عِنْدَهَا وَيُعَلِّقُونَ بِهَا أَسْلِحَتَهُمْ يُقَالُ لَهَا ذَاتُ أَنْوَاطٍ قَالَ فَمَرَرْنَا بِسِدْرَةٍ خَضْرَاءَ عَظِيمَةٍ قَالَ فَقُلْنَا يَا رَسُولَ اللهِ اجْعَلْ لَنَا ذَاتَ أَنْوَاطٍ كَمَا لَهُمْ ذَاتُ أَنْوَاطٍ فَقَالَ قُلْتُمْ وَالَّذِي نَفْسِي بِيَدِهِ كَمَا قَالَ قَوْمُ مُوسَى لِمُوسَى اجْعَلْ لَنَا إِلٰهًا كَمَا لَهُمْ آلِهَةٌ قَالَ إِنَّكُمْ قَوْمٌ تَجْهَلُونَ إِنَّ هٰؤُلَاءِ مُتَبَّرٌ مَّا هُمْ فِيهِ وَبَاطِلٌ مَّا كَانُوا يَعْمَلُونَ

(رواہ ابن کثیر ج۲ ص ۲۳۸ وابن جریر واحمد وابن ابی حاتم)

(۷۳۷) عَنْ أُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ كَانَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ السَّبْتِ وَيَوْمَ الْأَحَدِ

---

اس دن کا روزہ رکھا اور لوگوں کو بھی روزہ رکھنے کا حکم فرمایا لیکن جب رمضان المبارک کے روزے فرض ہوگئے تو پھر جس نے چاہا یہ روزہ رکھا اور جس نے چاہا نہ رکھا۔ (بخاری شریف)

(۷۳۶) ابو واقد لیثی بیان کرتے ہیں کہ صحابہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ مکہ مکرمہ سے حنین کی جانب روانہ ہوئے۔ راوی کہتا ہے کہ کفار نے ایک بیری کا درخت مقرر کر رکھا تھا یہاں آکر وہ ٹھہرا کرتے اور اس پر اپنے ہتھیار لٹکایا کرتے تھے۔ اسی مناسبت سے اس کو "ذات انواط" (یعنی ہتھیاروں کے لٹکانے کا درخت) کہا جاتا تھا۔ راوی کہتا ہے کہ جب صحابہ ایک کیکر کے درخت کے پاس سے گذرے جو بہت بڑا اور سرسبز وشاداب تھا تو بولے یا رسول اللہ ہمارے لئے بھی ایسا ہی ایک "ذات انواط" مقرر کر دیجئے جیسا مشرکوں کیلئے ہے۔ آپ نے فرمایا اس ذات کی قسم جس کے قبضہ میں میری جان ہے یہ بات تو تم نے ایسی ہی کہی جیسی موسیٰ علیہ السلام کی قوم نے حضرت موسیٰ علیہ السلام سے (ایک قوم کو بت پرستی کرتا دیکھکر) کہی تھی کہ اے موسیٰ ہمارے لئے بھی ایک ایسا ہی معبود بنادے جیسا ان کا ہے موسیٰ علیہ السلام نے فرمایا تم لوگ بڑے ہی جاہل ہو۔ . . . . . . . . . . . . . (ابن کثیر)

(۷۳۷) ام سلمہؓ بیان فرماتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سب سے زیادہ روزے شنبہ اور یکشنبہ کے

---

(۷۳۷) ایک دور تھا جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اہل کتاب کی موافقت کرنا پسند فرمایا کرتے شاید یہ بدبخت رسول عربی کے ان اخلاق سے کچھ فائدہ اٹھائیں اور اسلام کو اپنے قریب تر دیکھکر اس کو قبول کرلیں لیکن جب آپ کی ملاطفت نے ان پر کوئی اثر نہ کیا تو پھر آپ نے اس طریقہ کو چھوڑ کر دوسرا راستہ اختیار کیا جس سے امتیاز بین الشرائع کا دوسرا اصل فائدہ پورا ہو جہاں تک یاد ہے حافظ ابن حجرؒ نے اس تغیر کی تاریخ فتح مکہ تحریر فرمائی ہے اس سے ظاہر ہے کہ آپ نے کس حد تک سلسلۂ ملاطفت جاری رکھا اور آخر تنگ آکر بالکل آخر دور میں دوسری راہ اختیار فرمائی۔ حدیثوں میں تصریح ہے کہ آپ کی موافقت کا

أَكْثَرَ مَا يَصُوْمُ مِنَ الْأَيَّامِ وَيَقُوْلُ إِنَّهُمَا يَوْمَا عِيْدٍ لِلْمُشْرِكِيْنَ فَأَنَا أُحِبُّ أَنْ أُخَالِفَهُمْ (رواہ احمد)

(۳۸۷) عَنْ أَبِيْ أُمَامَةَ قَالَ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ أَهْلَ الْكِتَابِ يَتَسَرْوَلُوْنَ وَلَا يَأْتَزِرُوْنَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسَرْوَلُوْا وَأْتَزِرُوْا وَخَالِفُوْا أَهْلَ الْكِتَابِ۔ (رواہ احمد)

دن رکھا کرتے تھے اور فرمایا کرتے تھے کہ یہ دو دن مشرکین کے عید منانے کے ہیں اس لئے میں چاہتا ہوں کہ ان کی مخالفت کیا کروں۔ (احمد)

(۳۸۷) ابو امامہ روایت کرتے ہیں کہ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ اہل کتاب پاجامہ پہنتے ہیں اور ازار نہیں پہنتے (ہم کیا کریں) آپ نے فرمایا تم پاجامہ اور ازار دونوں پہنا کرو اور اہل کتاب کی مخالفت کرو۔ (احمد)

دائرہ صرف ان امور تک محدود تھا جن میں آپ کی مخصوص شریعت نازل نہ ہوتی اور جہاں نازل ہو جاتی پھر کسی کی موافقت و عدم موافقت کا کوئی سوال ہی نہ ہوتا۔

(۳۸۷) یہ بات بڑی اہمیت سے یاد رکھنی چاہئے کہ شریعت نے کسی موقعہ پر بھی کسی قوم کی نفس مخالفت کرنی اپنا نصب العین نہیں بتایا بلکہ ہمیشہ اس نے ایک نہایت معتدل اور خوبصورت عمل کی تعلیم دی ہے جس کو اس قوم نے ناحق چھوڑ رکھا تھا، اسی عمل کی اس نے تاکید فرمائی ہاں اس کا عنوان ضرور مخالف رکھا ہے۔ اسی مذکورہ بالا چھوٹی سی جزئی کو لے لیجئے اگر شریعت کا نصب العین صرف مخالفت ہوتا تو یہاں آپ پاجامہ پہننے کی بھی ممانعت فرما دیتے مگر آپ نے ایسا نہیں کیا بلکہ اہل کتاب کا پاجامہ پہننے سے بے وجہ احتراز کرنا چونکہ خود ایک نامعقول حرکت تھی اس لئے آپ نے ازار و پاجامہ ہر دو پہننے کی اجازت دیدی اور اسی کا عنوان مخالفت رکھا۔ اسی طرح اس سے پہلی حدیث میں شنبہ اور یکشنبہ کے دن روزہ رکھنے میں در اصل صرف مخالفت مطلوب نہ تھی بلکہ اس پر تنبیہ کرنی مقصود تھی کہ یہود و نصاریٰ نے یوم عید کے انتخاب میں ایک اصولی اور قومی غلطی کھائی ہے اللہ تعالیٰ کی طرف سے یوم عید کے انتخاب کرنے میں قوموں کا امتحان لیا گیا تھا سب نے غلطی کھائی صرف امت محمدیہ کامیاب رہی۔ درحقیقت وہ دن جمعہ کا دن تھا پھر کسی نے اس کو شنبہ اور کسی نے یکشنبہ بنا لیا۔ اب سوچئے کہ اس مقصد کے پیش نظر روزہ رکھ کر مخالفت کس درجہ اہم ہو گئی۔ اسی طرح اس باب کی جملہ حدیثوں کو قیاس کر لیجئے ہر جگہ کسی نہ کسی اہم غلطی کی اصلاح مد نظر رہی ہے۔ مگر اس کا عنوان مخالفت اس لئے رکھا گیا کہ یہ بات پوری وضاحت سے ثابت ہو جائے کہ اب وہ کتاب آ چکی ہے جو جملہ ادیان کی ناسخ ہے اگر اصول میں وہ پہلی کتابوں کی مصدق ہے تو فروع میں ان کے لئے ناسخ ہونے کا بھی حق رکھتی ہے اور اس کے ان ہر دو پہلوؤں میں اس کے کمال ہی کا ثبوت ملتا ہے۔ وہ حکم ہے کہیں موافقت اور کہیں مخالفت۔ یہ دونوں اس کے حق ہیں۔ بہرحال مخالفت صرف عنوان میں ہے ورنہ در اصل مخالفت کے مرتکب وہ لوگ ہیں جنہوں نے ایک معقول طریقہ کو چھوڑ کر غیر معقول طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ یاد رکھنا چاہئے کہ جس طرح امر بالمعروف اور نہی عن المنکر دونوں کی تکمیل شریعت کیلئے لازم ہیں اسی طرح حق کی موافقت اور ناحق کی مخالفت کرنی دونوں احقاق کیلئے ضروری ہیں مخالفت کے صرف عنوان سے بدکنا نہیں چاہئے بلکہ اس پر غور کرنا چاہئے کہ جہاں مخالفت کا امر آیا ہے وہ مقام درحقیقت مخالفت کا محل ہے بھی یا نہیں پھر جہاں مخالفت کی حکمت آپ کی فہم میں نہ آسکے اس کو اہل علم سے دریافت کر لیجئے صرف اپنی عقل نارسا اور علم ناتمام پر فیصلہ کر ڈالنا بھی انصاف نہیں وفوق کل ذی علم علیم۔

(۷۳۹) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَالِفُوا الْمُشْرِکِیْنَ اَوْفِرُوا اللِّحٰی وَاَحْفُوا الشَّوَارِبَ۔ (متفق علیہ)

(۷۴۰) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْمَجُوْسَ فَقَالَ اِنَّھُمْ یُوْفُوْنَ سِبَالَھُمْ وَیَحْلِقُوْنَ لِحَاھُمْ وَکَانَ اِبْنُ عُمَرَ یَسْتَقْرِضُ سَبْلَتَہٗ فَیَجُزُّھَا کَمَا تُجَزُّ الشَّاۃُ۔ (رواہ فی المیزان الرحمۃ المہداۃ)

(۷۴۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْیَھُوْدَ وَالنَّصَارٰی لَا یَصْبِغُوْنَ فَخَالِفُوْھُمْ (متفق علیہ)

(۷۴۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَیِّرُوا الشَّیْبَ وَلَا تَشَبَّھُوْا بِالْیَھُوْدِ۔ (رواہ الترمذی ورواہ النسائی عن ابن عمر والزبیر)

---

(۷۳۹) ابن عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنی معاشرت اور طور، طریق میں مشرکین سے جدا رہو، اپنی ڈاڑھیاں بڑھاؤ اور مونچھیں ترشواؤ۔ (متفق علیہ)

(۷۴۰) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجوس کا ذکر کیا اور فرمایا کہ وہ اپنی مونچھوں کے دوطرفہ بال لمبے لمبے رکھتے ہیں اور اپنی ڈاڑھیاں منڈاتے ہیں اسی لئے ابن عمر اپنی مونچھیں اس طرح باریک کردیتے تھے جیسے بکری کے بال باریک کرادیئے جاتے ہیں۔ (الرحمۃ المہداۃ)

(۷۴۱) ابوہریرۃؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود اور نصاریٰ خضاب نہیں کرتے اس لئے تم اپنی ہیئت ان سے جدا رکھو اور خضاب کیا کرو۔ (متفق علیہ)

(۷۴۲) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہود کے ساتھ مشابہت پیدا نہ کرو اور بڑھاپے کی سفیدی ذرا خضاب لگا کر بدل لیا کرو۔ (ترمذی۔ نسائی)

---

(۷۴۰) اس ہیئت کا حکم بھی صرف مخالفت کی بناء پر نہیں تھا بلکہ دراصل یہ حضرت ابراہیم خلیل اللہ علیہ الصلوۃ والسلام کی ایک سنت تھی تمام عرب ان ہی کا تبع تھا اور دین محمدی کی زمین بھی یہی ملت ابراہیمی ہے۔ یہ پہلے گذر چکا ہے کہ ملت ابراہیمی کو دین فطرت کہا گیا ہے اس لئے ان امور کا اختیار کرنا فطرت کے مطابق اور ان کا ترک فطرت کی مخالفت پر مبنی قرار دیا گیا ہے۔ اگر فرنچ کٹ ڈاڑھی اور کرزن فیشن مونچھوں میں کوئی عظمت پنہاں ہے تو ملت سماویہ کے ماننے والوں میں اسوۂ ابراہیمی کی اتباع میں اس سے زیادہ عظمت پنہاں تھی اب جس کو جس کی طرف انتساب کا شوق ہو وہ جانے۔ اگر کسی بدنصیب مسلمان کو کسی وحشی انگریز کی اتباع ہی میں اپنی شان نظر آتی ہو تو اس کا علاج مناظرہ نہیں رہا ہے۔ دوسری قوموں کی نقالی کتنی غیر فلسفیانہ بات ہے کہ اس کے مقابلہ میں کوئی اور فلسفہ بیان کیا جائے۔

(۷۴۲) اگر شریعت کسی مکروہ شکل کے بدلنے اور کسی معقول صورت کے اختیار کرنے کا نام مخالفت رکھتی ہے تو کیا صرف لفظ مخالفت کی وجہ سے اس پر آپ کو کوئی اعتراض ہونا چاہیئے یا یہ سمجھ لینا چاہیئے کہ نامعقول امور کی مخالفت ہی حقانیت مذہب کی سب سے بڑی دلیل ہے۔

(۴۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُحِبُّ مُوَافَقَةَ أَهْلِ الْكِتَابِ فِيمَا لَمْ يُؤْمَرْ فِيهِ وَكَانَ أَهْلُ الْكِتَابِ يَسْدِلُوْنَ أَشْعَارَهُمْ وَكَانَ الْمُشْرِكُوْنَ يَفْرِقُوْنَ رُؤُسَهُمْ فَسَدَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَاصِيَتَهُ ثُمَّ فَرَقَ بَعْدُ۔ (متفق علیہ)

(۴۴) عَنِ الْحَجَّاجِ بْنِ حَسَّانَ قَالَ دَخَلْنَا عَلَى أَنَسِ بْنِ مَالِكٍ فَحَدَّثَتْنِي الْمُغِيرَةُ قَالَتْ وَأَنْتَ يَوْمَئِذٍ غُلَامٌ وَلَكَ قَرْنَانِ أَوْ قُصَّتَانِ فَمَسَحَ رَأْسَكَ وَبَرَّكَ عَلَيْكَ وَقَالَ احْلِقُوْا هٰذَيْنِ أَوْ قُصُّوْهُمَا فَإِنَّ هٰذَا زِيُّ الْيَهُوْدِ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۴۵) عَنْ زَيْدِ بْنِ أَرْقَمَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ لَمْ يَأْخُذْ مِنْ شَارِبِهِ فَلَيْسَ مِنَّا (رواہ احمد والترمذی)

(۴۶) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُصُّ أَوْ يَأْخُذُ مِنْ شَارِبِهِ وَكَانَ إِبْرَاهِيْمُ خَلِيْلُ الرَّحْمٰنِ (صلوات الرحمن علیہ) یفعلہ۔ (رواہ الترمذی)

(۴۷) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرِو بْنِ الْعَاصِ قَالَ رَأَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيَّ ثَوْبَيْنِ مُعَصْفَرَيْنِ فَقَالَ إِنَّ هٰذِهِ مِنْ ثِيَابِ الْكُفَّارِ فَلَا تَلْبَسْهُمَا وَفِي رِوَايَةٍ أَغْسِلُهُمَا قَالَ

---

(۴۳) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ جن باتوں کے متعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شریعت نازل نہ ہوتی اس میں آپ مشرکین کی بہ نسبت اہل کتاب کی موافقت کرنی زیادہ پسند فرماتے تھے۔ اہل کتاب کا دستور یہ تھا کہ وہ پیشانی کے بال سامنے لٹکاتے اور مشرکین بیچ سے مانگ نکالتے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی اصول کے ماتحت پہلے اپنے بال پیشانی پر لٹکائے پھر بعد میں مانگ نکالنا شروع کردی۔ (متفق علیہ)

(۴۴) حجاج بن حسان کہتے ہیں کہ ہم انس بن مالکؓ کے پاس گئے اس وقت میری ہمشیرہ مغیرہ نے فرمایا کہ تم اس وقت بچے تھے اور تمہارے سر پر بالوں کے دو گچھے تھے۔ انھوں نے تمہارے سر پر ہاتھ پھیرا اور دعاء برکت فرمائی اور فرمایا یا تو ان دونوں کو منڈوا دو یا کٹوا دو کیونکہ یہ طریقہ تو یہود کا ہے۔ (ابوداؤد)

(۴۵) زید بن ارقم سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو اپنی مونچھوں کے بال نہ ترشوائے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (احمد۔ ترمذی)

(۴۶) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی مونچھوں کے بال ترشوایا کرتے تھے اور حضرت ابراہیم خلیل اللہ بھی ایسا ہی کرتے تھے۔ (ترمذی)

(۴۷) عبداللہ بن عمرو بن العاص کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میرے جسم پر دو

بَلْ اِحْرِقْهُمَا۔ (رواہ مسلم)

(۷۴۸) عَنْ عِكْرِمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَا اَعْلَمُهُ اِلَّا رَفَعَ الْحَدِيْثَ اَنَّهُ كَانَ يَأْمُرُ بِقَتْلِ الْحَيَّاتِ وَقَالَ مَنْ تَرَكَهُنَّ خَشْيَةَ ثَائِرٍ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواہ فی شرح السنہ)

(۷۴۹) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا سَالَمْنَاهُمْ مُنْذُ حَارَبْنَاهُمْ وَمَنْ تَرَكَ شَيْئًا مِنْهُمْ خِيْفَةً فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواہ ابوداؤد)

(۷۵۰) عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُقْتُلُوا الْحَيَّاتِ كُلَّهُنَّ فَمَنْ خَافَ ثَارَهُنَّ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

(۷۵۱) عَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَكْوَعِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ سَلَّ عَلَيْنَا السَّيْفَ فَلَيْسَ مِنَّا۔ (رواہ مسلم)

---

زرد رنگ کے معصفر میں رنگے ہوئے کپڑے دیکھے تو فرمایا یہ کفار کا لباس ہے ان کو مت پہنو۔ ایک روایت میں ہے میں نے عرض کیا ان کو دھلوالوں فرمایا بلکہ جلا دو۔ (مسلم)

(۷۴۸) عکرمہ ابن عباسؓ سے روایت کرتے ہیں اور کہتے ہیں جہاں تک میرا گمان ہے انھوں نے یہ مضمون آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زبانی ہی نقل کیا تھا کہ آپ سانپوں کے مارنے کا حکم دیتے تھے اور فرماتے تھے کہ جو انکے انتقام کے ڈر سے انھیں مارنا چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں۔ (شرح السنہ)

(۷۴۹) ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (سانپوں سے ہماری جنگ فطری ہے) جنگ کے بعد سے کبھی ہم نے صلح نہیں کی جو ڈر کے مارے انھیں مارنا چھوڑ دے وہ ہم میں سے نہیں) (ابوداؤد)

(۷۵۰) ابن مسعودؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہر قسم کے سانپوں کو مار دیا کرو جو ان کے بدلہ کے خوف سے ڈر جائے وہ ہمارے مشرب کا آدمی نہیں (ابوداؤد و نسائی)

(۷۵۱) سلمہ بن اکوع روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسلمانوں پر تلوار نکال لے وہ ہم میں سے نہیں ہے۔ (مسلم)

---

(۷۵۰) جس طرح کسی کی حد سے زیادہ تعظیم اس کی عبادت کا ذریعہ بن جاتی ہے اسی طرح حد سے زیادہ خوف بھی عبادت کا ذریعہ ہو جاتا ہے۔ چنانچہ اہل ہند کی جماعت سانپوں کو بھی دیوتا کہتی ہے۔ اسلام یہ تعلیم دیتا ہے کہ ایک مسلمان کے دل میں خدا کی محبت اور اس کا خوف اتنا غالب ہو جانا چاہئے کہ اس کے سامنے ساری محبتیں اور سارے خوف دل سے نکل جائیں۔ شرک صرف یہ نہیں کہ ذات وصفات ہی میں شرکت کا اعتقاد رکھا جائے بلکہ حقوقِ الوہیت میں شرکت بھی شرک ہے۔

(۷۵۲) عَنْ اِبْنِ عُمَرَ وَاَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَمَلَ عَلَیْنَا السِّلَاحَ فَلَیْسَ مِنَّا (رواہ البخاری وزاد مسلم مَنْ غَشَّنَا فَلَیْسَ مِنَّا)

(۷۵۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ امْرَاَةً عَلٰی زَوْجِهَا اَوْ عَبْدًا عَلٰی سَیِّدِهٖ - (رواہ ابوداؤد)

(۷۵۴) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَیْسَ عَلَی الْمُنْتَهِبِ قَطْعٌ وَ مَنِ انْتَهَبَ نُهْبَةً مَشْهُوْرَةً فَلَیْسَ مِنَّا۔ (رواہ ابوداؤد)

(۷۵۵) عَنْ جُبَیْرِ بْنِ مُطْعِمٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَیْسَ مِنَّا مَنْ دَعَا اِلٰی عَصَبِیَّةٍ وَلَیْسَ مِنَّا مَنْ قَاتَلَ عَصَبِیَّةً۔ (رواہ ابوداؤد)

(۷۵۶) عَنْ وَاثِلَةَ بْنِ الْاَسْقَعِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا الْعَصَبِیَّةُ قَالَ اَنْ تُعِیْنَ قَوْمَكَ عَلَی الظُّلْمِ۔ (رواہ ابوداؤد)

---

(۷۵۲) ابن عمرؓ اور ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت بیان کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو مسلمانوں پر تلوار اٹھائے وہ ہم میں سے نہیں (بخاری شریف) مسلم شریف میں اس پر اتنا اضافہ ہے کہ جو ہمیں دھوکہ دے وہ بھی ہم میں نہیں

(۷۵۳) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ شخص ہم میں سے نہیں جو کسی عورت کو اس کے شوہر یا کسی غلام کو اس کے آقا کی طرف سے بھڑکائے۔ (ابوداؤد)

(۷۵۴) جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوٹ مار کرنے والے کے ہاتھ نہ کاٹے جائیں اور جو دن دہاڑے یہ جرم کرے گا وہ ہم میں سے نہیں (اگرچہ اس پر سارق کا اطلاق نہ ہونے کی وجہ سے حد سرقہ قائم نہ ہو سکے) (ابوداؤد)

(۷۵۵) جبیر بن مطعم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو صرف قومی عصبیت کی دعوت دے اور صرف عصبیت کی بنا پر جنگ کرے وہ ہم میں سے نہیں۔ (ابوداؤد)

(۷۵۶) واثلہ بن اسقع بیان کرتے ہیں کہ میں نے عرض کیا یا رسول اللہ عصبیت کی کیا تعریف ہے فرمایا یہ کہ تو ظلم پر بھی اپنی قوم کی مدد پر اڑا رہے۔ (ابوداؤد)

---

(۷۵۳) یعنی جو شخص معاشرتی زندگی کو گندہ کرنے کے درپے ہو وہ اسلام کے لئے ایک بدنما داغ ہے اسلام میں تمدنی اور معاشرتی زندگی کو بڑی اہمیت دی گئی ہے اسی لئے وہ شخص جو اسلام کی اجتماعی وحدت میں خلل انداز ہو مسلمانوں میں شمار ہونے کے قابل نہیں ہوتا۔

(۷۵۷) عَنْ ابْنِ مَسْعُوْدٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَصَرَ قَوْمَهُ عَلٰى غَيْرِ الْحَقِّ فَهُوَ كَالْبَعِيْرِ الَّذِيْ رُدِّيَ فَهُوَ يُنْزَعُ بِذَنَبِهٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۷۵۸) عَنْ عُبَادَةَ بْنِ كَثِيْرَةَ الشَّامِيِّ مِنْ اَهْلِ فَلَسْطِيْنَ عَنْ اِمْرَءَةٍ مِنْهُمْ يُقَالُ لَهَا فُسَيْلَةُ اَنَّهَا قَالَتْ سَمِعْتُ اَبِيْ يَقُوْلُ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمِنَ الْعَصَبِيَّةِ اَنْ يُحِبَّ الرَّجُلُ قَوْمَهُ قَالَ لَا وَلٰكِنْ مِنَ الْعَصَبِيَّةِ اَنْ يَنْصُرَ الرَّجُلُ قَوْمَهُ عَلَى الظُّلْمِ (رواہ احمد ابن ماجہ)

(۷۵۹) عَنْ سُرَاقَةَ بْنِ مَالِكِ بْنِ جُعْشُمٍ قَالَ خَطَبَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ خَيْرُكُمُ الْمُدَافِعُ عَنْ عَشِيْرَتِهٖ مَا لَمْ يَأْثَمْ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۷۶۰) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيَنْتَهِيَنَّ اَقْوَامٌ يَفْتَخِرُوْنَ بِاٰبَائِهِمُ الَّذِيْنَ مَاتُوْا اِنَّمَا هُمْ فَحْمٌ مِنْ جَهَنَّمَ اَوْ لَيَكُوْنَنَّ اَهْوَنَ عَلَى اللّٰهِ مِنَ الْجُعَلِ الَّذِيْ يُدَهْدِهُ الْخِرَاءَ بِاَنْفِهٖ اِنَّ اللّٰهَ قَدْ اَذْهَبَ عَنْكُمْ عُبِّيَّةَ الْجَاهِلِيَّةِ وَفَخْرَهَا بِالْاٰبَاءِ اِنَّمَا هُوَ مُؤْمِنٌ تَقِيٌّ اَوْ فَاجِرٌ

---

(۷۵۷) ابن مسعود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے جو شخص حق کے خلاف میں بھی اپنی قوم کی مدد پر اڑا رہے اس کی مثال اس اونٹ کی سی ہے جو کہیں اوندھا گر جائے پھر اس کو دم پکڑ کر نکالنا چاہیں (اور وہ نکل نہ سکے) (ابوداؤد)

(۷۵۸) عبادۃ بن کثیر شامی فلسطین کے باشندے اپنی ہی قبیلہ کی ایک عورت سے روایت کرتے ہیں جس کا نام فسیلہ تھا وہ بیان کرتی ہے کہ میں نے خود اپنے باپ کو یہ فرماتے سُنا ہے کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا کیا اپنی قوم سے محبت کرنی بھی عصبیت میں داخل ہے فرمایا قطعاً نہیں۔ عصبیت یہ ہے کہ اپنی قوم کی ظلم پر بھی مدد کرے۔ (احمد۔ ابن ماجہ)

(۷۵۹) سراقہ بن مالک بن جعشم روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار خطبہ دیا اور اس میں فرمایا کہ تم میں وہ شخص سب سے اچھا ہے جو اپنے قبیلہ کی طرف سے جواب دہی کرے جب تک کہ اس میں گناہ نہ ہو۔ (ابوداؤد)

(۷۶۰) ابوہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ یا تو لوگ اپنے ان باپ دادوں پر فخر کرنے سے باز آجائیں جو مر چکے ہیں اور دوزخ میں جل کر کوئلہ بن چکے ہیں نہیں تو وہ اللہ تعالیٰ کے نزدیک اس کیڑے سے بڑھ کر ذلیل ہو کر رہیں گے جو اپنی ناک سے پاخانہ ہٹا ہٹا کر چلتا ہے۔ اب اللہ تعالیٰ نے تم کو جاہلیت کے باپ دادوں پر فخر کرنے سے روک دیا ہے۔ اب (قومیت کی تقسیم نہیں ہے) صرف دو قسمیں ہیں یا متقی مومن

شَقِيٌّ النَّاسُ كُلُّهُمْ بَنُوْ آدَمَ وَآدَمُ مِنْ تُرَابٍ۔ (رواہ الترمذی وابوداؤد)

(۷۶۱) عَنْ أَبِي عُقْبَةَ وَكَانَ مَوْلًى مِنْ أَهْلِ فَارِسَ قَالَ شَهِدْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم أُحُدًا فَضَرَبْتُ رَجُلًا مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ فَقُلْتُ خُذْ هَا مِنِّيْ وَأَنَا الْغُلَامُ الْفَارِسِيُّ فَالْتَفَتَ إِلَيَّ فَقَالَ هَلَّا قُلْتَ خُذْ هَا مِنِّيْ وَأَنَا الْغُلَامُ الْأَنْصَارِيُّ (رواہ ابوداؤد)

یا شقی فاجر۔ سب لوگ ایک آدم علیہ السلام کی اولاد ہیں اور ان کی حقیقت یہ تھی کہ وہ مٹی سے بنائے گئے تھے۔ (پھر یہ نقصان سب ہی میں ہے اب باہم فخر کرنے کی بات کیا رہی) (ترمذی۔ ابوداؤد)

(۷۶۱) ابوعقبہ فارس کے غلام تھے یہ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ جنگ احد میں شریک ہوا ہوں۔ میں نے ایک مشرک کے تلوار ماری اور یہ کہا کہ میں فارسی بچہ ہوں، یہ ضرب میری جانب سے لیتا جا۔ آپ فوراً میری جانب متوجہ ہوئے اور فرمایا تونے اس کے بجائے یہ کیوں نہ کہا کہ میں انصاری بچہ ہوں یہ ضرب میری جانب سے لیتا جا۔ (ابوداؤد)

(۷۶۱) مذکورہ بالا حدیثوں میں جہاں جہاں لیس منا (ہم میں سے نہیں) کا کلمہ آگیا ہے علما نے اس کی مختلف مرادیں تحریر فرمائی ہیں یہاں سب سے اچھی شرح امام طحاوی کی معلوم ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ یہی کلمہ قرآن کریم میں دو جگہ استعمال ہوا ہے۔

(۱) فَمَنْ شَرِبَ مِنْهُ فَلَيْسَ مِنِّيْ وَمَنْ لَّمْ يَطْعَمْهُ فَإِنَّهٗ مِنِّيْ۔ — جس نے اس نہر کا پانی پیا وہ ہمارا نہیں اور جس نے اس کو نہ چکھا تو وہ بیشک ہمارا ہے۔

(۲) فَمَنْ تَبِعَنِيْ فَإِنَّهٗ مِنِّيْ وَمَنْ عَصَانِيْ فَإِنَّكَ غَفُوْرٌ رَّحِيْمٌ۔ — جس نے میرا اتباع کیا وہ ہمارا ہے اور جس نے نافرمانی کی تو بیشک تو بڑا بخشنے والا اور رحم فرمانے والا ہے۔

ان دونوں آیتوں سے ظاہر ہوتا ہے کہ جو شخص نبی کے حکم اور اس کی شریعت کا تبع ہوتا ہے وہ اس کا اور اس کی جماعت کا فرد شمار ہوتا ہے اور جو اس کا تبع نہیں ہوتا وہ اس کا جماعتی آدمی نہیں سمجھا جاتا۔ پس بعض افعال ایسے ہوتے ہیں کہ ان کو اسلامی شریعت سے کسی ایسے نہج کا علاقہ ہوتا ہے کہ اس سے علیحدگی گویا اسلامی معاشرت سے علیحدگی تصور کی جاتی ہے ایسے موقعہ پر حدیث اس کلمہ کا اطلاق کردیتی ہے۔ اگر یہ علیحدگی اور بڑھ جائے تو کفر کی حد تک بھی پہنچ سکتی ہے اور اسی معنے سے حضرت نوح علیہ السلام کے لڑکے کے متعلق ارشاد ہوا۔

إِنَّهٗ لَيْسَ مِنْ أَهْلِكَ — وہ تمہارے گھر کا آدمی نہیں

لہٰذا اس تعبیر سے بہت ہشیار رہنا چاہئے کیونکہ وہ صرف کسی بے عنوانی تک جاکر نہیں ٹھہرتی۔ بلکہ بعض مرتبہ اس سے آگے بھی تجاوز کرسکتی ہے۔

(۷۶۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ أَبِيهِ عَنْ جَدِّهِ أَنَّ رَسُولَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ تَشَبَّهَ بِغَيْرِنَا لَا تَشَبَّهُوا بِالْيَهُودِ وَلَا بِالنَّصَارٰى فَإِنَّ تَسْلِيمَ الْيَهُودِ الْإِشَارَةُ بِالْأَصَابِعِ وَتَسْلِيمَ النَّصَارٰى الْإِشَارَةُ بِالْأَكُفِّ. (رواه الترمذی وقال اسناده ضعیف قال علی القاری فی المرقاة ولعل وجهه انه من عمرو بن شعیب عن ابیه عن جده وفیه خلاف وقد اسنده السیوطی فی الجامع الصغیر الی ابن عمر. فارتفع النزاع۔

(۷۶۲) عمرو بن شعیب اپنے والد وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دوسروں . . . . کی مشابہت اختیار کرتا ہے وہ ہم میں سے نہیں ہے اس لئے تم سلام کرنے میں نہ تو یہود کی مشابہت اختیار کرو نہ نصاریٰ کی۔ یہود تو سلام کے لئے انگلی کا اشارہ کرتے ہیں اور نصاریٰ اپنی ہتیلی کا۔ (تم صرف لفظ السلام علیکم پر کفایت کیا کرو۔ ضرورت ہو تو دوسری بات ہے)۔ (ترمذی شریف)

(۷۶۲) حافظ ابن قیم کی کتاب اقتضاء الصراط المستقیم سے معلوم ہوتا ہے کہ تشبہ بالکفار کا تعلق اضطراری یا ان اختیاری افعال کے ساتھ نہیں ہے جو انسان کے فطری تقاضے سے سرزد ہوتے ہیں بلکہ یا تو صرف عبادات کے ساتھ ہے یا اگر وہ عادات اور معاشرت سے متعلق ہیں تو پھر ان کی دو صورتیں ہیں یا تو وہ افعال ایسے ہیں جو خود قبیح ہیں جیسے ٹخنوں سے نیچا یا ریشمیں کپڑا پہننا یا کوئی ایسی حرکت جس سے باطل معبودوں کی کوئی عظمت ظاہر ہوتی ہو اس قسم کے امور تو فی نفسہٖ بھی ممنوع ہوں گے اور ان میں تشبہ بالکفار ان کے لئے دوسری وجہ ممانعت رہیگی۔ اور اگر وہ امور ایسے ہیں جن میں فی نفسہٖ کوئی قباحت نہ ہو تو اگر وہ کسی قوم کا شعار بن چکے ہوں یعنی کسی قوم کے ساتھ اس طرح مخصوص ہو چکے ہوں کہ ان کا اختیار کرنے والا بظاہر اسی قوم کا فرد معلوم ہوتا ہو تو ان میں بھی تشبہ ممنوع ہوگا اور اگر وہ امور مباح ہیں اور کسی کا شعار نہیں تو پھر اگر ہمارے پاس ان کا بدل موجود ہے تو پھر بھی ان کا ترک کر دینا اولیٰ و انسب ہوگا کہ یہی اسلامی غیرت کا تقاضہ ہے جیسا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی شخص کے ہاتھ میں ایک فارسی طرز کی کمان دیکھی تو فرمایا اپنے ہاتھ میں یہ کیا لئے ہوئے ہے ایسی عربی طرز کی کمان رکھو جیسی میرے ہاتھ میں ہے جس کے ذریعہ سے اللہ تعالیٰ نے تمہیں فتوحات نصیب فرمائی ہیں اور اگر وہ اشیاء ایسی ہیں جن کا ہمارے پاس کوئی بدل نہیں جیسا جدید مصنوعات تو ان کے استعمال میں کوئی مضائقہ نہیں بشرطیکہ ان میں تشبہ کی نیت نہ ہو اور اگر ان کے استعمال میں کفار کے ساتھ تشبہ ہی کی نیت ہو تو وہ بھی ممنوع ہوں گے۔ قال فی البحر اعلم ان التشبہ باھل الکتاب لایکرہ فی کل شئی فلنا فاکل ونشرب کما یفعلون انما الحرام التشبہ فیما کان مذموما وفیما یقصد بہ التشبہ۔ اہ اس باب کی اصل روح یہ ہے کہ قوموں کی معاشرتوں اور ان کا تمدن جب مشترک ہو جاتا ہے تو پھر اس کی سرحدیں بہت جلد مذہب اور دین سے بھی ٹکرانے لگتی ہیں کیونکہ اسلام کا دائرہ ایسا وسیع ہے جس سے ہمارا تمدن بھی خارج نہیں ہے اس لئے معاشرت کے عام شعبوں میں تشبہ بالکفار سے بھی اسلامی معاشرت کے ساتھ ٹکراؤ پیدا ہونا ناگزیر ہو جاتا ہے پھر رفتہ رفتہ یہ ٹکر عبادات کی حدود میں بھی ہونے لگتی ہے اور مشتبہ شدہ دین اسلام کی صورت ہی مسخ ہونے کا خطرہ پیدا ہو جاتا ہے۔ (باقی حاشیہ بر صفحۂ آئندہ)

(۷۶۳) عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ كُنَّا فِي الْجَاهِلِيَّةِ نَقُوْلُ أَنْعَمَ اللّٰهُ بِكَ عَيْنًا وَأَنْعِمْ صَبَاحًا فَلَمَّا كَانَ الْإِسْلَامُ نُهِيْنَا عَنْ ذٰلِكَ ۔ (رواه ابوداؤد)

(۷۶۴) عَنْ عَقِيْلِ بْنِ أَبِيْ طَالِبٍ قَالَ أَنَّهُ تَزَوَّجَ امْرَأَةً مِنْ بَنِيْ جُشَمٍ فَقَالُوْا بِالرِّفَاءِ وَالْبَنِيْنَ فَقَالُوْا لَا تَقُوْلُوْا هٰكَذَا وَلٰكِنْ قُوْلُوْا كَمَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَللّٰهُمَّ

(۷۶۳) عمران بن حصین روایت کرتے ہیں کہ زمانۂ جاہلیت میں ہم سلام کے موقعہ پر یوں کہا کرتے کہ خدا تعالیٰ تمہاری آنکھیں ٹھنڈی رکھے اور اطمینان و آرام کے ساتھ تمہیں صبح نصیب ہو۔ جب اسلام کا دور آیا تو اس نے ہم کو اس طریقے سے روک دیا۔ (اور اس کے بجائے السلام علیکم کا لفظ تعلیم کیا) (ابوداؤد)

(۷۶۴) عقیل بن ابی طالب سے روایت ہے کہ انہوں نے قبیلہ بنی جشم کی ایک عورت سے نکاح کیا تو لوگوں نے ان کو مبارکبادی دینے کے لئے وہی الفاظ کہے جو اس موقعہ پر زمانۂ جاہلیت میں کہے جاتے تھے یعنی نکاح مبارک ہو

(بقیہ صفحۂ گذشتہ) یہی حکمت ہے کہ شریعت نے ان امور سے بھی احتراز کرنا لازمی قرار دیا ہے جو کسی پہلو سے مشتبہ الحکم ہوں خواہ ان میں کفار کے ساتھ کوئی تشبہ بھی نہ پایا جائے۔ پس مسئلہ تشبہ کی بنیاد صرف کفار کے ساتھ مخالفت پر نہیں بلکہ دراصل دین کی حدود کے تحفظ پر ہے یہی وجہ ہے کہ ایک عورت کو مرد کے ساتھ اور ایک مرد کو عورت کے ساتھ تشبہ کی بھی ممانعت فرمائی گئی ہے اگرچہ وہ دونوں مسلمان ہوں اسی طرح اس کی بنیاد کسی تنگ نظری پر بھی نہیں ہے بلکہ اگر کوئی حقیقت اپنی کوئی صورت بنی نفسہا رکھتی ہے تو جب تک اس کے حدود ممتاز و متمیز نہ ہوں وہ دوسری حقیقت سے ممتاز ہو ہی نہیں سکتی۔ چنانچہ خارجی اشیاء کا باہم امتیاز بھی ان کے حدود کے تحفظ ہی پر موقوف ہے۔ ایک ملک دوسرے ملک سے ایک دریا دوسرے دریا سے ایک درخت دوسرے درخت سے اور ایک حیوان دوسرے حیوان سے اپنی الگ الگ شکل ہونے کی بدولت ہی ممتاز نظر آتے ہیں پس جس طرح ان کے یہ امتیازات کسی تعصب یا مخالفت کی بنیاد پر نہیں بلکہ اپنی اپنی حقیقت کے تحفظ کی بنیاد پر ہیں۔ اسی طرح دین و مذہب کی حدود کا تحفظ بھی کسی تعصب پر مبنی نہیں بلکہ صرف اپنی حقیقی شکل و صورت کے تحفظ پر مبنی ہے اور اگر بالفرض اسلام کیلئے کفر کے ساتھ تشبہ کی کوئی وجہ جواز پیدا کر لی جائے تو پھر ان دونوں کو ایک دین کہنے کیلئے کوئی وجہ ممانعت نہیں نکل سکتی۔ الحاصل مسئلہ تشبہ کی مخالفت نہ تو کسی دلیل پر مبنی ہے اور نہ کسی عمیق سیاست پر بلکہ صرف اس حقیقت کے عدم سے ناواقفی پر مبنی ہے جس سے ادیان کا امتیاز قائم رہ سکتا ہے چنانکہ مجھے خیال آتا ہے محقق ابن خلدون نے تو یہاں تک لکھ دیا ہے کہ جب کسی قوم سے قومی تعصب نکل جاتا ہے تو وہ بہت جلد فنا ہو جاتی ہے لیکن اسلام نے عصبیت سے آزاد کیا ہے مگر تشبہ بالکفار کی بھی اجازت نہیں دی عصبیت اور تشبہ کا فرق آپ اس باب کی احادیث کے ضمن میں معلوم کر لیں گے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

(۷۶۳) عرب کا طریقہ تھا کہ جب وہ کہیں غارت گری کرتے تو صبح ہی کے وقت کرتے اس لئے ان کے مذاق کے مطابق یہ لفظ دعا عافیت کے مرادف تھے اسلام نے ان الفاظ سے روکا کیونکہ اس میں ایک بری رسم کی یاد تازہ ہوتی ہے۔ آج کل انگریزی زبان میں سلام کے موقعہ پر جو الفاظ مستعمل ہوتے ہیں وہ بھی اسی کے ہم معنی ہیں۔ اب اس کا فیصلہ خود آپ ہی فرمائیے کہ جب یہ مضمون عربی زبان میں پسندیدہ نہیں تو کیا انگریزی زبان میں پسندیدہ ہو گا۔

بَارِكْ لَهُمْ وَبَارِكْ عَلَيْهِمْ۔ (رواه النسائی وابن ماجه واحمد بمعناه)

(۷۶۵) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَدِمَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمَدِيْنَةَ وَلَهُمْ يَوْمَانِ يَلْعَبُوْنَ فِيْهِمَا فَقَالَ مَا هٰذَانِ الْيَوْمَانِ قَالُوْا كُنَّا نَلْعَبُ فِيْهِمَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اَبْدَلَكُمُ اللّٰهُ بِهِمَا خَيْرًا مِّنْهُمَا يَوْمَ الْاَضْحٰى وَيَوْمَ الْفِطْرِ (ابوداؤد)

(۷۶۶) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا فَرَعَ وَلَا عَتِيْرَةَ قَالَ وَالْفَرَعُ اَوَّلُ نِتَاجٍ كَانَ يُنْتَجُ لَهُمْ كَانُوْا يَذْبَحُوْنَهُ لِطَوَاغِيْتِهِمْ وَالْعَتِيْرَةُ فِيْ رَجَبٍ۔ (متفق علیه)

(۷۶۷) عَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَزَالُ الدِّيْنُ ظَاهِرًا

---

اور باہم انس ومحبت اور اولاد نرینہ نصیب ہو۔ اس پر دوسرے لوگوں نے کہا یوں مت کہو بلکہ وہ کلمات کہو جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائے ہیں اے اللہ ان کے نکاح میں برکت دے اور خود ان کے اوپر بھی برکت نازل فرما۔ (نسائی۔ ابن ماجہ۔ احمد)

(۷۶۵) انس بیان کرتے ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ طیبہ تشریف لائے تو اس وقت ان کے یہاں (سال میں) دو دن مقرر تھے جن میں وہ خوشی منایا کرتے تھے آپ نے پوچھا یہ دو دن کیسے ہیں انھوں نے جواب دیا ہم ان میں زمانۂ جاہلیت سے خوشی مناتے آئے ہیں۔ آپ نے فرمایا اب اللہ تعالیٰ نے اس کے بدلے میں تمہاری خوشی منانے کے لئے اس سے بہتر دو دن مقرر فرما دیئے ہیں ایک عید قرباں کا دوم عید فطر کا۔ (ابوداؤد)

(۷۶۶) ابوہریرہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا ہے کہ فرع اور عتیرہ اسلام میں کوئی چیز نہیں (فرع) جانور کے اس پہلے بچہ کو کہتے ہیں جو بتوں کے نام پر ذبح کیا جاتا تھا اور عتیرہ وہ ہوتا تھا جو رجب میں بتوں کے نام پر ذبح ہوتا تھا۔ (متفق علیہ)

(۷۶۷) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب تک لوگ افطار کرنے میں

---

(۷۶۵) اہل اسلام کے ایام عید ان کی خاص خاص عبادتوں کی یادگاریں ہیں ان میں مسرت اور خوشی منانا صرف ایک پیرایہ ہے ان کی اصل حقیقت عبادت ہے۔ پس کفار کے ایام عید کو ان ایام سے کیا نسبت ہو سکتی ہے ان کی حقیقت آخرت سے غفلت اور لہو لعب ہے اور ان ایام کی حقیقت تکبیرات اور ذکر اللہ۔ سوچو کہ جس قوم کی مسرت وخوشی میں بھی عبادت کی حقیقت پنہاں ہو اس کی عبادت کی حقیقت کیا ہوگی ؏ قیاس کن زگلستان من بہار مرا۔

یہ بہت بڑی غفلت اور جہالت ہے کہ مسلمانوں نے اپنے ایام عید کو بھی دوسرے مذاہب کی طرح ایک تہوار سمجھ لیا ہے۔ تمہارے ان ایام میں خوشی منانے کی اصل روح یہ ہے کہ تم نے ان ایام میں ایک بڑے شرعی پروگرام کی تکمیل کی ہے اس لئے اس خوشی میں بھی ذکر وعبادت کی شان غالب ہونی چاہئے نہ کہ لہو ولعب کی۔

مَا عَجَّلَ النَّاسُ الْفِطْرَ لِاَنَّ الْيَهُوْدَ وَالنَّصَارٰى يُؤَخِّرُوْنَ۔ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ)

(۷۶۸) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِثْنَتَانِ فِی النَّاسِ هُمَا بِهِمْ كُفْرٌ الطَّعْنُ فِی النَّسَبِ وَالنِّيَاحَةُ عَلَى الْمَيِّتِ۔ رواہ مسلم

## الرغبۃ عن الاٰباء واباق العبد عن موالیہ کفر

(۷۶۹) عَنْ عِرَاكِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّهٗ سَمِعَ اَبَا هُرَيْرَةَ يَقُوْلُ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَرْغَبُوْا عَنْ آبَائِكُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِيْهِ فَهُوَ كُفْرٌ۔ (رواہ مسلم)

---

دیر نہ کریں گے دین اسلام برابر غالب رہے گا کیونکہ یہود و نصاریٰ دیر سے افطار کرتے ہیں۔ (ابوداؤد وابن ماجہ)

(۷۶۸) ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا لوگوں میں دو باتیں کفر کی ہیں نسب میں طعن کرنا اور مردوں پر نوحہ کرنا۔ (مسلم شریف)

## اپنے والد کے باپ ہونے سے انکار کرنا اور غلام کا اپنے آقا کے پاس سے بھاگ جانا کفر کے ہم پلہ ہے

(۷۶۹) عراک بن مالک کہتے ہیں کہ انھوں نے ابوہریرہؓ کو بیان کرتے سنا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے والد کی طرف انتساب سے نفرت نہ کیا کرو جس شخص نے (صرف فخر و مباہات کے لئے) اپنے والد سے رشتہ توڑا (اور کسی مشہور شخصیت سے جوڑا) تو یہ بھی ایک کفر کی بات ہے۔ (مسلم شریف)

---

(۷۶۷) اسلام میں حفاظت حدود کی بڑی تاکید کی گئی ہے خواہ وہ ایام ہوں یا ایام میں ساعات کیونکہ جب قومیں کسی اجنبی تمدن اجنبی معاشرت یا مذہبی اثرات کا شکار ہوتی ہیں تو سب سے پہلے اس کا اثر ان حدود ہی کے اندر ظاہر ہوتا ہے پہلے یہ حدود ہی مٹتی ہیں اور جب یہ درمیانی حدود مٹنے لگتی ہیں تو پھر قوموں کے جملہ طور و طریق اس طرح خلط ملط ہو جاتے ہیں کہ ان میں کوئی امتیاز باقی نہیں رہتا جس قوم کی یہ حدود پہلے مٹیں سمجھ لو کہ اس کی مغلوبیت کا آغاز ہو گیا۔ تعجیل فطر بھی ان حدود کی ایک کڑی ہے۔ جن گوشوں سے نصرانیت اسلام میں داخل ہو سکتی ہے ان میں سے ایک یہ بھی ہے عبادات میں روزہ ایک اہم عبادت ہے اس لئے اس میں بھی اپنی حدود سے تغافل کرنا اس امر کی دلیل ہے کہ دوسرے گوشوں میں بھی خاصا تخلخل پیدا ہو چکا ہے۔

(۷۶۸) اس قسم کی احادیث کا منشا یہ ہے کہ مسلمانوں کو ان عادات سے پرہیز کرنا چاہئے۔ عرب کے مفاخر میں چونکہ نسب بھی شامل تھا اس لئے دوسروں کے نسبوں پر طعن کرنا بھی ان کی مغرورانہ شان کا ایک جزو بن گیا تھا نوحہ بھی ان کے نزدیک انسانی شرف و بزرگی کی نمائش کا ایک خاص طریق تھا یہ عارضی نمائشیں اسلامی مزاج کے موافق نہیں آتیں۔

(۷۶۹) سب سے بڑا کفر یہ ہے کہ انسان اپنا رشتہ مخلوقیت خالق سے توڑ کر غیر خالق سے جوڑ لے اور دوسرے نمبر کا کفر یہ ہے کہ (محض نفسانی کی نیت سے) رشتہ ابنیت اپنے والد کے بجائے غیر والد کے ساتھ قائم کرے اسی قریب غلام ہے جو اپنے آقا و مالک کو چھوڑ کر بھاگ جائے یا رشتہ عبادت اپنے مالک کے سوا غیر مالک کے ساتھ قائم کرلے۔

(۷۷۰) عَنْ جَرِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اَبَقَ الْعَبْدُ لَمْ تُقْبَلْ لَهٗ صَلٰوةٌ وَفِیْ رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ اَيُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وفی روایۃ عنہ قَالَ اَيُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ مِنْ مَوَالِيْهِ فَقَدْ كَفَرَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْهِمْ۔ (رواہ مسلم)

## لا ينبغي للمؤمن ان يقول انا بریٔ من الاسلام

(۷۷۱) عَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ اَنَا بَرِیْءٌ مِنَ الْاِسْلَامِ فَاِنْ كَانَ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَاِنْ كَانَ صَادِقًا فَلَنْ يَرْجِعَ اِلَى الْاِسْلَامِ سَالِمًا۔ (رواہ النسائی وابوداؤد وابن ماجہ)

(۷۷۰) جریر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کسی کا غلام اپنے آقا سے بھاگ کر چلا جائے تو اس کی کوئی نماز قبول نہیں ہوتی اور ایک روایت میں یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ اس سے بری الذمہ ہو جاتا ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ وہ کافر ہو جاتا ہے جب تک کہ اس کے پاس پھر واپس نہ آجائے (مسلم شریف)

## یوں کہنا مومن کی شان کے خلاف ہے کہ اگر فلاں کام نہ کروں تو میں مسلمان نہیں

(۷۷۱) بریدہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو شخص یوں کہے کہ میں اسلام سے بیزار ہوں تو اگر اس نے یہ جھوٹ کہا تھا جب تو وہ درحقیقت مسلمان نہیں رہا اور اگر سچ کہا تھا جب بھی اس کا اسلام صحیح وسالم نہیں بچتا (کچھ نہ کچھ زخمی ہو جاتا ہے)۔ (ابوداؤد نسائی۔ ابن ماجہ)

(۷۷۱) مذکورہ بالا مسئلہ کی صورت یوں بیان کی گئی ہے کہ اگر کسی شخص نے زید سے بات کی پھر یہ کہا کہ اگر میں نے زید سے بات کی ہو تو میں مسلمان نہیں تو اگر اس نے یہ جھوٹ دانستہ بولا ہے تو اس قسم کا مطلب ہی یہ ہے کہ اس کے نزدیک اپنے اسلام کی کوئی قدر و قیمت نہیں اور اگر وہ سچا تھا اور درحقیقت اس نے زید سے بات نہ کی تھی پھر بھی اس سے کم از کم یہ نتیجہ تو ضرور برآمد ہوتا ہے کہ اس کے نزدیک اسلام کسی نہ کسی صورت میں قابل ترک فرض کیا جا سکتا ہے۔ ایمان کی نزاکت بے تعلقی کی اتنی بھی برداشت نہیں کرتی۔ اسی طرح یوں قسم کھانا کہ اگر میں نے ایسا کیا ہو یا ایسا کروں تو مجھے مرتے دم ایمان نصیب ہو بہت بیجا سخاوت ہے اسلام سے محرومی کسی صورت میں بھی قابل برداشت نہ ہونی چاہئے کامل مسلمان وہ ہے جو اپنی زندگی میں ہر بات کا تصور کر سکتا ہے مگر ترک ایمان کا تصور کبھی نہیں کر سکتا۔ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ میں اسی عزیمت کی طرف اشارہ کیا گیا ہے ورنہ اسلام پر موت کس کے بس کی بات ہے۔ اسلام انقیاد و اطاعت کے صرف چند کلمات کا نام ہے اسی لئے وہ اس کے خلاف چند کلمات کہنے سے مجروح بھی ہو جاتا ہے۔

## من رمی اخاہ المسلم بالفسوق او الکفر ارتد علیہ

(۷۷۲) عَنْ اَبِیْ ذَرٍّ اَنَّہٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَرْمِیْ رَجُلٌ رَجُلًا بِالْفُسُوْقِ وَلَا یَرْمِیْہِ بِالْکُفْرِ اِلَّا ارْتَدَّتْ عَلَیْہِ اِنْ لَّمْ یَکُنْ صَاحِبُہٗ کَذٰلِکَ۔ (رواہ البخاری وغیرہ)

(۷۷۳) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا قَالَ الرَّجُلُ لِاَخِیْہِ یَا کَافِرُ فَقَدْ بَاءَ بِہٖ اَحَدُھُمَا۔ (رواہ البخاری وغیرہ)

## جو مسلمان بھائی پر بے بات فسق و کفر کی تہمت لگاتا ہے وہ لوٹ کر اسی پر آپڑتی ہے

(۷۷۲) ابوذرؓ بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے کوئی شخص کسی پر فسق یا کفر کی تہمت نہیں لگاتا مگر وہ لوٹ کر اسی کے اوپر آپڑتی ہے اگر وہ شخص جس کے سر یہ تہمت رکھی گئی ہے اس کا اہل نہیں ہوتا۔ (بخاری)

(۷۷۳) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کو او کافر کہتا ہے تو دونوں میں سے ایک نہ ایک پر یہ کلمہ چسپاں ہو کر رہتا ہے۔ (بخاری)

(۷۷۳) احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ جو کلمہ منہ سے نکلتا ہے وہ کبھی فنا نہیں ہوتا۔ ظاہر بیں سمجھتا ہے کہ وہ صرف ایک سیال صورت تھی جو منہ سے نکلی اور فضاء عالم میں معدوم ہو گئی۔ لیکن حدیث یہ کہتی ہے کہ ایک ایک کلمہ جو کسی کے منہ سے نکلتا ہے وہ سب بدستور محفوظ رہتا ہے صرف کراماً کاتبین کے رجسٹروں میں نہیں بلکہ فضاء عالم میں بھی۔ ابوداؤد میں حضرت ابوالدرداء سے روایت ہے کہ جب کوئی شخص کسی پر لعنت کرتا ہے تو یہ کلمہ سب سے پہلے آسمان کی طرف جاتا ہے جب اسے رحمت کی سمت جگہ نہیں ملتی تو زمین کی طرف آتا ہے پھر دائیں بائیں گھومتا ہے جب یہاں بھی جگہ نہیں ملتی تو اب خاص اس شخص کی طرف بڑھتا ہے جس پر یہ لعنت کی گئی تھی اگر وہ بھی اس کا اہل نہیں ہوتا تو آخر لوٹ کر خود لعنت کرنے والے کی طرف آجاتا ہے۔

آدمی خیال کرتا ہے کہ اس کے اقوال و افعال حیوانات کی طرح کسی حساب میں نہیں حدیث سمجھاتی ہے کہ وہ سب سے اشرف نوع ہے اس کو اپنے ایک ایک حرف کا حساب دینا ہوگا۔ فقہاء نے اس حقیقت کو خوب سمجھا ہے اور اسی لئے کسی عاقل بالغ شخص کے کسی کلام کو تا امکان بیکار جانے نہیں دیتے کوئی نہ کوئی توجیہ نکال کر اس پر کوئی نہ کوئی حکم لگا ہی دیتے ہیں۔ کسی کو کافر کہنا کچھ ہنسی مذاق نہیں بڑی ذمہ داری کی بات ہے۔ یہ کلمہ معمولی بول چال میں بھی زبان پر لانے کے قابل نہیں، "یا کافر" صرف ایک ندائیہ کلمہ ہے کوئی فتویٰ نہیں ہے لیکن بے محل اس کلمہ کا استعمال بھی اپنا اثر دکھلائے بغیر نہیں رہتا۔

# من كفّر متأولاً او جاهلاً لم يكفر

(۴۷۷) حَدَّثَنَا جَابِرُ بْنُ عَبْدِ اللهِ أَنَّ مُعَاذَ بْنَ جَبَلٍ كَانَ يُصَلِّي مَعَ النَّبِيِّ صلى الله عليه وسلم ثُمَّ يَأْتِي قَوْمَهُ فَيُصَلِّي بِهِمْ صَلوٰةً فَقَرَأَ بِهِمُ الْبَقَرَةَ قَالَ فَتَجَوَّزَ رَجُلٌ فَصَلَّى صَلوٰةً خَفِيفَةً فَبَلَغَ ذٰلِكَ مُعَاذًا فَقَالَ إِنَّهُ مُنَافِقٌ فَبَلَغَ ذٰلِكَ الرَّجُلَ فَأَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا قَوْمٌ نَعْمَلُ بِأَيْدِينَا وَنَسْقِي بِنَوَاضِحِنَا وَإِنَّ مُعَاذًا صَلَّى بِنَا الْبَارِحَةَ فَقَرَأَ الْبَقَرَةَ فَتَجَوَّزْتُ فَزَعَمَ أَنِّي مُنَافِقٌ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاذُ أَفَتَّانٌ أَنْتَ ثَلَاثًا اِقْرَأْ وَالشَّمْسِ وَضُحٰهَا وَسَبِّحِ اسْمَ رَبِّكَ الْأَعْلٰى - (رواہ البخاری وغیرہ)

# تاویل یا ناواقفی سے کسی کو کافر کہنا کفر نہیں

(۴۷۷) جابر بن عبد اللہ نے بیان کیا کہ معاذ بن جبل کی یہ عادت تھی کہ وہ رسول اللہ کے ساتھ نماز پڑھتے اس کے بعد واپس آکر اپنی قوم کو نماز پڑھاتے ایک دن انھوں نے سورہ بقرہ پڑھی (ان کی اس لمبی قرأت کی وجہ سے) ایک شخص نے علیحدہ ہو کر ہلکی سی نماز پڑھ لی معاذ کو بھی یہ خبر لگی تو فرمایا وہ منافق ہے یہ بات اس شخص کو معلوم ہوگئی یہ آپ کی خدمت میں جا پہنچا اور عرض کی یا رسول اللہ ہم کاروباری لوگ ہیں اپنے ہاتھوں سے مزدوری کرتے ہیں اور اونٹوں کے ذریعہ سے پانی بھرتے ہیں۔ آج شب معاذؓ نے ہمیں نماز پڑھائی اور اس میں سورۂ بقرہ شروع کردی اس لئے میں نے اپنی نماز علیحدہ پڑھ لی اس پر معاذ خیال کرتے ہیں کہ میں منافق ہوں، آپ نے فرمایا معاذ کیا فتنہ برپا کرو گے تین بار فرمایا صرف والشمس وضحٰہا اور سبح اسم ربک الاعلیٰ جیسی سورتیں پڑھ لیا کرو۔ (بخاری شریف)

(۴۷۷) عہد نبوت میں جماعت میں شریک نہ ہونا نفاق کی کھلی علامت تھی یہاں اس شخص نے ایک معقول عذر کی بنا پر جماعت میں شرکت نہ کی مگر قوت عمل کے زمانہ میں معذوریوں کی طرف کس کا خیال اس لئے معاذؓ نے حسب ضابطہ اس کو بھی منافق کہدیا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ قصہ سن کر تطویل قرأت پر تو خاص طور پر تنبیہ کی مگر منافق کہنے پر اتنی تنبیہ نہیں کی جیسا کہ حاطب بن ابی بلتعہ کے واقعہ میں بھی ان کے متعلق حضرت عمرؓ کے منافق فرمانے پر بھی کوئی تنبیہ نہیں فرمائی کیونکہ ان مقامات پر منافق کہنا گو غلط تھا تاہم کچھ تاویل کی بنا پر تھا۔ اگر تاویل قابل نفاذ ہو تو قائل پر سخت گیری نہیں کی جاتی۔

## ادمان الخمر یشبہ عبادۃ الوثن

(۷۷۵) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُدْمِنُ الْخَمْرِ إِنْ مَاتَ لَقِيَ اللّٰهَ كَعَابِدِ وَثَنٍ۔ (رواہ احمد وروی ابن ماجۃ عن ابی ہریرۃ والبیہقی فی شعب الایمان عن محمد بن عبید اللہ عن ابیہ وقال ذکر البخاری فی التاریخ عن محمد بن عبد اللہ عن ابیہ)

(۷۷۶) عَنْ أَبِي مُوسَى (الْأَشْعَرِيِّ) أَنَّهُ كَانَ يَقُولُ مَا أُبَالِي شَرِبْتُ الْخَمْرَ أَوْ عَبَدْتُ هٰذِهِ السَّارِيَةَ دُونَ اللّٰهِ۔ (رواہ النسائی)

## لا یغفر لمشرک ولا لقاتل المؤمن عمدًا

(۷۷۷) عَنْ أَبِي الدَّرْدَاءِ عَنْ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كُلُّ ذَنْبٍ عَسَى اللّٰهُ أَنْ يَغْفِرَهُ إِلَّا مَنْ مَاتَ مُشْرِكًا أَوْ مَنْ يَقْتُلُ مُؤْمِنًا مُتَعَمِّدًا۔ (رواہ ابوداؤد وروی النسائی عن معاویۃ)

---

## شراب نوشی کی عادت بت پرستی کی برابر ہے

(۷۷۵) ابن عباسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرابی آدمی اگر مرے تو اللہ تعالیٰ کے سامنے ایک بت پرست کی طرح حاضر ہوگا۔ (احمد)

(۷۷۶) ابوموسیٰ فرمایا کرتے تھے کہ شراب پی لوں یا خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر اس ستون کی عبادت کر لوں میں تو ان دونوں باتوں میں کوئی فرق محسوس نہیں کرتا۔ (نسائی)

## مشرک اور مسلمان کے ناحق قاتل کی مغفرت نہ ہوگی

(۷۷۷) ابوالدرداء رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت فرماتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ شاید ہر گناہ کو بخشدے مگر جو شرک کی حالت میں مرجائے یا جان بوجھ کر کسی مسلمان کو ناحق قتل کر دے اس کی مغفرت کی کوئی توقع نہیں۔ (ابوداؤد۔ نسائی)

# نهي المؤمن عن تكثير سواد المشركين

(۷۷۸) عَنْ أَبِي الْأَسْوَدِ قَالَ قُطِعَ عَلَى أَهْلِ الْمَدِينَةِ بَعْثٌ فَاكْتُتِبْتُ فِيهِ فَلَقِيتُ عِكْرِمَةَ مَوْلَى ابْنِ عَبَّاسٍ فَأَخْبَرْتُهُ فَنَهَانِي عَنْ ذَلِكَ أَشَدَّ النَّهْيِ ثُمَّ قَالَ أَخْبَرَنِي ابْنُ عَبَّاسٍ إِنَّ نَاسًا مِنَ الْمُسْلِمِينَ كَانُوا مَعَ الْمُشْرِكِينَ يُكَثِّرُونَ سَوَادَ الْمُشْرِكِينَ عَلَى عَهْدِ رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَأْتِي السَّهْمُ فَيُرْمَى بِهِ فَيُصِيبُ أَحَدَهُمْ فَيَقْتُلُهُ أَوْ يُضْرَبُ فَيُقْتَلُ فَأَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالَى إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ ظَالِمِي أَنْفُسِهِمْ الآيَة۔ (رواه البخاری)

## مومن کی شان سے یہ بعید ہے کہ وہ مشرکین کی جماعت میں شامل رہ کر ان کی کثرت اور تقویت کا باعث بنے

(۷۷۸) عبدالرحمٰن ابوالاسود نے بیان کیا کہ اہلِ مدینہ نے اہلِ شام سے جنگ کیلئے ایک لشکر تیار کیا اس میں میرا نام بھی لکھا گیا میں نے حضرت ابنِ عباسؓ کے غلام عکرمہ سے اس کا ذکر کیا تو انھوں نے مجھے شدت سے منع فرمادیا اور یہ قصہ بیان کیا کہ حضرت ابنِ عباسؓ نے مجھ سے ذکر فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں کچھ مسلمان، مشرکوں کے ساتھ ملے جلے رہتے تھے اور ان کی وجہ سے جنگ کے موقعہ پر مشرکین کی جماعت کی تعداد میں اضافہ ہوتا تھا (اگرچہ ان کی دلی منشاء لڑنے کی نہیں تھی) ان میں ایک شخص کے تیر آکر لگتا اور وہ ختم ہوجاتا یا تلوار سے زخمی ہوتا اور مرجاتا ان کے متعلق یہ آیت نازل ہوگئی إِنَّ الَّذِينَ تَوَفَّاهُمُ الْمَلَائِكَةُ الخ وہ لوگ جن کی روحیں فرشتوں نے قبض کیں اس حالت میں کہ یہ لوگ اپنی جانوں پر ظلم کرنے والے تھے (کہ بوجہ ضعفِ ایمانی کے اپنے گھروں سے ہجرت نہ کرتے تھے جب وہ مرنے لگے) تو فرشتوں نے ان سے پوچھا تم کس حال میں تھے انھوں نے جواب دیا ہم اس ملک کے ضعیف اور بے بس باشندوں میں تھے (خوف کی وجہ سے اظہار اسلام بھی نہ کرسکتے تھے) فرشتوں نے کہا کیا تمہارے واسطے کہیں زمین ماری گئی تھی کہ تم وہاں ہجرت کرجاتے۔ (بخاری شریف)

(۷۷۸) اس واقعہ کے نقل کرنے سے عکرمہ کا مقصد یہ تھا کہ اللہ تعالیٰ نے جب مسلمانوں کیلئے یہ پسند نہیں فرمایا کہ وہ کسی باطل جماعت کے ساتھ شریک رہیں، تو میں بھی موجودہ جنگ میں تمہاری شرکت پسند نہیں کرتا کیونکہ میرے نزدیک یہ جہاد فی سبیل اللہ نہیں ہے اگر تم ان کے ساتھ ہوگئے تو تمہاری وجہ سے کم از کم ان کو جماعتی شرکت تو حاصل ہوگی یہ بھی باطل کی اعانت میں شامل ہے۔ خلاصہ یہ ہے کہ اسلام نے اپنے اختیار سے اس امر کی ہرگز اجازت نہیں دی کہ مسلمان کفر کے زیر اقتدار رہنا بخوشی برداشت کرے اس کے لئے صرف دو راستے ہیں یا ہجرت کرجائے اور یا بدرجہ مجبوری کفر کے اقتدار سے آزادی کے لئے ہمہ وقت جدوجہد کرتا رہے۔ یہ مسئلہ تفصیل طلب ہے۔ (مصح)

(۷۷۹) عَنْ سَمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ جَامَعَ الْمُشْرِكِيْنَ وَسَكَنَ مَعَهُ فَهُوَ مِثْلُهُ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۷۸۰) عَنْ جَابِرِ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَبَا بَكْرٍ وَعُمَرَ كَانُوْا مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ لِاَنَّهُمْ هَجَرُوا الْمُشْرِكِيْنَ وَكَانَ مِنَ الْاَنْصَارِ مُهَاجِرُوْنَ لِاَنَّ الْمَدِيْنَةَ كَانَتْ دَارَ شِرْكٍ فَجَاؤُا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْلَةَ الْعَقَبَةِ۔ (رواہ النسائی)

(۷۸۱) عَنْ جَرِيْرٍ قَالَ بَايَعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اِقَامِ الصَّلٰوةِ وَاِيْتَاءِ الزَّكٰوةِ وَالنُّصْحِ لِكُلِّ مُسْلِمٍ وَعَلٰى فِرَاقِ الْمُشْرِكِ وَفِيْ لَفْظٍ عَلٰى اَنْ تُفَارِقَ الْمُشْرِكِيْنَ۔ (رواہ النسائی)

---

(۷۷۹) سمرہ بن جندب فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس کا رہنا سہنا مشرکوں کے ساتھ رہے وہ ان ہی کی مثل ہے۔ (ابوداؤد)

(۷۸۰) جابر بن زید سے روایت ہے کہ حضرت ابن عباسؓ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور ابوبکرؓ و عمرؓ تو اس لئے مہاجر کہلائے کیونکہ انھوں نے مشرکین کو چھوڑ دیا تھا لیکن انصار میں بھی کچھ لوگ مہاجر تھے کیونکہ ابتدا میں مدینہ بھی دار شرک تھا۔ جب کچھ لوگ ان مشرکین کو چھوڑ کر لیلۃ العقبہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس چلے آئے (تو اس لحاظ سے وہ بھی مہاجر کہلائے)۔ (نسائی شریف)

(۷۸۱) جریرؓ کہتے ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے امور ذیل پر بیعت کی تھی۔ نماز قائم کرنا، زکوٰۃ ادا کرنا، ہر مسلمان کی خیر خواہی کرنا اور مشرکوں سے علیحدہ رہنا۔ (نسائی شریف)

---

(۷۸۰) ہجرت بظاہر ترک وطن کا نام ہے مگر ترک وطن کوئی مطلوب چیز نہیں۔ مکہ مکرمہ جیسا وطن ایسا وطن نہ تھا جس کو بخوشی کوئی ترک کر سکتا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ (وسلم) ہجرت کے وقت مڑ مڑ کر مکہ مکرمہ کو حسرت بھری نظروں سے دیکھتے جاتے اور فرماتے جاتے اے شہر مکہ اگر میری قوم ہی مجھکو تجھ سے زبردستی نہ نکالتی تو میں ہرگز اپنے اختیار سے تیرے سوا کہیں اور رہنا پسند نہ کرتا اس لئے ہجرت کی روح ترک وطن نہیں بلکہ شرک اور مشرک سے علیحدہ رہنا ہے جہاں شرک کا اقتدار ہو وہاں اسلامی حیات ہرگز نشوونما نہیں پا سکتی اس حالت میں اسلام کی حفاظت صرف ہجرت سے ہو سکتی ہے۔ فتح مکہ کے بعد مسئلہ ہجرت کا فیصلہ مستحقین ہی کی مرضی پر رکھا گیا۔

(۷۸۱) اسلام کے ابتدائی دور میں جبکہ تمام اقتدار کفر کے ہاتھ میں تھا مشرکوں سے علیحدہ رہنا بھی بیعت کا ایک اہم جزو قرار دیا گیا تھا۔ حدیثوں سے معلوم ہوتا ہے کہ علماء یہود نے جب اپنی قوم کے زشت اعمال کے باوجود ان سے متارکت اختیار نہ کی اور ان ہی کے ساتھ ہم نوالہ و ہم پیالہ بنے رہے تو اس مداہنت کی وجہ سے بے دینی کے جراثیم ان میں بھی سرایت کر گئے اور آخر کار وہ بھی لعنت کے تحت آ گئے۔ دوسروں نے اسی فلسفہ کے تحت چھوت کا مسئلہ ایجاد کیا تھا افسوس کہ انھوں نے تو ایک غلط قدم کو دین سمجھ لیا اور ہم نے دین کی ایک ضروری دفعہ کو تعصب سمجھ کر ترک کر دیا۔ یہاں ترجمان السنہ ج ۲ ص ۱۵۲ و ۱۵۳ بھی ملاحظہ کر لینا چاہیے۔

## التطير وتصديق الكاهن ونحوهما نوع من الشرك

(۷۸۲) عَنْ اُمِّ کُرْزٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ اَقِرُّوا الطَّیْرَ عَلٰی مَکِنَاتِھَا۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

(۷۸۳) عَنْ قَبِیْصَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْعِیَافَۃُ وَالطَّرْقُ وَالطِّیَرَۃُ مِنَ الْجِبْتِ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۷۸۴) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الطِّیَرَۃُ شِرْکٌ قَالَ لَہٗ ثَلَاثًا۔ (رواہ ابوداؤد والترمذی)

(۷۸۵) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَتٰی کَاھِنًا فَصَدَّقَہٗ بِمَا یَقُوْلُ اَوْ اَتَی امْرَاَتَہٗ حَائِضًا اَوْ اَتَی امْرَاَتَہٗ فِیْ دُبُرِھَا فَقَدْ بَرِئَ مِمَّا اُنْزِلَ عَلٰی مُحَمَّدٍ (صلی اللہ علیہ وسلم) (رواہ احمد وابوداؤد)

## بدفالی کا عقیدہ رکھنا اور کاہن کی تصدیق کرنا ایک قسم کا شرک ہے

(۷۸۲) ام کرز روایت کرتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ پرندوں کو اپنے گھونسلوں میں بیٹھا رہنے دو (اور انھیں اڑا کر اچھی یا بری فال نہ لیا کرو)۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

(۷۸۳) قبیصہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا پرندوں کو اڑا کر عرب کے طریقے پر نیک فال لینا یا رمل کا عمل کرنا یا بدفالی یہ سب شرک کے عمل ہیں۔ (ابوداؤد)

(۷۸۴) عبداللہ بن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا بدفالی ایک قسم کا شرک ہے۔ تاکیداً تین بار یہی فرمایا۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

(۷۸۵) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص کاہن کے (غیب کی خبریں بتلانے والا) پاس جائے اور اس کی باتوں کی تصدیق کرے یا ایام حیض میں اپنی بی بی سے صحبت کرے یا اس محل میں صحبت کرے جس میں صحبت کرنے سے اللہ تعالیٰ نے اس کو منع کیا ہے تو جو قرآن محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) پر نازل ہوا تھا وہ اس سے علیحدہ ہو چکا۔ (احمد۔ ابوداؤد)

(۷۸۶) عَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اُمُوْرًا كُنَّا نَصْنَعُهَا فِي الْجَاهِلِيَّةِ. كُنَّا نَأْتِي الْكُهَّانَ قَالَ فَلَا تَأْتُوا الْكُهَّانَ قَالَ كُنَّا نَتَطَيَّرُ قَالَ ذَالِكَ شَيْءٌ يَجِدُهُ اَحَدُكُمْ فِي نَفْسِهٖ فَلَا يَصُدَّنَّكُمْ قَالَ قُلْتُ وَمِنَّا رِجَالٌ يَخُطُّوْنَ خَطًّا قَالَ كَانَ نَبِيٌّ مِنَ الْاَنْبِيَاءِ يَخُطُّ فَمَنْ وَافَقَ خَطَّهٗ فَذَاكَ (رواه مسلم)

(۷۸۷) عَنْ سَعْدِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا هَامَةَ وَلَا عَدْوٰى

(۷۸۶) معاویہ بن حکم بیان کرتے ہیں کہ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کچھ باتیں ہم کفر کے زمانہ میں کیا کرتے تھے (اب ان کا کیا حکم ہے) ہم کاہنوں کے پاس جا کر (غیب کی خبریں دریافت کیا کرتے تھے) فرمایا اب ان کے پاس مت جاؤ، انھوں نے عرض کیا کہ دوسری بات یہ ہے کہ ہم پرندے اڑا کر نیک و بدفال کے بھی قائل تھے فرمایا بدفالی ایک ایسی چیز ہے جس کے تم سدا سے عادی چلے آتے ہو اس لئے تمہارے دلوں میں اس کا اثر تو ہوگا لیکن تم کو چاہئے کہ اس کی وجہ سے اپنے کام سے نہ رکو۔ میں نے عرض کیا ہمارے کچھ لوگ خطوط کھینچکر غیب کی خبریں معلوم کرلیا کرتے تھے فرمایا خدا کے نبیوں میں ایک نبی ضرور اس علم کے مالک تھے۔ اب اگر کسی کا خط ان کے ساتھ مطابقت کر جاتا ہوگا تو وہ بھی درست ہو جاتا ہوگا۔ (مگر یہ خبر کیسے ہو)۔ (مسلم شریف)

(۷۸۷) سعد بن مالک سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہامہ اور عدویٰ اور نحوست

(۷۸۷) انسانی معیشت کا بڑا تعلق یا اپنے گھر سے ہوتا ہے یا اپنے گھوڑے سے یا اپنی بی بی سے آج دوسری قسم کی سواریاں ایجاد ہو جانے کی وجہ سے اگرچہ گھوڑے کا تعلق ہماری سمجھ میں نہیں آتا مگر کل تک عرب میں گھوڑا ضروریات زندگی کا سب سے اہم جزء سمجھا جاتا تھا نحوست کا اگر کوئی وجود ہوتا تو ان جگہوں میں اس کا قائل ہونا فی الجملہ ایک معقول بات تھی کیونکہ انسان کو ان سے ہر وقت کا واسطہ پڑتا ہے لیکن ہر معاملہ میں پرندوں کو اڑا اڑا کر نحوست یا سعادت کے تصورات جمانا یہ کسی طرح بھی معقول بات نہیں۔ کسی جانور کا تجربہ سے اچھا برا ثابت ہو جانا کسی مکان کا حسب منشاء آرام دہ ہونا یا اس کی آب و ہوا کا درست ہونا اسی طرح کسی عورت کا بدمزاج یا غیر منتظم ہونا یہ سب اپنی اپنی جگہ حقائق ہیں ان کو نحوست کے غلط نظریہ سے کیوں تعبیر کیا جائے خود حدیثوں میں بہت سے گھوڑے قابل پسند سمجھے گئے ہیں اور بہت سے ہٹی اور خراب قرار دیئے گئے ہیں۔ لیکن کسی حیوان کے داغ، دھبہ یا کسی عورت کے صرف شکل و شمائل یا کسی مکان کی ساخت سے ڈر کر اس کو منحوس سمجھ لینا مسلمان تو مسلمان ایک ادنیٰ ہوشمند انسان کا بھی کام نہیں لیکن کیا کیا جائے کہ جب انسان غلط یا صحیح طریقہ پر کسی عقیدہ کا شکار ہو جاتا ہے تو اس کی نظر میں دنیا بھر کے تمام حوادث اسی کے زاویہ خیال کے مطابق ڈھلتے چلے جاتے ہیں اور وہ ہر ہر بات کو اپنے وہم کی ایک ایک دلیل سمجھتا چلا جاتا ہے۔ عربی میں ایک مقولہ مشہور ہے۔ ان الوہم خلاق۔ درحقیقت یہ تمام کارفرمائی اس کے وہم کی عنایت کردہ ہوتی ہے اور بس۔ غیر اللہ سے اتنا خوف اور اللہ تعالیٰ کے حقیقی تصرف سے اتنا ذہول یہ شرک ہے ورنہ اس کا پیش خیمہ تو ضرور ہے۔

وَلَا طِيَرَةَ فَإِنْ تَكُنِ الطِّيَرَةُ فِي شَيْءٍ فَفِي الدَّارِ وَالْفَرَسِ وَالْمَرْأَةِ. (رواہ ابوداؤد)

(۷۸۸) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَدْوَى وَلَا هَامَةَ وَلَا نَوْءَ وَلَا صَفَرَ. (رواہ مسلم)

(۷۸۹) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سَمِعْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُولُ لَا عَدْوَى وَلَا

---

یہ سب باتیں بے حقیقت ہیں اگر کسی چیز میں نحوست ہوتی تو تین چیزوں میں ہوتی گھر، گھوڑا، زمین۔ (ابوداؤد)

(۷۸۸) ابوہریرہؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا مرض کا لگ جانا، اُلّو، نچھتر، صفر یہ سب وہم پرستی کی باتیں ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (مسلم شریف)

(۷۸۹) جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے کہ مرض لگ جانا،

---

(۷۸۸) مرض اڑ کر نہیں لگتا جیسا اکثر اہل ہنود کا عقیدہ ہے جہاں سببیت قطعی طور پر دریافت ہوجائے وہ علیحدہ بات ہے۔ اصل یہ ہے کہ جب انسان کی قوتِ ایمانی یا آپ کی زبان میں قوتِ ارادی اور قوتِ عزم کمزور پڑ جاتی ہے تو اس کے دل میں عدوی کا عقیدہ جم جاتا ہے اور جہاں مرض نہیں لگتا اس کے لئے وہ عذر تراشنے لگتا ہے۔

ابن قتیبہ تصریح فرماتے ہیں کہ مریض کے ساتھ ہر وقت کی مخالطت و مجالست اس کے ساتھ خورد و نوش میں بے احتیاطی اور اس کے جسمانی رطوبات سے احتراز نہ کرنے کی وجہ سے دوسرا شخص بیمار پڑ سکتا ہے مگر یہاں اس کے اسباب بھی موجود ہیں۔ یہ عدوی جاہلیت نہیں۔ عدوی جاہلیت یہ ہے کہ ایک شہر میں طاعون آئے اور آدمی اس شہر ہی کو چھوڑ کر بھاگ جائے۔ نہ اتنی بے احتیاطی شریعت کی تعلیم ہے نہ اتنی احتیاط۔ ہندوستان کے قدیم ہندو اسی دوسری قسم کے عدوے کے قائل ہیں (تاویل مختلف الحدیث ص۱۲۱۔ وزاد المعاد)

ہامہ اور صفر کے متعلق اختلاف ہے ان کی حقیقت کیا تھی کوئی کہتا تھا کہ جس مقتول کا قصاص نہ لیا جاتا اس کی روح بوم کی شکل میں پکارتی پھرتی کہ میرا قصاص لیا جائے میں پیاسی ہوں۔ اور صفر ایک جانور ہے جس کے کاٹنے سے انسان کو بھوک محسوس ہوتی ہے۔ اس کے سوا اور بھی اسی قسم کے غلط تصورات ہیں۔ شریعت ان سب کو بے اصل قرار دیتی ہے اور انسانی شرافت اور اس کے اعتقادات کے لائق نہیں سمجھتی۔

(۷۸۹) غول صرف وہ انسانی خیالات ہیں جو حالتِ خوف میں متشکل ہو کر اس کی آنکھوں کے سامنے آجاتے ہیں۔ ایک جماعت تو ان کے وجود کو حقیقی وجود تسلیم کرتی ہے اور دوسری جماعت جنات کے حقیقی وجود سے بھی انکار کرتی ہے اس عالم میں جہاں دیکھو افراط و تفریط ہی کا تماشہ دیکھو گے۔

صَفَرَ وَلَا غُوْلَ - (رواہ مسلم)

(۷۹۰) عَنْ عُرْوَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ ذُكِرَتِ الطِّيَرَةُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ أَحْسَنُهَا الْفَأْلُ وَلَا تَرُدُّ مُسْلِمًا فَإِذَا رَأَى أَحَدُكُمْ مَا يَكْرَهُ فَلْيَقُلْ اللّٰهُمَّ لَا يَأْتِي بِالْحَسَنَاتِ إِلَّا أَنْتَ وَلَا يَدْفَعُ السَّيِّئَاتِ إِلَّا أَنْتَ وَلَا حَوْلَ وَلَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ - (رواہ ابوداؤد مرسلا)

صفر اور غول بیابانی سب خیالات ہیں ان کی کوئی حقیقت نہیں۔ (مسلم شریف)

(۷۹۰) عروہ بن عامرؓ بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے بدفالی کا ذکر آگیا آپؐ نے فرمایا کہ یہ اس حد تک تو درست ہے کہ کسی کا نام اچھا سنا اور اس سے خوش ہو جانا لیکن فال کسی مسلمان کو اپنے کام سے روکتی نہیں۔ (کیونکہ فال کا مقدرات پر کوئی اثر نہیں پڑتا) لہذا اگر تم میں کوئی شخص ایسی بات دیکھے جس کی وجہ سے اس کے دل میں بدفالی پیدا ہو تو اسے چاہئے کہ یہ کلمات پڑھے اللہم لا یاتی الخ اے اللہ تو ہی بھلائی پہنچاتا ہے اور تو ہی بلاؤں سے حفاظت کرتا ہے اور بھلائی کے حاصل کرنے اور برائی کے بچنے کی طاقت بھی تو ہی عنایت فرماتا ہے۔ (ابوداؤد)

(۷۹۰) امام ابن قتیبہ عکرمہ سے ناقل ہیں کہ ایک مرتبہ ہم ابن عباسؓ کی خدمت میں بیٹھے ہوئے تھے اس طرف کہیں ایک پرندہ چیختا ہوا نکلا حاضرین میں سے ایک شخص نے کہا خیر خیر ہے۔ ابن عباسؓ نے فرمایا نہ خیر ہے نہ شر۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے تو صرف اتنی بات ثابت ہے کہ آپ اچھا نام اور نیک فال پسند فرماتے تھے۔ اصمعی سے منقول ہے کہ انہوں نے ابن عون سے فال کے معنی پوچھے انہوں نے فرمایا کہ نیک فال یہ ہے کہ کوئی مریض "یا سالم" کی آواز سنے اور اپنی تندرستی کی بشارت پر محمول کرے یا کسی کا مال گم ہو گیا ہو اور وہ "یا واجد" کا لفظ سنے اور اسے اپنے مال کے ملنے کی خوشخبری سمجھے۔ امام ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ صرف اتنی بات کو عرب کی فال اور بدفالی سے کوئی علاقہ نہیں یہ انسان کی فطرت ہے کہ اُسے اچھی بات اچھی اور بری بات بری لگتی ہے۔ مثلاً بیمار کے پاس جا کر صحت کے کلمات اور پریشان شخص کے سامنے بشارت کے کلمات کہنا ہر شخص کو پسند ہوتا ہے حالانکہ یہ ظاہر ہے کہ یہاں کہنے والے اور سننے والے دونوں کا یہ عقیدہ نہیں ہوتا کہ اس کے ان کلمات سے تقدیرات الٰہیہ بدلتی ہیں اسی طرح اچھی صورت سے مسرت اور بری صورت سے انقباض بھی انسان کی فطرت ہے۔ پھولوں سے مہکتا ہوا چمن اور بہتا ہوا پانی ہر شخص کو پیارا معلوم ہوتا ہے اور اس کے برخلاف صورتیں ہر شخص کو فطرتاً ناپسند ہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا اچھے نام سے خوش ہونا اور برے نام سے ناخوش ہونا اسی فطرت کے ماتحت تھا۔ (تاویل مختلف الحدیث ص ۱۰۲ و ۱۰۳) عرب جو قدیم سے بدفالی کا خوگر رہتا چلا آیا تھا۔ جب اس نے اسلامی دور میں قدم رکھا تو پہلے ہی قدم پر اس کو ان سب خیالات کو چھوڑنا پڑا۔ یہ بہت ممکن تھا کہ اپنی قدیم عادت کی وجہ سے کسی بدفالی کے موقعہ پر اس کے دل میں غیر اختیاری تاثرات پیدا ہوتے اسلئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے (باقی بر صفحہ آئندہ)

## رقی الجاهلیۃ من عمل الشیطان

(۷۹۱) عَنْ جَابِرٍ قَالَ سُئِلَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ عَنِ النُّشْرَۃِ فَقَالَ ھُوَ مِنْ عَمَلِ الشَّیْطَانِ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۷۹۲) عَنْ عِیْسَی بْنِ حَمْزَۃَ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰی عَبْدِاللّٰہِ بْنِ حَکِیْمٍ وَبِہٖ حُمْرَۃٌ فَقُلْتُ اَلَا تُعَلِّقُ

## کافروں کی جھو منتر بھی شیطانی کام ہیں

(۷۹۱) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نشرۃ کے متعلق پوچھا گیا آپؐ نے فرمایا کہ یہ ایک شیطانی کام ہے۔ (ابوداؤد)

(۷۹۲) عیسیٰ بن حمزہ فرماتے ہیں کہ میں عبداللہ بن حکیم کے پاس گیا انھیں سرخ بادہ کی تکلیف تھی میں نے کہا کہ اس کے لئے آپ گلے میں منکے کیوں نہیں لٹکا لیتے انھوں نے فرمایا کہ میں ان باتوں سے اللہ تعالیٰ کی

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) ایسے وقت کے لئے چند مقدس کلمات تعلیم فرمادیے جن کی برکت سے یہ تمام باطل تاثرات اعتماد باللہ اور توکل سے بدل جائیں گے۔ اللھم لایأتی بالحسنات الخ

اسلامی توحید کا یہ وہ بلند تصور ہے کہ جس کے دل میں یہ تصور قائم ہوگیا پھر اس کے قلب میں غیر اللہ کا کوئی خوف و ہراس باقی نہیں رہتا اور اس کا قبلۂ توجہ ایک ہی ذات پاک رہ جاتی ہے درحقیقت یہی توحید کی اصل روح ہے۔ جب عقیدۂ توحید میں یہ روح باقی نہیں رہتی تو پھر اس میں شرک کے وہ تمام شعبے پھوٹنے لگتے ہیں جو آپ عرب کے نقشۂ زندگی میں ملاحظہ کرچکے ہیں۔

(۷۹۱) نہایہ میں ہے کہ جس شخص کو یہ وہم ہوجاتا تھا کہ اس پر جن کا اثر ہوگیا ہے وہ اس منتر سے اپنا علاج کرلیا کرتا تھا۔ عرب کا گمان تھا کہ اس منتر کی جنات کے اثرات کے ازالہ میں بالذات تاثیر ہے۔

(۷۹۲) نہایہ میں ہے کہ عرب چند منکے لیکر اپنے بچوں کے گلوں میں نظر گذر کے خیال سے ڈالدیا کرتے تھے ان کا گمان تھا کہ اس عمل سے نظر نہیں لگتی۔ اسلام چونکہ وہم پرستی کی بیخ و بنیاد اکھاڑنے آیا تھا اس لئے اس نے اس خیال کی بھی تردید کی اور بتایا کہ ایک مخلوق کو دوسری مخلوق میں بالذات کوئی تاثیر نہیں۔ تمام کائنات میں حقیقی مؤثر صرف خالق کا ارادہ ہے چند منکے اور خرزات گلے میں لٹکا کر یہ عقیدہ قائم کرلینا کہ یہ خوبصورت پتھر کوئی فائدہ پہنچا سکتے ہیں صرف ایک جاہلانہ وہم پرستی ہے۔ تولہ بھی اسی کی دوسری شکل تھی وہ اس جادو کو تولہ کہا کرتے تھے جس کے ذریعہ زن و شوہر کے مابین محبت پیدا ہوجاتی تھی ان کا خیال تھا کہ اس عمل سے تقدیر الٰہی تک پلٹ جاتی ہے۔ جس طرح ان بے بنیاد جھاڑ پھونک کا قائل ہونا وہم پرستی ہے۔ اسی طرح اسمار الٰہیہ اور کلام الٰہی کی برکات کا انکار بھی حقائق کا انکار ہے۔ خدا کے کلام پاک اور اس کے اسمار کے محیر العقول اثرات و برکات سے احادیث نبویہ بھری پڑی ہیں لیکن انسان کی فطرت میں توازن مفقود ہے۔

تَمِیْمَۃً فَقَالَ نَعُوْذُ بِاللّٰہِ مِنْ ذٰلِکَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَعَلَّقَ شَیْئًا وُکِلَ اِلَیْہِ۔ (ابوداؤد)

(۷۹۳) عَنْ زَیْنَبَ اِمْرَءَۃِ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّ عَبْدَ اللّٰہِ رَأٰی فِیْ عُنُقِیْ خَیْطًا فَقَالَ

پناہ مانگتا ہوں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے جو اپنے گلے میں اس قسم کی چیزیں لٹکائے اس کی جان کی حفاظت خود اسی کے حوالہ کردی جاتی ہے۔ (ابوداؤد)

(۷۹۳) عبداللہ بن مسعودؓ کی بی بی بیان کرتی ہیں کہ عبداللہ بن مسعودؓ نے میری گردن میں ایک دھاگا بندھا ہوا دیکھا پوچھا یہ دھاگا کیسا ہے۔ میں نے کہا پڑھا ہوا گنڈا ہے۔ وہ کہتی ہیں کہ ابن مسعودؓ نے

اسی لئے قرآن نے اس کا لقب "ہلوع" اور "منوع" رکھا ہے: خلق الانسان ھلوعا اذا مسہ الشر جزوعا واذا مسہ الخیر منوعا" انسان کی خصلت یہ ہے کہ جب اس پر مصیبت آتی ہے تو بے صبر ہو جاتا ہے اور جب اس پر فراغت کا دور آتا ہے تو بے توفیقا ثابت ہوتا ہے۔ وہ اگر گرتا ہے تو وہم پرستی پر اتر آتا ہے اور ابھرتا ہے تو انکار حقائق سے بھی باک نہیں کرتا۔ خدا کے کلام اس کے اسماء اس کے رسول کے کلمات، بلکہ اس کے رسول کے مستعمل پانی اور لباس کے مستعمل کپڑوں میں بڑی برکتیں ہیں مگر یہ سب برکتیں خدا ہی کے نام کی ہیں۔ سمندر مان سون پیدا کرتا ہے سورج ضو افشانی میں مشغول ہے۔ ابر و باد بارش لاتے ہیں مگر ان میں حقیقۃً کوئی تاثیر و فاعلیت ہے اور نہ مقدرات الٰہیہ کے خلاف حرکت کرنے کی تاب و طاقت ہے۔ لا الشمس ینبغی لھا ان تدرک القمر و لا اللیل سابق النھار: آفتاب اپنی لیل و نہار کے دور میں کبھی چاند کو پکڑ سکتا ہے اور نہ رات دن کے خاتمہ سے پہلے آسکتی ہے۔ سب ایک ارادۂ الٰہی کے سامنے سرنگوں ہیں اسی طرح تمام برکتیں اور تمام تبرکات نہ موثر حقیقی ہیں اور نہ مقدرات کو پلٹ سکتے ہیں۔ زمانۂ جاہلیت میں یہ دونوں عقیدے موجود تھے اور جن چیزوں کے متعلق ان کا گمان تھا کہ ان کو قلب حقائق یا قلب مقدرات میں تاثیر ہے۔ ان سب میں معمولی سببیت بھی موجود نہ تھی اس لئے اسلام نے اس کو صرف ایک وہم پرستی قرار دیا اور اس کی بجائے اس کو صحیح عقائد کے ساتھ تبرک بالاسماء اور تبرک باٰثار الصالحین کا صحیح راستہ بتادیا ہے اس تبرک کی بھی حدود ہیں ان حدود سے تجاوز نہ کرنا چاہئے ورنہ پھر وہ بھی رسوم جاہلیت میں داخل ہو جائے گا۔

(۷۹۳) اس روایت سے معلوم ہوتا ہے کہ شیطان انسانی اجسام میں اس قسم کے تصرفات بھی کرسکتا ہے۔ آخر جب انسان کی نظر لگ سکتی ہے اور اس کے دست و پا سے دوسرے انسانوں کو ایذا پہنچ سکتی ہے تو شیاطین کی ایذا رسانی کے انکار کی کیا وجہ ہے وہ تو اس سے کہیں زیادہ قوی مخلوق ہے۔ احادیث سے شیاطین کے بہت سے تصرفات ثابت ہیں۔ استحاضہ کو شیاطین کا اثر کہا گیا ہے۔ برے خوابوں میں ان کا دخل تسلیم کیا گیا ہے۔ نماز اور وضو میں وساوس ڈالنا، مال چرا کر لیجانا حتی کہ خاتم الانبیاء علیہم السلام کی طرف ایک آگ کا شعلہ لیکر بڑھنا اور بچہ کی پیدائش کے وقت اس کا چھیڑنا یہ سب کچھ حدیثوں میں آچکا ہے گو علماء نے کہیں کہیں اس کی تاویلات بھی کی ہیں مگر پھر بھی ان میں قدر مشترک شیطانی تصرف ایک ناقابل انکار حقیقت ثابت ہوتی ہے اور اسی حقیقت کی بنا پر شریعت نے اس کی مضرتوں سے حفاظت کے سنوی طریقے تعلیم فرمادیئے ہیں۔ مادی نظریں نہ ان کی مضرتوں سے آشنا ہیں اور نہ ان سے حفاظت کے طریقے جانتی ہیں اس لئے وہ ان

مَا هٰذَا انفلتت خَيْطٌ رُقِيَ لِي فِيْهِ قَالَتْ فَاَخَذَهٗ فَقَطَعَهٗ ثُمَّ قَالَ اَنْتُمْ اٰلُ عَبْدِاللّٰهِ لَاَغْنِيَاءُ عَنِ الشِّرْكِ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ الرُّقٰى وَالتَّمَائِمَ وَالتِّوَلَةَ شِرْكٌ فَقُلْتُ لِمَ تَقُوْلُ هٰكَذَا لَقَدْ كَانَتْ عَيْنِيْ تَقْذِفُ وَكُنْتُ اَخْتَلِفُ اِلٰى فُلَانٍ

اسے لے کر توڑ پھینکا اور فرمایا ابن مسعود کے گھر والو! تمہیں تو شرک کی باتوں سے بے نیاز رہنا چاہیے۔ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے خود سنا ہے آپ فرماتے تھے کہ جھاڑ پھونک، نظر کے لئے منکے اور زوجین کے لئے محبت کے جادو، یہ سب باتیں شرک ہیں میں نے کہا آپ ایسی بات کیسے فرماتے ہیں۔ اس سے پیشتر جب کبھی میری آنکھ دکھتی تو میں فلاں یہودی کے پاس چلی جایا کرتی تھی وہ اس کو جھاڑ دیا کرتا تھا اور فوراً

کلمات اور تعویذات کا تمسخر اڑا دیتی ہیں جو اس سلسلہ میں شریعت نے تعلیم کئے ہیں جب ان کے نزدیک شیطان اور اس کے تصرفات کی کوئی حقیقت ہی نہیں تو پھر کلماتِ تعوذ اور ادعیہ کا سارا باب بھی محض ایک وہم پرستی نہ ہو تو اور کیا ہو لیکن جن کے نزدیک ان کی ہستی پھر انسانی معیشت میں ان کی طرح طرح خلل اندازی اور دست درازی دونوں پایہ ثبوت کو پہنچ چکی ہیں ان کے نزدیک ان کلماتِ تعوذ کی اہمیت بھی اور زیادہ بڑھ گئی ہے۔

اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ ہم اسباب ظاہری کے تعطل کے قائل ہیں اور ہر بیماری و اختلال مزاجی کا سبب ان معنوی اسباب ہی میں منحصر سمجھتے ہیں یہ تو بداہت کا انکار ہو گا بلکہ ہمارا مطلب یہ ہے کہ جس طرح علوم کی دقت نظر یوماً فیوماً اسباب ظاہری میں بھی دقیق تر اسباب کی طرف راہنمائی کرتی جا رہی ہے حتیٰ کہ موجودہ زمانہ میں اکثر بیماریوں کا سبب ایسے جراثیم ثابت ہو گئے ہیں جو ان آنکھوں سے نظر بھی نہیں آ سکتے تو اگر شرعی تحقیق سے کچھ ایسے اسباب بھی دریافت ہو جائیں جو ہماری اس خوردبین کے دست رس سے باہر ہوں تو اس کے انکار کرنے کی بھی ضرورت نہیں ہے۔ حضرت شاہ عبدالعزیز صاحبؒ نے تفسیر فتح العزیز میں لکھا ہے کہ شریعت اسبابِ ظاہری کی منکر نہیں بلکہ اس کے ساتھ کچھ اور اسباب باطنی کی بھی اطلاع دیتی ہے جو ان اسباب ظاہری کے پس پردہ مستور ہوتے ہیں اور اس حقیقت کو بہت مشرح بیان فرمایا ہے جو قابل دید ہے (دیکھو تفسیر مذکور ص ۱۱۵) —— اس حدیث سے ایک اور اہم بات یہ بھی ثابت ہوئی کہ گمراہی کا سبب جس طرح شیطانی وساوس ہوتے ہیں اسی طرح بعض مرتبہ اس قسم کے شیطانی تصرفات بھی ہو جاتے ہیں۔ دیکھئے حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بیوی یہاں یہ سمجھے بیٹھی تھیں کہ ان کی آنکھ کو کاہن کی شرک آمیز جھاڑ پھونک سے شفا ہو جاتی ہے اور معلوم یہ ہوا کہ اس میں شیطان کا تصرف شامل تھا۔ اس نے ایسی صورت پیدا کر رکھی تھی کہ ان کے دماغ میں خود کو یہ گمراہی پیدا ہو جائے بعض ضعیف الاعتقاد مسلمان آج بھی اسی قسم کی گمراہی میں مبتلا نظر آتے ہیں جب ان کو کوئی نقصان پہنچتا ہے تو وہ یہی کہہ دیتے ہیں کہ اس مہینہ میں ہم نے فلاں بزرگ کی نذر و نیاز نہیں کی تھی اس لئے ہم کو یہ نقصان پہنچ گیا اور اتنا نہیں سوچتے کہ جن بزرگوں نے اپنی تمام عمریں مخلوق کی ایذائیں برداشت کرنے میں صرف کی ہوں اور اسی کو اپنا معیار زندگی سمجھا ہو وہ کسی غریب سے نیاز نہ دلانے پر اس کو کب کوئی ایذا دے سکتے ہیں۔ حضرت خواجہ محبوب الٰہیؒ کے حسب ذیل شعر سے ذرا اندازہ کیجئے کہ جو لوگ ان کے درپے آزار تھے ان کے حق میں ان کا جذبہ کیا تھا ؎

الْيَهُوْدِيِّ فَإِذَا رَقَاهَا سَكَنَتْ فَقَالَ عَبْدُ اللّٰهِ إِنَّمَا ذٰلِكَ عَمَلُ الشَّيْطَانِ كَانَ يَنْخَسُهَا بِيَدِهٖ فَإِذَا رُقِيَ كَفَّ عَنْهَا إِنَّمَا يَكْفِيْكِ أَنْ تَقُوْلِيْ كَمَا كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم

آرام ہو جایا کرتا تھا۔ عبداللہ نے فرمایا یہ شیطان کی حرکت تھی وہ آنکھوں کو اپنے ہاتھ سے کریدا کرتا تھا جب وہ جھاڑی جاتی تھی تو کریدنا بند کر دیتا تھا (تم کو یہ محسوس ہوتا تھا کہ یہ سکون جھاڑ کا اثر ہے) تمہیں یہ بات کافی ہے جو کلمات آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پڑھا کرتے تھے وہی تم پڑھ لیا کرو اذہب الباس الخ۔ اے لوگوں کے

ہر کہ مارا رنج سازد یار او را یار باد ٭ ہر کہ کز باغ عمرش بشگفد بے خار باد

کیا یہ نہیں ہو سکتا کہ جس آئین کے تحت ساری دنیا کو نفع و نقصان پہنچتے ہیں اسی آئین کے ماتحت اس کو بھی یہ نقصان پہنچا ہو اور کیا یہ ممکن نہیں کہ جس طرح شیاطین انسانوں کے عقائد فاسد کرنے کے لئے اس قسم کے کچھ تماشے دکھایا کرتے ہیں یہ تماشہ بھی اسی قسم کا ایک تصرف ہو۔ بزرگوں کی طرف اس کی نسبت کرنے کی ضرورت کیا ہے کفار بھی اپنے معبودوں کے متعلق اسی قسم کی گمراہیوں میں مبتلا تھے چنانچہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی قوم نے ان سے کہا کہ تم ہمارے معبودوں کو برا بھلا کہتے ہو کہیں ایسا نہ ہو کہ وہ تم کو پاگل بنا دیں (معاذ اللہ) تو انہوں نے جو جواب دیا وہ یہ تھا۔ وَلَا أَخَافُ مَا تُشْرِكُوْنَ بِهٖٓ إِلَّآ أَنْ يَّشَآءَ رَبِّيْ یعنی میں ان سے بھلا کیا ڈرتا جن کے قبضہ میں خود اپنا نفع و نقصان بھی نہ ہو۔ تکلیف و راحت سب اللہ تعالیٰ ہی کے دست قدرت میں ہے وہ جس کو چاہے اس کا سبب بنا دے۔ یہاں حضرت شاہ عبدالقادرؒ کے فوائد قابل مراجعت ہیں۔

حضرت ہود علیہ السلام کی قوم نے بھی ان کو یہی دھمکی دی تھی اِنْ نَّقُوْلُ إِلَّا اعْتَرَاكَ بَعْضُ اٰلِهَتِنَا بِسُوْٓءٍ۔ ہمارے خیال میں تو ہمارے کسی معبود نے تجھے ستا رکھا ہے۔ ان کے جواب میں انہوں نے فرمایا إِنِّيْ تَوَكَّلْتُ عَلَى اللّٰهِ رَبِّيْ وَرَبِّكُمْ مَا مِنْ دَآبَّةٍ إِلَّا هُوَ اٰخِذٌۢ بِنَاصِيَتِهَا۔ میں نے اللہ تعالیٰ کی ذات پر بھروسہ کیا ہے جو میرا اور تمہارا پروردگار ہے جو چیز بھی زمین پر چلتی ہے سب اسی کے تصرف میں ہے۔

حافظ ابن تیمیہؒ شیطانی تصرفات کا حال لکھتے ہوئے فرماتے ہیں:۔ فكثير من هؤلاء الذين يعظمون القبور والمشائخ ويستغيثون بهم ويطلبون حوائجهم منهم يطيعهم الشياطين بسبب ذلك في بعض الامور وذلك من جنس السحر والشرك ...... وانما تقترن به الشياطين وتعد مسلمانيه من الكفر والزندقة ومن الفسوق والعصيان ...... وانا اعرف من هؤلاء عدد اكثيرا بالشام ومصر والحجاز واليمن واما الجزيرة والعراق وخراسان والروم ففيها من هذا الجنس اكثر مما بالشام وغيرها (الرد على البكري ص۱۵۵) جو لوگ قبور اور مشائخ کی حد سے زیادہ تعظیم کرتے ہیں ان سے فریادیں کرتے ہیں اور اپنی ضروریات میں عقدہ کشائی طلب کرتے ہیں کبھی کبھی شیطان اس اعتقاد کو پختہ کرنے کیلئے ان کے مسخر ہو جاتے ہیں درحقیقت یہ ایک قسم کا سحر اور شرک ہوتا ہے اسی کفر، زندقہ اور فسق کی وجہ سے شیطان ان کے مددگار بن جاتے ہیں۔ میں نے اس قسم کے لوگ شام و مصر اور حجاز و یمن میں بہت دیکھے ہیں اور جزیرہ، عراق، خراسان اور روم میں تو اس قسم کے لوگ اور بھی زیادہ موجود ہیں۔

ایک اور جگہ فرماتے ہیں:۔ والذين يسجدون للشمس والقمر والكواكب ويدعونها تتنزل عليهم ارواح من الجن وتقضى لهم كثيرا من حوائجهم ويسمونها روحانية ذلك الكوكب وهو شيطان۔ ومن الشياطين من يطير بصاحبه

يَقُوْلُ اَذْهِبِ الْبَأْسَ رَبَّ النَّاسِ وَاشْفِ اَنْتَ الشَّافِي لَا شِفَاءَ اِلَّا شِفَاءُكَ شِفَاءً لَا يُغَادِرُ سَقَمًا۔ (رواہ ابوداؤد)

پروردگار بیماری دور کر دے اور شفا بخش دے کیونکہ شافی صرف تو ہے۔ درحقیقت شفا تیری ہی طرف سے ہے ایسی شفا دے کہ پھر بیماری کا نام و نشان باقی نہ رہے۔ (ابوداؤد)

من الانس فی الهواء ویضعه علی رأس الجبل ویدخل به النار فیمنعه حرها۔ (الرد علی البکری ص۳۷) یعنی جو لوگ آفتاب ماہتاب اور ستاروں کو سجدہ کرتے اور مصیبتوں میں ان کو پکارتے ہیں ان کی امداد کیلئے جنات کی ارواح آتی ہیں اور ان کی بہت سی ضروریات پوری کر دیتی ہیں یہ لوگ حقیقت سے تو آشنا نہیں ہوتے اور ان کو ان کی روحانیات سمجھتے ہیں حالانکہ یہاں ان ستاروں کی روحانیت کچھ نہیں ہوتی یہ صرف شیطان ہوتے ہیں پھر بعض شیطان ایسے تصرفات بھی کرتے ہیں کہ ایک انسان کو اٹھا کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جا کر ڈھکا دیتے ہیں اور کبھی اس کو آگ میں لیجاتے ہیں اور آگ اس پر اثر نہیں کرتی۔

حافظ نے اس قسم کے بہت سے واقعات اپنے ہی زمانہ کے تحریر فرمائے ہیں اور تصنیف مذکور میں بہت سے مقامات پر اس قسم کے جناتی تصرفات کا ذکر کیا ہے۔ اس حدیث سے بھی ان کی تصدیق ہوتی ہے۔

غرض اسلام کی تعلیم یہ ہے کہ جو نفع و نقصان انسان کو اسباب کے ساتھ پہنچتا ہے اس میں بھی اصل مؤثر خدا تعالیٰ ہی کی قدرت کو سمجھنا چاہئے اسباب ظاہری محض اس کے ارادہ کے مظاہر ہیں خود ان میں کوئی تاثیر نہیں۔ اگر فرض کر لو کہ کوئی خبیث روح یا سرکش جن ہماری توحید کو گندہ کرنے کیلئے کوئی صورت اختیار کرتا ہے تو ہم کو چاہئے کہ ان کلمات سے اس کا مقابلہ کریں جو اس کیلئے شریعت نے ہم کو بتائے ہیں اگر اس کو ایذا ء کی قدرت دی گئی ہے تو ہم کو اس سے حفاظت کی تدبیریں بتادی گئی ہے ہم کو چاہئے کہ ہم جنگ میں اپنے دشمن پر غالب آنے کی کوشش کریں نہ یہ کہ اسی کو خدا بنا بیٹھیں والعیاذ باللہ اگر مومن کی قوت ایمانی پورے طور پر مستحکم ہو جائے تو بہت سے نقصانات جو اس کی قوت واہمہ کی بدولت اس کو پہنچتے ہیں صرف اس کی قوت عزم سے ٹل سکتے ہیں۔ عرب کی قوم تو ضعف اعتقاد میں یہاں تک بڑھی ہوئی تھی کہ اس کی معیشت کی تمام بنیاد فال اور بدفالی پر قائم تھی یہ سب خدا تعالیٰ کی ذات پر بے اعتمادی اور اپنے اوہام پر اعتماد کرنے کے نتائج تھے۔ کسی بچہ کی اتفاقاً حضرت خضر علیہ السلام سے ملاقات ہو گئی انھوں نے اس بچہ سے خوش ہو کر فرمایا بیٹا مانگ کیا مانگتا ہے وہ بچہ خاموش رہا جب ان کا اصرار بہت بڑھا تو اس نے کہا اچھا مجھے وہ دیجئے جو میری تقدیر میں نہ ہو کیونکہ جو مقدر ہو چکا ہے وہ تو مجھے مل کر ہی رہے گا خواہ کسی ذریعہ اور واسطہ سے ہو۔ سبحان اللہ یہ بچہ بھی کیسا مستحکم العقیدہ بچہ تھا حضرت خضر علیہ السلام اس کا یہ جواب سن کر بہت مسرور ہوئے اور اس کو بڑی دعائیں دیں۔

اس مقام پر حافظ ابن تیمیہ کی ایک اور اہم تحقیق بھی قابل یادداشت ہے وہ فرماتے ہیں کہ جن اسباب کے ارتکاب کی شریعت نے ممانعت فرمائی ہے ان کیلئے یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ ہمیشہ وہمی یا غیر مؤثر ہی ہوں بلکہ جن اسباب کی تاثیر واقعی ثابت ہو جائے اگر ان میں کوئی اسلامی مضرت موجود ہو تو بھی ان سے ممانعت کی جائے گی۔ مثلاً جادو (جس کی حقیقت شرک اور شیطان کے ساتھ تلبس ہے) اگر اس کی تاثیر حتمی طریقہ پر ثابت بھی ہو جائے تو بھی ممنوع رہے گا خواہ اس کا مقصد کسی کافر اور دشمن اسلام کا ہلاک کرنا ہی کیوں نہ ہو۔ (کتاب الرد علی البکری ص۲۱۰)

(باقی بر صفحہ آئندہ)

(۷۹۴) عَنْ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ الْاَشْجَعِيِّ قَالَ كُنَّا نَرْقِيْ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقُلْنَا يَارَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ

(۷۹۴) عوف بن مالک اشجعی فرماتے ہیں کہ ہم زمانۂ جاہلیت میں منتر پڑھ کر جھاڑ پھونک کیا کرتے تھے

(بقیہ از صفحۂ گذشتہ) جو لوگ سحر کو بے حقیقت سمجھتے یا اس کی تاثیر کے منکر ہیں اس وقت ہمارا ان سے خطاب نہیں ہے بلکہ جن کے نزدیک سحر کی تاثیر ثابت ہے ان کو اس طرف متوجہ کرنا ہے کہ تولہ، عدویٰ اور طیرہ وغیرہ کی ممانعت دیکھ کر ان کے ذہن میں یہ کلیہ نہ بیٹھ جانا چاہیے کہ شریعت کے نزدیک اسباب کے ارتکاب کی اصل بنیاد صرف ان کا وہمی اور بے حقیقت ہونا ہے اس لئے جہاں اسباب کی تاثیر میں تو یقیناً ثابت ہو جائے وہاں شریعت علی الاطلاق اجازت دیدیگی بلکہ ان کی واقعیت کے بعد بھی یہ دیکھنا لازم ہوگا کہ ان میں فی نفسہٖ کوئی شرعی محظور تو نہیں ہے۔ پس اگر شرعی محظور موجود ہے تو بھی وہ ممانعت ہی کے تحت رہیں گے۔ اس بنا پر اگر حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کی بی بی کی آنکھ کی شفاء میں شیطانی تصرف کو تسلیم نہ بھی کیا جائے جب بھی کاہن کے پاس جا کر کلمات شرکیہ کے ذریعہ سے استشفاء ممنوع رہے گا۔ بلکہ در اصل یہی ممانعت کی اصل وجہ ہے۔

اس مقام پر ایک اور اہم نکتہ بھی یاد رکھنا چاہیے وہ یہ کہ شریعت بعض اوقات امر و نہی کے سلسلہ میں ایسے اسباب کا ذکر بھی کر دیتی ہے جو محض غیبی ہوتے ہیں اس کی وجہ مومنین متقین کے سامنے اس غیبی حقیقت کا وا شگاف کرنا اور اس امر و نہی کے مقتضی پر پورے جذبات کے ساتھ عمل کرنے کی اسپرٹ پیدا کرنی ہوتی ہے۔ ایسے اسباب کو شرعی حکمت تو کہا جا سکتا ہے فقہی علت نہیں کہا جا سکتا جب ان اسباب کا وجود ہی ہمارے ادراک سے بالاتر ہے تو ہم کو ان پر احکام دائر کرنے کا مکلف کیسے بنایا جا سکتا ہے۔ مثلاً سنت یہ ہے کہ جنازہ کے ساتھ پیادہ پا جانا چاہیے اس کی فقہی علت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا نفس عمل ہے لیکن اس عمل کی حکمت یہ ہے کہ ایک مرتبہ آپ نے فرمایا کہ تم لوگ سوار ہو اور خدا کے فرشتے پیادہ پا جا رہے ہیں۔ یہ تعلیل ان کے لئے تو مناسب ہو سکتی ہے جن کی نظروں نے یہ مشاہدہ کر لیا ہو مگر ہمارے نزدیک پیادہ جانے کی اصل علت آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا عمل ہی ہوگا۔ ہاں حکمت کے درجہ میں ہم یہ بات بھی کہہ سکتے ہیں۔ اسی طرح مسجد میں قصداً حدث کرنا، گھروں میں تصویریں لٹکانا اور کتے پالنا وغیرہ ان تمام مقامات پر ممانعت کی اصل علت تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا حکم ہوگا اس کے بعد جو کچھ اس جگہ حدیثوں میں مذکور ہے ہمارے حق میں وہ حکمتیں کہلائیں گی۔ دیکھو خدا تعالیٰ کی تعظیم کرنا ہمہ وقت فرض ہے، تلاوتِ قرآن ہمہ وقت عبادت ہے اور روزہ بھی اسلام کی محبوب ترین خصلت ہے مگر ان کی عام حکمتوں کے پیش نظر کیا ان کو علی الاطلاق ادا کیا جا سکتا ہے یا طلوع و غروب کے وقت نماز ممنوع رہے گی، رکوع و سجود میں تلاوت قرآن اور ایام تشریق میں روزہ ممنوع رہے گا۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ذکر کے وقت درود شریف عبادت ہوگی اور قیام بے معنی ہوگا اور مخل تو آپ کی شانِ مبارک میں ایک بڑی گستاخی ہوگی کہ یہ سمجھ لیا جائے کہ ہر بد عقیدہ شخص جب چاہے جہاں چاہے آپ کی ذات کو حاضر کر سکتا ہے۔ یہاں شریعت یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کا ذکر ہو یا رسول کا اس وقت ہم کو وہ کرنا ہے جس کا ہم کو حکم ملا ہے اور بس۔

(۷۹۴) معلوم ہوا کہ رقیہ اور تعویذات ایک حد تک جائز ہیں جب اپنی حد سے تجاوز کر جائیں اور حدود شرک میں داخل ہو جائیں تو پھر ناجائز ہیں۔ اسلام، حدود میں رہ کر رقیہ وغیرہ کی اجازت دیتا ہے اور جب شرک یا وہم پرستی کی حدود میں داخل ہو جائیں تو اس کی ممانعت کرتا ہے۔ یہاں اگرچہ تقاضائے مصلحت تو یہ تھا کہ زمانۂ جاہلیت کے ہر قسم کی جھاڑ پھونک کو

تَرٰی فِیْ ذٰلِکَ فَقَالَ اِعْرِضُوْا عَلَیَّ رُقَاکُمْ لَا بَأْسَ بِالرُّقٰی مَالَمْ یَکُنْ فِیْہِ شِرْکٌ۔ (رواہ مسلم)

(۷۹۵) عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّھَا کَانَتْ تُؤْتٰی بِالصِّبْیَانِ اِذَا وُلِدُوْا فَتَدْعُوْلَھُمْ بِالْبَرَکَۃِ فَاُتِیَتْ بِصَبِیٍّ فَذَھَبَتْ وِسَادَتَہٗ فَاِذَا تَحْتَ وِسَادَتِہٖ مُوْسٰی فَسَأَلَتْھُمْ عَنِ الْمُوْسٰی فَقَالُوْا نَجْعَلُھَا مِنَ الْجِنِّ فَاَخَذَتِ الْمُوْسٰی فَرَمَتْ بِھَا وَنَھَتْھُمْ عَنْھَا وَقَالَتْ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ یَکْرَہُ الطِّیَرَۃَ وَیُبْغِضُھَا وَکَانَتْ عَائِشَۃُ تَنْھٰی عَنْھَا۔ (رواہ البخاری فی الادب المفرد ص۱۳۱)

(۷۹۶) عَنْ اَبِیْ بَشِیْرٍ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّہٗ کَانَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْ بَعْضِ

---

ہم نے عرض کیا یا رسول اللہ فرمایئے اب ان منتروں کے متعلق آپ کا کیا ارشاد ہے۔ فرمایا ان کو میرے سامنے پیش کرو۔ اگر ان میں شرک کی کوئی بات نہ ہو تو کچھ مضائقہ نہیں۔ (مسلم)

(۷۹۵) حضرت عائشہؓ بیان فرماتی ہیں کہ یہ دستور تھا کہ جب کوئی بچہ پیدا ہوتا تو ان کی خدمت میں پیش کیا جاتا اور وہ اس کے لئے برکت کی دعا فرما دیتیں۔ ایک مرتبہ ان کے سامنے ایک بچہ پیش کیا گیا وہ اس کا تکیہ رکھنے لگیں کیا دیکھتی ہیں کہ اس کے نیچے ایک استرا رکھا ہوا ہے۔ حضرت عائشہؓ نے ان لوگوں سے اس استرے کا سبب دریافت کیا۔ انھوں نے کہا ہم یہ جنات کے خیال سے رکھدیتے ہیں۔ انھوں نے استرا اٹھا کر پھینک دیا اور اس حرکت سے ان کو منع کیا اور فرمایا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان ٹوٹکوں کو سخت ناپسند فرماتے تھے اور ان سے نہایت نفرت رکھتے تھے۔ راوی کہتا ہے کہ حضرت عائشہؓ بھی اس قسم کے ٹوٹکوں کی ممانعت فرماتی تھیں۔ (الادب المفرد)

(۷۹۶) ابو بشیر انصاری بیان فرماتے ہیں کہ وہ کسی سفر میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے

---

ممانعت کردی جاتی مگر قانونِ یُسر کا تقاضا یہ ہوا کہ جس چیز کا نفع تجربہ میں آچکا ہو اور قوم میں اس کی عام عادت بھی ہو اس سے اغماض کر لیا جائے۔ بشرطیکہ اس میں شریعت کے خلاف کوئی بات موجود نہ ہو۔ شریعت حنیفیہ کی تمام تر بنیاد یُسر پر قائم ہے۔ الدین یسر کی شرح کے ذیل میں تفصیل کے ساتھ اس پر بحث گذر چکی ہے۔ ترجمان السنہ جلد اول میں ملاحظہ کر لیجئے۔

(۷۹۶) آپ نے اس حکم کے مختلف اسباب بیان کئے گئے ہیں مگر امام مالکؒ کی جو رائے ان کی کتاب موطا سے ظاہر ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ عرب نظر گذر کے خیال سے حیوانات کی گردنوں میں تانت وغیرہ کا گنڈا ڈالدیا کرتے تھے اور ان کا یہ عقیدہ تھا کہ اس عمل سے نظر لگنے سے حفاظت رہتی ہے۔ شریعت نے اس قسم کے تمام اوہام کو باطل قرار دیا ہے حقیقت یہ ہے کہ جو ایک خدا کا نہیں ڈرتا اس کو ہر ادنی سی ادنی مخلوق سے ڈرنا پڑتا ہے اور جس کا عقیدہ یہ ہو گیا کہ نفع و نقصان سوائے ایک خالق کے اور کسی کے ہاتھ میں نہیں وہ تمام مخلوق کے ڈر سے آزاد ہو گیا۔

أَسْفَارِهِ فَأَرْسَلَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَسُولًا لَا تَبْقَيَنَّ فِي رَقَبَةِ بَعِيرٍ قِلَادَةٌ مِنْ وَتَرٍ أَوْ قِلَادَةٌ إِلَّا قُطِعَتْ۔ (متفق علیہ)

(۷۹۷) عَنْ أَبِي وَهْبٍ الْجُشَمِيِّ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ارْتَبِطُوا الْخَيْلَ وَامْسَحُوا بِنَوَاصِيهَا وَأَعْجَازِهَا أَوْ قَالَ أَكْفَالِهَا وَقَلِّدُوهَا وَلَا تُقَلِّدُوهَا الْأَوْتَارَ۔ (رواہ ابوداود والنسائی)

## لامقدار لعلم النبی بجنب علم الله تعالیٰ

(۷۹۸) عَنْ ابْنِ عَبَّاسٍ فِي قِصَّةِ الْخَضِرِ وَمُوسَى عليه السلام إِنَّ الْخَضِرَ قَالَ يَا مُوسَى إِنِّي عَلَى عِلْمٍ مِنْ عِلْمِ اللهِ عَلَّمَنِيهِ لَا تَعْلَمُهُ أَنْتَ۔ وَأَنْتَ عَلَى عِلْمٍ عَلَّمَكَهُ اللهُ لَا أَعْلَمُهُ قَالَ سَتَجِدُنِي

---

آپ نے ایک قاصد یہ اعلان کرنے کے لئے بھیجا کہ کسی اونٹ کی گردن میں تانت کا قلادہ یا کوئی قلادہ (راوی کو شک ہے) ایسا باقی نہ رہے جو کاٹ نہ ڈالا جائے۔ (متفق علیہ)

(۷۹۷) ابو وہب جشمی بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا گھوڑے پالا کرو (کہ یہ آلۂ جہاد ہے) اور ان کی پیشانیوں اور پٹھوں پر ہاتھ پھیرا کرو اور ان کے گلوں میں کوئی پٹہ ڈالدیا کرو مگر تانت کا پٹہ نہ ڈالا کرو (کہ یہ دورِ جاہلیت کا طریقہ ہے) ابوداؤد۔ نسائی)

## نبی کے علم کو خدائے تعالیٰ کے غیر متناہی علم سے کوئی نسبت نہیں ہوتی

(۷۹۸) حضرت خضر اور موسیٰ علیہ السلام کے قصہ میں ابن عباسؓ بیان کرتے ہیں کہ حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰؑ جو علم اللہ نے مجھے دیا ہے وہ تم نہیں جانتے اور جو تمہیں دیا ہے وہ میں نہیں جانتا (اس لئے تم میرے ساتھ چل نہیں سکو گے) انھوں نے فرمایا آپ مجھے انشاء اللہ تعالیٰ نہایت صابر پائیں گے۔ میں کسی

---

(۷۹۸) حضرت موسیٰ علیہ السلام تو بالاتفاق ایک اولوالعزم رسول ہیں اور حضرت خضر علیہ السلام کی نبوت گو زیر اختلاف ہو مگر پھر بھی بڑی ہستی ہیں۔ ان دونوں میں تکوینی جزئیات کا علم شاید حضرت خضر علیہ السلام کو زیادہ مرحمت ہوا تھا اور تشریعی جزئیات کا حضرت موسیٰ علیہ السلام کو زیادہ۔ مگر ان دونوں کے علوم کو بقول ان کے خدائے تعالیٰ کے غیر متناہی علوم کے مقابلہ میں وہ نسبت بھی نہ تھی جو قطرہ کو دریا سے ہوتی ہے۔ علم الٰہی کے متعلق ان دو حضرات کا عقیدہ تو یہ تھا آخر میں سب سے بزرگ برتر رسول یعنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد بھی سن لیجئے آپ فرماتے ہیں کاش موسیٰ علیہ السلام کچھ اور صبر کرلیتے تو ہمیں کائنات کے عجائبات کا علم کچھ اور حاصل ہو جاتا۔ معلوم ہوا کہ کائنات ہستی کے تمام واقعات کا علم تو درکنار آپ کو ان چند واقعات کے علوم پر بھی پورا احاطہ حاصل نہ تھا جو ان دو بزرگوں کے مابین بہت ہی محدود زمانہ میں پیش آئے۔ علم الٰہی کے متعلق ان تین

إِنْ شَاءَ اللّٰهُ صَابِرًا وَلَا أَعْصِي لَكَ أَمْرًا فَانْطَلَقَا يَمْشِيَانِ عَلَى سَاحِلِ الْبَحْرِ لَيْسَ لَهُمَا سَفِينَةٌ فَمَرَّتْ بِهِمَا سَفِينَةٌ فَكَلَّمَاهُمْ أَنْ يَحْمِلُوهُمَا فَعُرِفَ الْخَضِرُ فَحَمَلُوهُمَا بِغَيْرِ نَوْلٍ فَجَاءَ عُصْفُورٌ فَوَقَعَ عَلَى حَرْفِ السَّفِينَةِ فَنَقَرَ نَقْرَةً أَوْ نَقْرَتَيْنِ فِي الْبَحْرِ فَقَالَ الْخَضِرُ يَا مُوسَى مَا نَقَصَ عِلْمِي وَعِلْمُكَ مِنْ عِلْمِ اللّٰهِ تعالى إِلَّا كَنَقْرَةِ هٰذَا الْعُصْفُورِ فِي الْبَحْرِ ثم سرد قصتهما وفی آخرها قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم يَرْحَمُ اللّٰهُ مُوسَى لَوَدِدْنَا لَوْ صَبَرَ حَتَّى يَقُصَّ عَلَيْنَا مِنْ أَمْرِهِمَا۔ (رواہ البخاری فی کتاب العلم)

معاملہ میں بھی آپ کے حکم سے باہر نہیں جاؤں گا۔ اس عہد و معاہدہ کے بعد دونوں نے سفر شروع کیا چلتے چلتے سمندر کے کنارہ پہنچے تو وہاں کوئی کشتی موجود نہ تھی۔ اتفاقاً ایک کشتی ادھر سے گذری تو انھوں نے کشتی والوں سے بات چیت شروع کی کہ انھیں سوار کرکے دریا پار اتار دیں تو کیا لیں گے اس درمیان میں حضرت خضر علیہ السلام کو کسی نے پہچان لیا اور کرایہ لئے بغیر ان کو کشتی میں بٹھا لیا (راستہ میں) ایک چڑیا آئی اور کشتی کے کنارے پر آبیٹھی۔ اس نے سمندر میں ایک دو چونچیں ماریں تو حضرت خضر علیہ السلام نے فرمایا اے موسیٰ ہمارے اور تمہارے دونوں کے علموں نے ملکر بھی اللہ تعالیٰ کے علم میں اتنی کمی نہیں کی جتنی سمندر کے پانی میں اس چڑیا کی ایک دو چونچوں نے۔ اس کے بعد راوی نے ان کے سفر کا تمام واقعہ نقل کرکے آخر میں بیان کیا کہ حضرت موسیٰ و خضر علیہما السلام کے واقعات سن کر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا خدا تعالیٰ حضرت موسیٰ علیہ السلام کو مراتب علیا عطا فرمائے ہمیں تمنا تھی کہ موسیٰ علیہ السلام اگر کچھ صبر فرما لیتے تو ان دونوں کے کچھ اور واقعات بھی ہمارے سامنے بیان میں آجاتے۔ (بخاری شریف)

مقدس ہستیوں کا عقیدہ تو یہ ہے اب جو عقیدہ آپ کا ہو وہ آپ جانیں بندہ کا کمال یہ نہیں کہ وہ اپنے حدود بندگی سے باہر ہو جائے بلکہ کمال بندگی، بندگی کامل میں ہے کسی مخلوق کی صفات کا موازنہ مخلوقات ہی کے دائرہ میں کرنا چاہیے نہ کہ خالق کے دائرہ میں مخلوق کی کوئی صفت خالق کی ہمسری نہیں کرسکتی ان دونوں میں اگر کوئی شرکت ہوسکتی ہے تو صرف اسم کی شرکت ہوسکتی۔ بندہ کو خدا تعالیٰ سے کوئی نسبت نہیں۔

صحیح بخاری کی روایت سے پتہ چلتا ہے کہ حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کا یہ سارا سانحہ سفر صرف ان کے اس کلمہ کا نتیجہ تھا جو ایک سائل کے جواب میں ان کی زبان سے اپنے لئے اعلم اطلاق کرکے نکل گیا تھا۔ کوئی شبہ نہیں کہ نبی وقت اپنی امت میں سب سے زیادہ عالم ہوتا ہے اور اس لحاظ سے ان کا یہ قول یقیناً صحیح اور واقع کے مطابق تھا مگر صفت علم کے بارے میں علیم مطلق کو حضرت موسیٰ علیہ السلام کا یہ اطلاق بھی ناپسند ہوا اور آخر ان کو ایک ایسے بندے کی ملاقات کی طرف دعوت دی گئی جس کے علم کی جزئیات میں سے ان کو ایک جزئی کا بھی علم حاصل نہ تھا بلکہ اس کی نوعیت علم ہی ایسی تھی جس کے ایک سبق کو بھی ان کو صبر کے ساتھ پڑھنا مشکل تھا۔

یہاں یہ بھی واضح رہنا چاہیے کہ اللہ تعالیٰ کی جو خاص خاص صفات ہیں جیسے احیاء و اماتہ یا غیب کا علم وغیرہا ان میں عموم و اطلاق کا دعویٰ کرنا بڑی بے احتیاطی ہے یہاں صحیح اور معتدل راہ یہ ہے کہ ان صفات کو علی الاطلاق تو صرف صانع

# النھی عن اسناد علم الغیب الی احد

(۷۹۹) عَنِ الرُّبَیِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذٍ قَالَتْ دَخَلَ عَلَیَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ غَدَاۃَ بُنِیَ عَلَیَّ فَجَلَسَ عَلٰی فِرَاشِیْ کَمَجْلِسِکَ مِنِّیْ وَجُوَیْرِیَاتٌ یَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ یَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ اٰبَائِیْ یَوْمَ بَدْرٍ حَتّٰی قَالَتْ جَارِیَۃٌ وَفِیْنَا نَبِیٌّ یَعْلَمُ مَا فِیْ غَدٍ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

## کسی کی طرف غیب دانی کی نسبت نہیں کرنی چاہیے

(۷۹۹) ربیع دختر معوذ بیان کرتی ہیں کہ شب زفاف کی صبح کو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جیسے تم بیٹھے ہو۔ کچھ لڑکیاں دف بجا بجا کر میرے ان باپ دادوں کا مرثیہ پڑھ رہی تھیں جو بدر میں مقتول ہو چکے تھے۔ یہاں تک کہ جب ان میں ایک لڑکی نے یہ کہا سہ ہم میں ایسے نبی موجود ہیں جو کل کی باتیں جانتے ہیں۔ تو آپ نے فوراً منع فرما دیا اور

(بقیہ از صفحۂ گذشتہ) حقیقی کے لئے تسلیم کیا جائے اور مخلوق کے دائرہ میں جتنا جس کے حق میں قطعی طور پر ثابت ہو جائے صرف اس کا اقرار کر لیا جائے۔ یہاں مبہم الفاظ یا محض ظنی دلائل یا جذباتِ محبت کی بنا پر کلی اور قطعی حکم لگا دینا قطعاً مناسب نہیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ایک ایک لمحہ ہماری آنکھوں کے سامنے ہے اور ان کا تذکرہ آپ کے جاں نثاروں کی زبانی حرف بحرف منقول ہے اگر صحیح حقیقت کا پتہ چلانا ہے تو ان سادہ کلمات کو خالی الذہن ہو کر پڑھتے چلے جائیے اور آخر میں جس نتیجہ پر آپ کا ذہن پہنچے اسی کو منزلِ مقصود سمجھئے اسی مقصد کے پیش نظر ہم بہت محدود اور بہت محدود واقعات آپ کے سامنے رکھتے ہیں جن کو صرف مشتے نمونہ از خروارے کہا جا سکتا ہے آپ ان کو اپنے دماغ کو پورے طور پر صاف کر کے پڑھ جائیے پھر آپ کا ضمیر جو فیصلہ دے وہی اپنا عقیدہ رکھئے۔

(۷۹۹) نبی کا غصہ اور مسرت بلکہ اندازِ غصہ و مسرت بھی بڑا پر اسرار اور معنی خیز ہوتا ہے۔ یہاں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ممانعت تو فرمائی مگر زیادہ شدت سے نہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ اول تو یہ ایک محفلِ مسرت تھی، نہ کہ مجلسِ تعلیم و تعلم (جہاں مقصود ہی تعلیم عقائد ہوا کرتی ہے) پھر یہ ایک شاعرانہ نظم تھی نہ کہ ایک متین عبارت، پڑھنے والی بھی کچھ نو عمر لڑکیاں تھیں نہ کہ فہیم اور سن رسیدہ عورتیں اور جو کلمہ اپنی زبانوں سے کہہ رہی تھیں وہ بھی ایک حد تک صحیح تھا اگرچہ اس کی کلیت میں کلام ہو لیکن صاحبِ نبوت اپنی موجودگی میں ایسی موہم عبارت بھی برداشت نہ فرما سکے جو قرآن کریم کی ظاہر آیت سے ذرا بھی ٹکرائے۔ سورۂ لقمان میں ذکر کردہ پانچ باتیں مفاتیح غیب میں داخل ہیں انہیں کوئی نہیں جانتا منجملہ ان کے ایک کل کی بات کا علم ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے قیامت تک کی بہت سی خبریں دیں مگر غیب دانی کے دعوے کی بنا پر نہیں بلکہ علم الٰہی کے سامنے اپنی بے مائگی کے اعتراف کا سر جھکا کر۔ اللہ تعالیٰ انبیاء علیہم السلام کو اپنے غیر متناہی خزانۂ غیب سے کچھ عطا فرما دیتا ہے اس سے وہ غیب داں نہیں کہلاتے بلکہ غیب داں کے پیغمبر کہلانے لگتے ہیں۔

لَا تَقُوْلِي هٰكَذَا وَقُوْلِي مَا كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ ۔ (رواہ البخاری)

(۸۰۰) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَفَاتِيْحُ الْغَيْبِ خَمْسٌ لَا يَعْلَمُهُنَّ إِلَّا اللّٰهُ ۔ إِنَّ اللّٰهَ عِنْدَهٗ عِلْمُ السَّاعَةِ وَيُنَزِّلُ الْغَيْثَ وَيَعْلَمُ مَا فِي الْأَرْحَامِ وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ مَاذَا تَكْسِبُ غَدًا وَمَا تَدْرِيْ نَفْسٌ بِأَيِّ أَرْضٍ تَمُوْتُ إِنَّ اللّٰهَ عَلِيْمٌ خَبِيْرٌ ۔ (انفرد باخراجه البخاری)

---

کہا یوں مت کہو، بس وہی کہے جاؤ جو پہلے کہہ رہی تھیں۔ (بخاری شریف)

(۸۰۰) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مفاتیح غیب پانچ ہیں جن کو سوائے اللہ تعالیٰ کے اور کوئی نہیں جانتا۔ قیامت کب آئے گی اس کا علم صرف اللہ تعالیٰ کو ہی ہے اور وہی مینہ برساتا ہے (اس کا صحیح علم بھی کسی کو نہیں) اور یہ بات بھی وہی جانتا ہے کہ رحمِ مادر میں کیا ہے اور یہ بھی کوئی شخص نہیں جانتا کہ کل وہ کیا کرے گا اور نہ یہ جانتا ہے کہ کس جگہ مرے گا بیشک اللہ ہی ان سب باتوں کا جاننے والا اور ان سے باخبر ہے۔ (بخاری شریف)

---

دنیا اس صداقت کے بجائے خود انھیں ہی غیب داں کہنے لگتی ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام گھروں کے معاملات بتادیا کرتے تھے جیسا کہ قرآن میں موجود ہے لیکن اس کے باوجود عالم الغیب نہیں بنے مگر عیسائی نہ مانے آخر انھیں غیب داں خدا یا کم از کم اس کا بیٹا ٹھہرا کر ہی چھوڑا۔ (نعوذ باللہ من ذلک)

(۸۰۰) قرآن کی اصطلاح میں علم وہ ہے جو خود واقعہ سے حاصل ہو اور کسی واقعہ کے متعلق جو اپنی جانب سے تخمینہ کیا جائے وہ ظن کہلاتا ہے۔ موجودہ زمانہ میں علامات کے ذریعہ بعض ان باتوں کا علم بھی ہو جاتا ہے جو حدیث میں مذکور ہیں لیکن ان کا براہ راست علم اب تک بھی کسی کو نہیں ہوتا جو کچھ ہوتا ہے وہ صرف استدلال اور علامات کی بنا پر ہوتا ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے علاماتِ قیامت خود بتائیں مگر اس کے باوجود قیامت کے معاملہ میں ہمیشہ اپنی لاعلمی ہی کا اظہار کیا۔ اطباء نے حمل کے مذکر و مؤنث ہونے کی شناختیں لکھی ہیں اسی طرح ہمارے دور میں فضائی اثرات سے موسم کا اندازہ بھی کر لیا جاتا ہے مگر یہ سب ظن کے مرتبہ سے متجاوز نہیں۔ یہ علم استدلالی تو ہے لیکن براہ راست واقعہ کا علم نہیں۔ واقعات کا براہ راست علم اللہ تعالیٰ ہی کا خاصہ ہے۔ ہم حوادث سے غائب رہ کر بذریعہ استدلال ان کو معلوم کرتے ہیں اور اللہ تعالیٰ کی ذات ہر جگہ خود حاضر و ناظر ہو کر ان کا علم رکھتی ہے۔ واللہ علیٰ کل شئی شہید کا یہی مطلب ہے۔ اس حدیث کے متعلق حدیث جبرئیل علیہ السلام کا تفصیلی نوٹ بھی ملاحظہ کر لیجئے۔ اور اسی کے ساتھ حدیث ۔ ربعی بن حراش مذکورہ ترجمان السنہ ج ۱ ص ۵۵۹ بھی ضرور ملاحظہ کیجئے۔

(۸۰۱) عَنْ خَارِجَةَ بْنِ زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ اُمَّ الْعَلَاءِ اِمْرَاَةً مِّنَ الْاَنْصَارِ بَايَعَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَخْبَرَتْهُ اَنَّهُمُ اقْتَسَمُوا الْمُهَاجِرِيْنَ قُرْعَةً قَالَتْ فَطَارَ لَنَا عُثْمَانُ بْنُ مَظْعُوْنٍ وَاَنْزَلْنَاهُ فِيْ اَبْيَاتِنَا فَوَجِعَ وَجَعَهُ الَّذِيْ تُوُفِّيَ فِيْهِ فَلَمَّا تُوُفِّيَ غُسِلَ وَكُفِّنَ فِيْ اَثْوَابِهٖ دَخَلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ فَقُلْتُ رَحْمَةُ اللّٰهِ عَلَيْكَ اَبَا السَّائِبِ فَشَهَادَتِيْ عَلَيْكَ لَقَدْ اَكْرَمَكَ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَا يُدْرِيْكِ اَنَّ اللّٰهَ اَكْرَمَهٗ فَقُلْتُ بِاَبِيْ اَنْتَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَمَنْ يُّكْرِمُهُ اللّٰهُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَّا هُوَ فَوَاللّٰهِ لَقَدْ جَاءَهُ الْيَقِيْنُ وَاللّٰهِ اِنِّيْ لَاَرْجُوْ لَهُ الْخَيْرَ وَوَاللّٰهِ مَا اَدْرِيْ وَاَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ مَاذَا يُفْعَلُ بِيْ قَالَتْ وَاللّٰهِ لَا اُزَكِّيْ بَعْدَهٗ اَحَدًا اَبَدًا۔

(رواہ البخاری فی کـ ۱۰۲)

(۸۰۱) خارجہ بن زید بیان کرتے ہیں کہ ام علاء ایک انصاری بی بی تھیں جنھوں نے آنحضرت صلعم کی بیعت کی تھی وہ کہتی ہیں کہ انصار نے مہاجرین کی تقسیم قرعہ اندازی کے ذریعہ سے کی تو ہمارے حصہ میں عثمان بن مظعون نکلے ہم نے انھیں اپنے گھروں میں بطور مہمان ٹھہرالیا۔ اتفاقاً وہ ایسے بیمار پڑے کہ اس سے جان بر نہ ہوسکے ۔ وفات کے بعد جب انھیں غسل دیدیا گیا اور ان کے کپڑوں میں انھیں کفن پہنا دیا گیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے ام علاء کہتی ہیں میں نے کہا ابوالسائب (ان کی کنیت ہے) تم پر خدا کی رحمت میں تمہارے حق میں گواہی دیتی ہوں کہ اللہ تعالیٰ نے ضرور تمہیں اپنی رحمت سے نوازا ہوگا آپ نے فرمایا بھلا تمہیں یہ پتہ کیسے چلا کہ اللہ تعالیٰ نے ان کو رحمت سے ضرور نواز دیا ہوگا۔ میں نے عرض کیا میرے ماں باپ آپ پر قربان یا رسول اللہ اگر اللہ تعالیٰ ان کو بھی رحمت سے نہ نوازے تو اور کس کو نوازے گا۔ آپ نے فرمایا خدا کی قسم ان کی تو وفات ہوگئی اور مجھے بھی ان کے حق میں مغفرت کی بڑی امید ہے مگر تفصیلی طور پر تو میں اپنے متعلق بھی یہ نہیں بتا سکتا کہ میرے ساتھ کیا معاملہ کیا جائے گا۔ یہ سنکر ام علاء نے کہا خدا کی قسم آج کے بعد آئندہ میں کسی کی اس طرح حتمی طور پر تعریف نہ کروں گی۔ (بخاری شریف)

(۸۰۱) حدیث مذکور میں قرآنِ کریم کی اس آیت کی طرف اشارہ ہے قُلْ مَا كُنْتُ بِدْعًا مِّنَ الرُّسُلِ وَمَا اَدْرِيْ مَا يُفْعَلُ بِيْ وَلَا بِكُمْ۔ (احقاف)

(۸۰۲) عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ دُعِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰی جَنَازَةِ صَبِيٍّ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ طُوْبٰی لِهٰذَا عُصْفُوْرٌ مِنْ عَصَافِيْرِ الْجَنَّةِ لَمْ يَعْمَلِ السُّوْءَ وَلَمْ

(۸۰۲) حضرت عائشہؓ سے روایت ہے کہ ایک مرتبہ ایک انصاری بچہ کے جنازہ کی نماز کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بلایا گیا۔ اس بچہ کے متعلق میری زبان سے کہیں یہ نکل گیا کہ یہ بچہ کیسا خوش نصیب تھا یہ تو جنت کی چڑیوں میں ایک چڑیا تھی نہ اس نے کوئی گناہ کیا نہ اتنی عمر پائی کہ گناہ کرتا یہ سن کر آپ نے فوراً فرمایا تم تو

(۸۰۲) خلاصہ یہ کہ بخشش و مواخذہ کا معاملہ تمام تر عالم غیب سے متعلق ہے اس میں کسی انسان کو رائے زنی کرنے کا کوئی حق نہیں۔ مغفرت و عدم مغفرت کے مختلف آئین ہیں کسی کو کیا معلوم کہ قادر مطلق نے کہاں کس آئین کے نافذ کرنے کا ارادہ فرمایا ہے۔ بس اس حدیث میں بھی کسی مقامی غلطی کی اصلاح منظور نہیں۔ بلکہ ایک قاعدہ کلیہ کی اصلاح منظور ہے خواہ مقامی اعتبار سے وہ کتنا ہی صحیح ہو۔ مثل مشہور ہے کہ خطا اگر راست آید تاہم خطا است۔ قرآن کریم نے علم غیب کو جا بجا خدائی خصوصیات میں شمار کیا ہے اور کسی استثناء کے بغیر عالم الغیب کا لقب صرف اپنی ذات کے لئے مخصوص قرار دیا ہے۔ اسی لئے حدیثوں میں بھی اس معاملہ میں احتیاط برتنے کی بڑی تاکید فرمائی ہے اور کسی کو بھی یہ اجازت نہیں دی گئی کہ وہ غیب کے امور میں جزم و وثوق کے ساتھ کوئی ادنیٰ دخل اندازی کر سکے حتی کہ اس بارے میں آنحضرت صلعم نے خود اپنے نفس نفیس کو شامل کر کے ارشاد فرمایا کہ جس کی آنکھوں سے شب و روز ہی نہ معلوم کتنے غیوب سے پردے اٹھائے جاتے ہیں اپنی مغفرت کی تفصیلات کے بارے میں پورے پورے علم کا وہ بھی مدعی نہیں بنتا۔

قرآن کریم کی کھلی کھلی آیات، احادیث رسولؐ کے بیشمار ذخائر اور صحابہ کرام کے عشق نبوی سے لبریز کلمات کے انبار آپ کے سامنے ہیں۔ ان سے کہیں پتہ نہیں چلتا کہ رسول کو عالم الغیب کہنا کبھی اسلامی عقیدہ سمجھا گیا ہو۔ مذہب اسلام کی سب سے واضح خصوصیت یہ ہے کہ اس میں خدائیتعالیٰ اور بندوں کی صفات اتنی واضح بتائی گئی ہیں کہ ان میں کسی موقعہ پر بھی التباس پیدا نہیں ہوتا۔ صفت علم جو حق تعالیٰ کی ایک نمایاں ترین صفت ہے اس کے مظاہرے کے لئے ازل میں ملائکۃ اللہ کا وہ معرکۃ الآراء واقعہ پیش آیا تھا جس میں انہیں انی اعلم ما لا تعلمون کا عتاب آمیز فقرہ سننا پڑا پھر حضرت موسیٰ علیہ السلام کو صرف ایک کلمہ "انا اعلم" کی بدولت کتنا حیران و پریشان ہونا پڑا اور سب سے آخر میں وہ رسول بھی آ گیا جس کو علم الاولین والآخرین کا مجموعہ بنا کر بھیجا گیا تھا مگر خالق السموات والارضین کے علم کے سامنے وہ بھی ہمیشہ اپنے عجز و نیاز کا سر جھکائے رہا۔ اور "رب زدنی علما" کی ہی دعائیں مانگتا رہا اور کسی نے کبھی شاعرانہ رنگ میں بھی اگر اس کے متعلق عموم و اطلاق کے ساتھ علم غیب کی نسبت کر دی تو اس نے وہیں اس کو رد کر دیا۔ یہاں بالذات اور بالواسطہ کا فرق پیدا کرنا ایک مضحکہ خیز تخیل ہے۔ بندے میں خدائیتعالیٰ کی کوئی صفت نہ بالذات سما سکتی ہے نہ بالعرض خدائے تعالیٰ ایسا یکتا و یگانہ ہے کہ نہ اس کی ذات میں اور نہ اس کی صفات میں سے کسی صفت میں کوئی شریک ہے نہ اس کا احتمال ہو سکتا ہے ؎

بس جس جگہ تک میری رسائی ہے　　　اس کے بس اُس طرف تیری خدائی ہے

اسی طرح کائنات ہستی کے جمیع ماکان او ما یکون کا علم بھی کسی کے حق میں تسلیم کرنا اسلامی عقیدہ نہیں ہو سکتا کیونکہ اس کے ماوراء اگرچہ بیشمار علوم اور بھی ہیں مگر وہ انسانی دماغ کے تصور سے باہر ہیں انسانی دماغ صرف ان ہی علوم کا تصور کرتا ہے جو کائنات میں

يُذْرِكُهُ فَقَالَ أَوْغَيْرَ ذَالِكَ يَا عَائِشَةُ إِنَّ اللّٰهَ خَلَقَ لِلْجَنَّةِ أَهْلاً خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ وَخَلَقَ لِلنَّارِ أَهْلاً خَلَقَهُمْ لَهَا وَهُمْ فِي أَصْلَابِ آبَائِهِمْ - (رواہ مسلم)

یقین کے ساتھ یہ حکم لگا رہی ہو، کیا خبر ہے کہیں معاملہ کچھ اور ہو۔ اے عائشہ (جنت و دوزخ کا فیصلہ کچھ ظاہری اعمال پر ہی منحصر نہیں) اللہ تعالیٰ نے ایک مخلوق جنت کے لئے بنائی ہے اور اس کو اسی وقت جنتی بنا دیا تھا جبکہ وہ اپنے باپوں کی پشت ہی میں تھی اور اسی طرح ایک مخلوق دوزخ کیلئے بنائی ہے اور ان کو بھی اسی وقت دوزخی بنا دیا تھا جبکہ وہ اپنے باپوں کی پشت میں موجود تھی۔ (مسلم شریف)

اس کو نظر آتے ہیں پس اگر ان علوم میں خالق اور مخلوق مساوی ہوں تو پھر صفت علم کے بارے میں وہ خالق کی برتری کا کوئی تصور کر ہی نہیں سکتا حالانکہ اسلام میں خالق کی برتری کا تصور اتنا اعلیٰ سکھایا گیا ہے کہ اس کے نام کے برابر بھی کسی مخلوق کا نام لینا اس کی برتری کے خلاف سمجھا گیا ہے پھر ذرا یہ بھی تو سوچنا چاہئے کہ کائنات ہستی میں ایسی اشیاء بھی بیشمار موجود ہیں جن کا علم خالق کے لئے تو ضرور موجب کمال ہے مگر انسان کے لئے کوئی کمال نہیں۔ مثلاً کسی میدان کے ریت کے ذرات یا کسی درخت کی شاخوں کے پتے یا اسی قسم کے اور علوم جو انسانیت کی تکمیل کے لئے غیر ضروری بلکہ اور مخل ہیں یہ سب جب عام انسانوں کے حق میں کوئی کمال نہیں سمجھے جاتے تو ان میں جو سب سے بزرگ تر ہستیاں ہوں ان کے لئے کیا موجب کمال ہو سکتے ہیں۔ یہ محض جاہلانہ خوش عقیدگی ہے جس کو شرف انسانی سے کوئی تعلق نہیں۔ چہ جائے کہ ان کو اسلامی عقیدہ کہا جائے۔ خدا کے مقدس رسولوں کے علم کے متعلق اس کی ضرورت ہی کیا ہے کہ اس کے پورے پورے وزن کرنے کی کوشش کی جائے کیا اتنا کہنا کافی نہیں ہو سکتا کہ ؎ بعد از خدا بزرگ توئی قصہ مختصر۔ ان مباحث میں پڑ کر بے وجہ اپنے ایمان کو زخمی نہ کیجئے رسولوں کی پوری عظمت سے دل معمور رکھئے اور ان میں خاتم الرسل کی امتیازی شان کو اپنا دینِ ایمان سمجھئے بس یہی راہ سیدھی ہے فاتبعوہ؛

یہ یاد رہے کہ اسلامی عقائد اور اس کے مذاق کا اندازہ صرف قرآن حکیم اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کلمات قدسیہ سے لگانا چاہئے۔ عشاق کے پراز جذبات کلمات یا شاعروں کے مبالغہ آمیز بیانوں سے نہیں۔ علماء نے یہ تصریح کی ہے کہ جو الفاظ مقام مذمت یا مقام مدح کے ذیل میں آجاتے ہیں ان سے کسی مسئلہ کا استنباط کرنا صحیح نہیں وہ صرف متکلم کے جذباتِ احترام یا اس کے جذباتِ توہین کے ترجمان ہوتے ہیں ان کا مقصد مخاطب کے ذہن میں کسی کی محبت یا کسی سے نفرت قائم کرنا ہوتا ہے کسی عقیدہ کی تعلیم دینا نہیں ہوتا۔

دیکھو قرآنِ حکیم نے بلقیس کے شاہی ساز و سامان کی فراوانی کے متعلق وَاُوْتِيَتْ مِنْ كُلِّ شَيْءٍ (اس کو تمام چیزیں عطا ہوئی تھیں) کا کتنا عام لفظ استعمال فرمایا مگر کیا اس فصیح و بلیغ انداز بیان سے کوئی شخص یہ عقیدہ رکھنے کا مجاز ہو سکتا ہے کہ اس کو حقیقۃً تمام اشیاء عطا کر دی گئی تھیں حتیٰ کہ تمام غیوب کا علم بھی۔ یا یہ صرف اس کی شانِ ملوکیت کی عظمت کا ایک بلیغ انداز بیان تھا ——— یاد رکھو کہ صفاتِ الٰہیہ میں صفتِ علم ایک بڑی ممتاز صفت ہے اس میں کسی بندہ کو اس طرح شریک کر دینا کہ خدا اور بندہ کے درمیان اس میں کوئی التباس پڑنے لگے یہ ٹھیک مشرکانہ رسم ہے۔ (باقی بر صفحہ آئندہ)

(۸۰۳) عَنْ خَالِدِ بْنِ الْوَلِيْدِ اَنَّهٗ دَخَلَ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْتَ مَيْمُوْنَةَ فَاُتِيَ بِضَبٍّ مَحْنُوْذٍ فَاَهْوٰى اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِيَدِهٖ فَقَالَ بَعْضُ النِّسْوَةِ اَخْبِرُوْا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِمَا يُرِيْدُ اَنْ يَّاْكُلَ فَقَالَ هُوَ ضَبٌّ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ فَرَفَعَ يَدَهٗ فَقُلْتُ اَحَرَامٌ هُوَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ لَا وَلٰكِنْ لَّمْ يَكُنْ بِاَرْضِ قَوْمِيْ فَاَجِدُنِيْ اَعَافُهٗ قَالَ خَالِدٌ فَاجْتَرَرْتُهٗ فَاَكَلْتُهٗ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَنْظُرُ۔ (رواہ البخاری)

(۸۰۳) خالد بن ولید بیان کرتے ہیں کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ حضرت میمونہؓ کے گھر گئے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے ایک بھنی ہوئی گوہ پیش کی گئی۔ آپ نے اس کی طرف اپنا دست مبارک بڑھایا۔ اس پر آپ کی بیبیوں میں سے کسی نے کہا جس چیز کے تناول فرمانے کا آپ ارادہ فرمارہے ہیں آپ کو اس کی اطلاع دیدو۔ اس پر انھوں نے عرض کیا یا رسول اللہ یہ گوہ ہے یہ سن کر آپ نے اپنا ہاتھ کھینچ لیا۔ میں نے پوچھا یا رسول اللہ کیا یہ جانور حرام ہے؟ فرمایا نہیں تو لیکن ہمارے ملک میں نہیں ہوتا اس لئے مجھے اس سے نفرت ہے خالد کہتے ہیں میں نے اس کو کھینچ کر اپنی طرف بڑھا لیا اور آپ کے سامنے اس کو کھاتا رہا۔ (بخاری شریف)

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) مشرکین عرب بھی اپنے بتوں کو خدائے وحدہٗ لاشریک کی عبادت میں شریک ٹھہراتے اور جب ان پر مساوات اور شرک کا اعتراض کیا جاتا تو اسی طرح مختلف قسم کے حیلے بہانے بنا دیتے۔ کبھی یہ کہہ دیتے کہ ہم تو ان کی عبادت صرف اس لئے کرتے ہیں کہ وہ خدائے تعالیٰ کی بارگاہ میں ہم کو ذرا قریب کردیں اور کبھی ان کی شفاعت کا بہانہ کر دیتے ان تمام تاویلوں کے باوجود ان کا سر بیناز اگر جھکتا تو ان بتوں ہی کے سامنے جھکتا اور جب کبھی ان کے سامنے خدائے وحدہٗ لاشریک لہٗ کا ذکر آجاتا تو وہ ہمیشہ اکڑ جاتے۔ خوب سُن لیجئے کہ مذہب اسلام میں نہ کسی ایسے عقیدہ کیلئے کوئی گنجائش ہے اور نہ کسی مشرکانہ عمل کے لئے وہ ذہنی اور عملی ہر لحاظ سے کفر سے اتنا ممتاز ہے جتنا دن رات سے۔ واللہ ولی الامور۔ اب آپ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ کے مشتے نمونہ از خروارے چند روزمرہ کے وہ واقعات ملاحظہ فرمائیے جن سے آپ کو صحیح صحیح اندازہ ہو جائیگا کہ جس کے سینہ میں علوم ہدایت کے سمندر بہا دیئے گئے تھے دنیا کے غیر ضروری امور میں اس کا حال کیا تھا۔

(۸۰۳) یہ روزمرہ کا ایک سادہ واقعہ ہے دیکھئے یہاں حاضرین مجلس حتیٰ کہ امہات المومنین جیسی خاص ہستیوں میں سے کسی ایک کے ذہن میں بھی یہ بات معلوم نہیں ہوتی کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو علم غیب کا اس طرح احاطہ حاصل تھا کہ عالم کا کوئی ذرہ آپ کے علم سے باہر نہ تھا وہ کس صفائی سے ایک معمولی سی کھانے کی چیز کے متعلق آپ کو ٹوک دیتی ہیں اور آپ بھی فوراً متنبہ ہو کر اس کے تناول فرمانے سے دست کش ہو جاتے ہیں اور یہ نہیں فرماتے کہ یہ تو میں خود بھی جانتا تھا۔ واضح رہے کہ یہ واقعہ حضرت میمونہؓ سے عقد کے بعد کا واقعہ ہے۔ جو آپ کی بہت آخر عمر کا ہے۔

(۸۰۴) عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَنَا بَشَرٌ وَاِنَّکُمْ تَخْتَصِمُوْنَ اِلَیَّ وَلَعَلَّ بَعْضَکُمْ اَنْ یَکُوْنَ اَلْحَنَ بِحُجَّتِہٖ مِنْ بَعْضٍ فَاَقْضِیْ لَہٗ عَلٰی نَحْوِ مَا اَسْمَعُ مِنْہُ

(۸۰۴) حضرت ام سلمہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، میں ایک انسان ہی ہوں اور تم لوگ اپنے جھگڑے لے کر میرے پاس آتے رہتے ہو، ہوسکتا ہے کہ تم میں ایک آدمی اپنے دلائل بنا سنوار کر بیان کرنے میں دوسرے شخص سے زیادہ ماہر ہو اور میں (اس کے بیان سے متاثر ہو کر) جیسا اس کا بیان سنوں اسی کے مطابق فیصلہ صادر کر دوں تو اگر میں کسی کے بھائی کے حق کا فیصلہ اس کے حق میں

(۸۰۴) شرح معانی الآثار میں اس حدیث کے الفاظ اس طرح منقول ہیں انما انا بشر ولا ادری بالطن ما تحاکمون فیہ عندی وتختصمون فیہ لدی وانما اقضی بینکم علی ظاہر ما تقولون۔ یعنی میں ایک انسان ہوں اور جن معاملات کے فیصلے تم میرے پاس لے کر آتے ہو ان کی حقیقت کو میں جانتا نہیں۔ میں تو جیسا تم مجھ سے بیان کر دیتے ہو اسی کے مطابق فیصلہ کر دیتا ہوں۔ امام بخاریؒ نے باب اثم من خاصم فی باطلہ وہو یعلمہ (ص۳۳۲) میں اس حدیث کو ذکر کیا ہے اور اس میں یہ لفظ روایت کئے ہیں فلعل بعضکم ان یکون ابلغ من بعض فاحسب انہ صدق۔ یہ ہو سکتا ہے کہ تم میں کوئی دوسرے سے زیادہ لسان ہو اور اس بنا پر میں یہ خیال کر لوں کہ جو بات اس نے کہی ہے وہ سچ ہی کہی ہے۔ علامہ قسطلانی انما انا بشر کی وجہ حصر میں لکھتے ہیں۔ لانہ حصر خاص ای باعتبار علم البواطن ویسمی عند علماء البیان قصر القلب لا نہ اتی بہ علی الرد علی من زعم ان من کان رسولا یعلم الغیب فیطلع علی البواطن ولا یخفی علیہ المظلوم ونحو ذلک فاشار الی ان الوضع البشری یقتضی ان لا یدرک من الامور الا ظواہرہا فانہ خلق خلقا لا یسلم من قضایا تحجبہ عن حقائق الاشیاء فاذا ترک علی ما جبل علیہ من القضایا البشریۃ ولم یوید بالوحی السماوی طرأ علیہ ما یطرأ علی سائر البشر۔ (ج۱۰ ص۲۶۲) یعنی یہاں آپ نے اپنی بشریت کو بصیغۂ حصر اس لئے ذکر کیا ہے حالانکہ آپ بہت سے اوصاف میں عام بشریت سے کہیں بالا و برتر تھے تاکہ ان لوگوں کی تردید ہو جائے جو یہ گمان کرتے ہیں کہ جب رسول کے پاس غیب کی خبریں آتی ہیں تو اس پر ہر معاملہ کی حقیقت بھی ٹھیک ٹھیک طور پر روشن ہو جاتی ہوگی اور وہ یہ بھی جان لیتا ہوگا کہ فریقین میں مظلوم کون ہے اور ظالم کون۔ اس خیال کی تردید کے لئے آپ نے فرمایا کہ بشری ساخت ہی اللہ تعالیٰ نے ایسی بنائی ہے کہ بشر صرف ظاہری حالت ہی کا ادراک کر سکتا ہے اور اس کو ایسے حالات پیش آئے بغیر چارہ نہیں ہوتا جو اس کے لئے اشیاء کی حقیقت کے ادراک سے مانع آجائیں پس جب تک قدرت اس کو اپنی فطرت کے خلاف نہ چلائے اور آسمانی وحی سے اس کی تائید نہ فرمائے اس پر وہی حالات طاری ہوتے ہیں جو دوسرے انسانوں پر طاری ہوا کرتے ہیں۔

علامہ قسطلانی کے بیان سے یہ حقیقت خوب واضح ہوگئی کہ انبیاء علیہم السلام عالم الغیب کیوں نہیں ہوتے اور وہ یہ کہ انسان کی بشری ساخت ہی میں اس کی صلاحیت نہیں۔ اللہ تعالیٰ نے اس کو ایسے حالات و اوصاف کے ساتھ پیدا فرمایا ہے جن کی وجہ سے اس کو غائبات کا بلا واسطہ علم ہو ہی نہیں سکتا اور جن باتوں کا اس کو علم ہوتا ہے یہ اس کی فطرت کا تقاضہ نہیں بلکہ صرف حق تعالیٰ کی وقتی اطلاع سے حاصل ہوتا ہے اس لئے اس میں اطلاق و عموم کہاں اس کے بعد علامہ موصوف اس کی حکمت بھی لکھتے ہیں کہ رسول کو اپنے مقدمات کے متعلق غیب کا علم کیوں نہیں دیا۔

فَمَنْ قَضَيْتُ لَهُ بِشَيْءٍ مِنْ حَقِّ اَخِيْهِ فَلَا يَاْخُذَنَّهُ فَاِنَّمَا اَقْطَعُ لَهُ قِطْعَةً مِنَ النَّارِ (متفق علیہ)

اس طرح دیدوں تو اسے چاہیے کہ وہ میرے اس طرح کے فیصلہ پر اعتماد کر کے اس کا مال دبا نہ لے اور یہ سمجھے کہ جو مال اس کو اس فیصلہ سے ملا ہے وہ حقیقت میں آگ کا ایک انگارہ ہے۔ (متفق علیہ)

تاکہ شاہد و یمین کا قصہ ہی ختم ہو جاتا اور رسول اپنے یقین کی بنا پر جس طرح اور احکام شریعت بیان کیا کرتا ہے اسی طرح مقدمات کے فیصلے بھی صادر کر دیا کرتا۔ ولم یطلعہ اللہ تعالیٰ علی حقیقۃ الامر فی ذلک حتی لا یحتاج الی بینۃ و یمین تعلیما لتقتدی به امته فانه لو حکم فی القضایا بیقینہ الحاصل من الغیب لما امکن الحکم لامته من بعدہ (ج ۱ ص ۲۳۰) اور نووی لکھتے ہیں لکن لما اراد اللہ امته باتباعه . . . اجری له حکمهم فی عدم الاطلاع علی باطن الامور لیکون حکم الامة فی ذلک حکمه فاجری اللہ تعالیٰ احکامه علی الظاهر الذی یستوی فیه هو وغیره لیصح الاقتداء به وتطییب نفوس العباد للانقیاد للاحکام الظاهرة من غیر نظر الی الباطن واللہ تعالیٰ اعلم (ج ۲ ص ۷۴)

علامہ قسطلانی اور امام نووی کے بیان کا خلاصہ یہ ہے کہ اگر اللہ تعالیٰ اپنے رسولوں کو تمام مقدمات میں صحیح صحیح حالات کی اطلاع دیدیا کرتا تاکہ وہ صرف اپنے علم کی بنا پر مقدمات کے فیصلے صادر کر دیا کرتے تو ان کی امت اس بارے میں کیسے ان کی اتباع کر سکتی۔ اس لئے اس نے واقعات اور معاملات کی اطلاع دینے کی بجائے تفتیش و اجتہاد کرنا اور مدعی سے ثبوت اور مدعیٰ علیہ سے قسم لینا ان کے لئے آئین مقرر کیا اور تمام امت کو یہ حکم دیا کہ وہ بھی اسی طرح معاملات کے فیصلے کیا کریں۔ البتہ مدعی کو یہ اخلاقی فہمائش بھی کر دی کہ وہ اس شرعی آئین سے ناجائز فائدہ نہ اٹھائے اور یقین رکھے کہ اگر وہ اپنی چرب زبانی کی بدولت ظاہری آئین سے فائدہ اٹھائے گا تو باطنی آئین کی گرفت سے باہر نہیں جا سکتا۔ اگر کوئی مال اس نے ناجائز شہادت سے حاصل کر لیا ہے تو قیامت میں وہ اس کیلئے آتش دوزخ کی شکل میں نظر آئے گا۔ مدعیٰ علیہ اگر یہاں کسی آئینی مجبوری سے ناکام رہ گیا ہو تو وہ احکم الحاکمین کی عدالت میں ناکام نہیں ہوگا۔ کچھ اسی جگہ نہیں بلکہ اسلام میں ظاہری آئین کی روح ہر جگہ یہی تعلیم کی گئی کہ اگر ظاہری آئین کی پشت پر عالم باطن کی گرفت کا خوف نہ ہو تو پھر صرف ظاہری آئین نظم و نسق کے بجائے مزید شر و فساد کا موجب بھی ہو سکتا ہے۔ رہا واقعات کی پوری اطلاع کے بعد پھر بر خلاف واقعات کے خلاف فیصلے دینے کا حکم تو یہ کسی طرح بھی مناسب نہیں تھا۔ یہاں صرف یہ دو راہیں تھیں ایک یہ کہ اگر ظاہری آئین پر فیصلے کا آئین مقرر کیا جائے تو تمام واقعات کی صحیح صحیح اطلاع دینا آئین نہ ہو اور اگر صحیح صحیح واقعات کی اطلاع دینا آئین مقرر ہو تو پھر شہادت اور قسم پر فیصلہ کرنا آئین متروک ہو۔ یہی سبق ہم کو حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام اور حضرت خضر علیہ السلام کے قصے سے ملتا ہے دیکھئے اگر حضرت موسیٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو ظاہر شریعت کا مکلف بنایا گیا تھا تو حقائق کے چہروں سے نقاب کشائی کا ان سے کوئی وعدہ نہیں کیا گیا تھا اور اگر حضرت خضر علیہ السلام پر اسرار کائنات کھولے گئے تھے تو پھر انہیں ظاہر شریعت کا مکلف بھی نہیں بنایا گیا تاکہ انکشاف حقائق جگہ جگہ ظاہری آئین کے خلاف کا تقاضہ نہ کرے اور اسی طرح ظاہری آئین حوادث عالم کے تسلسل میں خلل انداز بھی نہ ہو۔ وہ نظم قدرت میں جس طرح یکے بعد دیگرے بنتے ہوتے ہیں اسی طرح ظہور پذیر ہوتے چلے جائیں اور آئین شریعت جس طرح بنا نافذ چاہتا ہے وہ بھی اسی طرح نافذ ہوتا چلا جائے خواہ واقعات کے حقائق کا اقتضا کچھ بھی ہو اگر ایسا نہ کیا جاتا تو جب حضرت موسیٰ علیہ السلام جیسا اولوالعزم رسول حضرت خضر علیہ السلام کی اتباع صبر و سکون کے ساتھ نہ کر سکا تو یہ بے صبر امت اپنے رسول کی اتباع بھلا کیا کر سکتی۔

بایں ہمہ یہ امر اور ہے کہ بیسیوں معاملات پر نبی کو حقیقت حال پر متنبہ بھی کر دیا جاتا ہو مگر یہ اعجاز کے طور پر نہ کہ آئین کے طور پر۔

(۸۰۵) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلَی الصَّلٰوةِ فَلَمَّا کَبَّرَ انْصَرَفَ وَ اَوْمٰی اِلَیْهِمْ اَنْ کَمَا اَنْتُمْ ثُمَّ خَرَجَ فَاغْتَسَلَ ثُمَّ جَاءَ وَرَاْسُهٗ یَقْطُرُ فَصَلّٰی بِهِمْ فَلَمَّا صَلّٰی قَالَ اِنِّیْ کُنْتُ جُنُبًا فَنَسِیْتُ اَنْ اَغْتَسِلَ۔ (رواہ احمد وروی مالک عن عطاء بن یسار مرسلا)

(۸۰۶) عَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ قَالَ صَلَّیْتُ وَرَاءَ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِیْنَةِ الْعَصْرَ فَسَلَّمَ ثُمَّ قَامَ مُسْرِعًا فَتَخَطّٰی رِقَابَ النَّاسِ اِلٰی بَعْضِ حُجَرِ نِسَائِهٖ فَفَزِعَ النَّاسُ مِنْ سُرْعَتِهٖ فَخَرَجَ عَلَیْهِمْ فَرَاٰی اَنَّهُمْ قَدْ عَجِبُوْا مِنْ سُرْعَتِهٖ قَالَ ذَکَرْتُ شَیْئًا مِّنْ تِبْرٍ عِنْدَنَا فَکَرِهْتُ اَنْ یَّحْبِسَنِیْ فَاَمَرْتُ بِقِسْمَتِهٖ۔ (رواہ البخاری)

(۸۰۵) ابوہریرۃ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز کیلئے باہر تشریف لائے۔ قریب تھا کہ تکبیر کہتے کہ فوراً آپ واپس تشریف لے گئے اور لوگوں کو اشارہ کیا کہ جس طرح تم اب ہو اسی طرح رہنا غسل کرکے پھر باہر تشریف لائے اور آپ کے سر مبارک سے پانی ٹپک رہا تھا۔ آپ نے نماز پڑھائی اور فارغ ہوکر فرمایا میں جنابت کی حالت میں تھا اور غسل کرنا بھول گیا تھا۔ (احمد۔ مالک)

(۸۰۶) عقبہ بن حارث بیان کرتے ہیں کہ میں نے مدینہ طیبہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پیچھے عصر کی نماز پڑھی۔ آپ سلام پھیر کر لوگوں کی گردنیں پھلانگتے ہوئے جلدی جلدی کسی بی بی صاحبہ کے گھر تشریف لے گئے۔ لوگ آپ کی یہ عجلت دیکھ کر گھبرا گئے۔ جب آپ باہر تشریف لائے تو دیکھا کہ لوگ آپ کی اس عجلت پر حیران ہیں۔ آپ نے فرمایا مجھے اپنے گھر میں سونے کی ایک ڈلی رکھی ہوئی یاد آگئی تھی۔ مجھے یہ بات ناپسند ہوئی کہ مبادا وہ میرے تعلق خاطر کا باعث بنے۔ اس لئے میں اس کو تقسیم کرنے کیلئے کہہ آیا ہوں۔ (بخاری شریف)

(۸۰۶) سچ کہا ہے علامہ قسطلانی نے کہ قدرت نے انسان کو پیدا ہی ایسی وضع پر کیا ہے کہ غیب کے علوم کا احاطہ تو درکنار اس کو حاصل شدہ علوم کا دائمی استحضار رہنا بھی مشکل ہے۔ ایک وقت انسان کی ملکی قوت عروج کرتی ہے تو وہ عرش کی خبریں دینے لگتا ہے اور ایک وقت اس پر بشریت کا دباؤ پڑتا ہے تو وہ خود اپنی معلومات بھی فراموش کر بیٹھتا ہے اسی مدوجزر میں انسانی ترقی کا راز مضمر ہے۔ خطاء و نسیان انسان کے لئے عیب نہیں۔ غیر محدود اقتدار اور جزئیات و کلیات غیب کا احاطہ اس کی نوع کا کمال نہیں۔ قدرت نے اس کی فطرت ایسے ہی ضعف و ناتوانی کے اندر بنائی ہے کہ وہ خطا بھی کرے گا اور بھولے گا بھی مگر اس کا یہ فطری نقص اس کے لئے موجب نقصان نہ ہوگا بلکہ اور موجب کمال ہوگا۔ ایک روایت میں ہے انما انسی لاسن یعنی لوگ تو خود بھولتے ہیں مگر مجھ پر قدرۃً نسیان ڈالا جاتا ہے تاکہ بنی آدم نسیان کے احکام سیکھیں۔ پس جس طرح نبی کے نسیان سے مقصد نسیان کی سنت بتانی ہے اسی طرح واقعات و حوادث کی حقیقت سے بے خبر رکھ کر صرف ان کی سطح پر نبی کو فیصلہ صادر فرمانے کے حکم سے مقصد مقدمات میں فیصلہ کرنے کا آئین سکھانا ہے۔

(۸۰۷) عَنْ أَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلَّى عَلَيَّ عِنْدَ قَبْرِيْ سَمِعْتُهُ وَمَنْ صَلَّى عَلَيَّ نَائِيًا أُبْلِغْتُهُ۔ (رواه البيهقي في شعب الايمان)

(۸۰۸) عَنْ أَبِي أُمَامَةَ قَالَ إِنَّ حِبْرًا مِنَ الْيَهُوْدِ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَيُّ الْبِقَاعِ خَيْرٌ فَسَكَتَ عَنْهُ وَقَالَ أَسْكُتُ حَتَّى يَجِيْءَ جِبْرَئِيْلُ فَسَكَتَ وَجَاءَ جِبْرَئِيْلُ عَلَيْهِ السَّلَامُ فَسَأَلَ فَقَالَ مَا الْمَسْئُوْلُ عَنْهَا بِأَعْلَمَ مِنَ السَّائِلِ وَلٰكِنْ أَسْأَلُ رَبِّيْ تَبَارَكَ وَتَعَالٰى ثُمَّ قَالَ جِبْرَئِيْلُ يَا مُحَمَّدُ إِنِّيْ دَنَوْتُ مِنَ اللّٰهِ دُنُوًّا مَا دَنَوْتُ مِنْهُ قَطُّ قَالَ وَكَيْفَ كَانَ يَا جِبْرَئِيْلُ قَالَ كَانَ بَيْنِيْ وَبَيْنَهُ سَبْعُوْنَ أَلْفَ حِجَابٍ مِنْ نُوْرٍ فَقَالَ شَرُّ الْبِقَاعِ أَسْوَاقُهَا

---

(۸۰۷) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص میری قبر کے پاس آکر مجھ پر درود بھیجتا ہے اسے تو میں خود سنتا ہوں اور جو مجھ پر دور سے درود بھیجتا ہے اسے فرشتے میرے پاس پہنچا دیتے ہیں۔ (شعب الایمان)

(۸۰۸) ابوامامہ سے روایت ہے کہ ایک یہودی عالم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا فرمائیے سب سے بہتر جگہ کونسی ہے۔ آپ یہ کہہ کر خاموش ہو رہے کہ میں ذرا جبرئیل کے آنے تک خاموش رہتا ہوں، اس کے بعد جبرئیل علیہ السلام آگئے، آپ نے ان سے یہ سوال کیا۔ انھوں نے عرض کیا کہ جس سے آپ پوچھ رہے ہیں اس کو بھی سائل سے زیادہ اس کا علم نہیں۔ لیکن دیکھئے میں اپنے پروردگار سے جاکر پوچھتا ہوں اس کے بعد انھوں نے عرض کیا اے محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) آج مجھے اللہ تعالیٰ سے اتنا قرب نصیب ہوا کہ اس سے قبل کبھی نصیب نہیں ہوا تھا آپ نے پوچھا اے جبرئیل آخر کتنا قرب نصیب ہوگیا؟ عرض کیا کہ

---

(۸۰۷) یعنی حضرات انبیاء علیہم السلام کی وفات عام انسانوں کی طرح نہیں ہوتی وہ جس طرح اپنے بعض حیات کے احکام میں ممتاز ہوتے ہیں اسی طرح بعض وفات کے احکام میں بھی ممتاز ہوتے ہیں۔ ان کی میراث تقسیم نہیں ہوتی، ان کی ازواجِ مطہرات کا نکاح حرام ہوتا ہے البتہ قریب و بعید باتوں کے سننے اور جاننے کا جو آئین ان کی زندگی میں تھا وہی آئین ان کی وفات کے بعد بھی قائم رہتا ہے یعنی جس طرح اپنی حیات میں وہ قریب کی بات خود سنا کرتے تھے اسی طرح وفات کے بعد قریب کی درود شریف بنفسِ نفیس خود ہی سنتے ہیں اور جس طرح پہلے دور کی باتوں کا علم ان کو کسی قاصد یا خطوط کی معرفت ہوا کرتا تھا اسی طرح درود شریف کے حق میں بنا ہی نظم و نسق قائم رہتا ہے بقیہ معاملات کا نظم کس طرح ہے اس کا ذکر اس حدیث میں نہیں۔ پس جس نے یہ دعویٰ کیا کہ حیات یا وفات میں ہمہ وقت رسول کو ہر ہر جزئی و کلی کا علم ہوتا ہے یہ بھی بے دلیل دعویٰ ہے اور جس نے رسول کے متعلق عام انسانوں جیسا عقیدہ رکھا وہ بھی مقامِ رسالت سے قطعاً ناآشنا و نابلد ہے۔

وَخَيْرُ الْبِقَاعِ مَسَاجِدُهَا۔ (رواه ابن حبان فی صحیحہ عن ابن عمر وحدیث ابغض البقاع واحب البقاع مروی عن ابی هریرة عند مسلم ولکن بدون تلك القصة)

(۸۰۹) عَنْ أَبِي قَتَادَةَ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَامَ فِيهِمْ فَذَكَرَ لَهُمْ أَنَّ الْجِهَادَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَالْإِيمَانَ بِاللهِ أَفْضَلُ الْأَعْمَالِ فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُولَ اللهِ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللهِ يُكَفِّرُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ إِنْ قُتِلْتَ فِي سَبِيلِ اللهِ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ ثُمَّ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ قُلْتَ فَقَالَ أَرَأَيْتَ إِنْ قُتِلْتُ فِي سَبِيلِ اللهِ أَيُكَفِّرُ عَنِّي خَطَايَايَ فَقَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ وَأَنْتَ صَابِرٌ مُحْتَسِبٌ مُقْبِلٌ غَيْرُ مُدْبِرٍ إِلَّا الدَّيْنَ فَإِنَّ جِبْرَئِيلَ قَالَ لِي ذَالِكَ۔ (رواه مسلم)

(۸۱۰) عَنْ أَبِي سَعِيدِ الْخُدْرِيِّ أَنَّ رَسُولَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ إِنَّ مِمَّا

---

میرے اور اس کے درمیان نور کے ستر ہزار حجاب قائم تھے (ان حجابات کے اندر سے ارشاد فرمایا) کہ سب سے بدتر مقامات بازار ہیں اور سب سے بہتر مسجدیں ہیں۔ (ابن حبان)

(۸۰۹) ابو قتادہؓ روایت فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان تقریر فرمانے کے لئے کھڑے ہوئے، اس میں آپ نے فرمایا کہ اللہ کے لئے جہاد کرنا اور اللہ تعالیٰ پر ایمان لانا بہت بہتر عمل ہیں اس پر ایک شخص کھڑا ہوا اور اس نے پوچھا یا رسول اللہ فرمایئے اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میری سب خطائیں بخشدی جائیں گی۔ آپ نے فرمایا جی ہاں بشرطیکہ تو صبر اور نیک نیتی کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا مارا جائے اور تیرا قدم پیچھے نہ ہٹے۔ اس کے بعد آپ نے فرمایا، اچھا پھر پوچھ کیا پوچھتا تھا اس نے پھر پوچھا کہ اگر میں اللہ کی راہ میں مارا جاؤں تو کیا میری سب خطائیں بخشدی جائیں گی۔ آپ نے فرمایا بیشک بشرطیکہ تو نیک نیتی اور صبر کے ساتھ آگے بڑھتا ہوا مارا جائے اور تیرا قدم پیچھے نہ ہٹنے پائے۔ مگر ایک حق کی معافی پھر بھی نہ ہوگی اور وہ قرض ہے۔ جبرئیل علیہ السلام نے ابھی ابھی آکر مجھ سے کہا ہے۔ (مسلم)

(۸۱۰) ابو سعید خدریؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جن باتوں کا مجھے تمہارے متعلق اندیشہ ہے ان میں سے دنیا کی وہ رونق اور اس کی وہ فتوحات ہیں جو میرے بعد تم کو

---

(۸۱۰) حدیثوں میں ایسی مثالیں بکثرت ملتی ہیں جن سے معلوم ہوتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو جن باتوں کا علم نہ ہوتا ان کے جواب کیلئے کبھی تو جبرئیل علیہ السلام از خود تشریف لے آتے اور کبھی آپ ان کی آمد کا انتظار فرماتے اور

أَخَافُ عَلَيْكُمْ مِنْ بَعْدِي مَا يُفْتَحُ عَلَيْكُمْ مِنْ زَهْرَةِ الدُّنْيَا وَزِينَتِهَا فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ أَوَيَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ فَسَكَتَ حَتّٰى ظَنَنَّا أَنَّهُ يُنْزَلُ عَلَيْهِ قَالَ فَمَسَحَ عَنْهُ الرُّحَضَاءَ وَقَالَ أَيْنَ السَّائِلُ وَكَأَنَّهُ حَمِدَهُ فَقَالَ إِنَّهُ لَا يَأْتِي الْخَيْرُ بِالشَّرِّ وَإِنَّ مِمَّا يُنْبِتُ الرَّبِيعُ مَا يَقْتُلُ حَبَطًا أَوْ يُلِمُّ إِلَّا آكِلَةَ الْخَضِرِ أَكَلَتْ حَتّٰى امْتَدَّتْ خَاصِرَتَاهَا اسْتَقْبَلَتْ عَيْنَ الشَّمْسِ فَثَلَطَتْ وَبَالَتْ ثُمَّ عَادَتْ فَأَكَلَتْ وَإِنَّ هٰذَا الْمَالَ خَضِرَةٌ حُلْوَةٌ فَمَنْ أَخَذَهُ بِحَقِّهِ وَوَضَعَهُ فِي حَقِّهِ فَنِعْمَ الْمَعُونَةُ هُوَ وَمَنْ أَخَذَهُ بِغَيْرِ حَقِّهِ كَانَ كَالَّذِي يَأْكُلُ وَلَا يَشْبَعُ وَيَكُونُ شَهِيدًا عَلَيْهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ۔ (متفق علیہ)

نصیب ہوں گی۔ اس پر ایک شخص نے سوال کیا یا رسول اللہ (یہ تو اللہ تعالیٰ کی ایک نعمت ہوگی) بھلا کیا نعمت بھی کسی خطرہ کا سبب بن سکتی ہے اس پر آپ اس طرح خاموش ہو گئے جس سے ہم یہ سمجھے کہ آپ پر وحی نازل ہو رہی ہے۔ راوی کہتا ہے کہ حسب دستور آپ نے اپنے روئے انور سے پسینہ پوچھا (جو بوقت نزول وحی آجایا کرتا تھا) اور فرمایا وہ سوال کرنے والا کدھر گیا (آپ نے اس طرح پوچھا) گویا اس کے سوال کی تعریف کی اور فرمایا بھی نعمت تو کسی نقصان کا موجب نہیں بنتی (البتہ اس کا بے جا استعمال نقصان کا موجب بن جاتا ہے) آخر موسم بہار سبزا اگاتا ہے اور یہی سبزا کبھی جانور کی موت کا باعث بھی بن جاتا ہے یا اس کو موت کے قریب پہنچا دیتا ہے۔ ہاں ایک وہ جانور جس نے خوب کھایا اور جب اس کی دونوں کوکھیں تن گئیں تو دھوپ میں جا بیٹھا پھر چیرا اور پیشاب کیا۔ اس کے بعد پھر گیا اور پھر سبزہ کھایا۔ اسی طرح مال و دولت کی حالت ہے وہ بھی دیکھنے میں خوشنما اور ذائقہ میں شیریں چیز ہے جو شخص اسے جائز طور پر حاصل کرتا ہے اور اس کو برمحل صرف کرتا ہے اس کا تو کیا کہنا وہ تو انسان کے لئے ایک عمدہ سہارا ہے لیکن جو اس کو ناجائز طور پر حاصل کرتا ہے تو اس کی مثال اس شخص کی سی ہے جو کھائے چلا جائے مگر اس کا پیٹ نہ بھرے (کاسۂ چشم حریصاں پُر نہ شد) اور یہ قیامت کے دن اس کے خلاف گواہی دے گا (متفق علیہ)

آپ کے جواب میں اگر کوئی اجمال رہ جاتا تو جبرئیل علیہ السلام فوراً اس کی ضروری تفصیل کر دیتے۔ درحقیقت یہ نبی کا بہت بڑا کمال ہے اور اس کی صداقت کی سب سے واضح دلیل ہے کہ وہ دین کے بارے میں ایک حرف بھی اپنی جانب سے نہیں کہتا۔ جس طرح نبی کی فتح و شکست اس کے صداقت کی دلیلیں ہوتی ہیں اسی طرح اس کا نطق و سکوت بھی اس کی صداقت کا ایک محکم ثبوت ہوتا ہے۔ یہاں بے علم برعکس اس کو نقصان کا موجب گردان لیتا ہے۔ مذکورہ بالا سوال ہی کو دیکھئے اگر یہ ہم سے کہا جاتا تو ہم اپنی عقل سے بھی اس کا کوئی نہ کوئی جواب تراش دیتے مگر نبی اجتہاد کے لئے بھی پہلے وحی کا انتظار کرتا ہے اسی لئے اس کا نطق و سکوت دونوں وحی سمجھے جاتے ہیں۔ الحاصل یہ تیئس سال تک جو کچھ بھی آپ سے کہا جاتا تھا

(۸۱۱) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ بَیْنَمَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یُصَلِّیْ بِاَصْحَابِہٖ اِذْ خَلَعَ نَعْلَیْہِ فَوَضَعَھُمَا عَنْ یَسَارِہٖ فَلَمَّا رَاٰی ذٰلِکَ الْقَوْمُ اَلْقَوْا نِعَالَھُمْ فَلَمَّا قَضٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوتَہٗ قَالَ مَا حَمَلَکُمْ عَلٰی اِلْقَاءِ نِعَالِکُمْ قَالُوْا رَاَیْنَاکَ اَلْقَیْتَ نَعْلَیْکَ فَاَلْقَیْنَا نِعَالَنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِنَّ جِبْرِیْلَ اَتَانِیْ فَاَخْبَرَنِیْ اَنَّ فِیْھِمَا قَذَرًا اِذَا جَاءَ اَحَدُکُمُ الْمَسْجِدَ فَلْیَنْظُرْ فَاِنْ رَاٰی قَذَرًا فَلْیَمْسَحْہُ وَلْیُصَلِّ فِیْھِمَا۔ (رواہ ابوداؤد)

(۸۱۲) عَنْ عَائِشَۃَ اَنَّھَا قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لِاَرْبَعٍ مَضَیْنَ

---

(۸۱۱) ابوسعید خدریؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے اصحاب کو نماز پڑھا رہے تھے کہ دفعۃً آپ نے نعلین مبارک اتار کر اپنی بائیں جانب رکھ لیے۔ یہ دیکھنا تھا کہ صحابۂ کرام نے بھی اپنے اپنے چپل اتار ڈالے۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنی نماز پوری فرما چکے تو ان سے پوچھا تم لوگوں نے اپنے چپل کیوں اتار دیئے۔ انھوں نے عرض کیا ہم نے آپ کو چپل اتارتے دیکھا تو ہم نے بھی اتار ڈالے۔ آپ نے فرمایا میرے پاس تو جبرئیل علیہ السلام آئے تھے انھوں نے مجھ سے کہا کہ (آپ کے) چپلوں میں کچھ گندگی لگی ہوئی ہے۔ تم جب مسجد میں آیا کرو تو پہلے اپنے چپل دیکھ لیا کرو۔ اگر ان میں کوئی گندگی نظر آئے تو اس کو صاف کر کے پھر ان سے نماز پڑھ لیا کرو۔ (ابوداؤد)

(۸۱۲) حضرت عائشہؓ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حج کے قصہ میں نقل کرتی ہیں) کہ آپ چوتھی پانچویں ذی الحجہ کو مکہ مکرمہ تشریف لائے جب میرے پاس تشریف لائے تو اس وقت آپ پر غصہ کے آثار

---

(بقیہ از صفحۂ گذشتہ) سارا کا سارا غیب ہی کا علم تو تھا لیں کیا اس میں کسی مسلمان کو کلام ہو سکتا ہے کہ قدرت نے آپ کے سینے میں بے شمار غیوب کے سمندر بہا دیئے تھے مگر بحث تو صرف اس میں ہے کہ اللہ تعالیٰ کی ذات کی طرح کیا عالم کی ہر ہر جزئی کا ہر وقت بھی آپ کو علم حاصل تھا؟ اس طرح کے علم کا ثبوت حدیثوں سے ہم کو تو نہیں مل سکا۔ اگر کسی ایک حدیث میں کوئی لفظ مبہم ملا بھی تو بیسیوں حدیثوں میں بڑی وضاحت کے ساتھ اس کی تشریح بھی مل گئی۔ پھر کیا صاف صاف تشریحات کو چھوڑ کر مبہم الفاظ کو عقیدہ بنا لینا کوئی دین کی بات ہوگی۔

(۸۱۲) مکہ مکرمہ میں پہنچکر آپ نے ایک دینی مصلحت کی وجہ سے لوگوں کو یہ حکم دیا تھا کہ وہ سب اپنے اپنے احرام کھول ڈالیں اور حج کے بجائے عمرہ ادا کرلیں۔ پھر جب حج کا وقت آئے تو حج کا احرام باندھ کر حج کرلیں یہ تمتع کی شکل ہو جائیگی لیکن جو لوگ حج کا احرام باندھ چکے تھے ان کو حج کی ادائیگی سے پہلے اپنا احرام کھولدینا بہت شاق گذرا بالخصوص جبکہ انھوں نے آپ کو دیکھا تو آپ نے بھی اپنا احرام نہ کھولا۔ آپ چونکہ اپنے ہمراہ ہدی لائے تھے اس لئے ہدی کی موجودگی

مِنْ ذِی الْحِجَّةِ اَوْ خَمْسٍ فَدَخَلَ عَلَیَّ وَهُوَ غَضْبَانُ فَقُلْتُ مَنْ اَغْضَبَكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَدْخَلَهُ اللّٰهُ النَّارَ قَالَ اَوَمَا شَعَرْتِ اَنِّیْ اَمَرْتُ النَّاسَ بِاَمْرٍ فَاِذَا هُمْ يَتَرَدَّدُوْنَ وَلَوْ اِنِّیْ اسْتَقْبَلْتُ مِنْ اَمْرِیْ مَا اسْتَدْبَرْتُ مَا سُقْتُ الْهَدْیَ مَعِیْ حَتّٰی اَشْتَرِيَهُ ثُمَّ اَحِلُّ كَمَا حَلُّوْا (رواہ مسلم)

(۸۱۳) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ فَرَطُكُمْ عَلَی الْحَوْضِ مَنْ مَرَّ عَلَیَّ شَرِبَ وَمَنْ شَرِبَ لَمْ يَظْمَاْ اَبَدًا لَيَرِدَنَّ عَلَیَّ اَقْوَامٌ اَعْرِفُهُمْ وَيَعْرِفُوْنَنِیْ ثُمَّ يُحَالُ بَيْنِیْ وَبَيْنَهُمْ فَاَقُوْلُ اِنَّهُمْ مِنِّیْ فَيُقَالُ اِنَّكَ لَا تَدْرِیْ مَا اَحْدَثُوْا بَعْدَكَ فَاَقُوْلُ

---

نمایاں تھے۔ میں نے عرض کیا آپ کو کس نے خفا کیا۔ خدا تعالیٰ اس کا برا کرے۔ آپ نے فرمایا تجھ کو یہ خبر نہیں کہ میں لوگوں کو ایک بات کا حکم دیتا ہوں لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہ اس پر عمل کرنے کے بجائے اس میں اور پس و پیش کرتے ہیں۔ کاش اگر میں اس کو پہلے سے جانتا تو میں بھی اپنے ہمراہ ہدی کا جانور نہ لاتا اور یہاں سے ہی خرید لیتا اور اپنا احرام بھی اسی طرح کھول ڈالتا جس طرح اور لوگوں نے کھولا۔ (مسلم)

(۸۱۳) سہل بن سعد روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں حوض کوثر پر تمہارا پیش رو ہوں، تمہارے لئے پانی پینے کا بندوبست کرونگا جو شخص میرے حوض پر آئے گا وہ اس کا پانی پیئے گا اور جو اس کا پانی پی لے گا پھر کبھی پیاسا نہ ہوگا۔ میرے حوض پر کچھ لوگ میرے شناسا بھی آئیں گے جن کو میں پہچانتا ہوں گا اور وہ مجھے پہچانتے ہوں گے پھر ان کے اور میرے درمیان ایک حجاب ڈالدیا جائے گا۔ میں کہوں گا کہ یہ تو میرے تبعین ہیں مجھے جواب ملے گا آپ کو یہ علم نہیں کہ انھوں نے آپ کے بعد کیا نئی نئی باتیں پیدا کر ڈالی تھیں اس وقت

---

میں احرام کھولدینا آپ کے لئے درست نہ تھا۔ یہ حالت دیکھ کر آپ نے فرمایا اگر مجھے پہلے یہ خبر ہوتی کہ اس بنا پر لوگ اپنے احراموں کے کھولنے میں تردد کریں گے تو میں بھی اپنے ہمراہ ہدی نہ لاتا اور ان کے ساتھ ہی احرام کھولدیتا۔ یہ حجۃ الوداع کا واقعہ ہے۔ آپ فرماتے ہیں کہ اس بے لطفی کا باعث کل یہ ہوا کہ رسول کو ہمیشہ ہر بات کا علم نہیں ہوا کرتا۔ ورنہ آپ اپنے ہمراہ ہدی ہی نہ لاتے۔ اب اس جہان سے گذر کر کچھ محشر کا حال سنئے۔

(۸۱۳) بعض روایات میں اصیحابی اصیحابی کا لفظ بصیغۂ تصغیر ہے جس کے معنی یہ ہیں کہ یہ جماعت بہت مختصر سی جماعت ہوگی۔ علماء نے لکھا ہے کہ یہ وہ منافقین کی جماعت ہوگی جو جہادوں میں بمجبوری آپ کے ساتھ لگی رہا کرتی تھی اور دراصل کافر تھی دیکھو کتاب تاویل مختلف الحدیث لابن قتیبہ ص ۲۹۶۔ قرآن کریم میں ہے۔ ومن حولکم من الاعراب منافقون ومن اهل المدینة مردوا علی النفاق لا تعلمهم نحن نعلمهم۔

کسی نے یہ بھی کہا ہے کہ یہ وہ مختصر سا فرقہ ہے جو عہد صدیقؓ میں مرتد ہو گیا تھا۔ بہرحال محشر میں ملائکۃ اللہ کی شہادت سے یہ امر ثابت ہوتا ہے کہ اس جماعت کے ارتداد کا آپ کو کچھ علم نہ ہوگا اسی طرح آئندہ حدیث بھی محشر کی ہے اس میں بھی سابقین

سُحْقًا سُحْقًا لِمَنْ غَيَّرَ بَعْدِيْ ۔ وفي كتاب الحوض يقال انك لا علم لك بما احدثوا بعدك (متفق عليه)

(۸۱۴) عَنْ اَبِي الدَّرْدَاءِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّؤْذَنُ لَهٗ بِالسُّجُوْدِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَاَنَا اَوَّلُ مَنْ يُّؤْذَنُ لَهٗ اَنْ يَّرْفَعَ رَاْسَهٗ فَاَنْظُرُ اِلٰى مَا بَيْنَ يَدَيَّ فَاَعْرِفُ اُمَّتِيْ مِنْ بَيْنِ الْاُمَمِ وَمِنْ خَلْفِيْ مِثْلَ ذٰالِكَ وَعَنْ يَّمِيْنِيْ مِثْلَ ذٰلِكَ وَعَنْ شِمَالِيْ مِثْلَ ذٰلِكَ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ كَيْفَ تَعْرِفُ اُمَّتَكَ مِنْ بَيْنِ الْاُمَمِ فِيْمَا بَيْنَ نُوْحٍ اِلٰى اُمَّتِكَ قَالَ هُمْ غُرٌّ مُّحَجَّلُوْنَ مِنْ اٰثَرِ الْوُضُوْءِ لَيْسَ اَحَدٌ كَذَالِكَ غَيْرُهُمْ وَاَعْرِفُهُمْ اَنَّهُمْ يُؤْتَوْنَ كُتُبَهُمْ بِاَيْمَانِهِمْ وَاَعْرِفُهُمْ تَسْعٰى بَيْنَ اَيْدِيْهِمْ ذُرِّيَّتُهُمْ ۔ (رواه احمد وعند مسلم عن ابی هریرة نحوه)

---

میں کہوں گا جس نے میرے بعد میرے دین میں نئی نئی باتیں ایجاد کیں وہ مجھ سے دور ہی دور رہے ۔ (متفق علیہ)

(۸۱۴) ابوالدرداء سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا میں سب سے پہلا شخص ہونگا جس کو قیامت میں سجدہ کرنے اور سجدہ سے سر اٹھانے کی اجازت ملے گی میں اپنے سامنے دیکھوں تو اور تمام امتوں میں اپنی امت کو پہچان لوں گا میری امت اتنی ہی کثرت کے ساتھ میری پچھلی جانب ہوگی اور اتنی ہی دائیں اور بائیں جانب ہوگی ۔ ایک شخص نے پوچھا یا رسول اللہ اتنی امتوں میں جو نوح علیہ السلام سے لے کر آپ کی امت تک ہوں گی آپ اپنی امت کو کس طرح شناخت کریں گے آپ نے فرمایا وضوء کے پانی کے نشانوں سے ان کے چہرہ روشن اور ہاتھ پیر چمکدار ہوں گے ان کے سوا اور کوئی امت ایسی نہ ہوگی اور میں اس بات سے بھی ان کو شناخت کروں گا کہ ان کے اعمالنامے ان کے دائیں ہاتھوں میں ہوں گے اور اس بات سے کہ ان کی اولاد ان کے آگے آگے دوڑ رہی ہوگی ۔ (احمد)

---

اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے طرزِ خطاب سے یہی واضح ہو رہا ہے کہ کسی کے ذہن میں بھی آپ کے متعلق عالم الغیب ہونے کا عقیدہ نہیں تھا بلکہ جس طرح کسی انبوہ کثیر میں کسی مختصر جماعت کی معرفت عام طور پر مشکل ہوتی ہے اسی طرح آپ کے حق میں بھی مشکل سمجھی گئی پھر جو جواب آپ نے دیا وہ یہ نہیں تھا کہ میں غیب کا علم رکھتا ہوں اس بنا پر مجھے اپنی امت کی معرفت ہمہ وقت حاصل ہے بلکہ ایک ایسی کھلی علامت بیان فرمائی جس کے بعد اس کے امتیاز میں کسی کے لئے بھی دشواری کا سوال پیدا نہیں ہو سکتا ۔

(۸۱۴) اس قسم کی حدیثوں کو بڑے غور سے پڑھنا چاہئے جن میں ضمنی طور سے یہ امر بہت نمایاں ہوتا ہے کہ یہاں متکلم و مخاطب کے ذہنوں میں علم محیط کا کوئی مسئلہ ہی نہیں ہے وہ بڑی سادگی سے سوال و جواب کرتے ہیں اور نہ تو سائلین آپ کے متعلق کسی علم کی نسبت قطع کرنے میں جھجکتے اور نہ آپ اس غلطی پر ان کو تنبیہ کرتے نظر آتے ہیں بلکہ جو جواب دیتے ہیں اس سے اور ان کے عقیدہ کی تائید ہی ہوتی ہے ۔

(۸۱۵) عَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ إِنَّ اللّٰہَ زَوٰی لِیَ الْأَرْضَ فَرَأَیْتُ مَشَارِقَھَا وَمَغَارِبَھَا وَإِنَّ أُمَّتِیْ سَیَبْلُغُ مُلْکُھَا مَا زُوِیَ لِیْ مِنْھَا وَأُعْطِیْتُ الْکَنْزَیْنِ الْأَحْمَرَ وَالْأَبْیَضَ وَإِنِّیْ سَأَلْتُ رَبِّیْ لِأُمَّتِیْ أَنْ لَّا یُھْلِکَھَا بِسَنَۃٍ عَامَّۃٍ وَأَنْ لَّا یُسَلِّطَ عَلَیْھِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰی أَنْفُسِھِمْ فَیَسْتَبِیْحَ بَیْضَتَھُمْ وَإِنَّ رَبِّیْ قَالَ یَا مُحَمَّدُ إِنِّیْ إِذَا قَضَیْتُ قَضَاءً فَإِنَّہٗ لَا یُرَدُّ وَإِنِّیْ أَعْطَیْتُکَ لِأُمَّتِکَ أَنْ لَّا أُھْلِکَھُمْ بِسَنَۃٍ عَامَّۃٍ وَأَنْ لَّا أُسَلِّطَ عَلَیْھِمْ عَدُوًّا مِّنْ سِوٰی أَنْفُسِھِمْ فَیَسْتَبِیْحَ بَیْضَتَھُمْ وَلَوِ اجْتَمَعَ عَلَیْھِمْ مَنْ بِأَقْطَارِھَا حَتّٰی یَکُوْنَ بَعْضُھُمْ یُھْلِکُ بَعْضًا وَیَسْبِیْ بَعْضُھُمْ بَعْضًا۔ (رواہ مسلم)

(۸۱۵) ثوبانؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ نے میرے لئے تمام روئے زمین کو سکیڑ دیا تو میں نے مشرق و مغرب سب دیکھا اور یقیناً میری امت کا ملک ان گوشوں تک پہنچکر رہے گا جو حصۂ زمین میرے سامنے سکیڑ کر دکھا دیا گیا ہے۔ مجھے دو خزانے بھی مرحمت کئے گئے ایک سرخ اور ایک سفید (یعنی سونا اور چاندی) اور میں نے اپنی امت کے لئے یہ دعا کی کہ اس کو عام قحط میں مبتلا کر کے ہلاک نہ کیا جائے اور یہ بھی کہ کسی غیر دشمن کو ان پر اس طرح مسلط نہ کیا جائے کہ وہ ان کے بڈے بچے تک سب تباہ کر ڈالے میرے پروردگار نے اس کے جواب میں ارشاد فرمایا اے محمد جب میں کسی بات کا فیصلہ کر چکتا ہوں تو وہ اٹل ہوتا ہے تمہاری امت کے بارے میں یہ بات تو میں نے منظور کی کہ ان کو عام قحط سے ہلاک نہ کروں گا اور ان پر کسی غیر دشمن کو اس طرح مسلط نہیں کروں گا کہ وہ ان کا تخم مٹا ڈالے اس وقت تک کہ وہ خود ہی ایک دوسرے کو ہلاک کرنے اور قید کرنے کے درپے نہ ہو جائیں۔ (مسلم شریف)

(۸۱۵) بارگاہ رب العزت نے اپنے حبیب کو نہ معلوم کن کن خصوصیتوں سے نوازا ہو گا ان کی تفصیل تو دی جانے لیکن یہاں ایک عجیب نظارہ کا ذکر ہے جس سے ثابت ہوتا ہے کہ جیسے کبھی کبھی آپ کو جنت و جہنم جیسی وسیع مخلوق کا نقشہ کسی دیوار پر دکھا دیا گیا ہے ایسے ہی ایک بار سارا کرۂ زمین اس طرح سمیٹ کر آپ کو دکھلا دیا گیا۔ جیسا کسی بڑی چیز کے نقشہ کو چھوٹا کر کے دکھایا جاتا ہے اسی قسم کا ایک نظارہ حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے حق میں بھی دکھایا گیا تھا وکذلک نری ابراہیم ملکوت السمٰوٰت والارض لیکن غور کرنا تو یہ ہے کہ کیا اس نظارہ کو علم سے تعبیر کر سکتے ہیں ایک انسان پہاڑ کی چوٹی پر چڑھکر سطح زمین کی بڑی سے بڑی آبادی کا مشاہدہ کر لیتا ہے بڑے بڑے دریا اس کو تاگے کی طرح بہتے ہوئے نظر آجاتے ہیں اور بڑی بڑی عمارات اس کی آنکھوں کے سامنے نقطوں کی شکلوں میں نمایاں ہوتی ہیں مگر کیا اس کو اپنے اس وسیع مشاہدہ میں ہر ہر ذرہ کا علم حاصل ہو جاتا ہے۔ ذرا انصاف کیجئے کہ اگر وہ اپنے اس غیر معمولی نظارہ کو بیان کرے تو کن الفاظ سے بیان کرے گا۔ اس کے الفاظ میں کتنا عموم ہو گا لیکن پھر بھی اس مشاہدہ میں اس کو علم کتنے حصہ کا ہو گا۔ اگر آپ ان حسی واقعات سے اس غیبی حقیقت کو بھی سمجھنے کی کوشش کریں تو ان شاء اللہ تعالیٰ بسہولت یہ مسئلہ حل ہو جائے گا۔

(۸۱۶) عَنْ جَابِرٍ اَنَّهٗ سَمِعَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَمَّا كَذَّبَنِيْ قُرَيْشٌ قُمْتُ فِي الْحِجْرِ وَعِنْدَ مُسْلِمٍ فَسَاَلَتْنِيْ عَنْ اَشْيَاءَ لَمْ اُثْبِتْهَا فَكُرِبْتُ كَرْبًا مَا كُرِبْتُ مِثْلَهٗ فَجَلَّى اللّٰهُ بَيْتَ الْمَقْدِسِ فَطَفِقْتُ اُخْبِرُهُمْ عَنْ اٰيَاتِهٖ وَاَنَا اَنْظُرُ اِلَيْهِ وَعِنْدَ مُسْلِمٍ فَرَفَعَهُ اللّٰهُ لِيْ اَنْظُرُ اِلَيْهِ مَا يَسْاَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ اِلَّا اَنْبَاْتُهُمْ۔

(۸۱۷) عَنْ اَنَسٍ قَالَ خَرَجَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهُوَ غَضْبَانُ فَخَطَبَ النَّاسَ فَقَالَ لَا تَسْاَلُوْنِيْ عَنْ شَيْءٍ اَلْيَوْمَ اِلَّا اَخْبَرْتُكُمْ بِهٖ وَنَحْنُ نَرٰى اَنَّ جِبْرَئِيْلَ مَعَهٗ۔

---

(۸۱۶) جابر روایت کرتے ہیں کہ انھوں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا آپ فرماتے تھے کہ جب قریش نے مجھے جھٹلایا تو میں اس وقت حجر میں کھڑا ہوا تھا اور مسلم شریف میں ہے کہ قریش نے مجھ کو بیتِ مقدس کے متعلق) ایسے ایسے سوالات کرنے شروع کئے جن کا مجھے اچھی طرح دھیان بھی نہ رہا تھا اس وقت مجھے ایسی سخت کوفت ہوئی کہ اس سے قبل کبھی نہ ہوئی تھی۔ اللہ تعالیٰ نے اس وقت بیت مقدس میری آنکھوں کے سامنے کردیا اور میں دیکھ دیکھ کر ان تمام باتوں کے جوابات ان کو دیتا رہا اور صحیح مسلم کی دوسری روایت میں ہے کہ اللہ تعالیٰ نے بیت المقدس میرے سامنے اس طرح اٹھا کر رکھ دیا کہ میں اس کو دیکھنے لگا اور جس بات کو وہ مجھ سے دریافت کرتے فوراً دیکھ کر ان کو بتا دیتا۔

(۸۱۷) انسؓ بیان فرماتے ہیں کہ ایک مرتبہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم باہر تشریف لائے اور اس وقت آپ پر غصہ کے آثار تھے آپ نے لوگوں کے سامنے خطبہ دے کر فرمایا آج تم مجھ سے جو جو

---

(۸۱۶) صحیح مسلم کی اس حدیث سے کئی باتیں معلوم ہوئیں (۱) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے بیت المقدس کو بحالتِ بیداری ان آنکھوں سے دیکھا تھا۔ (۲) اس کی بہت سی چشم دید باتیں آپ کے حافظہ سے نکل گئی تھیں بلکہ اس وقت آپ نے شاید ان کو بغور دیکھا بھی نہیں تھا۔ (۳) کسی چیز کے مشاہدہ سے اس کا پورا پورا علم حاصل ہونا ضروری نہیں۔ (۴) مشاہدہ سے جتنا علم حاصل ہوتا ہے اس کا ابقاء و دوام بھی ضروری نہیں۔ (۵) تجلی علم تفصیلی کو مستلزم نہیں جیسا کسی چیز کا عینی مشاہدہ اس کے تفصیلی علم کو مستلزم نہیں۔ ان امور سے یہ ثابت ہوا کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے غیبی مشاہدات کی نوعیت اگرچہ وہی تھی جو عالم بیداری کے مشاہدات کی ہوتی ہے لیکن جس طرح کسی چیز کے خود دیکھنے سے یہ لازم نہیں آتا کہ اس کے ہر ہر گوشہ کا علم حاصل ہو جائے اسی طرح اس کی تجلی سے بھی اس کا تفصیلی علم حاصل ہونا ضروری نہیں ہوتا بلکہ جو اجمالی انکشاف بیان ہو چکا ہے اس مشاہدہ کے بعد اس کا ابقاء بھی ضروری نہیں ہوتا۔ اس قسم کے علم کے افاضہ کا مقصد نفسِ انسانی میں کمال کی استعداد پیدا کرنی یا صرف اکرام اور تشریف ہوتی ہے جس طرح علوم رسمیہ کی تعلیم کا مقصد بھی صرف ایک ملکہ پیدا کرنا ہوتا ہے خود ان علوم کا استحضار نہیں۔

(۸۱۷) یہ روایت صحیح بخاری میں بھی موجود ہے اور "علم النبی" کے زیر عنوان ترجمان السنہ جلد اول میں بھی گذر چکی ہے

قلت فذكر الحديث الى ان قال فقال عمر فيا رسول اللہ انا كنا حديثي عهد بجاهلية فلا تبد علينا سوآتنا فاعف عفا اللہ عنك - (رواه ابو يعلى قال الهيثمي ورجاله رجال الصحيح)

(۸۱۸) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ قَامَ فِينَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَقَامًا مَا تَرَكَ شَيْئًا يَكُوْنُ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا حَدَّثَ بِهِ حَفِظَهُ مَنْ حَفِظَهُ وَنَسِيَهُ مَنْ نَسِيَهُ قَدْ عَلِمَهُ أَصْحَابِي هٰؤُلَاءِ وَإِنَّهُ لَيَكُوْنُ مِنْهُ الشَّيْءُ قَدْ نَسِيْتُهُ فَأَرَاهُ فَأَذْكُرُهُ كَمَا يَذْكُرُ الرَّجُلُ وَجْهَ الرَّجُلِ إِذَا غَابَ عَنْهُ ثُمَّ إِذَا رَآهُ عَرَفَهُ (متفق عليه)

وعند ابی داود عَنْ أَبِي سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَامَ فِيْنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ

---

سوالات کروگے میں تم کو جوابات دوں گا۔ راوی کہتا ہے کہ ہم یہ سمجھ رہے تھے کہ اس وقت حضرت جبرئیل علیہ الصلوٰۃ والسلام آپ کے ساتھ ساتھ ہیں۔ اس کے بعد راوی نے پورا واقعہ بیان کیا یہاں تک کہ آخر میں حضرت عمرؓ کا یہ قول ذکر کیا یا رسول اللہ ہم لوگ ایسے ہیں کہ ہمارا کفر کا دور ابھی قریب ہی گذرا ہے آپ ہماری غلطیوں اور عیوب پر سخت گیری نہ فرمائیں اور ان سے درگذر فرمائیں اللہ تعالیٰ آپ کے درجے بلند فرمائے۔ (ابو یعلیٰ)

(۸۱۸) حذیفہ بیان کرتے ہیں کہ ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے درمیان خطبہ دینے کے لئے کھڑے ہوئے اور قیامت تک جو جو واقعات بھی رونما ہونے والے تھے آپ نے سب ہی بیان کر ڈالے۔ جس نے یاد رکھے، یاد رکھے اور جس نے بھلا دیئے، بھلا دیئے۔ یہ بات میرے سب رفقاء بھی جانتے ہیں اور ایسا ہوتا رہتا ہے کہ مجھے کوئی بات فراموش ہو جاتی ہے لیکن جب وہ میری آنکھوں کے سامنے آتی ہے تو پھر مجھ کو اسی طرح یاد آجاتی ہے جیسا ایک آدمی کہیں غائب ہو جائے پھر وہ اس کا چہرہ سوچتا رہے اور جب اس کو دیکھ پائے تو فوراً پہچان لے۔ (متفق علیہ)

ابو داؤد میں حضرت ابو سعید خدریؓ سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایکبار عصر کے بعد خطبہ کے لئے کھڑے ہوئے اور جو جو حوادث قیامت تک ظہور میں آنے والے تھے وہ سب

---

مگر یہاں مسند ابو یعلیٰ کی روایت میں صحابہ کے ان الفاظ کی زیادتی اور ہے ونحن نری الخ اس سے ظاہر ہوتا ہے کہ صحابہ کے نزدیک آپ کے فرمان "تم مجھ سے جو سوال کروگے میں اس کا جواب دوں گا" کی بنیاد یہ نہ تھی کہ نبی کو ہر وقت ہر بات کا علم حاصل ہوتا ہے بلکہ اس قسم کے اوقات میں حضرت جبرئیل علیہ السلام آپ کے ساتھ ہوتے ہیں اور بذریعہ وحی اسی وقت آپ کو سائلین کے سوالات کے جوابات کی اطلاع دیدی جاتی ہے۔

خَطِيبًا بَعْدَ الْعَصْرِ فَلَمْ يَدَعْ شَيْئًا يَكُوْنُ إِلٰى قِيَامِ السَّاعَةِ إِلَّا ذَكَرَهٗ حَفِظَهٗ مَنْ حَفِظَهٗ وَنَسِيَهٗ مَنْ نَسِيَهٗ۔ (الحديث)

(۸۱۹) عَنْ حُذَيْفَةَ قَالَ وَاللّٰهِ مَا أَدْرِيْ أَنَسِيَ أَصْحَابِيْ أَمْ تَنَاسَوْا وَاللّٰهِ مَا تَرَكَ

آپ نے ذکر کر دیئے جس نے یاد رکھے یاد رکھے اور جس نے بھلا دیئے، بھلا دیئے الخ۔

(۸۱۹) حذیفہؓ بیان فرماتے ہیں، خدا کی قسم میں نہیں سمجھتا کہ میرے رفقاء فی الواقع بھول چکے ہیں یا وہ تجاہلِ عارفانہ کرتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دنیا کے خاتمہ تک فتنوں کا کوئی ایسا سرغنہ نہیں

(۸۱۹) پہلی حدیث میں ما ترک شیئًا کے لفظ میں اگرچہ بہت عموم ہے لیکن یہ عموم ایسا ہی ہے جیسا واوتیت من کل شی میں کسی کلام کے معنی سمجھنے کے لئے متکلم و مخاطب کے مفروضات اور ماحول کے اقتضاء سے قطع نظر نہ کرنی چاہیے سوچو کہ اگر یہاں آپ نے تمام واقعات پورے استیعاب کے ساتھ بیان کر ڈالے تھے حتی کہ ریت کے ذرات اور بارش کے قطرات بھی تو اول تو صحابہؓ کے سامنے اس قسم کے علوم بیان کرنے سے نبوت کے کس باب کی تکمیل ہوتی تھی، پھر کیا اس کے بعد تمام صحابہ کو بھی عالم الغیب کہنا صحیح تھا۔ اور اگر نسیان کے بعد وہ عالم الغیب نہیں رہے تھے تو کچھ مدت کے لئے ان کو عالم الغیب بنانے سے کیا فائدہ منصور تھا پھر کیا اس کا کوئی قطعی ثبوت دیا جا سکتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر کبھی نسیان طاری ہی نہیں ہوا تھا۔ سیدھی سی بات یہ ہے کہ اس مجلس میں آپ نے فتن اور قائدین فتن کے متعلق کوئی بسیط بیان فرمایا تھا اور اس سلسلہ میں اس درجہ تفصیل فرمائی تھی کہ سننے والوں کا تخمینہ یہ تھا کہ آپ نے اب کوئی اہم فتنہ اٹھا نہیں رکھا جس کو اس وقت ذکر نہ کر دیا ہو۔ اسی ابہام کو حذیفہ کی دوسری حدیث میں کھول دیا گیا ہے۔ جس امت میں فتنوں کی کثرت مقدر تھی اس کے نبی کے لئے یہ باب کتنا اہم تھا اس لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں پوری پوری توضیح و تشریح سے کام لیا ہے اس علم کے سب سے زیادہ صحیح مخاطب حضرت رسالتؐ کی نگاہ میں غالبًا حذیفہ ہوں گے اسی لئے اس نوع کی اکثر حدیثیں انہیں سے مروی ہیں ان کے تتبع سے یہی ثابت ہوتا ہے کہ یہاں الفاظِ حدیث کا تمام رُخ اسی قسم کے واقعات کی طرف ہے۔ دنیا کے غیر متعلق حوادث سے ان کا کوئی تعلق نہیں۔ پھر کتنا مضحکہ خیز تخیل ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کسی مجلس میں مکھیوں اور حشرات الارض تک کے اعداد و شمار پیش کئے ہوں اور اسی قسم کے ایسے غیر متناہی امور کا تذکرہ فرمایا ہو جن سے امت کی ہدایت کا ذرہ برابر بھی تعلق نہ ہو۔ اس قسم کی خوش عقیدگی سے مقامِ رسالت کی جو رنگی صرف اپنے ہی ذہن میں ثابت ہو تو ہو مگر کوئی دانشمند انسان اس کو اہمیت نہیں دے سکتا۔ فالی اللہ المشتکی۔

اس جگہ ایک اہم نکتہ یہ بھی یاد رکھنا چاہیے کہ علم حصولی کی جو قسم بھی ہے اس پر نسیان طاری ہو سکتا ہے یہاں جب اس شی کی صورت مدرکۂ انسانی سے غائب ہو جاتی ہے تو اس کا علم بھی غائب ہو جاتا ہے۔ علم کی دوسری قسم جس کو علم حضوری کہا جاتا ہے صورت کے واسطہ سے نہیں ہوتا بلکہ یا تو خود وہ شی عالم کا عین ہوتی ہے یا اس کا معلول ہوتی ہے یا اس کی صفت ہوتی ہے۔ اس لئے یہاں ذہول ممکن نہیں۔ انبیاء علیہم السلام کو غیب کا جتنا علم بھی ہوتا ہے وہ سب

رَسُوْلُ اللہِ صَلَّی اللہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنْ قَائِدِ فِتْنَۃٍ اِلٰی اَنْ تَنْقَضِیَ الدُّنْیَا یَبْلُغُ مَنْ مَعَہٗ ثَلٰثَمِاۃٍ فَصَاعِدًا اِلَّا قَدْ سَمَّاہُ لَنَا بِاسْمِہٖ وَاسْمِ اَبِیْہِ وَاسْمِ قَبِیْلَتِہٖ۔ (رواہ ابوداؤد)

چھوڑا جس کی جماعت تین سو یا اس سے اوپر تک پہنچی ہو مگر اس کا اور اس کے باپ اور قبیلہ کا نام لے لے کر ہم کو بتا دیا ہے۔ (ابوداؤد)

علم حصولی کی صورت میں ہوتا ہے یعنی حق تعالیٰ ان پر ان علوم کا اس طرح افاضہ فرما دیتا ہے کہ ان کی صورت ان کے ذہنوں میں منتقش ہو جاتی ہے۔ مثلاً کسی نبی کے ذہن میں یہ القاء فرما دیتا ہے کہ فلاں شخص کے باپ کا نام یہ ہے یا فلاں واقعہ اس طرح ہوگا گویا تعلیم کی جو صورت عام انسانوں میں علم و متعلم کے درمیان معروف ہے اسی نوع کی کوئی صورت حق تعالیٰ اپنے اور رسولوں کے درمیان پیدا فرما دیتا ہے۔ اب وہ خواہ ملک کے ذریعہ سے ہو یا بلا واسطۂ ملک ہو لیکن خود حق تعالیٰ کے علم کی نوعیت اس طرح نہیں اس کے سامنے سارا عالم خود حاضر ہے اسی لئے اس کی جناب میں غیب و شہود کی کوئی تقسیم نہیں یہ تقسیم صرف ہمارے لحاظ سے ہے۔ اسی لئے جن لوگوں نے رسولوں کے متعلق کلی علم غیب کا دعویٰ کیا ہے ان کو انبیاء علیہم السلام کے متعلق حاضر و ناظر ہونے کا دعویٰ بھی کرنا پڑا ہے گویا کائنات کے ایک ایک ذرہ کے ساتھ جس نوعیت سے پروردگار عالم کی معیت ہے۔ اسی نوعیت کی معیت انبیاء علیہم السلام کی بھی تسلیم کی ہے۔ پس یہاں صرف یہ غور کرنا نہیں ہے کہ عالم کی تمام جزئیات کا علم انبیاء علیہم السلام کو حاصل ہے یا نہیں بلکہ ان کے حاضر و ناظر ہونے کا مسئلہ بھی اسی کے ساتھ لپٹا ہوا ہے اب دیکھنا یہ ہے کہ کیا قرآن کریم سے ان کے علوم کی یہی نوعیت ثابت ہوتی ہے اور کیا تمام جہان میں حق تعالیٰ کی طرح ان کا حاضر و ناظر ہونا ثابت ہوتا ہے (والعیاذ باللہ) یہ واضح رہے کہ اگر یہ کہا جائے کہ انبیاء علیہم السلام کو بھی کائنات کا علم علم حضوری ہے تو پھر یہ کہنا پڑیگا کہ تمام کائنات ان کی معلول ہیں اور وہ ان کی علت ہیں اسی لئے جس جماعت نے رسولوں کے عالم الغیب ہونیکا دعویٰ کیا ہے اس نے گو صاف لفظوں میں آپ کو عالم کی علت تو نہیں کہا مگر متصرف اور کارساز ہونا تسلیم کر لیا ہے یہاں تک کہ بے لفظوں میں یہ بھی اقرار کر لیا ہے کہ احد و احمد میں صرف ایک حرف میم ہی کا پردہ تھا جو شب معراج میں اٹھ گیا تھا کیا اس تعلیم کو نصاریٰ کے عقائد سے کوئی ادنیٰ امتیاز حاصل ہے۔ حضرت عیسیٰ علیہ السلام کے احیاء موتی اور گھروں کے واقعات کی خبریں بتانے سے ان کی قوم کو یہ مغالطہ لگا کہ یہ خدائی اوصاف رکھتے ہیں لہذا ہوں نہ ہوں یا تو وہ خدا ہیں نہیں تو پھر اس سے کوئی ایسی نسبت ضرور رکھتے ہیں جس میں اثنینیت کے ساتھ اتحاد کی بھی گنجائش ہے۔ اگر اسلام کی توحید بھی یہی ہے تو سوچو کہ اس کو انجیل کی توحید سے کیا امتیاز ہوگا اس قسم کے عقائد سے شانِ رسالت کی عظمت تو ثابت نہیں ہو سکتی ہاں شانِ ربوبیت کی توہین ضرور ہوتی ہے انصاف شرط ہے۔

اللھم ارنا الحق حقاً والباطل باطلاً۔

## الطاعة فيما خالف الشرع من الشرك

(۸۲۰) عَنْ عَدِيِّ بْنِ حَاتِمٍ قَالَ أَتَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَفِي عُنُقِي صَلِيبٌ مِنْ ذَهَبٍ فَقَالَ يَا عَدِيُّ اطْرَحْ عَنْكَ هٰذَا الْوَثَنَ وَسَمِعْتُهُ يَقْرَأُ فِي سُورَةِ بَرَاءَةَ اتَّخَذُوا أَحْبَارَهُمْ وَرُهْبَانَهُمْ أَرْبَابًا مِنْ دُونِ اللهِ قَالَ أَمَا إِنَّهُمْ لَمْ يَكُونُوا يَعْبُدُونَهُمْ وَلٰكِنَّهُمْ كَانُوا إِذَا أَحَلُّوا لَهُمْ شَيْئًا اسْتَحَلُّوهُ وَإِذَا حَرَّمُوا عَلَيْهِمْ شَيْئًا حَرَّمُوهُ۔ رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب لا نعرفه الا من حديث عبد السلام بن حرب۔ واخرجه السيوطی فی الدر المنثور فی طرف (۵ ۲۳ ص ۲۳۰)

(۸۲۱) عَنِ النَّوَّاسِ بْنِ سِمْعَانَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا طَاعَةَ لِمَخْلُوقٍ فِي مَعْصِيَةِ الْخَالِقِ۔ (رواه فی شرح السنه)

---

## خلاف شرع امور میں غیر اللہ کی اطاعت کرنی بھی شرک کی ایک قسم ہے

(۸۲۰) عدی بن حاتم روایت کرتے ہیں کہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور اس وقت میرے گلے میں سونے کی صلیب لٹکی ہوئی تھی آپ نے فرمایا اے عدی اپنی گردن سے اس بت کو نکال پھینک۔ اس وقت میں نے آپ سے سورہ برات کی یہ آیت بھی سنی۔ اتخذوا احبارہم الخ ...... اس کی تفسیر میں آپ نے فرمایا خوب سن لو کہ وہ لوگ ان احبار ورہبان کی صریح عبادت تو نہیں کرتے تھے لیکن جس چیز کو وہ حلال بتا دیتے اس کو وہ حلال سمجھ لیتے اور جس کو حرام کر دیتے تھے اس کو حرام سمجھ لیتے (اسی کو قرآن کریم نے رب ٹھہرانے سے تعبیر کیا ہے۔ (ترمذی شریف)

(۸۲۱) نواس بن سمعان بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خدا تعالیٰ کے احکام کی خلاف ورزی میں کسی مخلوق کی اطاعت نہیں کرنی چاہیے۔ (شرح السنہ)

---

(۸۲۰) شرک کے اقسام کے عنوان کے تحت اس کی تفصیل بیان ہو چکی ہے کہ حضرت شاہ عبد العزیز رحمہ اللہ نے خلاف شرع امور میں کسی کی اطاعت کرنا بھی شرک کی ایک قسم قرار دیا ہے جس طرح اللہ تعالیٰ کی عبادت میں کسی کو شریک ٹھہرانا شرک ہے اسی طرح غیر اللہ کی ناواجب اطاعت بھی شرک ہے۔

(۸۲۲) عَنْ عَلِيٍّ قَالَ بَعَثَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ سَرِيَّةً وَاسْتَعْمَلَ عَلَيْهِمْ رَجُلًا مِّنَ الْأَنْصَارِ وَأَمَرَهُمْ أَنْ يَّسْمَعُوا لَهُ وَيُطِيْعُوْهُ فَأَغْضَبُوْهُ فِيْ شَيْءٍ فَقَالَ اجْمَعُوْا إِلَيَّ حَطَبًا فَجَمَعُوْا لَهُ ثُمَّ قَالَ أَوْقِدُوْا نَارًا فَأَوْقَدُوْا ثُمَّ قَالَ أَلَمْ يَأْمُرْكُمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَنْ تَسْمَعُوْا لِيْ وَتُطِيْعُوْا قَالُوْا بَلٰى قَالَ فَادْخُلُوْهَا فَنَظَرَ بَعْضُهُمْ إِلٰى بَعْضٍ وَقَالُوْا إِنَّمَا فَرَرْنَا إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنَ النَّارِ فَكَانُوْا كَذٰلِكَ حَتّٰى سَكَنَ غَضَبُهُ فَطُفِئَتِ النَّارُ فَلَمَّا رَجَعُوْا ذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَوْ دَخَلُوْهَا مَا خَرَجُوْا مِنْهَا أَبَدًا وَقَالَ لَا طَاعَةَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ إِنَّمَا الطَّاعَةُ فِي الْمَعْرُوْفِ۔ (متفق علیہ)

## عنایۃ السلف بسد مداخل الشرک

(۸۲۳) عَنْ نَافِعٍ أَنَّ عُمَرَ بَلَغَهُ أَنَّ قَوْمًا يَأْتُوْنَ الشَّجَرَةَ فَيُصَلُّوْنَ عِنْدَهَا فَتَوَعَّدَهُمْ

(۸۲۲) حضرت علیؓ بیان فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک چھوٹا سا لشکر مرتب فرمایا اور اس پر ایک انصاری شخص کو امیر لشکر مقرر فرمایا اور ان کو حکم دیا کہ اس کی بات سنیں اور اس کا حکم مانیں۔ ان لوگوں نے کسی معاملہ میں اس کو خفا کر دیا اس نے غصہ میں آکر حکم دیدیا کہ آگ جلانے کی لکڑیاں جمع کرو انھوں نے جمع کردیں اس کے بعد اس نے حکم دیا کہ ان کو دہکا کر ان کے انگارے بنادو۔ انھوں نے بنادیئے۔ پھر کہا کیا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے تم کو اس کا حکم نہیں دیا تھا کہ جو میں تم کو حکم دوں اس کو سننا اور ماننا۔ انھوں نے جواب دیا جی ہاں حکم تو دیا ہے۔ اس نے کہا تو پھر اس آگ میں داخل ہو جاؤ یہ سن کر وہ ایک دوسرے کی طرف دیکھنے لگے اور بولے کہ آگ سے بچنے کی خاطر تو ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں بھاگ کر آئے تھے (اب اسی میں پھر کیسے داخل ہو جائیں) وہ اسی بحث میں تھے کہ اتنی دیر میں اس کا غصہ فرو ہو گیا ادھر آگ بھی گل ہو گئی۔ جب یہ لوگ واپس ہوئے تو انھوں نے یہ واقعہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں ذکر کیا آپ نے فرمایا اگر کہیں یہ لوگ اس آگ میں داخل ہو جاتے تو پھر اس سے کبھی نہ نکلتے۔ پھر فرمایا اطاعت اللہ تعالیٰ کی نافرمانی میں نہیں ہوا کرتی۔ اطاعت جائز باتوں میں ہوا کرتی ہے۔ (متفق علیہ)

## استیصال شرک کے متعلق سلف کا اہتمام

(۸۲۳) نافع بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ کو یہ خبر ملی کہ لوگ اس درخت کے پاس آ آکر نمازیں پڑھتے ہیں

(۸۲۳) صحیح بخاری میں تصریح موجود ہے کہ یہ اصل درخت کچھ دنوں بعد ہی اکثر صحابہ کے ذہنوں سے فراموش ہو چکا تھا مگر

ثُمَّ اَمَرَ بِقَطْعِهَا۔ (رواہ ابن سعد کما فی القسطلانی)

(۴۸۲) عَنْ عَابِسِ بْنِ رَبِيْعَةَ قَالَ رَأَيْتُ عُمَرَ يُقَبِّلُ الْحَجَرَ وَيَقُوْلُ اِنِّىْ اَعْلَمُ اَنَّكَ حَجَرٌ لَا تَنْفَعُ وَلَا تَضُرُّ وَلَوْلَا اَنِّىْ رَاَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يُقَبِّلُ مَا قَبَّلْتُكَ (متفق علیہ)

جس کے نیچے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار صحابہ سے بیعت لی تھی اس پر انھوں نے ان کو ڈانٹا اور درخت کے کاٹنے کا حکم دیدیا چنانچہ حسب الحکم وہ کاٹ دیا گیا۔ (ابن سعد)

(۴۸۲) عابس بن ربیعہ بیان کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو حجر اسود کو بوسہ دیتے دیکھا وہ بوسہ دیتے جاتے اور یہ فرماتے جاتے میں خوب جانتا ہوں کہ تو صرف ایک پتھر ہے نہ نفع دیسکتا ہے نہ نقصان اگر میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بوسہ دیتے نہ دیکھا ہوتا تو ہرگز تجھ کو بوسہ نہ دیتا۔ (متفق علیہ)

اس کے باوجود لوگ یونہی تخمینی طور پر کسی درخت کے پاس آکر تبرکاً نمازیں پڑھنے لگے تھے۔ حضرت عمرؓ کی شانِ حزم و احتیاط نے بروقت اس طرف توجہ کی وہ جانتے تھے کہ بعض مرتبہ تبرکات کی حد سے زیادہ تعظیم آئندہ چل کر ان کی عبادت کا پیش خیمہ ہوجاتی ہے ان حالات میں ایک مشکوک تبرک کے قائم رکھنے سے یہ بدرجہا بہتر تھا کہ اس مظنۂ شرک کو جڑ سے ختم ہی کردیا جاتا۔ اس حدیث سے تبرک بآثار الصالحین کے خلاف تمسک کرنا بھی زیادتی ہے۔ مستند تبرکات اگر اپنی جگہ پر رکھے جائیں تو بلاشبہ برکات کا موجب ہیں ان کا استعمال بھی بے اعتدالی ہے اور فرضی تبرکات کو عوام کے سامنے ایک تماشہ بنائے رکھنا بھی ایک فتنہ کا دروازہ کھولنا ہے۔

(۴۸۲) یہ پتھر کتنا ہی متبرک پتھر سہی، جنت سے آیا، زمین میں یمین اللہ کہلایا، نہ معلوم کتنے انبیاء علیہم السلام اور علماء کرام نے اس کو بوسے دیئے، اور نہ معلوم کیسے کیسے خواص کا وہ حامل بھی ہے۔ مگر ان سب اوصاف کے باوجود وہ نبی عربی (فداہ ابی وامی) کے ایک زیر تربیت صحابی کی نظر میں ایک پتھر ہی رہا۔ دیکھو یہ وہی حضرت عمرؓ ہیں جو غیر مستند تبرک کی تو جڑ کاٹ دیتے ہیں اور اس کے ساتھ کوئی ایسا نیا معاملہ کرنا پسند نہیں فرماتے جو بڑھ کر آئندہ کسی ادنیٰ فتنہ کا موجب ہوسکے اور پھر بھی وہ ہیں جو ایک مستند پتھر کے سب سے بڑے محافظ بنے ہوئے ہیں، یہ اس کو بوسہ تو دیتے ہیں مگر اس کی بجا تعظیم کے جذبہ میں نہیں بلکہ رسول عربی کے والہانہ اتباع کے جذبہ میں اور اپنے اسی مجاہدانہ انداز میں، اپنی زبان سے ایسے توحید الٰہی سے لبریز کلمات بھی ادا فرماتے جاتے ہیں جن کے بعد امت کے کسی بوسہ دینے والے کی نظر میں اس پتھر میں اتباعِ رسول کے سوا اور کوئی کشش ہی باقی نہیں رہتی۔

ہم ایک بار پہلے بھی تنبیہ کر آئے ہیں کہ مناسب انداز میں کسی حقیقت کا اظہار توہین شمار نہیں ہوتی۔ اس میں کوئی شبہ نہیں کہ حجر اسود ایک بہت بڑا متبرک پتھر ہے، اس کی تقبیل بڑی سعادت اور اس کا مس کرنا بنی آدم کی خطاؤں کے لئے جذاب ہے لیکن اس میں بھی کوئی شبہ نہیں کہ اس میں نفع و ضرر رسانی کی کوئی ادنیٰ طاقت بھی نہیں ہے۔ اس لئے اس کی ذات سے ان اوصاف کا سلب کرنا ہرگز اس کی توہین شمار نہیں ہوسکتی۔ ہاں ان کلمات کا بلا داعیہ اور بلا سبب یونہی مشغلہ لگائے رکھنا بھی فعل عبث ہوگا لیکن یہی اگر آپ کے گرد و پیش کی کسی غلط فہمی کے ازالہ کے لئے ہوں تو بیشک برمحل اور ضروری بھی ہیں۔

# النفاق واقسامہ

اسلام کی تاریخ میں ایک گروہ انتہا درجہ خطرناک گذرا ہے جس کو منافق کہا جاتا تھا۔ کفار تو اسلام کی دشمنی کھلم کھلا کر کے اپنے دلوں کی بھڑاس نکال لیا کرتے تھے اور یہ مار آستین بن کر اندر ہی اندر اس کی جڑ کاٹنے کی فکر میں لگے رہتے۔ بظاہر تو وہ سب کچھ کرنے کو تیار نظر آتے جو مخلصین صحابہ کرتے۔ مگر باطن اسلام کی بیخ کنی میں کھلے کافروں سے بھی دس قدم آگے رہتے۔ حافظ ابن تیمیہؒ (کتاب الایمان میں) لکھتے ہیں کہ مکہ کرمہ میں کفار چونکہ پورے اقتدار وطاقت کے مالک تھے اس لئے یہاں تو انھیں اسلام کی برملا دشمنی سے کوئی امر مانع نہ تھا۔ لیکن مدینہ طیبہ میں آکر جب اسلام کو بھی طاقت وشوکت میسر آنے لگی تو اب پہلے کی طرح علی الاعلان دشمنی کرنے کا ان کو حوصلہ نہ رہا اس لئے اب عداوت کی شکل بدل دینی پڑی اور یہیں سے نفاق کی بنیاد قائم ہوگئی۔ یعنی بظاہر مسلمانوں کے ساتھ رہنا اور اندرونی طور پر کافروں کا ہمنوا ہونا جب مسلمانوں میں آبیٹھنا تو ان کی سی باتیں بنا دینا اور جب کافروں میں جانا تو اپنا قلبی رجحان ان کے ساتھ ظاہر کرنا۔ اس جماعت کی اتنی اہمیت محسوس کی گئی کہ ان کے نام پر مستقل ایک سورت "المنافقین" نازل فرمادی گئی اور اس کے علاوہ بھی قرآن کریم میں ان کی دسیسہ کاریوں سے مسلمانوں کو متنبہ کیا گیا۔

تعجب ہے کہ اتنی تفصیلات کے باوجود اس جماعت کی صحیح تنقیح وتشخیص میں کیسی غلط فہمیاں پیدا ہوگئیں کسی نے تو یہ خیال کرلیا کہ یہ جماعت مسلمانوں ہی کی ایک جماعت تھی اور اپنے آپ کو مسلمان ہی سمجھتی تھی البتہ ان کے ایمانوں میں کامل مومنین کا سا جذبہ نہ تھا اور کسی نے یہ سمجھ لیا کہ یہ کافروں کی کوئی جماعت تھی جو کہیں سے آکر مسلمانوں کے بھیس میں جاسوسی کی خدمت انجام دیا کرتی تھی۔ یہ دونوں باتیں ایک واضح حقیقت کے مخفی رہ جانے کی وجہ سے پیدا ہوئی ہیں۔ صحیح یہ ہے کہ یہ پکے کافروں کی جماعت تھی جو اپنے فطری جبن اور بزدلی کی وجہ سے نہ کھلم کھلا مقابلہ کی طاقت رکھتی تھی اور نہ اپنے قلبی کفر کے باعث کشادہ دلی سے اسلام قبول کرنے کی روادار تھی اس کے متعلق یہ سمجھنا کہ وہ اپنے آپ کو حقیقۃً مسلمان سمجھتی تھی منافقین کی اس تاریخ کو جو قرآن کریم نے بیان فرمائی ہے قطعاً بدل دینے کے مرادف ہے یہ درست ہے کہ ان کی اولادیں مخلص مومن بھی تھے مگر کیا کافروں کی اولادیں کوئی مخلص مومن نہ تھا پھر گھر کے کسی فرد کے مخلص مومن ہو جانے سے یہ نتیجہ کیسے اخذ کیا جاسکتا ہے کہ جس کو منافق کہا گیا تھا وہ بھی مسلمان تھا اور اپنے نفس کو مسلمان ہی تصور کرتا تھا حقیقت یہ ہے کہ منافقین نے کبھی دل سے اسلام قبول نہیں کیا۔

اور ہمیشہ اسی حقیقت کا وہ اپنی محفلوں میں اعلان کرتے رہتے۔ اگر بالفرض وہ ایسا کر لیتے تو وہ کھلے ہوئے کفریات جو شب و روز ان کی زندگی کا مشغلہ بنے ہوئے تھے کیونکر ان سے سرزد ہو سکتے اس لئے یہ سمجھنا غلط ہے کہ نفاق کی حقیقت کفر و ایمان کے درمیان ہے جس کی انتہا کفر تک بھی ہو سکتی ہے بلکہ وہ ایسے بغضِ ایمانی کا نام ہے جو ایسے زشت اعمال کا منشاء ہو کہ اگر وہ اعمال کسی مومن سے بھی سرزد ہو جائیں تو اس پر نفاق کی تہمت لگ جائے پس نفاق کی حقیقت ایمان و کفر کے درمیان نہیں بلکہ کفر سے بھی بالاتر ہے اور اسی وجہ سے قرآن کریم نے ان کا مقام دوزخ میں کافروں سے بھی نیچے بیان فرمایا ہے اور اسی لئے ان کی تفصیل میں بڑا اہتمام فرمایا ہے۔ تصدیق و اقرار ایمان کے دو رکن ہیں۔ اور ان کے لحاظ سے یہاں عقلی طور پر بھی تین قسمیں پیدا ہو جاتی ہیں اگر دونوں موجود ہوں تو وہ مومن ہے اگر دونوں نہ ہوں تو کھلا کافر ہے۔ اگر صرف اقرار ہو اور تصدیق نہ ہو تو یہ منافق ہے۔ حافظ ابن تیمیہؒ کی تحقیق سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ صورت صرف اسلام کی طاقت و شوکت کا نتیجہ تھی۔ وہی کفر جو مکہ کرمہ میں علی الاعلان مقابل تھا اسلامی شوکت کے بعد اب اس صورت میں بدل گیا تھا۔ لہٰذا یہ سمجھنا بھی غلط ہے کہ یہ کافروں کا گروہ مسلمانوں میں کہیں باہر سے جاسوس بن کر آ گیا تھا بلکہ ان ہی کافروں کا یہ ایک بدنصیب گروہ تھا جو اپنے دیگر بھائیوں کی طرح اسلام تو قبول نہ کر سکا بلکہ برعکس کفر کے اسی قعرِ مذلت میں پڑا رہا جیسا کہ صحابہؓ کا دوسرا گروہ بھی کہیں باہر سے نہیں آیا تھا ان ہی میں سے پیدا ہوا تھا مگر یہ وہ خوش نصیب جماعت تھی جو قلب و قالب کے ساتھ آپ کی جاں نثار بنی اور آخر شرفِ صحابیت سے مشرف ہو گئی مگر جس کا ایمان صرف زبان تک رہا اور اس کا قلب بدستور کفر میں ڈوبا رہا وہ بدنصیب کافروں ہی کی صف میں کھڑا رہا جس نے خود ہی اپنے نفس کو کافروں میں شامل رکھنا پسند کیا ہو اس کو اسلام اپنے وفاداروں کی فہرست میں کیونکر شمار کرتا۔ پس نہ تو منافقوں کی جماعت کہیں باہر سے جاسوس بن کر آئی تھی اور نہ صحابہ کی جماعت کہیں باہر سے آپ کی ہمدرد بن کر آئی تھی بلکہ یہ دونوں جماعتیں اپنے اپنے جذباتِ اطاعت و وفاداری کے فرق سے ان ہی کافروں میں بن گئی تھیں جنہوں نے کسی قسم کی کوئی حرکت بھی نہ کی تھی وہ اب بھی اسی جگہ تھے جہاں آپ کی بعثت سے قبل کھڑے تھے ہاں آفتابِ رسالت کے طلوع کے بعد ان کی ناحق شناسی کا جرم اب اور زیادہ قابلِ مواخذہ بن گیا۔

دنیا کی تاریخ بتاتی ہے کہ جب کبھی کوئی اصلاحی تحریک پیدا ہوئی ہے تو اس فضا میں یہ تینوں قسم کے گروہ پیدا ہوتے رہے ہیں۔ ایک اس کو پوری طرح تسلیم کرنے والا، دوسرا پورا مد مقابل اور تیسرا وہ گروہ جو اندرونی طور پر اپنے خیالات کا حامل رہ کر صرف ظاہر میں شامل ہونے والا۔ یہ تیسرا گروہ ہمیشہ دوسرے

بھی زیادہ خطرناک سمجھا گیا ہے کیونکہ وہ تو کھلا ہوا دشمن ہوتا ہے اور یہ دوست نما دشمن۔ اسلام ایک ایسے مضبوط و مستحکم عقد کا نام ہے جس میں جزم و اعتقاد کے لحاظ سے ذرا بھی تردد کی گنجائش نہیں ہوتی۔ جس اعتقاد کا یہ عالم ہو کہ اس میں ہمہ وقت تردد ہی تردد رہے اس کو اسلام نہیں کہا جا سکتا۔ بالخصوص جبکہ قلب عداوت سے معمور ہو اور جو بظاہر نمائشی انقیاد ہو اس میں بھی تذبذب، کسلمندی، ریاکاری اور فتنہ پردازی کے آثار کھلے طور پر نمایاں ہوں۔ ایسے ایمان کو کمزور ایمان نہیں کہا جا سکتا۔ بلکہ اس کا نام کفر ہوگا جس کا رخ ایمان کی طرف کہا جا سکتا ہے اگر سعادت دستگیری فرمالے تو ہو سکتا ہے کہ اس ریب و تردد کے عالم سے نکال کر یقین کی طرف راہنمائی فرمادے اور اس وقت اس کا نام ایمان بن جائے گا۔

اب رہی وہ خامی جو قلبی جزم و وثوق حاصل ہو جانے کے بعد ظاہری اعمال میں نظر آتی ہے تو وہ بھی یقیناً ایک بڑی خامی اور بڑی کوتاہی ہے لیکن یہ خامی وہ نہیں جس کے لئے مذہب اسلام میں کوئی گنجائش نہ نکل سکتی ہو۔ ایسے مسلمان کو دشمن کی صف میں شامل نہیں کیا جا سکتا۔ مگر یہ کہ اس کی سیہ کاری کی نوبت یہ آجائے کہ پھر اس کی قلبی تصدیق بھی مشکوک نظروں سے دیکھی جانے لگے۔ اس لئے منافقین حقیقت کے لحاظ سے کوئی تیسری جماعت نہ تھی وہ کافر ہی تھے مگر انھوں نے اسلام کا صرف ایک لفظ ڈال لیا تھا قلب ان کا بیمار تھا البتہ ان کی زبانیں تندرست نظر آتی تھیں۔ اسلامی صحت کے آثار یہ ہیں کہ قلب و جوارح سب ہی اسلامی رنگ میں رنگین نظر آئیں۔ قلب کے بیمار پڑ جانے کے بعد صرف جوارح کی صحت قطعاً کارآمد نہیں ہو سکتی چونکہ منافق کا ایک رخ ہمیشہ تندرست نظر آتا ہے اور دوسرا اصل باطنی رخ آفت زدہ ہوتا ہے اس لئے اس کا مرض بھی ظاہری صحت کی وجہ سے ادراک میں نہیں آتا اس لئے قرآن کریم نے ان ظاہری تندرستوں کی بیماری پر ان الفاظ میں تنبیہ فرمائی ہے "فی قلوبھم مرض" ان کی بیماری ان کے قلوب میں ہے[۱]۔ اور جب قلب بیمار ہو تو ان کے جوارح کی سلامتی بے سود ہے۔ اب حسب ذیل آیت کو پڑھیے:۔

| | |
|---|---|
| اِذَا جَآءَكَ الْمُنٰفِقُوْنَ قَالُوْا نَشْهَدُ | اے پیغمبر جب آپ کے پاس یہ منافقین آتے ہیں تو (آپ کو خوش کرنے کیلئے) |
| اِنَّكَ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ اِنَّكَ | کہدیتے ہیں کہ ہم دل سے قائل ہیں کہ آپ بیشک خدا کے رسول |
| لَرَسُوْلُهٗ وَاللّٰهُ يَشْهَدُ اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ | ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ آپ بیشک اس کے رسول ہیں مگر اللہ تعالیٰ |
| لَكٰذِبُوْنَ۔ (المنافقون) | اس کی بھی گواہی دیتا ہے کہ یہ منافق جھوٹ کہتے ہیں۔ |

[۱] قاضی بیضاویؒ اس متن کی تشریح کرتے ہوئے لکھتے ہیں "ونفوسھم کانت مؤوفۃ بالکفر والاعتقاد ومعاداۃ النبی صلی اللہ علیہ وسلم" اس جماعت کے قلوب کفر اور برا اعتقادات بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم سے عداوت کے مریض تھے۔

اس آیت میں یہ بات خوب واضح کردی گئی ہے کہ منافقین ظاہر میں جتنے کٹر مسلمان بنتے ہیں اللہ اس کی شہادت دیتا ہے کہ وہ باطن میں اتنے ہی کٹر کافر ہیں اگرچہ ان کا دوسرا رخ یعنی جسم کتنا ہی تندرست نظر آئے۔

| | |
|---|---|
| وَاِذَا رَاَیْتَهُمْ تُعْجِبُكَ اَجْسَامُهُمْ | (اے پیغمبر) اگر آپ ان کو دیکھیں تو ان کے ظاہری ڈیل ڈول |
| وَاِنْ یَّقُوْلُوْا تَسْمَعْ لِقَوْلِهِمْ كَاَنَّهُمْ | آپ کی نظروں میں کھپ جائیں اور بات کریں تو (اس فصاحت) |
| خُشُبٌ مُّسَنَّدَةٌ یَحْسَبُوْنَ كُلَّ | کہ آپ بڑے ذوق و شوق سے اس کو سنیں (آپ کے سامنے |
| صَیْحَةٍ عَلَیْهِمْ هُمُ الْعَدُوُّ فَاحْذَرْهُمْ | اس طرح ٹیک لگا کر بیٹھتے ہیں گویا کہ وہ لکڑیوں کے کندے |
| قَاتَلَهُمُ اللّٰهُ اَنّٰى یُؤْفَكُوْنَ۔ | ہیں جو دیواروں کے سہارے لگے رکھے ہیں۔ ہر ایک زور کی |
| (المنافقون) | آواز کو سمجھتے ہیں کہ ان ہی پر بلا آئی (آپ کے جانی دشمن یہی ہیں |
| | تو آپ ان سے بچتے رہیے ان کو خدا کی مار کدھر بہکے چلے جا رہے ہیں۔ |

آیت مذکورہ میں ھم العدو فاحذرھم (آپ کے دشمن یہی ہیں ان سے بچتے رہیے) کے الفاظ ان کا باطنی نقشہ سمجھنے کے لئے کافی ہیں۔ سورۂ توبہ میں یہ بات اور صاف کردی گئی ہے کہ یہ گروہ ہرگز مسلمان نہ تھا صرف خوف اور ڈر کی وجہ سے مسلمانوں کے سامنے باتیں بنا دیتا تھا۔

| | |
|---|---|
| وَیَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ اِنَّهُمْ لَمِنْكُمْ وَ | خدا تعالیٰ کی قسمیں کھاتے ہیں کہ وہ تم ہی میں کے ہیں حالانکہ |
| مَا هُمْ مِّنْكُمْ وَلٰكِنَّهُمْ قَوْمٌ | وہ تم میں نہیں ہیں بلکہ وہ لوگ تم سے ڈرتے ہیں (اس لئے |
| یَّفْرَقُوْنَ۔ (التوبہ) | ایسی باتیں بنا دیتے ہیں) |

پھر اسی سورت میں ارشاد ہے:۔

| | |
|---|---|
| یَحْلِفُوْنَ بِاللّٰهِ لَكُمْ لِیُرْضُوْكُمْ وَاللّٰهُ | تمہارے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ تمہیں راضی کرلیں حالانکہ |
| وَرَسُوْلُهٗۤ اَحَقُّ اَنْ یُّرْضُوْهُ اِنْ | اگر یہ واقعی مومن ہوتے تو سمجھتے کہ اللہ تعالیٰ اور اس کا رسول اس |
| كَانُوْا مُؤْمِنِیْنَ۔ (التوبہ) | بات کا زیادہ حقدار ہے کہ اسے راضی رکھیں۔ |

سورۂ بقرہ اور سورۂ نساء میں یہ تصریح ہے کہ منافقوں کا یہ لسانی ایمان بھی محض خداع اور مسلمانوں کے ساتھ ایک قسم کا فریب تھا۔ سورۂ منافقون میں بھی ان کی جھوٹی قسموں کا یہی منشا بیان فرمایا گیا ہے اتخذوا ایمانھم جنۃ۔ انہوں نے اپنی جھوٹی قسموں کو اپنی جان و مال کی حفاظت کے لئے صرف ایک ڈھال بنایا ہے پھر ان کے مکر و فریب کا یہ دائرہ صرف مسلمانوں تک محدود نہ تھا بلکہ ان سے تجاوز کرکے خدائے تعالیٰ کی ذات عالم الغیب والسرائر تک بھی چلا جاتا تھا بلکہ اس جہاں سے گذر کر محشر تک رہے گا۔

| | |
|---|---|
| إِنَّ الْمُنَافِقِينَ يُخَادِعُونَ اللَّهَ وَهُوَ | منافق لوگ اللہ تعالیٰ سے دغابازی کرتے ہیں اور وہی ان کو |
| خَادِعُهُمْ وَإِذَا قَامُوا إِلَى الصَّلَوٰةِ قَامُوا | دغا کا بدلہ دے گا اور جب نماز کو کھڑے ہوتے ہیں تو الکسائے |
| كُسَالَىٰ يُرَاءُونَ النَّاسَ ۔ (النساء) | ہوئے صرف لوگوں کے دکھانے کیلئے۔ |
| يَوْمَ يَبْعَثُهُمُ اللَّهُ جَمِيعًا فَيَحْلِفُونَ لَهُ | جس دن اللہ تعالیٰ ان سب کو (قیامت میں) اٹھائے گا تو |
| كَمَا يَحْلِفُونَ لَكُمْ ۔ (حدید) | اس دن بھی وہ اس کے سامنے قسمیں کھائیں گے جیسی تمہارے |
| | سامنے قسمیں کھاتے ہیں۔ |

اب رہے ان کے ظاہری اعمال تو ان کی بنیاد بھی ایقان واذعان پر نہ تھی بلکہ اپنے ظاہری نقاب کی صرف ایک پاسداری تھی۔

| | |
|---|---|
| وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ | ان کی خیرات قبول ہونے کی کوئی اور وجہ نہیں بجز اس کے |
| إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللَّهِ وَبِرَسُولِهِ | کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول کا انکار کیا اور نماز کو |
| وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ | آتے ہیں تو بس الکسائے ہوئے اور راہ خدا میں خرچ کرتے |
| وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ ۔ | ہیں تو بس مجبور ہو کر بے دلی سے۔ |

اس آیت میں اس امر کی پوری وضاحت کردی گئی ہے کہ ان کی ظاہری نماز اور ان کے ظاہری صدقات کی طرف نظر نہ کرنی چاہئے وہ محض بے روح ہیں وہ نمازوں میں تمہارے ساتھ چلے تو ضرور آتے ہیں مگر طوع ورغبت سے نہیں بلکہ صرف نمائش کے لئے۔ یہی وجہ ہے کہ جن نمازوں میں کھسک سکتے ہیں کھسک جاتے ہیں جیسے عشاء و فجر، وہ صدقے بھی ضرور دیتے ہیں مگر محض بہ جبر ان کی نمازیں جو اسلام کا سب بڑا عمل ہیں ذکر کی روح سے قطعاً معرّی ہوتی ہیں۔ ان میں ذکر اللہ کا صرف اتنا ہی حصہ ہوتا ہے جتنا تم کو ان کے ظاہری رکوع و سجود میں نظر آتا ہے مگر ان کے باطن میں کوئی روح نہیں ہوتی اور یہ سب کچھ اس لئے ہے کہ وہ خدا تعالیٰ اور اس کے رسول کے منکر ہیں۔ ان کے اس کفر کو حسب ذیل آیت میں اور زیادہ شد و مد سے اس طرح بیان فرمایا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ أَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ إِنْ | آپ ان کے حق میں مغفرت کی دعا کریں یا نہ کریں دونوں |
| تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِينَ مَرَّةً فَلَنْ | برابر ہیں کیونکہ اگر آپ ان کیلئے ستر بار بھی مغفرت کی دعا کریں |
| يَغْفِرَ اللَّهُ لَهُمْ ۔ ذَٰلِكَ بِأَنَّهُمْ كَفَرُوا | جب بھی خدا تعالیٰ ان کو کبھی نہ بخشے گا یہ اس بات کا نتیجہ ہے |
| بِاللَّهِ وَرَسُولِهِ وَاللَّهُ لَا يَهْدِي الْقَوْمَ | کہ انھوں نے اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ کفر کیا ہے اور |
| الْفَاسِقِينَ ۔ (توبہ) | فاسق قوم کو اللہ تعالیٰ ہدایت نصیب نہیں کیا کرتا۔ |

| | |
|---|---|
| وَلَا تُصَلِّ عَلٰی اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا | ان میں سے کوئی مرجائے تو آپ کبھی اس کے جنازہ پر نماز نہ پڑھیے |
| وَلَا تَقُمْ عَلٰی قَبْرِهٖ اِنَّهُمْ كَفَرُوْا بِاللّٰهِ وَ | اور نہ اس کی قبر پر کھڑے ہوں انہوں نے اللہ اور اس کے رسول کے |
| رَسُوْلِهٖ وَمَاتُوْا وَهُمْ فَاسِقُوْنَ۔ | ساتھ کفر کیا ہے اور فسق کی حالت میں مرے ہیں۔ |

ان آیات میں ان کا قلبی کفر و جحود جس تاکید کے ساتھ بیان فرمایا گیا ہے اس سے زیادہ اور کیا ممکن ہے حتی کہ آپ کی اس پیغمبرانہ دلسوزی کو جوان کے ساتھ رہ رہ کر پیدا ہوتی تھی اس طرح ختم کیا گیا ہے۔

| | |
|---|---|
| يَحْلِفُوْنَ لَكُمْ لِتَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنْ | آپ کے سامنے قسمیں کھاتے ہیں تاکہ آپ ان سے راضی |
| تَرْضَوْا عَنْهُمْ فَاِنَّ اللّٰهَ لَا يَرْضٰى | ہو جائیں تو اگر آپ ان سے راضی بھی ہو جائیں جب بھی اللہ تعالیٰ |
| عَنِ الْقَوْمِ الْفٰسِقِيْنَ۔ | یقیناً فاسق قوم سے راضی نہیں ہوگا۔ |

سورۂ توبہ میں ان کے صدری مکنونات اور جبلی خصائل کی اور زیادہ تفصیل کی گئی ہے اور ان کی علامات خوب کھول کر بیان کی گئی ہیں جن کا خلاصہ یہ ہے۔ جہاد کے موقعہ پر ہمیشہ گریز کرنا امکان اس میں شریک نہ ہونا اور اگر شرکت کی نوبت آہی جائے تو اس کا مقصد مسلمانوں میں تفرقہ اندازی اور فتنہ پردازی کے سوا کچھ نہ ہوتا۔ نمازوں میں سست اور اعتراض کرنے میں بڑے چست۔ نہ مسلمانوں کو چھوڑیں نہ خدا کے مقدس رسول کو بخشیں، بڑے باتونی، دو طرفہ باتیں ملانے والے، پرلے درجہ کے جھوٹے اور وعدہ خلاف انتہا درجے کے بزدل اور ڈرپوک ان کے دلوں کو دیکھو تو ان میں ہمہ وقت تردد و شک کی کھٹک، مگر کفر پر اسی طرح اڑیل۔ اس تمام سورت میں جو چیز ان کی زیادہ تر روشن کی گئی ہے وہ ان کا اندرونی کفر اور خدا و رسول اور جماعت اسلام کے ساتھ ان کا بغض و عداوت ہے۔ یہ کچھ ایسے امور تھے جن کو قرآنِ کریم نے ان کے سر الزام کے طور پر لگایا ہو بلکہ اپنی اس پالیسی کو خود بھی اچھی طرح محسوس کرتے تھے اور اسی لئے برابر ڈرا کرتے تھے کہ کہیں اس پالیسی کا راز فاش نہ ہو جائے۔

| | |
|---|---|
| يَحْذَرُ الْمُنٰفِقُوْنَ اَنْ تُنَزَّلَ عَلَيْهِمْ | منافق اس بات سے خائف رہتے ہیں کہ مبادا پیغمبر کے ذریعہ |
| سُوْرَةٌ تُنَبِّئُهُمْ بِمَا فِيْ قُلُوْبِهِمْ قُلِ | مسلمانوں پر کوئی ایسی سورت نازل ہو جائے جو ان کے |
| اسْتَهْزِءُوْا اِنَّ اللّٰهَ مُخْرِجٌ مَّا | دلوں کا راز فاش کر دے آپ ان سے کہہ دیجئے کہ اللہ تعالیٰ |
| تَحْذَرُوْنَ۔ | وہ بات ظاہر کر کے رہے گا جس کا تم کو ڈر ہے۔ |

بالآخر کو ان کا یہ خوف سامنے آگیا اور سورۂ توبہ میں ان کے قلبی کفر و عناد کی قلعی کھول کر رکھ دی گئی اس کے بعد ان کے جتنے حیلے بہانے تھے سب مردود قرار پائے۔ اسی لئے اس سورت کا ایک نام فاضحہ بھی رکھا گیا ہے۔

قُلْ لَا تَعْتَذِرُوْا لَنْ نُّؤْمِنَ لَكُمْ قَدْ نَبَّاَنَا اللّٰهُ مِنْ اَخْبَارِكُمْ۔

آپ کہدیجئے معذرت کی باتیں نہ بناؤ اب ہم تمہارا اعتبار کرنے والے نہیں اللہ تعالیٰ نے ہمیں تمہارے حالات سے پوری طرح آگاہ کر دیا ہے۔

قرآن کریم نے جگہ جگہ منافقین اور کافروں کو ایک ہی صف میں شامل رکھا ہے۔ اس سے بھی یہی نتیجہ برآمد ہوتا ہے کہ باطنی لحاظ سے یہ کوئی جدا گروہ نہ تھا بلکہ یہ وہی کافر تھے جو اپنی دورخی پالیسی نبھانے اور دوطرفہ نفع حاصل کرنے کے لئے بظاہر مسلمانوں کے ساتھ بھی لگے رہا کرتے تھے۔

يٰۤاَيُّهَا النَّبِيُّ جَاهِدِ الْكُفَّارَ وَالْمُنٰفِقِيْنَ وَاغْلُظْ عَلَيْهِمْ وَمَاْوٰىهُمْ جَهَنَّمُ وَبِئْسَ الْمَصِيْرُ۔

اے پیغمبر کافروں اور منافقوں دونوں سے جہاد کیجئے اور ان کے ساتھ سختی سے پیش آئیے ان سب کا ٹھکانا دوزخ ہے۔

اِنَّ اللّٰهَ جَامِعُ الْمُنٰفِقِيْنَ وَالْكٰفِرِيْنَ فِيْ جَهَنَّمَ جَمِيْعًا۔

اللہ تعالیٰ منافقوں اور کافروں کو دوزخ میں ایک جگہ جمع کرے گا۔

پھر خاص منافقین کے حق میں ہے۔

اِنَّ الْمُنٰفِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْاَسْفَلِ مِنَ النَّارِ (نساء)

بیشک منافق دوزخ کے سب سے نیچے کے درجے میں ہیں۔

ان دلائل کی روشنی میں یہ کہنا کتنا سخت مشکل ہے کہ منافقین کافروں کا گروہ نہ تھا بلکہ ایمان وکفر کے درمیان کوئی ایسا متوسط گروہ تھا جو تھا تو درحقیقت مسلمان مگر ان کا کچھ رجحان کفر کی طرف تھا ہاں اگر اس لحاظ سے ان کو متوسط کہدیا جائے کہ وہ اپنے ظاہر وباطن کے لحاظ سے نہ مسلمان کہلانے کے قابل تھے نہ کافر تو بجا ہوگا کیونکہ ان کے ظاہر کا ایک رخ اگر مسلمانوں کے ساتھ رہتا تھا تو ان کے باطن کا دوسرا رُخ کافروں کے ساتھ رہا کرتا تھا اسی کو قرآن کریم نے ان کے تذبذب سے ادا کیا ہے۔

مُذَبْذَبِيْنَ بَيْنَ ذٰلِكَ لَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ وَلَاۤ اِلٰى هٰۤؤُلَاۤءِ

درمیان میں لٹکے ہوئے ہیں نہ پورے ان کی طرف ہیں اور نہ ان کی طرف۔

اس آیت میں ان کی عملی زندگی کا نقشہ کھینچا گیا ہے نہ کہ ان کے اعتقادی پہلو کا اور جبکہ اسی آیت کے شروع میں یہ مذکور ہے کہ یہ لوگ خدا تعالیٰ کو بھی دھوکا دیتے ہیں تو پھر ان کے اعتقاد میں بھلا کیا تذبذب ہو سکتا ہے۔ قرآن کریم کی مختلف آیتوں میں یہ پوری وضاحت موجود ہے کہ ادعاء اسلام سے ان کا مطمع نظر اپنی جان ومال کی حفاظت کے سوا کچھ نہ تھا۔ اسی نکتہ کی بنا پر قرآن کریم میں جہاں کہیں بھی ان کے حق میں لفظ اسلام کا

اطلاق آگیا ہے اس کے ساتھ ہی فوراً ان کا کفر بھی بیان کر دیا گیا ہے تاکہ صرف اس ظاہری اطلاق کی وجہ سے ان کے مسلمان ہونے کا شبہ نہ کر لیا جائے۔

ذَالِكَ بِأَنَّهُمْ اٰمَنُوْا ثُمَّ كَفَرُوْا فَطُبِعَ عَلٰى قُلُوْبِهِمْ۔ (منافقون) یہ اس لئے کہ پہلے وہ ایمان لائے پھر انھوں نے انکار کیا تو ان کے دلوں پر مہر لگا دی گئی۔

وَكَفَرُوْا بَعْدَ اِسْلَامِهِمْ۔ (توبہ) اور انھوں نے اسلام لانے کے بعد پھر انکار کیا۔

اس میں کیا شبہ ہے کہ جب منافقین اپنی زبانوں سے کلمۂ اسلام پڑھتے تھے، نمازوں میں بھی شرکت کر لیتے تھے اور زکوٰۃ بھی دیتے تھے تو ان ظاہری اعمال کے لحاظ سے ان کی طرف اسلام کا انتساب بھی صحیح تھا لیکن جب قرآنِ کریم نے ان کے کفرِ باطن کی وجہ سے ان کو مشخص اور معین طور پر کافر قرار دیدیا تو اب ان کے کفر میں کسی کو کیوں تامل ہو۔ لیکن کسی کے باطن کا علم چونکہ ہم کو نہیں ہو سکتا اس لئے ہمکو حق نہیں کہ ہم کسی کے ظاہر کو متہم کریں۔ اسی لئے حضرت حذیفہؓ فرماتے تھے کہ آئندہ اب کسی پر یہ حکم نہ لگایا جائے نزولِ وحی کا زمانہ بالکل جدا تھا اس وقت وحی الٰہی جس کے متعلق نفاق کا حکم لگا دیتی تھی لگ سکتا تھا اب معاملہ صرف ظاہر پر رہے گا جو اسلامی احکام ادا کرے گا مسلمان ہوگا اور جو اس سے منحرف ہوگا کافر شمار ہوگا۔ قلبی حالت کا نہ ہم کو علم ہو سکتا ہے نہ اس بنا پر کسی پر کوئی حکم لگایا جائے گا۔ (بخاری شریف)

تعجب ہے کہ جس جماعت میں کفار بد اندیش کی ساری ہنگامہ آرائیاں نظر آرہی ہوں، اسلام کے برخلاف ان کے منصوبے برابر چلے جا رہے ہوں، خدا اور رسول کے ساتھ استہزاء، ان کے ساتھ عداوت اور مسلمانوں میں باہم تفریق پیدا کرنی ان کا اہم پروگرام ٹھہر چکا ہو، ہر نازک مرحلہ پر مسلمانوں کے قدم اکھاڑنا ان کی اسکیم میں داخل ہو، دشمنوں سے ساز باز کرنا ان کا مستقل نصب العین بنا ہوا ہو، راہِ حق کی کسی قربانی میں وہ پورے نہ اترتے ہوں، اور اسلام کے ہر عمل میں ان کے قدم ہمیشہ لڑکھڑاتے ہوں، دینِ حق کے بارے میں ان کی زبانیں جھوٹی ثابت ہو چکی ہوں، عہد شکنی ان کا شعار بن چکا ہو، اور پے بہ پے تنبیہوں کے بعد بھی وہ متنبہ نہ ہوتے ہوں تو کیا صرف ایک زبانی کلمہ پڑھ لینے سے ان کے متعلق یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ وہ دوسرے مسلمانوں کی طرح دینِ اسلام کو بطورِ عقیدت قبول کر چکے تھے اور کیا صرف ان نمازوں کی وجہ سے، ان صدقات کی وجہ سے، جس کا منشا صرف نمائش اور اپنی جان و مال کی حفاظت ہو ان کو مسلمان کہا جا سکتا ہے اسی تمام حقیقت کو قرآنِ کریم نے واضح سے زیادہ واضح طریق پر بیان فرمایا ہے کیا اس کے بعد بھی اس کی گنجائش نکل سکتی ہے کہ نفاق کی حقیقت صرف ایک قسم کا ایمانی ضعف قرار دی جائے جو ترقی کر کے کفر تک بھی پہنچ سکتی ہے۔ یوں تو صریح کفر بھی شدت سے اترتے اترتے کبھی اسلام کی صورت قبول کر سکتا ہے

اور بڑھتے بڑھتے شدید سے شدید تر بن سکتا ہے مگر کیا اس لئے کفر کو کوئی درمیانی حالت کہا جا سکتا ہے؟
کسی ایک آیت سے بھی یہ ثابت نہیں ہوتا کہ منافقین کا ایمان صرف نمائش اور کذب و خداع کے سوا کوئی
حقیقت بھی رکھتا تھا۔ ان کے باطن او قلب کی وہ روئداد معلوم ہو جانے کے بعد جو قرآن کریم نے ذکر کی ہے
ایک لمحہ کے لئے یہ ماننا مشکل ہے کہ وہ اس اسلام کو اپنے خیال میں بھی اسلام تصور کرتے تھے۔ اگر ایسا ہوتا
تو ان کو پرلے درجہ کا جھوٹا اور دھوکہ باز قرار نہ دیا جاتا۔ کذب و خداع یہ دو خصلتیں آج بھی مسلمانوں میں
موجود ہیں مگر منافقین کے کذب و خداع میں بڑی بات باعث شناعت یہی تھی کہ انھوں نے اپنے ایمانوں کی
بنیاد بھی ان پر قائم کر دی تھی اب یہ معمولی فریب و کذب نہ رہا تھا جس کا دائرہ باہمی فریب و کذب ہوتا یہ خداع و
کذب کی وہ صورت تھی جو خدا اور رسول کے ساتھ بھی پیدا کر لی گئی تھی۔ سوچنا چاہئے کہ جو صفات باہم مخلوق
میں بھی انتہا درجہ خسیس شمار ہوں اگر ان کو خدا اور رسول کے معاملہ میں بھی جائز سمجھ لیا جائے تو ان کی شناعت
کس درجہ پر جا پہنچے گی۔ ہمارے اس بیان سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ جب نفاق اتنی بدتر قسم کا کفر تھا تو حدیثوں
میں اس کی علامات اتنی معمولی کیوں مقرر کی گئی ہیں آئندہ اپنے موقعہ پر اس سے زیادہ تفصیل آرہی ہے۔

لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ جس طرح ایمان و کفر کی قسمیں مختلف تھیں اسی طرح نفاق کی بھی مختلف
قسمیں ہیں۔ جس طرح ایک ایمان کامل تھا اور دوسرا ناقص۔ پھر کامل ایمان کے بہت سے شعبوں کو بھی
ایمان کہدیا گیا ہے یا جیسا کفر ایک وہ تھا جس کی جزا جہنم میں خلود ہے پھر بہت سی نافرمانیوں پر بھی کفر کا
اطلاق کر دیا گیا ہے۔ اسی طرح نفاق بھی چند قسم پر ہے ایک نفاق اعتقادی ہے اور وہی حقیقی نفاق ہے
جس کا تذکرہ آپ ابھی سن چکے ہیں۔ پھر اس جماعت کے جو جو خصائل بد تھے ان پر بھی نفاق کا اطلاق کر دیا
گیا ہے۔ چونکہ یہ خصائل انسان کی امانت و دیانت کے بالکل برعکس ہوتے ہیں اس لئے ان کو ایک لمحہ کیلئے
بھی ایمان کے آثار نہیں کہا جا سکتا بلکہ یہ اس کی اس غفلت کا نتیجہ ہوتے ہیں جو بزدلی یا طمع دنیوی کے
وجہ سے اس کے ایمان پر طاری ہو جاتی ہے پھر جتنی یہ غفلت غالب آتی جاتی ہے اتنا ہی ان افعال کا صدور
بھی بڑھتا جاتا ہے۔ حتی کہ ایک وقت وہ آجاتا ہے کہ اس کے اعمال کی سطح پر منافقین کے اعمال کے
سوا کچھ نظر نہیں آتا اور اس کا نقشۂ عمل ٹھیک وہی ہو جاتا ہے جو ایک کھلے منافق کا۔ وہ بولتا ہے تو
جھوٹ بولتا ہے، وعدہ کرتا ہے تو پورا نہیں کرتا اور جھگڑے پر آمادہ ہوتا ہے تو حق و باطل میں امتیاز نہیں
کرتا یہاں تک کہ اس مسلمان کو اعمال ظاہری کے لحاظ سے منافقین سے کوئی بھی امتیاز باقی نہیں رہتا بجز اس کے
کہ اس کے گوشۂ قلب میں خدا و رسول پر ایمان ہوتا ہے اور منافق کے قلب میں یہ بھی نہیں ہوتا لیکن
قلبی شہادت ایسی شئے نہیں جو آنکھوں سے نظر آسکے اس لئے حدیث تو کفر کے اطلاق کی طرح کبھی کبھی

ایسے مسلمان کو منافق کہدیتی ہے لیکن فقیہ جس کا موضوع دنیوی احکام ملحوظ رکھنا ہے وہ اگر اس کو مسلمان کہتا ہے تو اس کو اعمال کی شہادت اس کے برخلاف نظر آتی ہے اور اگر منافق کہتا ہے تو اس کا اندرونی ایمان اس کو اس خطاب سے مانع ہوتا ہے اس لئے وہ نفاق کی تقسیم کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے اور ایسے نفاق کو نفاقِ عملی کہدیتا ہے۔ حدیث اس تفصیل کو پسند نہیں کرتی کہ اس تقسیم سے عملی نفاق کی ہیبت قلوب سے گھٹتی ہے۔ اشراک باللہ کے باب میں حدیث و فقہ کے اس تعبیری اختلاف کی تفصیل گذر چکی ہے۔

خلاصہ یہ ہے کہ اصل نفاق تو وہی نفاقِ اکبر یا نفاقِ اعتقادی تھا لیکن جب دورِ انحطاط میں مسلمانوں کے اندر بھی منافقوں کی خصوصی صفات پیدا ہونے لگیں تو اصحابِ اصطلاح نے ان کو عملی منافق کہدیا۔ پس نفاقِ اکبر تو یہ ہے کہ بظاہر اللہ تعالیٰ کی توحید، رسول کی رسالت فرشتے اور حشر و نشر کا اعتقاد رکھنا مگر قلب میں اس کا پورا پورا انکار و انحراف مضمر ہونا۔ اسی حقیقت کو سورۂ منافقون وغیرہ کی گذشتہ آیات میں ادا کیا گیا ہے اور یہی آپ کے دور کا نفاق تھا اسی کو قرآنِ کریم نے کفر کہا ہے اور درکِ اسفل کی وعید بھی اسی کے بارے میں آئی ہے۔

رہا نفاقِ عملی تو وہ حضرت حسنؓ کے لفظوں میں انسان کے ظاہر و باطن کے اختلاف کا نام ہے اس بنا پر جو شخص باطنی طور پر اسلامی عقائد کا معتقد ہو مگر ظاہری اعمال میں مقصر ہو اس کو عملی منافق کہا جا سکتا ہے کیونکہ اس کا ظاہر بھی اس کے باطن کے برخلاف ہے، ہاں تنبیہ کے سیاق میں اس کو صاف منافق کہا جائے گا البتہ تحقیق کے موقعہ پر اس کے نفاق کو عملی نفاق سے تعبیر کیا جائے گا پھر جو تارکِ صلوٰۃ پر کفر کے اطلاق سے مقصد تھا وہی مقصد اس کے منافق کہنے سے رہے گا۔ اس کے معنی یہ نہیں کہ اس تعبیر کی کوئی حقیقت نہیں ہوتی یہ صرف مصلحت ہی مصلحت پر مبنی ہوتی ہے یقیناً اس کی بھی بڑی حقیقت ہے اور اس کا منشا یہ ہے کہ نفاقِ عملی کبھی کبھی نفاقِ حقیقی کا سبب بھی بن سکتا ہے جیسا کہ بعض اوقات معصیتوں کا ارتکاب کرتے کرتے کفرِ حقیقی کی نوبت بھی آ سکتی ہے۔ آخر شجرۂ ایمانی اعمالِ ایمانی کی بجائے اعمالِ کفر کی آبیاری کے ساتھ ساتھ کب تک شاداب رہ سکتا ہے اس میں نفاق کی بیماری پیدا ہو سکتی ہے۔

لغت کے تتبع سے معلوم ہوتا ہے کہ نفاق ایک قسم کے فریب و خداع کا نام ہے منافق کی پوری کی پوری زندگی چونکہ اسی مذموم صفت کا مرقع ہوتی ہے اسی لئے اس کو منافق کہا جاتا ہے نفاقِ اکبر ہو یا نفاقِ اصغر لغت کی یہ حقیقت دونوں جگہ ٹھیک موجود رہتی ہے لیکن جب انسان فریب و مکر کی یہ چال خدا اور اس کے رسول کے ساتھ بھی چلنے لگتا ہے تو اس کی اہمیت بہت بڑھ جاتی ہے اور اب یہ جرم ناقابلِ برداشت بن جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ عہدِ سلف میں جب کبھی کسی کے متعلق فسادِ باطن کا شبہ

پڑ گیا ہے تو اب اس کو نا قابلِ عفو جرم سمجھ لیا گیا ہے۔ آخر حاطب بن ابی بلتعہؓ کے بدری صحابی ہونے کے باوجود حضرت عمرؓ نے ایک ذرا سے شبہ پر ان کے حق میں دعنی اضرب عنق هذا المنافق (مجھکو اجازت دیجئے کہ میں اس منافق کی گردن اڑا دوں) کے سخت کلمات فرما ہی دیئے۔ اب اندازہ کیجئے کہ ان کی نظروں میں نفاق کا جرم کس درجہ کا سمجھا گیا ہوگا۔ اگر درحقیقت نفاق انسان کی صرف کسی کمزوری کا نام ہوتا تو کیا مسلمان کے حق میں ان کی یہ تعبیری شدت گوارا کرلی جاتی۔ جنگ کے میدانوں میں جب کبھی مقابل شدید سے شدید تہمت کے موقعہ پر بھی کلمۂ اسلام پڑھ لیتے یا عملی طور پر صرف کوئی اسلامی علامت ظاہر کردیتے تھے تو بارگاہِ نبوت سے اسی وقت سر پر کھچی ہوئی تلوار کو نیچی کردینے کا حکم صادر ہوجاتا تھا اور اگر کسی فرد نے کبھی لاعلمی میں اس طرزِ عمل کے خلاف کیا بھی تو اس کا کوئی عذر ہرگز مسموع نہ ہوتا تھا۔ ضعیف الاسلام افراد کے ساتھ جو طرزِ عمل عہدِ نبوت میں ثابت ہوتا ہے وہ تالیفِ قلوب کا ہے نہ کہ منافق کہہ کر ان کو دشمن کی صف میں شمار کرنے کا۔ پس منافقین کے معاملہ میں یہ سمجھ لینا کتنی مہلک غلط فہمی ہے کہ یہ جماعت مسلمانوں کی جماعت تھی لیکن ایمان ان کے حلق کے نیچے نہیں اترا تھا۔ اگر ان کا یہ ایمان اس درجہ پر آچکا تھا کہ اس کو خدا اور رسول بھی ایمان کہدیں تو پھر اسی وقت سے ان کے ساتھ طرزِ خطاب بدل جاتا ہے وہ اسلامی آغوش میں آجانے کے بعد اب ہرگز اس قابل نہیں رہ سکتے کہ ان کو کافروں کے ساتھ ساتھ مخاطب بنایا جائے اور اگر ان کا ایمان اس قابل نہ تھا تو اس کا نام کفر رکھدینے میں پس و پیش کیا ہے اور کیوں۔

صحیح بخاری کی ایک حدیث میں منافق کی تلاوتِ قرآن کو نازبو کے درخت سے تشبیہ دی گئی ہے جس کی خوشبو بڑی خوشگوار ہوتی ہے مگر مزا بڑا ناگوار ہوتا ہے۔ اس تشبیہ میں یہی تنبیہ کرنی مقصود ہے کہ جس طرح نازبو کی ظاہری خوشبو اور مہک عمدہ ہوتی ہے مگر اس کا اندرونی ذائقہ سخت تلخ ہوتا ہے اسی طرح منافق کی تلاوت کا رخ تو بڑا خوشنما نظر آتا ہے مگر اس کے باطن کا دوسرا رخ نازبو کی طرح سخت تلخ ہوتا ہے کسی پھل کی خوبی صرف اس کی خوشبو میں نہیں جب تک کہ اس کا ذائقہ بھی عمدہ نہ ہو۔ اسی طرح اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اصل خوبی صرف ظاہری اعمال سے نہیں بلکہ باطن اور قلب کی سلامتی سے حاصل ہوتی ہے اگر قلب بیمار ہے تو ظاہر کی سلامتی بیکار ہے۔

کبھی کبھی حدیثوں میں اولوالعزم صحابہ کی زبانوں سے اپنے نفسوں پر بھی نفاق کے خطرہ کے الفاظ نظر آتے ہیں حالانکہ یہاں نفاق کے کسی قسم کا شائبہ بھی نہیں ہوتا بلکہ یہ انسان کے کمالِ ایمانی اور اپنے اعمال کے پورے پورے محاسبہ کا ثمرہ ہوتا ہے جب ایک کامل مومن اپنے نفس کا محاسبہ شدت سے شروع کرتا ہے تو اس کو اپنی ہر حرکت و سکون پر یہ شبہ گذرنے لگتا ہے کہ کہیں اس میں سر و علانیہ کا کوئی ادنیٰ سا اختلاف تو نہیں ہے اس لئے

وہ اپنی ظاہری و باطنی صلاح و فلاح پر کبھی مغرور نہیں ہوتا وہ ہر ہر عمل میں اپنے نفس کو ہمیشہ متہم کرتا رہتا ہے آخر اسی سعی میں اس کی عمر تمام ہو جاتی ہے اور وہ اپنے معیار کے مطابق ایک سجدۂ بے ریا کرنے میں بھی کامیاب نہیں ہوتا۔ حقیقت یہ ہے کہ دین حنیف اس کو برداشت ہی نہیں کرتا کہ کسی عبدِ ضعیف میں دو رُخ باقی رہیں۔ اس کے باطن کا رُخ کچھ اور ہو اور ظاہر کا کچھ اور، وہ اس کو ایک ایسی یک رنگی کی دعوت دیتا ہے جس کے بعد ظاہر و باطن میں سرِ مو اختلاف کی گنجائش باقی نہ رہے۔ اسی کو اس احسان کا خلاصہ سمجھنا چاہیے جس کا تذکرہ آپ پہلے حدیثِ جبرئیل میں پڑھ چکے ہیں۔

جب انسان کے دماغ پر عالمِ ربوبیت کا یقین عالمِ شہود کی طرح مستولی ہو جاتا ہے تو پھر اپنے اعمال و نیات کو متہم کرنا اس کی فطرت بن جاتی ہے۔ اس کے بعد اس کو وہ مقام نصیب ہوتا ہے جہاں پہنچکر وہ نماز جس کے عجز و نیاز میں کوئی ادنیٰ خامی رہ جائے ایک منافق کی نماز معلوم ہونے لگتی ہے۔ بعض سلف سے منقول ہے خشوع النفاق ان تری الجسد خاشعا والقلب لیس بخاشع۔ پس انسان کا ایمانی کمال جس کو حدیثِ جبرئیل میں احسان سے تعبیر کیا گیا ہے اس کے ظاہر و باطن کی کامل یک رنگی کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے جب اس میں یہ یک رنگی پیدا ہو جاتی ہے تو اب جتنا اس کا ظاہر عجز و نیاز میں ڈوبا ہوا نظر آتا ہے اس کا باطن اس سے زیادہ اس میں ڈوبا ہوا ہوتا ہے۔ یہی وہ حقیقت تھی جو حضرت حنظلہؓ کی حدیث میں آپ ملاحظہ فرما چکے ہیں جب انھوں نے دیکھا کہ اپنے اہل و عیال میں جا کر ان کے قلب کا وہ رنگ نہیں رہتا جو آپ کی محفلِ تذکیر میں رہتا تھا تو ان کی نظرِ خشیت میں اتنا سا اختلاف بھی بشکل نفاق کھٹکنے لگا اور ان کو اس غیر اختیاری اختلاف کا شکوہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کرنا پڑا۔ حقیقت یہ ہے کہ مرتبۂ احسان میں جتنا جتنا کمال میسر آتا جاتا ہے اسی کے بقدر یک رنگی کے شرائط بھی سخت تر ہوتے جاتے ہیں حتیٰ کہ عمر ختم ہو جاتی ہے اور جس درجۂ اخلاص و یک رنگی کی طبیعت متلاشی ہوتی ہے وہ حاصل نہیں ہوتی۔ اسی لئے حضرت حسنؒ نے قسم کھا کر فرمایا ما مضی مؤمن قط الا وھو من النفاق غیر آمن وما مضی منافق قط ولا یبقی الا وھو من النفاق آمن۔ (کوئی مومن جو پہلے گذر گیا یا اب موجود ہے ایسا نہیں جس کے دل میں اپنے نفس کے متعلق نفاق کا خطرہ نہ گذرتا ہو اور کوئی منافق جو گذر گیا یا اب موجود ہے ایسا نہیں جو نفاق سے بے خطر نہ ہو۔ (جامع العلوم)

ایک شخص نے دیکھا کہ ابوالدرداءؓ نماز سے فارغ ہو کر نفاق سے پناہ کی دعا مانگ رہے ہیں۔ اس نے پوچھا بھلا آپ کو نفاق کا کیا خطرہ ہے انھوں نے بقسم فرمایا کہ آدمی اچھا خاصا مومن ہوتا ہے پھر کسی فتنہ میں مبتلا ہو جاتا ہے اور آن کی آن میں اس کا دل پلٹ جاتا ہے اور وہ نفاق میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ (جامع العلوم)

حضرت عمرؓ سے روایت ہے کہ ان کو اپنے نفس کے متعلق ہمیشہ نفاق کا خطرہ لگا رہتا تھا۔ امام اوزاعی فرماتے ہیں کہ ان کو یہ خطرہ نفاق اصغر سے تھا۔ یہ بات دوسری ہے کہ نفاق اصغر پر اصرار سے نفاق اکبر بھی پیدا ہو سکتا ہے صحیح بخاری میں ابن ابی ملیکہ سے روایت ہے کہ تیس صحابہ سے میری ملاقات ہوئی ہے سب کو اپنے نفس پر نفاق کا خطرہ لگا رہتا تھا، ان میں کوئی یہ نہ کہتا تھا کہ ہمارا ایمان حضرت جبرئیلؑ و میکائیلؑ کے ایمانوں کی طرح خطرۂ نفاق سے مامون ہے ـــــ ابراہیم تیمیؒ فرماتے ہیں کہ جب میں اپنے قول و عمل کو ملاتا تو ہمیشہ مجھ کو یہ اندیشہ رہتا تھا کہ کہیں میں جھوٹا نہ قرار پاؤں۔ ـــــ امام احمدؒ سے پوچھا گیا جس شخص کو اپنے متعلق نفاق کا خطرہ بھی نہ گذرتا ہو اس کے متعلق آپ کا ارشاد کیا ہے انھوں نے تعجب سے فرمایا ایسا کون مومن ہو سکتا ہے جس کو اپنے متعلق یہ خطرہ بھی نہ آتا ہو۔ (جامع العلوم)

ان جملہ اکابر کے پیش نظر یا تو نیات اور اعمال کی وہ باریکیاں ہیں جن میں سر مو اختلاف سے اچھے سے اچھا عمل ایک منافق کا سا عمل بن سکتا ہے یا قادرِ مطلق کی وہ طاقت تھی جس کے سامنے ایک مخلص کا قلبی منافق بن جانا کوئی دشوار نہیں ہوتا۔ بہرحال یہاں ان سب خطرات کا منشا کمالِ ایمانی تھا۔ نفاق کی کسی قسم کا یہاں کوئی محل نہ تھا۔ امام غزالیؒ نے انا مومن انشاء اللہ کے ضمن میں اس کی بڑی تفصیل فرمائی ہے (دیکھو احیاء العلوم ص ۹۲ و ۹۳)۔

واضح رہے کہ نفاق عملی نفاق کی کوئی علیحدہ قسم نہیں بلکہ جب منافقین کے اعمال مسلمانوں سے بھی سرزد ہونے لگے تو لاچار علماء کو نفاق کی تقسیم کرنی پڑی۔ وہی اعمال جو نفاق اعتقادی کے اثرات کہلاتے ہیں اگر تصدیق قلبی کے ساتھ بھی نظر آنے لگیں تو اسی کا نام نفاقِ عملی رکھدیا جاتا ہے۔ پس اگر نفاقِ اعتقادی نہ ہوتا تو نفاقِ عملی کی یہ تعبیر بھی پیدا نہ ہوتی جیسا کہ اگر شرک و کفر حقیقی معنوں کے لحاظ سے نہ ہوتے تو ریاء و ترکِ صلوٰۃ کو بھی شرک و کفر نہ کہا جاتا۔

پس جس طرح کفر کی اصلی حقیقت کفر باللہ ہے اور کسی معصیت پر کفر کا اطلاق آجانے سے یہ حقیقت نہیں بدلی۔ اسی طرح اصلی نفاق اسی فسادِ باطن کا نام ہے اور چند مخصوص معاصی پر نفاق کے اطلاق سے اس کی حقیقت بھی نہیں بدلی، چونکہ نفاق حقیقی انسان کی ایک باطنی حالت کا نام ہے اس لئے حضرت حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ عہد نبوۃ کے بعد اب کسی کو کسی کے باطن پر حکم لگانے کا کوئی حق نہیں رہا اس لئے یہ حکم لگانا عہد نبوت پر ختم ہو گیا ہاں نفاقِ عملی کا محاسبہ ہمیشہ جاری رہنے والی چیز ہے۔

## المنافقون فی عهد النبی صلی اللہ علیہ وسلم

(۸۲۵) حدثنا زید بن وھب قال کنا عند حذیفۃ فقال ما بقی من اصحاب ھذہ الآیۃ (قاتلوا ائمۃ الکفر) الا ثلاثۃ ولا من المنافقین الا اربعۃ فقال اعرابی انکم اصحاب محمد تخبرونا لا ندری فما بال ھؤلاء الذین یبقرون بیوتنا ویسرقون اعلاقنا قال اولئک الفساق اجل لم یبق منھم الا اربعۃ احدھم شیخ کبیر لو شرب الماء البارد لما وجد بردہ۔ (رواہ البخاری فی التفسیر)

(۸۲۶) عن قیس قال قلت لعمار أرأیتم صنیعکم ھذا الذی صنعتم فی امر علی أرأیا رأیتموہ او شیئا عھدہ الیکم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقال ما عھد الینا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم لم یعھدہ الی الناس کافۃ ولکن حذیفۃ اخبرنی عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم فی اصحابی اثنا عشر منافقا فیھم

## آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے منافقوں کا کچھ تذکرہ

(۸۲۵) زید بن وہب بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت حذیفہؓ کی خدمت میں حاضر تھے تو انہوں نے فرمایا کہ اس آیت کے مصداق میں سے بجز تین اشخاص کے اور کوئی زندہ نہیں رہا قاتلوا ائمۃ الکفر (کفر کے سرداروں کو قتل کرو) اور اسی طرح منافقین میں سے بھی چار آدمیوں کے سوا اور کوئی نہیں رہا۔ اس پر ایک بادیہ نشین شخص بولا آپ لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہ ہیں ہم سے ایسی باتیں بیان فرماتے ہیں جن کو ہم تو کچھ سمجھ نہیں سکتے (اچھا اگر منافقوں میں صرف چار اشخاص ہی بچے ہیں) تو یہ ہمارے گھروں میں نقب زنی کرنے والے اور ہمارے قیمتی مال چوری کر کرکے لیجانے والے لوگ کون ہیں۔ انہوں نے فرمایا یہ تو فاسق لوگ ہیں اس میں کوئی شبہ نہیں ہے کہ منافقوں میں سے تو صرف چار آدمی ہی بچے ہیں ان میں ایک تو اتنا بوڑھا ہوگیا ہے کہ اگر ٹھنڈا پانی پئے تو اس کو اس کی ٹھنڈک کا احساس بھی نہ ہو۔ (بخاری شریف)

(۸۲۶) قیسؓ کہتے ہیں کہ میں نے عمارؓ سے پوچھا فرمایئے حضرت علیؓ کے معاملہ میں جو روش آپ نے اختیار کی یہ آپ کی ذاتی رائے تھی یا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا آپ کے پاس کوئی حکم تھا۔ انہوں نے کہا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم سے کوئی بات ایسی نہیں فرمائی جو عام مسلمانوں سے نہ کہی ہو۔ لیکن حذیفہ نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ روایت بیان کی ہے کہ آپ نے فرمایا ہے میری امت میں بارہ منافق ہوں گے۔ آٹھ

ثَمَانِیَۃٌ لَا یَدْخُلُوْنَ الْجَنَّۃَ حَتّٰی یَلِجَ الْجَمَلُ فِیْ سَمِّ الْخِیَاطِ ثَمَانِیَۃٌ مِنْھُمْ تَکْفِیْھِمُ الدُّبَیْلَۃُ
وَاَرْبَعَۃٌ لَمْ اَحْفَظْ مَا قَالَ شُعْبَۃُ فِیْھِمْ۔ (رواہ مسلم)

(۸۲۷) عَنْ حُذَیْفَۃَ قَالَ کُنْتُ اٰخِذًا بِخِطَامِ نَاقَۃِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَقُوْدُ
بِہٖ وَعَمَّارٌ یَسُوْقُ النَّاقَۃَ اَوْ اَنَا اَسُوْقُہٗ وَعَمَّارٌ یَقُوْدُہٗ حَتّٰی اِذَا کُنَّا بِالْعَقَبَۃِ فَاِذَا اَنَا بِاثْنَیْ عَشَرَ
رَاکِبًا قَدِ اعْتَرَضُوْہُ فِیْھَا قَالَ فَاَنْبَھْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ بِھِمْ فَصَرَخَ بِھِمْ
فَوَلَّوْا مُدْبِرِیْنَ فَقَالَ لَنَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھَلْ عَرَفْتُمُ الْقَوْمَ قُلْنَا لَا
یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ کَانُوْا مُلْتَثِمِیْنَ وَلٰکِنَّا قَدْ عَرَفْنَا الرِّکَابَ قَالَ ھٰؤُلَاءِ الْمُنَافِقُوْنَ اِلٰی یَوْمِ الْقِیٰمَۃِ
وَھَلْ تَدْرُوْنَ مَا اَرَادُوْا قُلْنَا لَا قَالَ اَرَادُوْا اَنْ یُزَاحِمُوْا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ

ان میں ایسے کٹر ہیں کہ جب تک اونٹ سوئی کے ناکے میں داخل نہ ہو وہ جنت میں داخل نہیں ہو سکتے۔ ان کے
پشت پر ایک سمی پھوڑا نکلے گا اور وہی ان کے لئے کافی ہو جائے گا۔ (ان کے شر سے حفاظت کے لئے
ہمیں کچھ کرنے کی ضرورت نہ ہوگی یعنی اس کی وجہ سے ان کی موت واقع ہو جائے گی) اور چار کے متعلق
مجھے یاد نہیں رہا شعبہ (راوی حدیث) نے کیا کہا تھا۔ (مسلم شریف)

(۸۲۷) حذیفہؓ بیان کرتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی اونٹنی کی مہار پکڑے ہوئے اس کو
آگے سے کھینچ رہا تھا اور عمارؓ اس کے پیچھے پیچھے تھے یا معاملہ اس کے برعکس تھا۔ یہاں تک کہ چلتے چلتے
جب ہم گھاٹی پر پہنچے تو دفعۃً کیا دیکھتے ہیں کہ بارہ اشخاص اونٹوں پر سوار سامنے سے آ رہے ہیں۔ میں نے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو ان کی آمد سے متنبہ کیا آپ نے ان کو زور سے آواز دی تو وہ پشت پھیر کر بھاگ

(۸۲۷) طبرانی نے مسند حذیفہ میں ان اصحاب عقبہ کے نام پر ایک عنوان قائم کیا ہے اور ان منافقین کے حسب ذیل
نام روایت فرمائے ہیں۔ معتب بن قشیر۔ ودیعۃ بن ثابت۔ جد بن عبداللہ۔ حارث بن یزید۔ اوس بن قیظی۔ حارث بن
سوید۔ سعد بن زرارہ۔ قیس بن فہد۔ سوید۔ داعس۔ قیس بن عمرو۔ زید بن العصیت۔ سلالۃ بن الطام۔ (تفسیر ابن کثیر)
حافظ ابن کثیر ومن حولکم منافقون کی تفسیر کے ذیل میں لکھتے ہیں "وھذا التخصیص لا یقتضی انہ اطلع
علی اسمائھم واعیانھم کلھم (ج ۲ ص ۳۸۴) اس تخصیص کا یہ تقاضا نہیں ہے کہ آپ نے ان کو جتنے منافقین
بھی تھے سب ہی کے اسماء اور اشخاص بتا دیئے تھے۔

واضح رہے کہ جن روایات میں منافقین کی تعداد بارہ آتی ہے وہ خاص اس واقعہ میں شریک ہونے والے
منافقین تھے جیسا کہ اس روایت میں موجود ہے۔ تعجب ہے کہ پھر بعض مصنفین نے یہ کیسے سمجھ لیا ہے کہ یہ تعداد کل
بڑے منافقوں کی تھی۔

فِي الْعَقَبَةِ فَيُلْقُوْهُ مِنْهَا قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَفَلَا نَبْعَثُ إِلٰى عَشَائِرِهِمْ حَتّٰى يَبْعَثَ إِلَيْكَ كُلُّ قَوْمٍ بِرَأْسِ صَاحِبِهِمْ قَالَ لَا أَكْرَهُ أَنْ تَتَحَدَّثَ الْعَرَبُ بَيْنَهَا أَنَّ مُحَمَّدًا قَاتَلَ بِقَوْمٍ حَتّٰى إِذَا أَظْهَرَهُ اللّٰهُ بِهِمْ أَقْبَلَ عَلَيْهِمْ يَقْتُلُهُمْ. ثُمَّ قَالَ. اَللّٰهُمَّ ارْمِهِمْ بِالدُّبَيْلَةِ قُلْنَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَمَا الدُّبَيْلَةُ؟ قَالَ شِهَابٌ مِنْ نَارٍ يَقَعُ عَلٰى نِيَاطِ قَلْبِ أَحَدِهِمْ فَيَهْلِكُ. (رواه البيهقي في كتاب دلائل النبوة واخرجه ابن كثير في تفسير سورة البني اءة)

(۸۲۸) عَنْ جَابِرٍ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدِمَ مِنْ سَفَرٍ فَلَمَّا كَانَ قُرْبَ الْمَدِيْنَةِ هَاجَتْ رِيْحٌ شَدِيْدَةٌ تَكَادُ أَنْ تَدْفِنَ الرَّاكِبَ فَزَعَمَ أَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صلی اللہ علیہ وسلم قَالَ بُعِثَتْ هٰذِهِ الرِّيْحُ لِمَوْتِ مُنَافِقٍ فَلَمَّا قَدِمَ الْمَدِيْنَةَ فَإِذَا مُنَافِقٌ عَظِيْمٌ مِنَ الْمُنَافِقِيْنَ قَدْ مَاتَ. (رواه مسلم)

---

کھڑے ہوئے اس کے بعد آپ نے فرمایا تم نے ان کو کچھ پہچانا؟ ہیں نے عرض کیا جی نہیں یہ لوگ اپنے منہ پر ڈھاٹے باندھے ہوئے تھے لیکن ان کے اونٹوں کو پہچان لیا ہے فرمایا یہ منافقین تھے جو ہمیشہ منافق ہی رہیں گے اور تم کو کچھ یہ بھی معلوم ہے کہ ان کا ارادہ کیا تھا ہم نے عرض کیا جی نہیں۔ آپ نے فرمایا کہ خدا کے رسول کو اس گھاٹی میں گرادینا چاہتے تھے۔ ہم نے عرض کیا آپ ان سب کے قبائل کی طرف کہلا بھیجئے تاکہ وہ ان میں جو اس شرارت میں شریک تھا اس کا سر کاٹ کر آپ کی خدمت میں بھیجدیں۔ آپ نے فرمایا میں ایسا نہیں کرونگا مجھے یہ پسند نہیں کہ میرے متعلق عرب یہ چہ میگوئیاں کریں کہ محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) نے ایک قوم سے جنگ کی اور جب ان کو اللہ تعالیٰ نے ان پر غالب کردیا تو پھر وہ ان کو قتل کرنے لگا اس کے بعد آپ نے بددعا فرمائی خدایا! ان کو دبیلہ میں مبتلا فرما۔ ہم نے پوچھا یا رسول اللہ دبیلہ کیا چیز ہے فرمایا وہ ایک زہریلا پھوڑا ہے جو شعلہ کی طرح دل کی رگوں کو پھونک دیتا ہے اور موت کا باعث ہوتا ہے۔ (دلائل النبوۃ)

(۸۲۸) جابرؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ایک سفر سے واپس آرہے تھے کہ اتنی تیز ہوا چلی کہ سوار کو بھی مٹی میں دفن کردے۔ راوی کا گمان ہے کہ اس پر آپ نے فرمایا یہ ہوا ایک منافق کی موت کے لئے چلی ہے جب آپ مدینہ شریف تشریف لے آئے تو معلوم ہوا کہ منافقوں میں ایک بڑا منافق مرگیا ہے۔ (مسلم شریف)

(۸۲۹) حَدَّثَنَا اِيَاسٌ حَدَّثَنِي اَبِي قَالَ عُدْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَجُلًا مَوْعُوْكًا فَوَضَعْتُ يَدِيْ عَلَيْهِ فَقُلْتُ وَاللّٰهِ مَا رَأَيْتُ كَالْيَوْمِ رَجُلًا اَشَدَّ حَرًّا فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا اُخْبِرُكُمْ بِاَشَدَّ حَرًّا مِنْهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ هٰذَيْنِكَ الرَّجُلَيْنِ الرَّاكِبَيْنِ الْمُقَفِّيَيْنِ لِرَجُلَيْنِ حِيْنَئِذٍ مِنْ اَصْحَابِهٖ۔ (رواہ مسلم)

(۸۳۰) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ سَمِعْتُ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ يَقُوْلُ لَمَّا تُوُفِّيَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ اُبَيٍّ دُعِيَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلصَّلٰوةِ عَلَيْهِ فَقَامَ اِلَيْهِ فَلَمَّا وَقَفَ عَلَيْهِ يُرِيْدُ الصَّلٰوةَ تَحَوَّلْتُ حَتّٰى قُمْتُ فِيْ صَدْرِهٖ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعَلٰى عَدُوِّ اللّٰهِ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ اُبَيٍّ الْقَائِلِ يَوْمَ كَذَا وَكَذَا ۔ كَذَا وَكَذَا يَعُدُّ اَيَّامَهٗ قَالَ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَتَبَسَّمُ حَتّٰى اِذَا اَكْثَرْتُ عَلَيْهِ قَالَ اَخِّرْ عَنِّيْ يَا عُمَرُ اِنِّيْ قَدْ خُيِّرْتُ فَاخْتَرْتُ قَدْ قِيْلَ لِيْ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْ لَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ اِنْ تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ سَبْعِيْنَ مَرَّةً فَلَنْ يَّغْفِرَ اللّٰهُ لَهُمْ لَوْ اَعْلَمُ اَنِّيْ لَوْ زِدْتُ عَلَى السَّبْعِيْنَ غُفِرَ لَهٗ لَزِدْتُّ

(۸۲۹) ایاس اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ ہم نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ ایک تپ زدہ شخص کی عیادت کی۔ میں نے اس پر اپنا ہاتھ رکھا تو کہا خدا کی قسم کہ میں اتنا جلتا ہوا شخص جتنا آج میں نے دیکھا ہے اتنا کبھی نہیں دیکھا آپ نے فرمایا کیا میں تم کو وہ شخص نہ بتادوں جو روز محشر اس سے بھی زیادہ جلتا ہوا ہوگا پھر آپ نے اپنے ہمراہیوں میں سے دو شخصوں کی طرف اشارہ کرکے فرمایا کہ وہ یہ دو منافق ہیں جو گھوڑے پر سوار اپنا منہ پھیرے کھڑے ہیں۔ (مسلم شریف)

(۸۳۰) ابن عباسؓ روایت کرتے ہیں کہ میں نے حضرت عمرؓ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ جب عبداللہ ابی (منافق) کا انتقال ہوا تو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اس پر نماز جنازہ پڑھنے کے لئے بلایا گیا آپ تشریف لے چلے جب نماز کے ارادہ سے کھڑے ہوئے تو میں آپ کے سامنے آگیا اور میں نے عرض کیا کیا اس عبداللہ بن ابی خدا کے دشمن پر بھی آپ نماز پڑھائیں گے جس نے فلاں فلاں دن ایسے ایسے کلمات منہ سے نکالے تھے (حضرت عمرؓ نے اس کے گذشتہ ایام کے کفریات سب گن گن کر بتائے) راوی کہتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کھڑے سنتے رہے اور مسکراتے رہے حتی کہ جب میں نے حد سے زیادہ اصرار کیا تو فرمایا عمرؓ جانے بھی دو جب مجھے دو باتوں میں اختیار دیا

(۸۳۰) علماء کو یہاں پر سخت اشکال گذرا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم پر اتنی کھلی ہوئی حقیقت کیسے پوشیدہ رہ سکتی ہے یہاں تک کہ قاضی ابوبکر باقلانی نے اس حدیث کی صحت ہی سے انکار کردیا ہے۔ امام الحرمین یہ کہہ بیٹھے ہیں کہ یہ حدیث صحیح بخاری میں ہے ہی نہیں۔ امام غزالی اور داؤدی جیسے علماء نے یہ تصریح کردی ہے کہ یہ حدیث صحیح نہیں لیکن ان جیسے مقامات کا

ثُمَّ صَلَّى عَلَيْهِ وَمَشَى مَعَهُ فَقَامَ عَلَى قَبْرِهِ حَتَّى فُرِغَ مِنْهُ قَالَ فَعَجَبٌ لِي وَجُرْأَتِي عَلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهُ وَرَسُولُهُ أَعْلَمُ فَوَاللّٰهِ مَا كَانَ إِلَّا يَسِيرًا حَتَّى نَزَلَتْ هَاتَانِ الْآيَتَانِ وَلَا تُصَلِّ عَلَى أَحَدٍ مِنْهُمْ مَاتَ أَبَدًا وَلَا تَقُمْ عَلَى قَبْرِهِ إِلَى آخِرِ الْآيَةِ قَالَ فَمَا صَلَّى رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَعْدَهُ عَلَى مُنَافِقٍ وَلَا قَامَ عَلَى قَبْرِهِ حَتَّى قَبَضَهُ اللّٰهُ۔ (رواہ الترمذی، وفی الصحیحین ایضا)

(۸۳۱) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ أُبَيٍّ إِلَى رَسُولِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِينَ مَاتَ أَبُوهُ فَقَالَ أَعْطِنِي قَمِيصَكَ أُكَفِّنْهُ فِيهِ وَصَلِّ عَلَيْهِ وَاسْتَغْفِرْ لَهُ فَأَعْطَاهُ قَمِيصَهُ وَقَالَ إِذَا فَرَغْتُمْ فَآذِنُونِي فَلَمَّا أَرَادَ أَنْ يُصَلِّيَ جَذَبَهُ عُمَرُ وَقَالَ أَلَيْسَ قَدْ نَهَى اللّٰهُ أَنْ تُصَلِّيَ

---

گیا ہے تو جو میرے لئے ان میں مناسب تھی وہ میں نے اختیار کرلی ہے (مجھ سے کہا گیا ہے کہ آپ خواہ ان کے حق میں استغفار کریں یا نہ کریں۔ اگر آپ ستر بار ان کے لئے استغفار فرمائیں گے تو بھی اللہ تعالیٰ ہرگز ان کو نہ بخشے گا) اگر مجھے یقین ہو جائے کہ میں ستر بار سے زیادہ استغفار کروں تو اس کی مغفرت ہو جائے گی تو ضرور اس سے زیادہ استغفار کروں گا یہ کہہ کر آپ نے اس کی نماز پڑھا دی اور اس کے جنازہ کے ساتھ ساتھ بھی تشریف لے گئے اور اس وقت تک برابر قبر پر کھڑے رہے جب تک اس سے فراغت نہ ہو گئی۔ بخدا ابھی ذرا سا وقفہ ہی گذرا ہوگا کہ یہ دو آیتیں نازل ہو گئیں۔ ولا تقم علی قبرہ الآیۃ

اس کے بعد آخری دم تک پھر نہ تو آپ نے کسی منافق کی نماز پڑھائی نہ کسی کی قبر پر جا کر کھڑے ہوئے۔ (ترمذی)

(۸۳۱) ابن عمرؓ روایت کرتے ہیں کہ عبداللہ بن ابی کے بیٹے اپنے والد کی وفات کے بعد آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا آپ اپنی قمیص مرحمت فرما دیں تو میں اپنے باپ کو اس کا کفن دیدوں اور اس کی نماز بھی پڑھائیں اور اس کے حق میں دعاءِ مغفرت بھی فرمائیں۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے

---

رمز شناس نہ عمر جیسا شخص ہو سکتا ہے علماء کرام یہاں اپنی علمی دقتوں ہی میں الجھے رہا کرتے ہیں حقیقت یہ ہے کہ بلا شبہ امور کو آپ سے زیادہ سمجھنے والا اور کون ہو سکتا ہے لیکن اس انتہائی دلسوزی کی بنا جس کا جوش نبی کے سینہ میں ہوتا ہے نبی بقصد الفاظ کی ظاہری گنجائشوں سے فائدہ اٹھا لینا چاہتا ہے وہ اپنی امت کے معاملہ میں دوسرے خلاف پہلو کا تا امکان ذہن میں لاتا ہی نہیں جب تک کہ الفاظ میں اس کے لئے آخری گنجائش بھی ختم نہ کر دی جائے ٹھیک اسی طرح جس طرح کہ ایک ہمدرد وکیل آئین کی دستوں سے آخری حد تک فائدہ اٹھانے کی کوشش کرتا ہے بلکہ اس سے کہیں اور بڑھ کر چنانچہ اسی واقعہ میں جب صراحت سے ممانعت آگئی تو پھر کسی واقعہ میں آپ کی نماز ثابت نہیں ہوئی۔

(۸۳۱) شارحین بخاری شریف نقل کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی قمیص اتار کر اس منافق کو دی ضرور تھی مگر اس کے ساتھ یہ بھی فرما دیا تھا وما یغنی عنہ قمیصی وصلوتی من اللہ واللہ انی کنت ارجوان یسلم بہ الف من

عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ فَقَالَ اَنَا بَيْنَ خِيَرَتَيْنِ اِسْتَغْفِرْ لَهُمْ اَوْلَا تَسْتَغْفِرْ لَهُمْ فَصَلّٰى عَلَيْهِ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ وَلَا تُصَلِّ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْهُمْ مَّاتَ اَبَدًا وَّلَا تَقُمْ عَلٰى قَبْرِهٖ فَتَرَكَ الصَّلٰوةَ عَلَيْهِمْ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن صحيح)

(۸۳۲) عَنْ عَمْرِو بْنِ دِيْنَارٍ سَمِعَ جَابِرَ بْنَ عَبْدِ اللّٰهِ يَقُوْلُ كُنَّا فِيْ غَزَاةٍ قَالَ سفيان يرون انها غزوة بنی المصطلق فَكَسَعَ رَجُلٌ مِّنَ الْمُهَاجِرِيْنَ رَجُلًا مِّنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ الْمُهَاجِرِيُّ يَا لَلْمُهَاجِرِيْنَ وَقَالَ الْاَنْصَارِيُّ يَا لَلْاَنْصَارِ فَسَمِعَ ذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَا بَالُ دَعْوَى

---

اسی وقت اپنا قمیص دیدیا اور فرمایا جب اس کے غسل وغیرہ سے فارغ ہوجاؤ تو مجھے اطلاع دیدینا جب آپ اس کی نماز پڑھانے کے لئے کھڑے ہوئے تو عمرؓ نے آپ کو کھینچ لیا اور عرض کیا اللہ تعالیٰ نے اس بات سے ممانعت نہیں فرمائی کہ آپ منافقین کی نماز پڑھائیں آپ نے فرمایا مجھے دونوں باتوں میں اختیار ملا ہے خواہ ان کے حق میں استغفار کروں یا نہ کروں یہ کہہ کر اس کی نماز پڑھا دی اس کے بعد فوراً یہ آیت نازل ہوگئی ولا تصل علیٰ احد الخ پھر آپ نے منافقین پر نماز ترک فرمادی۔

(۸۳۲) عمرو بن دینار بیان کرتے ہیں کہ انھوں نے جابر بن عبداللہ کو یہ فرماتے خود سنا ہے کہ ہم ایک غزوہ میں تھے (سفیان کہتے ہیں کہ لوگوں کا خیال یہ ہے کہ وہ غزوہ غزوۂ بنی المصطلق تھا) کہ ایک مہاجر نے ایک انصاری کے لات ماردی اس پر مہاجر نے دوسرے مہاجروں کو جھگڑے کی دعوت دی اور انصاری نے دوسرے انصاروں کو

---

تو معروی انه اسلم الف من قومه لما راوه يتبرك بقميص النبی صلی الله عليه وسلم۔ بھلا اللہ تعالیٰ کے یہاں میری یہ قمیص اور نماز اس کو کیا فائدہ دیسکتی ہے مجھے تو یہ امید تھی کہ اس عمل سے شاید اس کی قوم کے ایک ہزار افراد اسلام قبول کرلیں گے۔ چنانچہ روایت میں ہے کہ جب اس کی قوم نے آپ کی شفقت ورحمت کا یہ عالم دیکھا تو ہزار افراد نے اسلام قبول کرلیا۔ ان تصریحات سے یہ صاف سمجھ میں آجاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ سارا عمل کس جذبہ کے ماتحت تھا۔ آپ اس کی قوم کے اسلام کی آس لگائے بیٹھے تھے یا یہ کہ درحقیقت اس کی مغفرت کے خیال میں تھے حضرت عمرؓ کے اصرار پر آپ کا خاموش رہے چلے جانا پھر آخر میں مسکرا دینا کیا اسی کی غمازی نہیں کررہا تھا کہ آپ یہاں ایک اہم مقصد کے پیش نظر محض آئینی وسعتوں سے فائدہ اٹھانا چاہتے تھے۔ عمرؓ اپنی طبعی حلاوت کی وجہ سے جس طرف مائل ہوئے ان کو اسی طرف مائل ہونا چاہئے تھا لیکن وہ اس عمیق حکمت تک کہاں پہنچ سکتے تھے جس کا ظہور بعد میں ہوا اور جس کی بدولت ایک جماعت اسلام کے حلقہ بگوش ہوگئی اسی کے قریب جنگ بدر میں حضرت ابوبکرؓ کا واقعہ ہے وہ بھی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی حد سے بڑھی ہوئی الحاح وزاری سے اور دردمند ہوکر اور زیادہ الحاح وزاری سے آپ کو روک رہے ہیں اور تسلی دے رہے ہیں مگر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تھے کہ اپنے پروردگار کے سامنے اتنے بے اختیار ہوتے چلے جاتے تھے کہ آپ کی ردائے مبارک بھی آپ کے شانوں سے گری جارہی تھی مقام نبوت والے ہی اس اضطراب کو یا اس واقعہ میں اتنے سکون کو پہچان سکتے ہیں۔

(۸۳۲) امام بخاریؒ نے ابواب المناقب کے باب ما ینھی عنه من دعوی الجاهلية کے ضمن میں بھی اس حدیث کو

الْجَاهِلِيَّةِ قَالُوا رَجُلٌ مِنَ الْمُهَاجِرِينَ كَسَعَ رَجُلًا مِنَ الْأَنْصَارِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعُوهَا فَإِنَّهَا مُنْتِنَةٌ فَسَمِعَ ذَالِكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ أُبَيِّ ابْنُ سَلُولَ فَقَالَ أَوَقَدْ فَعَلُوهَا لَئِنْ رَجَعْنَا إِلَى الْمَدِينَةِ لَيُخْرِجَنَّ الْأَعَزُّ مِنْهَا الْأَذَلَّ فَقَالَ عُمَرُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ دَعْنِي أَضْرِبْ عُنُقَ هٰذَا الْمُنَافِقِ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَعْهُ لَا يَتَحَدَّثُ النَّاسُ أَنَّ مُحَمَّدًا يَقْتُلُ أَصْحَابَهُ وَ قَالَ عَمْرٌو فَقَالَ لَهُ ابْنُهُ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ وَاللّٰهِ لَا تَنْقَلِبُ حَتَّى تُقِرَّ أَنَّكَ الذَّلِيلُ وَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْعَزِيزُ فَفَعَلَ ۔ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح)

آپ نے یہ غل شور سنا تو فرمایا یہ کیا زمانۂ جاہلیت کی سی آوازیں آرہی ہیں۔ لوگوں نے آپ سے عرض کیا کہ ایک مہاجر شخص نے کسی انصاری کے لات ماردی ہے (اس پر کچھ ہنگامہ برپا ہو گیا ہے) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ان ناشائستہ کلمات کو چھوڑ دو۔ یہ قصہ کہیں عبداللہ بن ابی نے بھی سن پایا اس نے کہا اچھا کیا مہاجرنے یہ فعل کیا ہے چلو ذرا مدینہ چلیں تو جو با عزت فریق ہے وہ ذلیل کو نکال باہر کریگا۔ اس پر عمرؓ نے عرض کیا یا رسول اللہ آپ اجازت دیں تو میں اس منافق کی گردن اڑا دوں آپ نے فرمایا رہنے دو۔ کہیں لوگ یہ مشہور نہ کردیں کہ میں اپنے لوگوں کو بھی قتل کر دیتا ہوں۔ عمرو بن دینار کے علاوہ بعض اور راویوں نے اس قصہ میں اتنا اور نقل کیا ہے کہ ابن اُبی کے اس گستاخانہ فقرہ پر اس کے بیٹے عبداللہ نے کہا خدا کی قسم تو مدینہ طیبہ میں اس وقت تک گھس نہیں سکتا جب تک اپنے منہ سے اس کا اقرار نہ کرلے کہ تو ہی ذلیل ہے اور معزز آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم۔ آخر اس نے اس کا اقرار کرلیا۔

روایت کیا ہے اس میں اس مہاجر شخص کے متعلق یہ لفظ روایت کئے ہیں وکان من المہاجرین رجل لعاب شارحین نے اس کے دو معنی لکھے ہیں ایک یہ کہ اس شخص کے مزاج میں خوش طبعی اور ظرافت کا مضمون تھا اور کسی نے لکھا ہے کہ یہ نیزہ گھمانا خوب جانتا تھا۔ حافظ ابن حجرؒ نے اس کا نام جہجاہ بن قیس لکھا ہے۔ عمرؓ کی درخواست پر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ مبارک کی تشریح کرتے ہوئے امام خطابیؒ تنبیہ فرماتے ہیں کہ آپ کے ان مختصر کلمات سے دینی سیاست کا ایک اہم باب کھل جاتا ہے اور وہ یہ کہ کسی شخص کا قلبی ایمان معلوم کرنے کے لئے اس کے سوا اور کیا صورت نکل سکتی ہے کہ اس کے کسی ظاہری عمل ہی کو اس کا معیار مقرر کیا جائے اب اگر منافقوں کے صرف باطنی کفر پر صریح کفر کے سے احکام لگا دیئے جاتے تو دشمنانِ دین کو یہ بدظنی پھیلانے کا موقعہ مل جاتا کہ مسلمان اسلام کے حلقہ بگوشوں کو بھی کفر باطن کا بہانہ لیکر جب چاہتے ہیں قتل کرڈالتے ہیں اس لئے اسلام کی صریح حلقہ بگوشی کے بعد بھی جان و مال کے محفوظ ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ اس پروپیگنڈے کو جھوٹا ثابت کرنے کیلئے یہ صورت اختیار کی گئی کہ جب تک کسی کے ظاہری اعمال سے بھی کفر ثابت نہ ہوجائے صرف اس کے باطنی کفر کی وجہ سے اس کو کافر قرار نہ دیا جائے۔

(۸۳۳) عَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ يَّصْعَدُ الثَّنِيَّةَ ثَنِيَّةَ الْمُرَارِ فَإِنَّهُ يُحَطُّ عَنْهُ مَا حُطَّ عَنْ بَنِيْ إِسْرَائِيْلَ قَالَ فَكَانَ أَوَّلُ مَنْ صَعِدَهَا خَيْلُنَا خَيْلُ بَنِي الْخَزْرَجِ ثُمَّ تَتَامَّ النَّاسُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّكُمْ مَغْفُوْرٌ لَهُ إِلَّا صَاحِبَ الْجَمَلِ الْأَحْمَرِ فَأَتَيْنَاهُ فَقُلْنَا تَعَالَ يَسْتَغْفِرْ لَكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ وَاللّٰهِ لَأَنْ أَجِدَ ضَالَّتِيْ أَحَبُّ إِلَيَّ مِنْ أَنْ يَّسْتَغْفِرَ لِيْ صَاحِبُكُمْ قَالَ وَكَانَ رَجُلٌ يَنْشُدُ ضَالَّةً لَهُ۔ (رواہ مسلم)

(۸۳۴) عَنِ الْأَسْوَدِ قَالَ كُنَّا فِيْ حَلْقَةِ عَبْدِ اللّٰهِ فَجَاءَ حُذَيْفَةُ حَتّٰى قَامَ عَلَيْنَا فَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لَقَدْ أُنْزِلَ النِّفَاقُ عَلٰى قَوْمٍ خَيْرٍ مِّنْكُمْ قَالَ الْأَسْوَدُ سُبْحَانَ اللّٰهِ إِنَّ اللّٰهَ يَقُوْلُ إِنَّ الْمُنَافِقِيْنَ فِي الدَّرْكِ الْأَسْفَلِ مِنَ النَّارِ فَتَبَسَّمَ عَبْدُ اللّٰهِ وَجَلَسَ حُذَيْفَةُ فِيْ نَاحِيَةِ الْمَسْجِدِ فَقَامَ عَبْدُ اللّٰهِ فَتَفَرَّقَ أَصْحَابُهُ فَرَمَانِيْ بِالْحَصَا فَأَتَيْتُهُ فَقَالَ حُذَيْفَةُ عَجِبْتُ مِنْ ضَحِكِهِ وَقَدْ عَرَفَ مَا قُلْتُ

(۸۳۳) جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اس ٹیلہ پر جس کا نام مرار ہے پہلے کون چڑھے گا کہ اس کے گناہ اسی طرح معاف ہو جائیں جیسے بنی اسرائیل کے معاف ہوئے تھے۔ یہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے ہمارے قبیلہ بنی خزرج کے گھوڑے اس پر چڑھ گئے اس کے بعد پھر سب لوگ یکے بعد دیگرے چڑھنا شروع ہو گئے آپ نے فرمایا مغفرت میں تم سب ہی شریک ہو گئے صرف وہ سرخ اونٹ والا شخص رہ گیا ہم اس کے پاس آئے اور ہم نے اس سے کہا چل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تیری بخشش کی بھی دعا کرا لیں۔ وہ بولا خدا کی قسم تمہارے ان صاحب کی مغفرت کی دعا سے میں یہ بدرجہا بہتر سمجھتا ہوں کہ میرا کھویا ہوا جانور ملجائے۔ راوی کہتا ہے کہ یہ شخص اپنا جانور تلاش کرنے کے لئے آیا ہوا تھا۔ (مسلم شریف)

(۸۳۴) اسود بیان کرتے ہیں کہ ہم حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کے حلقہ میں بیٹھے ہوئے تھے کہ حضرت حذیفہؓ آکر ہمارے سامنے کھڑے ہو گئے۔ سلام کیا اس کے بعد فرمایا (مطمئن رہنے کا مقام نہیں) نفاق ان لوگوں میں بھی پیدا ہو چکا ہے جو تم سے بہتر تھے (کیونکہ وہ عہد صحابہ میں تھے اور تم طبقہ تابعین میں ہو) یہ سن کر اسود نے ازراہ تعجب کہا سبحان اللہ یہ کیسے ہو سکتا ہے۔ اللہ تعالیٰ تو منافقین کی شان میں فرماتا ہے ان المنافقین الخ وہ دوزخ کے سب سے تحتانی طبقے میں ہوں گے۔ اس پر حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ مسکرائے۔ حضرت حذیفہؓ مسجد کے ایک گوشہ میں جا بیٹھے اس کے بعد حضرت عبد اللہؓ کی مجلس ختم ہو گئی اور ان کے شاگرد بھی متفرق ہو گئے تو حضرت حذیفہؓ نے ایک کنکری مار کر بلایا اور فرمایا مجھے حضرت عبد اللہ بن مسعودؓ کی مسکراہٹ سے تعجب ہوا وہ میری مراد

(۸۳۴) اس روایت سے بھی یہ اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ منافقین کے بارے میں سلف کا تصور کیا تھا۔

لَقَدْ اُنْزِلَ النِّفَاقُ عَلٰی قَوْمٍ کَانُوْا خَیْرًا مِّنْکُمْ ثُمَّ تَابُوْا فَتَابَ اللّٰہُ عَلَیْھِمْ (رواہ البخاری فی التفسیر)

(۸۳۵) عَنْ زَیْدِ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ خَرَجَ اِلٰی اُحُدٍ فَرَجَعَ نَاسٌ مِّمَّنْ کَانَ مَعَہٗ فَکَانَ اَصْحَابُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فِیْھِمْ فِرْقَتَیْنِ قَالَ بَعْضُھُمْ نَقْتُلُھُمْ وَقَالَ بَعْضُھُمْ لَا۔ فَنَزَلَتْ فَمَا لَکُمْ فِی الْمُنَافِقِیْنَ فِئَتَیْنِ۔ (رواہ مسلم)

(۸۳۶) عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رِجَالًا مِّنَ الْمُنَافِقِیْنَ فِیْ عَھْدِ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ کَانَ اِذَا خَرَجَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِلَی الْغَزْوِ تَخَلَّفُوْا عَنْہُ وَفَرِحُوْا بِمَقْعَدِھِمْ خِلَافَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَاِذَا قَدِمَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اِعْتَذَرُوْا اِلَیْہِ وَحَلَفُوْا وَاَحَبُّوْا اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَنَزَلَتْ لَا تَحْسَبَنَّ الَّذِیْنَ یَفْرَحُوْنَ بِمَا اَتَوْا وَّیُحِبُّوْنَ اَنْ یُّحْمَدُوْا بِمَا لَمْ یَفْعَلُوْا فَلَا تَحْسَبَنَّھُمْ بِمَفَازَۃٍ مِّنَ الْعَذَابِ۔ (رواہ مسلم)

---

سمجھ گئے تھے۔ بیشک ایک زمانہ میں تم سے بہتر لوگوں میں نفاق پیدا ہوگیا تھا لیکن آخر انھوں نے توبہ کی اور مخلصین صحابہ میں سے بن گئے اللہ تعالیٰ نے بھی ان کی توبہ قبول فرمالی۔ (پہلے حضرت حذیفہؓ نے بغرض تنبیہ صرف ان کے ابتدائی حال کو ذکر فرمایا تھا بعد میں ان کی توبہ اور اخلاص کو ذکر فرمادیا تو پھر کوئی اشکال نہ رہا۔ (بخاری شریف)

(۸۳۵) زید بن ثابت روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب جنگِ احد کے لئے نکلے تو بعض منافقین جو آپ کے ساتھ آگئے تھے واپس لوٹ گئے۔ ان لوگوں کے معاملہ میں صحابۂ کرام کی دو جماعتیں ہوگئیں ایک نے کہا ہم ان کو قتل کریں گے دوسری نے کہا نہیں۔ اس پر یہ آیت نازل ہوگئی۔ تم کو کیا ہوگیا کہ منافقین کے بارے میں تمہاری دو جماعتیں ہوگئیں۔ (مسلم شریف)

(۸۳۶) ابو سعید خدری بیان کرتے ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں منافقین کا یہ دستور تھا کہ جب آپ کسی غزوہ کے لئے تشریف لے جاتے تو یہ لوگ پیچھے رہ جاتے اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف بیٹھ کر خوش ہوا کرتے پھر جب آپ واپس تشریف لے آتے تو آپ کے سامنے اس کا کوئی نہ کوئی عذر تراش دیتے اور قسمیں کھاجاتے اور یہ چاہتے کہ جو کام وہ نہیں کرسکے اس پر بھی ان کی تعریف کی جائے اس پر یہ آیت نازل ہوگئی۔ جو لوگ اپنی کارستانیوں پر خوش ہوتے ہیں اور چاہتے ہیں کہ جو کام وہ نہیں کرتے اس پر ان کی تعریف ہو آپ یہ گمان نہ فرمائیں کہ وہ عذاب کی گرفت سے باہر ہیں۔ (مسلم شریف)

# النفاق العملی

(۸۳۷) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تَجِدُوْنَ شَرَّ النَّاسِ یَوْمَ الْقِیٰمَةِ ذَا الْوَجْهَیْنِ الَّذِیْ یَاْتِیْ هٰؤُلَآءِ بِوَجْهٍ وَهٰؤُلَآءِ بِوَجْهٍ۔ (متفق علیہ)

(۸۳۸) عَنْ عَمَّارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ کَانَ ذَا وَجْهَیْنِ فِی الدُّنْیَا کَانَ لَهٗ یَوْمَ الْقِیَامَةِ لِسَانَانِ مِنْ نَّارٍ (رواه الدارمی)

(۸۳۹) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قِیْلَ لَهٗ اِنَّا نَدْخُلُ عَلٰی سُلْطَانِنَا فَنَقُوْلُ لَهٗ بِخِلَافِ مَا نَتَکَلَّمُ اِذَا

# عملی نفاق

(۸۳۷) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا قیامت میں سب سے بدتر شخص تم اس کو پاؤ گے جو دورُخا ہو اِن کے پاس آئے تو ان کی سی باتیں بنا دے اور اُن کے پاس جائے تو ان کی سی باتیں بنا دے۔ (متفق علیہ)

(۸۳۸) عمارؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص دنیا میں دورُخی باتیں بنائے گا قیامت کے دن اس کے منہ میں آگ کی دو زبانیں ہوں گی۔ (دارمی)

(۸۳۹) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ان سے پوچھا گیا ہم لوگ جب اپنے بادشاہ کے دربار میں جاتے ہیں تو ان سے اور قسم کی باتیں بناتے ہیں اور جب ان کی مجلس سے باہر نکل آتے ہیں تو دوسری قسم کی باتیں کرتے ہیں

(۸۳۸) امام غزالیؒ تحریر فرماتے ہیں۔ واتفقوا علی ان ملاقاة الاثنین بوجہین نفاق۔ یہ متفق علیہ بات ہے کہ دو طرفہ باتیں بنانا نفاق کی خصلت ہے پھر اس کی تفصیل کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ یہ خصلت چغلخوری سے بدتر ہے کیونکہ چغلخوری تو صرف ایک دشمن کی بات دوسرے کے سامنے نقل کرنے کا نام ہے اور یہاں دو طرفہ ایک کی مخالف بات دوسرے کے سامنے نقل کرنی ہوتی ہے۔ اگر کسی نے دو دشمنوں کے کلمات نقل تو نہیں کئے مگر ان کے مخالفانہ کلمات کو سن سن کر دونوں ہی کی تصدیق کرتا رہا اور دونوں کی ہاں میں ہاں ملاتا رہا۔ یا ہر ایک کے سامنے ان کی باہم دشمنی پر تعریف کرتا رہا۔ یا ان میں سے ہر ایک کی مدد کا وعدہ کرتا رہا تو ان سب صورتوں میں اس کو ذو الوجہین اور ذو اللسانین کہا جائے گا اسے چاہئے یا تو بسبب ضرورت خاموش رہے یا ان میں سے جو حق پر ہو اس کی تعریف کرے اس کے سامنے بھی، پس پشت بھی اور اس کے دشمن کے روبرو بھی۔ (احیاء العلوم ج ۳ ص ۱۱۰)

(۸۳۹) امام بخاری نے کتاب الاحکام میں حدیث مذکور کو کسی قدر تفصیل کے ساتھ روایت کیا ہے۔ حافظ ابن رجب نے مسند امام احمد سے بروایت حذیفہؓ یہی مضمون ان الفاظ میں نقل کیا ہے انکم تتکلمون کلاما ان کنا لنعدہ علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم النفاق وفی روایة قال ان کان الرجل لیتکلم بالکلمة علی عہد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یصیر بہا منافقا وانی لاسمعہا من احدکم فی الیوم او المجلس عشر مرات۔ تم آج ایسی باتیں

خَرَجْنَا مِنْ عِنْدِہٖ قَالَ کُنَّا نَعُدُّ ھٰذَا نِفَاقًا۔ (رواہ البخاری)

(۸۴۰) عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّمَا اَخَافُ عَلٰی ھٰذِہِ الْاُمَّۃِ کُلَّ مُنَافِقٍ یَتَکَلَّمُ بِالْحِکْمَۃِ وَیَعْمَلُ بِالْجَوْرِ (رواہ البیھقی فی شعب الایمان)

(اس اختلافِ بیانی کے متعلق آپ کیا فرماتے ہیں) انھوں نے فرمایا اس حرکت کو ہم ایک قسم کا نفاق شمار کیا کرتے تھے۔ (بخاری شریف)

(۸۴۰) عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مجھے اس امت پر اگر خطرہ ہے تو صرف اس منافق کا ہے جو باتیں بڑی پُرحکمت بنائے مگر اس کے کارنامے سب ظلم کے ہوں۔ (شعب الایمان)

منہ سے نکالتے ہو جن کو ہم عہد نبوت میں نفاق شمار کیا کرتے تھے ایک روایت میں یہی مضمون اس طرح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں جس کلمہ کو زبان سے نکالنے پر آدمی منافقوں میں شمار ہو جاتا تھا آج وہ دن ہے کہ اسی کلمہ کو ہم ایک مجلس میں تمہاری زبانوں سے دس دس بار سن لیتے ہیں۔ (جامع العلوم) اللہ اکبر کتنی جلدی زمانہ کہاں سے کہاں جا پہنچا جو بات کل تک نفاق گنی جا رہی تھی آج وہ زبانوں پر بے محابا آرہی ہے۔ لیکن یہ واضح رہنا چاہئے کہ یہاں نفاق سے وہی ظاہر و باطن کا اختلاف مراد ہے پھر جس کا تقوی جتنا زیادہ تھا اس کی گرفت بھی اسی قدر باریک تھی سلف کے حالات کو اپنے حال پر قیاس نہ کرنا چاہئے ـــــ امام غزالی فرماتے ہیں کہ بادشاہوں کے سامنے جا کر اس قسم کی باتیں بنانا اس وقت نفاق شمار ہوگا جبکہ ان کے پاس جانے کی اور ثنا خوانی کی کوئی مجبوری نہ ہو۔ اب اس شخص کا جابر حکمران کی تعریفیں کرنا اور باہر آکر مذمت کرنا یقیناً بلا حاجت ہے اور نفاق ہے۔ کیونکہ اس نے محض حب جاہ و مال کے لئے اپنے ضمیر کے خلاف تعریف کی اسی لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ حب مال و جاہ قلب میں نفاق کی اس طرح پرورش کرتے ہیں جیسا پانی سبزہ کی۔ یعنی یہ دو خصلتیں انسان کو اس پر ابھارتی ہیں کہ وہ بادشاہوں کی خدمت میں جا کر اپنے ضمیر کے خلاف باتیں بنائے اور نفاق میں گرفتار ہو لیکن اگر ان کے درباروں میں جائے بغیر گذر نہ ہو اسلئے ان کی تعریف کئے بغیر کوئی چارہ نہ ہو تو اب دفع شر کے قصد سے جو تعریف ہو گی وہ نفاق شمار نہ ہوگی۔ حضرت ابو الدرداؓ فرماتے ہیں کہ ہمیں بعض مرتبہ ایسے لوگوں کے سامنے بھی دانت نکال دینے پڑتے ہیں جن پر ہمارا دل لعنت کرتا ہے۔ سلف میں جہاں اس قسم کی مثالیں ملتی ہیں ان کا دائرہ صرف ظاہری توجہ، مسکراہٹ اور کشادہ روئی کے اندر محدود ہے۔ صریح جھوٹ اور صریح تصدیق پھر بھی مکروہ عمل ہے۔ (احیاء ج ۳ ص ۱۱۰)

(۸۴۰) حافظ ابن رجب نے اسی مضمون کو حضرت عمرؓ سے بالفاظ ذیل موقوفاً نقل کیا ہے کہ ایک مرتبہ انھوں نے منبر پر فرمایا تمہارے متعلق مجھے سب سے زیادہ خطرہ اس شخص کا ہے جو منافق علیم ہو لوگوں نے پوچھا منافق ہو کر پھر اس کو علیم بھی کہا جائے یہ کیسے ہو سکتا ہے؟ فرمایا اس کی باتیں بڑی پُرحکمت ہوں گی مگر اس کا عمل حق کے خلاف ہوگا۔ حضرت حذیفہؓ سے منافق کی تعریف میں منقول ہے الذی یصف الایمان ولا یعمل بہ۔ بلال بن سعد فرماتے ہیں المنافق یقول ما یعرف ویعمل ما ینکر (جامع العلوم والحکم) یہ سب عبارتیں ایک ہی مضمون کی مختلف تعبیرات ہیں ان سب میں جزل الفاظ حضرت عمرؓ ہی کے ہیں اور یہاں نفاق سے ان کی مراد نفاق عملی ہے۔

(۸۴۱) عَنْ حُذَیْفَةَ بْنِ الْیَمَانِ قَالَ اِنَّ الْمُنَافِقِیْنَ الْیَوْمَ شَرٌّ مِّنْهُمْ عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ صلی اللہ علیہ وسلم کَانُوْا یَوْمَئِذٍ یُسِرُّوْنَ وَالْیَوْمَ یَجْهَرُوْنَ۔ (رواہ البخاری فی الفتن)

(۸۴۲) عَنْ حُذَیْفَةَ قَالَ اِنَّمَا کَانَ النِّفَاقُ عَلٰی عَهْدِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَّا الْیَوْمَ فَاِنَّمَا هُوَ الْکُفْرُ بَعْدَ الْاِیْمَانِ۔ (رواہ البخاری)

## شعب النفاق

(۸۴۳) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ مَاتَ وَلَمْ یَغْزُ وَلَمْ یُحَدِّثْ بِهٖ نَفْسَهٗ مَاتَ عَلٰی شُعْبَةٍ مِّنْ نِفَاقٍ۔ (رواہ مسلم)

---

(۸۴۱) حذیفہؓ فرماتے ہیں کہ آج کے منافق آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد کے منافقوں سے زیادہ بیباک ہیں۔ اس وقت کے منافق تو اپنا نفاق چھپاتے پھرتے تھے اور آج تو بے دھڑک ظاہر کرتے پھرتے ہیں (اور جنگ میں مقابلہ پر نکل آتے ہیں۔) (بخاری شریف)

(۸۴۲) حذیفہ فرماتے ہیں کہ نفاق کا حکم آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد پر ختم ہوگیا اب ہم اس کو ایمان کے بعد کفر یعنی ارتداد شمار کریں گے۔ (بخاری شریف)

## نفاق کے شعبے

(۸۴۳) ابوہریرہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مرگیا اور اس نے اللہ تعالیٰ کے راستہ میں نہ کبھی جنگ کی اور نہ اس کے دل میں اس کا خطرہ گذرا تو وہ اپنے ساتھ نفاق کا ایک شعبہ لے کر مرا۔ (مسلم شریف)

---

(۸۴۳) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے عہد مبارک میں غزوات ہی سے مومن مخلص اور منافق کے درمیان پورا امتیاز ہوا کرتا تھا۔ جو مومن تھے وہ تو پروانہ وار آتش جنگ میں کود پڑتے تھے اور جو منافق تھے وہ دم چرا جاتے تھے۔ درحقیقت ایک مومن کی شان یہی ہونی بھی چاہئے کہ وہ خدا اور اس کے رسول کی راہ میں اپنی جان قربان کرنے کے لئے بے چین نظر آئے اور یہی اس کا ثبوت ہوگا کہ خدا اور رسول کی محبت اس کے قلب میں تمام محبتوں پر غالب آچکی ہے۔ اگر بالفرض کوئی ایسا نادر موقعہ اس کے ہاتھ نہ آسکے تو کم از کم اس تمنا میں تو اس کا دل ہمیشہ تڑپتا رہنا چاہئے۔ اگر ایسا بھی نہیں تو یہ اس کی علامت ہوگی کہ اس کا دعویٰ ایمان صرف زبانی ہی زبانی ہے اس کا قلب جذبات محبت سے یکسر خالی ہے۔ یہ بھی ظاہر و باطن میں ایک قسم کا اختلاف ہے اس لئے اس کو بھی نفاق کا شعبہ کہا جائے گا۔

(۸۴۴) عَنْ اَبِیْ اُمَامَۃَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ الْحَیَاءُ وَالْعِیُّ شُعْبَتَانِ مِنَ الْاِیْمَانِ وَالْبَذَاءُ وَالْبَیَانُ شُعْبَتَانِ مِنَ النِّفَاقِ۔ (رواہ الترمذی)

(۸۴۵) ابوامامہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا شرم و کم سخنی اور جھجک ایمان کے دو شعبے ہیں اور بدزبانی اور زبان آوری نفاق کے دو شعبے۔ (ترمذی شریف)

(۸۴۵) عِیّ (جھجکنے) سے یہاں مراد وہ نہیں جو زبان میں کسی عیب کی وجہ سے پیدا ہو جائے بلکہ وہ ایک صفت ہے جس کی وجہ سے مؤمن بے خوفی اور بے باکی سے بات نہیں کرتا وہ اپنے ہر ہر لفظ کو کراماً کاتبین کے قلم کے تحت تصور کرتا ہے اور ایک ایک کلمہ سے خدائی محاسبہ کا خوف رکھتا ہے وہ مجمع پر اپنے زورِ بیان سے چھا جانا نہیں چاہتا اس کے تمام گفتگو میں تواضع، الفاظ میں سادگی اور بے تکلفی پائی جاتی ہے۔ غرض جب گفتگو کرتا ہے تو کسی تصنع کے بغیر بقصدِ حاجت گفتگو کرتا ہے اس کے معنی یہ نہیں کہ اس کے کلام میں فصاحت نہیں ہوتی اس کا بیان غیر مرتب اور بے مغز ہوتا ہے اور اس میں کوئی مدونی جاذبیت نہیں ہوتی بلکہ وہ اپنی ساری زیبائش و آرائش کے باوجود انتہا درجہ موثر اور نہایت پرشوکت اور وزنی بھی ہوتا ہے اس کے خلاف وہ بیان ہے جس کا مقصد اظہارِ علم اور افہامِ خصم ہو، حق کو باطل اور باطل کو حق کر کے دکھلاتا ہو اور اپنے الفاظ کے طمطراق سے مخاطب کو صرف مرعوب کر دینا ہو اسی کو حدیثوں میں تنطع اور تشدق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ بیان سرتاسر تصنع اور تکلف ہی تکلف ہوتا ہے۔ قلوب میں اس کا فوری اثر تو ہو جاتا ہے اور بااوقات اس کے ذریعہ سے بڑے بڑے انقلابات بھی رونما ہو جاتے ہیں مگر ان سب کا وجود اسلام کی نظر میں وہ نفاق کا ایک شعبہ ہی رہتا ہے یہ وہ بیان نہیں جس کو سورۂ الرحمٰن میں "وعلمہ البیان" میں بطریق امتنان فرمایا گیا ہے بلکہ وہ بیان ہے جس کی طرف غالباً وان من البیان لسحرا میں اشارہ فرمایا گیا ہے۔ اسی لئے حدیث مذکور میں بیان کے ساتھ بذاء کا لفظ اور عی کے ساتھ حیاء کا لفظ رکھا گیا ہے تاکہ معلوم ہو جائے کہ یہاں بیان سے وہ بیان مراد ہے جو انسان کی بے باکی اور بدزبانی کا اثر ہوتا ہے اسی طرح عی سے وہ کم سخنی مراد ہے جو انسان کی ایمانی حیاء کا اثر ہوتی ہے۔ خلاصہ یہ کہ مومن چونکہ شرمیلا ہوتا ہے اس لئے تڑاخ تڑاخ باتیں نہیں کرتا اور منافق چونکہ بے باک ہوتا ہے اس لئے بڑھ بڑھ کر بولنے سے نہیں جھجکتا ــــ امام ابن قتیبہؒ ابن عباسؓ سے نقل کرتے ہیں کہ ایک نوجوان نے حضرت ایوبؑ سے ان کے زمانۂ ابتلاء میں کچھ عرض کیا تو حضرت ایوب علیہ السلام نے اس سے یہ ارشاد فرمایا کیا تجھے خبر بھی ہے کہ اللہ کے کچھ بندے ایسے بھی ہیں جن کو صرف اس کے خوف نے ساکت و صامت بنا رکھا ہے، نہ وہ گونگے ہیں، نہ ان کی زبانوں میں کوئی عیب ہے بلکہ بڑے فاضل، بڑے بولنے والے بڑے فصیح و بلیغ ہیں اور اللہ اور اس کی کرشمہ سازیوں کے بڑے عارف ہیں لیکن جب ان کے سامنے خدائی عظمت کا نقشہ آ جاتا ہے تو مارے خوف کے ان کے دلوں کے ٹکڑے اڑ جاتے ہیں ان کی زبانیں گونگی ہو جاتی ہیں اور ان کی عقلیں حیران رہ جاتی ہیں۔ (تاویل مختلف الاحادیث ص ۲۸۳) پس نہ ہر بیان نفاق کا شعبہ ہے اور نہ ہر کم سخنی ایمان کا شعبہ۔ موارد مدح اور موارد ذم کو سمجھنا محض الفاظ سے حاصل نہیں ہوتا۔ اس کیلئے کیفیات نفسانیہ اور مختلف حالات کا پیش نظر رکھنا بھی ضروری ہے۔ نہ ہر کہ سر بتراشد قلندری داند۔ حدیث کے مطالب پر غور و خوض کرنے کیلئے آپ ہر جگہ اس دقیقہ پر نظر رکھئے۔

(دیکھو تاویل الاحادیث لابن قتیبہ۔ ص ۲۸۳)

(۸۴۵) عَنْ عَوْنِ بْنِ عَبْدِ اللهِ عَنْ رَجُلٍ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّ رَسُوْلَ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْحَيَاءَ وَالْعَفَافَ وَالْعِيَّ عِيَّ اللِّسَانِ لَا عِيَّ الْقَلْبِ وَالْفِقْهَ مِنَ الْاِيْمَانِ وَهُنَّ مِمَّا يَزِدْنَ فِي الْاٰخِرَةِ وَيُنْقِصْنَ مِنَ الدُّنْيَا وَمَا يَزِدْنَ فِي الْاٰخِرَةِ اَكْثَرُ وَاَنَّ الْبَذَاءَ وَالْجَفَاءَ وَالشُّحَّ مِنَ النِّفَاقِ وَهُنَّ مِمَّا يَزِدْنَ فِي الدُّنْيَا وَيَنْقُصْنَ فِي الْاٰخِرَةِ وَمَا يَنْقُصْنَ فِي الْاٰخِرَةِ اَكْثَرُ. (رواہ احمد)

## صفات المنافق

(۸۴۶) عَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللهِ صَلَّى اللهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُؤْمِنِ كَمَثَلِ الْخَامَةِ مِنَ الزَّرْعِ تُفِيْئُهَا الرِّيَاحُ تَصْرَعُهَا مَرَّةً وَتَعْدِلُهَا اُخْرٰى حَتّٰى يَاْتِيَ اَجَلُهُ وَمَثَلُ

---

(۸۴۵) عون بن عبد اللہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ایک صحابی کی وساطت سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے بلا شبہ شرم، پاکبازی، کم سخنی اور سمجھ یہ سب ایمان کی باتیں ہیں اور کم سخنی سے مراد لسانی اور زبانی طمطراق کا ترک کر دینا ہے قلبی نافہمی نہیں (یعنی وہ کم سخنی نہیں جو ناسمجھی کی وجہ سے پیدا ہو) اور یہ تمام باتیں اخروی ترقیات کا موجب ہیں اور دنیوی نقصان کا اور ان کا اخروی نفع ان کے دنیوی نقصان سے زیادہ ہے۔ اسی طرح بدزبانی، درشت مزاجی اور بخل نفاق کی باتیں ہیں اور یہ چیزیں دنیوی ترقیات کا موجب ہیں اور اخروی نقصان کا اور ان کا اخروی نقصان ان کے دنیوی نفع سے زیادہ ہے۔ (احمد)

## منافق کی صفتیں

(۸۴۶) کعب بن مالک بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ مرد مومن کی مثال گیہوں کی اس پتلی اور نازک شاخ کی سی ہے جس کو ہوائیں ادھر ادھر گراتی رہتی ہیں اس طرف کی ہوا چلی تو ادھر دے پٹخا اور اس طرف کی ہوا چلی تو پھر اس کو سیدھا کھڑا کر دیا اس کی روش یونہی رہا کرتی ہے یہانتک کہ اس کی

---

(۸۴۶) اس حدیث میں مومن و منافق کی کچھ قدرتی صفات مذکور ہیں اور ان کے اظہار سے مقصد مومن کی تسلی اور منافق کو انتباہ ہے مومن ساری دنیا کو خدا کا پیغام سناتا ہے اور سارے جہان کو اپنا مدمقابل بنا لیتا ہے پھر رحمت اس کی عملی کوتاہیوں کی طرح طرح کی مکافات کرتی رہتی ہے اس لئے وہ ہر طرف سے حوادث کی آماجگاہ بن جاتا ہے منافق کو نہ دنیا ستاتی ہے نہ وہ رحمت کے انتباہ کا اہل ہے اس کے لئے استدراج و امہال کا قانون ہے وہ ایک باغی کی طرح جب گرفتار ہوتا ہے تو ایک ہی سزا یعنی سزا موت پا لیتا ہے سبحان اللہ کتنے مختصر کلمات ہیں مگر حقیقت سے کتنے لبریز اور عبرت سے کتنے بھرے ہوئے۔

الْمُنَافِقِ كَمَثَلِ الْأَرْزَةِ الْمُجْذِيَةِ الَّتِي لَا يُصِيبُهَا شَيْءٌ حَتَّى يَكُونَ انْجِعَافُهَا مَرَّةً وَاحِدَةً (متفق علیہ)

(۸۴۷) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَثَلُ الْمُنَافِقِ كَالشَّاةِ الْعَائِرَةِ بَيْنَ الْغَنَمَيْنِ تَعِيرُ إِلَى هٰذِهِ مَرَّةً وَإِلَى هٰذِهِ مَرَّةً۔ (رواہ مسلم)

(۸۴۸) عَنْ عَامِرٍ الرَّامِ قَالَ ذَكَرَ رَسُولُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْأَسْقَامَ فَقَالَ إِنَّ الْمُؤْمِنَ إِذَا أَصَابَهُ السَّقَمُ ثُمَّ عَافَاهُ اللّٰهُ عَزَّ وَجَلَّ مِنْهُ كَانَ كَفَّارَةً لِمَا مَضَى مِنْ ذُنُوبِهِ وَمَوْعِظَةً لَهُ فِيمَا يَسْتَقْبِلُ وَإِنَّ الْمُنَافِقَ إِذَا مَرِضَ ثُمَّ عُوفِيَ كَانَ كَالْبَعِيرِ عَقَلَهُ أَهْلُهُ ثُمَّ أَرْسَلُوهُ فَلَمْ يَدْرِ لِمَ عَقَلُوهُ وَلِمَ أَرْسَلُوهُ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُولَ اللّٰهِ وَمَا الْأَسْقَامُ وَاللّٰهِ مَا مَرِضْتُ

---

موت آجاتی ہے اور منافق آدمی کی مثال اس مضبوط اور جمے ہوئے جڑ کے درخت کی سی ہے جس پر کوئی آفت نہیں آتی پھر جب اکھڑتا ہے تو ایک دم جڑ سے اکھڑ کر جا پڑتا ہے (متفق علیہ)

(۸۴۷) ابن عمرؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی مثال اس بکری کی سی ہے جو نر کی تلاش میں دو گلوں کے درمیان کبھی اس طرف اور کبھی اس طرف ماری ماری پھرتی ہے۔ (مسلم شریف)

(۸۴۸) عامر کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیماریوں کے ثواب کا تذکرہ فرمایا اس سلسلہ میں یہ بھی فرمایا کہ کامل مومن جب بیمار پڑتا ہے پھر اللہ تعالیٰ اس کو شفا دیدیتا ہے تو اس کی بیماری اس کے گذشتہ گناہوں کے لئے تو کفارہ بن جاتی ہے اور آئندہ اس کے لئے نصیحت کا باعث بن جاتی ہے لیکن جب منافق بیمار پڑتا اور شفایاب ہوتا ہے تو وہ اس اونٹ کی طرح ہوتا ہے جس کو اس کے مالک نے باندھا اور پھر کھول دیا مگر نہ وہ یہ سمجھا کہ کیوں تو اس کو باندھا اور کیوں کھولا تھا۔ حاضرین مجلس میں ایک شخص بولا میں تو

---

(۸۴۷) منافق ذلیل کی مثال اس بکری سے بڑھ کر نہیں ہو سکتی جو نر کی تلاش میں بھٹکی بھٹکی پھرتی ہے اسی طرح یہ مادہ صفت بزدل جماعت کبھی اپنے نفع کی خاطر مسلمانوں میں اور کبھی کافروں میں مارے مارے پھرتے ہیں ان کا سارا نقطۂ نظر صرف دنیا کا مال اور جان کی حفاظت ہوتا ہے مردوں کی طرح مقابلہ کی ہمت نہیں رکھتے اور عورتوں کی طرح دوسروں کی آغوش میں عافیت کے متلاشی رہتے ہیں۔ اس مرض سے نفرت پیدا کرنے کیلئے اس سے زیادہ مؤثر تشبیہ اور کیا ہوگی۔

(۸۴۸) اس حدیث کا مضمون بھی تقریباً وہی ہے جو اس باب کی پہلی حدیث کعب بن مالک کا تھا اس میں بھی یہی سمجھایا گیا تھا کہ منافق کو دنیوی مصائب کی آنچ بھی نہیں لگتی۔ باطنی اسباب کے علاوہ یہاں کچھ ظاہری اسباب بھی اس کے جمع ہو جاتے ہیں۔ اور وہ یہ کہ شرعی قیودات اور آخرت کا غم مومن کے لئے ایسا بار بن جاتے ہیں جو اس کو ابھرنے نہیں دیتے۔ منافق ان تمام غموں سے آزاد ہوتا ہے اس لئے اول تو بیمار ہی کم پڑتا ہے اور اگر پڑتا ہے تو عبرت پذیری کی اس میں کوئی روح نہیں ہوتی۔

یہاں اس شخص نے بڑی گستاخی کی کہ ایسے نازک مرحلہ پر جبکہ آپ کی محفل میں مومن و منافق کے امتیازات بیان ہو رہے تھے اپنے نفس میں خود منافقین کی صفت بیان کردی مگر لسانِ نبوت سے پھر بھی یہ ارشاد نہیں ہوا کہ جا تو منافق ہے

قَطُّ فَقَالَ قُمْ عَنَّا فَلَسْتَ مِنَّا۔ (رواہ ابوداؤد)

(۸۴۹) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُنْتَزِعَاتُ وَالْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ الْمُنَافِقَاتُ۔ (رواہ النسائی)

(۸۵۰) عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نِیَّةُ الْمُؤْمِنِ خَیْرٌ مِّنْ عَمَلِهٖ وَعَمَلُ الْمُنَافِقِ خَیْرٌ مِّنْ نِّیَّتِهٖ وَكُلٌّ یَعْمَلُ عَلٰی نِیَّتِهٖ فَاِذَا عَمِلَ الْمُؤْمِنُ عَمَلًا ثَارَ فِیْ قَلْبِهٖ نُوْرٌ (رواہ فی الحلیہ)

---

یہ بھی نہیں جانتا کہ بیماری ہے کیا چیز، خدا کی قسم میں تو کبھی بیمار نہیں پڑا۔ اس پر آپ نے فرمایا جاتو ہم میں کا نہیں (ابوداؤد)

(۸۴۹) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو عورتیں اپنے نفسوں کو اپنے شوہروں سے خلع کر کر کے علیحدہ کر لیتی ہیں یہ بھی منافق ہیں۔ (نسائی)

(۸۵۰) سہل بن سعد سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا مومن کی نیت اس کے عمل سے بہتر رہتی ہے اور منافق کا عمل اس کی نیت سے زیادہ خوشنما نظر آتا ہے اور ہر شخص کا عمل اس کی نیت کے تابع رہتا ہے۔ جب مومن کوئی عمل کرتا ہے تو اس کی وجہ سے اس کے قلب میں ایک نور چمک اٹھتا ہے۔ (منافق کی نیت چونکہ اچھی نہیں ہوتی اس لئے اس کا عمل بے نور ہوتا ہے) (حلیہ)

---

صرف اپنی غلطی کی وجہ سے اتنا ضرور ہوا کہ اس محفل میں شمار نہ ہو سکا اب اگر یہ شخص کوئی منافق ہی تھا جب تو بات ظاہر ہے ورنہ پھر بھی بڑی محرومی رہی۔

(۸۴۹) جو عورتیں نکاح کے بعد بے وجہ خلع کرنے پر تیار رہتی ہیں ان کا ظاہر و باطن بھی یکساں نہیں ہوتا۔ اگر وہ دل میں رضامند ہوتیں تو اب خلع کیوں کرتیں۔ یہی خصلت منافق کی ہے یہاں اس عمل کی مذمت ذہن نشین کرنے کے لئے مختلعات کو منافقات کا لقب دیدیا گیا ہے۔ مالک علی الاطلاق کے ساتھ فریب کرنے والا بھی منافق ہوتا ہے اور جو اپنے شوہر کے ساتھ یہ چال چلے وہ بھی اسی زمرہ میں شمار ہے۔ آپ پہلے پڑھ چکے ہیں کہ شوہر کو شریعت میں کچھ مالکانہ حقوق دیئے گئے ہیں اب بھی عوام میں شوہر کو مالک سے تعبیر کیا جاتا ہے اسی تناسب سے شوہر کی حق ناشناسی کو حدیثوں میں کفر سے بھی تعبیر کیا گیا ہے۔ اصل یہ ہے کہ من لم یشکر الناس لم یشکر اللہ۔

(۸۵۰) حدیث مذکور سند کے لحاظ سے گو کوئی بڑا پایہ نہ رکھتی ہو مگر بلحاظ مضمون بہت جزیل ہے اور اس کے ہم معنی اعلیٰ درجہ کی اور حدیثیں بھی ملتی ہیں معتبر علماء نے بھی اس کی شرح میں کافی دلچسپی لی ہے۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ انسان کی عبادات وطاعات کا تمام کارخانہ اس کے دو عملوں سے مل کر بنتا ہے۔ عملِ جوارح اور نیت۔ یہ دونوں اس کے عمل ہیں، فرق صرف یہ ہے کہ نیت قلب کا عمل ہے اور ظاہری عمل اعضاء ظاہری کا۔ اس کے یہ دونوں عمل اپنی اپنی حد پر موجب اجر ہوتے ہیں اس لئے دونوں ہی بہتر شمار ہوں گے۔ لیکن اگر سوال ان دونوں میں افضل کے متعلق ہو تو حدیث کا فیصلہ یہ ہے کہ نیت اس کے عملِ جوارح سے بہتر رہے گی اس کی وجہ یہ ہے کہ عبادت کا

# علامات النفاق

(۸۵۱) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ لِلْمُنَافِقِیْنَ عَلَامَاتٍ یُعْرَفُوْنَ بِھَا تَحِیَّتُھُمْ لَعْنَۃٌ وَطَعَامُھُمْ نُھْبَۃٌ وَغَنِیْمَتُھُمْ غُلُوْلٌ وَلَا یَقْرَبُوْنَ الْمَسَاجِدَ اِلَّا

## نفاق کی نشانیاں

(۸۵۱) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافقوں کی چند علامتیں ہیں جن کے ذریعے وہ شناخت کئے جاسکتے ہیں۔ سلام کی بجائے ان کی زبانوں پر لعنت کا لفظ رہتا ہے۔ لوٹ کا مال ان کی خوراک ہوتی ہے، خیانت کا مال ان کا مالِ غنیمت ہوتا ہے، مسجدوں کے قریب نہیں آتے بجز بیہودہ

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) جو اصل مقصد ہے اس میں جتنی تاثیر نیت کی ہوتی ہے اتنی ظاہری عمل کی نہیں ہوتی مثلاً نماز کا اصل مقصد اپنے رب کے سامنے تواضع اور اظہارِ عجز و نیاز ہے ظاہری ارکان اس کیلئے صرف ایک وسیلہ ہیں اللہ تعالیٰ نے قلب و جوارح میں ایسا محکم علاقہ رکھا ہے کہ جب قلب پر کوئی خوف و صدمہ آپڑتا ہے تو ظاہری اعضاء بھی فوراً لرزنے لگتے ہیں اسی طرح جب کسی یتیم و بیکس کے سر پر ہاتھ پھیرا جاتا ہے تو فوراً قلب میں رقت و نرمی کا اثر پیدا ہونے لگتا ہے۔ رکوع و سجود کا مقصد بھی صرف ان اعضاء کو جھکانا یا زمین پر رکھنا نہیں بلکہ قلب میں خشوع و خضوع کی کیفیت پیدا کرنی ہے پس اگر کوئی شخص دنیوی تفکرات میں گرفتار ہو کر سجدہ میں جا پڑتا ہے اور اپنا مقصد پیش نظر نہیں رکھتا تو ظاہر ہے کہ اس عمل سے اس کے قلب میں تواضع و نیاز کا کوئی اثر پیدا نہیں ہوسکتا پھر جب اس کا کوئی نفع نہ ہوا تو کیا یہ کہنا صحیح نہ ہوگا کہ یہ عبادت ہی باطل ہے کیونکہ اس کا کرنا نہ کرنا دونوں برابر ہوگئے اور اگر کہیں اس نے کسی کی نمائش و ریا کی نیت کرلی تو اب معاملہ اور سخت ہوجاتا ہے اور بجائے بطلان کے وہ عملِ خیر معصیت کی صورت اختیار کرلیتا ہے اس سے ثابت ہوگیا کہ مؤمن کے عمل سے اس کی نیت کا مرتبہ بلند ہے کیونکہ عمل خیر کی خیریت بھی نیت کی خیریت پر موقوف ہے۔ (احیاء العلوم ج ۴ ص ۳۶۳)

امام غزالیؒ کی اس شرح سے حدیث کے دوسرے جملہ کی شرح خود بخود روشن ہوجاتی ہے یعنی منافق انسان جو عملِ خیر بھی کرتا ہے اس کی روح بس اتنی ہی ہوتی ہے جو ظاہر میں نظر آرہی ہے لیکن اس کا اصل باطن یعنی نیت وہ بالکل بے روح ہوتا ہے۔ اس کا نتیجہ یہ نکلتا ہے کہ اس کے اس عمل کا اس پر کوئی اثر ظاہر نہیں ہوتا۔ اس کے برخلاف مؤمن کے عمل سے اس کا قلب منور ہوجاتا ہے جیسا کہ ابھی امام غزالی کے کلام سے معلوم ہوا۔

(۸۵۱) معلوم رہے کہ رئوسِ منافقین کے کافر ہونے کے باوجود حدیثوں میں جب ان کی علامات ذکر کی گئی ہیں تو وہ صرف چند معاصی ہیں۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ منافق کی ظاہری سطح ہمیشہ مسلمانوں ہی کے ساتھ ملتی جلتی ہے۔ اگر اس کا کفر بالکل عریاں ہوجائے تو اس کو منافق ہی کیوں کہا جائے اس لئے اس کی علامات بھی از قسم معاصی ہی ہوسکتی ہیں۔ فرق اتنا ہے کہ یہ معاصی مسلمان سے تو اتفاقاً سرزد ہوتے ہیں اور منافق کی سرشت میں داخل ہوتے ہیں۔ ان معاصی کا خلاصہ۔ بداخلاقی، مطلب پرستی، خیانت۔ اور دین سے بیزاری ہے جب انسانی اخلاق بگڑ جاتے ہیں تو اس کی زبان گندی اور اس کی حرکات خفیف ہوجاتی ہیں

هُجْرًا وَلَا يَأْتُونَ الصَّلٰوةَ إِلَّا دُبُرًا مُسْتَكْبِرِينَ لَا يَأْلَفُونَ وَلَا يُؤْلَفُونَ خُشُبٌ بِاللَّيْلِ صُخُبٌ بِالنَّهَارِ ۔ (رواہ احمد واخرجہ الحافظ ابن کثیر فی تفسیر سورۃ المنافقین)

بکواس کرتے ہوئے، اور نمازوں میں شریک نہیں ہوتے مگر سب سے آخر میں۔ اتراتے ہوئے، نہ خود کسی سے الفت رکھتے ہیں۔ نہ ان سے کوئی الفت رکھتا ہے، شب میں شہتیر کی طرح بستروں پر پڑے رہتے ہیں اور دن میں شور مچاتے پھرتے ہیں۔ (احمد)

جب اس میں امانت کا مضمون نہیں رہتا تو لوٹ کا مال اس کو مالِ طیب نظر آنے لگتا ہے اور خیانت کرنا اس کی نظر میں مالِ غنیمت کی طرح محبوب بن جاتا ہے جب اس میں مطلب پرستی کی خصلت سرایت کر جاتی ہے تو اس کے پیش نظر بجز اپنے مطلب کے اور کچھ نہیں رہتا، اس کے دل میں کسی سے الفت نہیں رہتی اور اس لئے دوسرے لوگوں کے قلوب سے بھی اس کی الفت نکل جاتی ہے۔ خود غرض انسانوں کا ہمیشہ یہی حشر ہوتا ہے اور جب قلب میں دین سے بیزاری پیدا ہو جاتی ہے تو نماز میں چستی باقی نہیں رہ سکتی۔ منافقین کی معاشی اور معادی زندگی کا یہ اتنا سچا نقشہ ہے کہ اگر کوئی شخص ان کا اس سے زیادہ نقشہ کھینچنا چاہے تو نہیں کھینچ سکتا۔ ان میں سے ایک ایک عمل تقاضائے ایمانی کے برخلاف ہے۔ ایمان امن اور امانت سے مشتق ہے وہ خیانت، خود غرضی اور ایذا رسانی کو برداشت نہیں کرتا۔ رہا نماز کا معاملہ وہ تو اس کا ایسا عمل ہے کہ قرآن کریم میں اس کو ٹھیک ایمان سے تعبیر کیا گیا ہے۔ وما کان اللہ لیضیع ایمانکم۔ اس میں سستی بھلا مومن سے کیسے ممکن ہے لیکن جس طرح خارجی اسباب کی بنا پر کبھی کبھی ایک مومن سے بھی کفر کے اعمال سرزد ہو جاتے ہیں اسی طرح کبھی کبھی اس سے نفاق کے اعمال بھی سرزد ہو جاتے ہیں۔ ایسا مسلمان جو اپنی عملی زندگی میں کھلے منافق سے کوئی امتیاز نہیں رکھتا حدیث کے الفاظ میں منافق کے لقب سے یاد کیا جاتا ہے اور جبکہ اس کا نقشۂ عمل ٹھیک منافقوں کی طرح ہو۔ تو وہ اسی کا مستحق ہے لیکن باطنی تصدیق رکھتا ہے اس لئے بلحاظ احکام اس کو اس منافق کی برابر بھی نہیں رکھا جا سکتا جس کا باطن تصدیق سے خالی ہے اس لئے فقہی تعبیرات یہاں مختلف ہو گئی ہیں۔ کسی نے اس کا نام نفاقِ عمل رکھا اور کسی نے اس کو نفاقِ اصغر کہہ دیا ہے۔

یہ بات بہت اچھی طرح سمجھ لینی چاہئے کہ کسی کلام کا مفہوم سمجھنے کیلئے اس کے ماحول کا ملحوظ رکھنا ضروری ہے اسلئے ان احادیث کو بھی اسی ماحول میں پڑھئے جبکہ ایک طرف منافقین کی جماعت تھی جو ان مذموم خصائل میں از سرتا پا غرق تھی۔ دوسری طرف مسلمانوں کی وہ جماعت تھی جو ان کو انتہائی نفرت کی نظر سے دیکھتی تھی۔ نو مسلم یا غیر صحبت یافتہ جماعت زیر بحث آ ہی نہیں سکتی یہ طبقہ کچھ عرصہ بعد یا تو مہذب و مرتب ہو کر قدیم العہد مسلمانوں کی طرح بن چکا تھا۔ اگر اسلام ان کے حلقوم کے نیچے نہیں اترا تو وہ اپنا راستہ اختیار کر چکا تھا بہر حال مسلمانوں کا وہ گروہ جس کو اسلامی جماعت کہا جاتا تھا ان زشت اعمال سے اسی درجہ بیزار تھا جتنا کہ ان کو ہونا چاہئے ان حالات میں ان احادیث میں کسی بحث کی ضرورت ہی نہ تھی لیکن ہمارے دورِ انحطاط میں جب ایک قدیم العہد مسلمان میں بھی یہ خصائل موجود نظر آنے لگے تو طلا اشتباہ معاملہ قابل بحث بن گیا اور نفاقِ اصلی اور عملی کی تقسیمیں کرنی پڑیں۔ اس سے غرض یہ نہیں کہ یہ تقسیم پہلے موجود نہ تھی بلکہ یہ مقصد ہے کہ سلف کی نظروں میں عملی نفاق بھی اصلی نفاق کی برابر نظر آتا تھا اس لئے وہ اس تقسیم کے قائل نہ تھے وہ اسلام کے خلاف اعمال میں ایسی تاویلات سوچنا ہی پسند نہیں کرتے تھے جن کی بنا پر ان اعمال کی اسلام میں کوئی گنجائش نکل سکے۔ ان کے نزدیک اسلام کے ساتھ بس اسی کے اجزاء ہونے چاہئیں اگر کفر و نفاق کی کوئی خصلت وہ کسی مسلمان میں دیکھ لیتے تو یہ ان کے نزدیک ایک غیر معقول صورت تھی اور

(۸۵۲) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اٰیَةُ الْمُنَافِقِ ثَلَاثٌ اِذَا حَدَّثَ کَذَبَ وَاِذَا وَعَدَ اَخْلَفَ وَاِذَا اؤْتُمِنَ خَانَ ۔ (رواہ البخاری)

(۸۵۳) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرْبَعٌ مَنْ کُنَّ فِیْهِ

(۸۵۲) ابوہریرہؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کی تین نشانیاں ہیں جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب وعدہ کرے تو اس کا خلاف کرے اور جب اس کے پاس امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے۔ (بخاری شریف)

(۸۵۳) عبداللہ بن عمرو روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس شخص میں یہ چاروں

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) حقیقت بھی یہی ہے کہ ایک مسلمان میں وہی اعمال نظر آنے چاہئیں جن کا اسلام تقاضا کرتا ہو اس لئے اس دور میں ایمان اور کفر و نفاق میں کوئی تقسیم نہیں تھی وہ اسلام کے مجموعۂ اعمال کو اسلام کہتے تھے اور کفر و نفاق کی ایک ایک خصلت سے انتہا درجہ بیزار تھے تقسیمیں اور تاویلیں کر کے ان کے بلند مذاق کے خلاف چیزیں تھیں۔ اس قسم کی حدیثوں کا اصل منشاء یہ تنبیہ کرنی ہے کہ مسلمان کے لئے یہ ہرگز زیبا نہیں کہ وہ اپنی زبان سے تو اسلام و ایمان کا دعویٰ کرتا رہے اور اس میں کھلے ہوئے منافق کی علامتیں پائی جائیں۔ اس کے لئے لازم ہے کہ وہ نفاق کی ایک ایک خصلت سے بیزار ہو اگر وہ اسلام کا مدعی ہے تو اپنے ظاہر و باطن میں پوری یک رنگی پیدا کرے اور اپنے نقشۂ عمل کو اتنا بدنما ہونے سے بچائے جسے دیکھ کر حکم لگانا درست ہو کہ یہ ٹھیک ایک منافق کا نقشۂ عمل ہے۔

(۸۵۳) حافظ ابن رجب حنبلی تحریر فرماتے ہیں کہ نفاق عملی اگرچہ صرف انسان کے ظاہر و باطن کے اختلاف کا نام ہے جس کی بہت شکلیں نکل سکتی ہیں مگر ان کے اصول صرف پانچ ہیں۔ (۱) جھوٹ بولنا۔ (۲) امانت میں خیانت۔ (۳) وعدہ خلافی (۴) غصہ میں آکر بے قابو ہو جانا۔ (۵) عہد کر کے غدر کرنا۔ (جامع العلوم)

قرآن کریم سے معلوم ہوتا ہے کہ منافقین نے یہ تمام چالیں جب اللہ تعالیٰ اور اس کے رسول کے ساتھ بھی چلیں تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ قیامت تک کیلئے ان کے قلوب میں نفاق کا روگ بیٹھ گیا۔ فَاَعْقَبَهُمْ نِفَاقًا فِیْ قُلُوْبِهِمْ اِلٰی یَوْمِ یَلْقَوْنَهٗ بِمَا اَخْلَفُوا اللّٰهَ مَا وَعَدُوْهُ وَبِمَا کَانُوْا یَکْذِبُوْنَ۔ بس اس بات کا یہ نتیجہ نکلا کہ ان کے دلوں میں نفاق کا روگ اس وقت تک کے لئے بیٹھ گیا کہ یہ اللہ تعالیٰ سے ملیں (یعنی اب دور ہونے والا نہیں) اور یہ اس لئے کہ انھوں نے جو اللہ تعالیٰ سے وعدہ کیا اسے جان بوجھ کر پورا نہیں کیا اور اس لئے بھی کہ وہ جھوٹ بولتے رہے۔

آیت مذکورہ بالا سے معلوم ہوا کہ وعدہ خلافی اور دروغگوئی کا ثمرہ نفاق ہو سکتا ہے۔ نیز یہ بھی معلوم ہوا کہ ان جرائم میں زیادہ شدت اس لئے پیدا ہو گئی تھی کہ انھوں نے خدا اور رسول کے معاملہ میں بھی ان کا ارتکاب جائز رکھا بلکہ اپنی عادت بنا لیا اسی طرح ان کی بقیہ بداطواریاں بھی خدا اور رسول کے ساتھ رہیں جیسا کہ سورہ براءۃ میں اس کی تفصیلات موجود ہیں۔ اس سے یہ بات بھی خوب روشن ہو گئی کہ یہ جرم جن کی اہمیت بظاہر اتنی نہ ہونی چاہئے تھی اتنی اہم کیوں بن گئیں۔ یہ معلوم ہو چکا ہے کہ نفاق کی حقیقت دھوکا دہی اور فریب کاری اور ظاہر و باطن کا اختلاف ہے ان خصائل میں سے ہر ایک خصلت میں یہ دونوں باتیں موجود ہیں یعنی

كَانَ مُنَافِقًا خَالِصًا وَمَنْ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنْهُنَّ كَانَتْ فِيهِ خَصْلَةٌ مِنَ النِّفَاقِ حَتَّى يَدَعَهَا إِذَا

باتیں جمع ہو جائیں وہ تو پورا منافق ہے اور جس میں کوئی ایک خصلت پائی جائے تو سمجھ لو کہ اس میں نفاق کی ایک

اگر کسی شخص میں یہ ساری کی ساری خصلتیں بیک وقت جمع ہو جائیں تو اس میں کیا شبہ ہے کہ وہ پورا پورا منافق ہوگا۔

ہم پہلے تنبیہ کر آئے ہیں کہ حدیث و قرآن میں بہت سے مقامات پر کفر لغت کے ہم معنی مستعمل ہے اور ایسا ہی ہونا بھی چاہیے اسی طرح نفاق بھی حدیثوں میں لغت کے مترادف مستعمل ہے۔ نفاق اصلی ہو یا نفاق عملی حقیقت لغویہ دونوں قسموں میں پوری پوری طرح ملحوظ ہے۔ اصلی منافقین کی فریب کاری کا پردہ تو خود قرآن کریم ہی نے چاک کر دیا ہے اور بہت سی آیتوں میں ان کے نفاق کی حقیقت بلفظ خداع (فریب) ہی ادا فرمائی ہے۔ رہ گئے وہ منافقین جنھوں نے خدائے تعالیٰ کو تو دھوکا دینے کا قصد نہیں کیا مگر اس کی مخلوق کو فریب دینے کا ارادہ کیا ہے ان کو حدیث نے لے لیا ہے نفاق کی یہ خطرناک قسم ہمیشہ رہی اور ہمیشہ رہے گی اس کے بعد عہد نبوت کے منافقین کی کچھ علامات ملاحظہ فرمایئے۔ بعض وہ علامات جو سورۂ براءت میں ذکر کی گئیں۔

(۱) وَسَيَحْلِفُونَ بِاللّٰهِ لَوِ اسْتَطَعْنَا لَخَرَجْنَا مَعَكُمْ يُهْلِكُونَ أَنْفُسَهُمْ وَاللّٰهُ يَعْلَمُ إِنَّهُمْ لَكَاذِبُونَ — قسمیں کھا کر کہیں گے اگر ہم مقدور رکھتے تو ضرور تمہارے ساتھ (جنگ کے لیے) نکلتے (یہ قسمیں کھا کر) اپنے کو ہلاکت میں ڈال رہے ہیں اور اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ یہ قطعاً جھوٹے ہیں۔

(۲) إِنَّمَا يَسْتَأْذِنُكَ الَّذِينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْآخِرِ وَارْتَابَتْ قُلُوبُهُمْ فَهُمْ فِي رَيْبِهِمْ يَتَرَدَّدُونَ — تجھ سے اجازت طلب کرنے والے تو وہی ہیں جو اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان نہیں رکھتے اور اپنے شک میں پڑے تردد کر رہے ہیں۔

(۳) لَوْ خَرَجُوا فِيكُمْ مَا زَادُوكُمْ إِلَّا خَبَالًا وَلَأَوْضَعُوا خِلَالَكُمْ يَبْغُونَكُمُ الْفِتْنَةَ — اگر یہ تم مسلمانوں میں رگھل مل نکلتے تو تمہارے اندر سوائے خرابی کے کسی چیز کا اضافہ نہ کرتے اور ضرور تمہارے درمیان فتنہ انگیزی کے گھوڑے دوڑاتے (کہ ادھر کی بات اُدھر اور اُدھر کی اِدھر لگاتے)۔

(۴) إِنْ تُصِبْكَ حَسَنَةٌ تَسُؤْهُمْ وَإِنْ تُصِبْكَ مُصِيبَةٌ يَقُولُوا قَدْ أَخَذْنَا أَمْرَنَا مِنْ قَبْلُ وَيَتَوَلَّوْا وَهُمْ فَرِحُونَ — اگر تمہیں کوئی اچھی بات پیش آجائے تو ان منافقین کو بری لگے اور اگر کوئی مصیبت پیش آجائے تو کہنے لگیں اسی خیال سے ہم نے پہلے ہی احتیاطی تدابیر کر لی تھیں اور پھر گردن موڑ کر خوش خوش چل دیں۔

(۵) وَمَا مَنَعَهُمْ أَنْ تُقْبَلَ مِنْهُمْ نَفَقَاتُهُمْ إِلَّا أَنَّهُمْ كَفَرُوا بِاللّٰهِ وَبِرَسُولِهِ وَلَا يَأْتُونَ الصَّلَاةَ إِلَّا وَهُمْ كُسَالَىٰ وَلَا يُنْفِقُونَ إِلَّا وَهُمْ كَارِهُونَ — اور ان کا خرچ کیا ہوا مال قبول نہیں کیا گیا مگر صرف اس لیے کہ انھوں نے اللہ اور اس کے رسول سے انکار کیا اور نہیں آتے نماز میں مگر کاہلی کے ساتھ اور خرچ نہیں کرتے مگر ناگواری کے ساتھ۔

(۶) لَوْ يَجِدُونَ مَلْجَأً أَوْ مَغَارَاتٍ أَوْ مُدَّخَلًا لَوَلَّوْا إِلَيْهِ وَهُمْ يَجْمَحُونَ — اگر انھیں پناہ کی کوئی جگہ مل جائے یا کوئی غار یا اور کوئی چھپ بیٹھنے کا کوئی سوراخ تو سر دوڑ کر اسی کا رخ کریں۔

(۷) وَمِنْهُمْ مَنْ يَلْمِزُكَ فِي الصَّدَقَاتِ فَإِنْ أُعْطُوا مِنْهَا رَضُوا وَإِنْ لَمْ يُعْطَوْا مِنْهَا إِذَا هُمْ يَسْخَطُونَ — اور ان میں کچھ لوگ ایسے ہیں کہ مال زکوٰۃ بانٹنے میں تجھ پر عیب لگاتے ہیں۔ پھر خود ان کی (دون ہمتی) کی حالت یہ ہے کہ اگر انھیں اس میں سے کچھ دے دیا جائے تو خوش ہو جائیں نہ دیا جائیں تو بس بگڑ بیٹھیں۔

(۸) وَلَئِنْ سَأَلْتَهُمْ لَيَقُولُنَّ إِنَّمَا كُنَّا نَخُوضُ — اگر تم ان سے پوچھو (ایسی کفر کی باتیں کیوں کرتے ہو) تو یہ ضرور جواب

اُؤتُمِنَ خَانَ وَاِذَا حَدَّثَ كَذَبَ وَاِذَا عَاهَدَ غَدَرَ وَاِذَا خَاصَمَ فَجَرَ۔ (متفق علیہ)

خصلت پیدا ہو گئی یہاں تک کہ اس کو چھوڑ نہ دے، جب اس کے پاس کوئی چیز امانت رکھی جائے تو اس میں خیانت کرے، جب بات کرے تو جھوٹ بولے، جب عہد کرے تو توڑ ڈالے اور جب جھگڑا کرے تو بے قابو ہو جائے۔ (متفق علیہ)

وَنَلْعَبُ قُلْ اَبِاللّٰهِ وَاٰيٰتِهٖ وَرَسُوْلِهٖ كُنْتُمْ تَسْتَهْزِءُوْنَ

تھی کہیں ہم نے تفریح اور مذاق کے طور پر بات کہی تھی تم ان سے کہو کیا تم اللہ کے ساتھ، اس کی آیتوں کے ساتھ اور اس کے رسول کے ساتھ مذاق کرتے تھے۔

(۹) اَلْمُنٰفِقُوْنَ وَالْمُنٰفِقٰتُ بَعْضُهُمْ مِّنْ بَعْضٍ يَاْمُرُوْنَ بِالْمُنْكَرِ وَيَنْهَوْنَ عَنِ الْمَعْرُوْفِ وَيَقْبِضُوْنَ اَيْدِيَهُمْ

منافق مرد اور منافق عورتیں سب باہم ایک ہیں۔ برائی کرنے کا اور اچھی باتوں سے روکنے کا حکم دیتے ہیں اور راہ خدا میں خرچ کرنے سے اپنے ہاتھ کھینچے ہیں۔

(۱۰) وَمِنْهُمْ مَّنْ عٰهَدَ اللّٰهَ لَئِنْ اٰتٰىنَا مِنْ فَضْلِهٖ لَنَصَّدَّقَنَّ وَلَنَكُوْنَنَّ مِنَ الصّٰلِحِيْنَ فَلَمَّا اٰتٰىهُمْ مِّنْ فَضْلِهٖ بَخِلُوْا بِهٖ وَتَوَلَّوْا وَّهُمْ مُّعْرِضُوْنَ۔

اور ان میں کچھ لوگ ایسے بھی ہیں جنہوں نے اللہ تعالیٰ سے عہد کیا تھا کہ اگر وہ اپنا فضل (مال و دولت) عطا فرما دے تو ہم ضرور خیرات کریں گے اور ضرور نیکوں میں شامل ہونے کی سعی کریں گے پھر جب اللہ تعالیٰ نے انہیں اپنا فضل (مال) عطا فرمایا تو انہیں کنجوسی کرنے لگے اور اپنے عہد سے پھر گئے۔

(۱۱) اَلَّذِيْنَ يَلْمِزُوْنَ الْمُطَّوِّعِيْنَ مِنَ الْمُؤْمِنِيْنَ فِي الصَّدَقٰتِ وَالَّذِيْنَ لَا يَجِدُوْنَ اِلَّا جُهْدَهُمْ فَيَسْخَرُوْنَ مِنْهُمْ

وہ اصل جو لوگ خوش دلی سے خیرات کرنے والے مومنوں پر نکتہ چینی کرتے ہیں اور جن مومنوں کو اپنی محنت مشقت کی کمائی کے سوا اور کچھ میسر نہیں ان پر تمسخر کرتے ہیں۔

آیاتِ بالا سے جو مضامین نتائج برآمد ہوتے ہیں وہ حسب ذیل ہیں۔

۱ و ۲ - جہاد کے موقعہ پر جھوٹی قسمیں کھا کر جان بچا لینا۔

۳ - اور اگر شریک ہوں تو ان میں فتنہ پردازی کی فکر رکھنا۔

۴ - مسلمانوں کی خوشی میں ناخوش ہونا اور ان کی ناخوشی میں خوش ہونا۔

۵ - نمازوں میں کاہلی سے شریک ہونا اور جب خرچ کرنا تو بے دلی سے مجبور ہو کر۔

۶ - اپنی اس دورخی پالیسی کی وجہ سے ہر وقت ڈرتے سہمے رہنا اور اس تردد میں پڑے رہنا کہ فتح و نصرت کے جو وعدے مسلمانوں سے کئے گئے ہیں کہیں وہ پورے ہی نہ ہو جائیں جیسا کہ ۶ آیت سے ظاہر ہے۔

۷ و ۱۱ - مسلمانوں اور خدا کے رسول پر نکتہ چینی کرنا غرض کے ایسے بندے کہ ان کی خوشی و ناخوشی کا مدار صرف متاع دنیوی ہونا۔

۸ - خدا اور رسول کے ساتھ استہزاء اور جب تحقیق کی جائے تو مذاق و تفریح کا بہانہ بنا دینا۔

۹ - ان کا اصل رشتہ تعلق منافقوں کے ساتھ ہونا امر بالمعروف کے بجائے بری باتوں کا حکم دینا اور بھلی باتوں سے روکنا۔

۱۰ - خدا کے ساتھ عہد کر کے توڑ دینا۔

جب آپ ان خصائل پر غور فرمائیں گے تو آپ کو معلوم ہو گا کہ یہ ٹھیک وہی خصائل ہیں جو مسند امام احمد اور متفق علیہ حدیث میں پہلے آپ کی نظر سے گذر چکے ہیں۔ وہی دروغ گوئی، وہی وعدہ خلافی، وہی خود غرضی، وہی بداخلاقی اور وہی خیانت کی باتیں جو آپ نے حدیثوں میں پڑھیں۔ ان آیات میں ان کی تفصیلات موجود ہیں۔ یہ بری خصلتیں اگر صرف انسانوں ہی کے درمیان ہوں تو کیا کم ہیں۔ چہ جائے کہ بندہ اور اس کے مولیٰ کے درمیان ہوں، جھوٹی قسمیں کھا کے، وعدہ خلافی سے

# الكذب

(۸۵۴) عَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَيْلٌ لِمَنْ يُحَدِّثُ فَيَكْذِبُ لِيُضْحِكَ بِهِ الْقَوْمَ وَيْلٌ لَهٗ وَيْلٌ لَهٗ (رواه احمد والترمذی وابوداؤد والدارمی)

(۸۵۵) عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا كَذَبَ الْعَبْدُ تَبَاعَدَ عَنْهُ الْمَلَكُ مِيْلًا مِنْ نَتْنِ مَا جَاءَ بِهٖ (رواه الترمذی)

## دروغ گوئی

(۸۵۴) بہز بن حکیم اپنے والد سے وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا، اس شخص پر افسوس صد افسوس جو صرف اتنی بات کے لئے جھوٹ بولتا ہے کہ لوگوں کو خوش کردے اور ان کو ذرا ہنسا دے۔ (احمد- ترمذی- ابوداؤد- دارمی)

(۸۵۵) ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جب کوئی بندہ جھوٹ بولتا ہے تو خدا کا فرشتہ اس کلمہ کی بدبو سے ایک میل دور چلا جاتا ہے۔ (ترمذی)

(بقیہ از صفحہ گذشتہ) وعدے کرے کہ اگر تو مجھ کو غنی کردے تو میں تیری راہ میں سخاوت سے خرچ کروں پھر اس وعدہ کو پورا نہ کرے اسدرجہ خود غرض ہوجائے کہ صرف مال اس کی خوشی ناخوشی کا محور بن جائے عام مسلمانوں کی خوشی وناخوشی سے کوئی واسطہ ہی نہ رہے اخلاق کی بدتری کی یہ نوبت آجائے کہ خدا کے مقدس رسول اور اس کی مخصوص جماعت پر نکتہ چینی اور ان پر استہزاء و مذاق کی عادت پڑجائے عبادات بدنیہ و مالیہ سے اتنی بے اتفاقی کہ نہ یہ ادا ہوسکیں نہ وہ، مکروفریب کا یہ عالم کہ ہر قربانی کے موقعہ پر جان چھڑانے کیلئے بہانہ بنالے اور اگر بھجانہ چھوٹے تو پھر مسلمانوں کو جا کر طرح طرح بہکانا۔ منافقین کے یہ تمام خصائل خدا اور رسول اور عامۂ مومنین کی باخبری زندگی میں اس طرح پھیلے رہے کہ پھر ان میں سے ایک ایک خصلت نفاق کی ایک ایک علامت بن گئی۔ یہاں یہ تفصیلات کیا کی جاسکتی تھیں کہ کس کا تعلق براہ راست خدا تعالیٰ کے ساتھ اور کس کا مخلوق کے ساتھ ہے، تو صرف نیت اور باطن کی بات تھی اس لئے صرف خصائل کو نفاق کی علامت قرار دیدیا گیا اور جس میں یہ سب خصلتیں جمع ہوجائیں اس کو تنبیہ کردی گئی کہ اب اس کا نقشۂ زندگی ٹھیک ٹھیک منافق کی برابر ہوگیا ہے اگر وہ مدعی ایمان ہے تو یہ نقشہ اس کیلئے مناسب نہیں۔

(۸۵۴) امراء اور بڑے لوگوں کے دربار میں کچھ لوگ ظریف بھی مقرر ہوا کرتے تھے جن کے سپرد صرف یہی خدمت ہوتی تھی کہ وہ جھوٹ یا سچ بول کر ان کی محفل کو گرم کیا کریں۔ اسلام نے اس کو صرف ایک کذب ہی کا مرتبہ نہیں دیا بلکہ انسانیت اور اخلاق سے گری ہوئی بات قرار دی ہے کہ ایک انسان صرف اپنے جیسے انسان کی خاطر ایسی خفیف حرکات پر آمادہ ہوجائے۔

(۸۵۵) تلخی اور شیرینی کی طرح خوشبو اور بدبو بھی روحانیات کے عالم میں محسوسات میں سے ہیں ان کو مجاز اور استعارات پر حمل نہ کرنا چاہئے بلکہ ہمت بلند کرکے وہ قدم اٹھانا چاہئے جہاں حاسۂ شامہ کو وہ قوت میسر آجائے کہ صدق و کذب کی خوشبو اور بدبو بھی عام خوشبو اور بدبو کی طرح محسوس ہونے لگے۔

(۸۵۶) عَنْ عَبْدِ اللّٰہِ بْنِ عَامِرٍ قَالَ دَعَتْنِیْ اُمِّیْ یَوْمًا وَرَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَاعِدٌ فِیْ بَیْتِنَا فَقَالَتْ ھَا تَعَالَ اُعْطِیْكَ فَقَالَ لَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَا اَرَدْتِ اَنْ تُعْطِیْہِ قَالَتْ اَرَدْتُ اَنْ اُعْطِیَہٗ تَمْرًا فَقَالَ لَھَا رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَمَا اِنَّكِ لَوْ لَمْ تُعْطِیْہِ شَیْئًا كُتِبَتْ عَلَیْكِ كِذْبَۃٌ۔ (رواہ ابوداؤد والبیھقی فی شعب الایمان قال ابن رجب الحنبلی وفی اسنادہ من لا یعرف نعم ذکرہ الزھری عن ابی ھریرۃ من قولہ۔

(۸۵۷) عَنْ خُرَیْمِ بْنِ فَاتِكٍ قَالَ صَلّٰی رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ صَلٰوۃَ الصُّبْحِ فَلَمَّا انْصَرَفَ قَامَ قَائِمًا فَقَالَ عُدِلَتْ شَھَادَۃُ الزُّوْرِ بِالْاِشْرَاكِ بِاللّٰہِ ثَلٰثَ مَرَّاتٍ ثُمَّ قَرَأَ فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ وَاجْتَنِبُوْا قَوْلَ الزُّوْرِ حُنَفَاءَ لِلّٰہِ غَیْرَ مُشْرِكِیْنَ بِہٖ (رواہ ابوداؤد وابن ماجہ ورواہ احمد والترمذی عن ایمن بن خریم الا ان ابن ماجۃ لم یذکر القراٰن)

(۸۵۶) عبداللہ بن عامر کہتے ہیں کہ ایک دن میری والدہ نے مجھے بلایا، اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہمارے گھر میں رونق افروز تھے میری والدہ نے کہا ادھر آ میں تجھے کچھ دوں گی۔ آپ نے پوچھا تم نے اس کو کیا چیز دینے کا ارادہ کیا ہے وہ بولیں میں نے ایک کھجور دینے کا ارادہ کیا ہے آپ نے فرمایا اگر کہیں تم نے یہ ارادہ نہ کیا ہوتا تو اتنی سی خلاف واقع بات بھی تمہارے نامۂ اعمال میں ایک جھوٹ لکھدی جاتی۔ (ابوداؤد و بیہقی)

(۸۵۷) خریم بن فاتک بیان کرتے ہیں کہ ایک بار رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صبح کی نماز ادا فرمائی جب فارغ ہو چکے تو کھڑے ہو کر فرمایا (آج) جھوٹی شہادت شرک کے برابر کردی گئی۔ تین بار فرمایا۔ اس کے بعد قرآن کی یہ آیت تلاوت فرمائی فَاجْتَنِبُوا الرِّجْسَ مِنَ الْاَوْثَانِ۔ بتوں کی نجاست سے بچو اور جھوٹی شہادت سے بھی اجتناب کرو۔ (احمد۔ ترمذی)

(۸۵۶) اسلام کی پاکیزگی اور نزاہت ان جیسے روزمرہ اور چھوٹے چھوٹے معاملات کے ضمن میں دیکھنی چاہیے جہاں صدق و کذب کا وہم و گمان بھی نہیں گذرتا۔ اسلام وہاں بھی زبان پر اپنا محاسبہ قائم کرتا ہے۔ اس سے یہ اندازہ لگایا جاسکتا ہے کہ کس قسم کے مواقع پر توریہ کی اجازت دی جاسکتی ہے۔ بے محل توریہ کرنا بھی ایک قسم کا فریب اور جھوٹ ہے۔

(۸۵۷) قرآن کی آیت بالا میں شرک اور بت پرستی کے ساتھ ہی جھوٹی شہادت سے ممانعت فرمائی گئی ہے اس سے معلوم ہوا کہ شرعی نظر میں ان تینوں کے مابین کوئی اندرونی تناسب ہے۔ قرآن کریم جب ایک سیاق میں چند امور کو ذکر کرتا ہے تو وہ ضرور کسی تناسب کی بنا پر ہی ذکر کرتا ہے گویا شہادتِ زور ایسی چیز ہے جس کو اسلام سے کوئی تناسب نہیں اگر ہے تو شرک سے ہے۔

(۸۵۸) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَحْلِفُ اَحَدٌ عِنْدَ مِنْبَرِیْ ھٰذَا عَلٰی یَمِیْنٍ اٰثِمَۃٍ وَعَلٰی سِوَاکٍ اَخْضَرَ اِلَّا تَبَوَّأَ مَقْعَدَہٗ مِنَ النَّارِ اَوْ وَجَبَتْ لَہُ النَّارُ۔ (رواہ مالک ابوداؤد وابن ماجہ)

(۸۵۹) عَنْ عَائِشَۃَ قَالَتْ مَا کَانَ خُلُقٌ اَبْغَضَ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مِنَ الْکِذْبِ وَلَقَدْ کَانَ الرَّجُلُ یَکْذِبُ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ الْکِذْبَۃَ فَمَا یَزَالُ فِیْ نَفْسِہٖ عَلَیْہِ حَتّٰی یَعْلَمَ اَنَّہٗ قَدْ اَحْدَثَ مِنْھَا تَوْبَۃً۔ (رواہ احمد)

(۸۶۰) عَنْ صَفْوَانَ اَنَّ رَجُلًا قَالَ لِرَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَکْذِبُ اِمْرَأَتِیْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا خَیْرَ فِی الْکِذْبِ فَقَالَ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اَعِدُھَا وَاَقُوْلُ لَھَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا جُنَاحَ عَلَیْکَ۔ (رواہ مالک)

---

(۸۵۸) جابرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص بھی میرے منبر کے پاس آکر جھوٹی قسم کھائے اگرچہ وہ ایک سبز مسواک کے معاملہ میں ہو اس نے اپنا ٹھکانا دوزخ میں کرلیا یا اس کے لئے دوزخ کا عذاب واجب ہوگیا (راوی کو شک ہے)۔ (مالک۔ ابوداؤد۔ ابن ماجہ)

(۸۵۹) حضرت عائشہؓ روایت فرماتی ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے نزدیک جھوٹ سے زیادہ اور کوئی عادت قابلِ نفرت نہ تھی کوئی شخص آپ کے سامنے جھوٹ بولتا جب تک وہ اس سے توبہ نہ کرلیتا آپ کے قلبِ مبارک میں اس کی طرف سے ناگواری کا اثر برابر محسوس ہوا کرتا۔ (احمد)

(۸۶۰) صفوان سے روایت ہے کہ ایک شخص نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا میں اپنی بی بی سے جھوٹ بول سکتا ہوں؟ فرمایا جھوٹ میں تو کوئی بھلائی نہیں، اس نے عرض کیا اچھا تو پھر اس سے وعدہ کرلوں۔ آپ نے فرمایا اس میں کوئی مضائقہ نہیں۔ (احمد)

---

(۸۵۸) غرض یہ ہے کہ جھوٹ کی انواع جتنی سخت ہوتی جائیں گی اس کا عذاب بھی اتنا ہی سخت ہوتا چلا جائیگا جھوٹی شہادت اور جھوٹی قسم سے جہاں ایک گناہ کبیرہ لازم آتا ہے اسی کے ساتھ نظامِ عالم بھی برباد ہوتا ہے گناہ کا تعلق انسان کی ذات سے ہے اور نظام کی تباہی کا سب انسانوں سے۔ شریعت میں حقوق العباد کو حقوق اللہ پر اس لئے جا بجا اہمیت دی گئی ہے کہ حقوق العباد محتاج انسانوں کے حق ہیں اور حقوق اللہ ایک بے نیاز کا۔

(۸۶۰) زن و شوہر کے تعلقات کو شریعت میں بڑی اہمیت دی گئی ہے۔ اگر بی بی کی رضامندی کے لئے شوہر کوئی تسلی آمیز کلمہ اپنی زبان سے نکالدے تو خاص اس موقعہ کے لئے اس کو وسعت دی گئی ہے صدق کی بحث میں آپ اس کی تفصیلات پڑھ چکے ہیں۔

(۸۶۱) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ تَرَکَ الْکِذْبَ وَھُوَ بَاطِلٌ بُنِیَ لَہٗ فِیْ رَبَضِ الْجَنَّۃِ وَمَنْ تَرَکَ الْمِرَاءَ وَھُوَ مُحِقٌّ بُنِیَ لَہٗ فِیْ وَسَطِ الْجَنَّۃِ وَمَنْ حَسَّنَ خُلُقَہٗ بُنِیَ لَہٗ فِیْ اَعْلَاھَا۔ (رواہ الترمذی)

(۸۶۲) عَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اِیَّاکُمْ وَالظَّنَّ فَاِنَّ الظَّنَّ اَکْذَبُ الْحَدِیْثِ وَلَا تَحَسَّسُوْا وَلَا تَجَسَّسُوْا وَلَا تَنَاجَشُوْا وَلَا تَحَاسَدُوْا وَلَا تَبَاغَضُوْا وَلَا تَدَابَرُوْا وَکُوْنُوْا عِبَادَ اللّٰہِ اِخْوَانًا۔ (رواہ البخاری)

(۸۶۱) انسؓ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے جھوٹ بولنا چھوڑ دیا حالانکہ وہ بری اور بیکار بات ہے اس کا صحن جنت میں مکان بنایا جائے گا اور جس نے جھگڑا کرنا چھوڑا حالانکہ وہ حق پر تھا اس کے لئے وسط جنت میں مکان بنے گا۔ اور جس نے اپنے اخلاق درست کر لئے اس کے لئے جنت کے اعلیٰ طبقہ میں مکان بنایا جائے گا۔ (ترمذی)

(۸۶۲) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دیکھو خبردار بدگمانی سے بچو کیونکہ بدگمانی ایک بدترین جھوٹ ہے اور لوگوں کے عیوب تلاش کرنے کی فکر میں نہ رہو، دھوکا بازی مت کرو۔ باہم ایک دوسرے پر حسد نہ کرو، آپس میں بغض نہ رکھو، غصہ کے ساتھ ایک دوسرے سے منہ نہ پھیرو اور سب اللہ کے بندے بھائی بھائی کی طرح بن جاؤ۔ (بخاری شریف)

(۸۶۱) جھوٹ بولنا اور جھگڑا کرنا دونوں نفاق کی خصلتیں ہیں جس میں جھگڑا کرنا جھوٹ سے زیادہ سخت ہے جھوٹ باطل ہو کر چھوڑنے کی چیز ہے اور جھگڑنا سچے معاملہ میں بھی پسندیدہ نہیں۔ عدالتی چارہ جوئی جدا چیز ہے جس کو عرف میں جھگڑا کہتے ہیں وہ سچے معاملات میں بھی اعلیٰ اخلاق سے گری ہوئی بات ہے اسی لئے فرمایا کہ جس نے اپنے اخلاق سنوار لئے اس نے تو جنت کے اعلیٰ طبقہ کا سامان کر لیا۔

(۸۶۲) اس حدیث میں یہ تنبیہ کی گئی ہے کہ ایک مومن کی صدق و صفا کی منزل صرف اس کے نطق پر جا کر ختم نہیں ہو جاتی بلکہ وہ اس سے گزر کر اس کے ظنون اور خیالات تک بھی پہنچتی ہے یعنی خلاف واقع بات منہ سے نکالنا اور کسی کے متعلق واقع کے خلاف بدگمانی کرنا دونوں جھوٹ ہیں اور دونوں میں بڑھ کر جھوٹ یہ دوسرا جھوٹ ہے۔ کسی سوسائٹی کا سب سے بڑا عیب یہ ہوتا ہے کہ اس میں باہم ایک دوسرے کے عیوب کی چھان بین کی جائے اس عادت بد سے باہم منافرت پھیلتی ہے اور نفسیاتی لحاظ سے جو عیب پہلے نہ تھے ان کے بھی جراثیم پیدا ہونے لگتے ہیں اس کے برخلاف حسن ظن سے انس و محبت کی فضا پیدا ہوتی ہے اور ایک دوسرے کے نفس میں شرافت و کرم کے آثار نمایاں ہونے لگتے ہیں۔ پھر مسلمانوں کے اس عام حسن ظن کی بنا پر رحمت خداوندی بھی ان کے ساتھ ان کے ظن کے مطابق معاملہ کرتی ہے۔ معاملات کو تا امکان ظاہر کے تابع رکھنا اور بلاوجہ درپے تجسس ہونا اجتماعی حیاۃ کا ایک اہم اصول ہے۔ سورۂ حجرات میں آیۃ ولا تجسسوا میں اسی کی طرف اشارہ فرمایا گیا ہے۔

(۸۶۳) عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ تَحَلَّمَ بِحُلْمٍ لَمْ يَرَهُ كُلِّفَ اَنْ يَعْقِدَ بَيْنَ شَعِيْرَتَيْنِ وَلَنْ يَفْعَلَ وَمَنِ اسْتَمَعَ اِلٰى حَدِيْثِ قَوْمٍ وَهُمْ لَهُ كَارِهُوْنَ اَوْ يَفِرُّوْنَ مِنْهُ صُبَّ فِيْ اُذُنِهِ الْاٰنُكُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ صَوَّرَ صُوْرَةً عُذِّبَ وَكُلِّفَ اَنْ يَنْفُخَ فِيْهَا وَلَيْسَ بِنَافِخٍ۔ (رواہ البخاری)

(۸۶۴) عَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اَفْرَى الْفِرٰى اَنْ يُرِيَ عَيْنَيْهِ مَا لَمْ تَرَيَا۔ (رواہ البخاری)

(۸۶۳) ابن عباسؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا ہے جو شخص جھوٹا خواب بنائے (قیامت میں) اس کو حکم دیا جائے گا کہ وہ دو جو کے دانوں میں گرہ لگائے (جیسا اس نے دنیا میں گرہ بندی کی تھی) اور ظاہر ہے کہ یہ ہرگز اس کی قدرت میں نہ ہوگا (اور جو شخص لوگوں کی باتیں کان لگا کر سنے گا اس حال میں کہ وہ اس کو ناپسند کرتے ہوں یا اس سے بھاگتے ہوں (راوی کو شک ہے) تو قیامت کے دن اس کے کانوں میں سیسہ پگھلا کر ڈالا جائے گا اور جو شخص کسی جاندار کی صورت بنائے، اس سے کہا جائے گا کہ اس میں روح بھی ڈال اور ظاہر ہے کہ وہ روح ڈال نہیں سکے گا (بالآخر اس کو بھی عذاب ہوگا۔ (بخاری شریف)

(۸۶۴) ابن عمرؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا سب سے بدنما بہتان یہ ہے کہ آدمی اپنی آنکھوں کے متعلق ایسی چیز کا دیکھنا بیان کرے جو انھوں نے نہیں دیکھی یعنی (جھوٹا خواب بنائے۔) (بخاری شریف)

(۸۶۴) ان دونوں حدیثوں کا حاصل یہ ہے کہ صدق وصفا کا احاطہ صرف حالتِ بیداری تک ختم نہیں ہوتا، بلکہ حالتِ نوم تک بھی پہنچتا ہے۔ اگر کوئی شخص حالتِ خواب کے متعلق بھی کوئی جھوٹا کلمہ کہے تو وہ بھی سخت مجرم ہے بلکہ اس کا جرم دوسرے مجرموں سے زیادہ ہے کیونکہ مومن کا خواب نبوت کا چالیسواں جزء ہوتا ہے اور یہ اسے بھی گندہ کرتا ہے۔

غرض اس باب میں کذب کی جتنی صورتیں گذر چکی ہیں ان سب سے احتراز کرنے کے بعد آپ منزلِ صدق کو حاصل کر سکتے ہیں۔ یہ تمام صورتیں نفاق کا شعبہ ہیں۔ ان میں سے چھوٹا یا بڑا کوئی بھی شعبہ اگر کسی مومن کے اندر موجود ہے تو اس میں نفاق کا ایک شعبہ موجود ہے وہ مومن صادق نہیں پھر یہ تو کسی کسی کے نصیب ہیں کہ مومن صدیق کی فہرست میں داخل ہو جائے جس کے سردار صدیق اکبر ہیں۔ رضی اللہ تعالیٰ عنہ۔ یا ایھا الذین امنوا اتقوا اللہ وکونوا مع الصادقین۔

## الخلف فی الوعد

(۸۶۵) عن زید بن ارقم عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال اذا وعد الرجل اخاہ ومن نیتہ ان یفی لہ فلم یف ولم یجیٔ للمیعاد فلا اثم علیہ (رواہ ابوداؤد والترمذی قال لیس اسنادہ بالقوی)

(۸۶۶) عن ابن عباس عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال لا تمار اخاک ولا تمازحہ ولا تعدہ موعدا فتخلفہ۔ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث غریب)

(۸۶۷) عن عبد اللہ ابی الحمساء قال بایعت النبی صلی اللہ علیہ وسلم قبل ان یبعث وبقیت لہ بقیۃ فوعدتہ ان آتیہ فی مکانہ فنسیت فذکرت بعد ثلاث فاذا ھو فی مکانہ فقال لقد شققت علی انا ھھنا منذ ثلاث انتظرک۔ (رواہ ابوداؤد)

## الخصومۃ والجدال

(۸۶۸) عن ابن عمر عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم قال من خاصم فی باطل وھو

---

### وعدہ خلافی

(۸۶۵) زید بن ارقم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جب انسان وعدہ کرے اور اس کی نیت یہ ہو کہ اس کو پورا کرے گا مگر اتفاقاً پورا نہ کر سکے اور وقت مقررہ پر نہ آسکے تو اس پر کوئی گناہ نہیں۔ (ابوداؤد۔ ترمذی)

(۸۶۶) ابن عباس روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اپنے بھائی سے جھگڑا بھی نہ کرو اور نہ اس سے زیادہ مذاق کرو اور نہ بے وجہ اس سے وعدہ کرو کہیں پھر وعدہ خلافی کی نوبت آجائے (ترمذی)

(۸۶۷) عبداللہ بن ابی الحمار سے روایت ہے کہ میں نے بعثت سے قبل رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ خرید وفروخت کا معاملہ کیا۔ مجھے آپ کو کچھ دینا رہ گیا تھا اس لئے میں نے وعدہ کیا کہ میں آپ کو اسی مقام پر لاکر دیتا ہوں پھر مجھے یہ بات یاد نہ رہی اور تین دن کے بعد یاد آئی۔ آکر کیا دیکھتا ہوں کہ آپ برابر اسی جگہ موجود ہیں۔ آپ نے فرمایا تم نے بڑی تکلیف دی میں تین دن سے تمہارے انتظار میں یہاں موجود ہوں۔ (ابوداؤد)

### لڑائی اور جھگڑا

(۸۶۸) ابن عمرؓ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ آپ نے فرمایا جو شخص جان بوجھکر

يَعْلَمُ لَمْ يَزَلْ فِيْ سَخَطِ اللّٰهِ حَتّٰى يَنْزِعَ۔ (رواہ ابوداؤد)

(۸۶۹) عَنْ عَائِشَةَ تَرْفَعُهُ قَالَ أَبْغَضُ الرِّجَالِ إِلَى اللّٰهِ الْأَلَدُّ الْخَصِمُ۔ (رواہ الشیخان)

(۸۷۰) عَنْ زِيَادِ بْنِ حُدَيْرٍ قَالَ قَالَ لِيْ عُمَرُ هَلْ تَعْرِفُ مَا يَهْدِمُ الْإِسْلَامَ قَالَ قُلْتُ لَا قَالَ يَهْدِمُهُ زَلَّةُ الْعَالِمِ وَجِدَالُ الْمُنَافِقِ بِالْكِتَابِ وَحُكْمُ الْأَئِمَّةِ الْمُضِلِّيْنَ۔ (رواہ الدارمی)

## اضاعة الصلوات

(۸۷۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَقَدْ رَأَيْتُنَا وَمَا يَتَخَلَّفُ عَنِ الصَّلٰوةِ إِلَّا مُنَافِقٌ قَدْ عُلِمَ نِفَاقُهُ أَوْ مَرِيْضٌ إِنْ كَانَ الْمَرِيْضُ لَيَمْشِيْ بَيْنَ رَجُلَيْنِ حَتّٰى يَأْتِيَ الصَّلٰوةَ وَقَالَ إِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَّمَنَا سُنَنَ الْهُدٰى وَإِنَّ مِنْ سُنَنِ الْهُدٰى الصَّلٰوةَ فِي الْمَسْجِدِ الَّذِيْ يُؤَذَّنُ فِيْهِ۔ (رواہ مسلم)

---

جب نے معاملہ میں جھگڑا کرے وہ ہمیشہ اللہ تعالیٰ کی ناراضگی کے تحت رہتا ہے تاآنکہ اس کو ترک نہ کر دے۔ (ابوداؤد)

(۸۶۹) حضرت عائشہؓ مرفوعاً روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا اللہ تعالیٰ کے نزدیک انسانوں میں سب سے زیادہ مبغوض وہ شخص ہے جو بہر قسم کا جھگڑالو ہو۔ (بخاری شریف)

(۸۷۰) زیاد بن حدیر بیان کرتے ہیں کہ مجھ سے حضرت عمرؓ نے پوچھا جانتے ہو اسلام کو ڈھا دینے والی چیزیں کیا ہیں! میں نے عرض کیا نہیں۔ فرمایا ایک تو عالم کی لغزش، دوم منافق کا کتاب اللہ میں بے بات جھگڑے نکالنا، سوم گمراہ حاکموں کے ظالمانہ اور جاہلانہ فیصلے۔ (دارمی)

## نمازوں میں کاہلی اور سستی

(۸۷۱) ابن مسعودؓ فرماتے ہیں کہ ہم دیکھتے تھے کہ جماعت سے بس دو ہی شخص پیچھے رہتے تھے یا کھلا ہوا منافق یا مریض اور مریض بھی دو شخصوں کا سہارا لے کر مسجد میں آ ہی جاتا تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے مجھے ہدایت کے راستے بتا دیئے ہیں ان میں ایک یہ ہے کہ اس مسجد میں آکر نماز ادا کی جائے جہاں پنجوقتہ اذان دی جاتی ہو۔ (مسلم)

---

(۸۷۰) منافق کی جتنی خصائل بد ہیں ان سب کا رشتہ کہیں نہ کہیں جا کر خدا اور اس کے رسول کی نافرمانی کے ساتھ لگتا ہے۔ یہاں بھی اس کے جدال کا رخ کتاب اللہ کی طرف ہے۔ خصائل نفاق عملی جب راسخ ہو جاتے ہیں تو خدا اور رسول کے معاملہ میں بھی ظاہر ہونا شروع ہو جاتے ہیں اور آخر اس کا ثمرہ نفاق کی شکل میں نمودار ہو جاتا ہے۔

(۸۷۲) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِلْكَ صَلٰوةُ الْمُنَافِقِ يَجْلِسُ يَرْقُبُ الشَّمْسَ حَتّٰى اِذَا اصْفَرَّتْ وَكَانَتْ بَيْنَ قَرْنَيِ الشَّيْطَانِ قَامَ فَنَقَرَ اَرْبَعًا لَا يَذْكُرُ اللّٰهَ فِيْهَا اِلَّا قَلِيْلًا۔ (رواہ مسلم)

(۸۷۳) عَنْ اُبَيِّ بْنِ كَعْبٍ قَالَ صَلّٰى بِنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمًا الصُّبْحَ فَلَمَّا سَلَّمَ قَالَ اَشَاهِدٌ فُلَانٌ قَالُوْا لَا قَالَ اِنَّ هَاتَيْنِ الصَّلٰوتَيْنِ اَثْقَلُ الصَّلٰوتِ عَلَى الْمُنَافِقِيْنَ وَلَوْ تَعْلَمُوْنَ مَا فِيْهِمَا لَاَتَيْتُمُوْهُمَا وَلَوْ حَبْوًا عَلَى الرُّكَبِ وَاِنَّ الصَّفَّ الْاَوَّلَ عَلٰى مِثْلِ صَفِّ الْمَلٰئِكَةِ وَلَوْ عَلِمْتُمْ مَا فَضِيْلَتُهٗ لَابْتَدَرْتُمُوْهُ وَاِنَّ صَلٰوةَ الرَّجُلِ مَعَ الرَّجُلِ اَزْكٰى مِنْ صَلٰوتِهٖ وَحْدَهٗ وَصَلٰوتُهٗ مَعَ الرَّجُلَيْنِ اَزْكٰى مِنْ صَلٰوتِهٖ مَعَ الرَّجُلِ وَمَا كَثُرَ فَهُوَ اَحَبُّ اِلَى اللّٰهِ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

(۸۷۲) انسؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا یہ نماز تو منافق کی نماز ہے کہ آفتاب کو دیکھتا رہے (اور اس میں اتنی تاخیر کرے) کہ جب وہ زرد ہونے لگے اور شیطان کی عبادت کا وقت آجائے تو اب اٹھے (جلدی جلدی) چار چونچ مارلے کہ ذکر اللہ (جو نماز کا اصل مقصد ہے) اس میں بس یونہی رہ جائے۔ (مسلم)

(۸۷۳) اُبی بن کعب سے روایت ہے کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہم کو نماز پڑھائی جب سلام پھیر چکے تو فرمایا کیا فلاں شخص جماعت میں آیا ہے؟ لوگوں نے عرض کیا نہیں فرمایا منافقین پر یہ دو نمازیں سب نمازوں سے زیادہ بارگذرتی ہیں کاش جو اجر ان میں ہے اگر تم لوگ جانتے تو گھسٹ گھسٹ کر گھٹنوں کے بل بھی آیا کرتے خوب سن لو کہ تمہاری پہلی صف ایسی افضل ہوتی ہے جیسی فرشتوں میں پہلی صف، کاش تم اس کی فضیلت جانتے تو لپک لپک کر آتے اور یہ بھی سن لو کہ آدمی کی وہ نماز جو ایک شخص کے ساتھ ہو وہ اس کی تنہا نماز سے افضل ہوتی ہے اور جو دو شخصوں کے ساتھ ہو وہ ایک شخص کی جماعت سے افضل ہے اس کے بعد جماعت جتنی بڑھتی جائے گی اس کی فضیلت بھی اسی قدر بڑھتی جائے گی۔ (ابوداؤد۔ نسائی)

(۸۷۲) یہ منافق کی نماز کا نقشہ ہے جس کا دل اول تو نماز پڑھنا چاہتا ہی نہیں اور اگر بہزار مشکل پڑھتا ہے تو اس وقت پڑھتا ہے جبکہ نماز کا وقت بالکل تنگ ہونے لگتا ہے پھر ایسی بے دلی سے پڑھتا ہے کہ اس کے کھڑے ہونے کی حقیقت صرف پرندے کے چونچ مارنے کے برابر رہ جاتی ہے اور چونکہ تعدیل ارکان بھی نہیں کرتا اس لئے اس کے دو سجدے گویا ایک چونچ مارنے کے برابر ہوتے ہیں۔ پھر وہ نماز جس کو ولذکر اللہ اکبر فرمایا گیا ہے اس بری طرح ادا کرتا ہے کہ اس میں ذکر کی مقدار بس اتنی ہی رہ جاتی ہے جتنی اس کے ظاہری رکوع و سجود میں نظر آتی ہے۔

(۸۷۳) یہاں آپ کا نام لیکر دریافت فرمانا پتہ دیتا ہے کہ منافقین کا علم آپ کو تھا کون کون ہیں۔

(۸۷۴) عَنْ عُثْمَانَ ابْنِ عَفَّانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَدْرَكَهُ الْاَذَانُ فِي الْمَسْجِدِ ثُمَّ خَرَجَ لَمْ يَخْرُجْ لِحَاجَةٍ وَهُوَ لَا يُرِيْدُ الرَّجْعَةَ فَهُوَ مُنَافِقٌ۔ (رواہ ابن ماجہ)

(۸۷۵) عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَصْلَتَانِ لَا يَجْتَمِعَانِ فِي مُنَافِقٍ حُسْنُ سَمْتٍ وَلَا فِقْهٌ فِي الدِّيْنِ۔ (رواہ الترمذی)

(۸۷۶) عَنْ مُعَاذِ بْنِ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ وَسَلَّمَ مَنْ حَمٰى مُؤْمِنًا مِنْ مُنَافِقٍ

(۸۷۴) حضرت عثمانؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص مسجد میں ہو اور اذان ہو جائے اس کے باوجود وہ بےضرورت مسجد سے باہر چلا جائے اور اس کا ارادہ واپسی کا نہ ہو تو یہ شخص منافق ہے۔ (ابن ماجہ)

(۸۷۵) ابوہریرہ بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا دو باتیں کسی منافق میں یکجا جمع نہیں ہوتیں اچھا طریقہ اور دین کی سمجھ۔ (ترمذی شریف)

(۸۷۶) معاذ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جس نے کسی مسلمان کو کسی منافق کی غیبت سے بچالیا قیامت کے دن اللہ تعالیٰ ایک فرشتہ مقرر کرے گا جو اس کے گوشت کو دوزخ

(۸۷۵) پہلی حدیثوں میں تو ایسے خصائل کا ذکر کیا گیا تھا جن کے موجود ہونے سے ایک مومن پر بھی خالص منافق ہونے کا گمان ہو سکتا ہے اور یہاں اُن فضائل کا ذکر کیا گیا ہے جن کے بعد اس پر منافق ہونے کا شبہ بھی نہیں ہو سکتا۔ پہلی حدیثوں کا منشاء یہ تھا کہ کوئی مسلمان ایسا نہ ہونا چاہئے کہ اس میں ان خصلتوں میں سے ایک خصلت بھی نظر آئے اور اس حدیث کا مقصد یہ ہے کہ کوئی مسلمان ایسا باقی نہ رہنا چاہئے جس میں یہ فضائل بیک وقت موجود نظر نہ آئیں خلاصہ یہ کہ ایک مومن کی شان یہ ہونی چاہئے کہ وہ جملہ خصائل ایمانی سے مرصع ہو اور نفاق کی ایک ایک خصلت سے منزہ ہو۔

دین کی فہم کے ساتھ اگر کوئی اپنے ظاہری افعال کو بھی حسین و خوبصورت بنالیتا ہے تو اس کے معنی یہ ہیں کہ اس کا ظاہر و باطن درست ہو چکا اب اس میں نفاق کی کوئی گنجائش نہیں رہی۔ ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ ایک شخص کے ظاہری حالات بہت اچھے نظر آئیں مگر اس کا باطن فہم دین کی رعنائی سے خالی ہو یہ انسان ظاہر پرست انسان ہے یہ خود بھی دھوکے میں مبتلا ہے اور اپنے حسن ظاہر سے دوسروں کو بھی حسنِ باطن کا دھوکا دینا چاہتا ہے اسی طرح جو کچھ نہ کچھ دین کی فہم تو رکھتا ہے مگر اس کے مقتضا کے مطابق اپنے ظاہر کو درست نہیں کرتا یہ بھی محروم القسمت ہے اور نفاق عملی کی بیماری میں مبتلا ہے۔ اس حدیث سے یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ ایمان صرف باطن کی اصلاح کا نام نہیں، اپنی ظاہری شکل و صورت اور حرکات و سکنات کا خوبصورت بنانا بھی اس کا ایک جزء اہم ہے اس کی توفیق کامل مسلمان ہی کو میسر آسکتی ہے۔ جو فرقہ صرف اصلاحِ باطن کے درپے ہے اور اصلاح ظاہر سے غافل ہے وہ بھی اسلام کی اصل تعلیم سے ناواقف ہے اور جو صرف ظاہری بناؤ سنوار میں لگ رہا ہے اور دین کی اصل فہم کی فکر نہیں کرتا وہ بھی جہل مرکب کا شکار ہو رہا ہے۔

(۸۷۶) یہاں غیبت کرنے والے شخص کو منافق کہا گیا ہے اس سے سمجھ لینا چاہئے کہ حدیث کی اصطلاح میں منافق کا اطلاق کن معنوں میں آیا ہے۔ غیبت کرنے والے کا ظاہر و باطن بھی مختلف ہوتا ہے وہ بھی ذوالوجہین ہوتا ہے۔ غیبت کی عادت بزدلی اور بداخلاقی

بَعَثَ اللّٰهُ مَلَكًا يَحْمِي لَحْمَهُ يَوْمَ الْقِيَامَةِ مِنْ نَارِ جَهَنَّمَ وَمَنْ رَمٰى مُسْلِمًا بِشَيْءٍ يُرِيْدُ بِهٖ شَيْنَهٗ حَبَسَهُ اللّٰهُ عَلٰى جِسْرِ جَهَنَّمَ حَتّٰى يَخْرُجَ مِمَّا قَالَ (رواه ابوداؤد)

## اسباب النفاق

(۸۷۷) عَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْغِنَاءُ يُنْبِتُ النِّفَاقَ فِي الْقَلْبِ كَمَا يُنْبِتُ الْمَاءُ الزَّرْعَ۔ (رواه البيهقي في شعب الايمان)

(۸۷۸) عَنْ نَافِعٍ قَالَ كُنْتُ مَعَ ابْنِ عُمَرَ فِيْ طَرِيْقٍ فَسَمِعَ مِزْمَارًا فَوَضَعَ اِصْبَعَيْهِ فِيْ اُذُنَيْهِ وَنَاءَ عَنِ الطَّرِيْقِ اِلَى الْجَانِبِ الْاٰخَرِ ثُمَّ قَالَ لِيْ بَعْدَ اَنْ بَعُدَ يَا نَافِعُ هَلْ تَسْمَعُ شَيْئًا قُلْتُ لَا فَرَفَعَ اِصْبَعَيْهِ مِنْ اُذُنَيْهِ قَالَ كُنْتُ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَسَمِعَ صَوْتَ يَرَاعٍ فَصَنَعَ مِثْلَ مَا صَنَعْتُ قَالَ نَافِعٌ وَكُنْتُ اِذْ ذَاكَ صَغِيْرًا۔ (رواه احمد وابوداؤد)

---

کی آگ سے محفوظ رکھے گا۔ اور جس نے کسی مسلمان کے سر ایسی بات لگائی جس کا مقصد اس کو عیب لگانا ہو اللہ تعالیٰ اس کو دوزخ کے پل پر روکے رکھے گا یہاں تک کہ وہ اس کی سزا بھگت کر فارغ نہ ہولے۔ (ابوداؤد)

## نفاق کے چند اسباب

(۸۷۷) جابر بیان کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ گانا قلب میں نفاق کو اس طرح اگاتا ہے جس طرح پانی کھیتی کو۔ (شعب الایمان)

(۸۷۸) نافع بیان کرتے ہیں کہ میں حضرت ابن عمرؓ کے ساتھ ایک راستہ پر جا رہا تھا کہ انھوں نے بانسری کی آواز سنی فوراً دونوں کانوں میں انگلیاں دے لیں اور راستہ سے دوسری جانب ہٹ کر چلنے لگے پھر جب دور نکل گئے تو مجھ سے کہا اے نافع کچھ آواز سنتا ہے میں نے کہا نہیں یہ سن کر اپنی انگلیاں کانوں سے نکال لیں پھر فرمایا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھا آپ نے بانسری کی آواز سنی تو یہی عمل کیا جو میں نے اب تیرے سامنے کیا تھا۔ نافع کہتے ہیں کہ میں اس وقت بچہ تھا (اس لئے میں کان کھولے رہا)۔ (ابوداؤد)

---

کا ثمرہ ہے غیبت کے مقاصد بھی بری ہوتے ہیں جو نفاق کے۔ اس لئے یہاں ایسے شخص کو منافق سے تعبیر کیا گیا ہے۔ یہ حاصل غیبت کی عادت سے نفرت دلانے کیلئے سب سے زیادہ موثر تعبیر بھی ہے اور حقیقت کی ترجمانی کے لئے سب سے قریب بھی۔

(۸۷۷) صرف خوش آوازی منع نہیں مزامیر و سرود کے ساتھ گانا ممنوع ہے۔

(۸۷۹) عَنْ اِبْنِ عَبَّاسٍ قَالَ مَنْ تَرَكَ الْجُمُعَةَ مِنْ غَيْرِ ضَرُوْرَةٍ كُتِبَ مُنَافِقًا فِىْ كِتَابٍ لَا يُمْحٰى وَلَا يُبَدَّلُ۔ وفى بعض الروايات ثلاثاً۔ (رواه الشافعى كما فى المشكوٰة)

## البراءة من النفاق

(۸۸۰) عَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ صَلّٰى لِلّٰهِ اَرْبَعِيْنَ يَوْمًا فِىْ جَمَاعَةٍ يُدْرِكُ التَّكْبِيْرَةَ الْاُوْلٰى كُتِبَ لَهٗ بَرَاءَتَانِ بَرَاءَةٌ مِّنَ النَّارِ وَبَرَاءَةٌ مِّنَ النِّفَاقِ۔ (رواه الترمذى مرفوعاً وموقوفاً)

## اكرام المنافق

(۸۸۱) عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ بُرَيْدَةَ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَقُوْلُوْا لِلْمُنَافِقِ سَيِّدٌ فَاِنَّهٗ اِنْ يَّكُنْ فَقَدْ اَسْخَطْتُمْ رَبَّكُمْ۔ (رواه ابوداؤد)

(۸۷۹) ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جس شخص نے کسی عذر کے بغیر جمعہ ترک کیا اس کا نام ایسے دفتر میں منافق لکھدیا جائے گا جس میں کوئی ترمیم و تنسیخ نہیں کی جاتی۔ (مشکوٰۃ شریف)

## نفاق سے علیحدہ ہونا

(۸۸۰) انسؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا جو شخص چالیس دن برابر جماعت کے ساتھ اس طرح نماز پڑھتا رہے کہ اس کی تکبیر اولیٰ بھی فوت نہ ہو تو اللہ تعالیٰ کی طرف سے اس کے حق میں دو باتوں سے براءت لکھدی جاتی ہے۔ عذابِ دوزخ سے اور مرضِ نفاق سے۔ (ترمذی شریف)

## منافق کی تعظیم کرنا

(۸۸۱) عبداللہ بن بریدہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا منافق کو ہرگز سید اور سردار کا لفظ نہ کہنا کیونکہ اگر درحقیقت وہ سردار ہو بھی پھر بھی تم نے اپنے پروردگار کو ناراض کرنے کا سامان کرلیا۔ (ابوداؤد)

(۸۸۰) چالیس کے عدد میں کوئی ایسی خاص برکت پنہاں ہے کہ اس کا اثر کو آپ کی عوام کی خلوتوں تک میں ظاہر۔ حضرت موسیٰؑ نے جس میقات کو پورا کیا وہ بھی قرآن کریم میں چالیس راتیں بتائی گئی ہیں۔ حدیثوں میں اور بہت جگہ بھی اس خاص عدد کا ذکر آیا ہے۔ صوفیاء کرام نے اس کا نام ہی چلہ رکھ لیا ہے۔ اب آپ یوں سمجھ لیجئے کہ جو شخص ایک چلہ باجماعت نماز پڑھ لے اس کو یہ دو براءتیں نصیب ہوجاتی ہیں یا اپنے دل کو یوں تسلی دے لیجئے کہ ایک چلہ پابندی وہی کرسکے گا جس کے نصیب میں یہ دو سعادتیں لکھی جاچکی ہیں۔ سہ گرنہ توفیق و سعادت در میان افگند مانز کس بمیدان در نمی آید سواراں را چہ شد۔

(۸۸۱) یعنی اگر بری قسمت سے منافق سرداربھی بن جائے جب بھی اس کے حق میں تعظیمی کلمہ کہنا رب العزۃ کی ناراضگی کا موجب ہے یاد رکھئے جس طرح اکرام مومنین اسلام کا ایک شعبہ اور رب العزت کی رضامندی کا باعث ہے اسی طرح اکرام منافق اس کی ناراضگی کا سبب ہے۔

# التعوذ من النفاق

(۸۸۲) عن ام معبد قالت سمعت رسول الله صلی الله علیہ وسلم یقول اللّٰھم طھر قلبی من النفاق وعملی من الریاء ولسانی من الکذب وعینی من الخیانۃ فانک تعلم خائنۃ الاعین وما تخفی الصدور۔ (رواہ البیہقی فی الدعوات الکبیر)

(۸۸۳) عن عمر قال علمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قال قل اللّٰھم اجعل سریرتی خیراً من علانیتی واجعل علانیتی صالحۃ اللّٰھم انی اسألک من صالح ما تؤتی الناس من الاھل والمال والولد غیر الضال ولا المضل۔ (رواہ الترمذی)

## نفاق سے پناہ مانگنے کی چند دعائیں

(۸۸۲) ام معبد روایت فرماتی ہیں کہ میں نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ دعا فرماتے خود سنا ہے، خدایا! میرے قلب کو نفاق سے، میرے عمل کو ریا سے، میری زبان کو جھوٹ سے اور میری آنکھ کو خیانت سے پاک وصاف کردے۔ تو خوب جانتا ہے کہ خیانت کرنے والی آنکھ کون ہے اور ان باتوں کو بھی خوب جانتا ہے جو دلوں میں پوشیدہ ہوتی ہیں۔

(۸۸۳) عمرؓ روایت فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھکو یہ دعا تعلیم فرمائی اور فرمایا کہ یوں دعا کیا کرو خدایا میرے باطن کو میرے ظاہر سے بہتر بنادے اور میرے ظاہر کو بھی بہتر بنا دے خدایا میں تجھ سے وہ تمام اچھی اچھی چیزیں مانگتا ہوں جو لوگوں کو عطا فرماتا ہے، نیک بی بی، حلال مال اور نیک اولاد جو نہ خود گمراہ ہو نہ دوسروں کو گمراہ کرنے والی ہو۔ (ترمذی شریف)

(۸۸۲) قلب کا مرض نفاق ہے عمل کا نمائش، زبان کا دروغگوئی اور آنکھوں کا نظریں چراکر محرمات کو دیکھنا۔ سبحان اللہ خاتم الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم کے دعائیہ کلمات کتنے جزیل ہیں کہ ان مختصر سے کلمات میں ان تمام خاص خاص امراض سے نجات کی دعا سکھادی۔ جو ان قیمتی اعضاء کو فاسد کرسکتے تھے۔

(۸۸۳) نفاق یہ ہے کہ انسان کا باطن اس کے ظاہر سے بدتر ہو اس لئے آپ نے اس دعا کی تعلیم دی کہ انسان کا باطن اس کے ظاہر سے بہتر ہو جائے پھر اس دعا کی تکمیل کے لئے ارشاد فرمایا کہ ظاہر بھی بہتر فرمادے گو انسان کا کمال یہ ہے کہ اس کا ظاہر و باطن دونوں ہی بہتر ہوں مگر باطن کا حسن ظاہر کے حسن پر مقدم ہے اگر کسی کا ظاہر اس کے باطن سے زیادہ حسین ہے تو وہ بھی خسارہ میں ہے کامیاب وہ ہے جس کے دونوں رخ حسین ہوں اور اس کا باطنی رخ ظاہر سے بھی حسین تر ہو۔ منافق حسن باطن سے بے نصیب ہے۔ وہ نفاق حقیقی یا نفاق عملی سے متعفن ہوتا ہے۔

(۸۸۴) عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ کَانَ یَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ اِنِّیْ اَعُوْذُبِكَ مِنَ الشِّقَاقِ وَالنِّفَاقِ وَسُوْءِ الْاَخْلَاقِ۔ (رواہ ابوداؤد والنسائی)

(۸۸۴) ابوہریرہؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم یوں دعا فرمایا کرتے تھے خدایا میں تیری پناہ لیتا ہوں اختلاف، نفاق اور بُرے اخلاق سے۔

(۸۸۴) شقاق اور بدخلقی، نفاق کے لوازم میں سے ہیں اس حدیث میں گویا نفاق اور اس کے لوازم سے پناہ مانگنے کی تعلیم دی گئی ہے۔ اس قسم کے دعائیہ کلمات سے یہ اندازہ کیا جا سکتا ہے کہ شرعی نظر میں نفاق کی اہمیت کیا ہے اور قلوب میں اس مرض کے پیدا ہونے کا کتنا اندیشہ ہو سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ گذشتہ احادیث میں آپ صحابۂ کرام کے خوف و خشیۃ کا حال پڑھ چکے ہیں۔ جو اعمالِ نفاق آپ نے گذشتہ اوراق میں پڑھے ہر شخص کی زندگی میں کبھی نہ کبھی پیش آ ہی جاتے ہیں کسی موقعہ پر انسانی لغزش سے جھوٹ بھی سرزد ہو جاتا ہے وعدہ خلافی بھی ہو جاتی ہے کبھی بربنا بشریۃ انسان جھگڑا بھی کر لیتا ہے پھر خیانت کی کوئی جزئی بھی پیش آ ہی جاتی ہے۔ پھر ہر شخص کے معیارِ دین کے مطابق بعض مرتبہ ان اسماء کا اطلاق ایسے اعمال پر ہو جاتا ہے جو درحقیقت اس کے مصداق نہیں ہوتے۔ حضرت ابراہیم خلیل اللہؑ کی ذاتِ گرامی کو ملاحظہ کیجئے انھوں نے کیسی کیسی سچی باتوں کو بھی اپنی شانِ رفیع کے مطابق کذب سمجھا اور ان سے اتنا متاثر ہوئے کہ محشر میں نظر نہ اٹھائیں گے۔

# مکتوباتِ امامِ ربّانی

مُجدّدِ الفِ ثانی حضرت شیخ احمد سرہندی قدّس اللہ سرّہُ العزیز
کے اسرارِ شریعت اور معارفِ طریقت سے بھرپور گرانقدر مُجدّدانہ مکاتیب کا

**مُستند اُردو ترجمہ**

ادارۂ اسلامیات لاہور

# اعجازِ عیسوی جدید

تألیف

حضرت مولانا رحمت اللہ کیرانوی قدس سرہٗ

تحریف بائبل اور اس میں موجود تضادات پر نامور محقق کی نادر علمی تحریر
اردو کے نئے پیرہن میں ——— تردید عیسائیت پر حوالہ کی مشہور کتاب

تسہیل و تحقیق و تشریح و حواشی

حضرت مولانا جسٹس محمد تقی عثمانی صاحب مدظلہم
جناب مولانا محمد محترم فہیم عثمانی رحمۃ اللہ علیہ
جناب مولانا حسین احمد نجیب

ادارہ اسلامیات

قال اللہ تعالیٰ: خلق الانسان علمہ البیان (القرآن)

یعنی

علمِ معانی، بیان و بدیع پر مشہور عربی درسی کتاب مختصر المعانی کی مکمل اور بہترین اردو شرح

متن تلخیص المفتاح: قاضی القضاۃ علامہ خطیب قزوینیؒ (۷۳۹ھ)

شرح مختصر المعانی: علامہ سعد الدین تفتازانیؒ (۷۹۲ھ)

اردو ترجمہ و تشریحی فوائد

حضرت مولانا محمد حنیف گنگوہی فاضل دار العلوم دیوبند

ناشر: ادارہ اسلامیات ۱۹۰- انارکلی لاہور